



# المواهب اللدنية بالشيخ المحمدي

الجزء الثالث



لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُتُوسَةٌ  
بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ  
بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

# المواهب اللدنیہ

## بإسعاد المحسنین

(اردو ترجمہ)

الجزء الثالث

تصنیف

شارح بخاری امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمہ اللہ

(۸۵۱ — ۵۹۲۳)

ترجمہ

مولانا علامہ محمد صدیق نقوی ہزاروی مدظلہ العالی

سینئر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ناشر

فرید بک ٹرال (رجسٹرڈ)  
۳۸۔ اردو بازار لاہور



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## فہرست

### المواہب اللدنیہ (جلد ثالث)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	آٹھواں مقصد		15	طپ نبوی کی اقسام	39
	طپ نبوی، تعبیر رویا اور غیب کی خبریں، امراض اور آفات کا علاج خوابوں کی تعبیر اور غیبی خبریں دینا			پہلی قسم	39
	فصل اول			روحانی دواؤں سے علاج	39
	امراض و آفات والوں کے لیے طپ نبوی		23	قرآن مجید کے ذریعے شفاء حاصل کرنا	39
	1 بیمار پری		2	دعا کے ذریعے حصول شفاء	41
	2 بیمار پری کا حکم		24	دم جھاڑے کے ذریعے شفاء حاصل کرنا	42
	3 بیمار پری کی فضیلت		24	دم کرنا جائز ہے	43
	4 بروقت بیمار پری کرنا		25	نظر لگنے کا دم	46
	5 غیر مسلموں سے علاج کرنا		26	نظر لگانے والے کی سزا	52
	6 روحانی علاج		27	نبی اکرم ﷺ کے کلمات دم جن سے دم فرمایا کرتے تھے	52
	7 عیادت مریض کی کیفیت		28	خوف اور بے خوابی کا نبوی علاج	54
	8 دلوں کا علاج اور جسموں کا علاج		29	مصیبت کی گرمی کا ”رجوع الی اللہ“ کی شخصدک سے نبوی علاج	54
	9 گناہوں کا ضرر اور آثار		30	غموں کا علاج اپنے رب کی طرف توجہ سے کرنا	55
	10 جسمانی علاج		32	فقر کی بیماری کا نبوی علاج	62
	11 علاج کی ترغیب		34	جلنے والے کا نبوی علاج	63
	12 علاج کرنا توکل کے خلاف نہیں		36	حکمت	63
	13 ”لکل داء دواء“ میں مریض اور ڈاکٹر کے لیے امید		38	مرگی والے کا طپ نبوی سے علاج	64
	14 طپ نبوی		38	جادو کا نبوی علاج	65
			1	جادو کا حکم	65



نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
2	جادو کی حقیقت	66	90	جلاب کے سلسلے میں طب نبوی	6
3	جادو اور معجزہ میں فرق	67	91	دل کی تکلیف کا نبوی علاج	7
4	نبی اکرم ﷺ پر جادو کا واقعہ	67	92	السر کا نبوی علاج	8
5	جادو کا علاج	70	93	استسقاء کا نبوی علاج	9
6	ہر بیماری کے لیے نفع بخش دم	72	94	معدے کی کمزوری کا علاج	10
7	درد سر کا دم	72	95	عرق النساء کا نبوی علاج	11
8	داڑھ میں درد کا دم	73	96	ورم اور پھیپھڑوں کا علاج نبوی	12
9	داڑھ کے درد کا مجرب نسخہ	73	96	رگیں کاٹنے اور داغنے کے ذریعے علاج	13
10	پیشاب رک جانے کا دم	74	97	حتمی نتیجہ	14
11	بخار کا دم	74	98	طاعون کا نبوی علاج	15
12	دوسری تکلیفوں کے لیے کلمات	76	101	خود کا نبوی علاج	16
13	بچے کی ولادت کے وقت	76	101	بخار اور طب نبوی	17
14	تکسیر کے لیے کلمات دم	78	104	بخار کی اقسام	18
15	عرق النساء کے درد کے لیے	78	106	خارش اور جوؤں کا نبوی علاج	19
16	کلمات حفاظت (حفظ رمضان)	78	107	نبی اکرم ﷺ کو خیبر میں جوز ہر دیا گیا اس کا علاج	20
17	ہر بلا سے بچاؤ	79		قینس و فشیح قدرتی اور طبعی مرکب ادویہ سے حضور ﷺ کا علاج کرنا	79
18	ستر بلاؤں سے بچاؤ	79			80
19	فقر سے امان	80			81
20	کھانے سے پیدا ہونے والی بیماری کا علاج	81	108	زخم اور ہر تکلیف سے طب نبوی	1
21	ام الصبیان سے بچاؤ	81	110	بچھوکے ڈسنے کا نبوی علاج	2
22	کان میں اذان دینے کی حکمت	81	110	پھنسی کا نبوی علاج	3
			111	انگلیوں کے درمیان پھنسی کا نبوی علاج	4
			111	آگ سے جلنا اور طب نبوی	5
			111	طب نبوی اور حفاظتی تدابیر	6
			113	مریض کا پانی سے بچنا	7
				دھوپ میں گرم کیے ہوئے پانی سے نبی اکرم ﷺ نے نہ بننے کا حکم دیا کیونکہ اس سے برص کا خوف ہوتا ہے	8
					85
					87
					87
			113		



صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
136	مضبوط زرہ اور ذبح کی جانے والی گائے	5	114	بجیل لوگوں کے کھانے سے پرہیز کرنا	9
137	نبی اکرم ﷺ کا تر کھجوریں دیکھنا	6	114	سستی کی بیماری سے پرہیز	10
137	خواب میں تلواریں دیکھنا جس کو حرکت دے رہے ہیں	7	115	بواسیر کی بیماری سے بچنے کا حکم	11
138	نبی اکرم ﷺ کا اپنے آپ کو کنویں پر دیکھنا	8	115	کھسی کے زہریلے پتے سے پانی کو بچانا	12
140	صحابہ کرام کے خواب اور تعبیر نبوی	9	116	رات کو اترنے والی بلاؤں سے برتن ڈھانپنے	13
140	نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام سے ان کے خوابوں کے بارے میں سوال کرنا	10	116	کے ذریعے حفاظت	
140	نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام سے خوابوں کے بارے میں سوال نہ کرنا	11	116	بے وقوف عورت کے دودھ سے بچنے کو بچانا	14
142	حضرت زرارہ نخعی رضی اللہ عنہ کا خواب	12	117	بدبھنسی سے بچاؤ	15
144	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا خواب	13	117	فصل ۲	
145	ام العلاء انصاریہ کا خواب	14	119	نبی اکرم ﷺ کا خوابوں کی تعبیر بتانا	
146	فصل ۳		120	خواب کی حقیقت	16
148	نبی اکرم ﷺ کا غیبی خبریں دینا		122	حکیم ترمذی کا قول	17
152	قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کی غیبی خبریں	1	123	سچے خواب نبوت کا جزء ہیں	18
152	نبی اکرم ﷺ نے غیب کی خبریں دیں	2	125	خوابوں کا سچا ہونا	19
168	نواں مقصد		126	آداب خواب	20
168	نبی اکرم ﷺ کی عبادات		128	خواب کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس کی حکمت	21
168	زندگی بھر عبادت	1	129	خواب کا پہلا تعبیر کنندہ	22
169	حکم مطلق کے بارے میں اصول مسئلہ	2	129	تعبیر بتانے والے کے آداب	23
170	آیت کا معنی	3	130	خواب دیکھنے والے کے آداب	24
170	عبادت پر صبر کرنا	4	131	جو کچھ دیکھا گیا اس کی اقسام	25
171	غلطی کرنے والے صوفی کی سمجھ کی تصحیح	5	131	خواب کے سلسلے میں لوگوں کے درجات	26
171	کیا آپ نے کسی پہلی شریعت پر عمل کیا؟	6	133	نبی اکرم ﷺ نے خوابوں میں کیا دیکھا؟	
174	فصل ۴		134	دودھ نوش فرمانا	1
174	نبی اکرم ﷺ کا وضو مسواک اور وضو کے پانی کی مقدار		135	قیص کی تعبیر دین سے	2
174	وضو میں نیت	1		سونے کے دو ٹکٹن	3
				سیاہ قام بکھرے ہوئے بالوں والی عورت	4



نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
2	اعمال میں نیت کا حکم	176	3	پاؤں پر مسح	193
3	نیت کے شرط ہونے کے لیے قاعدہ	176	4	موزوں پر مسح کے دلائل	194
4	وضو کب فرض ہوا؟	177	5	مدت مسح	195
5	کیا ہر نماز کے لیے وضو کرنا ضروری ہے؟	178		فصل ۵	
6	وضو کب واجب ہوتا ہے؟	179	195	نبی اکرم ﷺ کا تیمم کرنا	
7	مسواک کا حکم	179		فصل ۶	
8	کس چیز کی مسواک؟	180	197	نبی اکرم ﷺ کا غسل	
9	مسواک کرنے کا طریقہ	181	197	غسل کا لغوی معنی اور حقیقت	
10	وضو کے پانی میں اعتدال	182	197	فرضیت غسل کی دلیل	
	فصل ۷		198	غسل کا طریقہ	
	وضو میں ایک ایک دو دو اور تین تین		200	اعضاء کا ملنا	
	باراعضاء کو دھونا	183	200	غسل میں اعضاء کو تین بار دھونا	
	فصل ۸		200	پاؤں کو آخر میں دھونا	
	نبی اکرم ﷺ کے وضو کا طریقہ	184	201	غسل کے وضو میں سر کا مسح نہ کیا جائے	
1	کیا سر کے مسح کا تکرار ہے؟	186	202	اعضاء کو خشک کرنے کا حکم	
2	سر کا طریقہ	187	203	سونے سے پہلے جنابت سے وضو کرنا	
3	ہر وضو سکم کی باء کا معنی	188		فصل ۹	
4	سر کا کتنی مقدار میں مسح کرنا واجب ہے؟	189	204	نبی اکرم ﷺ کی نماز کا ذکر	
5	کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا	189	204	تمہید عام	
6	وضو کی سنتیں	190		فصل ۱۰	
7	وضو میں مدد لینا	191	205	فرائض اور ان کے تعلقات	
8	وضو کے بعد اعضاء کو خشک کرنا	191		پہلا باب	
9	وضو کی حاجت نہیں	191	205	پانچ نمازیں	
10	نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت	192		فصل ۱۱	
	فصل ۱۲		205	فرضیت نماز	
	موزوں پر مسح کرنا	192		فصل ۱۲	
1	مسح کا جواز	192		نماز کے ان اوقات کا تعین جن میں	
2	پاؤں دھونا افضل ہے یا مسح؟	193	207	نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی	



صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
226	چوتھی قسمی فتویٰ نبی اکرم ﷺ کا صبح کی نماز میں فاتحہ کے بعد قرأت کرنا		207	اوقات نماز	1
226	سورت کے کچھ حصے کی قرأت	1	209	معراج کی صبح اوقات نماز	2
227	جمعہ کی صبح کی قرأت	2	209	عصر اور مغرب کی نماز جلدی پڑھنا	3
227	نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت	3	210	احوال کی رعایت کرنا	4
228	پانچویں قسمی فتویٰ ظہر و عصر کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت		210	نماز عشاء میں تاخیر	5
229	چوتھی قسمی فتویٰ نماز مغرب میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت		212	فصل دوم نبی اکرم ﷺ کی نماز کا طریقہ	
232	سابقہ قسمی فتویٰ نماز عشاء میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت		212	پہلی قسمی فتویٰ نماز کا آغاز کیسے فرماتے؟	
232	بعض آیات کے بعد دعا	1	212	تکبیر کے ساتھ نماز شروع کرنا	1
233	نماز میں نکتے	2	213	نماز کی نیت کرنا	2
233	اٹھویں قسمی فتویٰ نبی اکرم ﷺ کا رکوع		214	الفاظ کے ساتھ نیت کے قائلین سے مناقشہ	3
234	نہیں قسمی فتویٰ نبی اکرم ﷺ کے رکوع کی مقدار		215	ہاتھ اٹھانے کے مقامات	4
234	اٹھویں قسمی فتویٰ نبی اکرم ﷺ رکوع میں اور اس سے اٹھتے ہوئے کیا پڑھتے تھے؟		216	قیام کے دوران ہاتھ کہاں رکھیں؟	5
234	رکوع کے کلمات	1	216	دعائے افتتاح	6
237	گیارہویں قسمی فتویٰ نبی اکرم ﷺ کے سجدے کا طریقہ اور اس کے کلمات		218	دوسری قسمی فتویٰ نبی اکرم ﷺ کا قرأت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا	
240	بارہویں قسمی فتویٰ نبی اکرم ﷺ کا تشہد کے لیے بیٹھنا		218	بسم اللہ پڑھنے سے متعلق روایات	1
			219	حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایات بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کے قائلین کے بعض دلائل	2
			222	تحقیق مسئلہ	3
			223	تیسری قسمی فتویٰ نبی اکرم ﷺ کا سورہ فاتحہ پڑھنا اور اس کے بعد آمین کہنا	4
			225		



نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
263	دعائے قنوت کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا	6	242	قنوت شریف	242
264	قنوت کے احکام	7	243	نبی اکرم ﷺ کا تشہد	243
265	فتنہ	243	243	1 تشہد پڑھنے کا حکم	243
265	نبی اکرم ﷺ کا نماز میں سجدہ سہو	1	245	2 تشہد کے کچھ معانی	245
266	سہو کی تعریف	2	246	3 تشہد کے بعد درود شریف کا حکم	246
267	سجدہ سہو کا حکم	3	247	4 کیا رسول اکرم ﷺ کے لیے رحمت کی دعا مانگی جائے؟	247
268	سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ	4	249	5 تشہد کے بعد حضور ﷺ پر درود شریف بھیجنا	249
275	سلام کے بعد سجدہ	5	250	6 نماز میں دعا	250
	سلام کے بعد سجدہ کرنے کے بارے میں آراء	250		7 فتنہ و جال سے استعاذہ	
	مذہب			چند فضیلتیں	
	فتنہ		252	نبی اکرم ﷺ کا نماز سے سلام پھیرنا	252
277	نبی اکرم ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کون سے کلمات پڑھتے تھے نیز نماز کے بعد آپ کا بیٹھنا اور اس کے بعد جلدی پھر جانا	252	252	1 سلام پھیرنے کے سلسلے میں آپ کی سیرت طیبہ	252
277	نماز کے بعد سنت کیا ہے؟	1	253	2 سلام پھیرنے سے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک	253
278	نماز کے بعد دعا	2	254	3 سلام پھیرنے کا حکم	254
279	نماز کے بعد دعا کے بارے میں ابن قیم کی رائے	3	255	4 نماز کے دوران طریقہ رسول ﷺ	255
280	ابن قیم کا مناقشہ	4	257	5 نماز کے دوران بچے کو اٹھانا	257
281	امامت کے بعض احکام	5		6 نماز میں حرکت	
282	بیٹھے ہوئے امام کی اقتدا	6		7 نماز میں دوسوہ	
282	دوسرا باب		258	چند فضیلتیں	258
282	نماز جمعہ کا ذکر		258	نبی اکرم ﷺ کے قنوت کا ذکر	258
286	یوم جمعہ المبارک کی فضیلت	1	259	1 قنوت کے معانی	259
286	نماز جمعہ کا وقت	2	260	2 قنوت کی مشروعیت سے متعلق نصوص	260
286	خطبہ جمعہ کا حکم	3		3 قنوت کے بارے میں علماء کرام کی آراء	
286	نماز جمعہ کے لیے اذان	4	261	4 قنوت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب	261
289	پہلا جمعہ اور پہلا خطبہ	5	262	5 دعائے قنوت کی صریح عبارت	262
291	خطبہ کے کچھ احکام	6			



صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
326	سنت فجر اور وتروں کے درمیان (مطابقت)	6	293	خطبہ میں آپ کے بعض اقوال	7
326	ماہ رمضان میں وتروں میں قنوت	7	296	خطبہ کے وقت خاموشی	8
	پانچواں باب		297	تحیۃ المسجد اور نماز جمعہ	9
327	نبی اکرم ﷺ کی نماز چاشت		299	خطبہ نماز اور قرأت کی مقدار	10
327	اس کے ثابت ہونے میں اختلاف	1	300	کتنی تعداد کے ساتھ جمعہ منعقد ہوتا ہے؟	11
327	نماز چاشت کو ثابت کرنے والی نصوص	2		تیسرا باب	
330	تائید نفی کے دلائل	3	302	نبی اکرم ﷺ کی نماز تہجد کا بیان	
331	نصوص کو جمع کرنا	4	302	آیت کریمہ کی تفسیر	1
	نماز چاشت کی رکعات اور اس کے پڑھنے کا سبب	5	303	نبی اکرم ﷺ کا نماز تہجد میں مسلسل کھڑا رہنا	2
331			305	نبی اکرم ﷺ کی رات کی نماز	3
333	نماز چاشت کے فوائد	6	306	حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما	4
	نماز چاشت نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے نہیں ہے	7	308	حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا	5
334			310	نبی اکرم ﷺ کے قیام لیل کی انواع	6
	فصل فی قنوت		312	نبی اکرم ﷺ کی نماز کس شکل میں ہوتی؟	7
335	نبی اکرم ﷺ کے نوافل اور ان کے احکام		313	شعبان کی پندرہویں رات کا قیام	8
	پہلا باب		315	نماز تراویح	
335	اوقات مخصوصہ میں پڑھے جانے والے نوافل		315	احادیث تراویح	1
	فصل ثانی		318	تراویح جماعت کے ساتھ یا الگ الگ؟	2
335	پانچ نماز اور جمعہ کی سنت مؤکدہ		319	تعداد رکعات	3
	پہلا باب			حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو تراویح پر جمع کیا	4
335	تمام سنت مؤکدہ کی جامع احادیث		319		
	فصل ثالث			چوتھا باب	
336	فجر کی دو رکعتیں		321	وتر نماز	
336	ان رکعتوں کی تاکید و تخفیف	1	321	نماز وتر کا طریقہ	1
337	فجر کی سنتوں میں قرأت	2	323	وتروں کے بعد نماز	2
338	سنت فجر کے بعد لیٹنا	3	323	وتر نماز کا وقت اور اس کی قضاء	3
	تیسرا باب		324	نماز وتر کا حکم	4
340	ظہر کی سنت مؤکدہ		325	نماز وتر میں قرأت	5



نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
353	عورتوں کا نماز عید کے لیے جانا	3		چوتھی قرشی فتوح	
355	مسلمانوں کی عیدیں	4	341	سنت عصر	
	دوسرا باب			پانچویں فتوح	
357	وہ نوافل جو اسباب سے ملے ہوئے ہیں		343	مغرب کی سنت مؤکدہ	
	فصل ۱			چوتھی فتوح	
357	نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز)		345	عشاء کی سنت مؤکدہ	
358	سورج گرہن اور علم الفلک	1		ساقیہ فتوح	
360	اس موضوع پر احادیث	2	345	جمعة المبارک کی غنیمتیں	
364	دور جاہلیت کے اعتقاد کا ابطال	3		فصل ۲	
365	نماز کسوف کے احکام	4	347	نبی اکرم ﷺ کی عیدین کی نماز	
	فصل ۲			پہلی فتوح	
366	نبی اکرم ﷺ کی نماز استسقاء		347	تعداد رکعات	
366	نماز استسقاء سنت ہے	1		دوسری فتوح	
367	نماز اور خطبہ کے ساتھ استسقاء	2	347	تکبیرات کی تعداد	
370	خطبہ جمعہ میں استسقاء	3		تیسری فتوح	
373	منبر پر بارش کے لیے دعا	4	348	وقت اور جگہ	
377	دعا کے ذریعے طلب بارش	5		چوتھی قرشی فتوح	
	بعض مقامات پر نبی اکرم ﷺ کا بارش کے	6	349	اذان اور اقامت	
379	لیے دعا کرنا			پانچویں فتوح	
	فصل ۳		349	عیدین کی نماز میں قرأت	
379	استسقاء کی بعض دعائیں			چوتھی فتوح	
	فصل ۴			نبی اکرم ﷺ کا خطبہ اور اس سے	
	حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ		349	نماز عیدین کا پہلے ہونا	
380	سے بارش طلب کرنا			ساقیہ فتوح	
	تیسری فتوح			عید الفطر کے دن نبی اکرم ﷺ کا نماز کے	
382	نبی اکرم ﷺ کی نماز سفر		351	لیے جانے سے پہلے کچھ کھانا	
			351	کھانے میں حکمت	1
			352	نماز عید کے لیے پیدل جانا	2



صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
395	3- قیسریٰ فروع قبر پر نماز پڑھنا			فصل ۱ نماز میں آپ کا قصر کرنا اور اس کے احکام	
397	4- چتر قسریٰ فروع عائیانہ نماز جنازہ		382	پیشی فروع کتنی رکعات میں نبی اکرم ﷺ قصر فرماتے تھے؟	
400	قیسریٰ فروع زکوٰۃ سے متعلق سیرت مصطفیٰ ﷺ		382	دوسری فروع اقامت کے ساتھ قصر	
400	زکوٰۃ کا معنی	1		فصل ۲ دونمازوں کو جمع کرنا	
401	اقسام اموال جن میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے	2	384	پیشی فروع نبی اکرم ﷺ کا جمع کرنا	
401	مقدار نصاب	3		دوسری فروع عرفات اور مزدلفہ میں جمع کرنا	
402	صدقہ فطر	4	385	فصل ۳ سفر میں نبی اکرم ﷺ کا نفل پڑھنا	
402	مستحقین زکوٰۃ	5		فصل ۴ نبی اکرم ﷺ کا حالت سفر میں جانور پر نفل پڑھنا	
403	انبیاء کرام پر زکوٰۃ نہیں	6	386	چتر قسریٰ فروع نبی اکرم ﷺ کی نماز خوف	
403	تنبیہ	7		پانچویں قسریٰ فروع نبی اکرم ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا	
404	زکوٰۃ دینے والے کے لیے دعا	8	387	1- پیشی فروع تکبیرات کی تعداد	
404	فرضیت زکوٰۃ کی تاریخ	9		2- دوسری فروع قرأت و دعا	
405	نبی اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے صدقہ قبول نہ کرتے	10	387		
406	چتر قسریٰ فروع نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا		389		
409	پیشی فروع نبی اکرم ﷺ کے ماہ رمضان المبارک کے روزے		390		
409	فصل ۱ رمضان المبارک میں نبی اکرم ﷺ سے خاص عبادات اور آپ کی سخاوت کا بڑھ جانا		393		
409	رمضان المبارک کی وجہ تسمیہ اور روزے کی افرضیت	1	393		
410	رمضان المبارک اور اعمال صالحہ	2			



صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	رمضان میں قرآن	411	3		
	استقبال رمضان	411	4		
429	فصل ۲ نبی اکرم ﷺ کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا	413			
429	فصل ۳ نبی اکرم ﷺ کا ایک عادل کی شہادت پر روزہ رکھنا	414			
430	فصل ۴ نبی اکرم ﷺ روزے کی حالت میں کیا کیا عمل کرتے تھے؟	415			
430	یوم عاشوراء کا تعین	1			
431	دور جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ	2			
	فرضیت رمضان سے پہلے عاشوراء کے روزے کا حکم	3	417	بوسہ لینا، سرمہ لگانا اور مسواک کرنا	1
432	یہودی اور عاشوراء کا روزہ	4	418	فصل ۵ نبی اکرم ﷺ کے افطار کا وقت	
433	نویں محرم کا روزہ	5			
435	نبی اکرم ﷺ کا یوم عاشوراء میں روزہ رکھنا	6	419	فصل ۶ نبی اکرم ﷺ کس چیز سے افطار فرماتے تھے؟	
436	عاشوراء کی فضیلت	7			
437	عاشوراء کے دن کشادگی	8	419	فصل ۷ نبی اکرم ﷺ افطاری کے وقت کون سے کلمات کہتے تھے؟	
438	فصل ۸ نبی اکرم ﷺ کا شعبان میں روزہ رکھنا		421	فصل ۸ نبی اکرم ﷺ کے صوم وصال	
439	ان احادیث میں تطبیق	1	422	بطمنی ربی ویسقینی کا معنی	1
439	شعبان میں بکثرت روزے رکھنے میں حکمت	2	424	صول وصال کا حکم	2
441	محرم اور رجب میں روزہ رکھنا	3			
442	فصل ۹ نبی اکرم ﷺ کے عشرہ ذوالحجہ کے روزے		426	فصل ۹ نبی اکرم ﷺ کا سحری کھانا	
445	فصل ۱۰ ہفتہ کے دوران نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا		427	فصل ۱۰ نبی اکرم ﷺ کا سفر میں روزہ رکھنا اور چھوڑ دینا	
447	فصل ۱۱ نبی اکرم ﷺ کے ایام بیض کے روزے				



صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
468	اختلاف روایات کا سبب	12		پانچویں فصیح	
469	ہدی کو قلاوہ ڈالنا	13		نبی اکرم ﷺ کا اعتکاف آخری عشرہ	
470	تادیب و توجیہ	14		رمضان میں عبادت کے لیے کوشش	
470	محرم کے لیے شکار ہدیہ کرنے کا حکم	15	449	اور لیلۃ القدر کی تلاش	
472	انبیاء کرام علیہم السلام کے حج کا ذکر	16	449	اعتکاف کی تعریف، حکمت اور حکم	1
474	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حیض	17	449	کیا اس کے لیے روزہ شرط ہے؟	2
476	حج کو عمرہ پر داخل کرنا	18	450	اعتکاف کی جگہ مسجد ہی ہے	3
477	ذی طویٰ میں رات گزارنا اور مکہ مکرمہ میں دخول	19	451	اعتکاف کا کم از کم اور زیادہ سے زیادہ وقت	4
478	مسجد حرام میں داخل ہونا	20	451	نبی اکرم ﷺ کا اعتکاف اور لیلۃ القدر کی تلاش	5
479	بیت اللہ شریف کا طواف	21	452	لیلۃ القدر کی حد بندی	6
481	صفا اور مروہ کے درمیان سعی	22	453	کیا لیلۃ القدر اس امت کے ساتھ خاص ہے؟	7
482	کیا حج عمرہ میں بدل جاتا ہے؟	23	453	لیلۃ القدر کی علامات	8
483	مکہ مکرمہ میں آپ کہاں اترے؟	24	454	نبی اکرم ﷺ کا آخری عشرہ میں کوشش کرنا	9
	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یمن سے	25		چھٹی فصیح	
483	تشریف آوری		456	نبی اکرم ﷺ کے حج اور عمرہ کا ذکر	
484	ذوالحجہ کی آنکھوں تاریخ (یوم ترویہ)	26	456	حج کے لیے جلدی کرنا	1
484	وقوف عرفات	27	456	حج کی فرضیت	2
488	عرفات سے واپسی	28	457	فرضیت حج کی ابتداء	3
489	مزدلفہ میں رات گزارنا	29	458	نبی اکرم ﷺ کے حج و عمرہ کی تعداد	4
490	دعا	30		نبی اکرم ﷺ کا حجۃ الوداع کے لیے تشریف	5
490	یوم ولادت کی طرح (پاک) واپس ہونا	31	459	لے جانا	
491	کنز وروں کو پہلے بھیجنا	32	459	نبی اکرم ﷺ کا احرام اور احرام کی جگہ	6
492	مزدلفہ میں رات گزارنا	33		نبی اکرم ﷺ کے حج اور احرام کے بارے	7
492	کنگریاں چننا	34	461	میں اقوال	
493	حج میں نیابت کا سوال	35	462	قائلین افراد کے دلائل	8
494	جمرات کو کنگریاں مارنا	36	463	قائلین قرآن کے دلائل	9
494	قربانی اور سرمنڈانا	37	465	افضل حج کون سا ہے؟	10
497	یا اللہ! خلق کرنے والوں کو بخش دے	38	466	تمتع وغیرہ کے قائلین کا مناقشہ	11



نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
39	سوالات	499	12	ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہے	530
40	قربانی کے دن اعمال کی ترتیب	499	13	نبی اکرم ﷺ کے اذکار	531
41	یوم نحر کا خطبہ	500	14	نبی اکرم ﷺ کا استغفار	532
42	طوافِ افاضہ	503	15	نبی اکرم ﷺ کس طرح استغفار کرتے تھے؟	533
43	یوم نحر میں ظہر کی نماز کی جگہ	503	16	نبی اکرم ﷺ کی قرأت	533
44	حجرات کو کنکریاں مارنا	505	17	خوش آوازی سے پڑھنے کی دو صورتیں	535
45	منیٰ میں رات گزارنا اور وہاں سے کوچ کرنا	505	18	حضرت داود علیہ السلام کی خبر	536
46	طواف وداع	506	19	وعظ سننے کا اثر	537
47	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمرہ	507	20	سماع کا حکم	539
48	مدینہ طیبہ کی طرف واپسی	508	21	تنبیہ	542
49	نبی اکرم ﷺ کے عمرے	509		دسواں مقصد	
	صائق و بیہ فیض			فصل اول	
	اس نوع میں نبی اکرم ﷺ کی عبادت میں سے کچھ دعاؤں اذکار اور قرأت کا ذکر ہے	512		اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ کے ذریعے آپ پر اپنی نعمتوں کو مکمل کرنا اور آپ کو اپنے ہاں جنت میں منتقل کرنا	543
1	فضیلت دعا	512		سورۃ النصر کا نزول	543
2	کیفیت دعا	513	1		
3	خاص مناسبت سے دعائیں	519	2	زندہ اور فوت شدہ سے رخصت ہونا	545
	خوف کے وقت	519	3	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت	547
4	بچوں کو تعویذ ڈالنا اور دم کرنا	519	4	نبی اکرم ﷺ کی علالت کا آغاز	548
5	پریشانی کے وقت	520	5	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں	548
6	پریشانی کے ازالہ کے لیے دعا	521	6	حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے سرگوشی	554
7	پریشانی کے ازالہ کی ایک اور دعا	521	7	واقعہ متعدد بھی ہو سکتا ہے	556
8	گشہ کی بازیابی کے لیے	522	8	نبی اکرم ﷺ نے دوائی دینے سے روک دیا	556
9	ہاتھ اٹھانا اور چہرے پر ملنا	522	9	وہ مکتوب جو لکھنا نہ جاسکا	558
10	حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے نبی اکرم ﷺ کی دعا	523	10	اختلاف کا جواز	558
11	بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات کے لیے آپ کی دعا	524	11	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام کو نماز پڑھانا	559
			12	پند و نصائح	560



صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
619	توسل کی بحث	11	561	انصار کی خیر خواہی	13
619	تخلیق سے پہلے توسل	12	562	وصال سے پہلے صحابہ کرام سے گفتگو	14
620	تخلیق کے بعد توسل	13	563	اے اللہ! رفیق اعلیٰ	15
621	وصال کے بعد توسل	14	565	موت کی سختیاں	16
621	میدان قیامت میں شفاعت	15		صحابہ کرام کی نماز کے دوران آپ کی الوداعی نظر	17
622	ریاض الجہنہ کی بحث	16	567		
624	مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ؟	17	570	نبی اکرم ﷺ کا وصال	18
631	مصنف کی رائے	18	576	اظہار تأسف	19
632	مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب	19	584	نبی اکرم ﷺ کو غسل دینا	20
639	مسجد قباء اور دیگر زیارت گاہوں کی زیارت	20	586	نبی اکرم ﷺ کا کفن مبارک	21
	فصل ۳		588	نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ اور تدفین	22
641	امور آخرت میں فضیلت		591	قبر انور کی صفت	23
	سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کھلے گی	21	594	نبی اکرم ﷺ کی تدفین میں تاخیر	24
643			594	مدینہ طیبہ دونوں کے درمیان	25
645	مستثنیٰ کون لوگ ہیں؟	22		فصل ۴	
	قیامت کے دن سب سے پہلے کس لباس پہنایا جائے گا؟	23		نبی اکرم ﷺ کی قبر انور اور بلند مرتبہ مسجد کی زیارت	
649			596		
651	لواء الحمد	24	596	زیارت نبوی کی ترغیب	1
652	صفہ حشر	25	599	تین مساحد کی زیارت	2
655	میدان محشر میں کھڑا ہونا نہایت سخت ہوگا	26	600	نذر زیارت کا حکم	3
656	حوض شریف	27	600	ابن تیمیہ کا رد	4
660	شفاعت اور مقام محمود	28	601	زیارت کا شوق	5
661	مقام محمود کیا ہے؟	29	605	کچھ آداب زیارت	6
662	دوسرا قول	30		نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے کے لیے الفاظ	7
663	تیسرا قول	31	607		
663	چوتھا قول	32	612	سلام کا جواب دینا	8
672	میدان محشر میں جو کچھ ہوگا اس کی ترتیب	33	615	زیارت کے بعد دعا کے لیے کہاں کھڑا ہو؟	9
672	نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کی اقسام	34	617	خاک طیبہ کی خوشبو	10



نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
35	پہلی شفاعت	672			
36	دوسری شفاعت	673			
37	تیسری شفاعت	673			
38	چوتھی شفاعت	674			
39	پانچویں شفاعت	674			
40	حساب اور جزاء	676			
41	پہلے صراط سے گزرنا	682			
42	دو پہلے صراط	685			
43	جنت میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ داخل ہوں گے	686			
44	جنت میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی امت داخل ہوگی	689			
45	جنت اور اس کے دروازوں کے نام	690			
46	جنت میں داخل ہونے کے لیے عمل کا اثر	693			
47	بکھرے کے ساتھ آپ ﷺ کی فضیلت	697			
48	دلیل کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی فضیلت	700			
	خاتمہ	701			



## مواہب اللدنیہ (جلد ثالث)

23	.....	آٹھواں مقصد: طب نبویؐ تعبیر رویا اور غیب کی خبریں وغیرہ
24	.....	فصل ۱: امراض آفات والوں کے لیے طب نبویؐ
39	.....	پہلی نوع: روحانی دواؤں سے علاج
81	.....	دوسری نوع: طبی دواؤں سے نبویؐ علاج
108	.....	تیسری نوع: قدرتی اور طبی مرکب ادویہ سے حضور ﷺ کا علاج کرنا
117	.....	فصل ۲: نبی اکرم ﷺ کے خوابوں کی تعبیر بتانا
146	.....	فصل ۳: نبی اکرم ﷺ کا غیبی خبریں دینا
168	.....	نواں مقصد: نبی اکرم ﷺ کی عبادات
174	.....	فصل ۱: نبی اکرم ﷺ کا وضو مسواک اور وضو کے پانی کی مقدار
183	.....	فصل ۲: وضو میں ایک ایک دود اور تین تین بار اعضاء کو دھونا
184	.....	فصل ۳: نبی اکرم ﷺ کے وضو کا طریقہ
192	.....	فصل ۴: موزوں پر مسح کرنا
195	.....	فصل ۵: نبی اکرم ﷺ کا تیمم کرنا
197	.....	فصل ۶: نبی اکرم ﷺ کا غسل
204	.....	دوسری نوع: نبی اکرم ﷺ کی نماز کا ذکر
205	.....	پہلی قسم: فرائض اور ان کے متعلقات
205	.....	پہلا باب: پانچ نمازیں
205	.....	فصل ۱: فرضیت نماز
207	.....	فصل ۲: نماز کے ان اوقات کا تعین جن میں نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی
212	.....	فصل ۳: نبی اکرم ﷺ کی نماز کا طریقہ
212	.....	پہلی نوع: نماز کا آغاز کیسے فرماتے؟
218	.....	دوسری نوع: نبی اکرم ﷺ کا نماز کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا
225	.....	تیسری نوع: نبی اکرم ﷺ کا سورۃ فاتحہ پڑھنا اور اس کے بعد آمین کہنا
226	.....	چوتھی نوع: نبی اکرم ﷺ کا صبح کی نماز میں فاتحہ کے بعد قرأت کرنا



انڈیکس	20	المواهب اللدنیہ (سوم)
228	ظہر و عصر کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت	پانچویں نوع
229	نماز مغرب میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت	چھٹی نوع
232	نماز عشاء میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت	ساتویں نوع
233	نبی اکرم ﷺ کا رکوع	آٹھویں نوع
234	نبی اکرم ﷺ کے رکوع کی مقدار	نویں نوع
234	نبی اکرم ﷺ رکوع میں اور اس سے اٹھتے ہوئے کیا پڑھتے تھے؟	دسویں نوع
237	نبی اکرم ﷺ کے سجدے کا طریقہ اور اس کے کلمات	گیارہویں نوع
240	نبی اکرم ﷺ کے تشہد کے لیے بیٹھنا	بارہویں نوع
242	نبی اکرم ﷺ کا تشہد	تیرہویں نوع
252	نبی اکرم ﷺ کا نماز سے سلام پھیرنا	چودھویں نوع
258	نبی اکرم ﷺ کے قنوت کا ذکر	پندرہویں نوع
265	فصل ۴: نبی اکرم ﷺ کا نماز میں سجدہ سہو	
277	فصل ۵: نبی اکرم ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کون سے کلمات پڑھتے تھے؟	
282	دوسرا باب: نماز جمعہ کا ذکر	
302	تیسرا باب: نبی اکرم ﷺ کی نماز تہجد کا بیان	
321	چوتھا باب: وتر نماز	
327	پانچواں باب: نبی اکرم ﷺ کی نماز چاشت	
335	دوسری قسم: نبی اکرم ﷺ کے نوافل اور ان کے احکام	
335	پہلا باب: اوقات مخصوصہ میں پڑھے جانے والے نوافل	
335	فصل ۱: پانچ نماز اور جمعہ کی سنت مؤکدہ	
335	پہلی نوع: تمام سنت مؤکدہ کی جامع احادیث	
336	دوسری نوع: فجر کی دو رکعتیں	
340	تیسری نوع: ظہر کی سنت مؤکدہ	
341	چوتھی نوع: سنت عصر	
343	پانچویں نوع: مغرب کی سنت مؤکدہ	
345	چھٹی نوع: عشاء کی سنت مؤکدہ	
345	ساتویں نوع: جمعہ المبارک کی سنتیں	
347	فصل ۲: نبی اکرم ﷺ کی عیدین کی نماز	



المواهب المدنيه (سوم)	21	انڈیکس
پہلی نوع	تعداد رکعات	347
دوسری نوع	تکبیرات کی تعداد	347
تیسری نوع	وقت اور جگہ	348
چوتھی نوع	اذان اور اقامت	349
پانچویں نوع	عیدین کی نماز میں قرأت	349
چھٹی نوع	نبی اکرم ﷺ کا خطبہ اور اس سے نماز عیدین کا پہلے ہونا	349
ساتویں نوع	عید الفطر کے دن نبی اکرم ﷺ کا نماز کے لیے جانے سے پہلے کچھ کھانا	351
دوسرا باب: وہ نوافل جو اسباب سے ملے ہوئے ہیں		357
فصل ۱: نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز)		357
فصل ۲: نبی اکرم ﷺ کی نماز استسقاء		366
فصل ۳: استسقاء کی بعض دعائیں		379
فصل ۴: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش طلب کرنا		380
تیسری قسم: نبی اکرم ﷺ کی نماز سفر		382
فصل ۱: نماز میں آپ کا قصر کرنا اور اس کے احکام		382
پہلی نوع	کتنی رکعات میں نبی اکرم ﷺ قصر فرماتے تھے؟	382
دوسری نوع	اقامت کے ساتھ قصر	384
فصل ۲: دو نمازوں کو جمع کرنا		385
پہلی نوع	نبی اکرم ﷺ کا جمع کرنا	386
دوسری نوع	عرفات اور مزدلفہ میں جمع کرنا	387
فصل ۳: سفر میں نبی اکرم ﷺ کا نفل پڑھنا		387
فصل ۴: نبی اکرم ﷺ کا حالت سفر میں جانور پر نفل پڑھنا		389
چوتھی قسم: نبی اکرم ﷺ کی نماز خوف		390
پانچویں قسم: نبی اکرم ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا		393
1- پہلی نوع	تکبیرات کی تعداد	393
2- دوسری نوع	قرأت و دعا	393
3- تیسری نوع	قبر پر نماز پڑھنا	395
4- چوتھی نوع	غائبانہ نماز جنازہ	397
تیسری نوع	زکوٰۃ سے متعلق سیرت مصطفیٰ ﷺ	400



- چوٹی نوع : نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا ..... 406
- پہلی قسم : نبی اکرم ﷺ کے ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا ..... 409
- فصل ۱: رمضان المبارک میں نبی اکرم ﷺ سے خاص عبادات اور آپ کی سخاوت کا بڑھ جانا ..... 409
- فصل ۲: نبی اکرم ﷺ کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا ..... 413
- فصل ۳: نبی اکرم ﷺ کا ایک عادل کی شہادت پر روزہ رکھنا ..... 414
- فصل ۴: نبی اکرم ﷺ روزے کی حالت میں کیا کیا عمل کرتے تھے؟ ..... 415
- فصل ۵: نبی اکرم ﷺ کے افطار کا وقت ..... 418
- فصل ۶: نبی اکرم ﷺ کس چیز سے افطار فرماتے تھے؟ ..... 419
- فصل ۷: نبی اکرم ﷺ افطاری کے وقت کون سے کلمات کہتے تھے؟ ..... 419
- فصل ۸: نبی اکرم ﷺ کے صوم وصال ..... 421
- فصل ۹: نبی اکرم ﷺ کا سحری کھانا ..... 426
- فصل ۱۰: نبی اکرم ﷺ کا سفر میں روزہ رکھنا اور چھوڑ دینا ..... 427
- دوسری قسم : نبی اکرم ﷺ کا رمضان المبارک کے علاوہ روزہ رکھنا ..... 429
- فصل ۱: نبی اکرم ﷺ کا کئی دن مسلسل روزہ رکھنا اور کئی دن چھوڑ دینا ..... 429
- فصل ۲: یوم عاشوراء کا روزہ ..... 430
- فصل ۳: نبی اکرم ﷺ کا شعبان میں روزہ رکھنا ..... 438
- فصل ۴: نبی اکرم ﷺ کے عشرہ ذوالحجہ کے روزے ..... 442
- فصل ۵: ہفتہ کے دوران نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا ..... 445
- فصل ۶: نبی اکرم ﷺ کے ایام بیض کے روزے ..... 447
- پانچویں نوع : نبی اکرم ﷺ کے اعتکاف آخری عشرہ رمضان میں عبادت کے لیے  
کوشش اور لیلۃ القدر کی تلاش ..... 449
- چھٹی نوع : نبی اکرم ﷺ کے حج اور عمرہ کا ذکر ..... 456
- ساتویں نوع : اس نوع میں نبی اکرم ﷺ کی عبادت میں سے کچھ دعاؤں اذکار اور قرأت  
کا ذکر ہے ..... 512
- دسواں مقصد: فصل ۱: اللہ تعالیٰ کے نبی اکرم ﷺ کے ذریعے آپ پر اپنی نعمتوں کو مکمل کرنا ..... 543
- فصل ۲: نبی اکرم ﷺ کی قبر انور اور بلند مرتبہ مسجد کی زیارت ..... 596
- فصل ۳: امور آخرت میں فضیلت ..... 641



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آٹھواں مقصد

# طب نبوی، تعبیر رؤیا اور غیب کی خبریں، امراض اور آفات کا علاج، خوابوں کی تعبیر اور غیبی خبریں دینا

کسی شخص کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے معارف کے سمندروں کے ایک نقطے کا احاطہ کر سکے یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقائق کے جو بادل عطا فرمائے ہیں ان کے ایک قطرہ کا علم حاصل کر سکے۔

جب تم ان جامع کلمات پر غور کرو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے، عجیب حکمتوں کے ساتھ خاص کیا، حسن سیرت، حکمت بھرا کلام، گزشتہ امتوں اور ہلاک ہونے والے لوگوں نیز مٹ جانے والی شریعت کی خبر دی جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے ان کی قوموں کے ساتھ واقعات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ان کے بھائیوں کے ساتھ واقعہ، اصحاب کہف کا واقعہ، ذوالقرنین کا قصہ وغیرہ وغیرہ مخلوق کے آغاز اور دار آخرت کی خبریں، توریت و انجیل اور حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں جو کچھ ہے (سب کچھ بتایا)۔

انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے احوال کو ظاہر کرنا، ان کے علوم کے اسرار اور ان کی سیرتوں میں جو کچھ محفوظ ہے ان کی شریعتوں کی پوشیدہ باتیں یا ان کی کتب جن مضامین پر مشتمل ہیں اور ان کے علماء نے آپ کی تصدیق کی اور جو کچھ ذکر کیا گیا ان کو جھٹلانے پر وہ قادر نہ تھے بلکہ وہ اس کے سامنے جھک گئے اس کے علاوہ جو علم اور اچھے اخلاق، مواظب اور حکمتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں وہ اس سے زائد ہیں۔

عقلی دلائل کا راستہ دکھانا، واضح دلائل کے ساتھ امتوں کے مختلف فرقوں کا رد کرنا اور وہ علوم و فنون کہ لوگوں نے اس سلسلے میں آپ کے کلام کو رہنما اور آپ کے اشارے کو حجت بنایا مثلاً لغت، معانی، بیان، عربیت احکام شریعہ کے قوانین، سیاسیات عقلیہ، حقائق قلبیہ کے معارف وغیرہ مختلف اقسام علوم میں آپ مقتدا ہیں اسی طرح ان معارف کے فنون جو امت کے فوائد و حاجات پر مشتمل ہیں جس طرح طب، خوابوں کی تعبیر اور حساب وغیرہ جو بے شمار بے حساب ہیں۔

(تو جب تم ان تمام باتوں پر غور کرو گے) تو تم یہ فیصلہ کرو گے کہ اس باب میں نبی اکرم ﷺ کا میدان بہت وسیع ہے کہ اس تک پہنچنے سے پہلے دلائل ختم ہو جاتے ہیں اور آپ کے علم و معارف کا سمندر بھرا ہوا ہے اسے ڈول مکدر نہیں کر



سکتے (ختم نہیں ہو سکتا)۔  
یہ مقصد تین فصول پر مشتمل ہے۔

## فصل نمبر ۱

# امراض و آفات والوں کے لئے طبِ نبوی

## بیمار پرسی

یہ بات جان لو کہ نبی اکرم علیہ السلام سے بیمار ہونے والے صحابہ کرام کی عیادت ثابت ہے حتیٰ کہ آپ نے اہل کتاب میں سے اس لڑکے کی عیادت بھی فرمائی جو آپ کی خدمت کرتا تھا اور اپنے چچا (ابوطالب) کی بیمار پرسی کی حالانکہ وہ مشرک تھے نیز ان دونوں پر اسلام پیش کیا تو وہ لڑکا جو یہودی تھا اس نے اسلام قبول کیا۔ جس طرح ”صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

ایک یہودی لڑکا نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوا تو آپ نے اس کی بیمار پرسی فرمائی آپ اس کے سر ہانے تشریف فرما ہوئے تو ارشاد فرمایا: اسلام قبول کرو اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو وہاں موجود تھا تو اس نے کہا ”اطع ابا القاسم ابوالقاسم ﷺ کی بات مانو“ تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔  
نبی اکرم ﷺ وہاں سے باہر تشریف لائے تو فرما رہے تھے:

الحمد لله الذي انقذه من النار.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اسے جہنم سے بچا لیا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۱۳۵۶-۵۶۵۷ مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۰-ج ۶ ص ۳۳۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۵ نصب الرایۃ ج ۳ ص ۳۶۰-ج ۳ ص ۲۷۱ الدر المنثور ج ۵ ص ۱۳ تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۲۷۷ موارد الفہم ج ۱ ص ۱۷۰ دلائل النبوة للبیہقی ج ۶ ص ۲۵۰ التہذیب ج ۹ ص ۲۳۶)

نبی اکرم ﷺ مریض کے قریب ہوتے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہو کر اس کا حال یوں پوچھتے ”کیف تجدک؟ تم اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟“

”صحیح بخاری صحیح مسلم جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

میں بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے اور دونوں پیدل تھے انہوں نے مجھے بیہوشی کی حالت میں پایا پھر نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھے پر ڈالا تو مجھے افاقہ ہو گیا میں نے دیکھا تو نبی اکرم ﷺ تھے۔

”سنن ابوداؤد میں“ یوں ہے کہ آپ نے میرے منہ پر چھینٹے مارے تو مجھے افاقہ ہو گیا۔ اس حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:



یا جابر لا اراک میتا من وجعک هذا۔ اے جابر! میں تمہیں اس مرض میں فوت ہوتا ہوا نہیں دیکھتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۷، السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۲۳۱، التہذیب ج ۵ ص ۱۹۰، زاد المسیر ج ۲ ص ۲۶۵)  
 ”صحیح بخاری میں“ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:  
 نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اطعموا الجائع وعودوا المريض وفکوا  
 بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔

العانی۔  
 (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۳۶-۵۶۳۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۵، مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۳، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۷۹-  
 ج ۹ ص ۲۲۶، ج ۱۰ ص ۲، شرح السنہ ج ۵ ص ۲۱۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۲۳، مشکل لا تار ج ۳ ص ۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۳۷۶)

”صحیح بخاری میں“ ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:  
 نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور انہوں نے اس میں بیمار پرسی کا بھی ذکر کیا۔  
 ”صحیح مسلم میں ہے: ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان پر پانچ باتیں واجب ہیں اور ان میں عیادت کا بھی ذکر

کیا۔ ۲

## بیمار پرسی کا حکم

ابن بطال نے کہا:

اس بات کا احتمال ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے ہو یعنی واجب علی الکفایہ ہو بعض کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو جائیں اور کوئی بھی بیمار پرسی نہ کرے تو سب گناہ گار ہوں جس طرح کھانا کھلانے اور قیدی چھڑانے کا حکم ہے (یعنی واجب علی الکفایہ ہے)۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ صلہ رحمی اور الفت کے طور پر محض مستحب ہو۔

طبری کے نزدیک اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) جس شخص سے برکت کی امید ہو اس کے حق میں یہ تاکید حکم ہے۔

۱۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی باتوں پر مطلع فرمایا چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا وصال ۷۰ھ میں ہوا یعنی حضور علیہ السلام کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے نیز اگر بیمار پرسی کرنے والا کوئی بزرگ ہو تو اس سے برکت حاصل کی جائے

اور اس کے وضو کا پانی باعث برکت ہے لہذا وہ وضو کر کے اپنا پانی بیمار پر ڈالے۔ (زرقاتی ج ۷ ص ۵)

۲۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیمار پرسی کرنا (۳) جنازے کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینک کے جواب میں ”برحمک اللہ“ کہنا۔



(۲) جو مریض کی دیکھ بھال کرنے والا (دوائیاں وغیرہ لانے والا ہے) اس کے لیے سنت ہے۔

(۳) اور باقی لوگوں کے لیے مستحب ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے جس طرح ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ نے اپنے ”مقدمہ مشہورہ“ میں فرمایا ہے۔ (الاعلام ج ۸ ص ۲۷، کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۹۵)

انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ”عودوا المریض“ کے عموم سے ہر بیماری کی عیادت کے جواز پر استدلال کیا ہے لیکن بعض نے ”آنکھیں دکھنے کی بیماری“ کو مستثنیٰ کیا۔

لیکن اس کا رد کیا گیا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں خاص طور پر اس بیماری میں عیادت کا ذکر ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے میری بیماری پر سی کی جب کہ میری آنکھوں میں تکلیف تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۲)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور جو حدیث امام بیہقی اور امام طبرانی نے مرفوعاً ذکر کی کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

ثلاثة ليس لهم عيادة الرمد والدمل ثمن بیماریوں کی عیادت نہیں آنکھیں دکھنا پھوڑا اور والضرس۔

دانتوں کا درد ہے۔

تو امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت یحییٰ بن کثیر پر موقوف ہے۔

(عیادت مریض کے سلسلے میں مروی) حدیث کے اطلاق سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ابتدائے مرض گزرنے کی قید نہیں (یعنی یہ بات صحیح نہیں کہ آغاز مرض میں عیادت نہ کی جائے) یہ جمہور کا قول ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے ”احیاء العلوم“ میں قطعی طور پر بیان کیا کہ تین دن کے بعد عیادت کی اور اس بات کے لیے اس حدیث سے استدلال کیا جو امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (وہ فرماتے ہیں):

نبی اکرم ﷺ تین دن کے بعد عیادت کرتے تھے۔

یہ حدیث ضعیف ہے اور مسلم بن علی اس میں متفرد ہیں اور وہ متروک ہیں ابوجاتم کہتے ہیں یہ حدیث باطل ہے۔

### بیمار پرسی کی فضیلت

بیمار پرسی کے بارے میں وارد تمام احادیث ذکر کر کے ہم گفتگو کو طویل نہیں کرنا چاہتے اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا کفایت کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من عاد مریضا ناداه مناد من السماء طبت

و طاب ممشاک وتبوات من الجنة منزلا۔

ایک منادی آواز دیتا ہے تو نے اچھا کیا اور تیرا چلنا اچھا ہے اور تو نے جنت میں ٹھکانہ بنایا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۳۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۶-۳۲۷-۳۵۳، الترغیب والترہیب)



ج ۳ ص ۳۱۹ السادة المتقين ج ۶ ص ۱۷۶-۲۹۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۷۵)

”سنن ابوداؤد میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من توضأ فاحسن الوضوء وعاد اخاه المسلم محتسباً بوعد من جهنم مسيرة سبعين خريفاً. بیمار پرسی کی اسے جہنم سے ستر سال کی مسافت دور رکھا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۰۹۷ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۱۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۵۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۱۳۱) ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا): خمس من عملهن في يوم كتبه الله من اهل الجنة من عاد مريضاً وشهد جنازة وصام يوما وراح الى الجمعة واعتق رقبة. پانچ کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو ایک دن میں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنتیوں میں سے لکھ دیتا ہے جو بیمار کی عیادت کرے اور جنازہ میں حاضر ہو اور ایک دن کا روزہ رکھے اور جمعہ کی نماز کے لئے جائے اور غلام آزاد کرے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جو یوں ہے:

من عاد مريضاً خاض في الرحمة فاذا جلس عنده استنقع فيها. جو شخص کسی مریض کی بیمار پرسی کرے وہ رحمت (خداوندی) میں غوطہ لگاتا ہے پس جب اس کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت میں مکمل طور پر ڈوب جاتا ہے۔

اور طبرانی نے یہ اضافہ کیا:

واذا قام من عنده فلا يزال يخوض فيها حتى يرجع من حيث خرج. اور جب اس کے پاس سے کھڑا ہوتا ہے تو مسلسل رحمت (کے سمندر) میں غوطہ زن ہوتا ہے حتیٰ کہ وہاں لوٹ آئے جہاں سے گیا تھا۔

### بروقت بیمار پرسی کرنا

نبی اکرم ﷺ بیمار پرسی کے لئے کوئی خاص دن یا کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرماتے تھے لہذا ہفتے کے دن بیمار پرسی نہ کرنا سنت کے خلاف ہے۔ یہ بدعت ایک یہودی نے جاری کی وہ ایک بادشاہ کا طبیب تھا جو بیمار ہوا اور اس نے اسے اپنا ملازم رکھا اس حکیم نے جمعہ کے دن ہفتے کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو بادشاہ نے منع کر دیا اسے ڈر ہوا کہ (اگر وہ ہفتے کے دن آیا تو) اس دن کی حرمت کو حلال کرنا لازم آئے گا اور (اگر نہ آیا تو) اس کا خون بہایا جائے گا چنانچہ اس نے کہا ہفتے کے دن مریض کے پاس جانا صحیح نہیں پس بادشاہ نے اسے اجازت دے دی پھر یہ بات مشہور ہو گئی اور بے شمار لوگوں نے اس پر اعتماد کر لیا۔

ابن صلاح نے فراوی سے جو نقل کیا ہے وہ عجیب بات ہے (وہ یہ) کہ سردیوں میں رات کے وقت اور گرمیوں میں



دن کے وقت بیمار پری مستحب ہے شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ سردیوں میں رات کے طویل ہونے کی وجہ سے مریض تنگ پڑ جاتا ہے اور گرمیوں میں دن بڑے ہوتے ہیں لہذا بیمار پری سے اسے راحت پہنچے گی۔

### غیر مسلموں سے علاج کرانا

مناسب یہ ہے کہ دین کے دشمنوں سے علاج نہ کرایا جائے وہ یہودی ہو یا کوئی دوسرا کیونکہ ان کا (مسلمانوں کو) دھوکا دینا قطعی اور یقینی بات ہے خصوصاً جب بیمار آدمی یا علمی اعتبار سے بڑی شخصیت ہو اور بالخصوص جب یہ دشمن یہودی ہو کیونکہ ان کے دین کی بنیاد یہ ہے کہ ان میں سے جو بھی مسلمانوں کا خیر خواہ ہو وہ اپنے دین سے نکل جاتا ہے اور جو شخص ہفتے کے دن کو حلال جانے اس کا خون بہانا جائز ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ جس کے دل میں کوئی ایسا خیال ہو تو اس بات کا ڈر ہے کہ وہ خود کشی سے متعلق ممانعت میں داخل ہو۔ اور اس زمانے میں ذمی کفار سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ پس نیکی کرنا اور برائی سے بچنا اللہ تعالیٰ کی قوت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے جس نے کہا:

لعن النصارى واليهود فانهم  
يخرجوا اطباء وحسابا لكي  
يقتسموا الارواح والاموالا  
”اللہ تعالیٰ نصاریٰ اور یہودیوں پر لعنت فرماتے ہیں ان کا مکر ہم تک پہنچ چکا ہے۔ وہ معالج اور حساب کرنے والے بن کر نکلے تاکہ ارواح اور مال کو تقسیم کریں۔“

### روحانی علاج

نبی اکرم ﷺ جو کچھ خود کرتے اس کا حکم بھی دیتے تھے اس میں مریضوں کے نفسوں کو خوش رکھنا اور ان کے دلوں کو تقویت دینا بھی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:  
اذا دخلتم على المريض فنفسوا له في  
اجله فان ذلك يطيب نفسه.  
جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اسے طویل زندگی  
کی امید دلاؤ اس سے نفس کا علاج ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۷۲، میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۸۹۱۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۱۲۳)  
مثلاً اس سے یوں فرماتے:

لا بأس عليك طهور ان شاء الله  
ووجهك الان احسن.  
کوئی حرج نہیں (گناہوں سے) پاکیزگی کا باعث  
ہے ان شاء اللہ اور تیرا چہرہ اب بہت اچھا ہے۔  
اور اس قسم کے الفاظ کہے۔

اور کبھی یوں ہوتا کہ اس کے لئے مرض سے حاصل ہونے والے ثواب کا ذکر فرماتے اور یہ کہ مرض کفارہ ہے پس



بعض اوقات اس سے اس کا دل ٹھیک ہو جاتا اور وہ گناہ کے ارتکاب سے بے خوف ہو جاتا۔ بعض حضرات (یعنی ابن قیم) نے کہا کہ اس حدیث میں علاج کی ایک بہترین صورت ہے اور وہ بیمار کے دل کو خوش کرنے کے لئے ایسا کلام کرنا جس سے طبیعت کو قوت حاصل ہو اور طبعی گرمی پیدا ہو وہ بیماری کو دور کرنے یا اس سے تخفیف پیدا کرنے پر مدد کرے جو علاج (دوائیوں وغیرہ) کی تاثیر کی انتہاء ہے مریض کو خوش رکھنے نیز اس کے دل کی خوشی اور اسے مسرت پہنچانے کے حوالے سے بیماری سے شفا اور اس کی تخفیف میں عجیب تاثیر ہے کیونکہ اس سے ارواح اور قوتوں کو تقویت حاصل ہوتی اور طبیعت اذیت ناک چیز کو دور کرنے پر مدد حاصل کرتی ہے اور لوگوں نے کئی مریضوں کا مشاہدہ کیا کہ جب وہ لوگ ان کی عیادت کرتے ہیں جن سے وہ محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں تو ان کی قوت بڑھ جاتی ہے ان لوگوں کا مریض کو دیکھنا اس سے نرم گفتگو کرنا ان کے لئے صحت کا باعث ہوتا ہے۔

### عیادت مریض کی کیفیت

”الہدیٰ الہدیٰ“ میں (ابن قیم نے) کہا کہ نبی اکرم ﷺ مریض سے اس کی بیماری کے بارے میں پوچھتے اور یہ کہ وہ اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتا ہے اور کس چیز کی خواہش رکھتا ہے؟ اگر وہ کسی چیز کی خواہش رکھتا اور آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ چیز اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے تو آپ اس کے لئے اس چیز کا حکم دیتے۔

آپ اس کی پیشانی پر اپنا دست مبارک رکھتے اور بعض اوقات اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے اور اس کے لئے دعا فرماتے نیز اسے بتاتے کہ اس کی بیماری میں اس کے لئے کیا چیز نفع بخش ہے کبھی وضو فرما کر اس کا پانی اس پر ڈالتے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گزر چکا ہے، بعض اوقات مریض سے فرماتے: کوئی حرج نہیں گناہوں سے طہارت ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ بعض اوقات فرماتے: یہ کفارہ اور پاکیزگی کا باعث ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی مریض کی بیمار پرسی کرتے تو اپنا دست مبارک اس کی تکلیف والی جگہ پر رکھتے پھر فرماتے: ”بسم اللہ اللہ کے نام سے“۔

اسے ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے سند حسن (یا سند صحیح) کے ساتھ روایت کیا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے کمزور سند کے ساتھ مرفوعاً (حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی) روایت کیا: کہ مریض کی کامل بیمار پرسی یہ ہے کہ تم میں سے کوئی ایک (بیمار پرسی کرنے والا) اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھے اور اس سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے؟ ابن السنی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ (پوچھے) تم نے صبح کیسے کی یا تم نے شام کیسے کی؟

### دلوں کا علاج اور جسموں کا علاج

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ بیماری کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دلوں کی بیماری (۲) جسموں کی بیماری۔

جہاں تک دلوں کی بیماری کے علاج کا تعلق ہے تو یہ اس بات کے ساتھ خاص ہے جو نبی اکرم ﷺ اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے لے کر آئے اس کا حصول اسی جہت سے ہو سکتا ہے کیونکہ دلوں کی اصلاح یہ ہے کہ وہ اپنے رب اور اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانیں نیز اس کے ناموں، صفات، افعال اور احکام کی پہچان حاصل کریں نیز اپنے رب کی رضا



اور محبت کو ترجیح دیں اس نے جن کاموں سے روکا اور جو اس کی ناراضگی کا باعث ہیں ان سے رک جائیں اس کی صحت اور حیات اس کے بغیر نہیں ہو سکتی اور اس بات کا حصول ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کی جہت سے ہی ہو سکتا ہے۔

جہاں تک جسموں کے علاج کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں کچھ تو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے اور بعض باتیں دوسرے لوگوں سے آتی ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادی بنا کر نیز اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کی جنت کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا گیا علاوہ ازیں آپ اللہ تعالیٰ کی پہچان کرانے والے ہیں اور امت کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ اس کی رضا کہاں حاصل ہوگی؟ پھر امت کو اس بات کا حکم دیتے ہیں اس کی ناراضگی کے مقامات بیان کر کے ان سے منع کرتے ہیں انبیاء و رسل کی خبریں اور امتوں کے ساتھ ان کے احوال بیان کرتے ہیں عالم کی تخلیق آغاز و آخرت بدبختی اور سعادت نیز ان کے اسباب بیان فرماتے ہیں۔

اور جہاں تک جسموں کے علاج کا تعلق ہے تو یہ آپ کی شریعت کی تکمیل ہے لیکن ذاتی طور پر مقصود نہیں بلکہ حاجت کے تحت بیان فرماتے اگر اس کی ضرورت نہ ہوتی تو ہمتوں کو دلوں کے علاج اور ان کی صحت نیز قلبی بیماریوں اور ایسی غیرت جو فساد پیدا کرتی ہے کو دور کرنے کی طرف پھرتے کیونکہ جسم کی اصلاح کا مقصد بھی یہی ہے اور جسم کی اصلاح قلبی اصلاح کے بغیر نفع بخش نہیں ہے اور بدن کا فساد دل کی اصلاح کے ساتھ ہو تو نقصان کم ہوتا ہے اور یہ ایسا نقصان ہے جسے دور کیا جاسکتا ہے اور اس کے بعد دائمی منفعت آتی ہے۔

### گناہوں کا ضرر اور آثار

جب تم نے یہ بات جان لی تو یہ بھی جان لو کہ دلوں میں گناہوں کا نقصان اسی طرح ہے جس طرح بدنوں میں زہر سے نقصان پہنچتا ہے البتہ نقصان کے مراتب میں فرق ہے اور دنیا و آخرت کی تمام خرابیوں اور بیماریوں کا سبب گناہ اور نافرمانی ہے اور گناہوں کے بعض قبیح مذموم اور دلوں نیز بدن کو دنیا و آخرت میں نقصان پہنچانے والے بعض آثار ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) علم سے محرومی کیوں کہ علم نور ہے جسے اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتا ہے اور گناہ اس نور کو بجھا دیتا ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

شکوت الی و کعب سوء حفظی

و قال اعلم بان العلم نور

”میں نے حضرت و کعب رحمہ اللہ سے حافظہ کی خرابی کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے گناہوں کو ترک کرنے کا

حکم دیا۔ اور فرمایا جان لو کہ علم ایک نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور کسی نافرمان (گناہ گار) کو نہیں دیا جاتا۔“

(۲) رزق سے محرومی ایک مسند (یعنی مرفوع) حدیث میں ہے:

ان العبد لیحرم الرزق بالذنب یصیبه.

بندہ اس گناہ سے جس تک وہ پہنچتا ہے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۰-۲۸۲ اتحاد السادة المتین ج ۵ ص ۳۰-ج ۸ ص ۶۱۷ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۹۹-۵۳۱ الدر المنثور



ج ۶ ص ۲۳۲

(۳) گناہ گار اپنے دل میں وحشت پاتا ہے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتی ہے جس کے مقابل اور قریب کوئی لذت نہیں آتی۔

(۴) اس کے کام اس پر سخت ہو جاتے ہیں وہ جس کام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس کے سامنے دروازہ بند ہوتا ہے یا اس پر تنگ ہوتا ہے۔

(۵) گناہ گار آدمی اپنے دل میں حقیقتاً تاریکی پاتا ہے جسے وہ محسوس کرتا ہے جس طرح سخت تاریکی رات میں اندھیرا محسوس کرتا ہے اور جب اندھیرا بڑھتا ہے تو اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ بدعات گمراہیوں اور ہلاک کرنے والے کاموں میں پڑ جاتا ہے اور اسے اس بات کا شعور بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہ اندھیرا قوت اختیار کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے چہرے پر چڑھ جاتا ہے اور اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے جو ہر شخص کو دکھائی دیتا ہے۔

(۶) گناہ سے دل اور بدن کمزور ہو جاتا ہے۔

(۷) اس کی وجہ سے عبادت سے محرومی ہوتی ہے عمر کم ہو جاتی ہے اور برکت مٹ جاتی ہے اور (فرشتوں کی کتب کے مطابق) اسباب کے باعث عمر میں اضافہ ہونے یا کسی سبب سے اس کے کم ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمر کے کم ہونے میں گناہ کی تاثیر اس سبب سے ہے کہ زندگی کی حقیقت دل کی زندگی ہے کیونکہ انسان کی زندگی تو وہی اوقات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ گزرتے ہیں یہی اس کی عمر کی گھڑیاں ہیں تو نیکی تقویٰ اور عبادات سے ان اوقات میں برکت پیدا ہوتی ہے جو اس کی حقیقی عمر ہے اور اس کے علاوہ اس کی کوئی عمر نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرتا ہے اور گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کی حقیقی زندگی کے دن ضائع ہو جاتے ہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ذلت جنم لیتی ہے۔

(۹) اس عمل کی ایک خرابی یہ ہے کہ عقل خراب ہو جاتی ہے کیونکہ عقل ایک نور ہے اور گناہ عقل کے نور کو بجھا دیتا ہے۔

(۱۰) گناہ کے باعث نعمتیں چلی جاتی ہیں اور عذاب نازل ہوتا ہے۔

کیونکہ انسان سے نعمت کا زوال گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس پر عذاب بھی گناہ کے باعث نازل ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ

اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے اور وہ (اللہ تعالیٰ) بہت کچھ معاف کر دیتا ہے۔

أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ. (الشوری: ۳۰)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

فان الذنوب تزيل النعم

اذا كنت في نعمة فارعها

فرب العباد سريع النقم

وخطها بطاعة رب العباد

”جب تیرے پاس کوئی نعمت ہو تو اس کا خیال کر کیونکہ گناہوں سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ بندوں



کے رب کی عبادت کے ذریعے ان کی حفاظت کر پس کئی بندوں پر عذاب جلدی نازل ہوتا ہے۔  
گناہ کی سزاؤں میں سے ایک سزا یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں بندے کی ہلاکت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں  
کیونکہ گناہ بیماریاں ہیں جب تم ان کو مضبوط کرو گے وہ تمہیں ہلاک کر دیں گے اور یہ ضروری ہے۔  
اور جس طرح بدن اس غذا کے بغیر صحیح نہیں ہوتا جو غذا اس کے بدن کو قوت بخشنے اور ایسا علاج جو ان فاسد مواد اور  
ردی اخلاط کا علاج کرے جو غالب آنے کی صورت میں بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں اور ان چیزوں سے بچتا ہے جو اسے اذیت  
پہنچاتی ہیں اور ان کے نقصان کا ڈر ہوتا ہے اسی طرح دل کا معاملہ ہے اس کی زندگی کو پورا کرنے کے لیے ایمان اور اعمال  
صالحہ کی غذا ضروری ہے جو اس کی قوت کی حفاظت کرے نیز توبۃ النصوح (نصیحت آمیز توبہ) کے ذریعے دل کا علاج  
کرے تاکہ فاسد مواد اور ردی اخلاط کا علاج ہو جائے کیونکہ وہ غالب آ جائیں تو دل میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور گناہوں  
سے پرہیز کرے تاکہ صحت کی حفاظت ہو اسی طرح قلبی صحت کی مخالفت سے بھی بچے یعنی جو چیزیں صحت کے خلاف ہیں  
ان کو استعمال نہ کرے اور ان تین باتوں (غذا، علاج اور پرہیز) کا نام ہی تقویٰ ہے ان میں سے جو چیز نہ پائی گئی اسی  
اندازے کے مطابق تقویٰ نہ رہا۔

جب یہ بات واضح ہو گئی تو گناہ ان تینوں باتوں کی ضد ہیں کیونکہ وہ اذیت ناک مواد کو کھینچ لاتے ہیں اور پرہیز کی  
خلاف ورزی ہوتی ہے اور توبۃ النصوح کے ساتھ علاج نہیں ہو سکتا۔ پس تم بیمار بدن کو دیکھو جس پر مختلف خرابیاں اور  
بیماریوں کا مواد جمع ہے اور وہ علاج کراتا ہے نہ پرہیز کرتا ہے تو اس کی صحت اور بقا کیسے ہوگی؟  
کسی کہنے والے نے کیا اچھا کہا:

جسمک بالحمة حصنة      مخالفة من الم طاری

وکان اولی بک ان تحتمی      من المعاصی خشية النار

”تو پرہیز کے ذریعے اپنے جسم کو محفوظ رکھتا ہے کیونکہ پہنچنے والی تکلیف کا ڈر ہے۔ حالانکہ تیرے لئے

زیادہ بہتر بات یہ تھی کہ تو جہنم سے بچتے ہوئے گناہوں سے بچتا۔“

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے قوت کی حفاظت کرتا ہے اور ممنوع کاموں سے بچتے ہوئے  
پرہیز اختیار کرتا ہے اور توبۃ النصوح کے ذریعے بیماری کا علاج کرتا ہے وہ بھلائی کے کسی سبب کو نہیں چھوڑتا اور نہ ہی برائی  
سے بھاگنے کے کسی راستے کو ترک کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الا ادلکم علی دوائکم و دوائکم الا ان      کیا میں تمہاری بیماری اور تمہاری دوائی پر تمہاری  
داءکم الذنوب و دواءکم الاستغفار.      رہنمائی نہ کروں بے شک تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری  
دوا طلب مغفرت ہے۔

تو تمہارے لئے ظاہر ہو گیا کہ دلوں کے علاج کی معرفت صرف رسول اللہ ﷺ سے بواسطہ وحی حاصل ہوتی ہے۔

### جسمانی علاج

جسموں کا علاج عام طور پر تجربہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔



پھر اس کی دونوع ہیں۔

(۱) ایک نوع وہ ہے کہ اس میں فکر و نظر کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ علاج اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی فطرت میں رکھا ہے مثلاً بھوک، پیاس، ٹھنڈک اور تھکاوٹ کو دور کرنا اس سلسلے میں معالج کے علاج کی ضرورت نہیں۔ اور دوسری قسم میں فکر و نظر کی حاجت ہوتی ہے جس طرح جسم میں کسی ایسی بات کا پیدا ہو جانا جو اسے اعتدال سے نکال دے وہ گرمی ہو یا ٹھنڈک اور پھر یہ دونوں رطوبت کی وجہ سے ہوں یا خشکی کے سبب یا دونوں سے مرکب ہو۔ اور عام طور پر ان کا علاج اس کی ضد کے ساتھ ہوتا ہے اور ان بیماریوں کا دور کرنا بعض اوقات بدن کے خارج سے ہوتا ہے اور کبھی اندر سے اور دونوں میں سے یہ طریقہ زیادہ مشکل ہے اور اس کی معرفت کا طریقہ اس کے سبب اور علامت کی پہچان حاصل کرنا ہے۔

پس ماہر ڈاکٹر وہ ہے جو ان چیزوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کا جمع ہونا جسم کے لئے تکلیف کا باعث ہے یا اس کے الٹ کرتا ہے کہ جن باتوں کا جدا ہونا نقصان پہنچاتا ہے ان کو جمع کرتا ہے۔ اور بدن کو نقصان پہنچانے والی چیز کو کم کرنا یا اس کے خلاف کرنا ہے اور اس کا دار و مدار تین چیزوں پر ہے۔ (۱) صحت کی حفاظت (۲) ایذا رساں چیز سے بچنا (۳) اور فاسد مادہ کو نکالنا۔

اور قرآن مجید میں ان تینوں باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی بات کی طرف اشارہ اس آیت کریمہ میں ملتا ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ  
مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرہ: ۱۸۳)

کیونکہ سفر میں تھکاوٹ کا گمان ہوتا اور اس سے صحت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے پس جب اس میں روزہ واقع ہوگا تو یہ تبدیلی بڑھ جائے گی لہذا روزہ چھوڑنا جائز قرار دیا اسی طرح بیماری کا معاملہ ہے۔

دوسری بات یعنی بچاؤ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ؟ (النساء: ۲۹)

اسی سے ٹھنڈے پانی کے استعمال کے وقت ہلاکت کے خوف سے تیمم کا جواز ثابت کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں فرمایا:

وَأَنْ كُنْتُمْ مَرَضَىٰ أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ  
مِّنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا  
مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا. (النساء: ۴۳)

تو مریض کے لئے پانی سے مٹی کی طرف پھر جانا جائز قرار دیا تاکہ وہ اپنے جسم کو اذیت پہنچانے والی چیز سے بچائے اور یہ اس بات سے خبردار کرتا ہے کہ انسانی جسم کو اندرونی یا بیرونی ہر تکلیف دہ کام سے بچانا چاہیے۔ اور تیسری بات کا ذکر اس آیت میں ہوا:



او به اذى من راسه ففدية. (البقرہ: ۱۹۶) یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو فدیہ دے۔  
اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر محرم کے سر میں بالوں کے نیچے جمع بخار کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس کے لیے سرمٹ ڈالنا جائز ہے حالانکہ حالت احرام میں یہ عمل منع ہے کیونکہ جب وہ سرمٹ ڈالے گا تو مسام کھل جائیں گے اور یہ بخارات نکل جائیں گے تو اس فاسد مادہ کو نکالنے پر ہر اس چیز کو قیاس کیا جائے جس کا رکنا اذیت ناک ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان تین قسم کے علا جوں اور قواعد کی طرف رہنمائی فرمائی۔

### علاج کی ترغیب

”صحیح بخاری و مسلم میں بواسطہ“ حضرت عطاء حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما انزل الله داء الا وانزل له شفاء. اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی نازل فرمائی ہے اس کی شفاء بھی نازل کی ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۸-۳۳۳۹ مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۵۹ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۸۵ اتحاف السادة المستقین ج ۹ ص ۵۱۵ شرح السنن ج ۱۲ ص ۱۳۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۰۹۸) ”سنن نسائی میں“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم رحمہما اللہ نے صحیح قرار دیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله لم ينزل داء الا وانزل له شفاء. اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کے لئے علاج بھی اتارا ہے پس علاج کرایا کرو۔

(المسند رک ج ۳ ص ۱۹۷-۳۹۹ مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۶ موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۳۹۳-۱۹۲۳ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۹۵۹-۳۹۸۲ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۳۸ اتحاف السادة المستقین ج ۹ ص ۵۱۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۰۷۹-۲۸۲۱۳ نصب الرایۃ ج ۳ ص ۲۸۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۶۰)

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الله حيث خلق الداء خلق الدواء. بے شک اللہ تعالیٰ نے جب بیماری کو پیدا کیا تو دوائی پیدا فرمائی پس علاج کرایا کرو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۶ مجمع الزوائد للبیہقی ج ۵ ص ۸۳ نصب الرایۃ ج ۳ ص ۲۸۵-۲۸۵ التہذیب ج ۵ ص ۲۸۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۵۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۰۷۸)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”الادب المفرد میں“ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے اور اسے امام احمد اور اصحاب سنن نے بھی نقل کیا امام ترمذی ابن خزیمہ اور امام حاکم رحمہما اللہ نے اسے صحیح قرار دیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:



تداووا یا عباد اللہ فان اللہ لم یضع داء الا  
وضع له شفاء الا داء واحدا وهو الهرم.  
اے بندگان خدا! علاج کروایا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے  
جو بیماری پیدا کی ہے اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے صرف  
ایک بیماری یعنی بڑھاپے کا علاج نہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۶، مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۸،  
اتحاف السادة المستقین ج ۹ ص ۵۱۵، التہذیب ج ۵ ص ۲۸۲، کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۵۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۶۰، موارد الطمان للہیثمی  
رقم الحدیث: ۳۱۹۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۰۷۶، نصب الرایۃ ج ۳ ص ۲۸۳، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۳۳، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۳۶، تفسیر  
قرطبی ج ۱۰ ص ۱۳۸)

ایک روایت میں ”الا السام“ کے الفاظ ہیں یعنی موت وہ بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے  
کہ جو بیماری بیمار کو قابو کر لیتی ہے وہ موت ہے اور پہلی روایت میں بڑھاپے کی استثناء ہے یا تو اس لئے کہ اسے موت کے  
مشابہ قرار دیا گیا اور دونوں کے درمیان جامع بات صحت میں نقص ہے یا یہ کہ بڑھاپا موت کے قریب ہوتا ہے اور موت  
تک لے جاتا ہے۔

اور ہو سکتا ہے مستثنیٰ منقطع ہو اور تقدیر عبارت یہ ہو کہ ”لکن الهرم لا دواء له لیکن بڑھاپے کا کوئی علاج نہیں۔“  
امام ابوداؤد رحمہ اللہ حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الله جعل لكل داء دواء فتداووا ولا  
تداووا بحرام.  
بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا رکھی ہے  
پس دوائی استعمال کرو لیکن حرام چیز کے ساتھ علاج نہ کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۳، السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۵، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۷۱۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۳۸،  
شرح النجاشی ج ۱۲ ص ۱۳۹، نصب الرایۃ ج ۳ ص ۲۸۵، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۵۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۲۳)  
”صحیح بخاری“ میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الله تعالى لم يجعل شفاء كم فيما حرم  
عليكم فلا يجوز التداوى بالحرام.  
بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء حرام چیز میں نہیں  
رکھی پس تم حرام چیز سے علاج نہ کرو۔  
امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لكل داء دواء فاذا اصاب دواء الداء برئ  
باذن الله.  
ہر بیماری کے لئے دوا ہے پس جب دوا بیماری تک  
پہنچتی ہے تو (بیمار) اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹، السنن ج ۳ ص ۲۷۶، مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۵)  
پس شفاء اس بات پر موقوف ہے کہ دوائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیماری تک رسائی حاصل کرے اس لئے کہ بعض  
اوقات دوائی کیفیت یا مقدار میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے پس فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات کوئی دوسری بیماری  
پیدا ہو جاتی ہے۔

الحمدی کی کتاب ”طب اهل البيت“ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ہر



بیماری کی دوا ہے پس جب یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جس کے پاس ایک پردہ ہوتا ہے وہ اس پردے کو بیماری اور دوائی کے درمیان کر دیتا ہے جب مریض دوائی پیتا ہے تو وہ بیماری پر اثر انداز نہیں ہوتی پس جب اللہ تعالیٰ اسے ٹھیک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتے کو حکم دیتا ہے اور وہ پردہ اٹھا دیتا ہے پھر مریض دوائی پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے نفع عطا فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں ہے:

ان الله لم ينزل داء الا انزل له شفاء علمه من علمه وجهله من جهله.  
بے شک اللہ تعالیٰ کوئی بیماری نہیں اتارتا مگر اس کے لئے شفاء بھی نازل فرماتا ہے اسے جان لیا جس نے جانا اور جاہل رہا جس نے نہ جانا۔

اسے ابو نعیم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض دوائیاں ایسی ہیں جن کا علم کسی کو نہیں ہے۔

اور یہ ارشاد گرامی ہے کہ ہر بیماری کے لئے دوا ہے تو ہو سکتا ہے وہ اپنے عموم پر ہو حتیٰ کہ ہلاک کرنے والی دوائیوں کو بھی شامل ہو اور ان دوائیوں کو بھی کہ کوئی طبیب ان کی پہچان پر قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی دوائی پیدا کی ہو جس سے بیماری دور ہو جائے لیکن انسان سے اس کے علم کو لپیٹ دیا ہو اور اس تک اس کی رسائی نہ ہو کیونکہ مخلوق کو صرف اسی بات کا علم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اسے سکھاتا ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے شفاء کو اس بات سے معلق کیا کہ دوا اور بیماری کے درمیان موافقت ہو جائے۔

بعض بیماروں کے لئے ایسا بھی ہوا کہ انہوں نے ایک دوائی سے علاج کیا تو ٹھیک ہو گئے اس کے بعد وہی بیماری لگی اور وہی دوائی استعمال کی لیکن فائدہ نہ ہوا تو اس کا سبب دوائی کی صفات میں سے کسی صفت سے لاعلم ہونا ہے۔ پس بعض اوقات دو بیماریاں ایک جیسی ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک مرکب ہوتی ہے (مثلاً حرارت اور ٹھنڈک کا اجتماع ہوتا ہے) تو اسے وہ چیز فائدہ نہیں دیتی جو اس بیماری میں فائدہ دیتی ہے جو مرکب نہیں ہے پس یہاں سے غلطی واقع ہوتی ہے اور بعض اوقات دو بیماریاں ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس کو کامیابی عطا کرنا نہیں چاہتا اور یہاں ڈاکٹروں کی گردنیں بھک جاتی ہیں (عاجز ہو جاتے ہیں)۔

### علاج کرانا تو کل کے خلاف نہیں

جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں ان میں اسباب کے اثبات کی طرف اشارہ ہے اور یہ تو کل کے خلاف نہیں۔ جس طرح کھانا اور پینے کے ذریعے بھوک اور پیاس کو دور کرنا تو کل کے خلاف نہیں اسی طرح ہلاکت خیز کاموں سے بچنا اور طلب شفاء نیز ضرر کو دور کرنے کے لئے دعا کرنا تو کل کے خلاف نہیں۔ یوں ہی دیگر کئی کام ہیں۔ حارث محاسبی نے اپنی کتاب ”القصص“ میں لکھا کہ ان سے پوچھا گیا کیا تو کل کرنے والا علاج کرا سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں!

کہا گیا یہ کہاں سے معلوم ہوا؟ فرمایا: تو کل کرنے والوں کے سردار میں یہ بات پائی گئی۔ اور کوئی تو کل کرنے والا



آپ سے آگے بڑھ نہ سکا اور نہ کوئی آپ کے اس مقام تک رسائی حاصل کر سکے گا وہ محمد ﷺ ہیں جو تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ پوچھا گیا نبی اکرم ﷺ کے اس قول کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

من استرقى واكتوى برئ من التوكل. جس نے دم (یا تعویذ) کروایا وہ توکل سے نکل گیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۸۹، مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۹-۲۵۳، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۲۸، موارد الظمآن للشیخ رقم الحدیث: ۱۳۰۸، شرح السنہ ج ۱۲ ص ۶۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۵۵۵، المغنی ج ۳ ص ۳۳۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۴۱۳)

انہوں نے جواب دیا وہ ان توکل کرنے والوں کے توکل سے نکل گیا جن کا ذکر نبی اکرم ﷺ نے دوسری حدیث میں فرمایا:

يدخل الجنة من امتي سبعون الفا بغير حساب. میری امت میں سے ستر ہزار لوگ کسی حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۷۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۷۱، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۱، مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۱، ج ۲ ص ۳۵۱، ۳۴۳-۳۴۵، ج ۵ ص ۳۳۵، المعجم الکبیر ج ۶ ص ۶۳، ج ۱۸ ص ۱۸۳-۲۰۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۶۸۱)

لیکن جو ان کے علاوہ توکل کرنے والے ہیں ان کے لئے دعا استعمال کرنا یا تعویذ (اور دم وغیرہ) جائز ہے۔ تو حضرت محاسبی نے بعض کے توکل کو دوسرے بعض سے افضل قرار دیا۔

”التمہید (ابن عبدالبر کی تصنیف) میں“ فرمایا: کہ حدیث شریف میں جو فرمایا ”برئ من التوكل“ تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے تعویذ یا دم کروائے جو شریعت میں مکروہ ہیں یا داغ لگوائے اور اس کے خیال میں یہ داغ لگانا شفاء کا سبب ہو اسی طرح ”لا يسترقون“ (وہ دم جھاڑ نہیں کرواتے) سے ایسا دم (یا تعویذ) مراد ہے جو شریعت کے خلاف ہو اور ”ولا يكتوون“ (وہ داغ نہیں لگاتے) کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں داغ کا نفع بیٹھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے منہ پھیرا جا رہا ہے حالانکہ شفاء تو اسی سے حاصل ہوتی ہے۔

لیکن جب یہ عمل شریعت کے مطابق ہو اور دوائی کے رب کی طرف نظر ہو اور اللہ تعالیٰ سے ہی شفاء کی توقع ہو اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ جب صحیح ہو جائے گا تو بدن کو اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرے گا اور اپنے رب کی عبادت میں نفس کو تھکائے گا تو اس کا توکل اپنے حال پر باقی ہے دوائی اس میں کوئی کمی واقع نہیں کرتی انہوں نے یہ بات توکل کرنے والوں کے سردار کے فعل سے استدلال کرتے ہوئے کہی ہے کیونکہ آپ نے خود اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی عمل کیا۔

تو واضح ہوا کہ علاج کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ حقیقت توحید کی تکمیل ان اسباب کو اختیار کرنے سے ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مسببات کے تقاضوں کے مطابق تقدیراً اور شرعاً مقرر فرمایا اور ان اسباب کو چھوڑنا نفس توکل میں خرابی پیدا کرتا ہے جس طرح امر اور حکمت میں خرابی پیدا کرتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو پیدا فرمایا)۔

ابن قیم نے نقل کیا کہ بنی اسرائیل کی خبر میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! بیماری کس کی طرف سے ہے؟ فرمایا: میری طرف سے پوچھا: دوائی کس کی جانب سے ہے؟ فرمایا: میری طرف سے



پوچھا: پھر ڈاکٹر کا کیا کام ہے؟ فرمایا: وہ ایک شخص ہے جس کے ہاتھ سے دوائی بھیجی گئی ہے۔

”لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ“ میں مریض اور ڈاکٹر کے لئے امید

ابن قیم نے (زاد المعاد میں) کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی: ”لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ“ (ہر بیماری کی دوا ہے) میں مریض اور ڈاکٹر دونوں کے نفس کو تقویت حاصل ہوتی ہے نیز یہ طلب دوا کی ترغیب اور اس کی تفتیش ہے کیونکہ جب مریض کو ذاتی طور پر معلوم ہوگا کہ اس کی بیماری کے لئے دوا ہے جو اس کو زائل کر دے گی تو اس کے دل کا امید کی روح سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے نا امید کی حرارت سے ٹھنڈک حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے لئے امید کا دروازہ کھل جاتا ہے اس کے نفس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور اس کی حرارت طبعی جوش مارتی ہے اور یہ بات حیوانی، نفسانی اور طبعی ارواح کی قوت کا سبب بنتی ہے اور جب یہ ارواح مضبوط ہوں تو وہ قوتیں مضبوط ہوتی ہیں جن کو یہ اٹھاتی ہیں پس مرض مغلوب اور دور ہو جاتی ہے۔

اسی طرح طبیب کو جب معلوم ہوتا ہے کہ اس بیماری کا علاج ہے تو وہ اس کی طلب و تلاش پر قادر ہوتا ہے۔

سوال: احادیث میں جو فرمایا کہ اس کے لئے دوا نازل کی اور دوسری حدیث میں دوائی کی جگہ شفاء کا ذکر ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ممکن ہے انزال (اتارنے) سے مراد تقدیر ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرشتے کے ذریعے اس کے علم کو نبی ﷺ کی طرف اتارنا مراد ہو۔

### طب نبوی

ماہر طبیب کی طب قیاس، مقدمات اور تجربہ سے حاصل ہوتی ہے اس کا وحی سے کیا مقابلہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجتا ہے اور بتاتا ہے کہ نفع کہاں ہے اور نقصان کس میں ہے؟ پس ماہر اطباء کے پاس جو طب ہے اس کی نسبت وحی کی طرف اس طرح ہے جس طرح ان کے علوم کی نسبت حضور ﷺ کے لائے ہوئے پیغام سے ہے بلکہ یہاں تو ایسی دوائیں ہیں جو بیماریوں سے شفاء دیتی ہیں کہ بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کی عقل وہاں تک رسائی حاصل نہیں کرتی اور نہ ہی وہاں تک ان کے علامت، تجربات اور قیاس پہنچ سکتا ہے یہ قلبی اور روحانی دوائیں ہیں قلبی قوت ہے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل ہے اس کے سامنے عاجزی کرنا، صدقہ، نماز، دعا، توبہ، استغفار، مخلوق کے ساتھ نیکی کرنا اور مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرنا ہے اور امتوں نے اپنے دین و ملت میں اختلاف کے باوجود ان دواؤں کا تجربہ کیا تو شفاء میں ان کی تاثیر پائی حالانکہ سب سے زیادہ علم والے حکیم کا علم بھی یہاں تک نہیں پہنچتا۔ اللہ کی قسم میں (مصنف) نے خود بارہا تجربہ کیا تو یوں پایا کہ جو فائدہ اس سے پہنچتا ہے وہ ظاہری دواؤں سے نہیں ہوتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ طب نبوی کے ذریعے صحت کا حصول یقینی ہے کیونکہ یہ وحی اور نبوت کی جہت سے ہے جبکہ دوسرے لوگوں کی طب ذہنی صلاحیت اور تجربے کی بنیاد پر ہے۔

بعض اوقات طب نبوی کے استعمال کے باوجود شفاء حاصل نہیں ہوتی تو استعمال کرنے والے کی طرف سے کسی رکاوٹ کی بنیاد پر ایسا ہوتا ہے مثلاً اس سے شفاء کے حصول پر اعتقاد کمزور ہوتا ہے اور اسی طرح اسے قبول کرنے میں کمزوری پائی جاتی ہے۔



اس سلسلے میں سب سے زیادہ ظاہر مثال قرآن مجید کی ہے جو سینوں (کی بیماریوں) کے لئے شفاء ہے لیکن اس کے باوجود بعض اوقات کچھ لوگوں کو اس سے شفاء حاصل نہیں ہوتی جس کی وجہ اعتقاد اور قبولیت میں کمی ہے بلکہ منافق کی ناپاکی اور مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔

پس طب نبوی پاک جسموں اور زندہ دلوں کے لئے ہی مناسب ہے اور لوگ طب نبوی سے اس لئے منہ پھیرتے ہیں کہ وہ قرآن مجید سے شفاء حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں جو نفع بخش شفاء ہے۔

### طب نبوی کی اقسام

نبی اکرم ﷺ مریض کا تین طرح علاج کرتے تھے۔

(۱) الہی روحانی دواؤں کے ساتھ۔

(۲) طبعی دوائیوں کے ذریعے۔

(۳) دونوں سے مرکب علاج کے ذریعے۔

### پہلی نوع

## روحانی دواؤں سے علاج

### قرآن مجید کے ذریعے شفاء حاصل کرنا

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کوئی ایسی دوا نازل نہیں کی جو قرآن مجید کے مقابلے میں زیادہ نفع بخش زیادہ عظمت والی اور بیماری کو زائل کرنے میں زیادہ کامیاب ہو قرآن مجید بیماری سے شفاء اور دلوں کے زنگ کو دور کرنے والا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ. (الاسراء: ۸۲)

اور ہم قرآن مجید سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو شفاء اور مومنوں کے لئے رحمت ہے۔

جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا لفظ ”من“ تبخیص کے لئے نہیں (یعنی یہ مطلب نہیں کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ شفاء ہے) بلکہ یہ جنس کے لئے ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ جنس جو قرآن مجید ہے اسے ہم روحانی امراض اور جسمانی بیماریوں سے شفاء کے طور پر نازل کرتے ہیں۔ جہاں تک روحانی بیماریوں سے شفاء کا تعلق ہے تو یہ بات ظاہر ہے کیونکہ روحانی بیماریوں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) باطل عقائد: اور ان میں سے سب سے زیادہ فاسد وہ عقائد ہیں جو اللہ تعالیٰ نبوت آخرت قضاء و قدر وغیرہ کے سلسلے میں فاسد ہیں اور قرآن مجید ان باتوں میں مذہب حق کے دلائل پر مشتمل ہے اور مذاہب باطلہ کا رد کرتا ہے اور جب روحانی امراض میں سے سب سے قوی بیماری ان مطالب میں خطا ہے اور قرآن مجید ایسے دلائل پر مشتمل ہے جو ان مذاہب باطلہ کے عیبوں کو ظاہر کرتے ہیں۔



تو یقیناً قرآن مجید اس قسم کی روحانی بیماری سے شفاء ہوا۔

(۲) اخلاق مذمومہ: جہاں تک اخلاق مذمومہ کا تعلق ہے تو قرآن مجید ان کی تفصیل، تعریف اور مفاسد کے ذکر پر مشتمل ہے۔ نیز اخلاق فاضلہ اور اعمال محمودہ کی طرف رہنمائی بھی کرتا ہے تو بیماری کی اس نوع سے بھی شفاء دیتا ہے پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید تمام روحانی بیماریوں سے شفاء ہے۔

اور جہاں تک جسمانی بیماریوں سے شفاء کا معاملہ ہے تو اس کی قرأت کی برکت بہت سی بیماریوں میں نفع دیتی ہے جب جمہور فلاسفر اور طلسمی دنیا کے لوگوں نے اس بات کو معتبر تسلیم کیا ہے تو مجہول تعویذ اور دم جھاڑے کے مجہول کلمات جن کی کچھ سمجھ نہ آتی ہو، منافع کے حصول اور مفاسد کو ختم کرنے میں بہت بڑی تاثیر رکھتے ہیں تو قرآن عظیم جو اللہ تعالیٰ کے جلال و کبریائی کے ذکر ملائکہ مقربین کی تعظیم، سرکش مخلوق اور شیطان کی حقارت بیان کرنے جیسی باتوں پر مشتمل ہے تو وہ دین و دنیا میں نفع کا سبب نہیں ہوگا؟

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے آپ نے فرمایا:

من لم يستشف بالقرآن فلا شفاه الله.

جو شخص قرآن مجید سے شفاء کا عقیدہ نہیں رکھتا اللہ

تعالیٰ اسے شفاء نہ دے۔

حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ان کا بچہ سخت بیمار ہو گیا حتیٰ کہ موت کے دہانے پر پہنچ گیا تو ان پر معاملہ سخت ہو گیا وہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اور بچے کی بیماری سے متعلق شکایت کی تو آپ نے فرمایا: ”این انت من آیات الشفاء تم آیات شفاء سے کہاں ہو؟“

فرماتے ہیں میں بیدار ہوا تو غور و فکر کیا تو یہ آیات قرآن مجید کے چھ مقامات پر تھیں:

- (۱) وَيَشْفِي صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ. (التوبہ: ۱۳)
- (۲) وَشِفَاءٌ لِّمَآلِی الصُّدُورِ. (یونس: ۷۷)
- (۳) يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ. (النحل: ۶)
- (۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ. (الاسراء: ۸۲)

(۵) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ.

(الشعراء: ۸۰) ہے۔

(۶) قُلْ هُوَ الَّذِي آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ.

(الفصلت: ۴۴) لئے ہدایت اور شفاء ہے۔

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ان آیات کو لکھا پھر پانی میں حل کر دیا اور وہ پانی اس بچے کو پلایا گویا اس کی رسی کھل گئی یا جیسا انہوں نے فرمایا۔



آٹھویں مقصد کے مشمولات

جس شخص کو پچھونے کا ناک تھا اس پر سورہ فاتحہ کا دم کیا گیا اس میں جو عجیب راز اور بلند و بالا دلیل ہے اس پر غور کیجئے اور نبی اکرم ﷺ کی اس دعا پر غور کرو کہ آپ نے یوں دعا مانگی:

وان تجعل القرآن ربيع قلبي وجلاء  
حزني وشفاء صدري.  
(یا اللہ!) قرآن مجید کو میرے دل کی بہار، غم کا ازالہ  
اور سینے کی شفاء بنادے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۵-۳۵۲)

تو یہ قرآن مجید دوا ہے جو بیماری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور بدن کو صحت اور اعتدال پر لوٹا دیتا ہے۔  
امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
خیر الدواء القرآن.  
بہترین دوا قرآن ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۱-۳۵۳۳-۳۵۳۷، کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۰۷-۱۳۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۰۳)  
یہاں ایک بات ہے جس کو سمجھنا چاہیے ابن قیم نے اس سے آگاہ کیا وہ یہ کہ آیات و اذکار اور وہ دعائیں جن کے ذریعے شفاء حاصل کی جاتی ہے اور تعویذ اور دم وغیرہ کیا جاتا ہے وہ نفع بخش اور شافی ہیں لیکن محل کی قبولیت اور فاعل کی ہمت و تاثیر ضروری ہے پس جب شفاء نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کی تاثیر کمزور ہے یا محل قبول نہیں کر رہا یا کوئی ایسی رکاوٹ ہے جو کامیابی کی راہ میں آڑے آرہی ہے جس طرح کسی دواؤں میں ہوتا ہے کہ کبھی وہ اس لئے اثر نہیں کرتیں کہ طبیعت اس دوائی کو قبول نہیں کرتی اور کبھی اس کے اثر کے تقاضے میں مضبوط رکاوٹ ہوتی ہے کیونکہ طبیعت جب دوائی کو قبولیت تامہ کے ساتھ اختیار کرتی ہے تو اس قبولیت کے مطابق بدن کو اس سے نفع حاصل ہوتا ہے اسی طرح جب دل دم اور تعویذوں کو مکمل طور پر قبول کرے تو اثر ہوتا ہے جب کہ دوا ذاتی طور پر عمل کرنے والی ہے اور ہمت موثرہ بیماری کو زائل کرنے میں اثر کرتی ہے۔

### دعا کے ذریعے حصول شفاء

اسی طرح دعا کا معاملہ ہے کہ مکروہ بات کو دور کرنے اور حصول مطلب کے لئے یہ سب سے زیادہ مضبوط سبب ہے لیکن بعض اوقات اس کا اثر نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اس میں زیادتی ہوتی ہے یا دل کمزور ہوتا ہے اور دعا کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ اور دلجمعی نہیں ہوتی یا دعا سے فائدہ اس لئے حاصل نہیں ہوتا کہ حرام کھانا، ظلم دلوں پر گناہوں کا زنگ، غفلت، بھول اور لہو و لعب وغیرہ قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔  
امام حاکم رحمہ اللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

واعلموا ان الله لا يقبل دعاء من قلب غافل لاه.  
جان لو! اللہ تعالیٰ غافل اور غیر متوجہ دل سے دعا قبول نہیں کرتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۳۱، المغنی ج ۱ ص ۳۰۸، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۹۵، اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۳۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۶، الکامل فی الصغفاء ج ۳ ص ۱۳۸۰)



دواؤں میں سے زیادہ نفع بخش دوا دعا ہے یہ مصیبت کی دشمن ہے اسے دور کرتی ہے اس کا علاج کرتی اور اس کو اترنے سے روکتی ہے اور جب وہ اتر جائے تو اس کو اٹھا دیتی ہے اور یہ مومن کا ہتھیار ہے۔

اور جب دعا کے وقت دل حاضر ہو، مطلوب کی طرف کامل متوجہ ہو، قبولیت کے اوقات میں سے کوئی وقت ہو جس طرح رات کا آخری تہائی حصہ (سحری کا وقت) خضوع و انکساری اور گڑ گڑانا پایا جائے، قبلہ رخ اور با وضو ہو، ہاتھ اٹھا کر دعا کرے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھے اور اس سے پہلے توبہ و استغفار کرے، صدقہ دے، مانگتے وقت آہ و زاری کرے اور زیادہ دعا مانگے، اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ اختیار کرے اور نبی اکرم ﷺ کے توسل سے متوجہ ہو تو یہ دعا کبھی رد نہیں ہوتی خصوصاً وہ دعائیں جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ یہ قبولیت کا مقام رکھتی ہیں یا ان میں اسم اعظم ہے۔

انسان اپنی حاجت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں گڑ گڑائے اور زاری کرے تو اس بات کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

### دم جھاڑے کے ذریعے شفاء حاصل کرنا

(لسان العرب ج ۵ ص ۲۹۳)

جہاں تک دم کرنے کا تعلق ہے تو جان لو کہ معوذات اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ذریعے دم کرنا طب روحانی ہے اور جب یہ مخلوق میں سے نیک لوگوں کی زبان پر جاری ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفاء حاصل ہوتی ہے لیکن جب یہ سلسلہ ناپید ہو گیا تو لوگ طب جسمانی کی طرف مجبور ہو گئے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی اس بیماری میں جس میں آپ کا وصال ہوا معوذات یعنی سورہ فلق، سورہ الناس اور سورہ اخلاص پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے تھے تو یہ باب تغلیب سے ہے، یعنی سورہ اخلاص میں ”قل اعوذ“ نہیں لیکن دوسری دو سورتوں کی وجہ سے تینوں کو معوذات قرار دیا صرف الفلق اور الناس معوذات ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں جو بھی تعویذ کے کلمات ہیں وہ طب روحانی ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَقُلْ رَبِّ اعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ۔ اور کہو اے میرے رب! میں شیطانی دوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

امام احمد ابو داؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ ایسی باتوں کو ناپسند فرماتے تھے ان میں دم کا بھی ذکر کیا لیکن معوذات کے ذریعے دم کرنا (نا پسند نہ فرمایا) تو اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن حرمہ ہے جس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی حدیث صحیح نہیں۔ اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو جب فاتحہ کے ساتھ دم کی اجازت دی گئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ معوذتان (سورہ فلق اور سورہ ناس) نازل ہوئیں تو آپ نے ان دونوں کو اختیار

۱۔ جس طرح حضرت ذوالنون رحمہ اللہ دعا مانگتے تھے واللہ لا الہ الا هو الحی القيوم۔



کر لیا اور باقی کلمات چھوڑ دیئے۔

تو یہ حدیث معوذتین کے علاوہ کلمات سے دم کرنے یا تعویذ بنانے سے منع پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں سے تعویذ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے خصوصاً جب کہ ان دونوں کے علاوہ کلمات سے تعویذ ثابت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کو اس لئے اختیار کیا کہ یہ استعاذہ کے سلسلے میں جامع کلمات پر مشتمل ہیں اور ان میں ہر مکروہ سے اجمالاً اور تفصیلاً تعویذ پایا جاتا ہے۔

### دم کرنا جائز ہے

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب یہ تین شرطیں پائی جائیں تو دم کرنا (اور تعویذ باندھنا) جائز ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء و صفات کے ساتھ ہو۔

(۲) عربی زبان میں ہو یا کوئی دوسری زبان ہو جو سمجھ آتی ہو۔

(۳) یہ عقیدہ ہو کہ تعویذ اور دم ذاتی طور پر اثر نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اثر انداز ہوتے ہیں۔

کیا ان تینوں کا اجتماع شرط ہے تو اس سلسلے میں اختلاف ہے لیکن زیادہ ترجیح اس بات کو ہے کہ ان تینوں شرائط کا اعتبار ضروری ہے۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم دور جاہلیت میں دم جھاڑا کرتے تھے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ کلمات دم میرے سامنے پیش کرو (پھر فرمایا) دم کرنے میں کوئی حرج نہیں جب اس میں شرک نہ ہو (شرکیہ کلمات نہ ہوں)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۵، المسند رک ج ۳ ص ۲۱۲، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۳۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۵۳۰، التہذیب ج ۲ ص ۲۷۲، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۹)

”صحیح مسلم میں ہی“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دم کرنے سے منع فرمایا پھر آل عمرو بن حزم آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے پاس ایک دم تھا جسے ہم بچھو (کے کاٹنے) سے استعمال کرتے تھے فرمایا: میرے پاس لاؤ فرماتے ہیں: انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا: میں اس میں حرج نہیں سمجھتا جو شخص اپنے بھائی کو نفع دے سکتا ہو وہ اسے نفع پہنچائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳-۶۲-۶۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۲-۳۳۳، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۱، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۱۱)

ایک جماعت نے اس عموم سے استدلال کیا اور ہر اس دم جھاڑے کو جائز قرار دیا جس کے نفع کا تجربہ ہو چکا ہو اگرچہ وہ اس کا معنی نہ سمجھتا ہو۔ لیکن حضرت عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب دم کے الفاظ شرک تک پہنچائیں تو منع ہے اور جس کے کلمات کا معنی سمجھ نہ آتا ہو اور شرک تک پہنچنے سے امن نہ ہو وہ احتیاطاً منع ہے اور آخری شرط ضروری ہے۔

بعض حضرات نے کہا صرف نظر لگنے اور ڈسنے سے دم کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:



لا رقیۃ الا من عین او حمہ۔  
دم صرف نظریا زہر (یعنی پچھو وغیرہ کے ڈسنے) سے  
کیا جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳-۳۸۸۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۳ مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۱ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۹۳ المسند رک ج ۳ ص ۳۱۳ مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۳۵۵۷-۳۵۵۹ المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۳۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۷۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حصر (صرف دو کا ذکر) کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی دم کی ضرورت پڑے تو یہ دونوں باتیں اس کے لئے اصل ہیں چنانچہ نظر لگنے کے ساتھ جنون وغیرہ کے لئے دم کے جواز کو ملایا جائے گا کیونکہ یہ نظر کے ساتھ شریک ہے اس لئے کہ دونوں شیطانی احوال سے پیدا ہوتے ہیں وہ شیطانی عمل انسانوں کی طرف سے ہو یا جنوں کی طرف سے اور زہر کے ساتھ ہر اس چیز کو ملایا جائے گا جو زخم وغیرہ زہریلے مادہ سے پیدا ہوں۔

امام ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ذکر کیا اور یہ اضافہ کیا ”او دم“ (یا خون کا معاملہ ہو)۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے ”فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے نظر ڈسنے اور پھوڑوں پر دم کی اجازت دی۔ ایک اور حدیث میں کان (کے درد) کا بھی ذکر ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اسے یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پھوڑوں کا دم نہیں سکھاتی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۷ مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۲ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۳۹ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۶۸ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۰۷۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۵۹-۲۸۳۸۲)

بعض نے کہا کہ یہ حصر افضلیت کے بیان کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی دم نفع نہیں دیتا جیسا کہ کہا گیا:

لا سیف الا ذو الفقار۔  
ذو الفقار کے علاوہ کوئی تلواریں نہیں۔

یعنی اس طرح کاٹنے والی کوئی تلواریں نہیں۔

ایک جماعت نے کہا کہ بیماری کے واقع ہونے سے پہلے دم کی ممانعت ہے اور جو اس کے بعد ہو اس کی اجازت ہے۔ یہ بات ابن عبد البر اور امام بیہقی وغیرہ نے ذکر کی۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الرقی والتمايم والتولة شرک۔  
دم کرنا، تعویذ باندھنا اور جادو کرنا شرک ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۰ مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۱ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۵۰ المسند رک ج ۳ ص ۳۱۸ المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۲۶۲ مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۵۶۹ موارد الظمآن للبخاری رقم الحدیث: ۱۳۱۲ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۵۵۷-۳۵۵۹)



الحديث: ۲۵۵۲: شرح النج ۱۲ ص ۱۵۷ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۰۸ کنز العمال رقم الحديث: ۲۸۳۱۵)  
السمائم: جسمہ کی جمع ہے گلے میں مکے اور ہار وغیرہ ڈالا جاتا ہے دور جاہلیت میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔

التسولة: تاء کے نیچے زبر و اوپر زبر اور لام شدہ کے بغیر ہے ایک ایسی چیز جس کے ذریعے عورت اپنے خاوند کی محبت حاصل کرنا چاہتی تھی اور یہ ایک قسم کا جادو ہے۔

یہ باتیں اس لئے شرک تھیں کہ وہ لوگ نقصان کا ازالہ اور نفع کا حصول اللہ تعالیٰ کے غیر سے چاہتے تھے اور جو (دم اور تعویذ وغیرہ) اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اور اس کے کلام سے ہو تکلیف آنے سے پہلے اس کا استعمال احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور مصیبت آجائے یا اس کا خوف ہو دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کی پناہ حاصل کرنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا وہ دم جھاڑ منع ہے جسے وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو جنوں کی تسخیر کا دعویٰ کرتے ہیں وہ مشتبہ کلام لاتے ہیں جو حق و باطل سے مرکب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء مبارکہ کے ذکر میں شیطانوں کا ذکر اور ان سے مدد نیز سرکش جنوں سے پناہ کو خلط ملط کرتے ہیں کہا جاتا ہے کہ سانپ طبعی طور پر انسان کا دشمن ہونے کی وجہ سے شیطانوں کی موافقت کرتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کے دشمن ہیں جب وہ شیطانوں کے ناموں کا منتر سانپ پر پڑھتا ہے تو وہ اس کی بات مان کر اپنی جگہ سے نکلتا ہے اسی طرح جب ڈسے ہوئے پر یہ نام پڑھے جائیں تو انسان کے بدن سے زہر بہنا شروع ہو جاتا ہے اسی طرح وہ دم جھاڑ ابھی مکروہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء مبارکہ کا ذکر نہ ہو اور وہ عربی زبان میں نہ ہو جس کا مفہوم سمجھ آتا ہو تا کہ وہ شرک سے بچ سکے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے علاوہ سے دم کرنے کو علماء امت نے مکروہ کہا ہے، مگر طبعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:  
دم جھاڑے کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ الفاظ جن کے ساتھ دور جاہلیت میں دم کیا جاتا تھا اور اس کا معنی سمجھ نہ آتا۔ تو اس سے بچنا واجب ہے تاکہ اس میں شرک نہ ہو یا شرک تک نہ پہنچائے۔

(۲) وہ جو اللہ کے کلام اور اس کے اسماء مبارکہ سے ہوئے جائز ہے اور اگر احادیث سے ثابت ہو تو اچھا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے اسماء کے بغیر کسی بادشاہ یا نیک آدمی یا کسی بڑی مخلوق کے نام سے ہو جیسے عرش ہے تو اس سے بچنا واجب نہیں اور نہ ایسے جائز کلمات جو اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے اور اس کے نام سے برکت حاصل کرنے پر مشتمل ہوں تو اس کا چھوڑنا زیادہ مناسب ہے (واجب نہیں) ہاں جس کے نام سے دم کیا جا رہا ہے اس کی تعظیم کو شامل ہو تو مناسب ہے کہ اس سے بچے جس طرح اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانے سے بچتے ہیں۔

حضرت ربیع فرماتے ہیں: میں نے حضرت شافعی رحمہ اللہ سے دم کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دم کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جو کلمات مشہور ہوں۔



میں نے پوچھا کیا اہل کتاب مسلمانوں کو دم کر سکتے ہیں؟ فرمایا: ہاں جب وہ اس چیز سے دم کریں جسے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے ذکر سے جانتے ہیں۔

”مؤطا میں ہے کہ“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عورت سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دم کرتی تھی فرمایا: ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دم کرو! امام نووی فرماتے ہیں حضرت قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ یہودی اور نصرانی کے کسی مسلمانوں کو دم کرنے کے سلسلے میں حضرت امام مالک کا قول مختلف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جائز قرار دیا۔

ابن وہب حضرت مالک سے روایت کرتے ہیں کہ وہ لوہے، نمک اور دھاگہ باندھنے اور وہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی لکھتا ہے سے دم جھاڑے کو مکروہ قرار دیتے اور فرماتے یہ پہلے لوگوں کے طریقے سے نہیں ہے۔

### نظر لگنے کا دم

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: العین حق ولو كان شئ سابق القدر لسبقته العین۔  
نظر لگنا حق ہے اور اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرتی تو نظر لگنا اس سے سبقت کرتی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۸، التہذیب ج ۶ ص ۲۲۶، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۹-۳۱۹)

یعنی نظر لگنا ایک ثابت موجود کام ہے اور یہ ایسا عمل ہے جو عملاً ثابت ہو چکا ہے۔  
مازری نے کہا جمہور نے اس حدیث کے ظاہر کو اختیار کیا لیکن بدعتیوں کی کچھ جماعتوں نے بلا وجہ اس کا انکار کیا ہے کیونکہ جو کام ذاتی طور پر محال نہ ہونہ اس سے قلب حقیقت ہوتی ہو اور نہ دلیل کا فساد لازم آتا ہو عقل اسے جائز قرار دیتی ہے۔

پس جب شارع علیہ السلام نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے تو (سوچئے) اس کے انکار اور آپ نے آخرت کے بارے میں جن باتوں کی خبر دی ہے ان کے انکار میں کیا فرق ہوگا؟  
سوال: بعض حضرات کے لئے اس کا سمجھنا مشکل ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ نظر کیسے لگ سکتی ہے کہ اس سے اس شخص کو تکلیف پہنچے جسے نظر لگائی گئی ہے؟

جواب: لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں بعض اوقات نظر والے کی آنکھوں سے زہریلا مادہ نکلتا ہے اور ہوا کے ذریعے اس آدمی کے بدن تک پہنچتا ہے جس کو نظر لگی ہے۔

ایک شخص جس کی نظر لگتی تھی اس سے منقول ہے کہ وہ کہتا ہے جب میں کسی چیز کو دیکھوں اور وہ مجھے پسند آئے تو میں حرارت محسوس کرتا ہوں جو میری آنکھ سے نکلتی ہے اور وہ حیض والی عورت تک پہنچتی ہے وہ اپنا ہاتھ دودھ میں رکھے تو دودھ خراب ہو جاتا ہے اور اگر وہ پاک ہونے کے بعد رکھے تو خراب نہیں ہوتا اسی سے ہے کہ بعض اوقات آشوب چشم والی عورت کی طرف دیکھتا ہوں تو اس کی آنکھ بھی دکھ جاتی ہے۔



مازری نے کہا طبیعات کے ماہرین میں سے بعض نے کہا کہ نظر لگانے والے کی آنکھوں سے ایک زہریلی قوت اٹھتی ہے جو اس شخص تک پہنچتی ہے جس کو نظر لگی ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے اس میں کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے یہ اسی طرح ہے جیسے انسانی سانپ کی نظر سے نکلنے والا زہر کسی کو لگ جائے۔

مازری کے کلام میں اس حصر کی ممانعت بھی ہے (یعنی صرف یہی صورت نہیں) اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس صورت کو ممکن بھی قرار دیا ہے اور جو شخص اہل سنت کے طریقے پر چلتا ہے تو وہ یہ ہے کہ نظر لگانے والے کی نظر اس وقت نقصان دیتی ہے جب وہ اس طریقے پر دیکھے جو اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے کہ دوسرے شخص کے مقابل آنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ اس میں نقصان پہنچانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے تو کیا وہاں کوئی جو ہر چیز ہے (جو آنکھ سے نکلتی ہے) یا نہیں؟ تو اس بات کا محض احتمال ہوتا ہے اس کے اثبات اور نفی کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی۔

اور طبیعات والوں میں سے جو شخص اسلام کے حوالے سے قطعیت کے ساتھ یہ بات کہتا ہے کہ وہاں کچھ لطیف جوہر ہیں جو دکھائی نہیں دیتے وہ نظر لگانے والے سے اٹھتے ہیں اور جس کو نظر لگتی ہے اس تک پہنچ کر اس کے جسم کے مساموں میں داخل ہو جاتے ہیں پس اللہ تعالیٰ اس وقت ہلاکت پیدا کرتا ہے جس طرح زہر پیتے وقت ہلاکت آتی ہے۔ تو قطعیت کے ساتھ اس بات کا دعویٰ کرنا غلط ہے لیکن ہو سکتا ہے عادت کے مطابق ایسا ہو لیکن یہ ضروری یا طبعی بات نہیں۔

یہ درست کلام ہے اور تاثیر سے وہ معنی مراد نہیں جس کی طرف فلاسفہ گئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ایسا طریقہ جاری کرتا ہے کہ نظر لگنے والے کو نقصان ہوتا ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):  
اکثر من يموت بعد قضاء الله وقدره اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے بعد اکثر مرنے والے نظر  
بالنفس سے مرتے ہیں۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۹۹ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۲۰۷۷ الکامل ج ۳ ص ۱۳۳۰ الدر المنثور ج ۶ ص ۲۵۸ الدر المنثور رقم الحدیث: ۴۱) راوی کہتے ہیں نفس سے نظر مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اجسام و ارواح میں بہت سی قوتیں اور خواص رکھے ہیں اور یہ اس کی عادت مبارکہ ہے۔ جس طرح حیاء کرنے والے کے چہرے کی طرف دیکھا جائے تو اس کے چہرے پر شرم کی وجہ سے سخت سرخی آ جاتی ہے جو پہلے دکھائی نہیں دیتی۔

اسی طرح خوف کے وقت چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ محض نظر سے بخار کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے اعضاء کمزور پڑ جاتے ہیں اور یہ سب کچھ ان تاثیرات کے واسطے سے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ارواح میں پیدا کی ہیں اور پھر نظر کے ساتھ وہ نہایت سخت طریقے سے مربوط ہو جاتی ہیں اور یہ خود مؤثر نہیں جہاں تک روح کی تاثیر کا تعلق ہے تو ارواح اپنی طبیعتوں، کیفیات اور خواص میں مختلف ہیں ان میں سے بعض بدن میں محض دیکھنے سے اثر کرتی ہیں بدن



کے ساتھ اتصال ہو یا نہ کیونکہ اس روح میں خباثت بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی کیفیت کا خبث بھی زیادہ ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تاثیر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور پیدا کرنے سے ہوتی ہے وہ جسمانی اتصال سے خاص نہیں بلکہ بعض اوقات اس کے ذریعے ہوتی ہے اور بعض اوقات مقابلے کے ساتھ کبھی محض دیکھنے سے اور کبھی روح کی توجہ سے جس طرح دعاؤں دم اور بارگاہ خداوندی میں التجا سے تاثیر پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کا وقوع وہم و خیال سے ہوتا ہے تو جس کی نظر لگتی ہے اس کی آنکھ سے معنوی تیر نکلتا ہے جو بدن سے نکل کر جائے تو اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو تو وہ اس میں اثر کرتا ہے ورنہ تیر داخل نہیں ہوتا بلکہ خود اسی شخص کی طرف لوٹتا ہے جس طرح جسی تیر میں ہوتا ہے۔ (یہ تمام گفتگو فتح الباری وغیرہ سے لی گئی ہے)۔

ابن قیم نے کہا غرض یہ ہے کہ اس بیماری کا نبوی علاج کیا جائے تعوذات (وہ کلمات جن کے ذریعے پناہ مانگی جاتی ہے) دم سورۃ الفلق اور سورۃ الناس سورۃ فاتحہ اور آیت کرسی زیادہ سے زیادہ پڑھی جائے۔ اور وہ کلمات تعوذ جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں مثلاً:

اعوذ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَةٍ۔ اور جس طرح یہ کلمات ہیں:

اعوذ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ اللَّيْلِ لَا يُجَاوِزُهُنَّ يَرَّوَلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ فِيهَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِي الْأَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ لَيْلٍ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمَنُ۔

میں اللہ تعالیٰ کے کلمات کاملہ کے ساتھ جن سے کوئی نیک و بد آگے نہیں بڑھ سکتا ہر اس چیز کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ اور اس چیز کے شر سے جو آسمان سے اترتی ہے اور اس کے شر سے جو آسمان کی طرف چڑھتی ہے اس چیز کے شر سے جو زمین میں پیدا ہوتی اور اس کے شر سے جو زمین سے نکلتی ہے رات اور دن کے فتنوں کے شر سے! رات اور دن میں اترنے والی چیزوں کے شر سے مگر وہ جو بھلائی کے ساتھ اترے اے رحمن!

جب کسی شخص کو ڈر ہو کہ اس کی نظر لگ جاتی ہے تو اس کے شر کو دور کرنے کے لئے یوں دعا کرے:

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَيْهِ۔ یا اللہ اس شخص کو (جسے نظر لگنے کا ڈر ہے) برکت عطا فرما۔

جس طرح نبی اکرم ﷺ نے حضرت عامر بن ربیعہ سے فرمایا: جب انہوں نے حضرت اہل بن حنیف (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا تو آپ نے فرمایا:

الا برکت علیہ

تم نے اس کے لئے برکت کی دعا کیوں نہیں کی؟



”ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ“ کے الفاظ بھی نظر کے ضرر کو دور کرتے ہیں۔

اسی سے حضرت جبریل علیہ السلام کا دم ہے جو حضور ﷺ کو بتایا تھا جیسا کہ ”مسلم شریف میں“ اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ  
يُّؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ  
اللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ  
میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز  
کے شر سے جو آپ کو اذیت پہنچائے اور ہر نفس والے اور  
حاسد آنکھ کے شر سے اللہ آپ کو شفاء دے اللہ کے نام سے  
میں آپ کو دم کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۳، مسند احمد ج ۶ ص ۱۶۰، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۰، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۷۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۵۲۲)

امام مسلم رحمہ اللہ نے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب علیل ہوتے تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو دم کرتے تھے وہ یہ کلمات پڑھ کر دم کرتے:

بِسْمِ اللّٰهِ يُبْرِئُكَ وَمِنْ كُلِّ دَاءٍ يَشْفِيْكَ  
وَمِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ  
عَيْنٍ  
اللہ کے نام سے (دم کرتا ہوں) وہ آپ کو صحت عطا  
فرمائے ہر بیماری سے شفاء دے ہر حسد کرنے والی آنکھ  
کے شر سے جب وہ حسد کرے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ  
سے (محفوظ رکھے)۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

العین حق ولو كان شي سابق القدر نسبته  
العین واذا استغسلتم فاغسلوا۔  
نظر برحق ہے اور اگر کوئی تقدیر سے آگے بڑھتی تو نظر  
آگے بڑھتی اور جب تم سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو غسل  
کرو۔

(حدیث میں جو امر آیا ہے اس) امر کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ یہ وجوب کے لئے ہے۔ الما زری نے اختلاف ذکر کر کے وجوب کو صحیح قرار دیا اور فرمایا: کہ جس کو ہلاکت کا ڈر ہو اور نظر لگانے کا غسل عادتاً شفاء کا باعث ہو تو یہ غسل ضروری ہے جب یہ بات ثابت ہے کہ مجبور شخص جو بھوک سے مر رہا ہو اسے کھانا کھلانا واجب ہے تو (اس شخص کو ہلاکت سے بچانے کے لئے) یہ عمل (غسل) بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں غسل کا طریقہ بیان نہیں ہوا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت اہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام احمد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اس میں یہ طریقہ بیان ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۵۰)



(ابو امامہ فرماتے ہیں) ان کے باپ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام بھی آپ کے ہمراہ ایک پانی (چشمے) کی طرف تشریف لے گئے جب جھکے کے شعب الحرار مقام پر پہنچے تو حضرت ہبل بن حنیف نے غسل کیا اور وہ سفید رنگ کے خوبصورت جسم اور خوبصورت جلد والے تھے حضرت عامر بن ربیعہ نے ان کو دیکھا تو فرمایا میں نے آج کی طرح نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسی پوشیدہ (عمدہ) جلد دیکھی ہے۔ (یہ سنتے ہی) حضرت ہبل زمین پر گر پڑے نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو پوچھا: تم کس پر الزام دیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: حضرت عامر بن ربیعہ کی وجہ سے ہوا آپ نے حضرت عامر کو بلایا اور غصہ فرمایا پھر ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کو کیوں ہلاک کرتا ہے؟ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے وہ چیز دیکھی جس پر تمہیں تعجب ہوا تو تم کہتے یا اللہ! اسے برکت عطا فرما پھر فرمایا: اس کے لئے غسل کرو چنانچہ انہوں نے اپنا چہرہ ہاتھ کہنیاں گھٹنے اور پاؤں کے دونوں طرف ایک برتن میں دھوئے نیز تہبند کے اندر بھی دھویا (استنجاء کیا)۔

پھر ایک شخص نے یہ پانی پیچھے کی طرف کھڑا ہو کر ان کے سر اور پیٹھ پر ڈالا پھر پیالے سے چلو بھر کر اسی طرح کیا تو حضرت ہبل صحابہ کرام کے ساتھ چل پڑے انہیں کوئی تکلیف باقی نہ رہی۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۶۲۳، المعجم الکبیر ج ۶ ص ۹۷) مازری فرماتے ہیں تہبند کے اندر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ازار باندھتے ہیں اس کی دائیں جانب مراد ہے وہ فرماتے ہیں بعض حضرات کے نزدیک شرمگاہ سے کنایہ ہے (یعنی استنجاء کیا)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے جو ازار سے ملا ہوا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ازار کی وہ جگہ ہے جو جسم سے ملی ہوتی ہے بعض نے کہا کہ جس جگہ ازار باندھا جاتا ہے وہ مراد ہے میں نے دیکھا کہ ہمارے شیخ حافظ ابوالخیر (محمد بن عبدالرحمن) سخاوی رحمہ اللہ کی طرف جو کچھ منسوب ہے اس میں ہے کہ ابن بکیر (یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر مخزومی) نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ اس سے کپڑے کا وہ حصہ مراد ہے جو جسم سے ملا ہوتا ہے۔

ابن اثیر نے ”نہایہ میں“ فرمایا ان لوگوں کی عادت تھی کہ اگر کسی شخص کو کسی دوسرے کی نظر لگ جاتی تو وہ اس شخص کے پاس جس کی نظر لگتی ایک پیالہ لے کر آتا جس میں پانی ہوتا وہ اس میں سے چلو پانی لے کر کلی کرتا اور وہ پانی پیالے میں ڈال دیتا پھر اس سے منہ دھوتا پھر بایاں ہاتھ داخل کرتا اور دائیں ہاتھ پر پانی ڈالتا پھر دایاں ہاتھ پیالے میں داخل کر کے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتا پھر بایاں ہاتھ داخل کر کے دائیں کہنی پر ڈالتا پھر دایاں ہاتھ داخل کر کے بائیں کہنی پر ڈالتا پھر دایاں ہاتھ داخل کر کے دائیں پاؤں پر ڈالتا پھر دایاں ہاتھ داخل کرتا اور بائیں پاؤں پر پانی ڈالتا پھر بایاں ہاتھ داخل کر کے دائیں گھٹنے پر ڈالتا اور اس کے بعد دایاں ہاتھ داخل کر کے بائیں گھٹنے پر ڈالتا بعد ازاں تہبند کے اندر سے دھوتا اور پیالہ زمین پر نہ رکھا جاتا۔ اس کے بعد جس آدمی کو نظر لگی ہوتی اس کی پچھلی جانب سے یہ پانی ایک بار اس پر ڈال دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ ٹھیک ہو جاتا۔

مازری نے کہا ہے کہ اس بات کی وجہ اور علت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی لہذا یہ اعمہ اض نہیں کرنا چاہیے کہ اس کا



مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔

ابن عربی نے کہا اگر کوئی شریعت کو ماننے والا شخص اس میں توقف کرے تو ہم اس سے کہیں گے یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں اور ہمیں نے تجربے اور معائنے سے اس کی تصدیق کی ہے اور اگر کوئی فلسفی ہو تو اس کا رد کرنا ظاہر ہے کیونکہ اس کے پاس دوائیاں ہیں جو اثر کرتی ہیں اور ان کو ان کے خواص کہا جاتا حالانکہ ان کے اثرات سمجھ سے باہر ہوتے ہیں۔

ابن قیم نے کہا کہ نظر لگنے کا علاج اور اس سے بچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ جس سے نظر لگنے کا ڈر ہو اس سے اپنے جسم کے حسین حصوں کو چھپایا جائے تاکہ اس پر نظر نہ پڑے اور وہ نظر واپس لوٹ جائے جیسا کہ امام بغوی نے ”شرح السنہ“ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا تو فرمایا:

دسمو نونته لئلا تصیبه العين۔  
اس کی ٹھوڑی کے گڑھے کو سیاہ کر دو تاکہ اسے نظر نہ

لگے۔

پھر امام بغوی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ٹونہ کو سیاہ کر دو اور ٹونہ چھوٹے بچے کی ٹھوڑی میں بنے ہوئے گڑھے کو کہتے ہیں۔

ابو عبد اللہ الساجی نے ذکر کیا کہ وہ حج یا عمرہ کے سلسلے میں ایک خوبصورت اونٹنی پر سفر کر رہے تھے ساتھیوں میں ایک ایسا شخص تھا جس کی نظر لگتی تھی وہ جس چیز کو دیکھتا تھا ہر دیتا تھا۔ تو حضرت ابو عبد اللہ سے کہا گیا نظر والے سے اپنی اونٹنی کی حفاظت کیجئے انہوں نے کہا وہ میری اونٹنی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اس شخص کو یہ بات بتائی گئی تو وہ حضرت ابو عبد اللہ کے غائب ہونے کا منتظر رہا جب وہ غائب ہوئے تو وہ ان کے کجاوے کے پاس آیا اور اونٹنی کو دیکھا تو وہ تڑپنے لگی حتیٰ کہ گر گئی۔ حضرت ابو عبد اللہ آئے تو ان کو بتایا کہ نظر والے نے اس کو نظر لگائی ہے اور وہ اس حالت میں ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں انہوں نے فرمایا: مجھے اس کے پاس لے جاؤ چنانچہ وہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور یہ الفاظ کہے:

بسم اللہ جس حابس وحجر یابس  
وشہاب قابس ردت عین العائن علیہ وعلی  
احب الناس الیہ فارجع البصر هل تری من  
فطور ثم ارجع البصر کر تین ینقلب الیک  
البصر خاسنا وهو حسیر فخرجت حدقتا العائن  
وقامت النافۃ لا باس بها۔

اللہ کے نام سے روکنے والے کا روکنا خشک پتھر (جو  
نظر لگانے والے کو لگے) اور ستارہ جو (نظر لگانے والے  
کو) جلادے نظر لگانے والے کی نظر اس کی طرف لوٹ  
جائے اور اس کے محبوب ترین آدمی کی طرف جائے تم نظر  
اٹھا کر دیکھو کوئی رخنہ نظر آتا ہے پھر دوبارہ نگاہ اٹھاؤ نظر  
تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی ٹھکی ماندی پس نظر لگانے  
والے کی آنکھیں نکل آئیں اور اونٹنی کسی خرابی کے بغیر  
کھڑی ہوگئی۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ جب نظر والے کا علم ہو جائے تو اس سے اعضاء دھلوائے جائیں اور یہ دھونا ایک قسم



کادم جھاڑا ہے جو نفع بخش ہے اور نظر لگنے کا سبب پسند آنا ہے اگرچہ حسد کے بغیر ہو اور محبت کرنے والے کی طرف سے اور نیک آدمی کی جانب سے ہو نیز جس شخص کو کوئی چیز پسند آئے تو وہ اس شخص کے لئے برکت کی دعا میں جلدی کرے جو اسے پسند آیا ہے اور یہ اس کی طرف سے دم جھاڑا ہو جائے گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نظر بعض اوقات ہلاک کر دیتی ہے۔

### نظر لگانے والے کی سزا

اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا نظر لگانے پر قصاص جاری ہوگا یا نہیں؟ امام قرطبی فرماتے ہیں اگر نظر لگانے والا کسی چیز کو ہلاک کرتا ہے تو اس پر اس کا تاوان آئے گا اور اگر اس سے کوئی ہلاک ہو جائے تو اس پر قصاص یا دیت آئے گی جب یہ بات اس سے تکرار کے ساتھ ہو کیونکہ یہ اس کی عادت بن جائے گی اور وہ اس سلسلے میں ان لوگوں کے نزدیک جادوگر کی طرح ہوگا جو اسے بطور کافر (مرتد) قتل نہیں کرتے۔ شافعی مسلک والوں نے اس سلسلے میں قصاص کا ذکر نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس سے منع کیا اور کہا کہ عام طور پر نظر لگنے سے کوئی قتل نہیں ہوتا اور اس کو ہلاک کرنے والا شمار نہیں کیا جاتا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”الروضہ“ میں فرمایا: کہ اس پر دیت اور کفارہ کچھ بھی نہیں کیونکہ حکم عمومی قانون پر مرتب ہوتا ہے اس پر نہیں جو بعض لوگوں کے ساتھ خاص ہو اور بعض حالات میں اس پر کوئی انضباطی کارروائی نہیں ہوتی یہ کیسے ہوگا جب کہ اس سے اصلاً کوئی فعل صادر نہیں ہوگا۔

زیادہ سے زیادہ یہ حسد ہوگا اور وہ اس سے نعت کے زوال کی تمنا کرے گا نیز نظر لگنے سے جو بات پیدا ہوئی وہ اس شخص کے لئے مکروہ ہے اور یہ مکروہ (نا پسندیدہ) عمل زوالِ حیات کے لئے متعین نہیں ہے اور بعض اوقات یہ بات نظر کے اثر کے بغیر بھی پیدا ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر جادوگر کو قتل کرنے والا حکم نافذ کیا جائے کیونکہ یہ اس کے معنی میں ہے اور دونوں میں فرق کرنا مشکل ہے۔

ابن بطلال نے بعض اہل علم حضرات سے نقل کیا کہ حکمران کو چاہیے کہ جب اسے یہ بات معلوم ہو تو وہ نظر لگانے والے کو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کرے اور اسے گھر میں رہنے کا پابند کرے اور اگر وہ محتاج ہو تو حسب ضرورت اسے رزق مہیا کرے کیونکہ اس کا ضرر کوڑھ کے مریض کے ضرر سے زیادہ سخت ہے جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ میل جول سے منع فرمایا تھا۔ نیز لہسن کے ضرر سے بھی زیادہ ہے اور لہسن کھانے والے کو نماز باجماعت میں حاضری سے منع کر دیا گیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قول صحیح متعین ہے اور کسی سے اس کے خلاف کوئی بات معروف نہیں۔

### نبی اکرم ﷺ کے کلمات دم جن سے دم فرمایا کرتے تھے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہما حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو حمزہ! مجھے تکلیف ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے ان کلمات کے ساتھ دم نہ کروں جن (کلمات) کے ساتھ نبی اکرم ﷺ دم کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا: جی ہاں



مجھے دم کیجئے تو انہوں نے یوں دم کیا:

اَللّٰهُمَّ رَبِّ النَّاسِ مُذِيبَ الْبَاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِی لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ شِفَاءٌ لَا یُعَادِرُ سَقَمًا۔ اے اللہ! لوگوں کے رب تکلیف کو لے جانے والے شفاء عطا فرما تو شفاء دینے والا ہے تیرے سوا کوئی شفاء دینے والا نہیں ایسی شفاء عطا فرما جو بیماری کو باقی نہ چھوڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۱ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۶۸۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۶۷)

”مذہب الباس“ میں اصل ہمزہ تھا جس کو ”الناس“ کی موافقت میں الف سے بدل دیا: ”لا شافی الا انت“ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوائی اور علاج میں سے کوئی چیز تقدیر کے موافق ہوگی تو فائدہ ہوگا ورنہ نہیں ”لا یغادر“ غین (نقطے والی) کے ساتھ یعنی نہ چھوڑے۔

”صحیح بخاری میں“ ہے حضرت مسروقؓ حضرت عائشہؓ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے اہل میں سے کسی کی بیمار پرسی کرتے تو اپنا ہاتھ اس (تکلیف والی جگہ) پر رکھتے اور فرماتے:

اَللّٰهُمَّ رَبِّ النَّاسِ اَذِیْبِ الْبَاسَ وَاشْفِیْ وَ اَنْتَ الشَّافِی لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءٌ لَا یُعَادِرُ سَقَمًا۔ یا اللہ! انسانوں کے رب تکلیف کو دور کر دے اور اس کو شفاء عطا فرما تو شفاء دینے والا ہے تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں ایسی شفاء عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

”بمسح بیدہ“ کا مطلب یہ ہے کہ درد والی جگہ پر ہاتھ مبارک رکھتے۔ ”الا شفاؤک“ ”مرفوع ہے“ ”لا شفاء“ کے محل سے بدل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دم کرتے ہوئے یوں فرماتے:

امسح الباس رب الناس بیدک الشفاء لا کاشف له الا انت۔ اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دے تیرے ہاتھ میں شفاء ہے اور اس تکلیف کو صرف تو ہی دور کر سکتا ہے۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے بارگاہ نبوی میں اپنے جسم میں پائی جانے والی تکلیف کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جسم میں جس جگہ تکلیف ہو وہاں اپنا ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھو اور سات مرتبہ یہ کلمات کہو:

اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ۔ اللہ تعالیٰ کی عزت و قدرت کی پناہ ہر اس شر سے جو میں پاتا ہوں اور جس کا مجھے ڈر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷ شرح السنہ ج ۵ ص ۲۲۸ اتحاف السادة المتعلمین ج ۶ ص ۲۹۷ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۰۵ مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۱۵۳۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۷۴)

ان کلمات کے تکرار کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ فائدہ حاصل ہو جس طرح فاسد مادہ کو نکالنے کے لئے بار بار دوائی استعمال کی جاتی ہے۔



## خوف اور بے خوابی کا نبوی علاج

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد (بن ولید) رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ بے خوابی کی وجہ سے میں رات کو سو نہیں سکتا تو آپ نے فرمایا: جب اپنے بستر پر جاؤ تو یوں کہو:

اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَكَلَتْ  
وَرَبَّ الْأَرْضَيْنِ السَّبْعِ وَمَا أَكَلَتْ وَرَبَّ  
الشَّيَاطِينِ وَمَا أَكَلَتْ كُنْ لِي جَارًا مِّنْ شَرِّ  
خَلْقِكَ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَنْ يُفْرِطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِّنْهُمْ  
أَوْ يَنْغِيَّ عَلَيَّ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلَهَ  
غَيْرُكَ.

اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور جس پر وہ سایہ فگن ہیں  
کے رب! ساتوں زمینوں اور جو کچھ انہوں نے اٹھایا ہوا ہے  
کے رب! شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا! کے رب!  
اپنی تمام مخلوق سے مجھے پناہ دے تاکہ ان میں سے کوئی مجھ  
پر زیادتی یا سرکشی نہ کرے تیری پناہ غالب ہے اور تیری ثناء  
بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۳، اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۲۹، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۵۷)

## مصیبت کی گرمی کا ”رجوع الی اللہ“ کی ٹھنڈک سے نبوی علاج

مسند میں مرفوع حدیث ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو مصیبت پہنچے وہ یوں کہے:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللَّهُمَّ اجْزِنِي فِي  
مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا.

بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف  
لوٹنا ہے یا اللہ تعالیٰ اس مصیبت کا مجھے اجر عطا فرما اور اس کا  
نعم البدل مرحمت فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۱، التہذیب ج ۳ ص ۱۸۰)

تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت کا اجر عطا فرماتا ہے اور اسے اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔

(ابن قیم نے) ”الہدی النبوی میں“ کہا ہے کہ یہ کلمہ مصیبت زدہ کے علاج کے لئے دنیا و آخرت کے اعتبار سے زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ یہ دو بنیادی باتوں پر مشتمل ہے جب بندہ ان کی معرفت حاصل کرتا ہے تو اسے مصیبت سے تسلی ہو جاتی ہے ایک بات یہ ہے کہ بندہ اور اس کے اہل و مال کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بندے کو عاریتاً (بطور ادھار) عطا فرمایا پس جب وہ اس سے واپس لیتا ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے ادھار دینے والا اپنی چیز ادھار لینے والے سے واپس لیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بندے کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوتا ہے اور وہ لازماً دنیا کو پیٹھے کے پیچھے ڈال کر اپنے رب کے پاس تنہا آتا ہے جس طرح اسے پہلی مرتبہ اہل و مال اور خاندان کے بغیر تنہا پیدا کیا۔

البتہ وہ نیکی اور برائی کے ساتھ آتا ہے پس جب بندے کی ابتدا و انتہا یہ ہے تو وہ موجود چیز پر کس طرح خوش ہوتا ہے یا

۱۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو میں نے سوچا ابو سلمہ سے بہتر کون ہوگا؟ وہ پہلے مہاجرین میں سے ہیں لیکن پھر بھی میں نے یہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر یعنی حضور ﷺ مجھے عطا فرمائے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۸۳)



کسی چیز کے نہ پانے پر افسوس کیوں کرتا ہے؟ پس اس بیماری کا سب سے بڑا علاج اپنے آغاز و انجام میں غور و فکر کرنا ہے۔ ابن قیم نے کہا کہ اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ مصیبت کی آگ کو مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ کر تسلی حاصل کرے اور اس ٹھنڈک سے بجھائے اور اگر وہ دنیا میں غور و فکر کرے تو ہر شخص کو کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا دیکھے گا چاہے محبوب کا نہ ملنا ہو یا کوئی مکروہ بات پہنچے اور دنیا کا سرور ایک خواب ہے یا زائل ہونے والا سایہ ہے۔ اگر تھوڑا ہنسنا ہے تو زیادہ رلاتا ہے اگر ایک دن خوش رکھتا ہے تو زمانہ بھر پریشان رکھتا ہے اگر تھوڑا نفع دیتا ہے تو زیادہ عرصہ اس سے روکے رکھتا ہے اگر کوئی نعمتوں سے بھرتا ہے تو آنسوؤں سے بھی بھرتا ہے ایک دن سرور حاصل ہوتا ہے تو اس میں شر و الا دن بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لکل فرحة ترحه و ما ملیء بیت فرحاً الا  
 ہر خوشی کے مقابلے میں ایک غم ہے اور جو گھر فرحت و  
 ملیء ترحا۔ سرور سے بھرتا ہے وہ غم سے بھی بھر جاتا ہے۔

### غموں کا علاج اپنے رب کی طرف توجہ سے کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ غم اور دکھ کے وقت یوں فرماتے ہیں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
 اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عظیم و العزیز  
 رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ  
 ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا رب ہے  
 السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ. (صحیح البخاری رقم  
 الحدیث: ۶۳۳۵-۶۳۳۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۰) کریم کا رب ہے۔

”صحیح مسلم میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ پریشانی کے وقت ان کلمات کو پڑھتے اور ان کے ساتھ دعا مانگتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ بھی ہے ”کان اذا حزبه امر یعنی جب کسی بات کا غلبہ ہوتا“۔ طبری نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ آپ ﷺ (ان کلمات کے ساتھ) دعا مانگتے تھے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تعظیم کرنا تھا جس میں دو باتوں کا احتمال ہے۔

ایک بات یہ کہ دعا سے پہلے یہ کلمات پڑھتے تھے جس طرح عبد بن حمید کے نزدیک ہے کہ ”جب آپ کو کوئی عمل پیش آتا تو یہ منقول ذکر کرتے“ اور یہ اضافہ کیا کہ پھر دعا مانگتے۔ طبری نے کہا اس بات کی تائید حضرت اعمش کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت ابراہیم سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جب ثناء سے پہلے دعا مانگے تو صرف امید ہوتی ہے۔

دوسرا احتمال ابن عیینہ نے بطور جواب فرمایا ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جس میں یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ عرفات میں عام طور پر یہ کلمات پڑھتے۔

”لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ“ حضرت سفیان فرماتے ہیں یہ کلمات ذکر ہیں ان میں دعا نہیں ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب عزوجل سے یوں نقل کیا:



من شغلہ ذکری عن مسالتي اعطيتہ الفضل  
ما اعطی السائلین۔  
جس شخص کو میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھے  
میں اسے مانگنے والوں سے افضل دیتا ہوں۔

امیہ بن ابی الصلت نے حضرت عبداللہ بن جعدان کی تعریف میں کہا:

أذكر حاجتي أم قد كفاني  
إذا انتهى عليك المرء يوماً  
حيأذك ان شيمتك الحياء  
كفاه من تعرضك الشفاء

”کیا میں اپنی حاجت کا ذکر کروں یا مجھے تمہارا حیا کافی ہے تمہاری فطرت میں حیا شامل ہے۔ جب کوئی شخص کسی دن تمہاری تعریف کرے تو اس کے لئے تیری تعریف سے اعراض کرنے کی جگہ یہ کافی ہے۔“

یہ تو مخلوق ہے کہ جب کرم کی طرف منسوب کیا تو سوال کی جگہ ثناء پر اکتفا کیا تو خالق کا معاملہ کیا ہوگا؟

جیسا کہ ابن قیم نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اللہ تعالیٰ کی توحید و ربوبیت پر مشتمل ہے نیز اس میں رب سبحانہ و تعالیٰ کا وصف عظمت اور حلم (بردباری) بیان کیا اور یہ دو صفات قدرت و رحمت احسان اور درگزر کرنے میں کمال نیز اس کی صفت ربوبیت میں کمال کو مستلزم ہیں جو ربوبیت عالم علوی عالم سفلی اور عرش کو شامل ہے اور عرش تمام مخلوق کی چھت اور سب سے بڑی مخلوق ہے اور ربوبیت تامہ اس کی توحید کو مستلزم ہے اور وہی ذات ہے کہ عبادت، محبت، خوف، امید، تعظیم و اطاعت صرف اسی کے لئے ہے (حقیقی طور پر اسی کے لئے ہے ورنہ عبادت کے علاوہ باقی کام مخلوق کے لئے بھی ہیں۔ ۱۲ ہزاروی)۔

اور اس کی عظمت مطلقہ اس بات کو مستلزم ہے کہ تمام کمال اسی کے لئے ہے اور ہر نقص کی نیز اس کے مثل ہونے کی نفی ہے۔ اس کا حلم (بردباری) اس بات کو مستلزم ہے کہ مخلوق پر اس کی رحمت اور احسان کامل ہے پس دل میں اس بات کا علم اور معرفت اس کی محبت، تعظیم اور توحید کو لازم کرتا ہے اور اس سے خوشی لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے جس سے تکلیف پریشانی اور غم کی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

تم مریض کو کیسا پاتے ہو جب اس کو خوشی کی خبر پہنچتی ہے یا ایسی چیز جو اس کی تقویت کا باعث ہو تو جی مرض کے دور کرنے پر اس کی طبیعت کو کس طرح قوت حاصل ہوتی ہے؟ پس دل کے لئے اس شفاء کا حصول کس قدر لائق ہے پھر جب تم تکلیف کی تنگی اور ان اوصاف کے درمیان مقابلہ کرو جو اوصاف اس حدیث میں بیان ہوئے ہیں تو اس تنگی کو دور کرنے کے لئے انتہائی مناسبت پاؤ گے اور تکلیف اس تنگی سے سرور اور تازگی کی وسعت کی طرف چلی جاتی ہے لیکن ان امور کی تصدیق وہی کرتا ہے جس میں ان کے انوار چمکتے ہوں اور دل کا حقائق سے رابطہ ہو جائے۔

ابن بطلال نے کہا مجھ سے ابو بکر رازی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: میں اصفہان میں ابو نعیم کے پاس تھا تو ان کے شیخ نے ان سے کہا کہ ابو بکر بن علی کو بادشاہ کے پاس لے جا کر قید کر دیا گیا پس میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب تھے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں اپنے ہونٹوں کو ہلارہے تھے اور اس میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کہ حضرت ابو بکر بن علی رضی اللہ عنہ سے کہو کہ تکلیف کے ازالے سے متعلق وہ دعا پڑھیں ”جو صحیح بخاری میں ہے“ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ پریشانی دور کر دے وہ فرماتے ہیں صبح ہوئی تو میں نے ان کو خبر دی چنانچہ انہوں نے وہ دعا مانگی تو زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ ان کو جیل سے رہائی مل گئی۔



حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام نسائی نے نقل کیا اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا اس میں آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے یہ (درج ذیل) کلمات سکھائے اور فرمایا: کہ اگر مجھے کوئی تکلیف یا شدت پہنچے تو ان کلمات کو پڑھوں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْكَرِيمُ الْعَظِيمُ سُبْحَانَ اللَّهِ  
تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ  
رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ کرم والا عظمت والا ہے اللہ پاک ہے اللہ تعالیٰ برکت والا ہے عرش عظیم کا مالک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ایک روایت میں ”الکریم العظیم“ کی جگہ ”الحلیم الکریم“ ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ  
الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں وہ جاننے والا بلند عظمت والا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ بردبار کرم والا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللَّهِ  
تَبَارَكَ وَتَعَالَى رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ  
رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بردبار کرم والا ہے وہ پاک برکت والا بلندی اور عرش عظیم کا رب ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

یہ تمام روایات امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھاتے اور یہ الفاظ پڑھتے:

سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ.

عظمت والا اللہ پاک ہے۔

اور جب دعا میں خوب کوشش فرماتے تو یوں کہتے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ.

اے زندہ! دوسروں کو قائم رکھنے والے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی مشکل

درپیش ہوتی تو آپ یہ کلمات پڑھتے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَكْ أَسْتَعِيْثُ.

اے زندہ! دوسروں کو قائم رکھنے والے میں تیرے

نام سے مدد طلب کرتا ہوں۔



(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۳، اتحاف السادة المستعین ج ۵ ص ۶۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۵۳، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۵۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۹۸-۳۹۱۸-۱۸۰۰۳)

علامہ ابن قیم نے کہا کہ اس قسم کی بیماری (پریشانی) کو دور کرنے کے لئے ”یا حسی یا قیوم برحمتک استغیث“ کے الفاظ عجیب مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت حیات تمام صفات کمال کو متضمن ہے اور ان کو مستلزم ہے اور صفت قیومیت تمام صفات افعال کو متضمن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جس کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے مانگا جائے تو دیا جاتا ہے وہ ”الحی القیوم“ ہے۔

اور حیات کا نہ تمام تکالیف اور بیماریوں کی ضد ہے اسی لئے جب اہل جنت کی حیات کامل ہو جائے گی تو انہیں کوئی پریشانی، غم اور کسی قسم کی آفت نہیں ہوگی۔

پس صفت حیات اور صفت قیومیت کے توسل سے دعا مانگنے میں اس بات کو زائل کرنے کی تاثیر ہے جو زندگی کے خلاف ہو اور افعال میں نقصان پیدا کرے۔

اسی لئے ”الحی القیوم“ میں دعاؤں کی قبولیت اور تکالیف کے ازالے میں عظیم تاثیر ہے جو اس مقصد کے ساتھ خاص ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ دعا میں خوب کوشش کے وقت ”یا حسی یا قیوم“ پڑھتے تھے۔

”سنن ابوداؤد میں“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پریشانی میں جلا آدی کی دعا یہ ہے:

اللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى  
نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا  
اَنْتَ. تمام کاموں کو درست فرمادے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۰، مسند احمد ج ۵ ص ۳۲، مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۲۲)

جیسا کہ ”زاد المعاد میں“ (ابن قیم نے) کہا کہ اس دعا میں امید کو اس ذات سے وابستہ کیا گیا کہ تمام بھلائی جس کے قبضہ قدرت میں ہے صرف اسی پر اعتماد اور اسی کی طرف تمام امور کو پھیرنے کا ذکر ہے اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا کہ وہ تمام کام درست کر دے اور (دعا کرنے والے کو) نفس کے سپرد نہ کرے نیز اس کی توحید کا توسل وغیرہ ایسے امور ہیں جو اس پریشانی کو دور کرنے کی تاثیر رکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے امام ابوداؤد نے ہی مرفوعاً نقل کیا تکلیف کے وقت کے لئے دعائیہ کلمات اس طرح ہیں:

اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا.  
اللہ تعالیٰ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

”مسند احمد میں“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ



آپ نے فرمایا: جو شخص کسی غم کے پہنچنے پر درج ذیل کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کا غم اور پریشانی لے جاتا ہے اور اس کی جگہ فرحت و سرور عطا فرماتا ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ أُمِّكَ  
نَاصِيَتِي بِيَدِكَ مَا ضَلَّ فِي حُكْمِكَ عَدْلٌ فِي  
قَضَائِكَ أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِيَتْ  
بِهِ نَفْسُكَ أَوْ أُنْزِلَتْهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ أَعْلَمَتْهُ  
أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ أَوْ اسْتَأْذَنْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ  
عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ رَبِيعَ قَلْبِي  
وَنُورَ صَدْرِي وَجَلَاءَ حُزْنِي وَذِهَابَ غَمِّي  
یا اللہ! میں تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا اور تیری بندی  
کا بیٹا ہوں میری پریشانی تیرے قبضہ میں ہے میرے بارے  
میں تیرا حکم نافذ ہونے والا اور تیرا فیصلہ انصاف پر مبنی ہے  
میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو  
نے اپنی ذات کا نام رکھا یا اپنی کتاب میں نازل کیا یا مخلوق  
میں سے کسی کو سکھایا یا اس علم غیب میں ہے جو تیرے پاس  
ہے تو نے اس کو ترجیح دی کہ تو قرآن مجید کو میرے دل کی  
بہار، میرے سینے کا نور، میرے غم کا ازالہ اور میری پریشانی کو  
لے جانے والا بنادے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱-۳۵۲۔ المسند رک ج ۱ ص ۵۰۹ الدر المنثور ج ۳ ص ۱۳۹ موارد النظمین رقم الحدیث: ۲۳۷۲ مجمع الزوائد  
ج ۱ ص ۱۷۶ المغنی ج ۱ ص ۳۲۹ اتحاف السادة المتعلمین ج ۵ ص ۱۰۵ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۱۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۳۶-۳۳۳۵)  
اس دعا کو یہ مرتبہ اس وجہ سے حاصل ہوا کہ یہ دعا کرنے والے کے بندہ ہونے اور اس کے ماں باپ کے بندگان خدا  
ہونے کے اقرار پر مشتمل ہے اور یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جدھر چاہے اسے پھیر دے نیز تقدیر کا اثبات  
ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بندے میں نافذ ہوتے اور اس میں جاری ہوتے ہیں اس سے جدائی نہیں ہوتی۔ اور نہ ان  
کو دور کرنے کے لئے کوئی حیلہ ہو سکتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں عدل فرمایا وہ اپنے بندے پر ظلم نہیں کرتا پھر اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کو  
وسیلہ بنایا جو اسماء اس نے خود مقرر فرمائے ان میں سے کچھ کا علم بندے کو دیا اور بعض اسماء کو وہ نہیں جانتے اور ان میں سے  
کچھ ایسے ہیں جو اس کے پاس پردہ غیب میں ہیں ان پر کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کو آگاہ نہیں فرمایا۔  
اور یہ وسیلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا اور محبوب ترین وسیلہ ہے اور حصول مطلوب کے زیادہ قریب کرنے  
والا ہے۔

پھر اس کا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو اس کے دل کے لئے چراگاہ بنادے یعنی جس طرح حیوانات کے چرنے  
کے لئے چراگاہ ہوتی ہے اور اس کے سینے کے لئے ایسا نور بنادے جو اس نور کی طرح ہو جو زندگی کا مادہ ہے اور اس کے  
ساتھ بندوں کی زندگی مکمل ہوتی ہے نیز اس کو اس کے غم کے لئے شفاء بنادے پس وہ اس دوائی کی طرح ہو جائے جس  
سے بیماری کا خاتمہ ہوتا ہے اور بدن صحت و اعتدال کی طرف لوٹتا ہے اسی طرح اس کے غم کے لئے ایسی چمک دے جیسے  
اور زنگوں کو دور کر کے چمک پیدا کرنے والی چیز ہوتی ہے۔ (القاسوس المحیط ج ۳ ص ۶۰)  
تو جب بیمار آدمی اس دوا کے استعمال میں سچا ہو تو اس کے بعد مکمل شفاء آتی ہے۔



”سنن ابوداؤد میں“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ایک دن نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو انصار میں سے ایک شخص جس کا نام ابوامامہ تھا مسجد میں موجود تھا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوامامہ! یہ نماز کا وقت نہیں تو کیا وجہ ہے میں تمہیں اس وقت یہاں دیکھ رہا ہوں؟

اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے غموں اور قرضوں نے گھیر رکھا ہے آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا کلام نہ سکھاؤں کہ جب تم کہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے غموں اور دکھوں کو لے جائے اور تمہارا قرض بھی ادا ہو جائے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! بتائیے آپ نے فرمایا: صبح و شام یوں کہو:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ  
وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ  
مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ  
وَقَهَرِ الرِّجَالِ

یا اللہ! میں اس پریشانی اور غم سے تیری پناہ چاہتا ہوں  
عاجزی اور سستی سے تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی اور کنجوسی  
سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور قرض کے غلبہ اور لوگوں کے  
غالب آنے سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

وہ فرماتے ہیں میں نے یہ عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری پریشانی کو زائل کر دیا اور میرا قرض بھی ادا ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۵۵ اتحاد السادة المستقین ج ۵ ص ۱۰۰)

یہ حدیث آٹھ باتوں سے پناہ کو شامل ہے ان میں سے ہر دو ایک دوسرے کے قریب اور باہم ملی ہوتی ہیں ”الہم اور الحزن“ (پریشانی اور غم) آپس میں ہم جنس ہیں۔ ”العجز اور الکسل“ (عاجزی اور سستی) ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں ”الجبن اور البخل“ (بزدلی اور کنجوسی) کا باہم تعلق ہے ”غلبۃ الدین اور قہر الرجال“ (قرض کا بوجھ اور لوگوں کا غلبہ) ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ پس ہر شر سے پناہ کی طلب پائی گئی۔

”سنن ابوداؤد میں“ ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَزِمَ الْاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ  
فُرْجًا وَمِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا  
يَحْتَسِبُ. (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۲۷ عمل الیوم واللیل  
رقم الحدیث: ۳۳۸)

جو شخص ہمیشہ استغفار کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر  
پریشانی سے کشادگی اور ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتا  
ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جس جگہ کا اسے گمان  
بھی نہیں ہوتا۔

طلب مغفرت، غم اور تنگی کو دور کرنے میں مؤثر ہے کیونکہ تمام ادیان والے اور ہر ملت کے عقل مند لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ گناہ اور فساد سے پریشانی، غم، سینے کی تنگی اور دل کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور جب دلوں میں گناہوں کی یہ تاثیر ہے تو اس کا علاج صرف توبہ اور استغفار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس شخص کی پریشانی زیادہ ہو وہ ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کثرت سے پڑھے۔

صحیحین میں ثابت ہے کہ یہ کلمہ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ اور



”جامع ترمذی میں ہے کہ“ یہ کلمات جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں۔

بعض آثار (احادیث) میں ہے کہ آسمان سے جو فرشتہ اترتا یا اوپر جاتا ہے وہ ”لا حول ولا قوة الا باللہ“ کے ذریعے جاتا ہے۔ امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی پریشانی ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام کی شبیہ میرے سامنے آئی اور انہوں نے کہا: اے محمد ﷺ! یوں کہیں:

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ لَا يَمُوتُ  
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ  
شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِيلِ  
وَكَبِيرُهُ كَبِيرًا۔  
میں نے اس زندہ ذات پر بھروسہ کیا جس کے لئے  
موت نہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے  
اولاد اختیار نہیں کی اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں  
اور اس کے لئے ذلت نہیں کہ کوئی مددگار ہو اور اس کی بڑائی  
خوب بیان کرو۔

ابن السنی کی کتاب میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جو شخص پریشانی کے وقت آیت الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات (لله ما فی السموات سے آخر تک) پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔

اسی کتاب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جو پریشان حال اس کو پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور کر دیتا ہے وہ کلمہ میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام کا کلمہ ہے جو اس طرح ہے:

فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ  
سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔  
انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ (یا اللہ) تیرے سوا  
کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں زیادتی کرنے  
والوں میں سے ہوں۔

”جامع ترمذی میں ہے کہ“ جو شخص ان کلمات کے ساتھ دعائے مانگے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

امام دیلمی نے ”مسند الفردوس میں“ حضرت جعفر بن محمد (حضرت امام جعفر صادق) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو آپ یہ دعائے مانگتے:

اَللّٰهُمَّ اَحْرِسْنِيْ بِعَيْنِكَ اَلنَّبِيُّ لَا تَنَامُ  
وَ اَكْشِفْنِيْ بِكَفِّكَ الَّذِيْ لَا يَرَامُ وَ اَرْحَمْنِيْ  
بِقُدْرَتِكَ عَلَيَّ فَلَا اَهْلِكَ وَ اَنْتَ رَجَائِيْ فَكَمْ  
مِنْ نِّعْمَةٍ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ قُلْ لَكَ بِهَا سُكْرِيْ  
یا اللہ! اپنی نگاہ سے میری حفاظت کر جو سوتی نہیں اپنا  
خصوصی سایہ عنایت فرما جس کا قصد نہیں کیا جاسکتا اپنی  
قدرت سے مجھ پر رحم فرما پس میں ہلاک نہ ہوں جب کہ تو  
میری امید گاہ ہے تو نے مجھ پر کس قدر انعام کیا لیکن میں



اس کا شکر ادا نہ کر سکا تو نے بارہا مجھے آزمائش میں ڈالا لیکن میرا صبر کم ہو گیا اے وہ ذات! کہ جس کی نعمت پر میرا شکر بہت کم ہے مجھے محروم نہ کرنا اے وہ ذات! جس کی آزمائش کے وقت میرا صبر کم ہوتا ہے لیکن مجھے ذلیل و رسوا نہ کیا اے وہ ذات! جس نے مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھا لیکن مجھے ذلیل و رسوا نہ کیا اے ایسی بھلائی والے! جو کبھی ختم نہیں ہوتی اور ایسی نعمتوں والے! جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما میں تیرے نام سے سرکش متکبر لوگوں سے اپنا دفاع کرتا ہوں! یا اللہ! دنیا کے ذریعے دین پر میری مدد فرما اور تقویٰ کے ذریعے میری آخرت پر مدد فرما اس میں میری حفاظت فرما جس سے میں غائب ہو جاؤں اور جس کام سے تو نے مجھے روکا ہے اس میں مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اے وہ ذات! جسے گناہ نقصان نہیں پہنچاتے اور معاف کرنے سے اس کے لئے کوئی خرابی نہیں مجھے وہ چیز عطا فرما جس کے عطا کرنے سے تجھے کوئی نقصان نہیں اور مجھے بخش دے اس سے تجھے ضرر نہیں پہنچتا بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے میں تجھ سے قریب کی کشادگی اور صبر جمیل وسیع رزق اور آزمائشوں اور مصیبتوں سے عافیت اور عافیت پر شکر کا سوال کرتا ہوں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں تجھ سے عافیت پر شکر کا سوال کرتا ہوں اور لوگوں سے بے نیازی کا بھی سوال کرتا ہوں اور نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے جو بہت بلند بڑی عظمت والا ہے۔

### فقر کی بیماری کا نبوی علاج

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! دنیا نے مجھ سے پیٹھ پھیر لی اور وہ پھر گئی آپ نے فرمایا: تم فرشتوں کی صلوٰۃ اور مخلوق کی تسبیح سے کہاں (غافل) ہو اور اسی کی وجہ سے ان کو رزق ملتا ہے (یعنی تم یہ کلمات) طلوع فجر کے وقت ایک سو بار پڑھو دنیا ذلیل ہو کر تمہارے پاس آئے گی:

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ

اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتا



اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔ ہوں اللہ تعالیٰ عظمت والا پاک ہے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

وہ شخص چلا گیا کچھ عرصہ ٹھہر کر دوبارہ آیا تو عرض کیا یا رسول اللہ! دنیا میری طرف متوجہ ہو گئی ہے پس مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں اسے کہاں رکھوں؟

یہ روایت خطیب نے اپنی کتاب ”رواۃ مالک“ میں نقل کی (اس کتاب میں انہوں نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے راویوں کا تذکرہ کیا ہے)۔

### جلنے والے کا نبوی علاج

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہم) وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا رَأَيْتَ الْحَرِيقَ فَكَبِّرْ وَ اِذَا رَأَيْتَ الْكَبِيرَ فَكَبِّرْ۔ جب تم کسی جلنے والے کو دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ تکبیر بظنہ۔ اے بھڑائی ہے (یعنی اللہ اکبر کہو)۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۹۳ الطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۳۲۳۰ الکامل فی الضعفاء ج ۵ ص ۶۵-۱۷ ج ۳ ص ۱۳۶۹ عمل الیوم واللیلہ رقم الحدیث: ۲۸۹-۲۹۲ میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۴۵۳۹)

### حکمت

اگر تم کہو کہ تکبیر کے ذریعے آگ کو بجھانے کی کیا حکمت ہے؟ تو صاحب زاد المعاد نے اس کا یوں جواب دیا ہے کہ جب جلنے کا سبب آگ ہے اور یہ شیطان کا مادہ ہے جس سے اسے پیدا کیا گیا اور اس میں عام فساد ہے جو شیطان کے مادہ اور اس کے فعل کے مناسب ہے اور شیطان کے لئے اس پر مدد اور اس کو نافذ کرنا ہے اور آگ فطری طور پر بلندی اور فساد کو چاہتی ہے اور یہ دونوں شیطان کے راستے ہیں جن کی طرف وہ دعوت دیتا ہے اور ان دونوں میں انسان کی ہلاکت ہے پس آگ اور شیطان دونوں زمین پر بلندی اور فساد کا ارادہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا شیطان اور اس کے فعل کو مٹاتا ہے اسی لئے آگ کو بجھانے میں اللہ تعالیٰ کی تکبیر کا اثر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ پس جب مسلمان اپنے رب کی بڑائی بیان کرتے ہوئے ”اللہ اکبر“ کہتا ہے تو اس کی بڑائی آگ کو بجھانے میں مؤثر ہوتی ہے جو شیطانی مادہ ہے۔ ہم نے اور ہمارے علاوہ لوگوں نے اس طرح اس کا تجربہ کیا ہے۔

میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے ۸۹۵ھ میں مدینہ طیبہ میں اس کا تجربہ کیا تو اس کا بہت بڑا اثر پایا جو کسی دوسری بات میں نہیں پایا۔

مدینہ طیبہ میں جب ۸۸۶ھ میں آگ لگی تو پرندے دیکھے گئے جو تکبیر کہتے تھے اور یہ بات مشہور ہے اسی سلسلے میں قاضی القضاۃ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ نے یہ اشعار کہے ہیں:

فما تری من جواہر غیر منہزم      فظن کل بان النار تحرقہ  
عن البیوت راہا غیر متہم      فجاءت الطیر روتہا باجنحة



”ہر ایک نے خیال کیا کہ آگ اسے جلادے گی تو اس فضاء میں بھاگنے والوں کے سوا کسی کو نہ دیکھتا۔  
پس پرندے آئے اور انہوں نے اپنے پروں سے اس آگ کو گھروں سے دور کر دیا اس کو دیکھا جس پر تہمت  
نہیں لگائی جاسکتی۔“

ایک دوسرے قسیدے میں یوں کہا:

فکَلْ شَخْصٌ تَوَلَّى خَائِفًا حَذْرًا      فُجَاءَتِ الطَّيْرُ لِلنَّيِّرِ انْ تَطْرُدْهَا

عن البیوت ولا یخفی لمن بصرا

”ہر شخص ڈرتے ہوئے بچاؤ کی خاطر پھر گیا تو پرندے آئے اور انہوں نے آگ کو گھروں سے دور  
پھینک دیا اور جس نے دیکھا اس پر مخفی نہیں۔“

### مرگی والے کا طب نبوی سے علاج

”صحیح بخاری و مسلم میں“ ہے کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس نے عرض کیا مجھے مرگی کا  
دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا کریں آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو صبر کرو اور  
تمہارے لئے جنت ہو اور اگر چاہو تو میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں کہ وہ تمہیں عافیت عطا فرمائے؟ اس نے  
کہا: میں صبر کروں گی پھر کہا میرا پردہ کھل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میرا ستر نہ کھلے تو آپ نے اس کے لئے دعا  
فرمائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۳۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۶)

ابن قیم نے کہا مرگی کا دورہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) زمینی خبیث روحوں کی طرف سے ہوتا ہے۔

(۲) جسم میں برے اخلاط کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دوسری قسم کے دورے میں طبیب لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں۔

جہاں تک روحانی دورے کے علاج کا تعلق ہے تو وہ دو باتوں سے ہوتا ہے۔

ایک بات کا تعلق اس شخص سے ہوتا ہے جس کو یہ دورہ پڑا ہے اور دوسری بات علاج کرنے والے سے تعلق رکھتی ہے  
جو بات بیمار سے متعلق ہے تو وہ اس کی قوت نفس اور ان ارواح کو پیدا کرنے والے کی طرف سچی توجہ سے ہوتی ہے اور صحیح  
طور پر پناہ طلب کی جائے جس پر دل اور زبان باہم موافق ہوں یہ ایک قسم کی جنگ ہے اور جنگ لڑنے والے کا دشمن پر حملہ  
دو باتوں سے صحیح ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ ہتھیار ذاتی طور پر صحیح عمدہ ہوں اور دوسرا یہ کہ بازوؤں میں قوت ہو۔

اور دوسری بات کا تعلق معالج سے ہے اور اس میں بھی یہی دو باتیں ہونی چاہئیں حتیٰ کہ معالجین میں سے بعض صرف  
اتنی بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ اس (خبیث روح) سے کہتے ہیں نکل جایا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ یا ”لا حول  
ولا قوۃ الا باللہ“ پڑھتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ یوں فرمایا کرتے تھے:



اے اللہ کے دشمن! نکل جا میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔  
 اور بعض حضرات آیت الکریٰ کے ذریعے اس کا علاج کرتے تھے اور اس مرض میں مبتلا شخص نیز علاج کرنے والے  
 کثرت سے آیت الکریٰ اور معوذتین (سورۃ الفلق، سورۃ الناس) پڑھنے کا حکم دیتے۔  
 ابن قیم نے کہا جس آدمی کو مرگی کا دورہ پڑتا ہو اور اس کی عمر پچیس سال ہو خصوصاً دماغی سبب سے ہو تو وہ ٹھیک ہونے  
 سے مایوس ہو جاتا ہے اور اسی طرح جسے اس عمر تک مسلسل یہ تکلیف ہو۔  
 وہ کہتے ہیں جو عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور حدیث میں اس کا ذکر ہے اور اس کا ستر کھل جاتا تھا تو  
 ہو سکتا ہے اس کا یہ دورہ اسی قسم کا ہو تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے صبر کرنے پر جنت کا وعدہ فرمایا۔  
 اور میں نے اس بات کا تجربہ بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ پر نبی اکرم ﷺ کے نام کی قسم کھائی اور سورۃ فتح کی یہ آیت سورت  
 کے آخر تک دو چھوٹی بچیوں پر پڑھی جن کو مرگی کا دورہ پڑا تھا تو وہ شفاء یاب ہو گئیں۔ آیت کریمہ یہ ہے:  
 مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى  
 الْكُفَّارِ (سورت کے آخر تک)  
 جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں۔  
 اور ہماری خادمہ غزالہ حبشیہ کا عجیب واقعہ ہے جب وہ حجاز شریف کے بڑے دروازے میں مرگی کے دورے کا شکار ہوئی تو  
 میں نے اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے استغاثہ کیا تو جس نے اس پر یہ عمل کیا تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے  
 حکم سے خواب میں آیا تو میں نے اسے جھڑکا اور قسم دی کہ وہ آئندہ کبھی بھی اس کی طرف نہ آئے پس میں بیدار ہوا تو اسے  
 کوئی تکلیف نہ تھی اور نہ ہی یہ بیماری دوبارہ ظاہر ہوئی پس تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں۔

## جادو کا نبوی علاج

### جادو کا حکم

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جادو کرنا حرام ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے بلکہ بعض  
 اوقات کفر تک پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات کفر تو نہیں ہوتا لیکن گناہ کبیرہ ہوتا ہے اگر اس میں کوئی ایسا قول یا فعل ہو جو کفر کا  
 تقاضا کرتا ہے تو یہ کفر ہو گا ورنہ نہیں۔  
 لیکن اس کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اگر اس میں کفر والی بات نہ ہو تو جادو کرنے والے کو سزا دی جائے اور توبہ کا  
 مطالبہ کیا جائے اور ہمارے نزدیک قتل نہ کیا جائے اور اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے۔  
 حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جادوگر کافر ہے اسے جادو کی وجہ سے قتل کیا جائے اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا  
 جائے اور نہ ہی اس کی توبہ قبول کی جائے بلکہ اسے قتل ہی کیا جائے۔  
 اور اس مسئلہ کی بنیاد زندقہ کی توبہ قبول کرنا یا نہ کرنا ہے کیونکہ ان کے نزدیک وہ کافر ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور  
 ہمارے نزدیک کافر نہیں ہے اور ہمارے نزدیک منافق اور زندقہ کی توبہ قبول ہوتی ہے (کہا گیا ہے کہ زندقہ منافق ہے  
 اور اکثر کے نزدیک جس کا کوئی دین نہ ہو)۔



قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ نے بھی امام مالک رحمہ اللہ کا قول اختیار کیا اور صحابہ کرام نیز تابعین کی ایک جماعت سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والے) فرماتے ہیں جب کوئی جادوگر اپنے جادو کے ذریعے کسی انسان کو قتل کرے اور وہ اعتراف کرے کہ یہ شخص اس کے جادو سے ہلاک ہوا ہے اور عام طور پر اس سے ہلاک ہو جاتا ہے تو اس جادوگر کو بطور قصاص قتل کیا جائے۔

اور وہ کہے کہ اس (جادو) کے ذریعے مرا ہے لیکن کبھی اس سے ہلاکت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی تو قصاص نہیں ہوگا لیکن دیت (خون بہا) اور کفارہ واجب ہوگا اور اس کی دیت اس کے اپنے مال میں ہوگی عاقلہ پر نہیں ہوگی کیونکہ جرم کرنے والا اعتراف کرے تو عاقلہ (برادری) پر دیت واجب نہیں ہوتی۔

ہمارے اصحاب فرماتے ہیں جادو کے ذریعے قتل گواہی سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ جادوگر کے اعتراف سے اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

### جادو کی حقیقت

جادو کے بارے میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ محض خیالی سلسلہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ابو جعفر استر ابا ذی جن کا شافعی مسلک سے تعلق ہے اور ابو بکر رازی جو حنفی ہیں نیز ایک اور گروہ کا مختار قول یہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا صحیح بات یہ ہے کہ اس کی حقیقت ہے اور جمہور کا قطعی فیصلہ بھی یہی ہے نیز تمام علماء کا یہی موقف ہے۔ اور اس پر کتاب اللہ اور سنت صحیح مشہورہ کی دلالت پائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام ابو الفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محل نزاع یہ بات ہے کہ کیا جادو سے کوئی عین چیز بدل جاتی ہے یا نہیں؟ تو جو لوگ اسے محض خیالی چیز قرار دیتے ہیں وہ اس تہدیلی کا انکار کرتے ہیں اور جو اسے حقیقت تسلیم کرتے ہیں ان کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ محض مزاج کو تبدیل کرنے میں مؤثر ہے تو یہ ایک قسم کی بیماری ہوئی یا یہ کسی چیز کی حالت بدل دیتا ہے مثلاً جمادات کو حیوانات میں بدل دیتا ہے یا اس کے برعکس ہو جاتا ہے تو جمہور کے نزدیک پہلی بات ہے یعنی مزاج کو بدلتا ہے۔

مازری نے کہا جمہور علماء جادو کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ عقل اس بات کا انکار نہیں کرتی کہ جب جادوگر ایسا کلام کرتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوتا ہے یا بعض جسموں کو ملاتا ہے یا بعض قوتوں کو مخصوص طریقے پر ترتیب دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ خلاف عادت کام سامنے لاتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ اس جادو میں تاثیر پیدا کرتا ہے)۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ماہر طبیب جڑی بوٹیوں کو باہم ملاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض بوٹیاں جو انفرادی صورت میں نقصان دہ ہوتی ہیں اس ترکیب کی وجہ سے نفع بخش ہو جاتی ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

يُفْقَرُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ. (البقرہ: ۱۰۲)

وہ (جادوگر) اس (جادو) کے ذریعے مرد اور عورت



کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں۔  
 کیونکہ یہ ڈرانے کا مقام ہے پس اگر اس سے زیادہ نقصان واقع ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ذکر فرماتا۔  
 مازری نے کہا عقلی اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ اس سے زیادہ نقصان ہوتا ہے اور آیت کریمہ اس زائد سے منع کرنے پر  
 نص نہیں ہے اگرچہ ہم کہیں کہ ظاہر بات یہی ہے۔

### جادو اور معجزہ میں فرق

پھر مازری نے فرمایا کہ جادو معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ جادو اقوال و افعال کی مدد سے ہوتا ہے حتیٰ کہ  
 جادوگر کے لئے وہ کام پورا ہو جاتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے جبکہ کرامت اس بات کی محتاج نہیں ہوتی اور وہ عام طور پر  
 اتفاقاً واقع ہو جاتی ہے اور معجزہ کرامت سے اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس میں چیلنج ہوتا ہے۔  
 امام الحرمین نے نقل کیا کہ جادو وہی شخص کرتا ہے جو فاسق ہو اور کرامت کسی فاسق آدمی کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتی  
 امام نووی رحمہ اللہ نے التولی سے نقل کرتے ہوئے ”الروضہ“ میں اس کی مثل ذکر کیا۔  
 جس شخص سے خلاف عادت کام صادر ہو اس کی حالت کو دیکھنا چاہیے اگر اس کا دین سے تعلق ہے اور ہلاکت خیز  
 امور سے اجتناب کرنے والا ہے تو اس سے جو عمل ظاہر ہو گا وہ کرامت ہوگی ورنہ جادو ہوگا۔

قرطبی نے کہا جادو خود ساختہ حیلے ہیں اور کسب کے ذریعے ان تک رسائی ہوتی ہے لیکن ان کی باریکی کی وجہ سے خال  
 خال لوگ ان تک پہنچتے ہیں اور اس کا مادہ اشیاء کے خواص سے آگاہی اور ان کی ترکیب اور اوقات کے وجود کا علم ہے اور  
 ان میں سے اکثر محض خیالات ہیں حقیقت نہیں اور کسی ثبوت کے بغیر وہم ہیں پس جو شخص اس بات کی پہچان نہیں رکھتا اس  
 کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعونی جادوگروں کے بارے میں فرمایا:

وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَظِيمٍ (الاعراف: ۱۱۶)

وہ بہت بڑا جادو لائے۔

حالانکہ ان کی رسیاں اور لائٹھیاں جادو کی وجہ سے رسیاں اور لائٹھیاں ہی رہیں۔ حضرت ابو بکر رازی نے ”الاحکام“ میں  
 فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دوڑتا ہوا گمان کیا حالانکہ وہ دوڑ نہیں رہی تھیں  
 یہ محض خیالی صورت تھی۔ کیونکہ ان کی لائٹھیاں انہد سے خالی تھیں اور ان میں پارہ بھرا ہوا تھا۔ اسی طرح وہ رسیاں چڑے کی  
 تھیں اور ان کے اندر پارہ تھا اور انہوں نے اس سے پہلے سرنگیں کھودیں اور ان میں لمبے گھر بنائے اور ان کو آگ سے بھر  
 دیا۔ پس جب ان (رسیوں اور لائٹھیوں) کو اس جگہ پر ڈالا گیا اور پارہ گرم ہوا تو اس میں حرکت پیدا ہوئی کیونکہ پارے کا  
 کام یہ ہے کہ جب اسے آگ پہنچتی ہے تو وہ اڑنے لگتا ہے جب رسیوں اور لائٹھیوں کی کثافت نے ان کو بھاری کر دیا تو  
 اس کی حرکت سے وہ بھی حرکت کرنے لگیں چنانچہ دیکھنے والا سمجھا کہ یہ دوڑ رہی ہیں لیکن حقیقت میں وہ دوڑ نہیں رہی تھیں۔

### نبی اکرم ﷺ پر جادو کا واقعہ

امام قرطبی نے فرمایا:



حق یہ ہے کہ جادو کی بعض اقسام کی دلوں میں تاثیر ہوتی ہے جس طرح محبت اور بغض اور خیر و شر کا لقاء ہوتا ہے اور جس طرح جسموں میں درد اور بیماری کا اثر ہوتا ہے انکار صرف اس بات کا ہے کہ جادو سے جمادات حیوانی شکل اختیار نہیں کرتا اور نہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ خیال فرماتے کہ آپ نے فلاں کام کیا حالانکہ وہ نہ کیا ہوتا۔ حتیٰ کہ ایک رات جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے تو آپ نے دعا مانگی پھر دعا مانگی اس کے بعد فرمایا:

اے عائشہ! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ پوچھا اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا۔ میرے پاس دو آدمی آئے ان میں سے ایک میرے سر ہانے اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھا۔ ان میں سے ایک نے کہا: اس شخص کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا: اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: لبید بن اعصم نے؟ پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ کہا: کنگھی کے بالوں اور کھجور کی خشک چھال میں۔ پوچھا: وہ کہاں ہے؟ کہا: ذروان نامی کنویں میں ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ چند صحابہ کرام کے ساتھ اس کنویں کے پاس تشریف لائے اس کے بعد واپس تشریف لائے تو فرمایا: اے عائشہ! اس کنویں کا پانی مہندی کے رنگ کا تھا اور اس کی کھجوروں کی شاخیں شیطانوں کے سروں جیسی تھیں۔

(فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اس کو نکالنے کا حکم نہیں دیا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے عافیت عطا فرمادی پس میں لوگوں کو اس پر مطلع کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس میں شر ہے پس آپ کے حکم سے اس کنویں کو بند کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۹، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹۹، معجم اللہ لکھری ج ۲ ص ۶۱۱)

”صحیح بخاری کی ہی“ ایک روایت میں ہے آپ نے اسے نکلوا دیا اور فرمایا: یہ وہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ دم نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء عطا کر دی ہے اور میں ناپسند کرتا ہوں کہ (جادو کا ذکر کر کے) لوگوں کو اس برائی پر مطلع کروں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اس میں نبی اکرم ﷺ پر کئے گئے جادو سے متعلق واقعہ کے آخر میں ہے کہ انہوں (صحابہ کرام) نے ایک دھاگہ پایا جس میں گیارہ گرہیں تھیں اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نازل ہو چکی تھیں پس آپ جب ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی۔ ابن سعد نے ایک اور سند سے جو منقطع ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو جب نبی اکرم ﷺ نے جادو نکالنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے کھجور کا ایک گچھا پایا جس میں دس گرہیں تھیں۔ اس کے بعد پہلی حدیث کی طرح ذکر کیا۔

ایک روایت جسے ”فتح الباری میں“ ذکر کیا یوں آیا ہے کہ ایک شخص اتر H اور اس نے اس کو نکالا تو کھجور کے گانے میں موم سے بنی ہوئی نبی اکرم ﷺ کی شبیہ پائی جس میں سوئی گاڑی گئی تھی نیز ایک دھاگہ تھا جس میں گیارہ گرہیں تھیں۔ مہلب کہتے ہیں اس روایت میں اختلاف ہے سفیان بن عیینہ نے اسے نکالنے کو ثابت کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سوال اس کے عام کرنے سے متعلق قرار دیا جب کہ یحییٰ بن یونس نے نکالنے سے متعلق قرار دیا۔ قیاس سفیان کی روایت کو ترجیح دیتا ہے۔ (زرقاتی ج ۷ ص ۱۰۱)



چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام معوذتین (سورۃ الفلق سورۃ الناس) لے کر اترے جب وہ ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی اور جب ایک سوئی نکالی جاتی تو اس سے تکلیف محسوس ہوتی پھر اس کے بعد آرام پاتے۔

واقعی نے اس سال کا ذکر کیا ہے جس میں جادو کا واقعہ ہوا جس طرح ابن سعد نے ان سے ان کی سند کے ساتھ جو عمر بن عبدالحکم تک پہنچتی ہے مرسل روایت کے طور پر نقل کیا وہ کہتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ ذوالحجہ کے مہینے میں حدیبیہ سے واپس تشریف لائے اور ۷ھ کا محرم داخل ہوا تو یہودیوں کے سردار لبید بن اعصم کے پاس آئے اور وہ بنو زریق کا حلیف تھا اور جادوگر بھی تھا۔ انہوں نے کہا: تم ہم سے بڑے جادوگر ہو ہم نے محمد ﷺ پر جادو کیا لیکن ہم کچھ نہ کر سکے اگر تم ہمارے لئے ایسا جادو کرو جو ان کو ہلاک کر دے تو ہم تمہارے لئے اجرت مقرر کرتے ہیں پس انہوں نے اس کے لئے تین دینار مقرر کئے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۲)

ابو ضمہ کی روایت جسے اسماعیلی نے نقل کیا اس میں یوں ہے کہ چالیس راتیں اسی طرح گزر گئیں اور وہیب کی ہشام سے روایت میں جسے امام احمد نے نقل کیا ہے چھ مہینوں کا ذکر ہے ان روایات کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ مزاج مبارک کی تبدیلی کی ابتدا سے چھ ماہ ہوئے ہوں اور اس کا پکا ہونا چالیس دن ہو۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اس مدت کے بارے میں مشہور احادیث میں کسی حدیث پر مطلع نہیں ہوا کہ آپ پر جادو کا اثر کتنی مدت رہا حتیٰ کہ مجھے معمر کی جامع میں حضرت زہری کی روایت ملی کہ ایک سال تک یہ حالت رہی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے اس حدیث کو موصول کے طور پر صحیح سند کے ساتھ پایا اور یہی قابل اعتماد ہے۔

مازری کہتے ہیں بعض بدعتیوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ بات منصب نبوت کو کم کرتی اور اس میں شک پیدا کرتی ہے انہوں نے کہا: کہ جس بات سے یہ خرابی لازم آئے وہ باطل ہے ان کا خیال ہے کہ اس سے شریعت پر اعتماد باقی نہیں رہتا کیونکہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ کو یہ خیال گزرتا کہ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا لیکن وہ وہاں نہ ہوتے اور یہ کہ آپ کی طرف وحی ہوئی حالانکہ وحی نہ ہوتی۔

مازری نے کہا یہ تمام باتیں مردود ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ تک اللہ تعالیٰ کی وجہ سے جو کچھ پہنچا اس کی صداقت اور تبلیغ میں آپ کی معصومیت پر دلیل قائم ہے اور معجزات اس کی تصدیق پر شاہد ہیں پس جس کے خلاف پر دلیل قائم ہو چکی ہو اس کو جائز قرار دینا باطل ہے جہاں تک ان بعض دنیوی امور کا تعلق ہے جن کے لئے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا اور نہ ہی آپ کی رسالت ان کاموں کے لئے ہے۔ تو ایسی باتیں آپ کو لاحق ہوتیں جو انسان کو لاحق ہوتی ہیں جیسے بیماریاں ہیں تو یہ بات عقل سے بعید نہیں ہے کہ آپ کو دنیوی امور میں سے کسی ایک معاملے کا خیال آئے جس کی حقیقت نہیں اس کے باوجود کہ دینی امور میں آپ اس قسم کی باتوں سے معصوم تھے۔ مازری کا قول مکمل ہوا۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اگر آپ کسی کام کے بارے میں یہ خیال فرماتے ہیں کہ آپ نے وہ کام کیا ہے حالانکہ آپ نے اسے کیا نہ ہوتا تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آپ نے اس کا پختہ ارادہ فرمایا یہ تو محض خیالات اور دسو سے ہیں جو ثابت نہیں پس اس پر تلخ (بے دین) کے لئے کوئی دلیل نہیں۔



قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ اس مذکورہ خیال سے مراد یہ ہو کہ آپ کے لئے ایک شوق پیدا ہوتا اور پہلے کی طرح وطی پر قادر ہوتے لیکن جب خاتون کے قریب ہوتے تو یہ حالت ختم ہو جاتی جس طرح اس شخص کا معاملہ ہوتا ہے جو (جادو وغیرہ کی وجہ سے) جماع سے روک دیا گیا ہو۔

اور دوسری روایت میں جو کچھ آیا ہے کہ ”یہاں تک کہ قریب ہوتا کہ آپ دیکھنے کا انکار کر دیتے“ یعنی اس شخص کی طرح ہو جاتے جو دیکھنے کا انکار کرتا ہے وہ یوں کہ جب کسی چیز کو دیکھتے تو یوں خیال فرماتے کہ یہ اپنی حالت پر نہیں پھر جب غور کرتے تو اس کی حقیقت کو پہچان لیتے اور جو کچھ پہلے گزر چکا ہے وہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ کسی روایت میں آپ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے ایک بات کہی ہو اور وہ آپ کی دی گئی خبر کے خلاف واقع ہو۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے دو راستے اختیار کئے ایک تفویض (سوچنے) کا راستہ اور دوسرا اسباب کو اختیار کرنے کا راستہ۔ پس آپ نے پہلے مرحلے میں یہ معاملہ اپنے رب کے حکم کے سپرد کر دیا اور اس آزمائش پر صبر کرنے کے ذریعے اجر طلب کیا پھر جب بات بڑھ گئی اور اس کے بڑھنے سے آپ کو کمزوری کی وجہ سے عبادت میں نقصان کا خوف ہوا تو علاج کی طرف مائل ہوئے۔

ابو عبید نے حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی مرسل روایت نقل کی ہے۔

وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سرانور میں پچھنہ لگوا یا یعنی جب علاج کروایا پھر دعا کی طرف مائل ہوئے اور یہ دونوں مقام کمال کی انتہاء ہے۔

### جادو کا علاج

ابن قیم نے کہا جادو کے علاج میں سب سے زیادہ نفع بخش دوا اور سب سے مضبوط دم روحانی علاج ہے اور وہ ذکر خداوندی دعا اور قرأت ہے کیونکہ جادو خبیث روحوں کی تاثیر سے ہے پس جب دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد ہوتا ہے اور وہ ذکر دعا اور توجہ الی اللہ سے خالی نہیں ہوتا تو یہ جادو کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتا ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جادو کی تاثیر کمزور دلوں پر غالب آتی ہے اسی لئے عام طور پر اس کا اثر عورتوں بچوں اور جاہل لوگوں پر ہوتا ہے کیونکہ خبیث ارواح ان ارواح پر تسلط قائم کرتی ہیں جن کو وہ اس مقصد کے لئے مستعد پاتی ہیں۔ لیکن ابن قیم کی اس بات پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پھر نبی اکرم ﷺ پر جادو کیسے ہو گیا جب کہ آپ کا مقام بہت عظیم ہے آپ کی توجہ صادق اور ذکر خداوندی ہمیشہ ہوتا تھا لیکن اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ ابن قیم کی بات عام طور پر ہونے والے جادو سے متعلق ہے اور نبی اکرم ﷺ کے لئے اس کا وقوع صرف بیان جواز کے لئے تھا۔

اور جادو کے بارے میں بطور علاج دم کے بارے میں ابن بطلان نے ذکر کیا کہ وہب بن منہ کی کتب میں اس طرح آیا ہے کہ ہزیری کے سات پتے لے کر ان کو دو پتھروں کے درمیان کوٹے پھر اس پر پانی ڈال کر آیت الکرسی اور تینوں قل (قل هو اللہ احد) قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تینوں سورتیں مکمل) پڑھے پھر تین چلو بھر کر منہ میں ڈالے اور کھلی کرے اور باقی کے ساتھ غسل کرے جادو کا اثر چلا جائے گا۔ اگر مرد اپنی بیوی سے دور رہے تو یہ عمل اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔



اس عمل کو واضح الفاظ میں جائز قرار دینے والوں میں امام مرنی ہیں جو امام شافعی سے نقل کرتے ہیں نیز ابو جعفر طبری اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔

ابن الحاج نے ”المدخل میں“ فرمایا کہ شیخ ابو محمد مرجانی اکثر اپنے آپ اپنی اولاد اور اپنے احباب کے لئے یہ عمل اختیار کرتے تھے اور اس کے ذریعے شفاء یاب ہوتے۔

حضرت شیخ ابو محمد مرجانی رحمہ اللہ نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو یہ عمل خواب میں عطا فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس اور تمہارے احباب کے پاس جو عمل ہے اس کی فضیلت تم نہیں جانتے؟ یہ بات ان سے ان کے خادم نے نقل کی ہے اور وہ اس طرح ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ. (التوبہ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرما دو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

اور یہ آیت:

وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ. (الاسراء: ۸۲)

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

نیز یہ آیت:

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ... إِلَى آخِرِ السُّورَةِ (الحشر: ۲۱-۲۳)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش اللہ کے خوف سے۔۔۔۔۔

سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھیں اور پھر یہ کلمات لکھیں:

اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمُحْيِي وَأَنْتَ الْمُمِيتُ وَأَنْتَ الْخَالِقُ الْبَارِي وَأَنْتَ الْمُبْلِي وَأَنْتَ الْمُعَافِي وَأَنْتَ الشَّافِي خَلَقْتَنَا مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ وَجَعَلْتَنَا فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ إِلَى قَدَرٍ مَّعْلُومٍ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَسْمَائِكَ الْحُسْنَى وَصِفَاتِكَ الْعُلْيَا يَا مَنْ يَبْدُوهُ الْإِبْتِلَاءُ وَالْمُعَافَاةُ وَالشِّفَاءُ وَالْكَوَاءُ

یا اللہ! تو ہی زندہ رکھنے والا ہے تو ہی موت دینے والا ہے تو خالق ہے تو آزمائش میں ڈالنے والا ہے تو ہی عافیت و شفاء عطا کرنے والا ہے تو نے ہمیں بے وقعت پانی سے پیدا کیا اور ایک معلوم مدت تک ٹھہرنے کے مقام پر رکھا۔ یا اللہ! میں تجھ سے تیرے اچھے ناموں اور بلند صفات کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اے وہ ذات! جس کے قبضہ قدرت



میں آ ز مانا اور عاقبت عطا کرنا نیز شفاء اور دوا ہے میں تجھ سے تیرے نبی محمد ﷺ جو تیرے محبوب ہیں کے معجزات اور تیرے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برکات نیز تیرے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حرمت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں یا اللہ! اسے شفاء عطا فرما۔

### ہر بیماری کے لئے نفع بخش دم

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بیمار ہو وہ یوں کہے اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو جائے گا:

رَبَّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ  
أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ كَمَا رَحِمْتُكَ فِي  
السَّمَاءِ فَأَجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ وَاعْفُزْ لَنَا  
حَوْبَنَا وَخَطَايَانَا أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ أَنْزِلْ رَحْمَةً  
مِنْ عِنْدِكَ وَشِفَاءً مِمَّنْ شِفَاكَ عَلَى هَذَا  
الْوَجْعِ.

ہمارا رب اللہ ہے یا اللہ! آسمان میں تیرا نام مقدس ہے اور آسمان و زمین میں تیرا حکم ہے جس طرح آسمان میں تیری رحمت ہے اپنی رحمت زمین میں بھی کر دے ہمارے لئے ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے تو پاک لوگوں کا رب ہے اس تکلیف پر اپنی طرف سے رحمت اور اپنی شفاء میں سے شفاء نازل فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۲، المسند رک ج ۱ ص ۳۳۳۔ ج ۳ ص ۲۱۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۵۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۶۳)

### درد سر کا دم

حمیدی نے ”الطب“ میں حضرت یونس بن یعقوب کے واسطے سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ در دسر سے ان الفاظ کے ساتھ پناہ مانگتے تھے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الْكَبِيرِ  
وَأَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ مِنْ كُلِّ عَرَقٍ نَعَارٍ وَمِنْ شَرِّ  
حَرِّ النَّارِ. (القاسوس الحیط ج ۲ ص ۱۵۰)

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت بڑا ہے میں عظمت والے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس رگ سے جس میں خون جوش مارے اور آگ کی گرمی کے شر سے۔

ابن السنی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے سر میں ایک درم ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے سر پر کپڑے کے اوپر سے ہاتھ رکھا اور یہ کلمات تین بار پڑھے:

بِسْمِ اللَّهِ أَذْهِبْ عَنْهَا سُوءٌ وَفَحْشَةٌ  
اللہ کے نام سے یا اللہ! اس (درم) کی خرابی کو اپنے



بَدْعُوۃِ نَبِیِّکَ الطَّیِّبِ الْمُبَارِکِ الْمَکِیْنِ پاک مبارک اور اپنے ہاں بلند مرتبہ نبی کی دعا کے صدقے  
عِنْدَکَ بِسْمِ اللّٰهِ میں ان سے لے جا اللہ کے نام سے (دعا کرتا ہوں)۔

اور ان کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی یہ کلمات پڑھیں چنانچہ انہوں نے تین دن اسی طرح کیا تو درم ختم ہو گیا۔  
اس روایت کو شیخ ابن النعمان نے اپنی سند سے اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

### داڑھ میں درد کا دم

امام بیہقی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے داڑھ  
میں درد کی شکایت کی تو آپ نے اپنا ہاتھ ان کے اس رخسار پر رکھا جس میں تکلیف تھی اور یہ کلمات سات مرتبہ پڑھے:  
اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ سُوۡءَ مَا یَجِدُ وَ فَحْشَہٗ یا اللہ! اپنے اس نبی کی دعا سے جو تیرے ہاں بلند مرتبہ  
بَدْعُوۃِ نَبِیِّکَ الْمُبَارِکِ عِنْدَکَ۔ اور مبارک ہے اس درد کی تکلیف اور خرابی کو دور کر دے۔  
تو ابھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شفاء عطا فرمادی۔

حمیدی نے روایت کیا کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور داڑھ  
میں سخت درد کی شکایت کی آپ نے شہادت والی دائیں انگلی منہ میں داخل کر کے اس دانت پر رکھی جس میں درد تھا اور یہ  
کلمات پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ اَسْأَلُکَ بِعِزَّتِکَ اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی مدد سے یا اللہ! میں تیری  
وَ جَلَالِکَ وَ قُدْرَتِکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِنْ مَرِیْمَ عزت و جلال اور ہر چیز پر تیری قدرت کے وسیلہ سے سوال  
لَمْ تَلِدْ غَیْرَ عِیْسٰی مِنْ رُّوحِکَ وَ کَلِمَتِکَ اَنْ کرنا ہوں حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں تیری روح اور  
تَکْشِیْفَ مَا تَلْقٰی فَاِطْمَۃَ بِنْتِ خَدِیجَۃٍ مِنَ الصُّرٰ کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی پیدا نہیں ہوا تو  
کُلَّہٗ حضرت فاطمہ بنت خدیجہ سے تمام تکلیف دور کر دے۔

(آپ نے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا) تو درد رک گیا۔

ایک عجیب بات جو ہمارے شیخ مکہ مکرمہ میں مقام خلیل کے امام محبت طبری سے معروف ہے اور میں نے ان کو کئی  
مرتبہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا یہ ہے کہ جس شخص کی داڑھ میں درد ہوتا آپ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس کا اور اس کی  
ماں کا نام پوچھتے نیز اس سے پوچھتے کہ وہ کتنی مدت کے لئے درد سے محفوظ رہنے کا ارادہ کرتا ہے وہ کہتا سات سال یا نو  
سال یہ بطور مثال ہے یعنی طاق عدد بتانا۔

لوگ بتاتے ہیں کہ ان کے ہاتھ اٹھانے سے پہلے درد ٹھہر جاتا اور اس مدت مذکورہ میں یہ تکلیف نہ ہوتی۔ یہ بات  
مشہور ہے۔

### داڑھ کے درد کا مجرب نسخہ

اس سلسلے میں ایک تجربہ یہ ہے کہ جس طرف درد ہو اس طرف رخسار کے اوپر لکھا جائے:



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ  
وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ. (الملك: ۲۳)  
اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے  
تم فرماؤ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے  
لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے تم کتنا کم شکر ادا کرتے ہو؟  
اور اگر چاہے تو یوں لکھے:

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيعُ  
الْعَلِيمُ. (الانعام: ۱۳)  
اور اسی کا ہے جو بستا ہے رات اور دن میں اور وہی سنتا  
جانتا ہے۔

### پیشاب رک جانے کا دم

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ ان کے پاس ایک شخص آیا جس نے کہا: کہ  
اس کے بھائی کا پیشاب رک گیا ہے تو انہوں نے اسے ایک دم سکھایا جو نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا اور وہ اس طرح ہے۔  
رَبَّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ تُقَدِّسُ اسْمُهُ  
أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ كَمَا رَحَّمْتَكَ فِي  
السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ وَاعْفُ رَأْفَةً  
ذُنُوبَنَا وَخَطَايَانَا أَنْتَ رَبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ فَأَنْزِلْ شِفَاءً  
مِنْ شِفَائِكَ وَرَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ عَلَى هَذَا  
الْوَجْعِ  
چنانچہ وہ شخص ٹھیک ہو گیا۔  
ہمارا رب اللہ ہے (اے اللہ!) تیرا نام آسمانوں میں  
مقدس ہے آسمان اور زمین میں تیرا حکم چلتا ہے جس طرح  
تیری رحمت آسمان میں ہے تو زمین میں اپنی رحمت نازل فرما  
دے ہمارے لئے ہمارے گناہ اور خطائیں بخش دے تو دوائ  
استعمال کرنے والوں کا رب ہے پس اس تکلیف پر اپنی  
میں سے شفاء نازل فرما اور اپنی رحمت میں سے رحمت

انہوں نے اسے یہ کلمات پڑھ کر دم کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس نے یہ دم کیا تو ٹھیک ہو گیا اور اس سے پہلے عام تکلیف  
کے سلسلے میں یہ کلمات دم حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گزر چکے ہیں۔

### بخار کا دم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف  
لے گئے تو انہیں سخت بخار تھا اور وہ بخار کو برا بھلا کہہ رہی تھیں آپ نے فرمایا: اسے برا نہ کہو یہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے)  
مامور ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں کچھ کلمات سکھاؤں جب وہ کلمات پڑھو گی تو اللہ تعالیٰ تم سے بخار کو دور کر دے گا؟ انہوں  
نے عرض کیا: مجھے سکھائیے آپ نے فرمایا: یہ کلمات پڑھو:

اللَّهُمَّ ارْحَمْ جِلْدِي الرَّفِيقَ وَعَظْمِي الدَّقِيقَ  
مِنْ شِدَّةِ الْحَرِيقِ يَا أُمَّ مَلَكَمَ إِنَّ كُنْتُ أَمْنْتُ بِاللَّهِ  
الْعَظِيمِ فَلَا تَصُدَّ عَنِّي الرَّأْسَ وَلَا تَنْتَبِئِي الْفَمَ وَلَا  
تَأْكُلِي اللَّحْمَ وَلَا تَشْرَبِي الدَّمَ وَتَحْوِلِي عَنِّي إِلَى  
يا اللہ! میری پتلی جلد پر اور باریک ہڈی پر بخار کی  
شدت سے (بچاتے ہوئے) رحم فرما اے ام ملام! (بخار  
کی کنیت ہے یعنی اے بخار) اگر عظمت والے اللہ پر تیرا  
ایمان ہے تو سر میں درد نہ کر منہ کو بدبودار نہ کر گوشت نہ کھا



مِنْ اتَّخَذَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ.

خون نہ پی اور مجھ سے پھر کراس کی طرف جا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے۔

(دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۶۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۵۱۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۹)

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے یہ کلمات پڑھے تو بخار چلا گیا۔ اور اس کا تجربہ کیا گیا اور میں نے اپنے شیخ کے خط سے (الفاظ میں کچھ تبدیلی کے ساتھ) دیکھا جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

اللَّهُمَّ ارْحَمْ عَظِيمِي الدَّقِيقَ وَجِلْدِي  
الرَّقِيقَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ قَوْرَةِ الْحَرِيقِ، يَا أَمَّ  
مَلَدَمَ، إِنْ كُنْتُ أَمَنْتَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا  
تَأْكُلِي اللَّحْمَ، وَلَا تَشْرَبِي الدَّمَ، وَلَا تَفُورِي عَلَى  
الْقِمِّ، وَانْقِلِي إِلَى مَنْ يَزْعَمُ أَنَّ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ،  
فَيَأْتِي أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ  
وَرَسُولُهُ.

یا اللہ! میری باریک ہڈی اور پتلی جلد پر رحم فرما میں  
جلانے والے (بخار) کے ابال سے تیری پناہ چاہتا ہوں  
اے بخار! اگر اللہ تعالیٰ اور آخرت پر تیرا ایمان ہے تو  
گوشت نہ کھا، خون نہ پی، منہ پر ابال نہ لا اور اس کی طرف  
نخقل ہو جا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کا عقیدہ رکھتا  
ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں  
اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

جیسا کہ ”الہدی النبوی کے“ مصنف (ابن قیم) نے لکھا ہے جو بخار تین دن رہے (پھر چھوڑ دے) اس کے لئے  
تین چھوٹے چھوٹے کاغذوں پر لکھا جائے:

بِسْمِ اللَّهِ قَرَأْتُ بِسْمِ اللَّهِ مَرَّتَ بِسْمِ اللَّهِ  
قَلْتُ.

اللہ تعالیٰ کے نام سے (بخار) بھاگ گیا اللہ تعالیٰ  
کے نام سے گزر گیا اور اللہ تعالیٰ کے نام سے ختم ہو گیا۔

ہر دن ایک کاغذ منہ میں ڈالے اور اس کو پانی کے ذریعے نکل لے۔  
بزرگوں کی ایک جماعت نے قرآن مجید سے کچھ لکھ کر اس کو پینے کی اجازت دی اور اسے شفاء کا ذریعہ قرار دیا جو  
شفاء اللہ تعالیٰ نے اس (قرآن مجید) میں رکھی ہے۔

ابن الحاج نے ”المدخل میں“ فرمایا کہ شیخ ابو محمد المرجانی ہمیشہ گھر کے دروازے پر بخار وغیرہ کے (تعویذوں پر مشتمل)  
کاغذ رکھتے تھے پس جس کو تکلیف ہوتی ان میں سے ایک کاغذ لے کر استعمال کرتا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو جاتا ان پر لکھا  
ہوتا:

أَزَلِي لَمْ يَزَلْ، وَلَا يَزَالُ، يَزِيلُ الزَّوَالَ، وَهُوَ  
لَا يَزَالُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ  
﴿وَنَسَزِلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ  
لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾.

اللہ تعالیٰ ازلی ہے ہمیشہ رہے گا کبھی زوال پذیر نہ ہوگا  
وہ زوال کو زائل کرتا ہے اور وہ خود لا زوال ہے نیکی کرنے  
اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ بلند عظیم کی جانب سے ہی  
(ملتی) ہے۔ اور ہم قرآن مجید میں وہ کچھ نازل کرتے ہیں  
جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔



(ابو بکر احمد بن علی بن سعید حافظ الحدیث تھے دمشق میں ۲۹۲ھ میں فوت ہوئے) ۱۔ مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابو عبد اللہ یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو خبر پہنچی کہ مجھے بخار ہے تو انہوں نے میرے لئے بخار کا ایک دم لکھا جو اس طرح ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ  
وَمُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا  
عَلَىٰ اِبْرَاهِیْمَ وَاَزَادُوْا بِہٖ كِبْدًا فَجَعَلْنَاهُمْ  
الْاَخْسَرِیْنَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَمِیكَائِیْلَ  
وَاسْرَافِیْلَ اِشْفِ صَاحِبَ هٰذَا الْكِتَابِ بِحَوْلِكَ  
وَقُوَّتِكَ وَجَبْرُوتِكَ اِلٰهَ الْحَقِّ اٰمِیْن۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے اور اس کی مدد سے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اے آگ! حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا اور انہوں (کفار) نے آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کیا پس ہم نے ان کو بہت خسارہ پانے والے کر دیا اے اللہ! جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب اپنی قوت و طاقت اور کبریائی کے وسیلہ سے اس خط والے (جس کو لکھا گیا ہے) کو شفاء عطا فرما اے معبود برحق! یا اللہ اس دعا کو قبول فرما۔

### دوسری تکلیفوں کے لئے کلمات

پھوڑے پھنسیوں کے لئے جو مجرب علاج ہیں ان میں سے ایک علاج جسے ”زاد المعاد کے“ مصنف نے نقل کیا یہ ہے کہ اس پر یہ آیت لکھی جائے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي  
نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا  
وَلَا أَمْتًا. (طہ: ۱۰۵)

اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تم فرما دو انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا تو زمین کو چٹیل میدان ہموار کر کے چھوڑے گا کہ تو اس میں کوئی اونچ نیچ نہ دیکھے۔

### بچے کی ولادت کے وقت

بچے کی ولادت مشکل ہونے کی صورت میں جو کلمات لکھے جاتے ہیں ان سے متعلق حضرت خلال نے حضرت عبد اللہ بن احمد بن حنبل (رحمہم اللہ) سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے والد (حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کو دیکھا کہ جب کسی عورت پر بچے کی ولادت کے سلسلے میں تنگی ہوتی تو آپ سفید کپڑے یا کسی پاک چیز پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ کلمات لکھتے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ  
رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ  
كَانَہُمْ یَوْمَ یُرَوْنَ مَا یُوعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بردبار کریم والا ہے عرش عظیم کا مالک اللہ پاک ہے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے گویا جس دن وہ اس چیز



مِنْ تَهَارٍ كَانَهُمْ يَوْمَ يَرْوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً  
أَوْ ضُحَاهَا.

کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تو وہ صرف دن کی  
ایک گھڑی ٹھہریں گے گویا کہ جس دن اسے دیکھیں گے تو  
نہیں ٹھہریں گے مگر صبح یا شام۔

حضرت خلال فرماتے ہیں ہمیں حضرت ابو بکر مردزی نے خبر دی ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ (امام احمد بن حنبل رحمہ  
اللہ) کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے ابو عبد اللہ! ایک عورت پر دو دن سے بچے کی پیدائش رکی ہوئی ہے آپ  
اس کے لئے کچھ لکھ دیں آپ نے فرمایا: ایک (سفید پاک) کشادہ پیالہ اور زعفران لے کر آؤ۔ حضرت المرزوی فرماتے  
ہیں میں نے دیکھا آپ نے متعدد لوگوں کے لئے لکھا۔

”المدخل میں ہے کہ“ ایک جدید برتن میں یہ کلمات لکھ کر اس عورت کو پلائے جائیں اور اس کے منہ پر چھینٹے مارے  
جائیں جس کے ہاں ولادت ہو رہی ہے:

أُخْرِجْ أَيُّهَا الْوَلَدُ مِنْ بَطْنِ صَتِيقٍ إِلَى سَعَةٍ  
هَذِهِ الدُّنْيَا، أُخْرِجْ بِقُدْرَةِ الَّذِي جَعَلَكَ فِي قَرَارٍ  
مَكِينٍ إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ، لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى  
جَبَلٍ (إِلَى آخِرِ السُّورَةِ) (پھر یہ) وَنُزِّلَ مِنَ  
الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ.

اے بچے! تنگ پیٹ سے اس دنیا کی کشادگی کی  
طرف نکلو اس ذات کی قدرت سے نکلو جس نے تمہیں ایک  
معلوم مدت تک ٹھہرنے کی جگہ رکھا۔ اگر ہم اس قرآن کو  
پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اسے دیکھتے جھکا ہوا پاش پاش۔  
(سورت کے آخر تک الحشر: ۵۹) اور ہم قرآن مجید کی  
صورت میں مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت نازل کرتے  
ہیں۔

شیخ مرجانی کہتے ہیں میں نے یہ کلمات دم بعض سادات سے حاصل کئے اور میں نے جس کے لئے لکھے اس نے اسی  
وقت شفاء پائی۔

حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عورت کے  
پاس سے گزرے جس کے پیٹ میں بچہ رکھا ہوا تھا اس نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے کلمہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ اللہ کہا  
جاتا ہے) اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا مانگیں کہ وہ مجھے اس تکلیف سے نجات دے چنانچہ آپ نے یوں فرمایا:  
يَا خَالِقَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ وَيَا مُخْلِصَ  
النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ وَيَا مُخْرِجَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ  
خَالِصَهَا.

اے نفس کو نفس سے پیدا کرنے والے! اے نفس کو  
نفس سے چھنکارا دینے والے! اے نفس سے نفس کو نکالنے  
والے! اس عورت کو چھنکارا عطا فرما۔

فرماتے ہیں عورت ابھی کھڑی ہی تھی کہ بچہ پیدا ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورت پر ولادت مشکل ہو جائے تو اس کے لئے یہ لکھو۔  
اس مقصد کے لئے یہ کلمات بھی پاک برتن میں لکھ کر حاملہ عورت کو اس تحریر کا پانی پلایا جائے اور اس کے پیٹ پر  
چھینٹے مارے جائیں۔ کلمات یہ ہیں:



إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۝ وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا  
وَحُقَّتْ ۝ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا  
وَتَخَلَّتْ ۝ (الانشقاق: ۱-۴)

جب آسمان شق ہو اور اپنے رب کا حکم سنے اور اسے  
یہی لائق ہے اور جب زمین دراز کی جائے اور جو کچھ اس  
میں ہے ڈال دے اور خالی ہو جائے۔

### تفسیر کے لئے کلماتِ دم

جس آدمی کو تفسیر آتی ہو تو یہ کلمات لکھ کر اس کی پیشانی پر باندھے جائیں:

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ  
أَقْلَعِي وَغِيضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ (هود: ۴۴)

اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور  
اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا۔

تفسیر والے کے خون سے یہ آیت لکھنا جائز نہیں جس طرح بعض جاہل لوگ کرتے ہیں کیونکہ خون ناپاک ہے پس اس  
سے اللہ تعالیٰ کا کلام لکھنا جائز نہیں۔

### عرق النساء کے درد کے لئے

(ران میں ایک رگ ہوتی ہے اس کو عرق النساء کہتے ہیں) اس کے لئے یہ کلمات لکھے جائیں:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ اَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ  
شَيْءٍ وَمَلِيكَ كُلِّ شَيْءٍ ۝ وَخَالِقِ كُلِّ شَيْءٍ ۝  
اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَخَلَقْتَ عِرْقَ النِّسَاءِ فِیَّ فَلَا  
تُسَلِّطْهُ عَلَيَّ بِاَذًی ۝ وَلَا تُسَلِّطْنِيْ عَلَیْهِ بِقَطْعٍ ۝  
وَاشْفِنِيْ شِفَاءً لَا یُعَادِرُ سَقَمًا ۝ لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ ۝

اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے یا اللہ!  
ہر چیز کے رب ہر چیز کے مالک ہر شے کے خالق تو نے مجھے  
پیدا کیا اور میرے اندر عرق النساء کو پیدا کیا پس تکلیف کے  
ساتھ اسے مجھ پر مسلط نہ کرنا اور نہ اس کے کٹنے کے ساتھ  
مجھ پر مسلط کرنا مجھے ایسی شفاء عطا فرما جو بیماری کو باقی نہ  
چھوڑے شفاء صرف تو ہی عطا کرتا ہے۔

### کلماتِ حفاظت (حفیظہ رمضان)

وہ کلمات جو رمضان المبارک میں حفاظت کے لئے لکھے جاتے ہیں یعنی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَلَا اُوْكُ بِاَلْبَلٰه اَنْتَ سَمِیْعٌ  
عَلِیْمٌ مُحِیْطٌ بِہِ عِلْمُكَ كَعَسَلَهُوْنَ ۝ وَبِالْحَقِّ  
اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۝

نعمتیں صرف تیری نعمتیں ہیں اے اللہ! تو سننے والا  
جاننے والا ہے تیرا علم اس کو گھیرنے والا ہے ہم نے اسے  
حق کے ساتھ اتارا اور حق کے ساتھ اترا۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: یمن، مکہ مکرمہ، مصر اور مغرب اور تمام ممالک میں مشہور ہے کہ یہ  
حفیظہ رمضان ہیں جو ڈوبنے، چوری، جل جانے اور تمام آفات سے محفوظ رکھتا ہے یہ کلمات رمضان المبارک کے آخری  
جمعہ کے دن لکھے جاتے ہیں وہ تمام لوگ لکھتے ہیں جب کہ خطیب منبر پر خطبہ دے رہا ہوتا ہے اور ان میں سے بعض عصر کی  
نماز کے بعد لکھتے ہیں۔

یہ بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں اگرچہ متعدد اکابر کے کلام میں واقع ہے بلکہ بعض کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ



یہ کلمات ایک ضعیف حدیث میں آئے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کا سخت انکار کرتے تھے حتیٰ کہ وہ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے ہوتے اور کسی کو لکھتے ہوئے دیکھتے تو منع کرتے۔ ۱۔

### ہر بلا سے بچاؤ

حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ جو شخص شام کے وقت تین بار یہ کلمات پڑھے اسے صبح تک ناگہانی آفت نہیں پہنچے گی اور جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھے اسے شام تک ناگہانی آفت نہیں پہنچے گی۔ وہ کلمات یہ ہیں:

بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّهُ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔  
اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

چنانچہ حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کو قانع ہوا تو جس نے ان سے یہ حدیث سنی تھی وہ ان کی طرف دیکھنے لگا انہوں نے پوچھا تو کیوں دیکھتا ہے اللہ کی قسم میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جھوٹ نہیں بولا اور نہ انہوں نے جھوٹی بات نبی اکرم ﷺ سے منسوب کی ہے اور مجھے آج یہ مصیبت جو پہنچی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے غصہ آیا تھا اور میں یہ کلمات پڑھنا بھول گیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۸۸ مسند احمد ج ۱ ص ۶۲ اتحاد السادة المتقين ج ۵ ص ۱۳۲ مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۳ عمل الیوم واللیلہ رقم الحدیث: ۴۳)

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ترمذی نے یہ الفاظ نقل کئے کہ حضرت ابان کو قانع ہوا تو ایک شخص ان کی طرف دیکھنے لگا تو حضرت ابان نے اس سے فرمایا تجھے کیا ہوا کہ میری طرف دیکھ رہا ہے حدیث تو اسی طرح ہے جس طرح میں نے تجھ سے بیان کی ہے؟ لیکن اس دن میں نے یہ کلمات نہیں پڑھے تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کو پورا فرمائے جو اس نے مقدر فرمایا ہے۔

### ستر بلاؤں سے بچاؤ

حضرت ابو محمد عبد اللہ بن محمد مالکی افریقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”اخبار افریقیہ“ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا): جو شخص دس مرتبہ یہ کلمات پڑھے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔  
اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے جو بلند عظمت والا ہے۔

۱۔ امام زرقانی فرماتے ہیں ”اتحاد میں ہے“ کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک ایسے کلمات کا لکھنا یا پڑھنا حرام ہے جو غمی ہیں اور ان کا معنی معلوم نہیں بعض نے کہا مسلمان ایک سانپ ہے جو عرش نے گھیر رکھا ہے اس کا سر اس کی دم پر ہے۔ لیکن یہ سب ناقابل اعتماد ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۰۹)



تو وہ شخص گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے جیسے آج ہی اسے اس کی ماں نے جنا ہوا اور اسے دنیا کی ستر مصیبتوں سے بچایا جاتا ہے جن میں پاگل پن، کوڑھ کا مرض، سفید داغ اور ہوا کی بیماری ہے۔  
 ”جامع ترمذی میں مذکور“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس کی شہادت دیتی ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اکثروا من ذکر لا حول ولا قوة الا بالله  
 ”لا حول ولا قوة الا بالله العظیم“  
 العلی العظیم فانها من كنز الجنة.  
 (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۳، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۸، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۶، کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۹۰، اکمال فی الصغفاء ج ۷ ص ۲۰۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۵۷، ۱۹۷۰)  
 حضرت مکحول شامی رحمہ اللہ (ابو عبد اللہ مکحول بن ابی مسلم متوفی ۱۱۲ھ) فرماتے ہیں جو شخص یہ کلمات پڑھے اللہ تعالیٰ اس سے ضرر کے ستر دروازے کھول دیتا ہے (دور کر دیتا ہے) جن میں سے ادنیٰ دروازہ فقر ہے وہ کلمات یہ ہیں:  
 لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَلَا  
 مُلْجَا مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ  
 تعالیٰ عطا فرماتا ہے جو بلند عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ اسی کے پاس ہے۔

حضرت امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ”لا حول ولا قوة الا بالله“ پڑھے تو یہ ننانوے بیماریوں کا علاج ہے جن میں سے سب سے ہلکی بیماری غم ہے۔

### فقر سے امان

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ستر بار ”لا حول ولا قوة الا بالله“ پڑھے وہ کبھی محتاج نہ ہوگا اسے ابن ابی الدنیا نے نقل کیا۔  
 امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص پر رزق کی تاخیر ہو جائے وہ ”لا حول ولا قوة الا بالله“ کثرت سے پڑھے۔  
 حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) جو شخص ہر دن اور رات میں ایک سو بار یہ کلمات پڑھے:  
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِينُ  
 اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ سچا بادشاہ ظاہر ہے۔  
 اس شخص کے لئے فقر سے امان اور وحشت قبر سے انس حاصل ہوگا۔  
 اس کے ذریعے مالدار کی کا دروازہ کھلے گا اور اس کے ذریعے وہ مالدار کی کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔

۱ (الاعلام ج ۷ ص ۲۸۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۷، وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۲۲، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۹۸، شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۶، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۱۵، انجوم الزاہرہ ج ۱ ص ۲۷۲)



اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا کہ اگر تم اس حدیث کے لئے چین کی طرف سفر کرو تو یہ زیادہ (سفر) نہیں۔  
عبدالحق اشمیلی نے اسے ”الطب النبوی کتاب میں“ ذکر کیا۔

### کھانے سے پیدا ہونے والی بیماری کا علاج

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب کھانا رکھا جائے تو اس وقت جو شخص یہ کلمات پڑھے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا:

بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرُ الْأَسْمَاءِ فِي الْأَرْضِ وَفِي السَّمَاءِ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ دَاءٌ إِلَّا جَعَلَ فِيهِ رَحْمَةً وَشِفَاءً  
اللہ تعالیٰ کے نام سے جو آسمان و زمین میں بہترین نام ہے اس کے نام کے ساتھ کوئی بیماری تکلیف نہیں دیتی یا اللہ! اس میں رحمت و شفاء رکھ دے۔

### ام الصبیان سے بچاؤ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو پس وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو اس کو ام الصبیان کی بیماری نہ ہوگی۔  
(اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۶۸، المغنی ج ۲ ص ۵۵، الکامل ج ۶ ص ۲۶۵، عمل الیوم واللیلہ رقم الحدیث: ۶۱۷، الاذکار ص ۲۵۳)  
ام الصبیان ایک ہوا ہے جو بچوں کو لاحق ہوتی ہے اور بعض اوقات اس سے ان کے لئے خطرہ ہوتا ہے۔

### کان میں اذان دینے کی حکمت

”تحفۃ الودود باحکام الملوذ“ کے مصنف نے کہا کہ بچے کے کان میں سب سے پہلے جو آواز آئے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت کے کلمات ہوں اور وہ شہادت جس کے ذریعے اسلام میں داخل ہونے کا آغاز ہو گیا اس کے کان میں اذان دنیا میں داخل ہوتے وقت اسلامی نشانیوں کی تلقین ہے جس طرح دنیا سے جاتے وقت کلمہ توحید کی تلقین کی جاتی ہے اس (تلقین) کے علاوہ بھی ایک فائدہ ہے اور وہ کلمات اذان کے ذریعے شیطان کو بھگانا ہے وہ انتظار کرتا ہے حتیٰ کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مل جاتا ہے تاکہ اسے تقدیر خداوندی کے مطابق تکلیف پہنچائے پس شیطان اس سے پہلے تعلق کے وقت وہ کلمات سنتا ہے جو اس کو کمزور کرتے اور غصہ دلاتے ہیں۔

### دوسری نوع

## طبعی دواؤں سے نبوی علاج

### سر درد اور درد شقیقہ کا علاج

پورے سر میں یا سر کے بعض حصے میں درد ”الصداع“ کہلاتا ہے اگر سر کی کسی ایک طرف دائمی درد ہو تو یہ ”شقیقہ“ کہلاتا ہے جو ”عظیمہ“ کے وزن پر ہے۔



اس درد کا سبب وہ بخارات ہیں جو (معدے سے) اوپر کی جانب اٹھتے ہیں یا وہ گرم یا ٹھنڈے اخلاط ہیں جو دماغ کی طرف جاتے ہیں (جسم میں خون، بلغم، سوداء اور صفراء چار اخلاط ہوتے ہیں)۔

اگر ان بخارات یا اخلاط کو کوئی سوراخ نہ ملے تو سر میں درد پیدا کر دیتے ہیں جسے ”صداع“ کہتے ہیں اور اگر وہ سر کی ایک جانب مائل ہو جائیں تو درد ”شقیقہ“ ہوتا ہے اور اگر وہ تمام سر پر قبضہ کر لیں تو ”داء البیضہ“ پیدا ہوتی ہے اس کا یہ نام اس لیے کہ نوہے کی ٹوپی (جیسے خود کہتے ہیں اور فوجی پہنتے ہیں) کی طرح تمام سر کو گھیرتا ہے (اور اس ٹوپی کو بیضہ کہا جاتا ہے)۔

سر میں درد کے کئی اسباب ہیں۔

مثلاً معدے میں یا اس کی رگوں میں کوئی ورم ہو یا اس میں سخت گاڑھی ہو یا معدے میں ہوا (گیس) بھر جائے۔ یا اس درد کی وجہ سخت حرکت ہوتی ہے مثلاً جماع یا تے یا پوری کوشش سے کوئی کام کرنا نیز بے خوابی اور زیادہ گفتگو سر میں درد کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح نفس کو پیش آنے والے امور مثلاً غم، پریشانی، بھوک اور بخار وغیرہ بھی اس کا سبب ہیں۔

نیز سر میں کوئی ضرب وغیرہ لگے یا دماغ کے چمڑے کے نیچے کوئی ورم ہو یا کسی بھاری چیز کو اٹھانے سے سر پر دباؤ ہو یا حد سے زیادہ دھواں لیا جائے یا سردیوں کے موسم میں ٹھنڈی ہوا یا ٹھنڈا پانی پہنچے تو سر میں درد ہوتا ہے۔ درد شقیقہ صرف سر کی شریانوں میں ہوتا ہے یا سر کا جو کمزور ترین حصہ ہے اس میں ہوتا ہے اور اس کا علاج پٹی باندھنا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب درد شقیقہ ہوتا تو آپ ایک دو دن (گھر پر) ٹھہرتے باہر تشریف نہ لاتے۔

صحیح حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے وصال والی بیماری کے دوران فرمایا: ”وارا سہ“ (ہائے میرا سرا)

آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو سر پر پٹی باندھ رکھی تھی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۵ مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۳) تو درد شقیقہ اور سر کے دوسرے دردوں میں پٹی باندھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے درد شقیقہ کی وجہ سے حالت احرام میں پچھنا لگوا یا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی بعض طرق میں یہ قید ہے کہ آپ نے خود لگایا۔

امام ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے سر انور کے درمیان میں پچھنا لگایا۔

حکماء اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس (خون نکلوانے) کا بہت فائدہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اخذ عین (گردن میں دو رگیں) اور کامل (دونوں کاندھوں کے درمیان) میں بھی پچھنا لگوا یا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۱ مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۳ ج ۳ ص ۱۱۹)

اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا اور حسن قرار دیا نیز امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی نقل کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اطباء کہتے ہیں گردن کی رگوں (اخذ عین) میں پچھنا لگوانا سر چہرے کانوں آنکھوں دانتوں اور ناک کی بیماریوں



میں نفع دیتا ہے۔

ایک ضعیف حدیث جسے ابن عدی نے عمر بن رباح کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت عبداللہ بن طاؤس سے وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):  
 الحجامۃ فی الرأس تنفع فی سبع من الجنون والجذام والبرص والنعاس والصداع  
 پن کوڑھ سفید داغ اونگھ (حواس کی سُستی) سر درد داڑھ کے درد اور آنکھ کے درد (سے نجات دیتا ہے)۔  
 ووجع الضرس والعین۔

عمر بن رباح متروک ہے فلاس (عمر بن علی باہلی بصری) وغیرہ نے اس پر کذب کا الزام لگایا ہے (اسی لئے یہ حدیث میں چھوڑ دیا گیا تو متروک ہوا)۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت نقل کی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کے سر انور میں درد ہوتا تو آپ مہندی کا لپ کرتے اور فرماتے کہ سر کے درد میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ نفع دیتی ہے۔  
 اس حدیث کی صحت محل نظر ہے (دیگر کئی احادیث میں مہندی کے استعمال کو نفع بخش قرار دیا گیا لہذا اس حدیث کے عدم صحت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ۱۲ ہزاروی)۔

یہ علاج اس حالت سے مخصوص ہے جب سر کا درد سخت گرمی کی وجہ سے ہو اور کسی ایسے مادہ سے نہ ہو جس کو دور کرنا ضروری ہو پس جب یہ صورت ہوگی تو ظاہری طور پر مہندی نفع دے گی۔  
 اطباء کہتے ہیں جب اسے کوٹ کر پیشانی پر پٹی کے ساتھ باندھا جائے تو درد ٹھہر جاتا ہے اور یہ سر کے درد سے خاص نہیں بلکہ تمام اعضاء کو شامل ہے۔

”تاریخ بخاری اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جس نے بھی دردِ سر کی شکایت کی آپ نے اسے پچھنا لگوانے کا حکم دیا اور جس نے پاؤں میں تکلیف کی شکایت کی اس سے فرمایا: مہندی کا لپ کرو۔  
 ”جامع ترمذی میں“ حضرت علی بن عبداللہ کی روایت نقل کی ہے وہ اپنی دادی (سہیلی ام رافع زوجہ ابورافع) سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت کرتی تھیں فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ کو جب بھی کوئی زخم یا معمولی چوٹ آتی تو آپ نے مجھے اس پر مہندی لگانے کا حکم دیا۔

### آنکھ دُکھنے کا نبوی علاج

(اسے رمد کہتے ہیں) اور یہ ورم ہے اور یہ اس طبقہ کو پیش آتا ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہو اور اس کا سبب چار اخلاط (بلغم، خون، صفراء اور سوداء) میں سے کسی ایک کا گرنا ہے یا وہ بخارات ہیں جو معدے سے دماغ کی طرف اٹھتے ہیں اگر وہ ناک کے بانسے کی طرف چلے جائیں تو زکام پیدا ہو جاتا ہے اگر آنکھ کی طرف جائیں تو آنکھیں دُکھ جاتی ہیں اور حلق میں ٹکٹنے والے گوشت (لسان العرب ج ۱۲ ص ۳۳۹) یا ناک کے نتھنوں کی طرف جائے تو گلے کی بیماری پیدا ہوتی اور اگر سینے کی طرف جائے تو نزلہ پیدا ہوتا ہے اگر دل کی طرف جائے تو پیٹ میں درد ہوتا ہے (لسان العرب ج ۷ ص ۲۳۷) اور اگر وہ بخارات کسی دوسرے عضو کی طرف جانے کی بجائے ٹکٹنے کی کوشش کریں اور کوئی راستہ نہ پائیں تو سر میں درد ہوتا ہے



جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ آشوب چشم کا علاج سکون اور آرام اختیار کرنے اور حرکت نہ کرنے کے ذریعے بھی کرتے تھے۔

”سنن ابن ماجہ میں“ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے ہے فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے روٹی اور کھجور رکھی ہوئی تھیں آپ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ اور کھاؤ میں نے کھجور پکڑی اور کھانے لگا آپ نے فرمایا: تم کھجور کھا رہے ہو جب کہ تمہاری آنکھیں دکھ رہی ہیں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دوسری جانب سے چارہا ہوں اس پر نبی اکرم ﷺ مسکرانے لگے (مطلب یہ کہ چبانے سے آنکھوں پر دباؤ پڑتا ہے اور اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۳)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھیں تو آپ کو کھجوریں کھانے سے روک دیا گیا (کیونکہ آنکھ کی تکلیف کی طرح یہ بھی گرم ہیں اور اس طرح نقصان زیادہ ہوتا ہے)۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:

الکماء من العن وماءها شفاء للعین۔  
کھمبی من (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا) سے  
ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۰۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۷۷ مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۷ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۳۵ الدر المنثور ج ۱ ص ۷۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۸۳۰۸)

”الکماء“ (کھمبی) ایک ایسی سبزی ہے جس کے پتے اور ٹہنی نہیں ہوتی اور زمین میں بیجے کے بغیر پائی جاتی ہے (اور سفید رنگ کی ہوتی ہے)۔

طبری نے المنکدر کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں کھمبی زیادہ ہو گئی تو ایک قوم نے اسے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ یہ زمین کی چمک ہے نبی اکرم ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: کھمبی زمین کی چمک نہیں بلکہ یہ من سے ہے۔

”من“ کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا اس سے وہ من مراد ہے جو بنی اسرائیل پر اتارا گیا اور یہ شبنم کی صورت میں درختوں پر گرنا تو وہ لوگ اسے جمع کرتے اور کھاتے تھے اور یہ پٹھاتھا (لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۹۸) اور اسی سے ترجمیل ہے گویا یہ کھمبی کے مشابہ تھا کیونکہ یہ دونوں کسی محنت کے بغیر حاصل ہوتے ہیں۔

خطابی نے کہا یہ بات مراد نہیں ہے کہ یہ اس من کی ایک قسم ہے جو بنی اسرائیل پر اتاری گئی تھی کیونکہ بنی اسرائیل پر اترنے والی من ترجمیل تھی جو درخت پر گرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ کھمبی ایک ایسی چیز ہے جو بیج ڈالنے اور پانی دینے کی تکلیف کے بغیر اگتی ہے اور اس کو یہ خصوصیت اس لئے حاصل ہے کہ یہ خالص حلال ہے اس کے حصول میں (حرام وغیرہ کا) کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ خالص حلال چیز کا استعمال آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔



ابن جوزی نے کہا کہ اس کے آنکھوں کے لئے شفا ہونے میں دو قول ہیں۔  
ایک قول یہ ہے کہ اس کا پانی حقیقی ہے لیکن اس قول کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ اسے خالص طور پر استعمال نہ کیا جائے اور اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کو کیسے استعمال کیا جائے؟ اس سلسلے میں دو رائے ہیں۔  
ایک رائے یہ ہے کہ جن دوائیوں کو آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے ان میں اس کا پانی ڈالا جائے یہ بات ابو عبید نے کہی ہے دوسری رائے یہ ہے کہ اسے پھاڑ کر انگارے پر رکھا جائے حتیٰ کہ اس کا پانی جوش مارے پھر اس جگہ سرمہ لگانے والی سلائی ڈال کر اس کے پانی کو بطور سرمہ استعمال کیا جائے کیونکہ آگ کے ذریعے اس میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے اور خراب مادہ چلا جاتا ہے اور نفع بخش باقی رہتا ہے اور جب اس کا پانی ٹھنڈا خشک ہو تو اس میں سلائی نہ ڈالی جائے اس سے فائدہ نہیں ہوگا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۰۳)

دوسرے قول کے قائلین کہتے ہیں ایک نئی ہنڈیا میں کھمبی ڈال کر اس پر پانی ڈالا جائے اور اس میں نمک نہ ڈالا جائے پھر ایک نیا صاف ڈھکنا لے کر اس ہنڈیا پر رکھا جائے اب کھمبی کے جو بخارات اس ڈھکنے کے ساتھ لگیں یہ وہ پانی ہے جسے آنکھوں میں استعمال کیا جائے۔

ابن واقد نے کہا کہ جب کھمبی کا پانی نچوڑ کر اشد سرمہ کے ساتھ ملایا جائے تو یہ آنکھوں کے لئے بہترین چیز ہے اس سرمہ کو استعمال کرنے سے پلکیں مضبوط ہوتی ہیں اور دیکھنے کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور اس میں اترنے والی خرابیاں دور ہو جاتی ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر سونے کی سلائی کے ساتھ صرف اس کے پانی کو استعمال کرے تو ایسا کرنے والے کو آنکھوں میں بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

ابن قیم نے کہا کہ بڑے بڑے اطباء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ کھمبی کا پانی آنکھوں کو روشن کرتا ہے ان میں مسیحی (ابو ہل عیسیٰ بن یحییٰ جرجانی متوفی ۴۰۱ھ) ۱ ابن سینا وغیرہ ہیں۔

یہ اختلاف کہ کھمبی وغیرہ اصل میں نقصان سے پاک پیدا کی گئی ہیں پھر ان میں دوسرے امور سے آفات داخل ہوئیں یعنی ان میں کوئی چیز مل گئی یا کسی دوسرے سبب سے جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کھمبی اصل میں نفع بخش ہے اور اس کی وجہ یہ کہ یہ اس وصف کے ساتھ مخصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نقصان بعد میں اس کے ساتھ ملتا ہے۔ اور احادیث میں جن چیزوں کا ذکر ہے سچی نیت کے ساتھ ان کا استعمال کیا جائے تو نفع حاصل ہوتا ہے اور اس نیت کے باعث اللہ تعالیٰ اس سے نقصان کو دور کر دیتا ہے اور نیت دوسری ہو تو معاملہ بھی دوسرا ہوگا۔ واللہ اعلم

### حلق میں درد کا نبوی علاج

(اس درد کو عربی میں "العذره" کہتے ہیں) یہ لفظ عین پر پیش اور دال کے سکون کے ساتھ ہے یہ گلے کا درد ہے جو عام طور پر بچوں کو ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک زخم ہے جو کان اور حلق کے درمیان ہوتا ہے یا ناک اور حلق کے درمیان ہوتا ہے اور اسے حلق کے کوئے (لٹکے ہوئے گوشت) کا اترنا کہتے ہیں۔



یہ بھی کہا گیا کہ یہ حلق کے کوئے کا نام ہے اور مراد اس کا درد ہے اس جگہ کے نام سے درد کا نام رکھا گیا۔  
ایک قول یہ ہے کہ یہ کوئے کے قریب جگہ ہے اور کوادہ گوشت ہے جو حلق کے آخری حصہ میں ٹکتا ہے۔  
”صحیح بخاری میں“ حضرت ام قیس بنت محسن الاسدیہ اسد خزیمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں وہ بارگاہ نبوی میں اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہوئیں جس کا علاج انہوں نے یوں کیا کہ اپنی انگلی سے اس گوشت کو اوپر کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

علام تدغرن اولاد کن بهذا العلاق  
علیکم بهذا العود الهندی فان فیہ سبعة اشفیة  
منہا ذات النجب۔  
تم اس برے طریقے سے اپنی اولاد کے گلے کا علاج  
کیوں کرتی ہو؟ تم پر لازم ہے کہ یہ ہندی لکڑی (گٹھ)  
اختیار کرو اس میں سات (بیماریوں سے شفاء) ہے ان میں  
سے ایک پہلو (رتخ) کا درد ہے۔

اس سے مراد گٹھ ہے۔ اور ”تدغرن“ میں عورتوں سے خطاب ہے ”الدغر“ گلا دبانے کو کہتے ہیں۔  
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۱۸، ۵۷۱۵، ۵۷۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶-۸۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۳، سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۶۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۳۳، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۷)  
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس  
تشریف لائے اور ان کے پاس ایک بچہ تھا جس کے ناک سے خون جاری تھا آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ حاضرین نے کہا:  
”العذرة“ (گلے کی بیماری) ہے یا سر میں درد ہے آپ نے فرمایا: تم عورتوں کے لئے ہلاکت ہو اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔  
جس عورت کے بچے کو یہ زخم یا درد ہو وہ گٹھ لے کر پانی میں حل کرے اور پھر اس کے ناک میں ڈالے چنانچہ حضرت عائشہ  
رضی اللہ عنہا نے حکم دیا تو بچے کے لئے یہ دوائی بنائی گئی اور وہ ٹھیک ہو گیا۔

گٹھ میں خشک کرنے کی تاثیر ہے وہ کوئے (تالو) کو سخت کر کے اس کی جگہ کی طرف اٹھا دیتی ہے وہ لوگ اولاد کا  
علاج یوں کرتے تھے کہ گلے کو دبا کر تالو کو اوپر کی طرف اٹھاتے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ایسا طریقہ  
بتایا جو اس سے زیادہ نفع بخش بھی ہے اور اس میں بچوں کے لئے آسانی بھی ہے۔ ناک میں دوائی وغیرہ ڈالنے کو  
”السعوط“ کہا جاتا ہے۔

اعتراض: گلے کی اس بیماری کا قسط بندی (گٹھ) سے علاج کرنا کیسے صحیح ہو گا جب کہ وہ گرم ہوتی ہے اور یہ بیماری بچوں  
کو گرمی کے موسم میں لگتی ہے اور ان کے مزاج بھی گرم ہوتے ہیں بالخصوص سر زمین حجاز میں جو گرم علاقہ ہے؟  
جواب: ”العذرة“ بیماری کا مادہ خون ہے جس پر بلغم غالب ہوتی ہے اور گٹھ میں رطوبت کو خشک کرنے کی تاثیر ہے اور  
اس بیماری میں اس کا نفع اس خاصیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور گرم دوائیاں بھی اکثر گرم بیماریوں میں کسی خارجی وجہ سے بلکہ  
ذاتی طور پر فائدہ دیتی ہیں۔ ابن سینا نے بھی تالو اترنے کا علاج گٹھ اور شب یمانی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

علاوہ ازیں اگر ہم اس کی کوئی دوسری توجیہ نہ بھی کر سکیں تو معجزہ طبی قواعد سے خارج ہوتا ہے (یعنی آپ کے معجزہ کے  
طور پر اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا ہے)۔



## اسہال کی بیماری کا نبوی علاج

”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں“ حضرت ابوالتوکل کی حدیث سے ہے وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے بھائی کے پیٹ میں تکلیف ہے دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا اسہال کی تکلیف ہے آپ نے فرمایا: اسے شہد پلاؤ اس نے عرض کیا میں نے اسے شہد پلایا لیکن اس کے اسہال میں اضافہ ہو گیا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۳-۵۷۱۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۲، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹-۹۲، المسند رک ج ۳ ص ۲۰۲، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۳۳، دلائل البیہود ج ۶ ص ۱۶۳، الدر المنثور ج ۳ ص ۱۲۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۷۰)

(قرآن مجید میں ہے ”فیہ شفاء للناس“ اس (شہد) میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔)

”صحیح مسلم کی“ روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے تین بار فرمایا پھر چوتھی مرتبہ آیا تو فرمایا اسے شہد پلاؤ اس نے عرض کیا میں نے اسے پلایا ہے لیکن اس کے اسہال میں اضافہ ہوا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے یزید بن ہارون سے نقل کیا کہ چوتھی مرتبہ فرمایا: اسے شہد پلاؤ راوی فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اس نے اسے پلایا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا۔

خطابی وغیرہ کہتے ہیں کہ اہل حجاز خطاء کے مقام پر کذب یعنی جھوٹ کا لفظ بولتے ہیں کہا جاتا ہے ”کذب سمعک یعنی تیرے سننے میں غلطی ہوئی“ اور جو کچھ کہا گیا وہ اس کی حقیقت کا ادراک نہ کر سکا پس ”کذب بطن اخیک“ (تیرے بھائی کے پیٹ نے خطا کی) یعنی وہ اس شفاء کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ وہ خطا کر گیا۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

شاید نبی اکرم ﷺ کو وحی کے نور سے معلوم ہو گیا ہو کہ یہ شہد عنقریب اس کے بعد اس شخص کو نفع دے گا تو جب فی الحال نفع نہ دیا حالانکہ حضور علیہ السلام جانتے تھے کہ اس کا بعد اس کا نفع ظاہر ہوگا تو یہ خطا کے قائم مقام ہوا اس لئے آپ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے کہ تمہارے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا۔

## بے دینوں کا اعتراض اور جواب

بعض بے دین کہتے ہیں کہ شہد مسہل ہے تو یہ اسہال والے کو کیسے فائدہ دے سکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا جاہل ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے۔ ارشاد

خداوندی ہے:

۱۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ فرمایا وہ سچ ہے لیکن اس شخص کا مزاج اسے قبول نہیں کرتا۔



بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ ۖ  
 (یونس: ۳۹) کیا۔  
 بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کے علم کا احاطہ نہ

حکماء و اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ ایک بیماری کا علاج 'عمر عادت' زمانے 'مانوس غذا' تدبیر اور قوت طبعی کے اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے نیز اسہال کی کئی قسمیں ہیں۔

ان میں سے ایک ہیضہ ہے جو معدے کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ اس کا علاج یہ ہے کہ کوئی دوائی استعمال نہ کی جائے (کوئی قابض چیز استعمال نہ کی جائے تاکہ معدے میں فاسد مادے رک نہ جائیں) اور اگر کسی مسہل چیز کی ضرورت ہو تو اس وقت دی جائے جب تک بیمار میں قوت ہو پس اس شخص کا پیٹ ان فاسد مادوں کی وجہ سے خراب تھا جو اس کے معدے میں جمع تھے تو نبی اکرم ﷺ نے شہد تجویز فرمایا تاکہ معدے کے کناروں میں جمع فضول مادے خارج ہو جائیں جو غذا کو معدے میں ٹھہرنے نہیں دیتے اور معدے کے چھوٹے چھوٹے ریشے ہوتے ہیں جس طرح تولیے کے ہوتے ہیں پس جب ان کے ساتھ مل جانے والے اخلاط (بلغم وغیرہ) مل جاتے ہیں تو وہ اس (معدے) کو خراب کر دیتے ہیں اور اس تک پہنچنے والی غذا بھی فاسد ہو جاتی ہے لہذا اس کا علاج یہ ہے کہ ایسی دوا استعمال کی جائے جو ان اخلاط کو ہٹا دے اور اس سلسلے میں شہد کی طرح کوئی (مفید) چیز نہیں ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ گرم پانی ملا ہوا ہو اور پہلے مرحلے میں اس کا فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ دوائی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی مقدار دوائی کے مطابق ہو اگر دوائی کم ہوگی تو مکمل طور پر بیماری کا خاتمہ نہیں ہوگا اور اگر بیماری سے بڑھ جائے تو طاقت کو کمزور کر دے گی یا کوئی دوسرا نقصان پیدا کرے گی۔

پس گویا اس نے پہلے اس مقدار میں شہد پیا جو بیماری کو دور کرنے کے لئے کافی نہ تھا تو نبی اکرم ﷺ نے دوبارہ پینے کا حکم دیا جب کئی بار پیا اور بیماری کے مطابق مقدار پائی گئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو گیا۔  
 نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی "تمہارے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا (خطا کی)" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دوائی نفع بخش ہے اور بیماری کا باقی رہنا شفاء میں دوائی کی کوتاہی کے باعث نہیں بلکہ فاسد مادے کے کثرت کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بار بار شہد پینے کا حکم دیا تاکہ اس کا معدہ فاسد مادے سے خالی ہو جائے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ شہد بعض اوقات رگوں کی طرف جلدی جاتا ہے اور غذا کا زیادہ حصہ اس کے ساتھ نکلتا ہے تو پیشاب کو گول کرتا ہے لہذا یہ قابض ہوتا ہے اور بعض اوقات معدے میں رہتا ہے اور آگ کی طرح تاثیر کرتا ہے (گرم کرتا ہے) حتیٰ کہ کھانے کو پھینکتا ہے اور پیٹ کو نرم کرتا ہے تو مسہل ہوتا ہے۔  
 پس اس کے مسہل ہونے کا مطلقاً انکار کرنا منکر کی کم فہمی ہے۔

ابن جوزی نے کہا: نبی اکرم ﷺ نے اسہال کی بیماری والے کے لئے شہد تجویز فرمایا تو اس میں چار قول ہیں:

۱۔ یعنی جس طرح مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے قرآن کا انکار کرنے میں جلدی کی اسی طرح ان لوگوں نے سمجھنے کے بغیر اس کا انکار کرنے میں جلدی کی۔ (زرقاتی ج ۷ ص ۱۲۱)



(۱) آیت کریمہ کو شفاء کے سلسلے میں اپنے عموم پر رکھا جائے اور نبی اکرم ﷺ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: یعنی ”فیہ شفاء للناس“ (اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے) میں اللہ تعالیٰ سچا ہے پس جب وہ اس حکمت پر آگاہ ہوا تو اسے قبول کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی۔

(۲) آپ کا اس کے لئے شہد تجویز کرنا ان لوگوں کے طریقے کے مطابق تھا کہ وہ لوگ تمام بیماریوں کا علاج شہد سے کرتے تھے۔

(۳) جس کے لئے یہ تجویز فرمایا اسے ہیضہ تھا جیسا کہ پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

(۴) یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ان کو حکم دیا ہو کہ استعمال کرنے سے پہلے اسے پکائیں کیونکہ یہ بلغم کو گاڑھا کرتا ہے اور شاید اس نے پہلی مرتبہ پکانے کے بغیر استعمال کیا ہو۔

دوسرا اور چوتھا قول ضعیف ہیں۔ جبکہ پہلے قول کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

علیکم بالشفاء بن العسل والقرآن۔ تم پر دو شفاء دینے والی چیزیں لازم ہیں (۱) شہد اور (۲) قرآن۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۵۲ المستدرک ج ۳ ص ۳۰۰-۳۰۳ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۳۳ الدر المنثور ج ۳ ص ۱۲۳ کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۳۲ حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۳۳ اکمال فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۰۶۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۰۲)

اس حدیث کا ابن ماجہ اور حاتم نے مرفوعاً (یعنی حضور علیہ السلام کے قول کے طور پر) نقل کیا اور ابن ابی شیبہ اور حاکم نے موقوفاً (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے طور پر) نقل کیا اور اس کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے فرماتے ہیں: جب تم میں سے کسی ایک کو بیماری ہو تو اپنی بیوی سے اس کے مہر میں سے کچھ رقم بطور ہبہ حاصل کرے اور اس سے شہد خریدے پھر بارش کا پانی لے کر ملائے تو یہ نہایت خوشگوار اور مبارک دوائی ہوگی۔

اسی حدیث کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حسن سند کے ساتھ نقل کیا۔

اور ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص شفاء حاصل کرنا چاہے تو قرآن مجید سے ایک آیت کسی کاغذ پر لکھے اور اس کو بارش کے پانی سے دھو کر اپنی بیوی سے ایک درہم اس کی مرضی سے لے اور اس سے شہد خرید کر اسے پیئے (تو شفاء حاصل ہوگی)۔

حافظ ابن کثیر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا اس (شفاء) کی کئی وجوہ ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ اور ہم قرآن مجید سے وہ کچھ اتارتے ہیں جو شفاء

(الاسراء: ۸۲) ہے۔

۱۔ اس کے مبارک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شہد کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے ”فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ“ اور بارش کے بارے میں ہے ”وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا“ ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۲۳)



اور فرمایا:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا. (ق: ۹)

اور ہم نے آسمان سے مبارک پانی اتارا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَإِنْ طَبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ

اگر وہ اس (مہر) میں سے اپنی خوش دلی سے تمہیں

دیں تو اسے خوشگوار طریقے سے کھاؤ۔

هَيِّئْنَا مَرِيئًا. (النساء: ۴۳)

اور شہد کے بارے میں فرمایا:

فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ. (النحل: ۶۹)

اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔

### جلاب کے سلسلے میں طب نبوی

”جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ہے“ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے پوچھا تم کس چیز سے جلاب لیتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ”شہرم“ کے ساتھ آپ نے فرمایا: گرم ہے گرم ہے نقصان دہ ہے نقصان دہ ہے (وضاحت آگے آرہی ہے) اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ میں سنا کہ ساتھ جلاب لیتی ہوں تو آپ نے فرمایا: اگر کسی چیز میں موت سے شفاء ہوتی تو سنا میں ہوتی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۱، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۶۸)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”اپنی تاریخ کبیر میں“ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اس کی مثل روایت نقل کی جو امام ترمذی نے نقل کی ہے۔

ابو محمد الحمیدی نے ”الطب میں“ نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شہرم سے بچو یہ گرم ہے گرم ہے نقصان دہ ہے نقصان دہ ہے اور تم پر سنا کو اختیار کرنا لازم ہے۔ اس سے علاج کرو اگر موت کو کوئی چیز دور کر سکتی تو سنا دور کرتی۔

عبدالحق اشہیلی نے اپنی کتاب ”الطب النبوی“ میں نقل کیا کہ محاسبی نے اپنی کتاب ”القصد الی اللہ“ میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھجور کے ساتھ سنا کو نوش فرمایا۔

”سنن ابن ماجہ میں“ حضرت ابراہیم بن ابی عبیلہ کی روایت سے ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (الاصابح ص ۵۶)

عليكم بالسنا و السنوت فان فيهما شفاء  
من كل داء الا السام قيل يا رسول الله ﷺ وما  
السام قال الموت.  
آپ نے فرمایا: سنا اور سنوت سے علاج کرو ان  
دونوں میں سام کے علاوہ ہر بیماری کا علاج ہے عرض کیا گیا  
یا رسول اللہ! سام کیا ہے؟ فرمایا: موت۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۵۷، المسند رک ج ۳ ص ۲۰۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۷۱-۲۸۲۷۷)

۱۔ عربی اور فارسی میں اسے سنا کی کہتے ہیں اس کا پودہ نصف گزنک لمبا اور جنگلی نخل کے مشابہ ہوتا ہے اس کا پتہ مہندی کے پتے کی طرح اور پھول کسی قدر نخل کوں ہوتے ہیں اس کے پتے دواء میں استعمال کئے جاتے ہیں۔



(اطباء یا محدثین) فرماتے ہیں ”شبرم“۔ ایک درخت کی جڑ کا چھلکا ہے اور یہ چوتھے درجہ میں گرم خشک ہے اور یہ ان دوائیوں میں سے ہے جن کے استعمال سے اطباء نے منع کیا ہے کیونکہ اس میں خطرہ ہے اور بہت زیادہ اسہال ہے۔

(تحفة الاحوذی) ۱/۱۰

اور سنا ایک حجازی بوٹی ہے اور اس میں سے افضل سنا کی ہے یہ دوا شریف ضرر سے محفوظ اور اعتدال کے قریب ہے یہ گرم خشک ہے پہلے درجہ میں ہے صفرا یا سوداء کو پتلا کرتی ہے اور دل کو قوت دیتی ہے یہ اس کی فضیلت شریفہ ہے اور اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ سوداوی دوسووں سے بچاتی ہے (یعنی سودا کی وجہ سے پیدا ہونے والے دوسووں سے فائدہ دیتی ہے)۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سنا اور ساترج (ایک خون صاف کرنے والی دوا جسے شاہ ترہ کہتے ہیں) جلے ہوئے اخلاط کو پتلا کرتے ہیں اور کھجلی اور خارش میں فائدہ دیتے ہیں۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک چار سے سات درہم تک پیا جائے (مزاج کے مطابق ہو)۔

سنوت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ شہد ہے اور ایک قول کے مطابق گھی کی گھی سے نکلنے والا شیرہ جو گھی پر سیاہ لکیروں کی صورت میں نکلتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک دانہ ہے جو زیرے کے مشابہ ہے لیکن کون نہیں، بعض نے کہا کون کرمانی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے سونف مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سویہ کا ساگ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شہد ہے جو گھی کے (مشک) برتن میں ہو۔

بعض اطباء نے کہا کہ معنوی اعتبار سے یہ زیادہ لائق اور درستی کے زیادہ قریب ہے یعنی سنا کو کوٹ کر اس کو شہد میں ملایا جائے جس میں گھی ملا ہوا ہے اور پھر اسے چاٹا جائے خالی سنا کو استعمال کرنے سے یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں شہد اور گھی ہے جو سنا کی اصلاح کرتا اور اسہال پر اس کا مددگار ہے۔

### دل کی تکلیف کا نبوی علاج

جس آدمی کے دل میں تکلیف ہو اسے ”مفزود“ کہتے ہیں جس طرح پیٹ میں درد ہو تو اسے ”مبطون“ کہا جاتا ہے۔

امام ابو داؤد نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ میرے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی آپ نے فرمایا: تمہارے دل میں تکلیف ہے تم حارث بن کلدہ متوفی ۵۰ھ (الاعلام ج ۲ ص ۱۵۷ طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۰۹ المتوفی والمختلف ص ۱۷۲) کے پاس جاؤ وہ بنو ثقیف کا ایک فرد ہے اور علاج کرتا ہے وہ مدینہ طیبہ کی سات کھجوریں لے کر ان کو کھلیوں سمیت کوٹے پھر ان کو پلائے۔ (یعنی طریقہ خود نبی اکرم ﷺ نے بتایا اور علاج کرنے کا حکم حارث بن کلدہ کو دیا)۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۲۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۹۹)

۱۔ اطباء کی کتابوں میں ہے کہ شبرم ایک شیردار بوٹی ہے اس کا درخت سیدھا باریک، گرہ دار اور دو نیم دار ہوتا ہے یہ تقریباً ایک ہاتھ اونچا ہوتا



اس حدیث میں عام لوگوں کو خطاب ہے لیکن خاص لوگ مراد ہیں جس طرح اہل مدینہ اور اس کے ارد گرد والے اور مدینہ طیبہ والوں کے لئے کھجوریں اسی طرح ہیں جس طرح دوسروں کے لئے گندم وغیرہ ہے پلانے کے لئے ”اللہود“ کا لفظ استعمال ہوا جس کا مطلب منہ کی ایک جانب سے پلانا ہے۔ اور کھجور میں اس بیماری کے لئے عجیب خاصیت ہے بالخصوص مدینہ طیبہ والوں کے لئے اور وہ عجمہ (عمدہ) کھجور اور سات کھجوروں کا ہونا مزید خاصیت کا حامل ہے جس کا ادراک وحی سے ہوا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے:

مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتٍ عَجْوَةٍ مِنْ تَعْرِ الْعَالِيَةِ لَمْ يَضُرَّهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ سُوءٌ وَلَا سِحْرٌ. ۱۔ جو شخص صبح کے وقت مدینہ طیبہ کے بلند مقام کی سات عجمہ کھجوریں کھائے اسے اس دن کوئی زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۳۵-۵۷۶۸-۵۷۶۹-۵۷۷۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۶ مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۱-۱۸۲ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۳۵ معنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۷۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۱۹۰)

### السر کا نبوی علاج

”صحیح بخاری میں“ مرفوعاً مروی ہے:

عليكم بهذا العود الهندي فان فيه سبعة اشفية منها ذات الجنب. (یعنی سات پیاریوں سے شفاء ہے) ان میں سے ایک السر ہے۔

”جامع ترمذی میں“ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تداووا من ذات الجنب بالقسط البحري نموشیہ کا علاج بحری کٹھ اور زیتون سے کرو۔

والزيت.

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۹ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۳۶ اتحاف السادة المتقين ج ۹ ص ۵۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۸۷) جان لو کہ ذات الجنب ایک گرم ورم ہے جو اعضاء کے اندر یعنی چمڑے کے نیچے ہوتا ہے اور بعض اوقات پہلو کے کناروں میں گیس بھر جاتی ہے جو چمڑے اور گوشت کے درمیان سینے اور پسلیوں میں رک جاتی ہے جس سے درد پیدا ہوتا ہے۔ پہلی صورت یعنی ورم ذات الجنب حقیقی ہے جس پر اطباء نے گفتگو کی ہے وہ کہتے ہیں اس کی وجہ سے پانچ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ بخار کھانسی کھجلی سانس کی رکاوٹ اور رگوں کی حرکت۔

ذات الجنب کو پسلیوں کا درد بھی کہا جاتا ہے اور یہ خطرناک مرض ہے کیونکہ یہ دل اور جگر کے درمیان پیدا ہوتی ہے اور یہ تمام بیماریوں میں بری بیماری ہے اور یہاں ذات الجنب سے ریح (بادی) کی بیماری مراد ہے کیونکہ کٹھ ہی سے سخت ریح ۱۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کھجور کے لئے دعا فرمائی اس لئے اس میں یہ تاثیر ہے نیز آپ نے اسے خود اپنے دست مبارک سے لگایا اور یہ بات زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب



کا علاج کیا جاتا ہے۔

ابن قیم نے المسحی سے نقل کیا کہ اس نے کہا ٹھہ گرم خشک قابض ہے اور یہ پیٹ (کے اسہال) کو روک دیتی ہے نیز اعضاء باطنہ کو مضبوط کرتی ہے ریح کو نکالتی بند راستوں کو کھولتی ہے اور زائد رطوبت کو لے جاتی ہے ذات الجنب بیماری کے لئے نفع بخش اور دماغ کے لئے عمدہ ہے۔

المسحی نے کہا کہ حقیقی ذات الجنب کے لئے بھی مفید ہے جب وہ بلغمی مادے سے پیدا ہو خصوصاً جب کہ بیماری انحطاط پذیر ہو۔

### استقاء کا نبوی علاج

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں قبیلہ عریہ اور قبیلہ عکل کا ایک گروہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں مدینہ طیبہ کی ہوا موافق نہ آئی پس انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: تم صدقہ کے اونٹوں کی طرف جاؤ اور ان کے دودھ اور پیشاب پیو۔

چنانچہ جب وہ ٹھیک ہو گئے تو انہوں نے چرواہوں کو قتل کیا اور اونٹوں کو لے گئے اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کی۔ نبی اکرم ﷺ نے کچھ افراد کو ان کے پیچھے بھیجا تو ان کو پکڑ کر ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے نیز ان کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیری گئیں اور انہیں دھوپ میں ڈالا گیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۰۱ شرح السنہ ج ۱ ص ۲۵۶ الاحکام النبویہ ج ۱ ص ۳۹)

استقاء ایک ایسی بیماری ہے جس کا سبب عجیب ٹھنڈا مادہ ہے جو اعضاء میں داخل ہو کر وہاں پرورش پاتا ہے یا تو وہ تمام ظاہری اعضاء میں ظاہر ہوتا ہے یا ان جگہوں میں جو خالی ہوتی ہے اور جہاں غذا اور چاروں اخلاط بلغم خون صفراء اور سوداء کی تدبیر ہوتی ہے۔

استقاء کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) لحمی: یہ سب سے زیادہ سخت ہے اور اس کے ساتھ پورے جسم کا گوشت بڑھتا ہے اور اس کے ساتھ بلغمی مادہ اور خون بھی پھیلتا ہے۔

(۲) زرقی: یہ وہ ہے کہ پیٹ کے نچلے حصے میں ردی پانی والا مادہ جمع ہوتا ہے جب حرکت ہوتی ہے تو حرکت کی آواز آتی ہے جس طرح مشک میں پانی ہو۔ اکثر اطباء کے نزدیک یہ سب سے گھٹیا قسم ہے۔

(۳) طبعی: اس صورت میں ریاحی مادہ کے ساتھ پیٹ پھول جاتا ہے جب پیٹ پر کوئی چیز ماری جائے تو طبل (ڈھول) کی طرح آواز آتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ خالص دودھ میں سڈوں کو نرم کرنے اور صفائی کی تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ اونٹ شیخ فیصوم بابونخ، اقوان اور اذخر وغیرہ (بوٹیاں اور گھاس) کھاتے تھے اور یہ بوٹیاں استقاء کے لئے مفید ہیں خصوصاً جب ان کی اس حرارت کے ساتھ استعمال کیا جائے جس کے ساتھ دودھ تھنوں سے نکلتا ہے اور اس کے ساتھ اونٹ کے بچے کا پیشاب بھی ہو۔ تو یہ گرم ہوتا ہے جس طرح حیوان سے نکلتا ہے



اس سے دودھ کے کھاراپن، زائد مادوں کے خاتمے اور پیٹ کے کھلنے میں اضافہ ہوتا ہے۔

### معدے کی کمزوری کا علاج

معدے کی کمزوری کے حوالے سے ابن حاج نے ”المدخل میں“ لکھا ہے کہ ایک شخص معدے کی بیماری میں مبتلا ہوا تو شیخ جلیل ابو محمد مرجانی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اور آپ اس دوا کی طرف اشارہ فرما رہے تھے وہ اس طرح کہ ہر دن نہار منہ ایک سو روپیہ کے برابر گلاب کا مربہ (گلقد جس میں مصطکی (سفید روی گوند) ملائی گئی ہو اور اسے کوٹا گیا ہو اور اس میں کلونجی کے سات دانے ڈالے جائیں) سات دن اس طرح کرے تو ٹھیک ہو جائے گی۔

ایک شخص معدے کی ٹھنڈک کی وجہ سے بیمار ہو گیا تو شیخ مرجانی نے ہی نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی آپ نے یوں اشارہ دیا کہ نصف اوقیہ (ڈیڑھ اونس) شہد لیا جائے دو درہم وزن کے برابر کلونجی اور اس کی مثل روی سونف اسی مقدار میں بنز پودینہ نصف درہم کے برابر لونگ اور اسی مقدار میں انار کا چھلکا اور کچھ لیموں کا چھلکا لیں اس میں تھوڑا سا سرکہ ملا کر اسے آگ پر پکائیں چنانچہ وہ اس کے استعمال سے صحت یاب ہو گیا۔ ایک دوسرے شخص کو مسلسل ریح کی شکایت ہوئی تو شیخ مرجانی نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ نے اس دوا کا اشارہ دیا تین درہم کے برابر کلونجی، خزانہ (خوشبودار پھولوں والا پودا) سے اڑھائی درہم کا وزن سفید زیرہ تین درہم کے برابر اس کے برابر شامی پودینہ (پھاڑی پودینہ) اور اس کی مثل غلیا ایک درہم کا وزن سیتا سپاری (ایک پھاڑی درخت کا پھل ہے) اور یہ دل کا پھل ہے ایک اوقیہ (تین اونس) زیتون کا تیل دم کیا ہوا لے کر اس میں اسی حساب سے شہد ڈالا جائے یعنی رطل (آدھ کلو) کا چوتھا حصہ ڈالا جائے۔ اور اس سے صبح نہار منہ دو درہم کے برابر اور سوتے وقت ڈیڑھ درہم کے برابر استعمال کریں پس انہوں نے اسے یہ دوائی استعمال کروائی تو مریض ٹھیک ہو گیا پھر نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جسے اس دوائی کی خبر دی تھی کہ یہ دوائی ان بیماریوں کے لئے بھی مفید ہے۔

ریح، مسلسل ہوا کا خارج ہونا، معدہ اور اس کی ٹھنڈک، دل کے درد، حیض کی تکلیف، نفاس کی تکلیف اور ہوا کا رک

جانا۔

زیتون کے تل کو دم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیتون کا کچھ پاک تیل لے کر اس کو پاک برتن میں ڈالو اور پھر کسی لکڑی سے ہلاتے رہو اور اس پر سورۃ اخلاص اور معوذتین (قُلْ اَعُوذُ بِسَرِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوذُ بِسَرِّ النَّاسِ، دونوں سورتیں) پڑھو نیز لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ: ۱۲۸) اور نَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (الاسراء: ۸۲) اور اس کے علاوہ کُوْا اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ (الحشر: ۲۱) سورت کے آخر تک پڑھو (یہ ”زیت مرقی“ یعنی دم کیا ہوا تیل ہے)۔

ایک دوسرے شخص کو قولنج کا درد ہوا تو اسے اس دوائی کا اشارہ دیا کہ تین درہم کے برابر شہد لے ڈیڑھ درہم کے برابر دم کیا ہوا زیتون کا تیل لے اور کلونجی کے اکیس دانے لے کر ان کو باہم ملائے اس سے ناشتہ کرے (نہار منہ کھائے) اسی دوا نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا علاج یہی ہے اب کسی کے لئے پیشاب پینا جائز نہیں چاہے علاج کے طور پر

استعمال کرے۔ ۱۲ ہزاروی



طرح سوتے وقت بھی کرے یہ عمل مسلسل کرے حتیٰ کہ ٹھیک ہو جائے نیز اس شخص کے لئے تلپینہ بنایا جائے اور اسے اس (پہلی) دوائی کے بعد استعمال کرے تلپینہ ایک پتلی غذا ہے (جیسے دلیا وغیرہ) آٹے یا چھان بورے سے بنائی جاتی ہے بعض اوقات اس میں شہد بھی ڈالتے ہیں۔

اور اس کی غذا مرغی کے گوشت کے ٹکڑے یا بکری کا گوشت ہو۔ اس نے یہ عمل کیا تو ٹھیک ہو گیا حالانکہ حکیم لوگ اس کے علاج سے عاجز آ چکے تھے۔

ایک اور آدمی کی پیٹھ میں درد ہو گیا تو اس نے شیخ سے شکایت کی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو (خواب میں) دیکھا کہ آپ اس دوائی کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں (شہد کی) نکھیوں کا شہد کلونجی، اگری کی لکڑی کا تیل، دم کیا ہوا زیتون کا تیل اور انڈے کی سفیدی لے کر سب کو ملائے اور اس (تکلیف والی) جگہ پر لگائے اس پر چھلکے والی مسور کی دال کا لپ کرے اور پہلے اس کو سپند (کالا دانہ) کے ساتھ ملا کر خوب کوٹے حتیٰ کہ آٹے کی طرح ہو جائے چنانچہ اس شخص نے یہ عمل کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

کسی نے سرچکرانے کی شکایت کی تو شیخ نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے اس دوائی کی طرف اشارہ فرمایا: لوگ، سوٹھ، انار کے چھلکے (دارچینی کی ایک قسم جسے نج کہتے ہیں) اچھے اخروٹ اور باکھڑ۔ ان میں سے ہر ایک ڈیڑھ درہم کے برابر ہو اور دو درہم کے برابر کلونجی لے کر ان تمام چیزوں کو کوٹا جائے پھر پکا کر شہد ملائیں جب اچھی طرح خشک ہو جائے تو اس پر کچھ لیموں نچوڑا جائے پس شہد غالب ہوگا۔ اس شخص نے اس طرح کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ اگرچہ یہ بات خواب کے ذریعے حاصل ہوئی لیکن تجربہ نے اس کو تقویت دی پھر اس کے ساتھ ساتھ شیخ مرجانی کا ارشاد بھی ہے۔

### عرق النساء کا نبوی علاج

”عرق النساء“ میں نون اور سین پرز بر ہے اور یہ بیماری رگ میں ہوتی ہے اس میں اضافت کسی چیز کی اس کے محل کی طرف اضافت کی طرح ہے کہا گیا ہے کہ اسے عرق النساء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس درد کی وجہ سے باقی سب کچھ بھول جاتا ہے اور یہ رگ سیرین کے جوڑ سے لے کر پاؤں کے آخر تک یعنی ٹخنوں کے پیچھے ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عرق النساء کا علاج یہ ہے کہ دیہاتی بکری کی چکی کا پانی نکالا جائے پھر اس کے تین حصے کر کے ہر دن نہا رہے تہائی حصہ پی لے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۳ الاذکار النبویہ ج ۱ ص ۷۰)

یہ دوا عرب اہل حجاز اور اس سے متصل علاقوں کے لوگوں کے لئے ہے اور یہ ان لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ یہ بیماری خشکی سے پیدا ہوتی ہے اور بعض گاڑھے لیس دار مادے سے پیدا ہوتی ہے لہذا اس کا علاج اسہال ہیں اور چکی میں دو خصوصیتیں ہیں پکانا اور نرم کرنا اور اس بیماری کا علاج ان دو چیزوں کا محتاج ہے (کہ وہ مادہ پک کر نرم ہو اور اسہال کی صورت میں نکلے)۔

دیہاتی بکری کا انتخاب اس لئے ہے کہ اس میں فضول اور زائد چیزیں کم ہوتی ہیں اس کی مقدار کم ہوتی ہے اور اس کا



جو ہر لطیف ہوتا ہے نیز اس کی چراگاہ کو بھی خصوصیت حاصل ہے کیونکہ وہ خشکی کا گرم گھاس کھاتی ہے جیسے شیخ اور قیسوم (نامی) گھاس وغیرہ جب جانور یہ گھاس کھاتا ہے تو اس کے گوشت میں اس کی طبیعت اثر انداز ہوتی ہے۔

### ورم اور پھوڑوں کا علاج نبوی

چیر پھاڑ کے ذریعے علاج کرنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک شخص کی عیادت کے لئے گیا جس کی پیٹھ میں ورم تھا ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ یہ ایک مدت سے ہے آپ نے فرمایا: اس کو چیر دو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ ٹھیک نہ ہوا جب تک چیر پھاڑ نہ کی اور نبی اکرم ﷺ موجود تھے۔ (الاحکام باللہ بیج ص ۱۶۰)

### رگیں کاٹنے اور داغنے کے ذریعے علاج

”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک طبیب بھیجا تو اس نے آپ کی رگ کاٹی اور اس پر داغ لگایا (اس طرح خون بند کیا)۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو (کی رگ) میں تیر لگا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے داغ دیا (تا کہ خون بند ہو جائے)۔

امام طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابو طلحہ نے مجھے داغا۔

امام ترمذی نے یوں نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو سرخ پھنسی کی وجہ سے داغ دیا۔

امام مسلم نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے (فرشتوں کی طرف سے) سلام کیا جاتا تھا حتیٰ کہ میں نے داغ لگوا یا تو یہ (سلام) چھوڑ دیا گیا پھر میں نے داغ لگانا چھوڑا تو سلام کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مجھ سے جو بات ختم ہوئی تھی دوبارہ واپس آگئی یعنی فرشتوں کا سلام کرنا۔

امام احمد ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے داغ لگانے سے منع فرمایا پس ہم نے داغ لگایا تو ہمیں کامیابی نہ ہوئی۔ ۱۔

داغ اس صورت میں لگایا جاتا ہے جب خون زیادہ نکلنے لگے اور اس کے مادہ کو داغ لگانے کے بغیر روکا نہ جاسکے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کی تعریف کی پھر اس سے روک دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۰) ۲۔

۱۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود داغ اسی لئے لگوائے ہوں گے کہ شاید حرام نہ ہو بلکہ مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہو (زرقاتی ج ۷ ص ۱۳۳)۔

۲۔ آپ نے فرمایا: تین چیزوں میں شفاء ہے شہد پینا، سیکنی لگوانا اور آگ سے داغنا اور میں اپنی امت کو داغ لگانے سے منع کرتا ہوں (کیوں کہ اس میں جسم کو اذیت پہنچانا اور بد نما کرنا ہے لہذا دوسرے علاج کی موجودگی میں داغنے سے علاج نہ کیا جائے۔ ۱۲ ہزاروی)



اور آپ نے اس لئے ناپسند فرمایا کہ اس میں سخت تکلیف اور بہت بڑا خطرہ ہے۔ اسی لئے اہل عرب اپنی مثالوں میں کہتے تھے داغ لگانا آخری علاج ہے۔

اس سے ممانعت کراہت یا خلافِ اولیٰ پر محمول ہے کیونکہ احادیث کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ سامنے آتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے خاص ہے کیونکہ انہیں بوا سیر تھی اور یہ خطرناک جگہ تھی پس آپ کو داغ لگانے سے منع فرمایا پس جب انہیں سخت تکلیف ہوئی تو داغ لگایا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں:

داغ لگانے کی دو صورتیں ہیں ایک تندرست آدمی کو داغ لگانا کہ وہ بیمار نہ ہو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ داغ لگانے والا توکل نہیں کرتا کیونکہ وہ تقدیر کو دور کرنا چاہتا ہے اور تقدیر کو دور نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب زخم خراب ہو جائے یا عضو کاٹا جائے تو داغ لگوانا۔

اس صورت میں اس کے ذریعے علاج کرنا جائز ہے اور اگر کسی ایسی بیماری کے لئے داغ لگایا جائے جس کا محض احتمال ہے تو یہ خلافِ اولیٰ ہے کیونکہ اس طرح ایسے معاملے میں آگ کے ذریعے عذاب دینا ہے جو ثابت نہیں ہوا۔

### حتمی نتیجہ

دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا عمل جواز پر دلالت کرتا ہے اور عمل نہ کرنا منع کرنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اسے اختیار کرنے کے مقابلے میں چھوڑنے کو زیادہ ترجیح ہے اسی لئے چھوڑنے والے کی تعریف کی گئی ہے۔

جہاں تک نبی کا تعلق ہے تو وہ اختیار اور مکروہ تنزیہی کے طریقے پر ہے یا اس صورت میں منع ہے جب شفاء کے لئے یہ طریقہ متعین نہ ہو۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کیا حالانکہ آپ نے اس میں شفاء بھی ثابت کی ہے تو منع کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس طرح بیماری کو روکا جاسکتا ہے پس اس وجہ سے ناپسند کیا یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ بیماری آنے سے پہلے اس کی طرف جلدی کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں یہ عمل بیماری کو روک دیتا ہے پس داغ لگوانے والا ایک خیالی بات کی وجہ سے داغ لگا کر اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

”فتح الباری میں“ فرمایا کہ میں نے کسی صحیح روایت میں نہیں دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے خود داغ لگوا یا ہو مگر امام قرطبی نے طبری کی کتاب ”آداب النفوس“ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے داغ لگوا یا۔ اکیلمی نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا۔

روایت میں ہے کہ آپ نے اس زخم کے لئے داغ لگوا یا جو احد میں آپ کو لگا تھا۔ ابن حجر فرماتے ہیں صحیح روایات میں ثابت ہے کہ احد کے موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک چٹائی جلا کر (راکھ سے) آپ کے زخم کو بھر دیا تھا اور یہ داغ لگانے کی معروف صورت نہیں ہے۔



### طاعون کا نبوی علاج

خلیل نے کہا کہ طاعون وبا ہے۔ ابن اثیر کہتے ہیں طاعون ایک عام بیماری اور ایسی وبا ہے جس سے فضا خراب ہوتی ہے تو اس سے مزاجوں اور بدنوں میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا کہ طاعون ایک ایسا غالب درد ہے (تکلیف ہے) جس سے روح کمزور پڑ جاتی ہے اسے یہ نام اس لئے دیا کہ اس کے ذریعے مصیبت عام اور ہلاکت جلدی ہوتی ہے۔

ابوالولید باجی نے کہا کہ یہ بیماری بہت سے لوگوں کو کسی نہ کسی جہت سے لگتی ہے جب کہ عام معروف بیماریوں کا یہ معاملہ نہیں ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طاعون کی اصل جسم میں نکلنے والی پھسیاں ہیں اور وبا تمام بیماریوں میں سے عام ہے پس اسے طاعون کہا گیا کیونکہ یہ ہلاکت میں اس کے مشابہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ”تہذیب الاسماء واللغات“ میں فرمایا کہ یہ چھوٹی پھسیاں اور ورم (سوج جانا) ہے جس سے سخت درد ہوتا ہے۔ اور یہ پھوڑے جلن کے ساتھ نکلتے ہیں اور ان کے گرد جگہ سیاہ یا سبز یا نہایت سرخ ہو جاتی ہے اور میلے بنفشہ کارنگ پکڑتی ہے اس کے ساتھ دل مضطرب ہو جاتا ہے (خفقان پیدا ہوتا ہے) اور قے آتی ہے عام طور پر یہ جسم کے نرم حصوں اور بغلوں میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی ہاتھوں انگلیوں اور تمام بدن میں (یہ پھسیاں) نکلتی ہیں۔

ابن سیناء نے کہا کہ طاعون ایک زہریلا مادہ ہے جو ہلاکت خیز ہوتا ہے (جسم کی) نرم جگہوں اور بغلوں میں ظاہر ہوتا ہے عام طور پر بغلوں کے نیچے یا کان کے پیچھے یا ران کے شروع ہونے کی جگہ میں ہوتا ہے۔

اس کا سبب ایک ردی قسم کا ورم ہوتا ہے جو ہر لیے جو ہر میں بدل جاتا ہے جس سے عضو خراب ہو جاتا ہے اور اس کے ارد گرد جگہ میں تبدیلی آ جاتی ہے اس سے دل میں ایک گھٹیا قسم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو قے، منگی، غشی اور خفقان کا باعث ہوتی ہے اور گھٹیا ہونے کی وجہ سے یہ ان ہی اعضاء کو قبول کرتی ہے جو فطری طور پر کمزور ہوں اور اعضاء رئیسہ میں واقع ہونے والی وبا سب سے گھٹیا ہوتی ہے اس میں جو سیاہ ہے اس کی وجہ سے بہت کم لوگ موت سے بچتے ہیں اس سے زیادہ محفوظ سرخ پھر زرد رنگ ہے۔ وبا والے علاقوں میں طاعون دوسری وبا سے زیادہ پھیلتے ہیں۔ اسی لئے طاعون کو وبا اور وبا کو طاعون کہا گیا۔ اور وبا ہوا کے جواہر کا فساد ہوتا ہے اور یہ جواہر روح کا مادہ اور قوت ہوتے ہیں۔

حاصل مقام یہ ہے کہ طاعون کی حقیقت ایک ورم ہے جو خون کے جوش مار کر کسی عضو میں جانے سے پیدا ہوتا ہے اس کے علاوہ دوسری عمومی امراض ہوا کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں ان کو مجازی طور پر طاعون کہا جاتا ہے کیونکہ بیماری کے عام پھیلاؤ یا موت کی کثرت میں دونوں مشترک ہیں۔

طاعون وبا کا غیر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ طاعون مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو یہ سب سے زیادہ وبا والی زمین تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہوں (کفار قریش) نے ہمیں وبا والی زمین کی طرف نکالا (مجبور کیا)۔ ۱۔

۱۔ مدینہ طیبہ کی زمین میں بیماریاں نہیں لیکن سرکارِ مدینہ ﷺ کی برکت سے یہ زمین طیب اور پاک ہو گئی۔ ۱۲ ہزار روپی



اور طاعون جنوں کے طعن (چھونے) سے ہے اور طبیب حضرات نے اسے جنوں کا طعن ہونے کی وجہ سے نہیں چھیڑا کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کا ادراک عقل سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی پہچان صاحب شریعت کی طرف سے ہوتی ہے پس انہوں نے اپنے قواعد کے تقاضے کے مطابق اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

اس کے شیطانی اثرات میں سے ہونے پر دلیل یہ ہے کہ یہ عام طور پر سال کے بہترین موسم (یعنی بہار کے موسم) میں ہوتا ہے نیز ان شہروں میں جن کی ہوا بہت صحیح اور پانی نہایت عمدہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس کی وجہ ہوا کا فساد ہوتا تو یہ زمین میں ہمیشہ رہتا کیونکہ ہوا کبھی خراب اور کبھی صحیح ہوتی ہے جب کہ طاعون کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی آ جاتا ہے اور اس میں کوئی قیاس اور تجربہ کام نہیں دیتا بعض اوقات یہ ہر سال آتا ہے اور کبھی کئی سالوں تک نہیں ہوتا ہے اور اگر ہوا کی خرابی اس کا سبب ہوتی تو یہ تمام انسانوں اور حیوانوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ زیادہ لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن ان ہی لوگوں کے ہم مزاج ان کے قریب ہونے کے باوجود اس سے محفوظ رہتے ہیں۔

اور اگر یہ صورت ہوتی تو یہ بیماری تمام بدن میں پیدا ہوتی حالانکہ یہ بیماری جسم کے بعض حصوں کے ساتھ خاص ہے وہاں سے تجاوز نہیں کرتی۔

نیز ہوا کا فساد اخلاط (بلغم، سوداء وغیرہ) کی تبدیلی اور زیادہ بیماریوں کا تقاضا کرتی ہے اور یہ عام طور پر کسی مرض کے بغیر ہلاک کر دیتی ہے پس یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طاعون جنوں کے چھونے سے پیدا ہوتا ہے جس طرح اس کے بارے میں وارد احادیث سے ثابت ہے۔

ان احادیث میں سے ایک حدیث امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابو بکر بن ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ تمہارے دشمنوں جنوں کی طرف سے چھین ہے اور تمہارے لئے شہادت ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث زبانوں پر جاری ہے اور ”نہایہ میں“ ہرودی کی کتاب جو قرآن و حدیث کے غرائب (عجائب) کے بارے میں ہے کی اجاع میں اس لفظ کے ساتھ ذکر کیا کہ تمہارے بھائیوں کی طرف سے چھین ہے اور میں نے حدیث میں جو اسانید کے ساتھ مروی ہیں کافی تلاش کے باوجود کسی طریق میں یہ لفظ (تمہارے بھائیوں کی چھین) نہیں پایا نہ مشہور کتب میں اور نہ اجزائے منشورہ میں (کسی ایک مسند پر مکمل کتاب جز کہلاتی ہے) بعض حضرات نے اسے مسند احمد طبرانی یا ابن ابی الدنیا کی ”کتاب الطوائعین کی“ طرف منسوب کیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ نہیں ہے۔ صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں:

میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر اور تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا گیا جب تم کسی زمین میں اس (کی موجودگی) کے بارے میں سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی زمین میں طاعون پھیلے اور تم وہاں موجود ہو تو اس سے بھاگتے ہوئے وہاں سے نہ نکلو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۷۳-۵۷۲۸-۶۹۷۳، موطا مالک رقم الحدیث: ۸۹۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳-۹۴، مسند احمد



ج ۱۸۳-ج ۵ ص ۲۱۳

علمائے کرام نے باہر نکلنے سے متعلق نبی کے بارے میں کئی حکم ذکر کئے ہیں۔

(۱) عام طور پر طاعون کسی شہر میں پھیل جائے تو وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے پس جب طاعون واقع ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا سبب ان سب لوگوں سے متعلق ہو جاتا ہے جو وہاں رہتے ہیں لہذا بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ خرابی کا باعث جب متعین ہو جاتی کہ اس سے جدائی نہ ہو سکے تو بھاگنا بے کار ہوتا ہے پس یہ کسی عقلمند کے لائق نہیں ہے۔

(۲) جب لوگ مسلسل نکلنا شروع ہو جائیں تو جو شخص اس بیماری یا کسی دوسری بیماری کی وجہ سے عاجز ہو گا وہ ضائع ہو جائے گا کیونکہ زندہ یا مردہ کسی صورت میں بھی اس کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

(۳) نیز اگر لوگ نکلنا شروع ہو جائیں تو طاقت ور لوگ نکل جائیں گے اور یوں کمزوروں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور علماء کرام نے یہ بھی فرمایا کہ لڑائی سے بھاگنے پر سزا کے ذکر میں حکمت یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے جو بھاگ نہیں سکتے اور وہ دشمن سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے دونوں باتوں (نکلنے اور داخل ہونے) کو جمع کرتے ہوئے فرمایا: کہ ہوا اس اعتبار سے نقصان نہیں دیتی کہ وہ بدن کے ظاہر سے مل جاتی ہے بلکہ مسلسل ناک میں چڑھنے کی وجہ سے نقصان دہ ہے وہ دل اور پھیپھڑے تک پہنچ کر باطن میں اثر کرتی ہے اور ظاہری جسم پر اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب باطن میں اثر انداز ہو جاتی ہے پس جو شخص اس شہر سے نکلتا ہے جہاں یہ بیماری پھیلی ہے تو عام طور پر وہ اس سے بچ نہیں سکتا یہ اس کے اندر مستحکم ہو چکی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر تندرست لوگوں کو نکلنے کی اجازت دی جائے تو بیمار اس طرح باقی رہیں گے کہ ان کی تیمارداری کرنے والا کوئی نہیں ہوگا پس وہ ضائع ہو جائیں گے۔

(۴) ان احکام میں سے ایک وہ ہے جو اطباء نے ذکر کیا کہ جس جگہ وبا پھیلتی ہے وہاں رہنے والے لوگوں کے مزاجوں میں وہاں کی ہوا شامل ہو جاتی ہے اور ان کے لئے یہ اس طرح ہوتی ہے جس طرح دوسروں کے لئے صحیح فضا ہو پس اگر یہ ان جگہوں کی طرف جاتے ہیں جہاں یہ بیماری نہیں ہے تو وہ ان کو موافق نہیں آتی بلکہ جب وہاں کی ہوا ان کے ناک میں داخل ہوتی ہے تو اس کے ساتھ وہ ناقص بخارات بھی دل کی طرف جاتے ہیں جن کی وجہ سے بدن کی کیفیت بدل گئی پس وہاں سے نکلنا اس وجہ سے منع ہے۔

(۵) باہر جانے والا کہتا ہے اگر میں وہاں ٹھہر رہتا تو مجھے بھی یہ بیماری لگ جاتی اور وہاں ٹھہرنے والا کہتا ہے اگر میں نکل جاتا تو بچ جاتا اس طرح وہ اگر مگر کا شکار ہوتا ہے جو منع ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ کسی بلا (کے نازل ہونے) سے وہاں کے رہنے والوں کا قصد کیا جاتا ہے زمین کے اس ٹکڑے کا قصد نہیں ہوتا پس جس شخص پر اللہ تعالیٰ اس وبا کو نازل کرنے کا ارادہ کرے وہ اس پر ضرور نازل ہوگی وہ جہاں بھی جائے گا یہ بیماری اسے پالے گی پس شارع علیہ السلام نے ہمیں بے فائدہ مشقت کو چھوڑنے کا حکم دیا۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اباک و "لو" فان "لو" من الشیطان اپنے آپ کو "لو" یعنی اگر مگر سے بچاؤ کیونکہ یہ لفظ شیطان کی طرف سے ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میں ایسا کرتا تو یوں ہوتا اور یہ کرتا تو وہ ہوتا وغیرہ۔



ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس زمین میں داخل ہونے سے منع کیا جہاں یہ بیماری ہو اور جب کسی جگہ یہ نازل ہو تو وہاں سے نکلنے سے منع فرمایا اس طرح آپ نے دونوں کو جمع کر کے اچھی طرح بچاؤ کا راستہ بتایا کیونکہ وبا والی زمین میں داخل ہونے کی صورت میں خود اسے گلے لگانا اور اس کی قوت و شدت میں داخل ہونا اور خود اپنے خلاف اس کی مدد کرنا ہے اور یہ بات شریعت اور عقل دونوں کے خلاف ہے بلکہ اس زمین میں داخل ہونے سے بچنا وہ حفاظت ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی۔ اور یہ ایذا رساں جگہوں اور موذی فضا سے بچنا ہے۔

اور اس شہر سے نکلنے سے منع کرنے کے دو معنی ہیں۔

پہلی بات لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد نیز اس کے فیصلوں پر صبر کرنے اور راضی رہنے کی ترغیب ہے۔ اور دوسری بات جو ائمہ طب نے کہی ہے کہ جو شخص وبا سے بچنا چاہتا ہے اس پر واجب ہے وہ اپنے جسم سے فضول رطوبتوں کو نکال دے غذا کم کر دے اور ایسی تدبیر کی طرف متوجہ ہو جو زائد رطوبتوں کو ہر طرح سے خشک کر دے اور وبا والی زمین سے نکل کر سفر کرنا سخت حرکت کے بغیر نہیں ہوتا اور یہ بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔ یہ بعد کے افضل اطباء کا کلام ہے پس حدیث نبوی سے طبی معنی ظاہر ہو گیا نیز اس سے دل اور بدن کا علاج اور درستی بھی واضح ہو گئی۔

### غدد و کانونی علاج

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں نیز امام طبرانی اور بیہقی رحمہما اللہ نے بھی حضرت شریحیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری ہتھیلی پر غدد تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے مجھے تکلیف دی ہے یہ میرے اور ملکوار کے قبضہ کے درمیان رکاوٹ ہے میں اسے پکڑ نہیں سکتا اسی طرح جانور کی لگام بھی نہیں پکڑ سکتا آپ نے میری ہتھیلی پر دم کیا جس میں لعاب مبارک شامل تھا (تاکہ آپ کے لعاب مبارک کی برکت حاصل ہو) پھر اپنی ہتھیلی اس غدد پر رکھی اور اسے اپنی ہتھیلی سے مسلسل ملتے رہے حتیٰ کہ جب اس سے ہاتھ اٹھایا تو اس کا اثر دکھائی نہ دیا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ابیض بن جمال کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور انہیں قوبا بیماری تھی (اس سے جسم پر خارش ہوتی ہے اور چھلکے اترتے ہیں) آپ نے جس دن ہاتھ پھیرا اسی دن اس کا اثر زائل ہو گیا۔ اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۷۷)

### بخار اور طب نبوی

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

۱۔ ارشاد خداوندی ہے: وَلَا تَلْقُوا يَا بَنِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (خود اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ البقرہ: ۱۹۵)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کے جسم اقدس کو باعث شفا بنایا جس کی بے شمار مثالوں میں سے کچھ



الحمی من فیح جہنم فاطفئوها بالماء البارد۔  
بخار جہنم کے جوش سے ہے پس اسے ٹھنڈے پانی سے بجھاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۳-۵۷۲۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۸-۷۹-۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۷۱-۳۲۷۲ مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۱-ج ۲ ص ۲۱ سنن الداری ج ۲ ص ۳۱۶ المسند رک ج ۳ ص ۲۰۳ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۶ المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۲۶-ج ۱۲ ص ۲۳۰ مشکل الآثار ج ۲ ص ۳۳۳ مشکوٰۃ الصالحین رقم الحدیث: ۳۵۲۵ معنی ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۳۸ حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۶۱ الکامل فی الصغائر ج ۵ ص ۱۶۸۰ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۳۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۳۰-۲۸۲۳۷)

جہنم کی طرف اس کی نسبت میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ حقیقت ہے اور بخار میں مبتلا شخص کے جسم میں جوتپش ہوتی ہے وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے ان اسباب کے ساتھ مقدر کیا ہے جو اس کے متقاضی ہیں تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں جس طرح خوشی اور لذت کی مختلف انواع جنت کی نعمتوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دنیا میں سبق حاصل کرنے اور رہنمائی کے لئے ظاہر فرمایا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں تشبیہ ہے اور معنی یہ ہے کہ بخار کی گرمی جہنم کی گرمی کے مشابہ ہے تاکہ لوگ جہنم کی گرمی کی شدت سے آگاہ ہوں اور یہ سخت حرارت اس کی قباحت کے مشابہ ہے اور جو اس کے قریب ہوگا اسے اس کی گرمی پہنچے گی اور ارشاد نبوی "فاطفئوها" میں ہمزہ قطعی ہے اور اطلاقاً (باب افعال) سے ہے اور طبرانی کی روایت میں یوں ہے:

الحمی حظ المؤمن من النار۔ بخار مؤمن کا جہنم سے حصہ ہے۔

(یعنی اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی سزا اسے جہنم میں نہیں دے گا اس کی جگہ اسے بخار میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی) "صحیح بخاری و مسلم میں ہے" حضرت تافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الحمی او شدة الحمی من فیح جہنم بے شک بخار یا (فرمایا:) بخار کی شدت جہنم کے فابردوھا بالماء۔ جوش سے ہے پس اسے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو۔

"فابردوا" میں ہمزہ وصل ہے اور مشہور قول کے مطابق راء پر ضمہ (پیش ہے) اور راء کا کسرہ (زیر) بھی منقول ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں "بالماء البارد" کے الفاظ ہیں (یعنی ٹھنڈے پانی کے ساتھ)۔

ابو جمرہ کی روایت میں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا یوں ہے فرماتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا تو مجھے بخار ہو گیا پس میں کچھ دن رک گیا آپ نے پوچھا تم کس وجہ سے رکے رہے؟ میں نے عرض کیا بخار کی وجہ سے فرمایا: اسے زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الحمی من فیح جہنم فابردوھا بالماء او بخار جہنم کے جوش سے ہے پس اسے پانی کے ساتھ بماء زمزم۔ ٹھنڈا کرو یا فرمایا: زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

راوی (ہام ابن یحییٰ بصری جو ابو جمرہ سے نقل کرتے ہیں کو شک ہے کہ بالماء فرمایا یا بماء زمزم فرمایا)۔



ابن قیم نے کہا کہ ”بالماء“ میں دو قول ہیں۔  
 ایک یہ کہ اس سے ہر قسم کا پانی مراد ہے اور یہی صحیح بات ہے اور دوسرا یہ کہ اس سے ماء زمزم مراد ہے۔  
 پھر ابن قیم نے ابو جرہ کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس کے راوی نے اس میں شک کیا اور اگر وہ حتمی طور پر  
 بیان کرتے تو اہل مکہ کو ماء زمزم کا حکم ہوتا کیونکہ ان کے لئے یہ آسان ہے اور دوسرے لوگوں کو اس پانی کا حکم ہوتا جو ان  
 کے پاس ہے۔

اس قول کا یوں رد کیا گیا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے عفان بن ہام سے ان الفاظ میں روایت کیا:  
 فابو دواہا بقاء زمزم۔  
 زمزم کے پانی سے اس (بخار) کو ٹھنڈا کرو۔

اس روایت میں شک کے ساتھ بیان نہیں کیا اسی طرح امام نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بھی نقل کیا۔  
 ابن قیم نے کہا کہ جن لوگوں نے (پانی میں) عموم کا قول کیا ہے انہوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کہ کیا اس سے  
 پانی کا صدقہ کرنا مراد ہے یا استعمال کرنا یہ دو قول ہیں اور صحیح یہ ہے کہ استعمال کرنا مراد ہے۔

اور میرا (مصنف کا) خیال ہے کہ جس (یعنی ابن انباری) نے صدقہ کرنے کا قول کیا ہے اس پر بخار کی حالت میں  
 ٹھنڈے پانی کا استعمال مشکل ہو گیا اور وہ اس کی وجہ سمجھ نہ سکا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے قول کی ایک عمدہ وجہ ہے وہ یہ  
 کہ جزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے وہ یوں کہ جس طرح پیاس کی گرمی اور جوش کو پیاس سے آدھی سے ٹھنڈے پانی کے ذریعے  
 بجھایا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس سے بخار کے جوش کو پورے پورے بدلے کے ساتھ دور فرما دے گا۔

خطابی وغیرہ نے کہا کہ بعض نا سمجھ طبیبوں نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ بخار میں جلا آدھی کو ٹھنڈے پانی سے  
 غسل دینے میں اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ ہلاکت کے قریب ہو جائے کیونکہ اس سے مسام بند ہو جاتے ہیں اور بخارات  
 رک جاتے ہیں اور جسم کی اندرونی حرارت پلٹ آتی ہے پس یہ ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

کسی ایسے شخص نے جو علم کی طرف منسوب ہوتا تھا (یا حدیث پر عمل میں معروف تھا) اس نے غلطی کی اور پانی میں  
 غوطہ لگا دیا جب کہ اسے بخار تھا پس اس کے بدن میں حرارت رک گئی تو اسے سخت بیماری لگ گئی حتیٰ کہ وہ ہلاکت کے  
 قریب ہو گیا پس جب اس کی بیماری دور ہو گئی تو اس نے اس قدر بری بات کہی کہ اس کا ذکر کرنا اچھا نہیں تو اسے حدیث  
 کے مفہوم سے جہالت نے اس میں جلا کیا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۱۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس سینے سے نکلا ہے جسے حدیث شریف کی صداقت میں شک ہے۔  
 لہذا اس سے پہلے تو یہ کہا جائے گا کہ تم نے اس حکم کو غسل کرنے پر کیسے محمول کیا جب کہ حدیث صحیح میں کیفیت بھی  
 بیان نہیں ہوئی چہ جائیکہ یہ غسل کے ساتھ خاص ہو؟ حدیث شریف میں بخار کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرنے کی رہنمائی ہے اگر  
 تجربے سے ظاہر ہو یا عمل طب کا تقاضا ہو کہ ہر بخار والے کو پانی میں غوطہ دینا یا اس کے تمام بدن پر پانی ڈالنا اسے نقصان  
 پہنچاتا ہے تو یہ (طریقہ) مراد نہیں ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ پانی کو اس طریقے سے استعمال کیا جائے جو نفع دے پس اس طریقے سے بحث کی  
 جائے تاکہ اس سے نفع حاصل ہو۔



اور یہ اسی طرح ہے جس طرح نظر لگانے والے کے بارے میں آپ نے غسل کا حکم دیا اور اسے مطلق رکھا۔ اور دوسری حدیث سے واضح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مطلق غسل کا ارادہ نہیں فرمایا۔

بلکہ ایک مخصوص کیفیت کے مطابق غسل کا ارادہ فرمایا۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے بخار کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا اس پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے وہ بخار والے کے جسم پر کچھ پانی اس کی چھاتی اور کپڑوں پر چھڑکتی تھیں تو یہ ایسا منتر ہے جس کی اجازت دی گئی اور صحابی بالخصوص حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما جیسی شخصیت جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے خانہ اقدس کی حاضری کو لازم کر رکھا تھا رسول اللہ ﷺ کی مراد کو دوسروں کی نسبت زیادہ جانتی تھیں۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۱۷)

ابو نعیم وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) جب تم میں سے کوئی ایک بخار میں مبتلا ہو تو اس پر تین راتیں سحری کے وقت پانی چھڑکا جائے۔

مازری نے کہا اس میں شک نہیں کہ دیگر علوم کے مقابلے میں علم طب کی تفصیل زیادہ ضروری ہے حتیٰ کہ بیمار کو ایک وقت ایک دوائی دی جاتی ہے تو اسی وقت اسے کسی عارضے کی وجہ سے بیماری لگ جاتی ہے مثلاً غصے کی وجہ سے اس کا مزاج گرم ہو جاتا ہے پس اس کا علاج بدل جاتا ہے اور اس قسم کی صورت حال اکثر پیش آتی ہے۔

پس جب ایک حالت میں کسی شخص کے لئے شفاء کا پایا جانا فرض کیا جائے تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اسے یا کسی دوسرے آدمی کو ہر حالت میں شفاء حاصل ہو۔

اور اس بات پر اطباء کا اتفاق ہے کہ عمر زمانے عادت پہلے کھائی جانے والی غذا اور اس کی معروف تاثیر اور طبیعتوں کی قوت کے بدل جانے سے ایک بیماری کا علاج مختلف ہو جاتا ہے اور اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ یہ علاج مخصوص وقت میں ہو تو یہ ان خواص میں سے ہوگا جن پر نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے مطلع کیا گیا اس وقت اہل طب کا تمام کلام کمزور پڑ جائے گا (کیونکہ یہ نبی اکرم ﷺ کا معجزہ ہے)۔

ابن قیم نے اس حدیث میں پائے جانے والے نبی اکرم ﷺ کے خطاب کو اہل حجاز اور ان سے متصل لوگوں کے ساتھ خاص قرار دیا ہے کیونکہ ان لوگوں کو لاحق ہونے والے اکثر بخار یومیہ ہوتے تھے جو سورج کی شدید حرارت کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے۔

ابن قیم نے کہا اس بخار میں ٹھنڈا پانی نفع دیتا ہے چاہے پانی پیا جائے یا غسل کیا جائے کیونکہ ایک عجیب قسم کی گرمی ہے جو دل میں مشتعل ہوتی ہے اور روح اور خون کے ذریعے رگوں میں پھیلتی ہوئی تمام جسم تک چلی جاتی ہے۔

## بخار کی اقسام

بخار دو قسموں پر مشتمل ہے۔

ایک وہ جو عارضی ہے اور یہ ورم حرکت سورج کی گرمی یا سخت حرارت میں سے کسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اور دوسرا بخار بیماری ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اور یہ کسی مادہ کی وجہ سے ہوتا ہے پھر اس میں سے بعض تمام بدن کو گرم کر دیتے ہیں پس اگر اس کے تعلق کی ابتدا روح



سے ہو تو وہ ایک دن کا بخار ہے اور وہ عام طور پر ایک دن میں ختم نہیں ہوتا اور زیادہ سے زیادہ تین دن ہوتا ہے۔  
(۲) اور اگر اس کا تعلق اعضائے اصلیہ سے ہو تو وہ دق (ٹی بی) کا بخار ہے اور یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔  
(۳) اور اگر اس کا تعلق اخلاط سے ہے (مثلاً صفرا وغیرہ کی وجہ سے ہے یا بلغم کی وجہ سے) تو اسے عفیہ کہتے ہیں اور یہ اخلاط کی تعداد کے مطابق ہوتا ہے یعنی صفراوی، سوداوی، بلغمی اور دموی ان مذکورہ انواع کے تحت بہت سی اقسام ہیں جو ان اخلاط کے اکیلے اکیلے ہونے یا اخلاط کے باہم مل جانے سے بنتی ہیں۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہو سکتا ہے پہلی قسم مراد ہو اور وہ (بخار) ٹھنڈے پانی میں غوطہ لگانے اور برف وغیرہ کے ذریعے ٹھنڈا کئے گئے پانی کے پینے سے ختم ہو جاتا ہے اور کسی دوسرے علاج کی ضرورت نہیں رہتی۔  
جالینوس نے کہا اگر کسی نو جوان کا گوشت سخت اور بدن بڑھنے والا ہو اس کی آنتوں میں ورم نہ ہو تو اس کو ٹھنڈے پانی سے غسل دیا جائے اور وہ سخت گرمی کے وقت اس میں تیرے جب بخار اپنی انتہاء کو پہنچ جائے اس سے اس کو نفع ہوگا۔  
حدیث شریف میں بار بار آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیماری کے دوران ٹھنڈا پانی استعمال کیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا:

صو علی من سبع قرب لم تحلل  
مجھ پر سات مشکیزے پانی ڈالو جن کی رسیاں کھولی نہ  
گئی ہوں۔

او کیتھن۔  
مسند وغیرہ میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی روایت ہے وہ حضرت سرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ:  
الحمی قطعة من النار فابردوها عنکم  
ٹھنڈے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو۔  
بالماء البارد۔

اور نبی اکرم ﷺ کو جب بخار ہوتا تو آپ پانی کا ایک مشکیزہ منگوا کر اپنے سرانور پر ڈالتے اور غسل فرماتے۔  
اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا لیکن فرمایا: کہ اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے۔  
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک کو بخار ہو تو تین راتیں سحری کے وقت اس پر ٹھنڈا پانی چھڑکا جائے یہ حدیث امام طحاوی اور ابو نعیم نے طب کے بیان میں ذکر کی ہے۔  
طبرانی نے حضرت عبدالرحمن بن مرقع سے مرفوعاً نقل کیا کہ بخار موت کا پیغام رساں ہے اور زمین میں اللہ تعالیٰ کا قید خانہ ہے پس اس کے لئے پرانے مشکیزے میں پانی ٹھنڈا کرو اور مغرب و عشاء کی اذانوں کے درمیان اپنے اوپر ڈالو فرماتے ہیں: ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تو ان کا بخار چلا گیا۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث نقل کی ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک کو بخار ہو اور یہ (بخار) جہنم کا ایک ٹکڑا ہے تو وہ اسے اپنے آپ سے پانی کے ساتھ بجھائے جاری نہر میں دیر تک نہائے اور جدھر سے وہ جاری ہوئی ہے اس کی طرف منہ کر کے یوں کہے:

بسم اللہ الہم اشف عبدک وصدق  
یا اللہ! اپنے بندے کو شفاء دے اور اپنے رسول اللہ  
(کی بات) کو سچا کر دے۔  
رسولک۔



یہ عمل صبح کی نماز کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے کرے اور اس میں تین دن تین غوطے لگائے اگر ٹھیک نہ ہو تو پانچ ور نہ سات اور اگر پھر بھی ٹھیک نہ ہو تو نو دن ایسا کرے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نو دن سے تجاوز نہیں کرے گا۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں سعید بن زرعہ ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۳، مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۱، مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۱۵۸۲، الملای، المصنوع ج ۳ ص ۲۱۸)

موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۲۶۹، عمل الیوم واللیل رقم الحدیث: ۵۶۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۳۳)

### خارش اور جوؤں کا نبوی علاج

جب خارش کا سبب گرمی، خشکی اور سخت کھردرا لباس ہے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کو خارش کی وجہ سے جس میں وہ دونوں مبتلا تھے ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی جیسا کہ ”صحیح بخاری میں“ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو ریشمی قمیص کی اجازت دی کیونکہ ان دونوں حضرات کو خارش تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد الرحمن اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی (راوی کہتے ہیں) یعنی جوؤں کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو ریشمی لباس کی اجازت دی چنانچہ میں نے جہاد کے موقعہ پر ان پر ریشمی لباس دیکھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اجازت دی یا (یوں ہے کہ) ان دونوں کو خارش کی وجہ سے اجازت دی گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۱۹-۲۹۲۱-۵۷۹۵)

یہ بھی احتمال ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو الگ بیماری ہو (ایک کو خارش دوسرے کو جوؤں کی تکلیف) یا یہ کہ خارش جوؤں کی وجہ سے لگتی ہے پس علت کی نسبت کبھی سبب کی طرف (یعنی جوؤں کی طرف) اور کبھی مسبب (یعنی خارش) کی طرف کی گئی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث واضح طور پر امام شافعی اور ان کے موافقین کے مذہب پر دلالت کرتی ہے کہ جب کسی مرد کو خارش ہو تو اس کے لئے ریشم پہننا جائز ہے کیونکہ اس میں ٹھنڈک ہوتی ہے اسی طرح جوؤں اور اس قسم کی دوسری تکالیف میں بھی جائز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

امام نووی کے قول کہ اس میں ٹھنڈک ہوتی ہے کا تعاقب کیا گیا کہ ریشم تو گرم ہوتا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ ریشم کی اس خاصیت کی وجہ سے اجازت دی جو خارش اور جوؤں کو دور کر دیتی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جب ریشم کا لباس بنایا جائے تو اس کے مزاج کی حرارت معتدل ہو جاتی ہے اور یہ بدن کو گرم رکھتا ہے اور بعض اوقات یہ موٹا ہونے کی وجہ سے جسم کو ٹھنڈا رکھتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ریشم سوت سے گرم اور روئی کے مقابلے میں ٹھنڈا ہوتا ہے اور گوشت کو بڑھاتا



ہے کھردرا لباس کمزور کرتا اور جلد کو خشک کرتا ہے اور پیڑے گرم رکھتے اور خشکی پیدا کرتے ہیں اور سوتی کپڑے ریشمی کپڑے اور روئی سے بنے ہوئے کپڑے خشکی پیدا کرتے ہیں اور گرمی پیدا نہیں کرتے۔

پس سوتی کپڑے ٹھنڈے خشک ہوتے ہیں اور اورانی کپڑے گرم خشک ہوتے ہیں اور روئی سے بنے ہوئے کپڑوں کی حرارت معتدل ہوتی ہے ریشمی کپڑے روئی کے کپڑوں سے زیادہ نرم اور کم گرمی والے ہوتے ہیں۔

پس جب ریشمی کپڑوں میں خشکی اور گرمی اس طرح نہیں جس طرح دوسرے کپڑوں میں ہوتی ہے تو یہ خارش کے لئے نفع بخش ہیں کیونکہ خارش گرمی خشکی اور کھردرے پن سے ہوتی ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے خارش کے علاج کے لئے ان دونوں حضرات کو ریشم کی اجازت دی۔

### نبی اکرم ﷺ کو خیبر میں جوز ہر دیا گیا اس کا علاج

اس سے پہلے غزوہ خیبر کے ذکر میں اس یہودیہ عورت کا قصہ بیان ہو چکا ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں زہر آلود بکری بطور تحفہ بھیجی۔

عبدالرزاق نے حضرت معمر سے انہوں نے حضرت زہری سے اور انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن کعب بن مالک (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا کہ ایک یہودی عورت نے خیبر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک بھنی ہوئی بکری بطور ہدیہ بھیجی آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ ہدیہ ہے اسے ڈر تھا کہ صدقہ کہنے کی صورت میں آپ تناول نہیں فرمائیں گے پس نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے اسے کھانا شروع کیا پھر فرمایا رک جاؤ اس کے بعد اس عورت سے فرمایا: کیا تم نے اس بکری میں زہر ڈالا ہے؟ اس نے کہا: آپ کو کس نے بتایا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس ہڈی نے اس کی پنڈلی کے بارے میں فرمایا جو آپ کے دست مبارک میں تھی اس عورت نے کہا: جی ہاں میں نے اس میں زہر ڈالا ہے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا میں نے ارادہ کیا تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو آپ سے لوگوں کو آرام مل جائے گا اور اگر آپ نبی ہیں تو یہ آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ راوی فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے کو لہو پر تین بار ہچھنے لگوا یا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹۸ دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۶۱ التلخیص ج ۱۸ ص ۱۵۹-۱۷۹ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰۵ مصنف ابن ابی شیبہ

ج ۲ ص ۱۲۵ ج ۳ ص ۱۵۱ ج ۸ ص ۱۸۲ التلخیص ج ۵ ص ۲۷۱)

علماء کرام زہر کے علاج کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ قے کروانے کے ذریعے اور ان دوائیوں کے ذریعے زہر کا علاج کیا جائے جو اس کا توڑ ہوں اور اسے ختم کر دیں یا تو اپنی کیفیت کے ذریعے یا خواص کے ذریعے (اسے ختم کرے) اور جس کے پاس دوائی نہ ہو وہ جامع علاج کی طرف جلدی کرے اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ نفع بخش ہچھنے لگانا ہے (خون نکالنا)۔ خصوصاً جب گرم علاقوں میں ہو کیونکہ زہر کی قوت خون میں سرایت کرتی ہے اور اسے رگوں اور خون جاری ہونے کے دیگر راستوں میں لے جاتی ہے حتیٰ کہ دل اور اعضاء تک پہنچ جاتا ہے پس جب زہر دیئے گئے شخص سے جلدی جلدی خون نکالا جائے تو اس کے ساتھ وہ زہریلی کیفیت بھی نکل جاتی ہے جو اس سے مل چکی تھی اور اگر اچھی طرح قے کروائی جائے تو زہر نقصان نہیں دے گا بلکہ یا تو چلا جائے گا یا کمزور ہو جائے گا پس اس پر طبیعت کو قوت حاصل ہوگی اور زہر کا عمل باطل یا کمزور ہو جائے گا۔



نبی اکرم ﷺ نے جب کچھ لگوایا تو دونوں کا ندھوں کے درمیان لگوایا کیونکہ یہ دل کے زیادہ قریب ہے پس خون کے ساتھ زہریلا مادہ نکل گیا لیکن مکمل طور پر نہ نکلا بلکہ اس کا اثر باقی رہا البتہ کمزور تھا، مکمل طور پر زائل نہ ہونے میں حکمت خداوندی یہ تھی کہ شہادت کے ذریعے آپ کو فضیلت کے تمام مراتب میں کمال حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فضل و شرف میں اضافہ فرمائے۔ آمین

### تیسری نوع

## قدرتی اور طبعی مرکب ادویہ سے حضور ﷺ کا علاج کرنا

### زخم اور ہر تکلیف سے طب نبوی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ بیمار کے لئے یہ کلمات پڑھتے:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرَبُّهُ اَرْضِنَا وَرَبِّقَهُ بَعْضُنَا يَشْفِي سَقِيمَنَا.

اللہ کے نام سے یہ ہماری زمین کی مٹی اور ہمارے بعض کا لعاب ہے بیمار کے لئے شفاء کا ذریعہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ دم کرتے ہوئے یوں فرماتے:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرَبُّهُ اَرْضِنَا وَرَبِّقَهُ بَعْضُنَا يَشْفِي سَقِيمَنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا.

اللہ کے نام سے یہ ہماری زمین کی مٹی اور بعض کا لعاب ہے جو ہمارے رب کے حکم سے ہمارے بیمار کو شفاء دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۶-۵۷۳۵، مسند احمد ج ۶ ص ۹۳، المستدرک ج ۳ ص ۳۱۲، مشکوٰۃ المصابیح للشمس یزی رقم الحدیث: ۱۵۳۱، المغنی ج ۱ ص ۳۳۰، ج ۲ ص ۲۷۷، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۵۲، شرح السنن ج ۵ ص ۲۲۲، اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۱۰۶، ج ۶ ص ۲۹۷، الاسرار المفیہ رقم الحدیث: ۲۰۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۵۳۵)

مسلم کی روایت میں ہے کہ جب کسی انسان کو تکلیف ہوتی یا کوئی زخم ہوتا تو آپ اپنی انگلی سے یوں کرتے (یہ بات ذکر کرتے ہوئے) ابوسفیان (راوی) نے اپنی شہادت کی انگلی کو زمین پر رکھا۔

”تربة ارضنا“ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ”هذه تربة ارضنا“ اور ”یشفی سقیمنا“ میں حرکات دو طرح ہیں پہلے حرف (یا) پر ضمہ ہے اور یہ مجہول کا صیغہ ہو اور ”سقیمنا“ مرفوع پڑھیں (نائب فاعل ہونے کی وجہ سے) یعنی ہمارے بیمار کو شفا حاصل ہو (یا پہلے حرف ”یا“ پر فتح ہو اور فاعل مقدر ہو سقیمنا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ نے اپنا لعاب مبارک اپنی شہادت والی انگلی پر لیا پھر اس کو مٹی پر رکھا تو اس کے ساتھ کچھ مٹی لگ گئی پھر اسے اس جگہ پر ملا جہاں تکلیف تھی یا زخم تھا اور ملتے وقت مذکورہ کلمات کہے۔



امام قرطبی کہتے ہیں بعض لوگوں کے خیال کے مطابق اس میں رازیہ ہے کہ زمین کی مٹی ٹھنڈی اور خشک ہونے کی وجہ سے تکلیف والی جگہ کو ٹھیک کر دیتی ہے اور خشکی کی وجہ سے اس تک مواد نہیں پہنچتا اس کے علاوہ اس سے زخم کے خشک اور مندمل ہونے کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

انہوں نے لعاب کے بارے میں کہا کہ یہ زخم اور ورم کو کھولنے پکانے اور درست کرنے کے ساتھ خاص ہے خصوصاً جب روزہ دار اور بھوکے آدمی کا لعاب ہو۔

اس کلام کو نقل کرنے کے بعد امام قرطبی نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا کہ یہ طریقہ اس وقت پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے جب دستور کے مطابق علاج ہو یعنی مٹی اور لعاب کی مقدار کا خیال رکھا جائے اور اس کے اوقات کی پابندی بھی کی جائے ورنہ انگشت شہادت پر لعاب لگا کر اس کو زمین پر رکھنے سے کوئی اثر نہیں ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ اور اس کے رسول ﷺ کے آثار مبارکہ سے برکت حاصل کرنا ہے جہاں تک انگلی کو زمین پر رکھنے کا تعلق ہے تو شاید کسی خصوصیت کی وجہ سے ایسا ہو یا اس میں حکمت یہ ہو کہ قدرت کے مخفی آثار اسباب عادیہ سے مل جائیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ (شرح مصابیح میں) فرماتے ہیں: میں نے طبی بحثوں میں دیکھا ہے کہ زخم کو پکانے اور مزاج کو اعتدال پر رکھنے میں لعاب کا عمل دخل ہوتا ہے اور کسی علاقے کی مٹی مزاج کی حفاظت اور ضرر کو دور کرنے میں اثر رکھتی ہے اطباء نے ذکر کیا کہ اگر کوئی شخص سفر میں اپنے علاقے کا پانی نہ لے جاسکے تو وہاں کی مٹی ساتھ لے جائے حتیٰ کہ جب مختلف پانیوں پر جائے تو اپنے مشکیزے میں تھوڑی سی مٹی ڈال دے تاکہ اس پانی کے نقصان سے محفوظ رہے پھر دم جھاڑے کے عجیب آثار ہیں جن کی گہرائی تک پہنچنے سے عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

تورپشتی نے کہا کہ مٹی سے مراد مادہ منویہ کی طرف اشارہ ہے گویا آپ نے زبان حال سے فریاد کی کہ (اے اللہ!) تو نے اصل اول (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو کمزور پانی سے وجود دیا پس جس کی یہ شان ہے اسے (بیماری سے) شفا دینا تیرے لئے آسان ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بارضنا" (ہماری زمین) سے مدینہ طیبہ کی سرزمین مراد ہے کیونکہ وہ بابرکت ہے اور "بعضنا" سے رسول اکرم ﷺ خود مراد ہیں کیونکہ آپ کے لعاب مبارک کو شرف حاصل ہے پس یہ عمل خاص ہے۔ لیکن یہ محل نظر ہے (کیونکہ تخصیص پر کوئی دلیل نہیں)۔ ۱۔

امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور وہ بیمار تھے تو آپ نے یوں دعا کی:

اکشف الباس رب الناس۔  
لوگوں کے رب! تکلیف دور کر دے۔

پھر وادی بطنان کی مٹی لے کر اسے پیالے میں ڈالا اور اس پر لعاب مبارک ڈالا اس کے بعد اسے حضرت ثابت پر ڈال دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں بیان کیا گیا طریقہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے جسے آپ نے دم کیا۔ ۱۔ طیبی فرماتے ہیں تربة (مٹی) کی ارضنا (ہماری زمین) کی طرف اضافت "وربقة بعضنا" کے الفاظ تخصیص پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ وہ خاک پاک اور لعاب مبارک ایسے شرف والے مکان سے مختص ہیں جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے (زرقاتی ج ۷ ص ۱۳۹)۔



## بچھو کے ڈسنے کا نبوی علاج

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرنے لگے تو بچھو نے آپ کی انگلی کو ڈس لیا سلام پھیرنے کے بعد آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بچھو پر لعنت فرمائے یہ نبی اور غیر نبی کسی کو نہیں چھوڑتا پھر ایک برتن منگوایا جس میں پانی اور نمک تھا آپ نے ڈسے ہوئے مقام کو پانی اور نمک میں رکھا اور ”سورۃ اخلاص“ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس“ پڑھنا شروع کر دی حتیٰ کہ درد رک گیا۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے بچھو (کے ڈسے ہوئے) کا علاج معوذتین (الفلق اور الناس) کے ذریعے کیا اور اس جگہ پر پانی ملتے تھے جس میں نمک تھا۔

یہ طب مرکب ہے جو فطری اور خداوندی ہے کیونکہ سورۃ اخلاص میں توحید کے تین اصول جمع ہیں ۱۔ اور معوذتین میں ہر مکروہ سے پناہ مانگنے کا تفصیلاً و اجمالاً دونوں طرح ذکر ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو ہر نماز کے بعد معوذتین پڑھنے کا حکم دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۶۳)

اور اس میں ایک بہت بڑا راز ہے کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک شر کو دور کرنے کی دعا کی جاتی ہے۔ پانی اور نمک طب طبعی ہے کیونکہ نمک میں بہت سے زہروں سے بالخصوص بچھو کے کاٹنے سے بچاؤ اور نفع ہے اور اس میں قوت جذب ہے یہ زہروں کو جذب کر کے بدن سے نکال دیتا ہے اور جب بچھو کے کاٹنے میں آگ والی قوت ہے تو اسے ٹھنڈا کرنے اور جذب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے پانی اور نمک کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا۔

## پھنسی کا نبوی علاج

”النملہ“ نون پرزبر اور میم ساکن ہے یہ ایک پھنسی ہے جو پہلو میں نکلتی ہے اور اسے نملہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پھنسی والا اس جگہ پر یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اس پر چیونٹی چل رہی ہے اور اسے کاٹتی ہے۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زہریلے جانور کے ڈسنے، نظر لگنے اور نملہ (پھنسی) کی صورت میں دم کرنے کی اجازت دی۔

خلال نے روایت کیا کہ شفاء بنت عبداللہ دور جاہلیت میں پہلو کی پھنسی کا دم کرتی تھیں جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی طرف ہجرت کی اور انہوں نے مکہ مکرمہ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی تو عرض کیا یا رسول اللہ! میں بچپن میں پہلو کی پھنسی کا دم کرتی تھی اور میں چاہتی ہوں کہ اسے (اس کے الفاظ کو) آپ کے سامنے پیش کروں چنانچہ انہوں نے آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ صَلَّتْ حَتّٰی تَعُوْذَ مِنْ اَلْوَاهِيْهَا وَلَا تَقْضُرْ اَحَدًا اَللّٰهُمَّ اكْشِفِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے وہ چلی جائے حتیٰ کہ وہ اپنے منہوں سے لوٹ آئے اور وہ کسی کو نقصان نہ دے یا اللہ! اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور حمدیت (بے نیازی) یہ تین اصول توحید ہیں کہ وہ اپنی ذات و صفات میں واحد ہے اور بے نیاز ہونے میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کی اولاد نہیں اور نہ اس کو اولاد کی حاجت ہے (زر قانی ج ۷ ص ۱۵۰)۔



نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ کلمات بخور (خوشبو) پر سات مرتبہ دم کرو اور پھر پاک جگہ میں پتھر پر نہایت تیز سر کے کے ساتھ ملا کر رگڑیں اور غلہ پھنسی پر لپ کریں۔ ۱۔

### انگلیوں کے درمیان پھنسی کا نبوی علاج

امام نسائی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کی ایک زوجہ (حضرت عائشہ) رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس ذریہ (خوشبو) ہے؟ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے اسے منگوایا اور پاؤں کی دو انگلیوں کے درمیان پھنسی پر رکھا پھر فرمایا:

اے بڑے کو لے جانے والے! اور چھوٹے کو بڑا کرنے والے! اے مجھ سے دور کر دے۔

آلہم مٹھیء الکبیر و مکبر الصغیر

آطفتھا عتی۔

پس وہ پھنسی ختم ہو گئی۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۰، مستدرک ج ۳ ص ۲۰۷، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۹۵، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۸۰، عمل الیوم والیلہ رقم الحدیث: ۶۲۹۰، الاحکام للذہبی ج ۲ ص ۱۳۹، الاذکار رقم الحدیث: ۱۲۱، لسان العرب ج ۵ ص ۳۳)

### آگ سے جلنا اور طب نبوی

امام نسائی نے حضرت محمد بن حاطب سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے ہنڈیا پکڑی تو اس کا پانی میری ہتھیلی پر گرا جس سے ہتھیلی کی پیٹھ جل گئی میری والدہ مجھے نبی اکرم ﷺ کے پاس لے کر گئیں تو آپ نے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا:

اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دے۔

اذهب البأس رب الناس۔

راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی کہا:

واشف انت الشافی۔

اور شفاء عطا فرما! تو شفا دینے والا ہے۔

### طب نبوی اور حفاظتی تدابیر

اس کی دو قسمیں ہیں ایک مرض کے آنے سے بچاؤ اور دوسرا اس کے بڑھنے سے بچاؤ تاکہ وہ اپنی جگہ پر ٹھہر جائے پہلی قسم سندرست لوگوں سے متعلق ہے اور دوسری قسم کا تعلق بیماروں سے ہے جب بیمار حفاظتی تدبیر اختیار کرتا ہے تو اس کا مرض بڑھنے سے رک جاتا ہے اور اسے دور کرنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔

حفاظتی تدابیر کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی دلیل ہے: وان کنتم مراضی او علی سفر سے تو بیمار کو پانی کے استعمال سے بچنے کا حکم دیا کیونکہ یہ نقصان پہنچاتا ہے جیسا کہ اس مقصد (بیان) کے شروع میں اس طرح اشارہ کیا گیا۔ بعض فاضل طبیب فرماتے ہیں کہ ”رأس الطب الحمیة طب کی اصل پرہیز ہے۔“

ان کے نزدیک صحیح آدمی کا (مطلقاً ہر چیز سے) پرہیز کرنا نقصان پہنچانے میں اسی طرح ہے جیسے بیمار یا بیماری سے ٹھیک ہونے والے کمزور آدمی کا کوئی مضر چیز کھانا اور جو شخص بیماری سے صحت یاب ہو لیکن ابھی مکمل طور پر صحت حاصل نہ لے ایک روایت میں ہے حضرت شفاء فرماتی ہیں میں حضرت حصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا

کیا حرج ہے کہ تم یہ دم حضرت حصہ رضی اللہ عنہا کو سکھاؤ جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا؟ (زر قانی ج ۷ ص ۱۵۱)



ہوئی ہو اس کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش چیز پرہیز ہے کیونکہ مضر اشیاء کھانے سے بیماری واپس آ جاتی ہے اور بیماری کا لوٹنا اس کی ابتداء سے زیادہ سخت ہے۔

جو شخص بیماری سے مکمل طور پر صحت یاب نہ ہو اس کے لئے پھل نقصان دہ ہیں کیونکہ وہ فوراً تبدیلی لاتے ہیں اور طبیعت میں قوت نہ ہونے کی وجہ سے دفاع نہیں ہو سکتا۔

”سنن ابن ماجہ میں“ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے روٹی اور کھجور تھی آپ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ اور کھاؤ میں نے کھجور پکڑی اور کھانے لگا تو آپ نے فرمایا: تم کھجور کھاتے ہو حالانکہ تمہاری آنکھوں میں تکلیف ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دوسری طرف سے چباتا ہوں اس پر رسول اکرم ﷺ مسکرائے۔

اس حدیث میں پرہیز کرنے اور مضر اشیاء نہ کھانے کی طرف اشارہ ہے نیز آنکھ کی تکلیف میں کھجور نقصان دیتی ہے (کیونکہ وہ گرم ہوتی ہے اور اس سے آنکھ کی تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے)۔

حضرت ام منذر بنت قیس انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے اور وہ تازہ تازہ صحت یاب ہوئے تھے اور ہمارے ہاں انگور کی بیل لٹک رہی تھی نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور اس سے کھانے لگے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہو کر کھانے لگے تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: تم ابھی صحت یاب ہوئے ہو (مکمل صحت حاصل نہیں ہوئی) آپ فرماتے رہے حتیٰ کہ وہ رک گئے۔

حضرت ام المندر فرماتی ہیں میں نے جو اور چھند رپکا کر حاضر کی تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: اسے کھاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مسند احمد ج ۶ ص ۶۳، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۳۲، الشماک الترمذی رقم الحدیث: ۹۳)

اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو انگور کھانے سے منع فرمایا کیونکہ پھل میں کچھ بوجھ ہوتا ہے جو معدے پر اثر انداز ہوتا ہے اور چھند را اور جو سے منع نہیں فرمایا کیونکہ تازہ تازہ صحت یاب ہونے والے کے لئے اس میں زیادہ نفع ہے جو کے پانی میں غذا نرمی پیدا کرنے اور طبیعت کو مضبوط کرنے کی صلاحیت ہے۔

جو شخص پوری طرح تندرست نہ ہو اس کے لئے بیماری کے زائل ہونے سے پہلے پرہیز سب سے بڑی دوائی ہے تاکہ وہ مزید نہ پھلے۔

ابن قیم نے کہا یہ بات جاننا مناسب ہے کہ بیمار آدمی یا جو ابھی مکمل طور پر صحت یاب نہ ہوا ہو اور تندرست آدمی جن چیزوں سے پرہیز کرتا ہے جب اس چیز کی خواہش زیادہ ہو اور اس کی طرف طبیعت مائل ہو پس وہ اس میں سے تھوڑا سا کھا لے کہ طبیعت اس کو ہضم کرنے سے عاجز نہ ہو تو اس کا کھانا نقصان نہیں دیتا بلکہ بعض اوقات اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ معدہ اور طبیعت اسے قبولیت اور محبت سے حاصل کرتے ہیں پس جس کے نقصان کا ڈر ہوتا ہے وہ اس کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ چیز جس سے طبیعت نفرت کرتی ہے بعض اوقات اس کا کھانا دوائی سے بھی زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو تھوڑی سی کھجوریں کھانے کی اجازت دی حالانکہ ان کی



آنکھ میں تکلیف تھی۔

تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک باریک طبی راز ہے کہ جب مریض پچی بھوک کے تحت وہ چیز کھانا چاہے جس کی اسے خواہش ہو اور اس میں کچھ نقصان بھی ہو تو اس کا نفع زیادہ اور نقصان کم ہوتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں وہ چیز کھانا جس کے لئے پچی بھوک کے تحت خواہش نہ ہو اگرچہ وہ ذاتی طور پر نفع بخش بھی ہو لیکن اس کا نقصان زیادہ ہوتا ہے اور طبیعت کی چاہت نقصان کو دور کر دیتی ہے اسی طرح اس کے برعکس ہے (یعنی طبیعت کا نہ چاہنا اس کے نفع کو دور کر دیتا ہے)۔

### مریض کا پانی سے بچنا

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا احب الله العبد حماه الدنيا كما يظل احدكم بحمي سقيمہ الماء.

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے دنیا سے اس طرح بچا لیتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔

(صحیح الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۶ المسند رک ج ۳ ص ۳۰۹ المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۹۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۵۰ موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۴۷۳ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۳۲ الدر المنثور ج ۳ ص ۲۳۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۶۰۶۸-۱۶۵۹۷) حمیدی نے مرفوعاً روایت کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

لو ان الناس اقلوا من شرب الماء لاستقامت ابدانهم.

اگر لوگ پانی کم پییں تو ان کے بدن سلامت رہیں۔

طبرانی نے ”الاوسط میں“ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من شرب الماء على الریق انتقصت قوته.

جو شخص نہار منہ پانی پیے اس کی قوت کم ہو جاتی ہے۔

دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے نبی اکرم ﷺ نے بچنے کا حکم دیا کیونکہ اس سے برص کا خوف ہوتا ہے

دارقطنی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ”فرماتے ہیں:

لا تغسلوا بالماء المشمس فانه يورث البرص.“ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۹ رقم الحدیث: ۴)

سورج میں گرم کئے گئے پانی سے غسل نہ کرو یہ برص (سفید داغ) کی بیماری پیدا کرتا ہے۔

دارقطنی نے یہی مفہوم مرفوع حدیث کے طور پر حضرت عامر کی حدیث سے نقل کیا وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس حدیث میں محمد بن مخلد یعنی راوی ضعیف ہے لیکن یہ حدیث احکام سے متعلق نہیں (لہذا ضعیف حدیث بھی معتبر ہوگی)۔

(زرقاتی ج ۷ ص ۱۵۴)



کرتے ہیں۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

اسی طرح عقیلی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا اور اسے امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اس بنیاد پر سورج میں گرم کیا ہوا پانی استعمال کرنا شرعاً مکروہ ہے۔

لیکن ان حضرات نے کچھ شرائط رکھی ہیں۔ وہ یہ کہ گرم علاقوں میں گرم اوقات میں مکروہ ہے، ٹھنڈے علاقوں اور ٹھنڈے اوقات میں نہیں نیز ایسے برتنوں میں جو کسی دھات کو ڈھال کر بنائے گئے ہوں (جیسے لوہا، تانبا وغیرہ) پتھر یا لکڑی (اور مٹی) وغیرہ میں مکروہ نہیں اور سونے چاندی کو ان کی صفائی کی وجہ سے مستثنیٰ کیا گیا۔

جوینی نے کہا کہ سونے چاندی اور دیگر دھاتوں کے برتنوں کا حکم ایک جیسا ہے یہ بات ابن صلاح نے نقل کی ہے اور حوضوں وغیرہ میں دھوپ کے ذریعے گرم کرنا قطعی طور پر مکروہ نہیں۔

نیز اس کی کراہت بدن میں استعمال سے متعلق ہے، کپڑوں میں نہیں۔ نیز یہ کہ حرارت کی حالت میں استعمال کیا جائے اگر اسے ٹھنڈا کر لیا جائے تو زیادہ صحیح قول کے مطابق کراہت زائل ہو جاتی ہے۔

”الروضہ اور شرح الصغیر میں“ عدم زوال کو صحیح قرار دیا ہے۔ الجملی کے مطابق صاحب تہذیب نے یہ شرط رکھی ہے کہ برتن کا منہ ڈھانپا ہوا ہو تو مکروہ ہے کیونکہ حرارت رک جاتی ہے (کھلا ہوا ہو تو نہیں)۔

”شرح المہذب میں ہے کہ“ یہ شرعی بات ہے (مطلب یہ کہ مستحب ہے) اس (پانی کے استعمال) کا ترک باعث ثواب ہے (استعمال پر گناہ نہیں) اور ”شرح التنبیہ میں“ فرمایا کہ اگر ہم قصد کا اعتبار کریں تو شرعی ہے (اسے چھوڑنے پر ثواب ہوگا) ورنہ ارشادی ہے (یعنی نیت کے بغیر ثواب نہیں ہوگا)۔

پس جب ہم اسے مکروہ قرار دیتے ہیں تو اس میں کراہت تنزیہی ہے جو طہارت کے صحیح ہونے کو منع نہیں کرتی۔ طبری کہتے ہیں اگر تکلیف پہنچنے کا ڈر ہو تو حرام ہے۔ ابن عبدالسلام نے کہا اگر اس کے علاوہ پانی نہ پائے تو اس کا استعمال واجب ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے ”الروضہ میں“ مطلقاً عدم کراہت کا قول کیا ہے اور المروانی نے ”البحر میں“ امام شافعی رحمہ اللہ سے واضح الفاظ میں عدم کراہت کا قول نقل کیا ہے۔

### بخیل لوگوں کے کھانے سے پرہیز کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طعام البخیل داء و طعام الاسخیاء شفاء۔ بخیل کا کھانا بیماری اور بخنی لوگوں کا کھانا شفاء ہے۔

اسے تیمیسی نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے موطأ کے علاوہ روایت کیا جیسا کہ عبدالحق نے ”الاحکام میں“ ذکر کیا۔

### سستی کی بیماری سے پرہیز

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے مراسیل میں حضرت یونس بن ربیعہ بن ابی عبدالرحمن سے روایت کیا کہ انہوں (ربیعہ) نے ان (یونس) کو دھوپ میں لیٹے ہوئے دیکھا تو انہوں نے منع کیا اور فرمایا: مجھے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات پہنچی ہے کہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے اور بدن میں چھپی ہوئی بیماریوں کو حرکت ہوتی ہے۔



## بواسیر کی بیماری سے بچنے کا ذکر

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:  
 لا یجاء من أحدکم وبہ حقن خلأ فانه  
 یکون منه البواسیر.  
 تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے قریب نہ جائے  
 جب اسے پیشاب کی حاجت ہو کیونکہ اس طرح بواسیر پیدا  
 (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۹۰۲-۳۵۸۹۲) ہوتی ہے۔

## مکھی کے زہریلے پَر سے پانی کو بچانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:  
 اذا وقع الذباب فی اناء أحدکم فلیغمسه  
 کلہ ثم لیطرحہ فان فی أحد جناحہ شفاء وفی  
 الآخر داء.  
 جب تم میں سے کسی ایک کے برتن میں مکھی گر جائے  
 تو اسے مکمل طور پر غوطہ دے اور پھر باہر پھینک دے کیونکہ  
 اس کے ایک پَر میں شفاء اور دوسرے میں بیماری ہے۔  
 (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۲-۳۳۲۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۳ سنن الترمذی ج ۷ ص ۱۷۹ مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۹  
 السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۵۲ اتحاف السادة المستعین ج ۶ ص ۱۸ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۸ موارد النعمان رقم الحدیث: ۱۳۵۵ کنز العمال رقم  
 الحدیث: ۲۸۳۰۱-۲۸۳۰۲)

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے:  
 فانه یتقی بجناحه الذی فیہ الداء فلیغمسه  
 کلہ.  
 کیونکہ وہ اس پَر کے ذریعے جس میں بیماری ہے بچتی  
 ہے پس اسے مکمل طور پر ڈبو دے۔

طحاوی کی روایت میں ہے:  
 فان یقدم السم یؤخر الشفاء.  
 وہ زہر کو آگے کرتی اور شفاء کو پیچھے رکھتی ہے۔  
 حدیث شریف میں لفظ ”کلہ“ اس وہم کو دور کرنے کے لئے کہ مجازاً بعض حصے پر اکتفاء مراد نہیں۔  
 ہمارے شیوخ نے فرمایا کہ کوئی ایسا طریقہ میرے سامنے نہیں آیا جس میں اس پَر کا تعین ہو جس میں شفاء ہو لیکن  
 بعض علماء نے ذکر کیا کہ انہوں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بائیں پَر کے ذریعے بچتی ہے پس معلوم ہوا کہ دائیں پَر میں  
 شفاء ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۰۸)

ابو یعلیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ مکھی کی عمر چالیس راتیں ہوتی ہے اور تمام کھیاں  
 آگ میں جائیں گی البتہ شہد کی مکھی مستثنیٰ ہے اس روایت کی سند میں کوئی حرج نہیں۔  
 جاحظ نے کہا کہ مکھی کا آگ میں جانا اسے عذاب دینے کے طور پر نہیں بلکہ اس کے ذریعے جہنمیوں کو عذاب دیا  
 جائے گا اور اس سے بدبو پیدا ہوگی۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس کی بیٹھ سیاح کپڑے پر سفید اور سفید کپڑے پر سیاہ ہوتی ہے اور عام طور پر مکھی بدبودار جگہ پر



ہوتی ہے اسی سے اس کا تخلیقی مادہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور پرندوں میں سے ان کے نر اور مادہ کا ملاپ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور بعض اوقات دن کا اکثر حصہ یہ مادہ پر گزارتا ہے اور منقول ہے کہ کسی خلیفہ نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ مکھیوں کو کیوں پیدا کیا گیا؟ انہوں نے فرمایا: بادشاہوں کو ذلیل کرنے کے لئے اس وقت اس حکمران پر مکھی بار بار بٹھتی تھی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس نے مجھ سے سوال کیا اور میرے پاس جواب نہ تھا تو میں نے اس صورت حال سے اجتہاد کیا۔

### رات کو اترنے والی بلاؤں سے برتن ڈھانپنے کے ذریعے حفاظت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانپو اور مشکیزوں کے منہ باندھ دو کیونکہ سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وہاں نازل ہوتی ہے وہ جب ایسے برتن سے گزرتی ہے جس کو ڈھانپا نہیں گیا یا مشکیزہ جس کی رسی بندھی ہوئی نہیں ہے تو وہ وہاں اس میں اترتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶-۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۱۰-۳۳۱۱ مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۵ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۵۷ مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۰ مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۶-۳۲۹۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۲۸۵)

کہا گیا کہ یہ بات رومی سال کے آخر میں ہوتی ہے۔

### بیوقوف عورت کے دودھ سے بچے کو بچانا

امام ابو داؤد نے مراسل میں صحیح سند کے ساتھ زیاد سہمی سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بیوقوف عورتوں کا دودھ پلانے سے منع فرمایا کیونکہ دودھ کی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے۔ ابن حبیب کے نزدیک (شبہ کی بجائے) بعدی کا لفظ ہے یعنی وہ بیوقوفی اس بچے کی طرف تجاوز کرے گی۔ قضائی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا کہ دودھ طبیعتوں کو بدل دیتا ہے۔ ابن حبیب نے ہی مرفوع حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فاجرہ عورت کا دودھ پلوانے سے منع کیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دودھ کی وجہ سے دودھ پینے والے میں مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

### بدہضمی سے بچاؤ

اس سلسلے میں زبانوں پر مشہور ہے کہ بدہضمی سے بچو کیونکہ اس نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو ہلاک کر دیا۔ لیکن ہمارے شیخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا اگر ایسی حدیث ہے تو اس کی تاویل کی ضرورت ہے۔

اور وہ جو مشہور ہے کہ ”اصل کل داء البردۃ“ (ہر بیماری کی اصل بدہضمی ہے) تو ہمارے شیخ نے فرمایا: ابو نعیم اور مستغفری دونوں نے ”الطب النبوی میں“ اور دارقطنی نے ”العلل میں“ نقل کیا اور یہ سب روایات تمام بن نجیح کے



طریق سے ہیں وہ حضرت حسن بھری رحمہ اللہ کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔  
 تمام (نامی) راوی کو دارقطنی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا اور ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔  
 ابو نعیم نے ہی ابن مبارک کی روایت نقل کی ہے وہ حضرت سائب بن عبد اللہ بن علی بن زحر سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں۔  
 حضرت عمرو بن حارث حضرت دراج سے وہ ابو الہیثم سے اور وہ حضرت ابو سعید سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ ہر بیماری کی اصل بد ہضمی ہے۔  
 دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد فرمایا: کہ اس کی علتوں میں سے ہے کہ عباد بن منصور نے اسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ان کے قول کے طور پر روایت کیا (مرفوع حدیث نہیں) یہی زیادہ بہتر ہے اور زمخشری نے ”الفاقی“ میں اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کلام سے قرار دیا ہے۔  
 دارقطنی نے ”کتاب الصحیف“ میں فرمایا کہ اہل لغت کہتے ہیں ”البردة“ راء کو ساکن پڑھتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ راء پر زبر ہے (البردة ہے) اور یہ بد ہضمی ہے کیونکہ یہ خواہش کی گرمی کو ٹھنڈا کر دیتی ہے یا یہ کہ یہ معدے پر ثقل ہوتی ہے اور دیر سے زائل ہوتی ہے یہ ”برد“ سے مشتق ہے جب کوئی چیز ٹھہر جائے۔  
 ابو نعیم نے ان احادیث سے متصل حارث بن فضیل کی حدیث نقل کی ہے وہ زیاد بن نضیاء کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ:

گرمی اور سردی سے بچو۔

استدلفنوا من الحر والبرد.

اسی طرح مستغفری نے بھی ذکر کیا علاوہ اس کے کہ ان کے پاس اسحاق بن نجیح کی روایت بھی ہے جو بواسطہ ابان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ فرشتے میری امت سے بد ہضمی کے اٹھ جانے پر خوش ہوتے ہیں (اور) ہر بیماری کی اصل بد ہضمی ہے یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں اور یہ اس بات کی شہادت ہے جو اہل لغت سے منقول ہے کہ محدثین نے اسے راء کے سکون سے نقل کیا (لہذا اس سے ٹھنڈک مراد ہوگی)۔

فصل نمبر ۲

## نبی اکرم ﷺ کا خوابوں کی تعبیر بتانا

### خواب کی حقیقت

کہا جاتا ہے ”عبرت الرؤیا (باء پرشد نہیں) میں نے خواب کی تعبیر بتائی“ اور اگر باء پرشد ہو تو یہ مبالغہ ہوگا (بہت زیادہ تعبیر بتانا)۔

”الرؤیا“ فعلی کے وزن پر ہے اور ہمزہ میں تسہیل بھی کرتے ہیں یعنی اسے واؤ سے بدل دیتے ہیں اور یہ وہ چیز ہے جسے کوئی شخص نیند کی حالت میں دیکھتا ہے۔



قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں ”رؤیا“ (خواب) وہ باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں فرشتے یا شیطان کے ذریعے ڈالتا ہے یا ان چیزوں کے ناموں یعنی ان کی حقیقتوں کے ساتھ یا ان کی کئیوں یعنی عبارت (علامات) کے ذریعے اور یا ملا جلا ہوتا ہے (یعنی اس کے دل میں اس چیز کی حقیقت پیدا ہوتی ہے جسے وہ دیکھتا ہے)۔

ابوبکر بن طیب متوفی ۴۰۳ھ اس طرف گئے ہیں کہ یہ اعتقادات ہوتے ہیں (تصورات ہیں جن کا دل سے ربط ہوتا ہے) انہوں نے یوں استدلال کیا ہے کہ بعض اوقات خواب دیکھنے والا اپنے آپ کو جانور یا پرندے کی شکل میں دیکھتا ہے تو یہ ادراک نہیں پس ضروری ہوا کہ وہ اعتقاد ہو کیونکہ اعتقاد بعض اوقات معتقد کے خلاف بھی ہوتا ہے (جب کہ ادراک کی یہ صورت نہیں ہوتی)۔

ابن عربی نے کہا پہلی بات اولیٰ ہے اور جو کچھ ابن طیب نے ذکر کیا ہے وہ مثالی صورت ہے پس ادراک اس سے متعلق ہوتا ہے اصل ذات کے ساتھ نہیں۔

مازری نے کہا کہ رؤیا (خواب) کی حقیقت کے بارے میں لوگوں نے بہت زیادہ کلام کیا ہے اور غیر مسلموں نے بہت سی قابل انکار اور غیر معروف باتیں کی ہیں کیونکہ ان کے علم کا دار و مدار ایسے حقائق پر ہے جن کا ادراک عقل سے نہیں ہوتا نہ ان پر کوئی دلیل قائم ہوتی ہے اور نہ ہی وہ منقول باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اس لئے ان کے اقوال میں اضطراب ہے۔

ان میں سے جو لوگ طب سے منسوب ہیں وہ تمام خوابوں کو مزاج کی خرابی قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں جس پر بلغم کا غلبہ ہو وہ اپنے آپ کو پانی میں تیرتا ہوا دیکھتا ہے کیونکہ پانی بلغم کی طبیعت کے موافق ہے جس پر صفراء غالب ہو وہ آگ اور فضاء میں اوپر کو جاتا ہوا دیکھتا ہے اسی طرح دوسرے اخلاط کے بارے میں ہے۔

ان کی یہ بات اگرچہ عقل کے نزدیک جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ عادیات یہ بات جاری فرمادے لیکن اس پر کوئی دلیل قائم نہیں اور نہ ہی عادیات ایسا ہوتا اور محض جائز ہونے کو قطعی بات قرار دینا صحیح نہیں۔

اور جو شخص فلسفہ سے منسوب ہے وہ کہتا ہے کہ جو صورتیں زمین پر چلتی ہیں وہ عالم بالا میں نقش کی طرح ہیں ان میں سے جو کچھ بعض نفسوں کے مقابل ہوتا ہے وہ ان میں نقش ہو جاتا ہے۔

مازری کہتے ہیں یہ قول پہلے قول سے بھی زیادہ فاسد ہے کیونکہ یہ ایسا فیصلہ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور نقش ہونا جسموں کی صفات میں سے ہے اور عالم بالا میں اکثر اعراض جاری ہوتے ہیں (جو جسم نہیں ہیں) اور اعراض نفسوں میں نقش نہیں ہوتے۔

مازری کہتے ہیں اہل سنت کا مسلک صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے آدمی میں کچھ اعتقادات پیدا کرتا ہے جس طرح جاگنے والے کے دل میں پیدا کرتا ہے جب وہ ان اعتقادات کو پیدا کرتا ہے تو وہ ان کو دوسرے امور کی علامت بناتا ہے جن کو پیدا کر دیا یا بعد میں پیدا کرے گا اور جب ان میں کوئی معتقد کے (عقیدے کے) خلاف واقع ہو تو وہ اسی طرح ہے جیسے جاگنے والے کے لئے ہوتا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو بارش کی علامت کے طور پر پیدا کیا اور بعض اوقات بارش نہیں ہوتی جب کہ بادل ہوتے ہیں۔



یہ اعتقادات بعض اوقات فرشتے کی موجودگی میں واقع ہوتے تو اس کے بعد باعث مسرت بات پیدا ہوتی ہے اور کبھی شیطان کی موجودگی میں ہوتے ہیں تو اس کے بعد نقصان دہ بات پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

حاکم اور عقیلی نے محمد بن عجلان سے انہوں نے حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت (عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ سے ملاقات کی تو فرمایا: اے ابوالحسن! آدمی خواب میں دیکھتا ہے تو ان میں سے بعض سچی ہوتی ہیں اور کچھ جھوٹی ہوتی ہیں انہوں نے فرمایا: ہاں (اسی طرح ہے) میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: جو بندہ مرد یا عورت سو جائے اور گہری نیند میں چلا جائے تو اس کی روح عرش کی طرف نکل جاتی ہے پس جو عرش سے پہلے پہلے نہ جاگے تو خواب سچا خواب ہے اور جو عرش سے پہلے پہلے جاگ جائے تو یہ جھوٹا خواب ہے۔

ذہبی نے اپنی تلخیص میں فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے اور مؤلف (امام حاکم) نے اسے صحیح قرار نہیں دیا۔

(المسند رک ج ۳ ص ۳۹۶-۳۹۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۳۰)

ابن قیم نے ایک مرفوع حدیث نقل کی لیکن اس کی نسبت کسی (صحابی وغیرہ) کی طرف نہیں کی (اس میں یوں ہے)۔

مومن کا خواب کلام ہے جو اس کا رب نیند کی حالت میں اس سے کرتا ہے۔ یہ حدیث ”حکیم ترمذی کی نوادر الاصول میں“ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے پائی گئی ہے انہوں نے اسے اصل نمبر ۸۷ میں ذکر کیا اور یہ ان کی روایت سے ہے وہ اپنے شیخ عمر بن ابی عمر سے روایت کرتے ہیں اور وہ بہت کمزور ہیں اور اس کی سند میں چند ابن میمون ہیں جو حمزہ بن زبیر کے واسطے سے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

### حکیم ترمذی کا قول

حکیم ترمذی نے کہا بعض اہل تفسیر نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ

مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ. (الشوری: ۵۱)

کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے خواب میں کلام مراد ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہیں جب کہ ان کے علاوہ لوگوں (کے خوابوں) کا حکم یہ نہیں ہے پس وحی میں خلل نہیں آتا کیونکہ وہ محفوظ ہے جب کہ غیر انبیاء کے خواب کا حکم الگ ہے کیونکہ بعض اوقات ان میں شیطان آتا ہے۔

حکیم ترمذی نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوابوں پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو انسانوں کے احوال پر مطلع ہوتا ہے جو لوح محفوظ میں ہیں پس وہ ان میں سے نقل کرتا ہے اور ہر ایک کے لئے اس کے قصہ کے مطابق مثال بناتا ہے پس جب آدمی سو جاتا ہے تو اس کے لئے وہ اشیاء حکمت الہیہ کے طریقے پر مثالی صورت میں آتی ہیں تاکہ اس کے لئے خوشخبری یا ڈرانا اور جھڑک ہو۔ اور بعض اوقات سخت دشمنی کی وجہ سے انسان پر شیطان مسلط ہوتا ہے اور وہ اسے ہر طریقے سے دھوکہ دیتا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کے کاموں کو خراب کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یا تو اسے غلطی میں ڈالتا ہے یا ان امور سے اس کو غافل کر دیتا ہے۔



## سچے خواب نبوت کا جزء ہیں

”صحیح بخاری میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الرؤيا الحسنة من الرجل الصالح جزء من ستة وأربعين جزء من النبوة. نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کا چھیا لیسواں حصہ ہے۔

اس سے نیک لوگوں کے عام خواب مراد ہیں ورنہ بعض اوقات نیک آدمی ڈراؤنے خواب بھی دیکھتا ہے لیکن ایسا کم ہوتا ہے کیونکہ شیطان ان لوگوں پر بہت کم قابو پاتا ہے جب کہ دوسرے لوگوں کا معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ ان خوابوں میں سچ نادر ہوتا ہے اس لئے کہ ان پر تسلط غالب ہوتا ہے۔

سوال: خواب نبوت کا جزء کیسے ہو سکتا ہے جب کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال سے نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا؟  
جواب: اگر نبی اکرم ﷺ خواب دیکھیں تو یہ حقیقتاً نبوت کے اجزاء میں سے ہے اور غیر نبی سے واقع ہو تو یہ مجازی طور پر نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہ علم نبوت کا جزء ہے کیونکہ نبوت کا سلسلہ اگرچہ بند ہو گیا لیکن اس کا علم باقی ہے۔  
اس قول کا رد حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے قول سے کیا گیا جیسا کہ ابن عبد البر نے اسے نقل کیا کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا ہر شخص خواب کی تعبیر بیان کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: کیا وہ نبوت سے کھیلتا ہے؟ پھر فرمایا خواب نبوت کا ایک جزء ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ان کی مراد یہ نہیں کہ نبوت باقی ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ بعض نبی باتوں پر اطلاع کی جہت سے خواب نبوت کے مشابہ ہے لہذا کسی کے لئے مناسب نہیں کہ علم کے بغیر اس میں گفتگو کرے پس یہ مراد نہیں کہ نیک خواب نبوت ہے کیونکہ اس سے مراد خواب کو نبوت سے تشبیہ دینا ہے اور کسی چیز کے جزء سے اس کے وصف کا ثبوت لازم نہیں آتا جیسے کوئی شخص بلند آواز سے ”لا الہ الا اللہ“ پڑھے تو اسے مؤذن نہیں کہا جاتا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔ (اس حدیث میں ہے):

ذهبت النبوة وبقیت المبشرات. نبوت چلی گئی اور بشارتیں باقی رہ گئیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۶، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۳، مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۱، کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۰۳، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۲، مشکل لا تار ج ۳ ص ۱۲۷، التہذیب ج ۵ ص ۵۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۵۳)

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا:

لم یبق بعدی من المبشرات الا الرؤيا. میرے بعد بشارتوں میں سے صرف خوابیں باقی

ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث امام مسلم اور امام ابو داؤد نے نقل کی ہے (اس حدیث میں یوں ہے):  
نبی اکرم ﷺ نے مرض وصال کی حالت میں پردہ اٹھایا اور آپ کے سر انور پر پٹی بندھی ہوئی تھی صحابہ کرام



حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صف بستہ تھے آپ نے فرمایا: اے لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے صرف اچھے خواب رہ گئے ہیں جو مسلمان دیکھتا ہے یا (فرمایا:) اسے دکھائے جاتے ہیں۔

ان خوابوں کی تعبیر بشارات سے اس لئے کی گئی کہ عام طور پر اسی طرح ہوتا ہے ورنہ بعض خواب ڈرانے والے ہوتے ہیں اور وہ سچے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ مومن پر نری فرماتے ہوئے اسے دکھاتا ہے تاکہ وہ آنے والے واقعات کے وقوع سے پہلے تیاری کرے۔

الرجل الصالح (نیک مرد) کی قید کا یہاں کوئی مفہوم نہیں کیونکہ نیک عورت کا بھی یہی حکم ہے اور ابن بطلان نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

اور اسے نبوت کا چھیا کیسواں حصہ قرار دیا گیا اور اکثر احادیث میں اسی طرح ہے۔ جب امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبوت کا پینتا کیسواں حصہ ہے اور انہوں نے ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے جس میں ستر واں حصہ فرمایا گیا۔

اور امام طبرانی کے نزدیک چھتر واں حصہ بیان ہوا لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن عبد البر نے عبد العزیز بن مختار سے اور انہوں نے بواسطہ حضرت ثابتؓ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اچھا خواب (نبوت کا) چھیسواں حصہ ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہؒ کی شرح مسلم میں ”اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں چوبیسویں حصے کا ذکر ہے۔“

ان تمام روایات کے نتیجے میں دس قول سامنے آئے ہیں ان میں سے کم از کم مقدار وہ ہے جو امام نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا اور سب سے زیادہ مقدار چھتر واں حصہ ہے ہم نے باقی (چار اقوال) کو طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا۔ قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں اجزائے نبوت کی حقیقت کو کوئی فرشتہ یا نبی ہی جانتا ہے نبی اکرم ﷺ نے صرف خواب کو نبوت کا جزء قرار دیا تو آپ کی مراد صرف یہی بات بتانا تھی کیونکہ اس میں من وجہ غیب پر اطلاع ہے اور جہاں تک نسبت کی تفصیل کا تعلق ہے تو اس کی معرفت مقام نبوت سے خاص ہے۔

مازری نے کہا کہ کسی عالم کے لئے ہر چیز کو اجمالاً یا تفصیلاً جانتا ضروری نہیں اللہ تعالیٰ نے ہر عالم کے لئے ایک حد مقرر کی ہے جس کے پاس وہ ٹھہر جاتا ہے وہ ان امور میں سے بعض کی مراد کو اجمالاً یا تفصیلاً جان لیتا ہے اور بعض امور کا علم اجمالاً طور پر حاصل ہوتا ہے تفصیلی علم نہیں ہوتا اور یہ (خواب کا مسئلہ) بھی اسی قبیل سے ہے۔

مشہور روایت پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے اور اس کے لئے مناسبت ظاہر کی ہے چنانچہ ابن بطلان نے حضرت ابو سعید سفاقی سے نقل کیا (وہ فرماتے ہیں) بعض اہل علم نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی طرف چھ مہینے خواب میں وحی فرمائی پھر باقی مدت حیات میں بیداری کی حالت میں وحی فرمائی اور خواب میں وحی اس کی نسبت سے چھیا کیسواں حصہ ہوا کیونکہ نبی اکرم ﷺ صحیح قول کے مطابق اعلان نبوت کے بعد تیس سال (ظاہری زندگی کے ساتھ) زندہ رہے۔

ابن بطلان نے کہا یہ تاویل دو وجہ سے بعید (از عقل) ہے ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے بعد والی مدت میں اختلاف ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ (اس طرح) سترویں حصہ والی روایت بے معنی ہو جائے گی۔



اس مسئلہ میں ابن بطال کے اس قول انکار سے پہلے خطابي نے انکار کیا ہے خطابي نے کہا کہ بعض اہل علم اس عدد کے سلسلے میں ایسا قول کرتے ہیں جو تحقیق کے قریب نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ وحی کے بعد تیس سال زندہ دنیا میں رہے اور خواب میں آپ پر وحی چھ مہینے ہوئی اور یہ نصف سال ہوتا ہے تو یہ نبوت کا چھیا لیسواں حصہ ہے۔

خطابی نے کہا اگرچہ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ حساب و عدد میں اس کا احتمال ہے لیکن اس کے قائل پر پہلی واجب بات یہ ہے کہ اس نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے اسے خبر ثابت کرے اور ہم نے اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں سنی اور نہ ہی اس دعویٰ کرنے والے سے کسی خبر کا ذکر سنا ہے گویا اس نے یہ بات گمان کی بنیاد پر کہی ہے اور گمان حق میں سے کسی بات کا فائدہ نہیں دیتا اور ہر ایسی بات جس کا علم ہم سے پوشیدہ ہو اس کا ہم پر حجت ہونا لازم نہیں۔ جس طرح رکعات کی تعداد روزوں کے دن، حمرات (شیطانوں) کو کنکریاں مارنا ہم ان باتوں کے علم سے ایسی بات تک نہیں پہنچ سکتے جس کے تحت یہ عبادت اس گنتی میں منحصر ہے اور اس تعداد کے لازم ہونے سے متعلق ہمارے عقیدے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ اس مسئلے میں علماء کرام نے اس کے علاوہ مناسبات بھی ذکر کئے ہیں جن کا ذکر طویل ہے۔

### خوابوں کا سچا ہونا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:  
اصدق الرؤیا بالاسحار۔  
سب سے سچے خواب سحری کے (وقت کے) خواب

ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۳، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹-۶۸، المستدرک ج ۳ ص ۳۹۲، مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۷، موارد الظمان رقم الحدیث: ۱۷۹۹، میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۲۶۶۷، الکامل فی الصغائر ج ۳ ص ۹۸۰-۹۸۲، ج ۳ ص ۱۵۱۹)  
امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

إذا اقترب الزمان لم تكد رؤیا المسلم  
تکذب و اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا۔  
جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو مسلمانوں کا خواب  
جھوٹ کے قریب نہیں ہوگا اور تم میں سے اس شخص کا خواب  
زیادہ سچا ہے جو گفتگو میں زیادہ سچا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۹، سنن داری ج ۲ ص ۱۲۵، مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۶۱۳، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۳۵۰-۳۱۳۲۷)  
خطابی نے ”العالم میں“ ”إذا اقترب الزمان“ کے بارے میں دو قول ذکر کئے ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ رات کا وقت اور دن کا وقت قریب ہو جائے اور وہ دن اور رات کا برابر ہوتا ہے اور یہ بہار کے دن میں اس وقت عام طور پر چاروں طبیعتیں اعتدال پر ہوتی ہیں۔

وہ فرماتے ہیں تعبیر بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ سب سے سچا خواب وہ ہے جو رات اور دن کے برابر ہونے اور پھلوں کے پکنے کے وقت ہوتا ہے۔



دوسرا قول یہ ہے کہ زمانے کے قریب ہونے سے اس کی مدت کا ختم ہونا مراد ہے جب قیامت قریب ہو جائے گی۔ پہلے قول پر یوں اعتراض کیا گیا کہ مومن کی قید اس قول کو عقل سے بعید قرار دیتی ہے کیونکہ طبیعتوں کے اعتدال کا وقت مومن سے خاص نہیں۔

ابن بطلال نے دوسرے قول کو قطعی طور پر صحیح قرار دیا ہے اور اسے امام ترمذی کی اس روایت سے ملایا جو بواسطہ معمر حضرت ایوب سے اس حدیث کے سلسلے میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے ”فی آخر الزمان لا نکذب رؤیا المومن آخری زمانے میں مومن کا خواب جھوٹ نہیں ہوگا۔“

یہ بھی کہا گیا کہ اس مذکورہ زمانے سے امام مہدی رحمہ اللہ کا زمانہ مراد ہے جب عدل پھیل جائے گا امن زیادہ ہوگا اور بھلائی اور رزق میں کشادگی ہوگی یہ زمانہ حصول لذت کی وجہ سے کم ہوگا پس اس کے کنارے قریب قریب ہوں گے۔ امام قرطبی نے ”المفہم میں“ فرمایا (حقیقت حال) اللہ بہتر جانتا ہے ہو سکتا ہے حدیث میں مذکور آخری زمانہ سے مراد اس گروہ کا باقی وقت ہو جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کے دجال کو قتل کرنے کے بعد آپ کے ہمراہ ہوگا۔ صدر اول (دور صحابہ) کے بعد اس امت کے سب سے اچھے حال والے لوگ اس زمانے کے لوگ ہوں گے اور ان کی بات بھی سب سے زیادہ سچی ہوگی۔ پس ان کے خواب جھوٹے نہیں ہوں گے اسی لئے حدیث شریف میں اس کے بعد فرمایا: اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا۔ تم میں سب سے سچے خواب والا سب سے سچی گفتگو

والا ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص زیادہ سچ بولتا ہے اس کا دل منور اور ادراک مضبوط ہوتا ہے اور اس میں معانی صحیح طور پر منتقل ہوتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص حالت بیداری میں عام طور پر سچ بولتا ہے تو یہ بات خواب میں بھی اس کے ساتھ رہتی ہے پس وہ سچا خواب ہی دیکھتا ہے۔ جب کہ جھوٹ بولنے والے اور مخلوط کلام والے کا حکم اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ اس کا دل خراب ہوتا ہے اور وہ ظلم کرتا ہے پس وہ ملے جلے اور جھوٹے خواب دیکھتا ہے اور کبھی کبھی خواب میں نادر صورت پیدا ہوتی ہے وہ یوں کہ سچ بولنے والا ایسی بات دیکھتا ہے جو صحیح نہیں اور جھوٹ بولنے والا صحیح بات دیکھتا ہے لیکن عام طور پر اور اکثر وہی ہوتا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

### آداب خواب

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اسے پسند ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا اور اس خواب کو (آگے) بیان کرنا چاہیے اور جب اس کے علاوہ ناپسندیدہ بات دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے پس اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور اسے ذکر نہ کرے کیونکہ یہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸۵ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۲ مسند احمد ج ۳ ص ۸)

المسند رک ج ۳ ص ۳۹۲ الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۲ عمل الیوم والیلہ رقم الحدیث: ۶۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۹۶)



صحیح مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے۔

اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہے پس جو شخص خواب دیکھے اور اس میں سے کسی بات کو ناپسند کرتا ہو تو بائیں جانب تھوک دے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور اس کے بارے میں کسی کو نہ بتائے اور اگر اچھا خواب دیکھے تو اس پر خوش ہو اور صرف اسی آدمی سے بیان کرے جس سے محبت کرتا ہے۔

اس حدیث میں ”فلیشر“ کا لفظ آیا ہے جس میں یاء پر زبر ہے باء ساکن اور شین پر پیش ہے اور یہ بشری (یعنی بشارت) سے بنا ہے۔

امام ترمذی نے ابوزین کی حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا:

ولا یقصھا الا علی واذا۔ اور سوائے محبت کرنے والے کے کسی سے بیان نہ کرے۔

اس میں دال پر شد ہے اور یہ ”الود“ سے اسم فاعل ہے یا اس سے اصحاب رائے مراد ہیں اور دوسری حدیث میں ہے: ولا یحدث بها الا لبیا او حبیا۔ اور کسی عقل مند یا محبت کرنے والے کے علاوہ کسی سے بیان نہ کرے۔

ایک اور روایت میں ہے:

لا نقص رؤیاک الا علی عالم او ناصح۔ اپنا خواب کسی عالم یا خیر خواہ کے علاوہ کسی سے بیان نہ کرو۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

فلیحمد اللہ علیہا ولیحدث بها۔ اس (خواب) پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور اسے بیان کرے۔

ہم نے اچھے خواب کے جو آداب ذکر کئے ہیں ان کا خلاصہ تین باتیں ہیں۔ (۱) اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا (شکر بجا لانا) (۲) اس پر خوش ہونا اور (۳) بیان کرنا لیکن اس شخص سے جس سے محبت ہو اس سے نہیں جسے ناپسند کرتا ہو۔ اور برے خواب کے جو آداب ذکر کئے گئے ہیں ان کا خلاصہ چار باتیں ہیں۔

(۱) اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے (۲) شیطان کے شر سے بھی پناہ مانگے (۳) جب نیند سے بیدار ہو تو بائیں جانب تھوکے (۴) اور کسی سے بالکل ذکر نہ کرے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچواں ادب بھی مروی ہے اور وہ نماز ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فمن رای شیئا یکرهہ فلا یقصہ علی احد۔ پس جو شخص ناپسندیدہ بات دیکھے تو اسے کسی سے بیان نہ کرے اور چاہیے کہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔

لیکن امام مسلم نے وصل کی تصریح نہیں کی یعنی حضور ﷺ سے بطور مرفوع حدیث ذکر نہیں کیا البتہ امام مسلم نے اس



بات کی وضاحت کی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے چھٹی بات کا اضافہ کیا ہے۔

وہ یہ کہ پہلو بدل دے انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جس کو پسند نہ کرتا ہو تو تین بار بائیں جانب تھو کے اور تین بار شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور اس پہلو سے پھر جائے جس پر تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۰۸-۳۹۱۰)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مناسب ہے کہ ان تمام روایات کو جمع کیا جائے اور ان تمام باتوں پر عمل کرے جو ان روایات میں ہیں اور اگر بعض پر بھی اکتفا کرے تو نقصان کو دور کرنے کے لئے کافی ہے جیسا کہ احادیث میں اس بات کی وضاحت ہے۔

حافظ ابن حجر نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کہ انہوں نے کسی حدیث میں ایک بات پر اکتفا کے سلسلے میں کچھ نہیں دیکھا۔ پھر فرمایا لیکن مہلب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ”اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم“ پڑھنا اس کے شر کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز میں یہ تمام باتیں جمع ہو جاتی ہیں جیسا کہ امام قرطبی نے فرمایا کیونکہ جب نماز کے لئے کھڑا ہوگا تو اس کا پہلو بھی بدل جائے گا اور وضو کرتے وقت کلی کرتے ہوئے تھو کے گا اور قرأت سے پہلے ”اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم“ بھی پڑھے گا اور پھر ایسی حالت میں دعا مانگے گا جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب کی حالت ہے پس اللہ تعالیٰ اسے اس (برے خواب) کے شر سے کفایت کرے گا۔

بعض حضرات نے ساتھ اس ادب بھی ذکر کیا ہے۔

اور وہ آیت الکرسی پڑھنا ہے اور اس سلسلے میں کوئی سند بیان نہیں کی۔ اگر اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے عموم سے لیا تو یہ توجیہ ہو سکتی ہے حدیث شریف میں فرمایا: کہ ”شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا“۔ ۱۔  
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مناسب ہے کہ اس مذکورہ بالا نماز میں آیت الکرسی پڑھے۔

### خواب کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس کی حکمت

تھوکنے میں حکمت یہ ہے جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا:

کہ شیطان کو دور کرنے کے لئے حکم دیا جو نا پسندیدہ خواب کے وقت حاضر ہوتا ہے تو یہ تھوکنا اس کو ذلیل کرنا اور اس کی گندگی کی طرف اشارہ ہوگا اور بائیں جانب کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ گندگی کا محل ہے اور تین بار تھوکنے کا حکم تاکید کے لئے ہے۔

اس سلسلے میں تین قسم کے الفاظ آئے ہیں التفل، النفث اور البصق۔ امام نووی رحمہ اللہ نے دم کرنے کے سلسلے میں پھونکنے (النفث) پر کلام کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمہ اللہ کی اتباع میں فرمایا کہ التفل اور النفث میں اختلاف کیا ۱۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی پڑھو شروع سے آیت کے ختم ہونے تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں مسلسل حفاظت حاصل ہوگی اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔



گیا ہے۔ پس کہا گیا کہ ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور یہ لعاب کے بغیر نہیں ہوتے۔

ابو عبید نے کہا کہ التفل ایسی پھونک ہے جس میں تھوڑا سا لعاب شرط ہے اور النفث (پھونک) میں ایسا نہیں ہوتا یہ بھی کہا گیا ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دم کے سلسلے میں النفث (پھونکنے) کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جیسے خشک انگور (میوہ) کھانے والا تھوکتا ہے جس میں (محض پھونک والی شکل ہوتی ہے) لعاب نہیں ہوتا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے ساتھ ارادے کے بغیر جو رطوبت نکلے اس کا کوئی اعتبار نہیں وہ فرماتے ہیں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جو سورہ فاتحہ کے ساتھ دم کرنے سے متعلق آئی ہے اس میں یوں ہے کہ آپ لعاب کو جمع کرنے لگے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں تھوک کے ساتھ پھونک مارنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس رطوبت ہوا اور سانس کے ذریعے برکت حاصل کرنا مقصود ہے جو اچھے ذکر سے مل جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ناموں کو لکھ کر دھونے کی صورت میں اس پانی سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ہی فرمایا کہ خوابوں کے بارے میں اکثر روایات میں ”فلینفث“ کا لفظ آیا ہے اور وہ ہلکی سی پھونک ہوتی ہے جس میں لعاب نہیں ہوتا پس ”نفث اور بصق“ کے الفاظ کو مجازی طور پر اس معنی پر محمول کیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا کہ دونوں جگہ مطلوب مختلف ہے کیونکہ دم کرنے کی صورت میں ذکر کی رطوبت سے برکت حاصل کرنا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہاں شیطان کو بھگانا نیز اس کی حقارت اور ناپاکی کو ظاہر کرنا مقصود ہے جس طرح انہوں نے حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

تینوں قسم کے الفاظ کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ ان کو التفل پر محمول کیا جائے کیونکہ اس کے ساتھ معمولی سا لعاب بھی ہوتا ہے پس پھونک کو دیکھتے ہوئے اسے ”النفث“ کہتے ہیں اور لعاب کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے ”البصق“ کہا جاتا ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ اس سے اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا تو جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مذکورہ عمل کو اس مکروہ بات سے سلامتی کا سبب بنایا جو خواب پر مرتب ہوتی ہے جس طرح صدقہ کو مال کی حفاظت کا سبب بنایا ہے۔

جہاں تک پہلو بدلنے کا تعلق ہے تو سابقہ حالت کے بدل جانے کی نیک فالی ہے۔ اچھے خواب کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کہ ”اس کی خبر صرف اسے دے جس سے محبت کرتا ہے“ میں یہ حکمت ہے کہ جس سے محبت نہیں کرتا اس سے بیان کرے گا تو ہو سکتا ہے وہ اس کی تعبیر ایسے الفاظ سے کرے جسے یہ پسند نہیں کرتا اور وہ بغض یا حسد کی وجہ سے ایسی تعبیر کرے گا اور بعض اوقات اسی بیان کے مطابق نتیجہ نکلتا ہے یا وہ فوری طور پر غمگین اور تنگ دل ہوگا۔ اس لئے ایسے شخص سے بیان کرنے سے منع فرمایا جس سے محبت نہیں کرتا۔

### خواب کا پہلا تعبیر کنندہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ خواب پہلے تعبیر کرنے والے کے مطابق ہوتی ہے یہ حدیث ضعیف



ہے اس میں یزید رقاشی ہے لیکن اس حدیث کے لئے شاید (حدیث) ہے جسے امام ابو داؤد امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور امام حاکم نے ابورزین عقیلی سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا۔ اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

الرؤیا علی رجل طائر ما لم تعبر فاذا  
خواب آدمی پڑنے والی چیز ہے جب تک اس کی  
تعبیر بیان نہ کی جائے جب اس کی تعبیر بیان کی جائے تو وہ  
واقع ہو جاتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۱۳ مسند احمد ج ۳ ص ۱۰ المعجم الکبیر ج ۹ ص ۲۰۶ موارد الظمان رقم الحدیث: ۱۷۹۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۵۰ مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۹۵ الدرر المستشرہ رقم الحدیث: ۸۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۹۰)  
امام داری نے حسن سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن یسار کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں:

مدینہ طیبہ میں ایک عورت تھی جس کا خاوند تاجر تھا وہ تجارت کے سلسلے میں ادھر جاتا تھا وہ خاتون نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو عرض کیا میرا خاوند موجود نہیں اور اس نے مجھے حاملہ چھوڑا ہے۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے گھر کا ستون ٹوٹ گیا ہے اور میں نے بھینگا بچہ جنا ہے آپ نے فرمایا: بہتر ہے ان شاء اللہ تمہارا خاوند اچھی حالت میں واپس آئے گا اور تیرے ہاں نیک بچہ پیدا ہوگا اس خاتون نے یہ خواب تین مرتبہ ذکر کیا پھر وہ آئی اور نبی اکرم ﷺ موجود نہیں تھے میں نے اس سے (بار بار آنے کے بارے میں) پوچھا تو اس نے مجھے خواب کے بارے میں بتایا میں نے اس سے کہا اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تیرا خاوند ضرور مر جائے گا اور تیرے ہاں فاسق بچہ پیدا ہوگا وہ بیٹھ کر رونے لگی تو نبی اکرم ﷺ تشریف لائے آپ نے فرمایا: عائشہ! رک جاؤ جب تم کسی مسلمان کے خواب کی تعبیر بتاؤ تو اچھی تعبیر بتاؤ کیونکہ خواب اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تعبیر بیان کرنے والا بیان کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۵۳۵ رقم الحدیث: ۷۰۴۶)

حضرت سعید بن منصور کے نزدیک حضرت عطاء بن ابی رباح کی مرسل روایت سے ہے کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی تو اس نے عرض کیا کہ (میں نے دیکھا) گویا کہ میرے گھر کا ستون ٹوٹ گیا ہے اور اس کا خاوند غائب تھا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے خاوند کو صحیح سالم واپس لائے گا چنانچہ وہ صحیح سالم واپس آیا۔

(المصدر السابق ج ۱۲ ص ۵۳۵)

ابو عبید وغیرہ نے ”خواب پہلے تعبیر بیان کرنے والے کے مطابق ہوتی ہے“ کے بارے میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب پہلا تعبیر بتانے والا عالم ہو اور تعبیر بتاتے ہوئے صحیح وجہ تک پہنچے ورنہ یہ اس کے مطابق ہے جو بعد میں درست بیان کرے کیونکہ خواب کی تعبیر کے سلسلے میں درستی تک پہنچنے پر دار و مدار ہے تاکہ وہ بیان کی گئی مثال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی مراد تک پہنچ سکے۔ اگر وہ ٹھیک بیان کرے تو کسی اور سے نہ پوچھے اگر درست نہ ہو تو دوسرے سے پوچھے اور اسے (دوسرے تعبیر کنندہ کو) چاہیے کہ اس کے پاس جو علم ہے اسے بیان کرے اور پہلے کی جہالت کی وجہ بھی بیان کرے



اسی طرح انہوں (ابو عبیدہ) نے فرمایا: اور اس میں بحث ہے جس کا طویل ذکر ہے۔

### تعبیر بتانے والے کے آداب

تعبیر بتانے والے کے آداب سے وہ بات ہے جو امام عبدالرزاق نے حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جب تم میں سے کوئی خواب دیکھے تو صرف اپنے بھائی (خیر خواہ) سے بیان کرے اسے چاہیے کہ کہے ہمارے لئے بہتر ہے اور ہمارے دشمنوں کے لئے شر ہے۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس کی سند منقطع ہے۔

امام طبرانی نے اور امام بیہقی نے ”الدلائل میں“ ابن زہل رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا: یہ بھلائی ہے جسے تم پاؤ گے اور ایسا شر ہے جس سے تم بچو گے ہمارے لئے بھلائی ہے اور ہمارے دشمن کے لئے شر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے اپنا خواب مجھ سے بیان کرو۔ اس حدیث کی سند بہت کمزور ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

(دلائل النبوة ج ۷ ص ۳۷ الاصابہ ج ۳ ص ۱۷ رقم الحدیث: ۳۶۷۶)

تعبیر بتانے والے کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ سورج کے طلوع و غروب اور زوال کے وقت تعبیر نہ بتائے رات کے وقت بھی نہ بتائے اور نہ عورت سے بیان کرے لیکن یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے تو فرماتے کیا (تم میں سے) کسی نے رات کو خواب دیکھا ہے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا کہ بیان ہو آپ کے سامنے بیان کیا جاتا اور آپ ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بتاتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ”باب تعبیر الرؤیا بعد صلاة الصبح“ (نماز فجر کے بعد خواب کی تعبیر بتانے سے متعلق باب)۔

محدثین کرام فرماتے ہیں اس میں اس بات کی کمزوری کی طرف اشارہ ہے جو عبدالرزاق نے حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت سعید بن عبدالرحمن کے واسطے سے ان کے بعض علماء سے نقل کی کہ انہوں نے فرمایا اپنا خواب کسی عورت کو نہ بتاؤ اور جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے خواب بیان نہ کرو۔

اس میں اہل تعبیر میں سے ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں مستحب یہ ہے کہ خواب کی تعبیر طلوع آفتاب کے بعد دن کی (پہلی) چوتھائی تک اور عصر سے غروب تک بتائی جائے کیونکہ حدیث طلوع آفتاب سے پہلے تعبیر بتانے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے پس ان کے اس قول کی مخالفت نہ کی جائے کہ جن اوقات میں نماز مکروہ ہے ان اوقات میں خواب کی تعبیر بتانا بھی مکروہ ہے۔

مہلب (ابو القاسم بن احمد بن اسید اندلسی رحمہ اللہ فقہ حدیث اور عبادت میں راسخ علماء میں سے تھے ۴۳۳ھ میں وصال فرمایا) فرماتے ہیں نماز فجر کے وقت تعبیر بتانا دوسرے اوقات کے مقابلے میں بہتر ہے کیونکہ وقت قریب ہونے کی وجہ سے آدمی کو خواب یاد ہوتا ہے اور ابھی تک بھول واقع نہیں ہوتی نیز تعبیر بتانے والے کا ذہن بھی حاضر ہوتا ہے اور اس وقت معاشی مسائل میں فکر کی مشغولیت بھی کم ہوتی ہے خواب دیکھنے والے کو چاہیے کہ اسے خواب کے سبب سے جو کچھ



لاحق ہوا اس کی پہچان رکھے پس اچھی بات پر خوش ہو اور بری بات سے بچے اور اس کے لئے تیار رہے بعض اوقات خواب میں گناہ سے بچنے کی طرف اشارہ ہوتا ہے پس اس سے رک جائے اور بعض اوقات کسی بات سے ڈرایا جاتا ہے پس اس کی حفاظت کرے۔

حضرت مہلب فرماتے ہیں صبح کے وقت خواب کی تعبیر بیان کرنے میں بہت سے فائدے ہیں یہ بات ”فتح الباری“ میں ”فرمائی ہے۔ (شذرات الذهب ج ۳ ص ۲۵۵ کشف الظنون ج ۱ ص ۵۳۵)

### خواب دیکھنے والے کے آداب

ائمہ تعبیر نے بتایا کہ خواب دیکھنے والے کے آداب سے ہے کہ وہ خواب واضح طور پر بیان کرے اور وضو کی حالت میں دائیں پہلو پر سوتے وقت سورۃ الشمس، سورۃ الليل، والتین، اخلاص، الفلق اور الناس پڑھے اور یوں کہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ سَيِّئِ الْاَحْلَامِ  
وَاَسْتَجِیْرُ بِكَ مِنْ تَلَاعُبِ الشَّیْطَانِ فِی الْیَقَظَةِ  
وَالْمَنَامِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ رُؤْیَا صَالِحًا صَادِقًا  
نَافِعًا حَافِظًا غَیْرَ مَنِّیَّةٍ اَللّٰهُمَّ اِدْرِیْ فِیْ مَنَامِیْ مَا  
اُحِبُّ۔

یا اللہ! میں برے خوابوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور  
شیطان کے کھیلنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں بیداری اور  
نیند (دونوں حالتوں) میں۔ یا اللہ! میں تجھ سے اچھے سچے  
نفع بخش یا درہنہ والے نہ بھولنے والے خواب کا سوال کرتا  
ہوں یا اللہ! مجھے وہ بات دکھانے میں پسند کرتا ہوں۔

نیز دشمن یا جاہل کے سامنے بیان نہ کرے۔

### جو کچھ دیکھا گیا اس کی اقسام

جب یہ بات جان لی تو یہ بھی جان لو کہ جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ دو قسموں پر منحصر ہے۔  
پہلی قسم: پریشان خواب۔ یہ خواب کسی بات کی خبر نہیں دیتے اور ان کی کئی اقسام ہیں۔

(۱) شیطان کا کھیلنا تاکہ دیکھنے والے کو پریشان کرے جیسے وہ دیکھتا ہے کہ اس کا سر کٹ گیا اور اس کے پیچھے جارہا ہے یا وہ دیکھتا ہے کہ وہ کسی خطرے میں گھر گیا اور اسے بچانے والا کوئی نہیں اور اس طرح کے دیگر خواب۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کٹ گیا اور میں اس کے پیچھے جارہا ہوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شیطان نے تم سے جو کھیل کھیل لیا ہے اس کی خبر کسی کو نہ دو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۱ المستدرک ج ۳ ص ۳۹۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۳۳)

(۲) وہ دیکھتا ہے کہ بعض فرشتے اسے حرام کام کرنے کا حکم دیتے ہیں یا ایسے کام جو عقلی طور پر محال ہیں۔

(۳) بیداری کی حالت میں اسے جو خیالات آتے ہیں یا تمنا کرتا ہے وہ اسی طرح خواب میں دیکھتا ہے اسی طرح بیداری میں جو کچھ دیکھنے کی عادت ہے خواب میں بھی دیکھتا ہے یا جو کچھ اس کے مزاج پر غالب ہے اور مستقبل میں واقع ہونے کا غالب گمان ہے حال میں کثرت سے اور ماضی میں کم واقع ہوا۔

دوسری قسم: سچے خواب اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اتباع کرنے والے نیک لوگوں کے خواب ہیں اور بعض



اوقات نادر طور پر دوسرے لوگوں کے لئے بھی واقع ہوئے ہیں۔ اور یہ خواب جس طرح نیند کی حالت میں واقع ہوتے ہیں بیداری کی حالت میں اسی طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے سچے خواب جو صبح پھوٹنے کی طرح (روشن) تھے گنتی اور حد سے باہر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ کی وحی کا آغاز نیند میں سچے خوابوں کے ذریعے ہوا پس جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح پھوٹنے کی مثل سامنے آتا۔

ایک روایت میں ”رؤیا الصادقہ“ کی جگہ ”رؤیا الصالحہ“ کے الفاظ ہیں اور یہ دونوں انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں امور آخرت کی نسبت سے ایک ہی معنی میں ہیں۔ صالحہ (صادقہ کی نسبت) زیادہ خاص ہے پس نبی اکرم ﷺ کے تمام خواب ”صادقہ“ (سچے) ہوتے اور کبھی صالحہ ہوتے اور اکثر ایسا ہوتا اور غیر صالحہ دنیا کے حوالے سے ہوتے مثلاً احد کے دن آپ نے خواب دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے اور اپنی تلوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تو آپ نے گائے کی تعبیر صحابہ کرام کو پہنچنے والی حالت سے کی اور تلوار کے ٹوٹنے کی تعبیر اپنے اہل بیت کی ایک شخصیت کی شہادت سے فرمائی (تو یہ خواب بظاہر دنیوی اعتبار سے صالح نہ تھا) پھر اچھا انجام متقی لوگوں کے لئے ہے اور اس کے بعد آپ کو تمام مخلوق پر مدد اور فتح حاصل ہوئی۔ جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ لوگوں کے خواب کا تعلق ہے تو ان دونوں (صادقہ اور صالحہ) میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ اگر ہم صادقہ کی تعبیر یوں کریں کہ وہ تفسیر کی محتاج نہیں اور اگر ہم یوں تفسیر کریں کہ وہ پریشان خیال نہیں تو صالحہ مطلقاً زیادہ خاص ہے۔

امام نصر بن یعقوب الدینوری (ابوسعید نصر بن یعقوب بن ابراہیم متوفی ۴۱۰ھ) نے ”التعبیر القادری میں“ فرمایا کہ رؤیا صالحہ وہ ہے جو بعینہ واقع ہو یا حالت نیند میں اس کی تعبیر ہو یا اس کی خبر وہ شخص دے جو جھوٹ نہیں بولتا اور صالحہ وہ ہے جس کی تاویل کی جائے۔

### خواب کے سلسلے میں لوگوں کے درجات

جان لو کہ خواب کے سلسلے میں لوگ تین درجوں میں تقسیم ہیں:

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام۔ ان کے تمام خواب سچے ہوتے ہیں اور بعض ان میں ایسے خواب بھی ہوتے ہیں جو تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔

(۲) نیک لوگ۔ ان کے خواب غام طور پر سچے ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایسے خواب بھی ہوتے ہیں جو تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔

(۳) ان کے علاوہ لوگ۔ ایسے لوگوں کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں اور پریشان خیال بھی ہوتے ہیں اور یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ کبھی صادقہ اور صالحہ دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے کبھی صادقہ بھی نہیں ہوتا اور صالحہ بھی نہیں اور کبھی صالحہ ہوتا ہے صادقہ نہیں اور کبھی صادقہ ہوتا ہے صالحہ نہیں یعنی دو جگہوں پر صالحہ اور صادقہ کا اجتماع ہوتا ہے اور ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔

۲ (الاعلام ج ۸ ص ۲۹ پیغمبر الدھر ج ۳ ص ۳۹ کشف الظنون رقم الحدیث: ۳۱۷-۵۳۲-۹۱۳)



- (۱) وہ لوگ جن کا حال پوشیدہ ہے ان لوگوں کے حق میں اعتدالِ حال غالب ہے۔  
 (۲) فاسق لوگ۔ ان لوگوں کے عام خواب پریشان خیال ہوتے ہیں اور ان میں سچ کم ہوتا ہے۔  
 (۳) کفار۔ ان لوگوں کے خوابوں میں سچائی بہت نادر ہوتی ہے اسی بات کی طرف نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

اصدقہم رؤیا اصدقہم حدیثا۔  
 ان میں سے زیادہ سچا زیادہ سچے خوابوں والا ہے۔  
 اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔  
 بعض اوقات کچھ کفار کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانے کے دو ساتھیوں کا خواب اور ان کے بادشاہ کا خواب اور اس کے علاوہ۔  
 حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے مرفوعاً نقل کیا اور ابن حبان نے اسے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صحیح قرار دیا۔ (اس میں فرمایا):

اصدق الرؤیا بالاسحار۔  
 سب سے زیادہ سچے خواب سحری کے خواب ہیں۔  
 امام نصر بن یعقوب دینوری نے فرمایا: کہ رات کے پہلے نصف حصہ کے خواب کی تاویل دیر سے ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے نصف کی تعبیر جلدی سامنے آتی ہے کیونکہ رات کے اجزاء میں تفاوت ہے اور سب سے جلدی ظاہر ہونے والی تعبیر سحری کے خواب (کی تعبیر) ہے خصوصاً جب طلوع فجر کا وقت ہو۔  
 حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے جلدی تاویل والا خواب وہ ہے جو دوپہر کو آرام کرتے وقت (قیلولہ کے وقت) دیکھا جائے۔  
 حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں دن کا خواب رات کے خواب کی طرح ہے اور عورتوں کا حکم مردوں کے حکم جیسا ہے۔ حضرت قیردانی سے مروی ہے کہ عورت جب ایسی بات دیکھے جس کی وہ اہل نہیں تو وہ اس کے خاوند کے لئے ہے اسی طرح غلام کا اپنے آقا سے معاملہ جس طرح بچے کے خواب کی تعبیر اس کے ماں باپ کے لئے ہے۔

## نبی اکرم ﷺ نے خوابوں میں کیا دیکھا؟

### دودھ نوش فرمانا

نبی اکرم ﷺ کے خوابوں میں سے ایک دودھ پینا ہے اور اس کی تعبیر علم سے فرمائی جس طرح ”صحیح بخاری“ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا تو میں نے اس سے کچھ دودھ پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ سیرابی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے پھر میں نے اپنا بچا ہوا (دودھ) دے دیا یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا ”علم“۔



(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۰۶-۷۰۰۷-۷۰۲۷-۷۰۳۲ سنن الدارمی ج ۲ ص ۱۲۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۳۰ کنز

العمال رقم الحدیث: ۳۲۷۲۹)

کشمینی کی روایت میں ”اظفاری“ (میرے ناخن) کی بجائے ”اظافیری“ کا لفظ ہے معنی وہی ہے۔ صالح بن کیسان کی روایت میں ”من اطرافی“ ہے یعنی میرے کناروں سے۔

اس خواب میں احتمال ہے کہ بصری ہو (آنکھ سے دیکھی ہوئی بات) اور یہی ظاہر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ علمی ہو (اس بات کا علم حاصل ہوا) پہلی بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو امام حاکم اور طبرانی نے حضرت ابوبکر بن عبد اللہ بن عمر سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے اس حدیث کے سلسلے میں روایت کی ہے اس میں ہے آپ نے فرمایا:

میں نے (وہ دودھ) پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ میری رگوں میں جلد اور گوشت کے درمیان جاری ہوا۔ لیکن محض علمی ہونے کا احتمال بھی ہے۔

بعض عارفین (قاضی ابوبکر بن عربی) نے فرمایا کہ وہ ذات جو گوہر اور خون کے درمیان خالص دودھ رکھتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ شک اور جہالت کے درمیان معرفت کو پیدا کر دے جو کچھ انہوں نے فرمایا بات اسی طرح ہے لیکن عادت و طریقہ یہی ہے کہ علم سیکھنے سے آتا ہے اور جو کچھ انہوں نے ذکر کیا کبھی اس طرح عادت کے خلاف ہو جاتا ہے پس یہ کراہت کے باب میں سے ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے دودھ کی تاویل علم سے اس اعتبار سے کی کہ آپ کے لئے یہی بات بیان ہوئی یا یہی حکم ہوا جب آپ کے پاس شراب کا پیالہ اور دودھ کا پیالہ لایا گیا تو آپ نے دودھ لے لیا پس جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔

بعض مرفوع احادیث میں اس کی تاویل فطرت سے کی گئی ہے جس طرح امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے نقل کیا کہ خواب میں دودھ دیکھنا فطرت ہے۔

دینوری نے ذکر کیا کہ اس حدیث میں جس دودھ کا ذکر ہے وہ اونٹنی کا دودھ ہے اور اس کے پینے والے کو حلال مال اور علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں گائے کا دودھ خشک سالی سے شادابی حلال مال اور فطرت ہے اور بکری کا دودھ مال سرور اور جسمانی صحت کی طرف اشارہ ہے جنگلی جانور کا دودھ دین میں شک کی علامت ہے درندوں کا دودھ اچھا نہیں ہے البتہ شیرنی کا دودھ مال ہے لیکن اس کے ساتھ اس باب اختیار کی دشمنی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا جس قدر علم ہے کوئی شخص اس سلسلے میں آپ کے مقام کو پہنچ نہیں سکتا کیونکہ آپ نے دودھ نوش فرمایا حتیٰ کہ سیرابی آپ کے کناروں سے نکل رہی تھی۔

اور آپ کا باقی ماندہ دودھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا کرنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہونے والے علم کی طرف اشارہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے ڈرتے نہیں تھے۔

حدیث شریف میں دودھ کی علم سے تعبیر کی وجہ دودھ اور علم کا کثرت نفع میں اشتراک ہے اور یہ دونوں چیزیں بھلائی کا سبب ہیں پس دودھ بدنی غذا کے لئے اور علم معنوی غذا کے لئے ہے۔



## قیص کی تعبیر دین سے

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے قیص دیکھ کر اس کی تعبیر دین سے کی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا گیا اور ان پر قیصیں تھیں ان میں سے بعض چھاتی تک پہنچتی تھیں اور بعض اس سے نیچے نیچے تھیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے تو ان پر قیصیں تھیں جسے کھینچ رہے تھے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا: اس سے دین مراد ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۰۸-۲۳۰۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۵ مسند احمد ج ۳ ص ۸۶ شرح السنہ ج ۱۲ ص ۲۳۱)

حکیم ترمذی کی روایت میں اس حدیث کا ایک اور طریق ہے اس میں یوں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ اس کی تاویل کیسے کرتے ہیں؟

اس حدیث میں ”السدی“ کا لفظ آیا جس میں ثاء پر پیش ڈال کے نیچے زیر اور یاء مشدود ہے یہ سدی کی جمع ہے سدی میں ثاء پر زبر اور دال ساکن ہے معنی یہ ہے کہ قیص بہت چھوٹی ہے کہ گردن سے ناف تک کو نہیں ڈھانپتی بلکہ اس سے اوپر اوپر ہے۔

اور یہ فرمایا: کہ ان میں سے بعض اس سے نیچے ہیں تو اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے نچلی جانب مراد ہو اور یہی ظاہر ہے پس زیادہ لمبی ہوگی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اوپر کی جانب مراد ہو تو نہایت چھوٹی ہوگی پہلے احتمال کی تائید حکیم ترمذی کی مذکورہ بالا روایت سے ہوتی ہے کہ ان میں سے کسی کی قیص ناف تک تھی اور ان میں سے بعض کی قیص گھٹنوں تک اور بعض کی قیص پنڈلی کے نصف تک تھی۔

اور لفظ دین کو منصوب پڑھنا جائز ہے تقدیر عبادت یوں آئے گی ”اولئہ الدین“ میں نے اس کی تعبیر دین سے کی ہے۔ اور رفع بھی جائز ہے (یعنی ہو الدین)۔

حکیم ترمذی کی اس روایت میں ”علی الایمان“ کا لفظ بھی ہے یعنی اس کی تعبیر و تاویل ایمان سے فرمائی۔ کہا گیا ہے کہ قیص کی تعبیر دین سے اس لئے کی گئی کہ قیص دنیا میں ستر کو ڈھانپتی ہے اور دین اسے آخرت میں ڈھانپے گا اور ہر مکروہ بات سے آڑ بنے گا اور اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

ولباس التقوی ذلک خیر. (الاعراف: ۲۶) اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔

اہل تعبیر اس بات پر متفق ہیں کہ قیص کی تعبیر دین سے کی جائے اور اس کا لباس ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قیص والے کے آثار اس کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔

ابن عربی نے فرمایا قیص کی تعبیر دین سے اس لئے کی جاتی ہے کہ دین جہالت کے ستر کو ڈھانپتا ہے جس طرح قیص بدن کے ستر کو ڈھانپتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غیر کا تعلق ہے تو جس کی قیص چھاتی تک پہنچی تو دین نے اس کے دل کو کفر سے ڈھانپ لیا اگرچہ وہ گناہوں کا مرتکب ہو اور جس کی قیص اس سے نیچے پہنچی اور اس کی شرمگاہ ننگی ہے تو



اس کے پاؤں کو گناہ کی طرف جانے سے نہیں ڈھانپا اور جس کے پاؤں کو ڈھانپا وہ ہر اعتبار سے تقویٰ کے ساتھ ڈھانپا گیا اور جو قمیص کو کھینچتا ہے وہ خالص عمل کے ذریعے اس سے زائد درجہ پر ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث میں لوگوں سے مراد ایمان والے لوگ ہیں کیونکہ قمیص کی تاویل دین سے کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خاص لوگ مراد ہیں بلکہ ان میں سے بھی بعض مراد ہیں اور دین سے مراد اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا ہے جس طرح اوامر کو بجالانے اور ممنوعات سے اجتناب کی حرص۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ بلند مقام حاصل تھا۔ وہ فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قمیص میں حسن وغیرہ سے جو کچھ دیکھے اس کی تعبیر پہننے والے کے دین سے کی جاتی ہے۔

ابن ابی جمرہ مزید فرماتے ہیں: کہ قمیص میں ایک نکتہ یہ ہے کہ وہ جب چاہے اسے اتار دے اور جب چاہے اسے باقی رہنے دے پس جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ایمان کا لباس پہنایا اور وہ اس سے متصف ہوئے تو زیادہ لباس والا ایمان میں کامل ہوتا ہے اور جو ایسا نہیں وہ کامل ایمان والا نہیں اور کبھی کپڑے کی کمی ایمان کی کمی کے باعث ہوتی ہے اور کبھی عمل میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین والے دین میں قلت و کثرت اور قوت و ضعف کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

یہ ان مثالوں میں سے ہے جو خواب میں تعریف کی جاتی ہے اور بیداری میں شرعی طور پر قابل مذمت ہے یعنی قمیص کا گھسیٹنا (شرعاً منع ہے اگرچہ خواب میں یوں دیکھنا قابل تعریف ہے) کیونکہ قمیص کے زیادہ لمبا ہونے پر وعید آئی ہے۔

### سونے کے دو کنگن

نبی اکرم ﷺ کے خوابوں میں سے ایک خواب یہ ہے کہ آپ نے اپنے مبارک ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے اور ان کی تعبیر دو جھوٹوں سے فرمائی۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی اکرم ﷺ کے خواب کے بارے میں پوچھا جو ذکر کی گئی تو انہوں نے فرمایا: مجھ سے ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس دوران کہ میں آرام کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے ہیں مجھے یہ بہت برے لگے اور میں نے ان کو ناپسند کیا تو مجھے حکم دیا گیا کہ میں ان کو پھونک ماروں چنانچہ وہ دونوں اڑ گئے پس میں نے اس کی تعبیر ان دو جھوٹوں سے کی جو ظاہر ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۳، دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۵۸)

حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں: ان میں سے ایک اسود غسی تھا جسے فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا سیلمہ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۷۴)

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس دوران



کہ میں آرام فرماتا تھا کہ مجھے زمین کے خزانے دیئے گئے پس میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے وہ مجھ پر گراں گزرے اور مجھے پریشان کر دیا پس میری طرف وحی آئی کہ ان دونوں کو پھونک ہاروتو میں نے دو جھوٹوں سے تعبیر کیا کہ میں ان کے درمیان ہوں ایک صنعاء والا (اسود غسی) اور دوسرا یمامہ والا (مسلمہ کذاب)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۳۷)

مہلب فرماتے ہیں یہ خواب اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ ایک مثال کے طور پر بتایا گیا اور نبی اکرم ﷺ نے دو کنگنوں کو دو جھوٹوں سے تعبیر کیا کیونکہ جھوٹ کسی چیز کو اس کے مقام کے علاوہ جگہ پر رکھنے کا نام ہے پس جب آپ نے اپنے ہاتھوں میں کنگن دیکھے اور یہ آپ کے لباس میں سے نہیں تھے کیونکہ یہ عورتوں کے زیور سے ہیں تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ عنقریب وہ لوگ ظاہر ہوں گے جو اس بات کا دعویٰ کریں گے جو ان میں نہیں ہوگی۔ نیز ان کا سونے کا ہونا جب کہ سونے کا پہننا منع کیا گیا جھوٹ پر دلیل ہے۔

علاوہ ازیں لفظ ”ذهب“ (سونا) ذہاب (جانے) سے مشتق ہے تو معلوم ہوا کہ یہ وہ چیز ہے جو آپ سے دور رہے گی اس کی تاکید اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ کو ان کے پھونکنے کا حکم دیا گیا پس وہ اڑ گئے تو معلوم ہوا کہ ان دونوں کی طرف کوئی حکم منسوب نہیں آپ کا آنے والی وحی کے ذریعے کلام ان دونوں کو ان کی جگہوں سے زائل کر دے گا۔

ابن عربی کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ مسلمہ اور غسی کے معاملے کے باطل ہونے کی توقع رکھتے تھے پس آپ نے خواب کی تعبیر ان دونوں سے کی تاکہ وہی مراد ہوں اور خواب کا تعلق ان دونوں سے ہو کیونکہ جب خواب کی تعبیر بتائی جائے تو وہ پوری ہوتی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے وحی کے ذریعے یہ تعبیر فرمائی ہو۔ زمین کے جن خزانوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد وہ مال غنیمت ہیں جو آپ کی امت کے لئے ظاہر کئے گئے اسی طرح کسریٰ اور قیصر وغیرہ کے ذخائر بھی مراد ہیں یہ احتمال ہے کہ زمین کی کانیں مراد ہوں جن میں سونا اور چاندی ہے۔

قرطبی کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ پر یہ دونوں کنگن گراں گزرے کیونکہ سونا عورتوں کے زیور سے ہے اور ان چیزوں میں سے ہے جو مردوں پر حرام ہیں ان دونوں کا اڑ جانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں کا معاملہ کمزور ہے۔

اس تاویل کی اس خواب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اہل صنعاء اور اہل یمامہ اسلام لائے تھے پس وہ اسلام کے بازوؤں کی طرح تھے جب یہ دونوں جھوٹے ظاہر ہوئے اور من گھڑت باتوں اور جھوٹے دعوؤں کے ذریعے وہاں کے رہنے والوں سے جھوٹ بولا تو ان میں سے اکثر لوگ دھوکے میں آ گئے تو دونوں ہاتھ دو شہروں کی طرح اور دونوں کنگن دو جھوٹوں کی طرح ہوئے اور ان کا سونے سے ہونا ان لوگوں کی من گھڑت باتوں کی طرف اشارہ تھا اور لفظ زخرف (من گھڑت) سونے کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

اہل تعبیر کہتے ہیں جو شخص اپنے آپ کو اڑتا ہوا دیکھے اگر وہ آسمان کی طرف بلندی میں اڑ رہا ہو تو اسے نقصان پہنچے گا اور اگر وہ آسمان میں غائب ہو جائے اور واپس نہ آئے تو مر جائے گا اور اگر واپس آ جائے تو مرض سے افاقہ ہوگا اور اگر چوڑائی میں اڑے تو سفر کرے اور اڑاڑنے کے حساب سے بلندی پائے گا۔

### سیاہ فام بکھرے ہوئے بالوں والی عورت

آپ کے خوابوں میں سے ایک خواب یہ ہے کہ آپ نے ایک سیاہ عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے تو



آپ نے اس کی تعبیر و با سے کی جو مدینہ طیبہ سے جھ کی طرف منتقل ہو گئی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے ایک سیاہ رنگ کی بکھرے ہوئے بالوں والی عورت دیکھی جو مدینہ طیبہ سے نکلی تھی کہ مہیقہ میں کھڑی ہو گئی اور یہ جھ ہے میں نے اس کی تاویل و با سے کی جو مدینہ طیبہ سے جھ کی طرف منتقل ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۳۹-۷۰۴۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۲۳ مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۷-۱۱۷ مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۵ دلائل النبوة ج ۲ ص ۵۶۸)

یہ ان خوابوں کی ایک قسم ہے جن کی تعبیر بتائی گئی اور یہ ضرب الامثال میں سے ہے اور مثال دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوداء یعنی السوء اور داء (سوء برا اور داء بیماری) سے مشتق ہے پس اس کے نام کو جمع کر کے اس کے ظاہر ہونے سے تعبیر کی گئی۔

اور اس کے بالوں کے بکھرے ہونے سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ بری اور شر پھیلانے والی چیز مدینہ طیبہ سے نکل رہی ہے۔

قبردانی جو اہل تعبیر میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ جس چیز کے چہرے پر سیاہی زیادہ پھیلی ہوئی نظر آئے تو وہ مکروہ ہے اور دوسرے حضرات نے کہا سر کے بالوں کے بکھرے ہونے کی تعبیر بخار سے کی جاتی ہے کیونکہ اس سے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ سر کی طرف چڑھتا ہے خصوصاً جب سوداء سے ہو تو اس کی وحشت زیادہ ہوتی ہے۔

### مضبوط زرہ اور ذبح کی جانے والی گائے

نبی اکرم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ مضبوط زرہ میں ہیں اور گائے ذبح کی جا رہی ہے اور اس کی تعبیر بھی فرمائی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں تو میرا خیال یمامہ یا مقام ہجر کی طرف گیا لیکن یہ میثرب کا شہر تھا۔ میں نے اس میں گائے دیکھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب بہتر ہے تو اس سے احد کے دن کے کچھ مومن مراد ہیں (جو شہید ہوئے) اور اس سے وہ خیر مراد ہے جو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی اور اس صدق کا ثواب جو یوم بدر کے بعد ہمارے پاس آیا (یعنی وعدے کا سچا ہونا)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۲۳-۷۰۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۲۱ شرح السنہ ج ۱۲ ص ۲۷۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۹۳)

امام احمد وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ گویا میں ایک مضبوط (لوہے کی) زرہ میں ہوں اور میں نے گائے دیکھی جو ذبح کی جا رہی تھی تو میں نے مضبوط زرہ کی تاویل مدینہ طیبہ سے اور گائے کی تعبیر مسلمانوں کو پہنچنے والی شہادت سے کی آپ نے فرمایا ”البقر بقرا“ تو دوسرے لفظ ”بقر“ میں باء پر زبر اور قاف ساکن ہے اور یہ مصدر ہے (بقرہ، یبقرہ، بقرا)۔

اس حدیث کا سبب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیان ہوا اور اس حدیث کو حضرت امام



احمد امام نسائی اور طبرانی نے نقل کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ ابوالزناد کے طریق سے مروی ہے۔ وہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے غزوہ احد کے واقعہ میں لکھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا ان کو مشورہ دینا کہ مدینہ طیبہ (شہر) سے نہ نکلیں ان کا طلب شہادت میں باہر نکلنے کو ترجیح دینا آپ ﷺ کا زرہ پہن لینا اور صحابہ کرام کا اس پر نام ہونا اور آپ کا فرمانا کہ کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ جب وہ اپنی زرہ پہن لے تو لڑنے سے پہلے اسے اتار دے۔

اسی روایت میں ہے آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ میں مضبوط (یعنی لوہے کی) زرہ میں ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح اور اس سے زیادہ مکمل ہے اور مقصد اول میں غزوہ احد کے بیان میں اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

اور یہ فرمایا کہ خیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ لائے گا اور صدق کا ثواب جو اللہ تعالیٰ یوم بدر کے بعد ہمیں عطا فرمائے گا اس سے فتح خیبر اور پھر فتح مکہ مراد ہے یعنی دوسرے بدر کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں کو قائم و ثابت رکھے گا۔  
”فتح الباری میں فرمایا“ اس سیاق کلام میں اس بات کی خبر ہے کہ حدیث شریف میں آپ کا یہ خبر دینا کہ ”واللہ خیر“ (اللہ بھلائی والا ہے) یہ کلمہ بھی خواب کا حصہ ہے۔

اور میرے لئے جو بات ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ لفظ ”واللہ خیر“ اس کے راوی نے تحریر نہیں کیا اور ابن اسحاق کی روایت میں تحریر ہے نیز آپ نے گائے اور بھلائی دیکھی تو گائے کی تعبیر احد کے دن شہید ہونے والے صحابہ کرام سے کی اور خیر سے وہ ثواب مراد لیا جو لڑائی میں صداقت اور جہاد میں صبر پر ان کو حاصل ہوا اور یہ بدر کے دن سے اس کے بعد فتح مکہ تک حاصل ہوتا رہا۔

اس بنیاد پر بعد میں ہونا بدر اور احد کے درمیانی وقت کے ساتھ خاص نہیں ابن بطلال نے اس سے آگاہ کیا۔

### نبی اکرم ﷺ کا ترکھجوریں دیکھنا

نبی اکرم ﷺ کے خوابوں میں سے ایک خواب یہ ہے کہ آپ کے پاس ترکھجوریں لائی گئیں۔ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ میں نے رات کو وہ دیکھا جو سونے والا دیکھتا ہے (خواب مراد ہے) گویا میں عقبہ بن رافع کے گھر میں ہوں اور میرے پاس ابن طاب کی کھجوروں میں سے کھجوریں لائی گئیں تو میں نے اس کی تعبیریوں کی کہ ہمیں دنیا میں بلندی حاصل ہوگی اور آخرت میں اچھا انجام ہوگا اور ہمارا دین طیب و طاہر ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۵)

### خواب میں تلواریں دیکھنا جس کو حرکت دے رہے ہیں

اسی طرح آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ تلواریں کو حرکت دے رہے ہیں آپ نے اس کی تعبیر بھی بیان کی جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: اور میں نے اس خواب میں دیکھا کہ میں تلواریں کو حرکت دے رہا ہوں پس اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا تو اس سے احد کے دن مسلمانوں کو حاصل ہونے والی شہادت مراد ہے پھر دوبارہ حرکت دی تو وہ پہلے سے بھی اچھی حالت میں لوٹ آئی تو اس سے مسلمانوں کی فتح اور ان کا دوبارہ جمع ہونا مراد ہے۔



یہ بھی ضرب المثل میں سے ہے نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام کے ہمراہ حملہ کرنا تلوار کی تعبیر ہے اور آپ کا اسے حرکت دینا ان لوگوں کو لڑائی کا حکم دینا ہے اور اس کے کٹ جانے کی تعبیر مسلمانوں میں قتل کا پایا جانا ہے اور دوبارہ حرکت جب وہ اصلی حالت پر آگئی اس سے مسلمانوں کا اجتماع اور کفار کے خلاف ان کی فتح مراد ہے۔

اہل تعبیر کہتے ہیں تلوار کی تعبیر چار طریقوں پر ہوتی ہے۔

جس شخص کو (خواب میں) تلوار حاصل ہو اسے غلبہ حاصل ہوتا ہے ولایت کے طور پر ہو یا امانت یا بیوی یا اولاد کی صورت میں اگر اسے میان سے باہر نکالے پس وہ ٹوٹ جائے تو اس کی بیوی محفوظ رہتی ہے لیکن اولاد کو مصیبت پہنچتی ہے اور اگر اس کی میان ٹوٹ جائے اور تلوار محفوظ رہے تو اس کے برعکس ہوتا ہے اگر دونوں محفوظ رہیں یا دونوں ٹوٹ جائیں تو بھی اسی طرح ہے تلوار کے دستے کا تعلق باپ اور عصبیات (رشتہ داروں) سے ہے اس کی نعل (تلوار کی میان کا لوہے یا چاندی کا سرا) ماں اور ذوی الارحام (رشتہ داروں) سے متعلق ہے اگر تلوار کوننگا کر کے کسی شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کرے تو اس سے زبان کو جھگڑے کے لئے ننگا کرنا مراد ہے اور بعض اوقات تلوار کی تعبیر ظالم بادشاہ سے کی جاتی ہے۔

بعض تعبیر بتانے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص دیکھے کہ اس نے تلوار کو میان میں کیا ہے وہ شادی کرے گا یا اس نے کسی آدمی کو تلوار سے مارا تو وہ اس کے بارے میں زبان درازی کرے گا اور جو آدمی دیکھے کہ وہ کسی اور سے لڑ رہا ہے اور اس کی تلوار اس دوسرے کی تلوار سے زیادہ لمبی ہے تو وہ اس پر غالب آئے گا اور جو شخص بہت بڑی تلوار دیکھے تو یہ ایک فتنہ ہے اور جو آدمی تلوار لٹکائے تو کوئی معاملہ اس کے سپرد ہوگا اور اگر تلوار چھوٹی ہو تو یہ معاملہ دائمی نہیں ہوگا۔

### نبی اکرم ﷺ کا اپنے آپ کو کنویں پر دیکھنا

نبی اکرم ﷺ نے اپنے آپ کو کنویں پر دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میں نے اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا اور اس کے اوپر ایک ڈول تھا میں نے اس سے کھینچا جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر اسے ابو قحافہ کے بیٹے (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) نے لے لیا۔ انہوں نے اس سے ایک یا دو بھرے ہوئے ڈول نکالے اور ان کے نکالنے میں کمزوری تھی اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے پھر وہ بڑے ڈول میں بدل گیا تو اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لے لیا تو میں نے لوگوں میں کسی قوت والے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح نکالتے نہیں دیکھا حتیٰ کہ لوگوں کے اونٹوں نے سیر ہو کر پیا۔

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عبقری قرار دیا) اور قوم کا عبقری ان کا سردار بڑا اور قوی شخص ہوتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ مسلسل نکالتے رہے حتیٰ کہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ حوض سے پانی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے پس انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول پکڑ لیا تا کہ مجھے راحت پہنچائیں۔

حضرت موسیٰؑ حضرت سہالم سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ لوگ جمع ہوئے پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور آپ نے ایک یا دو ڈول نکالے اور ان کے



نکالنے میں کمزوری تھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو چھوٹا ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا پس میں نے لوگوں میں سے کسی شخص کو ان کی طرح عمدہ طریقے پر نکالتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ لوگوں کے اونٹوں نے سیر ہو کر پیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کرام نے فرمایا کہ یہ خواب ان دونوں خلیفوں کے ہاں ظاہر ہونے والے آثار صالحہ اور ان سے لوگوں کے نفع حاصل کرنے کی مثال ہے۔

اور یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ سے حاصل ہوا کیونکہ آپ دین لائے اور اسے مکمل کیا اور اس کے قواعد کو مضبوط کیا پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مرتد لوگوں سے جنگ کر کے ان کی جڑ کاٹ دی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے نائب ہوئے تو ان کے زمانے میں اسلام کو وسعت حاصل ہوئی۔ پس مسلمانوں کے معاملے کو ایسے کنویں سے تشبیہ دی گئی جس میں ایسا پانی ہو جس پانی میں ان کی زندگی اور بھلائی ہے اور ان کا امیر ان کے لئے اس سے پانی نکال رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا: کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا تا کہ مجھے راحت پہنچائیں اس میں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ موت دنیا کی مشقتوں اور تھکاوٹ سے راحت ہے چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امت کے معاملات کی تدبیر اور ان کے احوال کی اعانت و مدد کے لئے کمر بستہ ہوئے۔

اور یہ فرمانا کہ ان کے نکالنے میں کمزوری ہے تو یہ اس بات کی خبر تھی کہ ان کی مدت خلافت کم ہوگی جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت طویل تھی اور لوگوں نے اس سے نفع اٹھایا، فتوحات کی کثرت، شہروں کی تعمیر اور محکمہ جات کی تدوین کی وجہ سے اسلام کا دائرہ وسیع ہوا۔

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا: کہ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے یہ کسی عیب کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوا یہ کلمہ اہل عرب کہا کرتے تھے۔

اور یہ فرمانا: کہ ان کے ہاتھ میں ڈول بدل گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹا ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا۔ ”غروب“ غین پر زبراء ساکن اور اس کے بعد باء ہے بڑے ڈول کو کہتے ہیں۔

امام احمد اور امام ابو داؤد رحمہما اللہ نے حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے (خواب میں) دیکھا کہ گویا ایک بہت بڑا ڈول آسمان سے لٹکایا گیا پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ نے اس کی دونوں لکڑیوں (جو دستے کی شکل میں تھیں) کو پکڑا اور اس سے کمزوری کے ساتھ کچھ نوش فرمایا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہوں نے اس ڈول کی لکڑیوں (دستے) کو پکڑا اور نوش فرمایا حتیٰ کہ آپ کے پہلو بھر گئے (سیر ہو کر پیا) پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہوں نے اس کے دستے کو پکڑا اور سیر ہو کر پیا اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کے نکالنے میں اضطراب تھا (جس سے کچھ پانی گر گیا) آپ نے اس میں سے کچھ پانی کے اپنے اوپر چھینٹے مارے۔

حدیث شریف میں ”فاخذ بعروافہا“ کے الفاظ ہیں اور عراقی: عرقۃ الدلو کی جمع ہے اور یہ ایک لکڑی ہے جو



ڈول کے منہ پر رکھی جاتی ہے اور یہ دو لکڑیاں صلیب کی طرح تھیں جب کوئی شخص ڈول کے ساتھ لکڑی لگائے تو کہا جاتا ”عرفیت الدلو میں نے ڈول میں لکڑی لگائی“۔ اسی طرح انتشطت کا لفظ استعمال ہوا جس کا معنی پانی کا اچھلنا ہے۔ تو یہ نبی اکرم ﷺ کے مبارک خوابوں میں سے چند خوابوں کا ان کی تعبیر کے ساتھ تذکرہ ہے۔

### صحابہ کرام کے خواب اور تعبیر نبوی

نبی اکرم ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے خواب دیکھے اور آپ نے ان کی تعبیر بیان کی ان میں خاص خواب بھی ہیں اور دنیوی اور اخروی امور کو شامل خواب بھی ہیں۔

### نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام سے ان کے خوابوں کے بارے میں سوال کرنا

نبی اکرم ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تم میں سے جس نے رات کو خواب دیکھا ہو وہ بیان کرے تاکہ میں اسے اس کی تعبیر بتاؤں چنانچہ صحابہ کرام آپ کے سامنے اپنے اپنے خواب بیان کرتے۔

”صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں“ حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام سے اکثر فرماتے: کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے تو جس کے بارے اللہ تعالیٰ چاہتا وہ آپ کے سامنے بیان کرتا ایک صبح آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ہم میں سے کسی نے کچھ نہیں دیکھا آپ نے فرمایا لیکن آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے ان دونوں نے مجھے اٹھایا اور مجھ سے کہا چلے میں چلا پس میں ایک شخص کے پاس آیا جو لیٹا ہوا تھا اور دوسرا آدمی اس کے پاس ایک بڑا پتھر لے کر کھڑا تھا وہ پتھر کو اس کی طرف جھکا کر اس کے سر کو پھیل رہا تھا۔ ۱

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷، مسند احمد ج ۵ ص ۸-۱۳، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۶۲۵)

### نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام سے خوابوں کے بارے میں سوال نہ کرنا

نبی اکرم ﷺ کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟ پھر آپ نے پوچھنا چھوڑ دیا پس جو آدمی آپ کے سامنے خواب بیان کرتا تو آپ سوال کئے بغیر تعبیر بتا دیتے۔ ناقلین کا ترک سوال کے سبب میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا سبب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن فرمایا تم میں سے کس نے خواب دیکھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے دیکھا ہے میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک ترازو اتر اپس آپ کا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو آپ کا ۱۔ آپ نے یہ تعبیر بیان فرمائی کہ یہ دو فرشتے آئے جس طرح ایک دوسری حدیث میں ہے ان سے حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام تھے جس شخص کا سر پکلا تو یہ وہ شخص ہے جس نے قرآن یاد کر کے چھوڑ دیا اور فرض نماز سے سویا رہتا ہے ایک جگہ اس کی تعبیر یوں ہے کہ وہ علم قرآن پر عمل نہیں کرتا رات کو سوتا ہے اور دن کو نمل نہیں کرتا۔ (زرقاتی ج ۷ ص ۱۹۱)



وزن زیادہ نکلا اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا باہم وزن کیا گیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ ہوا حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا وزن کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ ہوا پھر ترازو اٹھالیا گیا۔ راوی فرماتے ہیں: پھر ہم نے نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور پر ناراضگی کے آثار دیکھے۔ علماء کرام فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اسی وجہ سے کسی سے خواب کے بارے میں نہ پوچھا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی ناپسندیدگی کا سبب نتائج اور مراتب چھپانے کو ترجیح دینا ہے پس جب یہ خواب صحابہ کرام کے مراتب کو واضح کرنے اور بعض کی بعض پر فضیلت کے بیان پر مشتمل تھا اور اس میں تعین کیا گیا تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں کشف میں اس سے زیادہ بلوغ باتیں تواتر کے ساتھ آنا شروع نہ ہو جائیں اور مخلوق کے شر میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور مشیت جاریہ ہے۔

ابن قتیہ نے کہا ابن منیر نے ذکر کیا کہ ابن زل کی حدیث میں سوال چھوڑنے کا سبب یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ جب فجر کی نماز پڑھتے تو اپنے پاؤں کو دہرا کرتے ہوئے ستر مرتبہ یہ کلمات پڑھتے:

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ  
كَانَ تَوَّابًا۔

کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پھر فرماتے ستر کا ثواب سات سو ہے اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جس کے گناہ دن میں سات سو سے زیادہ ہوں پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے: کیا تم سے کسی نے کچھ (خواب) دیکھا ہے؟ ابن زل فرماتے ہیں: ایک دن میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب دیکھا ہے آپ نے فرمایا: بھلائی ہے جو ملے گی اور شر جس سے حفاظت ہوگی ہمارے لئے بھلائی اور ہمارے دشمنوں کے لئے شر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اپنا خواب بیان کرو۔

انہوں نے کہا میں نے تمام لوگوں کو کشادہ آسان نرم راستے پر دیکھا ہے اور لوگ اپنے راستے پر جا رہے ہیں اس دوران وہ راستہ ان کو ایک چراگاہ کی طرف لے گیا جس کی مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا اس کا پانی بہت زیادہ ہے اور اس کی بارش طرح طرح کی گھاس اگاتی ہے گویا میرے پاس گھڑ سواروں کا پہلا دستہ آیا ہے جب وہ چراگاہ پر چڑھے تو تکبیر کہی پھر اپنی سوار یوں کو راستے میں چھوڑ دیا پس وہ دائیں بائیں نہ نکلے پھر ان کے بعد دوسرا دستہ آیا اور وہ ان سے کئی گنا زیادہ تھے جب وہ چراگاہ پر چڑھے تو انہوں نے تکبیر کہی پھر اپنی سوار یوں کو راستے میں چھوڑ دیا ان میں سے بعض چرنے کے لئے چھوڑے جاتے اور بعض نے ملے جلے گھاس کی مٹھی لی اور اسی طرح چل پڑے۔ راوی فرماتے ہیں: پھر بہت سے لوگ آئے جب وہ چراگاہ پر گئے تو تکبیر کہی اور کہا یہ بہترین جگہ ہے پس وہ چراگاہ میں دائیں بائیں جھکے میں نے یہ صورت دیکھی تو میں نے راستہ اختیار کر لیا حتیٰ کہ چراگاہ کی دوسری جانب چلا گیا یا رسول اللہ! اس وقت میں آپ کے ساتھ منبر پر تھا جس کے ساتھ زینے تھے آپ سب سے اعلیٰ زینے (درجے) پر تھے آپ کی دائیں جانب ایک شخص ہے جس کا رنگ گندمی ہے اور اس کی ناک درمیان سے بلند ہے وہ کلام کرتے کرتے بلند ہوتا جا رہا ہے قریب تھا کہ وہ لمبا میں تمام مردوں سے بڑھ جائے اور آپ کی بائیں جانب ایک شخص ہے جو زیادہ لمبا بھی نہیں اور پستہ قد بھی نہیں (بھوک



وغیرہ کی وجہ سے) اس کی حالت کمزور ہے اور وہ سرخ رنگ کا ہے اور اس کے چہرے پر بہت سے تل ہیں جب وہ گفتگو کرنے لگا تو آپ نے اس کے احترام میں اس کی طرف کان لگائے پھر اس کے سامنے ایک شیخ تھا گویا کہ آپ اس کی اقتداء کر رہے ہیں اور اس کے پاس ایک کمزور بوڑھی اونٹنی ہے اچانک یوں لگا کہ گویا یا رسول اللہ! آپ اس کو اٹھا رہے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۳۳۰۔ ج ۱ ص ۹۷)

راوی فرماتے ہیں: ایک ساعت نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور کا رنگ بدل دیا پھر یہ حالت دور ہوئی تو آپ نے فرمایا: تم نے جو آسان اور کھلا راستہ دیکھا ہے تو یہ وہ ہدایت جس پر میں تمہیں چلاتا ہوں پس تم اس پر ہو اور تم نے جو چراگاہ دیکھی ہے تو یہ دنیا اور اس کی اچھی زندگی ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں نہ اس نے ہمارا ارادہ کیا اور نہ ہم نے اس کا ارادہ کیا۔ اور تم نے دوسرے اور تیسرے گھڑ سواروں کا ذکر کیا اور آپ نے ان کا کلام ذکر کر کے ”انا لله وانا الیہ راجعون“ پڑھا۔ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

تم اچھے راستے پر ہو اور ہمیشہ اسی پر رہو گے حتیٰ کہ مجھ سے ملاقات کرو جہاں تک منبر کا تعلق ہے تو دنیا سات ہزار سال ہے اور میں اس کے آخری ہزار سال میں ہوں اور وہ شخص جو لمبے قد اور گندم گوں رنگ کا ہے تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ہم ان کا احترام کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فضیلت عطا فرمائی (ان سے کلام فرمایا) اور وہ شخص جس کا قد زیادہ لمبا اور زیادہ چھوٹا نہیں اس کی حالت کمزور ہے اور اس کا رنگ سرخ ہے تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ہم ان کا احترام کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام و مرتبہ عطا فرمایا۔ اور جس شیخ کو تم نے دیکھا کہ گویا ہم اس کی اقتداء کر رہے ہیں تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور وہ کمزور بوڑھی اونٹنی جس کو تم نے دیکھا ہے کہ میں اسے اٹھا رہا ہوں تو یہ امت پر قائم ہونے والی قیامت ہے کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں۔

راوی فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اس کے بعد کسی سے بھی خواب کے بارے میں نہ پوچھا مگر یہ کہ کوئی شخص آ کر خود بخود بیان کر دیتا۔

اس روایت کو ابن قتیبہ اور طبرانی نے نیز امام بیہقی نے ”الدلائل میں“ نقل کیا اور اس کی سند بہت کمزور ہے۔

(دلائل النبوة ج ۷ ص ۳۶)

### حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ کا خواب

نبی اکرم ﷺ سے منقول ایک عجیب تعبیر یہ ہے کہ حضرت زرارہ بن نخعی وفد نخعی میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اپنے اس (سفر کے دوران) راستے میں ایک خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا کہ ہماری اونٹنی جسے میں اپنے قبیلہ میں چھوڑ کر آیا ہوں اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا سیاہ رنگ ہے جس میں سرخی بھی ہے نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: کیا تمہاری کوئی لونڈی ہے جس کو تم نے اس حالت میں چھوڑا ہو کہ اس کا حمل ثابت ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! میں نے ایک لونڈی چھوڑی ہے جو حاملہ ہے آپ نے فرمایا: اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ تمہارا بیٹا ہے انہوں نے پوچھا وہ سرخ و سیاہ کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے قریب ہو جاؤ وہ قریب ہوئے تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں برص کی بیماری ہے جسے چھپاتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو



حق کے ساتھ بھیجا ہے اسے مخلوق نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کو اس کا علم ہے آپ نے فرمایا یہ وہی ہے۔  
حضرت زرارہ فرماتے ہیں میں نے حضرت نعمان بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے کانوں میں دو بالیاں دو بازو بند اور دو کڑے ہیں تو (اس کی تعبیر میں) فرمایا یہ عرب کی بادشاہی ہے جو اپنی افضل شکل اور حسن کی طرف لوٹ آئی ہے۔

فرماتے ہیں میں نے ایک سفید بالوں والی بڑھیا کو دیکھا جو زمین سے نکل رہی تھی تو آپ نے فرمایا: یہ دنیا کا باقی ماندہ حصہ ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا زمین سے آگ نکلی جو میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان حائل ہو گئی اور میں نے دیکھا وہ آگ کہہ رہی ہے آگ کی بھڑک ہے دیکھنے والے اور اندھے (کسی کو نہیں چھوڑے گی) میں تم سب کو کھاؤں گی اور تمہارے گھر والوں اور مالوں کو ہلاک کر دوں گی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ فتنہ ہے جو آخری زمانے میں ہو گا۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کون سا فتنہ؟ فرمایا (جس میں) لوگ اپنے امام پر جرات کر کے اسے شہید کریں گے پھر اس طرح ختم گتھا ہوں گے جس طرح سر کی ہڈیاں ایک دوسرے میں داخل ہیں (یہ فرماتے ہوئے) نبی اکرم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالا (فرمایا) گناہ کرنے والا یہ خیال کرے گا کہ وہ نیکی کر رہا ہے (کیونکہ اسے غلبہ حاصل ہوگا اسی طرح اہل باطل اپنے آپ کو اہل حق سمجھیں گے) اور مومن کے نزدیک دوسرے مومن کا خون ٹھنڈے پانی سے زیادہ میٹھا ہوگا۔

تو اس تعبیر کو دیکھو جو مشکوٰۃ نبوت سے ظاہر ہوئی، حق کی مٹھاس سے بھر پور ہے، سچائی کے لباس میں ملبوس اور وحی کے انوار سے روشن ہے اس حدیث میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ کے معانی اس طرح ہیں:

الاسفع۔ وہ بچہ (یا شخص) جس کے جسم کو کوئی دوسرا رنگ ملے۔  
الاحوی۔ سیاہ رنگ جو زیادہ تیز نہ ہو، المسکتن، سونے کے کنگن، اطباق الراس، سر کی ہڈیاں، الاشتجار، اختلاف اور تشبیہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا ایک دوسرے میں داخل ہونا۔  
اگر تم کہو کہ نبی اکرم ﷺ نے یہاں سوارین (کنگن) کی جو تعبیر فرمائی ہے وہ خوشخبری کی طرف لوٹتی ہے اور اس سے پہلے دو جھوٹے (مسئلہ اور اسود) مراد لئے تھے (اس کی کیا وجہ ہے؟)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نعمان بن منذر عرب کے بادشاہ تھے اور ان کو کسریٰ کی جانب سے بادشاہ بنایا گیا تھا اور وہ اپنے بادشاہوں کو کنگن دیتے اور بطور زیور پہناتے تھے اور حضرت نعمان کے لباس سے کنگن ان کے حق میں ناپسندیدہ نہیں تھے اور نہ ہی ان کو ان کے اصل مقام کے علاوہ رکھا گیا۔ جہاں تک نبی اکرم ﷺ کا تعلق ہے، آپ نے اپنی امت کے تمام افراد (مردوں) کو سونا پہننے سے منع فرمایا تو یہ بات مناسب تھی کہ آپ اس سے پریشان ہوں کیونکہ یہ آپ کے لباس میں سے نہیں چٹا نچا آپ نے اس سے استدلال کیا کہ کوئی امر اپنے مقام کے علاوہ رکھا جا رہا ہے (اور وہ مسئلہ اور اسود غسی کا دعویٰ نبوت تھا) لیکن ان کنگنوں کے چلے جانے (اڑ جانے) سے نتیجہ اچھا ہوگا پس اللہ ہی کے لئے حمد ہے۔

۱۔ کیونکہ حضرت نعمان عرب پر بادشاہ تھے تو مطلب یہ ہے کہ اہل عرب کا پہلے والا عز و شرف لوٹ آیا ہے اور ایران و عجم کا غلبہ ختم ہو گیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ظہور مبارک ہو چکا ہے۔ (زر قانی ص ۷۷ ص ۱۹۳)



### حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا خواب

ان خوابوں میں سے ایک خواب وہ ہے جو حضرت قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (عباد کی عین پریش اور باء غیر مشدد ہے)۔

وہ فرماتے ہیں میں ایک حلقہ میں تھا جس میں حضرت سعد بن مالک اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ گزرے ان حضرات نے کہا یہ شخص اہل جنت میں سے ہے میں نے حضرت ابن سلام سے کہا کہ یہ حضرت اس طرح اس طرح کہتے ہیں انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ! ان کو ایسی بات کہنا نہیں چاہیے جس کا انہیں علم نہیں میں نے دیکھا کہ گویا ایک ستون ہے جو ایک سرسبز باغ کے درمیان میں رکھا گیا پھر اسے نصب کیا گیا اور اس کے کنارے پر سی ہے اور اس کے نیچے ایک خادم ہے اس نے کہا اس پر چڑھیں پس میں اس پر چڑھا حتیٰ کہ رسی کو پکڑ لیا میں نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کو سنایا تو آپ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگا تو مضبوط رسی (دین اسلام مراد ہے) ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ ۱۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۱۸)

حضرت خرشہ رضی اللہ عنہ ۲ کی روایت میں ہے (حضرت ابن سلام) فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس ایک شخص آیا اور مجھ سے کہا کھڑے ہو جاؤ چنانچہ اس نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں اس کے ساتھ چل پڑا اچانک میں نے دیکھا کہ میں ایک راستے پر ہوں جو میری دائیں جانب ہے (لفظ جواد استعمال ہوا جو جادہ کی جمع ہے ایسے راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ چلتے ہیں) فرماتے ہیں میں اس پر چلنے لگا تھا کہ اس شخص نے کہا اس پر نہ چلو یہ دائیں جانب والوں کا راستہ ہے (کفار کا راستہ ہے)۔

امام نسائی کی روایت میں میں حضرت خرشہ کے طریق سے حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں چل رہا تھا میری دائیں جانب ایک راستہ سامنے آیا میں نے اس پر چلنے کا ارادہ کیا تو اس شخص نے کہا آپ اس راستے والوں میں سے نہیں ہیں۔

”صحیح مسلم میں ہے“ فرماتے ہیں: اچانک دیکھا تو میری دائیں جانب ایک راستہ ہے تو اس شخص نے کہا اس کو یہاں سے اختیار کریں پس وہ مجھے پہاڑ پر لایا اور کہا اوپر چڑھو فرماتے ہیں: میں جب چڑھنے کا ارادہ کرتا تو گر جاتا حتیٰ کہ میں نے کئی مرتبہ ایسا کیا۔

ابن عون کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس باغ سے اسلام کا باغ مراد ہے اور وہ ستون اسلام کا ستون ہے اور اس رسی سے مضبوط رسی (دین اسلام یا قرآن مجید) مراد ہے یعنی تم مرتے دم تک اسلام سے وابستہ رہو گے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودیوں کے عالم تھے پھر ایمان لائے حضور علیہ السلام نے ان کے حسن خاتمہ کی خبر دی ہے۔ ۱۲ ہزار دی  
۲۔ خرشہ بن حرقیم تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے امام ابوداؤد فرماتے ہیں ان کو شرب صحابیت حاصل ہے، عجلی فرماتے ہیں جلیل القدر تابعین میں سے تھے ۷۷ھ میں وصال ہوا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۹۶)



امام نسائی اور ابن ماجہ کے نزدیک حضرت خرشہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے بھلائی دیکھی ہے راستے سے محشر مراد ہے اور پہاڑ شہداء کی منزل ہے، امام مسلم نے اتنا اضافہ کیا کہ اسے تم ہرگز نہ پاسکو گے۔

تو یہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کی خبروں میں سے خبر ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا انتقال بطور شہید نہیں ہوا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں آپ مدینہ طیبہ میں اپنے بستر پر فوت ہوئے۔

اور محدثین کا آپ کو اہل جنت سے قرار دینا اس بات سے اخذ کیا گیا کہ جب انہوں نے با میں راستے کا ذکر کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم ادھر والوں میں سے نہیں ہو۔

اور آپ کا یہ فرمانا کہ ان کے لئے ایسی بات کہنا مناسب نہیں جس کا ان کو علم نہیں، تو وضع کے طور پر تھا نیز اس بات کو ناپسند کیا کہ ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ ان میں خود پسندی نہ آجائے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں تمام ناپسندیدہ باتوں سے بچائے۔)

قبر دانی کہتے ہیں جس باغ کی سبزی کی پہچان نہ ہو اسے اس کی تازگی اور حسن منظر کی وجہ سے اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے نیز فضیلت والے مکان سے بھی اس کی تعبیر ہوتی ہے بعض اوقات قرآن مجید، علمی کتب اور عالم وغیرہ سے بھی تعبیر کی گئی ہے۔

دوسرے معبرین نے کہا کہ حلقہ اور مجہول رسی اس شخص پر دلالت کرتی ہے جو اسے اپنے دین میں مضبوطی اور اخلاص سے پکڑے۔

### ام العلاء انصاریہ کا خواب

ان خوابوں میں سے ایک ام العلاء انصاریہ کا خواب بھی ہے جسے امام بخاری نے نقل کیا اور یہ انصاریہ ایک خاتون تھیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا، فرماتی ہیں مجھے خواب میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وصال کے بعد جاری چشمے کی صورت میں دکھائے گئے تو میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ کو تمام واقعہ سنایا آپ نے فرمایا یہ ان کا جاری عمل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸۷-۳۹۲۹ سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۷۶-ج ۱۰ ص ۲۸۸، اتحاف السادة المتقين ج ۹ ص ۲۲۵) یہ بھی کہا گیا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے کسی عمل کا ثواب باقی ہو جو صدقہ (جاریہ کی طرح) جاری ہو۔

مغلطای نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان باتوں میں سے کوئی نہیں جو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہیں کہ جب بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین کام (یعنی ان کا ثواب) جاری رہتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۷۱۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۷۹۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۱ مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲ نصب الراية ج ۳ ص ۱۵۹ اتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۱۱۳-ج ۵ ص ۲۲-ج ۹ ص ۸۷ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۹۹-۱۱۰-۱۱۸ المغنی ج ۱ ص ۱۲-ج ۲ ص ۲۳ کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۰۵)

۱۔ یہ تین کام (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچے اور (۳) نیک اولاد جو ان (ماں باپ) کے لئے دعا مانگے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۹۸ بحوالہ صحیح مسلم)



شیخ ابن حجر نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا کہ ان (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ) کے ایک نیک صاحبزادے تھے جو بدر اور اس کے بعد جہاد میں شریک ہوئے اور وہ حضرت سائب تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا انتقال ہوا اور وہ ان تین اعمال میں سے تھے جن کا ثواب جاری ہے۔ فرماتے ہیں حضرت عثمان مالدار لوگوں میں سے تھے پس بعید نہیں کہ انہوں نے کوئی ایسا صدقہ کیا ہو جس کا ثواب وصال کے بعد بھی جاری رہا۔

مہلب کہتے ہیں جاری چشمے میں کئی وجوہ کا احتمال ہے اگر اس کا پانی صاف ہو تو اس کی تعبیر اچھے عمل سے ہوگی ورنہ نہیں دوسرے حضرات فرماتے ہیں جاری چشمہ جاری عمل ہے وہ صدقہ ہو یا کسی زندہ یا فوت شدہ سے نیکی کرنا ہو۔

کسی دوسرے نے کہا کہ پانی کا چشمہ نعمت برکت اور بھلائی ہے اور آرزو کا پورا ہونا ہے اگر خواب دیکھنے والے کی حالت پوشیدہ ہو اور اگر وہ پاکدامن نہ ہو تو اسے مصیبت پہنچتی ہے جس پر اس کے گھر والے روتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ تعبیرات میں سے کچھ ذکر کیا گیا ان سے اس قسم کے خوابوں کی تعبیر میں رہنمائی ملتی ہے ورنہ آپ سے تاویل و تعبیر کے سلسلے میں جو عجیب و لطیف باتیں منقول ہیں جیسا کہ ابن مزیر نے کہا وہ کئی جلدوں میں بھی نہیں آسکتیں۔

اور جب تم غور کرو تو اس امت میں سے کسی ایک کو علم و عمل کے اعتبار سے جو کرامت و اعزاز حاصل ہوا وہ نبی اکرم ﷺ کے معجزہ کے آثار اور آپ کی تصدیق کے راز سے ہے آپ کے طریق کی برکات اور آپ کی سیرت طیبہ اور توفیق سے ہدایت حاصل کرنے کے ثمرات و نتائج ہیں۔

میں نے صرف ان تعبیرات کا ذکر کیا جو حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کو تعبیر کے لطائف سے ملا اور وہ معروف و مشہور ہے۔ زمین کے طبقہ میں سچائی اور درستی اور تعجب خیز ہونے کے اعتبار سے لوگوں کے کان اس سے آشنا ہیں بلکہ یہ گہرا اور پانی سے بھرپور سمندر ہے۔

(جب تم غور کرو گے تو) اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ نبی اکرم ﷺ کو جو علوم و معارف عطا ہوئے ہیں عبارات ان کا احاطہ نہیں کر سکتیں اشارات ان کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔

جب امام ابن سیرین رحمہ اللہ جو آپ کے ایک امتی ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ ان سے تعبیر کے فن میں اس قدر منقول ہے جو کثرت کے باعث شمار میں نہیں آسکتا تو نبی اکرم ﷺ کا کیا حال ہوگا جب کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں زیادہ فضل و شرف عطا فرمایا اور آپ کے علوم و معارف کے بادلوں سے ہمیں فیضان عطا فرمایا اور آپ کی مہربانیوں سے ہمیں بہرہ ور فرمایا۔

فصل نمبر ۳

## نبی اکرم ﷺ کا غیبی خبریں دینا

جان لو کہ غیب (کا علم) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور جو کچھ اس کے رسول ﷺ اور دوسرے لوگوں کی زبان پر واقع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (عطا) ہوتا ہے وحی کے ذریعے ہو یا الہام کے ذریعے۔



اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی شاہد ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا

مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ. (جن: ۲۶-۲۷)

تاکہ یہ غیب پر اطلاع اس نبی کا معجزہ ہو جائے۔

اس سے کرامات کو باطل کرنے پر استدلال کیا گیا۔

(یعنی غیب کی خبر دینا بطور معجزہ ہی ہو سکتا ہے کرامت کے طور پر نہیں) تو اس کا جواب یوں دیا گیا کہ رسول کی تخصیص فرشتے کے ساتھ ہے (کہ فرشتہ رسول پر نازل ہوتا ہے) اور اظہار وہ ہوتا ہے جو کسی واسطے کے بغیر ہو اور غیبی باتوں کے حوالے سے اولیاء کرام کی کرامت ملائکہ کو دیکھنے سے ہوتی ہیں جس طرح ہمارا آخرت کے احوال پر مطلع ہونا انبیاء کرام کے واسطے سے ہے ایک حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

والله انی لا اعلم الا ما علمنی ربی۔  
اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا مگر وہی جو مجھے میرے رب نے سکھایا۔

تو نبی اکرم ﷺ نے جس قدر غیبی خبریں دی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے بتانے اور آگاہ کرنے سے دی ہیں اور یہ آپ کی نبوت کے ثبوت اور صداقت رسالت کے دلائل سے آگاہ کرنا ہے۔  
صحابہ کرام کے درمیان نبی اکرم ﷺ کا غیبی خبریں دینا ایک معروف بات تھی حتیٰ کہ ان میں سے بعض (کمزور ایمان والے یا منافق) دوسرے ساتھی نے کہتے خاموش رہو اللہ کی قسم! اگر ان (نبی اکرم ﷺ) کے پاس وہ نہ ہو تو جو ان کو خبر دیتا ہے (یعنی فرشتہ) تو بطحاء کے پتھر ان کو بتا دیں گے۔

اس پر حضرت ابن رواحہ (یہ عبد اللہ بن رواحہ بن ثعلبہ انصاری ہیں متوفی ۸ھ) رضی اللہ عنہ کا یہ قول شاہد ہے:

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ

انہ انشق معروف من الصبح ساطع

ارانا الہدی بعد العمی فقلوبنا

بہ مواقف ان ما قال واقع

”ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں جو اس کی کتاب پڑھتے ہیں روشن صبح سے جب نیکی

پھوٹی۔ تو آپ نے ہمیں اندھے پن کے بعد ہدایت کی راہ دکھائی پس ہمارے دل اس بات پر یقین رکھتے

ہیں کہ انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ واقع ہوتا ہے۔“

اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نبی یری مالا یری الناس حولہ

ویتلو کتاب اللہ فی کل مشہد

فان قال فی یوم مقالة غائب

فتصد یقہا فی ضحوة الیوم او غد

۱۔ متواتر احادیث اور ان کے معانی اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو غیب پر اطلاع دی گئی اور جن آیات میں صرف اللہ تعالیٰ کے غیب جاننے کا ذکر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بتائے کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ (ذرقانی ج ۷ ص ۱۹۹)

۲۔ (الاعلام ج ۳ ص ۸۶ علیہ الاولیاء ج ۱ ص ۱۱۸ الاصابہ رقم الحدیث: ۳۶۶۷ صفحہ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۹۱ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۹۸ خزائن الادب ج ۱ ص ۳۶۲)



”وہ نبی ﷺ جو اس چیز کو دیکھتے ہیں جسے لوگ اپنے گرد نہیں دیکھ سکتے اور وہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں۔ اگر وہ ایک دن غیب کی بات فرمائیں تو آج ہی چاشت کے وقت بالکل صبح تک اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔“

اس فصل کو ہم دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

### قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کی غیبی خبریں

پہلی قسم نبی اکرم ﷺ کے غیبی خبریں دینے پر قرآن مجید سے گواہی کے بیان میں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَكُنَّمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَيَّ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ. (البقرہ: ۲۳-۲۴)

اور اگر تم شک میں ہو اس چیز سے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی تو اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے حمایتیوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو پس اگر نہ لا سکو اور ہرگز نہیں لا سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ارشاد خداوندی ”وَلَنْ تَفْعَلُوا“ (تم ہرگز (ایسا) نہیں کر سکو گے) میں غیب کی خبر ہے جب کہ عادت اس کے خلاف کا تقاضا کرتی ہے (کیونکہ وہ لوگ نہایت فصیح و بلیغ تھے)۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ أَحَدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّكَّةِ تَكُونُ لَكُمْ. (الانفال: ۷)

اور جب اللہ تعالیٰ نے تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کا نشانہ ہو وہ تمہارے لیے ہو۔

قریش کے دو قافلے تھے ان میں سے ایک کے پاس غنیمت کا مال تھا اور دوسرے کے پاس نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے وہ بات بتائی جو مسلمانوں کے دلوں میں تھی اور اپنا وعدہ پورا کیا اور اس میں شک نہیں کہ وعدہ اس چیز کے ملنے سے پہلے تھا کیونکہ کسی چیز کا وعدہ اس کے وقوع کے بعد جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے:

سَيَهْزِمُ الْجَمْعُ وَيُؤَلِّفُ الْمَذْبُورُ. (القمر: ۳۵)

عنقریب جماعت بھاگ جائے گی اور وہ پیٹھیں پھیر لیں گے۔

یہ مستقبل کی خبر ہے کیونکہ ”سین“ استقبال کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ غزوہ بدر کے دن کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور ان کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے درمیان تھی اور وہ مال اور اسلحہ سے لیس تھے جب کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ مرد تھے اور ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے ایک حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا اور دوسرا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا تھا۔



اسی طرح قریش کے بارے میں فرمایا:  
سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا  
أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا.  
(آل عمران: ۱۵۱)

عنقریب ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈالیں گے اس  
کے سبب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو شریک  
ٹھہرایا جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔

اے محمد (ﷺ) ہمارا معاہدہ آئندہ سال مقام بدر ہے اگر تم چاہو تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور کہا گیا ہے کہ جب وہ (کفار) واپس ہوئے اور ابھی راستے میں ہی تھے کہ نادم ہوئے اور واپسی کا ارادہ کیا تاکہ مسلمانوں کو (بزع خویش) مٹا دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا۔

وَاللّٰمُ ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِىٓ اٰذْنَى الْاَرْضِ  
وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيُغْلَبُوْنَ ۝ فِىٓ بَصْعَ سِنِيْنَ  
لِّلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْسَحُ  
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ يَنْصُرِ اللّٰهُ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ  
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ لَا يُخَلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ  
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الرّوم: ۱-۶)

رومی مغلوب ہوئے قریب کی زمین میں اور اپنی  
مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برس میں۔  
حکم اللہ ہی کا ہے آگے اور پیچھے اور اس دن ایمان والے  
خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ کی مدد سے، مدد کرتا ہے جس کی  
چاہے اور وہی عزت والا مہربان ہے اللہ کا وعدہ اللہ اپنے  
وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

چنانچہ قیصر کی شکست پر مشرکین خوش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ رومی اس مغلوبیت کے بعد چند سالوں میں غالب آ جائیں گے یعنی تین سے دس سالوں کے درمیان۔ پس رومیوں کو ایرانیوں پر حدیبیہ کے دن غلبہ حاصل ہوا اور انہوں (رومیوں) نے ان (ایرانیوں) کو اپنے شہروں سے نکال دیا اور یہ واقعہ سات سال بعد پیش آیا۔

اسی سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَمَتُّوْا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝ وَلَا تَمَتُّوْهُ اَبَدًا۔ (الجمعة: ۶-۷)

پس موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز اس (موت) کی تمنا نہیں کریں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ (یہودی) کبھی بھی نہ تو دل سے موت کی تمنا کریں گے اور نہ زبان سے بول کر حالانکہ وہ اس کی



طاقت رکھتے ہیں۔

تو جس طرح خبر دی اسی طرح ہوا۔ اگر ان کو معلوم نہ ہوتا کہ انہیں موت آئے گی تو وہ موت کی تمنا کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کو جھٹلانے میں جلدی کرتے اور اگر نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم نہ ہوتا تو آپ کو ڈر ہوتا کہ وہ اس بات کا جواب دیں گے اور یوں آپ کو جھوٹا قرار دیا جاتا۔ (معاذ اللہ)

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جملہ غیب کی خبر ہے اور اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے خبر دی کیونکہ اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو یہ بات منقول و مشہور ہوتی کیونکہ موت قلبی عمل نہیں ہے کہ پوشیدہ رہتا۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو ان میں سے ہر ایک اپنے تھوک سے مر جاتا اور روئے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہتا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸ تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۹۶ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲۷) اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (النور: ۵۵)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے کہ وہ ان کو ضرور بضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ وہ عنقریب آپ کی امت کو زمین میں خلفاء لوگوں کے امام اور حکمران بنائے گا ان کے ذریعے شہروں کی اصلاح ہوگی لوگ ان کے سامنے جھکیں گے اور لوگوں سے ان کے خوف کو امن اور حکمرانی میں بدل دے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال سے پہلے مکہ مکرمہ، خیبر، بحرین تمام جزیرہ عرب اور یمن کی زمین مکمل طور پر فتح ہو گئی، مقام ہجر کے مجوسیوں اور شام کے بعض علاقوں (میں رہنے والوں) سے جزیہ لیا۔

نیز روم کے بادشاہ ہرقل، مصر اور اسکندریہ کے حکمران یعنی بنوقیس نے تحائف پیش کئے (حالانکہ ان میں سے کسی نے اسلام قبول نہیں کیا) اسی طرح عمان کے بادشاہوں اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھی جو اصحہ کے بعد حکمران ہوا، تحائف بھیجے۔

پھر جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آپ کو عزت و شرف عطا فرمایا تو آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے بکھرے ہوئے لشکروں کو جمع کیا جو حضور ﷺ کے وصال کے وقت (قبائل کے مرتد ہونے کی وجہ سے) بکھرے تھے اور جزیرہ کو مضبوط اور تیار کیا۔

اور اسلامی لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایران کے شہروں کی طرف بھیجے اور انہوں نے کچھ حصہ فتح کیا ایک اور لشکر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں شام کی طرف بھیجا تیسرا لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی کمان میں مصر کی طرف ارسال کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی بصری اور دمشق کی فتح عطا فرمائی اور اس کے مقابل حوران اور اس کے ارد گرد کے شہر بھی فتح ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاں بلالیا اور اعزاز و اکرام سے مشرف فرمایا اور مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ



کے دل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنانے کا خیال ڈالا۔

ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھرپور حکومت کی اور انبیاء کرام کے بعد چشم فلک نے جہادی قوت اور کمال عدل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا شخص نہیں دیکھا ان کے دور حکومت میں شام کے علاقے مکمل طور پر اور مصر آفریقہ اور ایران کے اکثر صوبے فتح ہوئے اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو شکست دی اور اسے بہت رسوا کیا اور وہ اپنی حکومت کے آخری سرے تک واپس لوٹ گیا۔

شام کے شہروں سے قیصر کی حکومت ختم ہو گئی اور وہ قسطنطنیہ کی طرف چلا گیا اور ان دونوں ملکوں کے مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں آگئے جس طرح نبی اکرم ﷺ کو خبر دی گئی اور آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور حکومت آیا تو ممالک اسلامیہ زمین کے مشرق و مغرب کے آفریقہ پھیل گئی اور چین کے آخری سرے تک مغربی ممالک فتح ہو گئے کسریٰ قتل ہوا اور اس کی تمام حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ۱۔ عراقی شہر خراسان اور اوزبکستان فتح ہوئے اور مسلمانوں نے ترکوں کو خوب قتل کیا اور مشرق و مغرب سے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس خراج آنے لگا اور یہ قرآن مجید کی تلاوت اس کی تدریس اور امت کو حفظ قرآن پر جمع کرنے کے حوالے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عمل کی برکت تھی۔ بس ہم یہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدے کی طرف پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ.  
ان (یہودیوں) پر ذلت اور محتاجی مسلط ہو گئی۔

(البقرہ: ۶۱)

تو یہودی ہر جگہ اور ہر وقت تمام کفار میں سب سے زیادہ رسوا ہیں جس طرح خبر دی گئی۔

اسی سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ. (التوبہ: ۳۳)  
وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین کے حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کر دیں اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

اور یہ بات تمام لوگ جانتے ہیں کہ دین اسلام تمام ادیان سے بلند و بالا ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ. (النصر: ۱)  
جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ گئی۔

تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں خبر دی لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے پس نبی اکرم ﷺ کے وصال کے وقت عرب کے شہروں میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں اسلام کی روشنی پھیلی نہ ہو اسی طرح دوسرے علاقوں میں بھی جس کی تفصیل بہت زیادہ ہے۔

۱۔ جب کسریٰ نے نبی اکرم ﷺ کے نام مبارک کو پھاڑا تھا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

(زرقانی ج ۷ ص ۲۰۴)



## نبی اکرم ﷺ نے غیب کی خبریں دیں

دوسری قسم میں نبی اکرم ﷺ کی ان غیبی خبروں کا بیان ہے جو قرآن مجید میں مذکورہ خبروں کے علاوہ ہیں جس طرح آپ نے اپنی حیات طیبہ اور وصال کے بعد سے متعلق خبریں دی ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الله قد رفع لى الدنيا فانا انظر اليها  
والى ما هو كائن فيها الى يوم القيامة كانما  
انظر الى كفى هذه.  
اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو اٹھایا تو میں اسے اور  
جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو دیکھ رہا  
ہوں گویا میں اپنی اس ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷، المحلیہ ج ۶ ص ۱۰۱، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۸۳۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۱۰-۳۱۹۷۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو آپ نے وہاں کھڑے کھڑے قیامت تک کی ہر بات کو بیان فرمایا جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا میرے ان دوستوں نے اسے جانا اور اس سے ایک ایسی بات ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں پس میں دیکھتا ہوں تو پہچان لیتا ہوں جس طرح کوئی شخص کسی آدمی کے چہرے کو یاد رکھتا ہے جو اس سے غائب ہو چکا ہو پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں میرے ہاتھیوں کو وہ بھلا دیا گیا یا انہوں نے خود بھلا دیا اللہ کی قسم نبی اکرم ﷺ نے دنیا کے ختم ہونے تک کسی فتنے کے قائد کو نہیں چھوڑا (یعنی بیان فرمایا) اس کے ساتھی تین سو یا اس سے زائد ہوں گے آپ نے اس کا نام اس کے باپ اور قبیلے کا نام بیان فرمایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۳۰)

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث دجال کے بارے میں نقل کی ہے کہ دس گھڑ سوار مقدمۃ الجیش کے طور پر بھیجے جائیں گے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں ان کے نام ان کے باپوں کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگوں کو بھی جانتا ہوں اور اس وقت وہ زمین کی پشت پر بہترین سوار ہوں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵، المستدرک ج ۳ ص ۳۷، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۱۲، مصنف ابن

ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۳۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۲۲)

اس خبر سے اور اس کے علاوہ جو خبریں ہیں ان سے واضح ہوا اور نیک لوگوں کے قلبی خیالات سے ظاہر ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو وہ کچھ بھی بتایا جو آپ کی حیات طیبہ میں ہونا تھا اور جو آپ کے بعد وقوع پذیر ہونا تھا اور جس کے وقوع کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے پس اس کے وقوع پذیر نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یوں چھوڑا کہ کوئی پرندہ آسمان (فضا) میں اپنے پر کو حرکت دیتا ہے تو اس کے بارے میں بھی ہمیں بتایا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے زائد پر مطلع فرمایا اور آپ کو پہلوں اور پچھلوں کا علم عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے معارف تو بے شمار ہیں اور یہ صرف نبی اکرم ﷺ تک پہنچے ہیں۔



اسی سلسلے میں ”صحیح بخاری و مسلم میں مذکور“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ فرماتے ہیں:

ان النبی ﷺ نعی النجاشی للناس فی  
 اليوم الذی مات فیہ وخرج بہم الی المصلی  
 وصف بہم وعلیہ وکبر اربع تکبیرات۔  
 جس دن نجاشی (بادشاہ حبشہ) کا انتقال ہوا نبی اکرم  
 ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کی خبر دی اور آپ ان کو لے کر  
 عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی صف بندی کمر  
 کے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۳۵-۱۳۱۸-۱۳۲۸-۱۳۳۳-۳۸۸۰-۳۸۸۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳-۶۴ سنن نسائی رقم

الحدیث: ۷۲-۷۳-۷۴-۱۰۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۱-۲۸۸)

امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے  
 ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے تو اس میں حرکت  
 پیدا ہو گئی آپ نے اس پر اپنا پاؤں مارا اور فرمایا: اے احد ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں تو جس  
 طرح آپ نے فرمایا اسی طرح ہوا (حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو مقام شہادت ملا۔ ۱۲ ہزاروی)۔  
 اسی سلسلے میں صحیح بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے  
 فرمایا:

اذا ہلک کسری فلا کسری بعدہ واذا  
 ہلک قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفسی بیدہ  
 لتنفقن کنوزہما فی سبیل اللہ۔  
 جب (ایران کا بادشاہ) کسری ہلاک ہوگا تو اس کے  
 بعد کوئی کسری نہیں ہوگا اور جب (روم کا بادشاہ) قیصر ہلاک  
 ہوگا تو کوئی قیصر نہیں ہوگا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ  
 قدرت میں میری جان ہے ان دونوں کے خزانے اللہ تعالیٰ  
 کے راستے میں ضرور بضرور خرچ ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۲۰-۳۶۱۸-۶۶۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۶ مسند احمد ج ۲

ص ۲۲۳ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۷۷ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۳۲-۲۳۵ مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۱۳ دلائل النبوة ج ۳ ص ۳۹۳ مسند الحمیدی رقم

الحدیث: ۱۰۹۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۶۵-۳۱۸۰۲)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام شافعی اور دیگر علماء کرام نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ عراق میں  
 کسریٰ اور شام میں قیصر نہ ہوں گے جس طرح آپ کے زمانے میں تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خبر دی کہ ان دونوں ملکوں  
 سے ان کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا۔

کسریٰ کی حکومت تو دنیا سے بالکل ختم ہو گئی اور پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور نبی اکرم ﷺ کی دعا سے کمزور  
 ہو گئی اور قیصر شام سے بھاگ کر دور دراز چلا گیا اور مسلمانوں نے اس کے ملک کو فتح کیا اور وہ مسلمانوں کے لئے ہو گیا

نماز جنازہ کے لئے میت کا موجود ہونا ضروری ہے نبی اکرم ﷺ نے نجاشی کا جنازہ پڑھایا تو میت آپ کے سامنے موجود تھی درمیان سے

پردے ہٹائے گئے تھے لہذا یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ ۱۲ ہزاروی



اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔  
نبی اکرم ﷺ نے حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیسے ہوگا جب تم کسریٰ کے نگلن پہنو گے؟ پھر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ نگلن لائے تو ان (حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ) کو پہنا دیئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد ہے جس نے یہ دونوں (نگلن) کسریٰ سے لے کر حضرت سراقہ کو پہنا دیئے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے اس مال کی خبر دی جو آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت ام الفضل کے پاس چھوڑ کر (میدان بدر میں) تشریف لے گئے تھے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات پوشیدہ رکھی اور فرمایا کہ اس بات کا علم میرے اور حضرت ام الفضل کے سوا کسی کو نہ تھا۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا جیسا کہ مقصد اول میں غزوہ بدر کے سلسلے میں بیان ہوا۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حاطب (بن ابی بلتعہ) کے خط کی خبر دی جو مکہ مکرمہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اسی طرح آپ کی اونٹنی گم ہو گئی اور اس کی لگام ایک درخت سے لٹک گئی تو آپ نے اس مقام کی خبر دی۔

اور جب غزوہ احزاب کے دن مشرکین واپس ہوئے تو آپ نے فرمایا: اب ہم ان سے جہاد کریں اور وہ ہم سے نہیں لڑیں گے چنانچہ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ سے لڑائی نہ لڑی گئی۔

رسول اکرم ﷺ نے موتہ کی طرف لشکر بھیجا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور پھر فرمایا اگر ان کی شہادت واقع ہو تو حضرت جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے پھر جب مسلمانوں کا ان سے مقابلہ ہوا تو رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ کے لئے پردہ ہٹا دیا گیا حتیٰ کہ آپ نے معرکہ ملاحظہ فرمایا اور پھر فرمایا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور فرمایا ان کے لئے طلب مغفرت کرو (پھر فرمایا) پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اس کے بعد فرمایا اپنے بھائی حضرت جعفر کے لئے طلب مغفرت کرو (اس کے بعد فرمایا) اب جھنڈا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور فرمایا اپنے بھائی کے لئے بخشش کی دعا کرو۔

تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو ان حضرات کی شہادت کی اسی وقت خبر دی جس وقت وہ شہید ہوئے اور موتہ بقاء کی زمین میں دمشق کے قریب ہے (مدینہ منورہ سے ایک ماہ کی مسافت پر ہے)۔

(دلائل النبوة ج ۳ ص ۳۵۸ السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۵۳ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۶۰ نصب الرایۃ ج ۲ ص ۲۸۳)  
حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس دن حضرت جعفر اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اس صبح رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: اے اسماء! حضرت جعفر کے صاحبزادے کہاں ہیں؟ میں ان کو

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ جو بنو اسد بن عبد العزیٰ کے حلیف تھے ان کے بال بچے مکہ مکرمہ میں تھے انہوں نے محض ان کی حفاظت کے لئے ایک خط بنو ہاشم کی کنیز سارہ کے ہاتھ مکہ مکرمہ بھیجا اور حضور علیہ السلام کی جنگی تیاریوں کے بارے میں جو فتح مکہ کے سلسلے میں تھیں مکہ بھیجا حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی تو وہ عورت پکڑی گئی اور حضور علیہ السلام نے حضرت حاطب کی معذرت قبول فرمائی۔ تفصیل سیرت رسول عربی ص ۲۰۲ میں دیکھیں۔ ۱۲ ہزاروی۔



لے کر آئی تو آپ نے ان کو اپنے ساتھ چٹایا اور سوگھا پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ رو پڑے میں نے پوچھا یا رسول اللہ! حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی خبر آئی ہے۔ فرمایا: ہاں آج وہ شہید ہو جائیں گے۔

(طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۲۰)

یہ بات یعقوب اسفرائینی نے اپنی کتاب ”دلائل الاعجاز“ میں ذکر کی اور ابن اسحاق اور امام بغوی نے اسے نقل کیا۔ اسی (غیبی خبر کے) سلسلے میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

زویت لی الارض فرايت مشارقها  
ومغاربها و سبيلك ملك امتي مازوی لی منها.  
میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا گیا پس میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا اور عنقریب میری امت کی حکومت اس جگہ تک پہنچے گی جو اس میں سے میرے لئے لپیٹی گئی۔

چنانچہ اسی طرح ہوا مشرق و مغرب میں ہندوستان کے آخری سرے سے مشرق کی انتہاء تک اور بحر طنجہ تک جس سے آگے کوئی آبادی نہیں مسلمانوں کی حکومت ہوئی اور یہ حکومت کسی دوسری امت کو حاصل نہیں ہوئی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۳ اتحاد السادة المتقين ج ۲ ص ۲۱۰ المغنی ج ۲ ص ۲۸۷ الشفا ج ۱ ص ۵۱۹ البدایہ ج ۶ ص ۲۹۹)  
اسی طرح آپ نے قریش کو خبر دی کہ معاہدے کے ان الفاظ کو دیمک نے چاٹ لیا جن کے ذریعے انہوں نے بنو ہاشم پر غلبہ حاصل کرنے اور ان سے قطع تعلق کرنے کی راہ اختیار کی اور اس معاہدے میں اللہ تعالیٰ کا نام باقی ہے چنانچہ انہوں نے اسے اسی طرح پایا جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتایا تھا۔

انہی غیبی خبروں میں سے ایک وہ ہے جسے امام طبرانی ”الکبیر میں“ اور امام بزار نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری اور دوسرا بنو ثقیف کا ایک شخص حاضر ہوئے انہوں نے سلام عرض کرنے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ سے کچھ پوچھنے آئے ہیں آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ بات بتا دوں جو بات پوچھنے کے لئے تم آئے اور اگر تم چاہو تو میں خاموش رہوں اور تم پوچھو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں خبر دیجئے، ثقیفی نے انصاری سے کہا پوچھو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے خبر دیجئے آپ نے فرمایا: تم بیت اللہ شریف کے ارادے سے گھر سے نکلنے اور اس پر ملنے والے ثواب کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو نیز طواف کے بعد دو رکعتوں اور ان کے ثواب صفا و مردہ کے درمیان سعی اور اس کے ثواب نوز و الحجہ کی شام و قوف عرفات اور اس کے ثواب ستونوں کو کنکریاں مارنے اور ان کے ثواب قربانی اور اس کے ثواب سر منڈوانے اور اس کے ثواب نیز واپسی کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں یہی باتیں پوچھنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۷۴-۲۷۵ الطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۰۵۷ الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۹-۲۳۰)

اسی سلسلے میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صحابہ کرام کی ایک جماعت میں تشریف فرما ان سے باتیں کر رہے تھے میں حلقے کے درمیان میں بیٹھ گیا۔



کسی نے کہا اے واثلہ! یہاں سے اٹھو ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان کو اور مجھے چھوڑ دو مجھے معلوم ہے یہ گھر سے کیوں آئے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں گھر سے کس مقصد کے لئے آیا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم اس لئے گھر سے نکلے ہو کہ نیکی اور شک کے بارے میں پوچھو فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے کوئی دوسری بات نہیں لائی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نیکی وہ ہے جو دل میں قرار پکڑے اور اس پر دل مطمئن ہو جائے اور شک وہ ہے جو دل میں جگہ نہ پائے پس تم شک والی بات کو چھوڑ کر اسے اختیار کرو جس میں شک نہ ہو اگرچہ مفتی تمہیں فتویٰ دیں۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲-۲۲۸ الدر المنثور ج ۲ ص ۲۵۵ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۵۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۹ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۴۲ المسند رک ج ۲ ص ۱۴ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۲۸۸ مشکل لا تار ج ۳ ص ۲۳ شرح السنہ ج ۳ ص ۷۷ تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۳۳۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۷۳۰ کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۳۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۱۶۳)

اسی سلسلے میں سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے جو آپ نے علالت کے دوران حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

انک اول اہلی لحوقا بی۔  
میرے خاندان میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۲۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۱ مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۹ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۲۰)

چنانچہ حضرت خاتون جنت آپ کے بعد آٹھ مہینے زندہ رہیں اور ایک قول کے مطابق چھ ماہ تک بقید حیات رہیں۔ اسی طرح آپ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا:

اسرعکن بی لحوقا اطولکن یدا۔  
تم میں سے سب سے جلدی میرے ساتھ ملنے والی وہ ہے جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہیں۔

تو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال ان سب سے پہلے ہوا اور وہ اس لئے لمبے ہاتھوں والی قرار پائیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے عمل کر کے صدقہ کرتی تھیں (یعنی لمبے ہاتھوں سے صدقہ کرنے کی طرف اشارہ ہے)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱ المسند رک ج ۳ ص ۲۵ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۹ ج ۹ ص ۲۳۸ مشکل لا تار ج ۱ ص ۸۲ دلائل ج ۶ ص ۳۷۴ اتحاد السادة المتقين ج ۷ ص ۱۸۵ ج ۸ ص ۱۳۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۹۵۲)

اسی طرح آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ پچھلوں میں سے سب سے زیادہ بد بخت کون ہے؟ (فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا جو تمہیں شہید کرے گا۔ یہ حدیث امام احمد رحمۃ اللہ نے ”المناقب میں“ نقل کی ہے۔

۱۔ مطلب یہ کہ فتویٰ اور تقویٰ میں فرق ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی جائز کام ہو اور مفتیان کرام اس کے جواز کا فتویٰ دیں تب بھی مشتبہ ہونے کی وجہ سے اہل تقویٰ اس سے اجتناب کریں۔ (۱۲ ہزاروی)



ابن ابی حاتم کے نزدیک یہ الفاظ ہیں کہ جو آپ کے یہاں مارے گا تالو (گردن) کی طرف اشارہ فرمایا۔  
الحاکمی (ابو عبد اللہ الحسین بن محمد محدث رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کہ یہاں سے یہاں تک یعنی آپ کی داڑھی مبارک اور سر انور کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کہ یہ خون آلود ہو جائے گا۔

ضحاک فرماتے ہیں: کہ آپ نے فرمایا: وہ بڑا بد بخت ہے جو آپ کے سر انور پر ضرب لگائے گا جس سے یہ تر ہو جائے گی آپ نے ان کی داڑھی پکڑ کر فرمایا چنانچہ عبد الرحمن بن نجیم نے آپ پر حملہ کیا۔  
طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ آپ امیر اور خلیفہ بنیں گے اور آپ کو شہید کیا جائے گا اور آپ یہاں سے (داڑھی سے) یہاں تک (سر تک) خون آلود ہو جائیں گے۔  
اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عنقریب میرے بعد آپ کو میری امت کی ولایت حاصل ہوگی پس جب یہ معاملہ ہو تو احسان کرنے والوں سے قبول کرنا اور نافرمانی کرنے والوں سے درگزر کرنا۔  
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے ہمیشہ اس بات کی امید رہی تھی کہ میں اس مقام پر کھڑا ہوں (مسلمانوں کا امیر بنا)۔

ابن عساکر نے ہی حضرت عروہ بن رویم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کبھی مغلوب نہیں ہوں گے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے صفین کے دن فرمایا: اگر مجھے یہ حدیث یاد ہوتی تو میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہ لڑتا۔  
غیبی خبروں کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے کہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ ظلماً قتل ہوں گے۔

اس حدیث کو امام بغوی نے ”المصابیح میں“ حسن احادیث کے ضمن میں نقل کیا نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کر کے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا۔  
تو نبی اکرم ﷺ نے جس طرح فرمایا اسی طرح ہوا چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں شہید کیا گیا اور اس وقت قرآن مجید آپ کے سامنے تھا اور آپ کا خون اس آیت پڑگرا۔  
فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ  
پس عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی طرف سے کافی (البقرہ: ۱۳۷) ہوگا اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

(المسند رک ج ۳ ص ۱۰۳ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۴۰)

”شفاء شریف میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا جائے گا تو آپ قرآن مجید پڑھ رہے ہوں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو ایک قمیص پہنائے گا اور وہ لوگ اسے اتارنے کی کوشش کریں گے اور عنقریب ان کا خون اس آیت پڑگے گا (مندرجہ بالا آیت کے بارے میں فرمایا)۔

۱۔ فرات کے کنارے ایک بستی ہے جسے صفین کہتے ہیں صفر المظفر ۳۷ھ میں وہاں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑائی ہوئی جو کئی دن جاری رہی (اس کی طرف اشارہ فرمایا)۔ (ذرقانی ج ۷ ص ۲۱۳)



امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! جب آپ کو شہید کیا جائے گا آپ سورہ بقرہ پڑھ رہے ہوں گے پس آپ کے خون کا قطرہ آیت کریمہ ”قَسَبَ كَفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“ پر گرے گا۔

لیکن امام ذہبی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے (امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو برقرار رکھا ہے)۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر چڑھے پھر فرمایا:

هل ترون ما اري اني لاري مواقع الفتن  
خلال بيوتكم كمواقع القطر  
کیا تم وہ چیز دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟ بے شک  
میں فتنوں کے مقامات کو تمہارے گھر میں اسی طرح دیکھتا  
ہوں جس طرح قطرے گرنے کی جگہیں ہوں۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا فتنہ ہوا پھر فتنہ حرہ تک مسلسل فتنے نمودار ہوتے رہے فتنہ حرہ اس وقت ہوا جب ۶۳ھ کے ذوالحجہ کے تین دن باقی تھے اور اس میں بے شمار واقعات نمودار ہوئے جو کتب تاریخ میں مرقوم ہیں۔  
امام بیہقی نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: جب حرہ والا دن ہوا تو میرے گھر والے قتل ہوئے حتیٰ کہ قریب تھا کہ ان میں سے کوئی نہ بچے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حرہ کے دن سات سو حفاظ قرآن شہید ہوئے جن میں سے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور یہ واقعہ یزید کے دور میں ہوا۔  
حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو مسلم بن عقبہ (یزیدی لشکر کے امیر) نے تین دن تک مدینہ طیبہ میں لوٹ مار کی اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔

نبی اکرم ﷺ بڑا پس کی منڈیر پر تشریف فرما تھے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان کو اجازت دیں اور اس مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی جنت کی خوشخبری بھی دیں۔  
یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کو آپ کے گھر میں شہید کیا گیا بلکہ اس سے واضح وہ خبر ہے جو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا پس ایک شخص گزرا تو فرمایا اس دن یہ شخص ظلماً قتل ہوگا۔ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۵ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۰۹ مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۶۰۶۹)  
نبی اکرم ﷺ نے جنگ جمل اور جنگ صفین جن میں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی حضرت علی المرتضیٰ سے لڑائی ہوئی کی خبر دی۔ امام حاکم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے جسے امام بیہقی نے صحیح قرار دیا فرماتی ہیں:

۱۔ یزید کے دور میں جب اہل مدینہ نے یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے اس کی بیعت توڑ دی اور اس کے عامل عثمان بن محمد بن سفیان کو نکال دیا تو اس نے ستر ہزار کا لشکر بھیجا جس نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی انہوں نے مدینہ طیبہ کی بہت بے حرمتی کی اور مسلمانوں کو سخت اذیت دی۔ ۱۲ ہزار روپی



نبی اکرم ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کے خروج کا ذکر فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مسکرا پڑیں آپ نے فرمایا: اے حمیراء! (سرخ و سفید رنگ والی) دیکھنا کہیں تم نہ ہونا پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اگر یہ معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہو تو ان سے نرمی اختیار کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے گھنے بالوں والے اونٹ والی کون ہے؟ وہ نکلے گی حتیٰ کہ حساب مقام (یا کنویں) کے کتے اس پر بھونکیں گے اور اس کے گرد بہت سے لوگ قتل ہوں گے وہ نجات پائے گی اس کے بعد کہ قریب تھا نجات نہ پائے۔

امام حاکم نے حضرت ابوالاسود سے نقل کیا جسے امام بیہقی نے صحیح قرار دیا کہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارادے سے نکلے تھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسول اکرم ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ان سے لڑو گے تو ظالم ہو گے پس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے۔ (المسند رک ج ۳ ص ۳۶۶ دلائل النبوة ج ۶ ص ۴۱۵)

ابویعلیٰ اور بیہقی کی روایت میں ہے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں نے سنا لیکن میں بھول گیا۔ اسی غیبی خبر کے سلسلے میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: آپ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

پس اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا کیونکہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو چالیس ہزار سے زیادہ افراد نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پس آپ نے سات مہینے بطور خلیفہ عراق اور خراسان کے علاقہ ماوراء النہر میں حکومت کی پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے اور وہ آپ کی طرف چلے پس جب دونوں لشکر اس جگہ پہنچے جو عراق میں انبار مقام کے کنارے پر بستکین کے نام سے معروف ہے تو معلوم ہوا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک اس وقت تک غالب نہیں آ سکتا جب تک دوسرے گروہ کے اکثر لوگ قتل نہ ہو جائیں۔

چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ حکومت آپ کی ہوگی کسی اور کی نہیں ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ اہل مدینہ اہل حجاز و عراق میں سے کسی سے ان کے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط قبول کی لیکن دس افراد کو مستثنیٰ کیا، مسلسل خط و کتاب ہوتی رہی حتیٰ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سفید کاغذ بھیجا اور فرمایا جو چاہیں اس میں لکھیں میں عمل کروں گا چنانچہ اس پر صلح ہو گئی تو جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا کہ آپ نے فرمایا تھا: عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔

دولابی نے نقل کیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عربوں کے سردار میرے ہاتھ میں تھے جس سے صلح کرنا وہ اس سے صلح کرتے اور جس سے میں لڑتا وہ اس سے لڑتے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور مسلمانوں کا خون پچانے کے لئے خلافت کو چھوڑ دیا۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی نبی اکرم ﷺ کا لطف کے مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دینا ہے آپ نے اپنے دست مبارک سے مٹی نکال کر فرمایا: اس میں ان کے لیٹنے کی جگہ ہے۔



امام بغوی نے ”اپنی معجم میں“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ بارش کے فرشتے (حضرت اسرافیل علیہ السلام) نے اپنے رب سے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اجازت مانگی تو ان کو اجازت دی گئی اور یہ دن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! ہمارے اوپر دروازے کی حفاظت کرنا کہ کوئی شخص ہمارے پاس داخل نہ ہو وہ دروازے میں تھیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور جلدی جلدی نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ گئے آپ نے انہیں چومنا شروع کر دیا فرشتے نے پوچھا آپ کو ان سے محبت ہے؟ فرمایا: ہاں فرشتے نے کہا: عنقریب آپ کی امت ان کو قتل کرے گی اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھاؤں جہاں ان کو شہید کیا جائے گا چنانچہ انہوں نے آپ کو وہ جگہ دکھائی اور وہاں سے ریت یا سرخ مٹی لے آئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اسے لیا اور کپڑے میں (اور پھر شیشی میں) ڈال دیا۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ یہ کربلا ہے۔ یہ روایت ابو حاتم نے اپنی صحیح میں نقل کی اور امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی مثل روایت ذکر کی ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۱۲ تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۲۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۶۹۹)  
(عمر موصلی) السلاء کی روایت میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر مجھے سرخ مٹی کی ایک مٹھی پکڑائی اور فرمایا: یہاں زمین کی مٹی سے ہے جہاں ان کو قتل کیا جائے گا پس جب یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے تو جان لینا کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے اسے ایک شیشی میں ڈالا جو میرے پاس تھی اور میں کہا کرتی تھی کہ جس دن یہ مٹی خون میں بدل گئی وہ بہت بڑا دن ہوگا۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۶)  
تو جس طرح نبی اکرم ﷺ نے خبر دی تھی اسی صورت میں سرزمین عراق میں کربلا کے مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا وہ جگہ طف کے نام سے مشہور ہے۔

سنان بن انس نخعی نے آپ کو شہید کیا اور ایک قول یہ ہے کہ کسی دوسرے نے شہید کیا جب ان لوگوں نے آپ کو شہید کیا تو آپ کا سر انور یزید کے پاس بھیجا جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے سر انور میں شراب پینا شروع کر دی اسی دوران دیوار سے ایک ہاتھ ان کی طرف بڑھا جس میں لوہے کا قلم تھا پس اس نے خون سے یوں ایک سطر لکھی۔

اتسرجوا امة قتلت حسينا شفاعة جده يوم الحساب

”جس امت نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، کیا وہ قیامت کے دن ان کے نانا کی

شفاعت کی امید رکھ سکتی ہے؟“

چنانچہ وہ بھاگ گئے اور سر انور اسی جگہ چھوڑ دیا۔ یہ روایت منصور بن عمار نے نقل کی ہے۔

ابو نعیم الحافظ نے ”دلائل النبوة میں“ حضرت نصرۃ الازدیہ سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا تو آسمان سے خون برسا، صبح کے وقت ہم نے اپنے بارش کے پانی کے برتنوں اور گھڑوں کو خون سے بھرا ہوا پایا۔ دیگر احادیث میں اس طرح مروی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی غیبی خبروں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہیں



باغی گروہ شہید کرے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۲-۲۳۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰-۷۲-۷۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۱-۱۶۲ ج ۵ ص ۲۱۳-۲۱۵، ۳۰۶-۳۰۷ ج ۶ ص ۳۱۱، دلائل النبوة ج ۲ ص ۵۳۶-۵۳۹، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۰۰-۳۰۱ ج ۳ ص ۹۸-۲۰۰ ج ۵ ص ۳۰۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۳۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۷۷-۲۳۵۵۱)

چنانچہ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسی طرح ہوا۔

اسی طرح ابو عمر بن عبد البر کی روایت ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دیکھا تو اسے پہچان نہ سکے آپ نے فرمایا: تم نے اسے دیکھا؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا: وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں سنو! عنقریب تمہاری بیٹائی چلی جائے گی پس وہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: قابل تعریف زندگی گزارو گے اور بطور شہید قتل کئے جاؤ گے۔ یہ حدیث امام حاکم نے روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا نیز امام بیہقی اور ابو نعیم نے بھی اسے نقل کیا۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۸۵)

چنانچہ جنگ یمامہ میں جو مسلحہ کذاب کے خلاف لڑی گئی تھی آپ شہید ہو گئے۔

ایک غیبی خبر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہارے لئے لوگوں کی طرف سے ہلاکت ہوگی اور لوگوں کے لئے تمہاری جانب سے ہلاکت ہوگی۔ چنانچہ حجاج بن یوسف کی طرف سے آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ہوا۔

(المحلیہ ج ۱ ص ۳۳۰، تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۴۰۱، البدایہ ج ۸ ص ۳۳۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۹۱-۳۷۲۲۳)

اسی سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ دین نبوت و رحمت کے طور پر ظاہر ہوا پھر یہ خلافت و رحمت ہوگا پھر کانٹے والی ملوکیت ہوگی اور اس کے بعد بادشاہی اور جبر ہوگا۔

کانٹے والی ملوکیت کا مطلب یہ ہے کہ رعایا پر ظلم و زیادتی ہوگی گویا اس دوران ان کو خوب کاٹا جائے گا۔

امام ابو داؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الخِلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملک  
بعد ذلک۔ میری امت میں خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۶، مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۱، دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۱۵)

حضرت سعید بن جعان رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شمار کرنے سے ہم نے اسے تیس سال پایا۔

۱۔ چونکہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ ہوا اور حرم کعبہ میں تھے تو آپ کو شہید کر دیا گیا اور سولی پر لٹکایا گیا اسی طرح آپ کو لوگوں کی جانب سے تکلیف پہنچی اور آپ کی وجہ سے حرم کعبہ کا محاصرہ ہوا اور دوسرے لوگوں کو اذیت پہنچی۔ (زر قانی ج ۷ ص ۲۲۱)



ان سے کہا گیا کہ بنو امیہ کا خیال ہے کہ ان میں خلافت موجود ہے تو انہوں نے فرمایا: زرقاء کی اولاد نے جھوٹ کہا بلکہ وہ برے بادشاہوں میں سے ہیں۔ ۱۔

ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ام الفضل (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ) نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزریں تو آپ نے فرمایا: تمہارے پیٹ میں بچہ ہے۔

فرمائی ہیں: جب وہ بچہ پیدا ہوا تو میں آپ کے پاس لائی آپ نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب ڈالا اور اس کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا: خلفاء کے باپ کو لے جاؤ وہ فرماتی ہیں میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور یہ بات عرض کی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا انہوں (ام الفضل) نے جو کچھ بتایا ہے ٹھیک ہے یہ خلفاء کا باپ ہے حتیٰ کہ ان میں سفاح اور مہدی ہوں گے اور یہاں تک کہ وہ بھی ان میں سے ہوں گے جن کی اقتدا میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نماز پڑھیں گے۔ ۲۔

ابو یعلیٰ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ترکی عربوں پر ضرور غالب آئیں گے حتیٰ کہ وہ شیخ اور قیصوم (بوٹیوں) تک پہنچ جائیں گے۔ ۳۔ اسی سلسلے میں عالم مدینہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی خبر ہے امام حاکم نے اسے نقل کیا اور صحیح قرار دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يوشك الناس ان يضربوا اكباد الابل فلم  
يوجدوا عالما اعلم من عالم المدينة.  
قریب ہے کہ لوگ اونٹوں کے جگروں پر ماریں (علم کے لئے سفر کریں) پس وہ کسی کو عالم مدینہ سے بڑا عالم نہ پائیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹، التہذیب ج ۶ ص ۳۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۶، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۳، ج ۱۰ ص ۱۷۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۰۹۹)

حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم اس عالم کو حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھتے ہیں۔

حضرت عبدالرزاق فرماتے ہیں: اس نام (یعنی بڑا عالم) کے ساتھ ان کے علاوہ کوئی معروف نہیں اور جس طرح ان کی طرف سفر کیا گیا کسی دوسرے کی طرف نہیں کیا گیا۔

حضرت ابو مصعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے دروازے پر لوگوں کی بھیڑ ہوتی اور طلب علم کے لئے باہم لڑتے۔

۱۔ یزید نے ظلم و ستم کا آغاز کیا اور وہ بنو امیہ میں سے تھا اور خلافت کی مدت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر مکمل ہو گئی تھی۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ امام مہدی کے آنے تک باقی رہیں گے۔

۳۔ ”فتح الباری“ میں ہے کہ اس حدیث کا مصداق ظاہر ہو گیا اور صحابہ کرام کے زمانے میں یہ حدیث مشہور تھی کہ جب تک ترک تمہیں چھوڑے رکھیں تم بھی ان کو چھوڑ دو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کی ترکوں سے لڑائی ہوئی۔ (زر قانی ج ۷ ص ۲۲۳)



حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے مشہور ائمہ میں حضرت محمد بن شہاب زہری، حضرت سفیان (ابن سعید) ثوری اور سفیان بن عیینہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام اوزاعی جو اہل شام کے امام ہیں، حضرت لیث بن سعد امام اہل مصر، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت اور ان کے شاگرد حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد بن حسن، حضرت امام احمد کے شیخ عبدالرحمن بن مہدی، یحییٰ بن یحییٰ شیخ امام بخاری، ابوجاہ قتیہ بن سعید شیخ امام بخاری، ذوالنون مصری، عبد اللہ بن مبارک اور ابراہیم بن ادھم رحمہم اللہ ہیں۔

علامہ عیسیٰ بن مسعود زواہی نے اپنی کتاب ”المنہج السالم الی معرفۃ قدر الامام مالک“ میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے قریش کے عالم کی خبر دی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تسبوا قریشا فان عالمها یملأ طباق الارض علما۔ قریش کو گالی نہ دو بے شک اس کا عالم علم سے زمین کے کناروں کو بھر دے گا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۹۵۔ ج ۹ ص ۶۵، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۱۶۷، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۵۔ ج ۱۰ ص ۲۵۳، تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۱۳، کشف الخفاء ج ۲ ص ۶۸، المسند رک ج ۲ ص ۶۳۷۔ ۶۳۸)

اس حدیث کو ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں نقل کیا اور اس میں جارود (راوی) مجہول ہے لیکن اس حدیث کے دیگر شواہد ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت الخطیب کی ”تاریخ بغداد“ میں، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت امام بیہقی کی ”المدخل“ میں مروی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ نے بھی فرمایا کہ یہ عالم امام شافعی رحمہ اللہ ہیں کیونکہ زمین کے اطراف میں کسی قرشی عالم کا علم اس قدر نہیں پھیلا جس قدر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا علم پھیلا چاہے وہ عالم صحابی ہوں یا غیر صحابی۔

اور امام احمد رحمہ اللہ اپنے شیخ امام شافعی رحمہ اللہ کے معاملے میں کسی موضوع حدیث کو ذکر کر کے اس سے استدلال نہیں کرتے۔

اور نبی اکرم ﷺ سے جو مجہول کے صیغہ (روی) سے مروی ہے اور یہ صیغہ کمزوری کی علامت ہے تو اس حدیث کے ضعیف ہونے میں شک کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کی سند ضعیف سے خالی نہیں ہے یہ بات العراقی نے صفائی کے رد میں کہی ہے جنہوں نے اپنے خیال میں اس کو موضوع قرار دیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے طرق کو اپنی کتاب ”لذۃ العیش فی طرق حدیث الائمة من قریش“ میں جمع کیا جیسا کہ ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے بیان فرمایا۔

رسول اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر بھی دی کہ آپ کی امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد اس امت کی طرف ایسا شخص بھیجے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۹۱، المسند رک ج ۳ ص ۵۲۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۷۷، الدرر المستشرہ رقم الحدیث: ۲۷، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۶۹، الدرر المستخرج ج ۱ ص ۳۲۱، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸۲، البدایہ ج ۶ ص ۲۸۹۔ ج ۹ ص ۲۰۶۔ ج ۱۰ ص ۲۵۳، تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۹۱، الکامل فی الضعفاء ج ۱ ص ۱۲۳)



یہ حدیث امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ اچھے لوگ چلے جائیں گے پھر درجہ بدرجہ اٹھتے جائیں گے۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا اور ان الفاظ کے ساتھ صحیح قرار دیا کہ اچھے لوگ پھر اچھے لوگ چلے جائیں گے۔ (یعنی پہلی روایت میں الامثل فالامثل ہے اور دوسری روایت میں الامثل کی جگہ الخیر کا لفظ ہے معنی ایک ہی ہے)۔

نیز آپ نے خوارج کی خبر بھی دی امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ان الفاظ میں نقل کیا وہ فرماتے ہیں اس دوران کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس تھے اور آپ (مال غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے کہ اچانک ذوالخوہرہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! انصاف کیجئے آپ نے فرمایا: تیرے لئے ہلاکت ہو اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو یہ نقصان اور خسارے کی بات ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن مار دوں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس کے کچھ ساتھی ہوں گے کہ تم میں سے کوئی ایک اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر جانے گا وہ قرآن مجید پڑھیں گے لیکن ان کے حلق سے نہیں اترے گا وہ دین سے اس طرح نکلیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے ان کی نشانی یہ ہے کہ ایک سیاہ قام آدمی ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح ہوگا جو حرکت کرتا ہے وہ اس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگوں میں افتراق ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۶۳-۶۹۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۲، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۵۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۹۴۰-۳۱۲۲۳-۳۱۵۸۹، دلائل النبوة ج ۵ ص ۱۸۷، سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۹۰۲، مسند احمد ج ۳ ص ۵۶-۵۷-۲۵۵)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ بات نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے لڑائی لڑی اور میں آپ کے ہمراہ تھا۔ اور آپ نے اس شخص کے بارے میں حکم دیا تو اسے تلاش کر کے آپ کے پاس لایا گیا حتیٰ کہ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اسی صورت پر تھا جو نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے رافضیوں کے بارے میں خبر دی۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی وہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایک قوم ہوگی جن کو ”رافضہ“ کہا جائے گا وہ اسلام سے نکل جائیں گے۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۵۴۷)

نیز آپ نے قدر یہ اور مر جہ فرقوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: وہ اس امت کے مجوسی ہیں۔ ۲۔ یہ حدیث امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

۱۔ جب ان کو قتل کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دیکھو تو کوئی نشانی نظر نہ آئی فرمایا واپس جاؤ اللہ کی قسم مجھ سے جھوٹ نہیں کہا گیا پھر وہ فحش مل گیا۔

۲۔ قدر یہ تقدیر کے منکر لوگ اور مر جہ وہ گروہ جو کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ (زر قانی ج ۷ ص ۲۳۰)



علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو چند ایسے امور کے بارے میں بتایا جو آپ کے وصال اور قیامت کے درمیان واقع ہوں گے اور ان کو ان کے اچانک آنے سے ڈرایا جس طرح اس شخص کو ڈرایا جاتا ہے جو اطاعت سے منہ پھیر لے اور یہ بھی بتایا کہ جب تک یہ تمام نشانیاں ظاہر نہیں ہوں گی قیامت قائم نہیں ہوگی پس جب بہت بڑی مصیبت آئے گی تو اس سے عالم و جاہل عقل کھو بیٹھیں گے۔

جیسا کہ امانت اور قرآن کے اٹھ جانے کے بارے میں مروی ہے خیانت کا عام ہونا، ساتھیوں کا حسد کرنا، مردوں کی کمی اور عورتوں کی کثرت وغیرہ جن کی صحت پر روایات شاہد ہیں اور اس کے وقوع نے اس کی حقیقت کا فیصلہ دیا۔ اور یہ بات متعین ہے کہ ہم صحیح اور حسن روایت میں سے کچھ ذکر کریں۔

تو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ دو بڑی جماعتوں کے درمیان بہت بڑی لڑائی ہوگی اور بہت زیادہ لوگ قتل ہوں اور دونوں کا ایک ہی دعویٰ ہوگا (یعنی دونوں مسلمان کہلائیں گے یا دونوں حق پر ہونے کا دعویٰ کریں گے) حتیٰ کہ تمہیں کے قریب دجال جھوٹے لوگ آئیں گے اور ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو رسول سمجھے گا، علم اٹھ جائے گا، زلزلے زیادہ ہوں گے، وقت جلدی جلدی گزرے گا، فتنے ظاہر ہوں گے اور قتل عام ہوگا حتیٰ کہ تمہارے پاس مال زیادہ ہوگا اور وہ بہنے لگے گا اور آدمی پریشان ہوگا کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے؟ حتیٰ کہ وہ کسی پر پیش کرے گا تو وہ جواب دے گا مجھے اس کی حاجت نہیں اور یہاں تک کہ لوگ عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے اور ایک شخص دوسرے کی قبر سے گزرے گا تو کہے گا کاش میں اس کی جگہ ہوتا۔ سورج مغرب سے طلوع ہوگا جب طلوع ہوگا اور سب لوگ اسے دیکھیں گے تو اس وقت کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا یا اس نے اپنے ایمان سے نیکی نہیں کمائی اور قیامت قائم ہوگی (پہلا صور پھونکا جائے گا) تو آدمیوں نے کپڑا پھیلا رکھا ہوگا نہ وہ اس کا سودا کر سکیں گے اور نہ ہی لپٹنے کی مہلت ملے گی اور ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر آئے گا لیکن اسے پی نہیں سکے گا کوئی شخص اپنے حوض کو ٹھیک کر رہا ہوگا اور اس میں پانی نہیں ڈال سکے گا کہ (پہلی) قیامت قائم ہو جائے گی اسی طرح وہ لقمہ اٹھا کر منہ کی طرف لے جائے گا اور کھا نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۸-۳۶۰۹، مسند احمد ج ۳ ص ۹۵، شرح السنہ ج ۱۵ ص ۲۶، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۰۴، الدر المنثور ج ۶ ص ۵۱، کنز العمالی رقم الحدیث: ۳۸۴۰۲)

یہ تیرہ علامات ہیں جن کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں جمع کیا اور اس کے بعد کوئی صحیح علامت اور شرط ایسی نہیں رہی جو دیکھی جائے ان علامات میں سے اکثر ظاہر ہو چکی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ”حتیٰ کہ دو بڑی جماعتیں باہم لڑیں گی اور ان دونوں کا ایک ہی دعویٰ ہوگا“ تو اس سے جنگ صفین مراد ہے جو حضرت معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی۔

قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں: اسلام میں یہ سب سے پہلا حادثہ تھا۔ لیکن قرطبی نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں پر سب سے پہلے اچانک آنے والا حادثہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے وحی کا سلسلہ بند ہو گیا اور سب سے پہلے شر ظاہر ہوا جیسے بعض عربوں کا مرتد ہونا وغیرہ۔



حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی آزمائش کی تلوار میان سے باہر نکلی لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا سب اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہے۔

آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ ”تمیں کے قریب جھوٹے دجال ہوں گے“ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان کی معین تعداد مذکور ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَكُونُ فِي أُمِّي دَجَالُونَ كَذَابُونَ سَبْعَةٌ مِثْرِي أَمْتٌ فِي سِتَائِكُمْ دَجَالٌ كَذَّابٌ هُوَ هُوَ  
وَعَشْرُونَ مِنْهُمْ أَرْبَعُ نِسْوَةٍ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي.  
(آخری نبی) ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

یہ حدیث حافظ ابو نعیم نے نقل کی اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ظاہر ہو چکی ہے اگر ان لوگوں کا شمار کیا جائے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ سے آج تک نبوت کا دعویٰ کیا تو ان میں سے مشہور اسی تعداد کے مطابق پائے جائیں گے اور جو آدمی کتب تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس حدیث کی صحت کو جان لیتا ہے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی ”حتیٰ کہ علم اٹھ جائے گا“ (واقعی) وہ اٹھ گیا اور محض اس کی رسم باقی رہ گئی ہے (کیونکہ علم پر عمل نہیں اور اہل علم علماء دنیا سے پردہ فرما گئے) اور آپ نے زلزلوں کا ذکر فرمایا تو ان میں سے بہت کچھ ہو چکا اور ہم نے ان میں سے بعض کا مشاہدہ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ”حتیٰ کہ تم میں مال کی کثرت ہوگی اور یہاں تک کہ مال دار پریشان ہوگا کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے گا“ تو یہ بات ابھی تک واقع نہیں ہوئی۔

اور آپ نے فرمایا: ”کہ ایک شخص کسی دوسرے آدمی کی قبر سے گزرے گا تو کہے گا کاش اس کی جگہ میں ہوتا۔“

اور اس کی وجہ بڑی آزمائش جاہلوں کا اقتدار پر قابض ہونا اور علماء کو نظر انداز کر دینا ہے۔ اور اسی سلسلے میں بہت کچھ ظاہر ہو چکا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:  
لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارُ مَنْ  
الْحِجَازُ تَضِيءُ لَهَا اَعْنَاقُ الْاَبِلِ بِبَصْرَى.  
آگ اٹکے جس سے بصری میں اونٹوں کی گردن روشن ہو جائیں (نظر آئیں)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳، شرح السنہ ج ۱۵ ص ۳۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۴۳۶، البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۱۹۹، المسجد رک ج ۳ ص ۲۳۳، الدر المنثور ج ۶ ص ۵۵، التاج الکبیر ج ۳ ص ۱۹۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۸۸۳)

اور ایک بہت بڑی آگ مدینہ طیبہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ظاہر ہوئی اور اس کا آغاز ایک بہت بڑے زلزلے سے ہوا جو ۳ جمادی الاخریٰ ۶۵۴ھ میں بدھ کی رات میں پھا ہوا منگل کے دن اس کی حرکت میں شدت پیدا ہوئی تھی اس کا زلزلہ اور توڑ پھوڑ زیادہ ہوئی زمین پر جو کچھ تھا اس میں اضطراب پیدا ہوا اور خالق کو پکارنے کے لئے آوازیں بلند ہوئیں اور ایک



کے بعد دوسری حرکت ہوئی حتیٰ کہ اہل مدینہ کو یقین ہو گیا کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے اور ان کو خوب جھنجھوڑا جائے گا صرف ایک دن میں اٹھارہ بار حرکت ہوئی رات کو نہیں (واضح رہے کہ یہ منگل کا دن تھا لیکن منقول بدھ کا دن ہے)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی برکت سے مدینہ طیبہ میں صبح کی ٹھنڈی ہوا (باد نسیم) آتی تھی حالانکہ اس آگ کا جوش اس طرح دیکھا گیا جس طرح سمندر جوش مارتا ہے اور یہ آگ یمن کی ایک بستی تک پہنچ گئی اور اس نے اس کو جلا کر رکھ دیا اور ہمارے بعض اصحاب نے مجھے بتایا کہ میں نے اسے ہوا میں پانچ دن کی مسافت تک اٹھتے ہوئے دیکھا اور میں نے یہ بھی سنا کہ وہ آگ مکہ مکرمہ سے اور بصری کے پہاڑوں سے دیکھی گئی۔

شیخ قطب الدین قسطلانی (ابو بکر قطب الدین محمد بن احمد بن علی الشاطبی التوزری ہیں متوفی ۶۸۶ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ آگ باون دن رہی اور رجب کی ستائیسویں رات یعنی شب معراج بجھ گئی۔  
خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس آگ کا پورا ذکر کیا جائے تو مقصود باقی نہیں رہے (یعنی اختصار ختم ہو جائے) امام قرطبی نے ”الذکرہ میں“ اس کا ذکر کیا اور قطب الدین قسطلانی نے اپنی کتاب ”حمل الایجاز فی الاعجاز بنار الحجاز“ صرف اسی واقع سے متعلق لکھی ہے۔

اور انہوں نے اس میں نہایت عجائب باریک باتیں لکھی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

۱ (الاعلام ج ۵ ص ۳۲۳ طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۸ اشذرات الذهب ج ۵ ص ۳۹۷ النجوم الزاہرۃ ج ۷ ص ۳۷۳ حسن المحاضرۃ ج ۱

ص ۲۳۶ ذوات الوفيات ج ۳ ص ۳۱۰ الوافی بالوفیات ج ۲ ص ۱۳۲ تاریخ علماء بغداد رقم الحدیث: ۱۷۳)



## نواں مقصد

### نبی اکرم ﷺ کی عبادات

#### زندگی بھر عبادت

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ. (الحجر: ۹۷-۹۹)

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے آپ اپنے سینہ مبارک میں تنگی محسوس کرتے ہیں پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور اپنے رب کی عبادت کریں حتیٰ کہ موت (کا وقت) آجائے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو وصال تک عبادت کرنے کا حکم دیا اور یقین سے موت ہی مراد ہے اور اسے یقین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ یقینی بات ہے۔

سوال: عبادت کا حکم دینے میں ”واعبد ربک“ کافی تھا ”حتی یاتیک الیقین“ فرمانے کا کیا فائدہ ہے؟  
جواب: امام قرطبی رحمہ اللہ نے دوسروں کی اتباع میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مطلقاً ”واعبد ربک“ فرماتا پھر آپ ایک مرتبہ عبادت کرتے تو حکم پر عمل ہو جاتا۔

اور جب ”حتی یاتیک الیقین“ فرمایا یعنی آپ اپنی زندگی کے تمام اوقات میں اپنے رب کی عبادت کریں اور تھکاوٹ محسوس نہ کریں اور زندگی کے کسی بھی لمحہ میں اس عبادت میں خلل واقع نہ ہو۔ جس طرح صالح بندے نے کہا:  
وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا. اور اس (اللہ تعالیٰ) نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا (المريم: ۳۱) جب تک میں زندہ رہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امر مطلق تکرار کو نہیں چاہتا اور مسئلہ اصول فقہ میں معروف ہے اور اس میں اختلاف ہے۔

#### حکم مطلق کے بارے میں اصول مسئلہ

کیا امر مطلق تکرار کا فائدہ دیتا ہے یا ایک مرتبہ عمل کرنا کافی ہے یا کسی قسم کا فائدہ نہیں دیتا؟ اس سلسلے میں کئی مذاہب ہیں۔

۱۔ احناف کے نزدیک امر تکرار کو نہیں چاہتا نماز کا روزانہ اور بار بار پڑھنا سبب یعنی وقت کے بار بار آنے کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ حج زندگی میں ایک بار فرض ہے کیونکہ اس کا سبب ایک ہے اور وہ خانہ کعبہ ہے۔ ۱۲ ہزار روپی



پہلا مذہب: امر مطلق نہ تو تکرار کا فائدہ دیتا ہے اور نہ ہی اس کی نفی کرتا ہے بلکہ اس کا فائدہ صرف اتنا ہے کہ جس بات کا حکم دیا گیا اس پر عمل کیا جائے قطع نظر اس بات کی خبر کے کہ ایک مرتبہ ہو یا کئی مرتبہ، لیکن ایک مرتبہ عمل کرنا ضروری ہے تاکہ بجا آوری متحقق ہو جائے کیونکہ ایک بار سے کم میں کسی کام کی ماہیت نہیں پائی جاتی امام الحرمین کا مختار مذہب یہی ہے اور کچھ اصولیوں سے اسی طرح نقل کیا۔

آمدی اور ابن حاجب نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

دوسرا مذہب: امر مطلق مطلقاً تکرار کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ استاذ ابو اسحاق اسفرائینی اور ابو حاتم قزوینی نے یہ موقف اختیار کیا پس اگر وہ تکرار کے لئے کوئی خاص مدت مقرر کرے تو وہ حکم اس کو گھیرے گا ورنہ زندگی بھر عمل کرنا ہوگا لیکن جس قدر ممکن ہو پس قضائے حاجت نیند کی حالت اور اس کے علاوہ ضروریات کا وقت اس سے خارج ہوگا۔

تیسرا مذہب: یہ صرف ایک مرتبہ بجا آوری پر دلالت کرتا ہے شیخ ابو اسحاق نے ”شرح اللمع میں“ ہمارے اکثر اصحاب (شافعی مسلک والوں) اور امام ابو حنیفہ اور ان کے علاوہ حضرات سے نقل کیا۔

اور اگر کسی شرط یا صفت کے ساتھ مشروط کرے تو تکرار کا تقاضا مشروط کے تکرار کے مطابق ہوگا۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَرَأَى كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطْهَرُوا. (المائدہ: ۶)

اور اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو جاؤ۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدٍ. (النور: ۲)

زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

(مطلب یہ ہے کہ طہارت کا تعلق جنابت سے اور کوڑوں کا تعلق زنا سے ہے لہذا جنابت کے تکرار سے غسل کا اور زنا کے تکرار سے کوڑوں کا تکرار ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی) یہ جو کچھ بیان ہو علامہ ابوالحسن اشمونی کی شرح کا خلاصہ ہے۔ ۱

## آیت کا معنی

حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ (تابعی ہیں) ۲ سے مرسل مروی ہے (صحابی کا ذکر نہیں ہے) کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما اوحى الى ان اجمع المال واكون من  
التاجرین ولكن اوحى الى ان سبح بحمد  
ربك وكن من السجدين واعبد ربك حتى  
ياتيك اليقين.

میری طرف یہ بات وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ میری طرف یہ وحی ہوئی کہ اپنے رب کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ بیان کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور اپنے رب کی عبادت کریں حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

۱۔ علامہ ابوالحسن اشمونی کا اسم گرامی نور الدین علی ہے اشمون مصر کی ایک بستی ہے اور علامہ اشمونی امام عالم زاہد تھے گفتگو کم کرتے اور حسن سیرت کے مالک تھے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۳۷)

۲۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۶، التقریب ج ۱ ص ۱۲۶)



(الدر المنثور ج ۳ ص ۱۰۹، مشکوٰۃ المصابیح للسترزی رقم الحدیث: ۵۲۰۶، المغنی ج ۲ ص ۶۵، ج ۳ ص ۲۵۹، المحلیہ ج ۲ ص ۲۳۱، اکامل فی الصغاء ج ۵ ص ۱۸۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۳۷۳)

اس حدیث کو امام بغوی نے ”شرح السنہ میں“ اور ابو نعیم نے ”المحلیہ میں“ حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ سے روایت کیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۱۲)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو چار باتوں کا حکم دیا تسبیح، تحمید، سجدہ اور عبادت۔ اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اس قسم کی عبادات کی طرف توجہ کیسے دل کی تنگی اور غم کے ازالے کا سبب بنی؟ تو امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بعض محققین سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ جب انسان اس قسم کی عبادات کرتا ہے تو اس کے لئے عالم ربوبیت سے روشنیاں چمکتی ہیں اور جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو دنیا بالکل حقیر معلوم ہوتی ہے جب وہ حقیر ہو جائے تو اس کا معدوم ہونا یا حاصل ہونا دل کے لئے معمولی بات ہوتی ہے اگر دنیا حاصل نہ ہو تو اسے وحشت نہیں ہوتی اور اگر مل جائے تو اس سے خوشی نہیں ہوتی اس وقت غم اور پریشانی دور ہو جاتی ہے اور اہل سنت فرماتے ہیں: جب بندے پر کچھ مصیبت آتی ہے تو عبادات کی طرف مجبور ہو جاتا ہے گویا وہ کہتا ہے مجھ پر تیری عبادت واجب ہے تو مجھے نعمتیں عطا کرے یا تکالیف میں ڈالے۔

### عبادت پر صبر کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ. (مریم: ۲۵)

پس اس کی عبادت کریں اور اس کی عبادت پر صبر کریں۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو عبادت کرنے اور لوگوں کو ڈرسانے اور تبلیغ کے سلسلے میں پہنچنے والی تکلیف کو صبر سے برداشت کرنے کا حکم دیا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ”واصبر“ کی بجائے ”واصبر“ کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: عبادت کو ”قرون“ کی طرح قرار دیا قرن مقابل کو کہتے ہیں لڑنے والے سے کہا جاتا ہے ”اصطبر لقرنک“ اپنے مقابل کی طرف سے پہنچنے والی مشقت کو برداشت کرنے میں ثابت قدم رہو۔ معنی یہ ہے کہ عبادت کی وجہ سے تم پر مشقت اور سختیاں آئیں گی پس ان کے مقابلے میں ثابت قدم رہو۔ یہ بات امام فخر الدین رازی اور امام بیضاوی رحمہما اللہ نے فرمائی ہے۔

### غلطی کرنے والے صوفی کی سمجھ کی تصحیح

ارشاد خداوندی ہے:

۱۔ حضرت امام ابو مسلم خولانی زاہد عابد بہت بڑے تابعی تھے نبی اکرم ﷺ کی طرف سفر کیا لیکن آپ سے ملاقات نہ ہوئی یزید بن معاویہ کے زمانے تک زندہ رہے۔ (زرقاتی ج ۷ ص ۲۳۸)



وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْیُّوْجِ اَمْرٌ كُّلُّهُ فَاَعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ. (ہود: ۱۲۳) اور اسی کی طرف سب کاموں کا رجوع ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کا پہلا مرحلہ اس کی عبادت ہے اور آخری درجہ اس پر توکل کرنا ہے اور بندہ جب ہمیشہ اپنے رب کی طرف سفر میں رہتا ہے تو جب تک بقید حیات ہے اس کی سیر ختم نہیں ہوتی لہذا وہ عبادت کے زور راہ کا محتاج ہے اس سے کسی طرح بے نیاز نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ تمام جنوں اور انسانوں کے اعمال کے برابر عمل کرے۔

اور جب بندہ اپنے رب کے زیادہ قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا مجاہدہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَاهِدُوا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ. (الحج: ۷۸) اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو جس طرح جہاد کا حق ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ عبادت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور اس کے لئے کوشش کرنے میں تمام مخلوق سے بڑا مقام رکھتے تھے آپ نے وصال تک اس (عبادت) کی سب سے زیادہ محافظت فرمائی۔ اور صحابہ کرام کے حالات میں غور کیجئے کہ جب بھی انہیں قرب میں کسی مقام پر ترقی حاصل ہوتی ان کا مجاہدہ اور کوشش بڑھ جاتی۔ بعض خود ساختہ صوفیوں کی اس بات کی طرف توجہ نہ کرنا کہ قرب حقیقی بندے کو اعمال ظاہرہ سے اعمال باطنہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور یوں وہ جسم اور اعضاء کو عمل کی مشقت سے بچا کر راحت پہنچاتا ہے اس کا خیال ہے کہ اس طرح وہ عمل کا مکلف نہیں رہتا یہ لوگ بہت بڑے کافر اور بے دین ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بندگی کو معطل کر دیا اور اپنے باطل خیالات کی وجہ سے وہ اس سے بے نیاز ہو گئے حالانکہ ان کا یہ خیال نفس کی خواہشات اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ پس اگر بندہ قرب کی وجہ سے اعلیٰ مقام تک پہنچ جائے تو جب تک وہ عمل پر قادر ہے ذرہ بھر عمل کی تکلیف اس سے ساقط نہیں ہوتی۔

### کیا آپ نے کسی پہلی شریعت پر عمل کیا؟

علماء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا بعثت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کسی پہلی شریعت پر عمل کرتے تھے یا نہیں؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ (اس سے پہلے) آپ کسی دوسری شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ منقول ہوتی اور عادی ایسے عمل کا چھپانا ممکن نہ ہوتا اس لئے کہ یہ تو آپ کے اہم معاملے سے ہوتا اور آپ کی سیرت میں سے جن باتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے ان میں سے اولیٰ کام ہوتا اور اس شریعت والے اس پر فخر کرتے اور اس سے اس پر استدلال کرتے اور اس قسم کی کوئی بات منقول نہیں ہے۔

ایک گروہ اسے عقلی طور پر محال سمجھتا ہے وہ کہتے ہیں یہ بات عقل سے بعید ہے کہ جو شخص تابع معروف ہو وہ متبوع ہو جائے اور پہلی تعلیل کہ یہ بات منقول نہیں ہے زیادہ بہتر ہے۔

دوسرے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے معاملے میں توقف کیا جائے اور قطعی طور پر کوئی حکم نہ لگایا جائے کیونکہ عقل ان میں سے کسی ایک بات کو جائز قرار نہیں دیتی یہ امام ابوالمعالی امام الحرمین اور امام غزالی اور آمدی رحمہم



اللہ کا مذہب ہے۔

کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ آپ کسی پہلی شریعت پر عمل کرتے تھے پھر اختلاف ہے کہ کیا وہ شریعت متعین ہے یا نہیں؟ تو بعض نے تعین سے خاموشی اختیار کی اور اس بات سے رک گئے اور بعض نے تعین کی جسارت کی اور بہرے بن گئے۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ کوئی شریعت متعین ہے؟ تو بعض نے کہا حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع کرتے تھے کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول کیا۔ تو اس مسئلہ میں یہ مذاہب ہیں اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ ظاہر بات وہ ہے جس کی طرف قاضی ابوبکر باقلانی گئے ہیں اور یہ تعین کے مذاہب سے زیادہ دور ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بات ہوتی تو وہ منقول ہوتی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا اور یہ بات پوشیدہ نہ ہوتی۔

ان لوگوں کی اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں پس بعد والوں پر آپ کی شریعت لازم ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت میں عموم ثابت نہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی نبی نے عمومی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔

یہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ہے اور نہایت عمدہ کلام ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ تمام مذاہب یہی ہیں محل نظر ہے کیونکہ اس سے ایک بات باقی ہے اس لئے کہ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت مراد ہے یہ بات ابن برہان سے منقول ہے ایک قول یہ ہے کہ تمام شریعتوں پر عمل فرمایا۔ یہ بات ”المحصل“ کے مصنف نے بیان کی جو بالکل ہیں۔ جس نے کہا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے تو آپ کے لئے الگ شریعت نہیں ہے آپ کی بعثت کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو زندہ کرنا تھا اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ  
حَنِيفًا. (النحل: ۱۲۳)  
پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کریں جو باطل سے جدا ہے۔ تو یہ قول ساقط مردود ہے اس قسم کی بات کوئی بے عقل ہی کرتا ہے۔

اس آیت سے توحید میں اتباع مراد ہے کیونکہ جب اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصف یوں بیان فرمایا کہ آپ مشرکین میں سے نہیں تھے تو اتباع سے بھی یہی مراد ہے (کہ آپ توحید پر قائم رہیں)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی قسم کا ہے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْتَدِ.  
(الانعام: ۹۰) پس ان کی راہ ہدایت پر چلیں۔

اور ان میں اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی ذکر فرمایا جو مبعوث نہ ہوئے اور ان کے ساتھ کوئی شریعت مخصوص نہ تھی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام ان لوگوں کے قول کے مطابق جو کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جماعت کا ذکر بھی کیا جن کی شریعتیں مختلف تھیں ان کو جمع کرنا ممکن نہیں پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس سے توحید اور



اللہ تعالیٰ کی عبادت مراد ہے جس پر وہ سب متفق تھے۔

سوال: نبی اکرم ﷺ نے دلائل قطعیہ کی بنیاد پر شرک کی نفی فرمائی اور توحید کو ثابت کیا جب یہ بات ہے تو آپ کسی کی اتباع کرنے والے نہیں تھے پس ”ان اتبع“ کو اس معنی پر محمول کرنا ممتنع ہے لہذا اسے ان شریعتوں پر محمول کرنا ضروری ہے جن میں متابعت کا حصول صحیح ہے۔

جواب: امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ توحید کی دعوت دینے کی کیفیت میں متابعت کا حکم ہے یعنی آپ نرمی اور سہولت کے ساتھ اور بار بار مختلف طریقوں سے دلائل لا کر دعوت دیں جیسا کہ قرآن پاک کا مانوس طریقہ ہے۔

تفسیر کشاف کے مصنف نے ”ثم اوحینا الیک“ (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی) میں لفظ ثم کے بارے میں فرمایا: کہ یہ رسول اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ کی عظمت اور آپ کے مقام کی جلالت پر دلالت ہے کیونکہ حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو جو سب سے زیادہ بزرگی اور سب سے بڑی نعمت عطا کی گئی وہ نبی اکرم ﷺ کا ان کی ملت کی اتباع کرنا ہے کیونکہ لفظ ثم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں جس قدر کلمات بیان فرمائے یہ مرتبہ ان سب سے دور ہے۔ (تفسیر کشاف)

جن تعریفی کلمات کا صاحب کشاف نے ذکر کیا ہے ان سے مراد یہ ارشاد خداوندی ہے:

ان ابراهيم كان امة فانتا لله حنيفا ولم يك من المشركين ○ شاكرا لانعمهم اجاباه و هداه الى صراط مستقيم ○ واتيناه في الدنيا حسنة ولانه في الآخرة لمن الصالحين (النحل: ۱۲۰-۱۲۲)

بے شک ابراہیم (اپنے کمالات کے اعتبار سے بنفس نفیس) ایک امت تھے فرمانبردار اور باطل سے جدا اور وہ مشرکین سے نہ تھے اس کی نعمتوں پر شکر گزار تھے (اللہ نے) انہیں جن لیا اور ان کی رہنمائی فرمائی سیدھی راہ کی طرف اور ہم نے انہیں دنیا میں بھلائی عطا فرمائی اور بے شک وہ آخرت میں ضرور صالحین میں سے ہیں۔

ابن عراقی نے ”شرح تفریب الاسانید میں“ فرمایا مجھے معلوم نہیں یہ عبادت کس طرح تھی؟ اس کی نوع کونسی تھی؟ اور اس کے فعل کا کیا طریقہ تھا؟ یہ سب باتیں نقلی دلیل کی محتاج ہیں اور اس وقت میرے ذہن میں کچھ حاضر نہیں۔

شیخ الاسلام البلقینی نے ”شرح بخاری میں“ فرمایا کہ ہم نے جن احادیث سے آگاہی حاصل کی ان میں نبی اکرم ﷺ کی عبادت کی کیفیت کو نہیں پایا۔

لیکن ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ ہر سال ایک مہینہ کے لئے غار حراء میں تشریف لے جاتے اور وہاں عبادت کرتے اور دور جاہلیت میں قریش کی عبادت میں سے ایک عبادت یہ بھی تھی کہ آنے والے مسکین کو کھانا کھلاتے نبی اکرم ﷺ غار حراء کی مجاورت سے واپس لوٹتے تو جب تک خانہ کعبہ کا طواف نہ کرتے گھر تشریف نہ لے جاتے۔ بعض حضرات نے اس وقت کی آپ کی عبادت کو غور و فکر پر محمول کیا ہے (مطلب یہ کہ آپ غور و فکر کرتے تھے)۔

امام بلقینی متوفی ۸۶۸ھ نے فرمایا: میرے نزدیک یہ عبادت کئی انواع پر مشتمل تھی مثلاً لوگوں سے علیحدگی جس طرح



حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ سے لو لگائی کیونکہ کشادگی کا انتظار بھی عبادت ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے پھر یہ کہ آپ غور و فکر بھی کرتے تھے بعض حضرات نے فرمایا کہ غار حراء میں آپ کی عبادت تفکر کی صورت میں تھی۔ (الضوء الملامع ج ۳ ص ۳۱۲)

اب میں (مصنف) اپنے ارادے کے مطابق بحث شروع کرتا ہوں اور میں نے نبی اکرم ﷺ کی عبادت کو سات انواع میں تقسیم کیا ہے۔

فصل نمبر ۱

## نبی اکرم ﷺ کا وضو مسواک اور وضو کے پانی کی مقدار

لفظ وضو واؤ پر ضمہ یعنی پیش کے ساتھ فعل (مصدر) ہے اور فتح (زبر) کے ساتھ وہ چیز (پانی) جس سے وضو کیا جائے۔ یہ لفظ الوضوء سے مشتق ہے (کسی چیز کا خوبصورت اور پاکیزہ ہونا) اور اسے وضو کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے نمازی کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔

### وضو میں نیت

بعض علماء نے اس آیت کریمہ سے وضو میں نیت کا وجوب ثابت کیا جس طرح ”فتح الباری میں“ نقل کیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا (المائدہ: ۶) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو (یعنی ارادہ کرو) تو (اپنے چہرے وغیرہ کو) دھولو۔

تقدیر عبارت یہ ہے:

إِذَا أَرَدْتُمْ الْقِيَامَ إِلَى الصَّلَاةِ فَتَوَضَّؤُوا لِأَجْلِهَا۔ جب تم نماز کے لئے کھڑا ہونے کا ارادہ کرو تو اس کے لئے وضو کرو۔

جس طرح کہا جاتا ہے ”اذا رايت الامير فقم جب امیر کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ“ یعنی اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

ابن قیم نے کہا یہ بات مروی نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ وضو کے شروع میں یوں فرماتے ہوں:

نويت رفع الحدث۔ میں نے حدث کو دور کرنے کی نیت کی۔

اس کے علاوہ الفاظ بھی آپ سے اور آپ کے صحابہ کرام سے منقول نہیں ہیں آپ سے یہ بات کسی صحیح یا ضعیف سند سے مروی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں جہاں تک نیت کے تلفظ کا تعلق ہے تو ہمیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ سے مروی ہو لیکن نیت کرنے کے بارے میں امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ”المعالم“ میں فرمایا:



میں جانتا ہوں کہ جب ہم کسی معاملے میں یہ بات کہنا چاہیں کہ کیا اسے رسول اللہ ﷺ نے کیا؟ تو ہم کہتے ہیں اس کو ثابت کرنے کے کئی طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: جب ہم یہ بات کہنے کا ارادہ کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے نیت اور ترتیب کے ساتھ وضو فرمایا تو ہم کہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ نیت اور ترتیب کے ساتھ وضو کرنا افضل ہے اور اس بات کا علم ضروری حاصل ہے کہ تمام مخلوق میں سے افضل ذات نے افضل عمل کو ہمیشہ نہیں چھوڑا تو ثابت ہوا کہ آپ کا وضو ترتیب اور نیت کے ساتھ ہوتا تھا اور ہمارے نزدیک ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی ایسا وضو کیا ہو جو نیت اور ترتیب سے خالی ہو اور شک یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتا پس ثابت ہوا کہ آپ نے ترتیب اور نیت کے ساتھ وضو کیا لہذا ہم پر اس کی مثل واجب ہے۔

دوسرا طریقہ: ہم کہتے ہیں اگر نبی ﷺ نے نیت اور ترتیب کو چھوڑا تو ہم پر بھی اس کا چھوڑنا لازم ہے اور اس کی وجہ وہ دلائل ہیں جو آپ کی اقتداء کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں پس جب ہم پر اس کا چھوڑنا واجب نہیں تو ثابت ہوا کہ آپ نے اسے چھوڑا نہیں بلکہ اسے کیا ہے۔

”صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں ہے“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انما الاعمال بالنیات وانما لكل امریء ما  
اعمال (کے ثواب) کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر  
شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔  
نوی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۳۷، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۲۷، سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱-۲۱۵، ج ۶ ص ۳۳۱، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۳۲، المغنی ج ۳ ص ۳۵۱، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۳۸۰) امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس میں ایمان وضو نماز زکوٰۃ حج روزہ اور دیگر احکام داخل ہیں۔

وضو کا ذکر کر کے انہوں نے ان لوگوں کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا جن کے نزدیک وضو میں نیت شرط نہیں جس طرح امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ اور دیگر حضرات رحمہم اللہ سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مستقل عبادت نہیں بلکہ یہ عبادت کی طرف وسیلہ ہے (یعنی وضو نماز کا وسیلہ ہے)۔

لیکن ان کی یہ بات تیمم سے ٹوٹ جاتی ہے کہ وہ بھی وسیلہ ہے اور حنفی فقہ والوں نے اس میں نیت کو شرط قرار دیا ہے۔ (تیمم مٹی سے ہوتا ہے اور مٹی پاک کرنے والی نہیں جبکہ پانی پاک کرنے والا ہے اس لئے طہارت کے حصوں کے لئے تیمم میں نیت شرط ہے جبکہ پانی نیت کے بغیر بھی پاک کر دیتا ہے۔ احناف نے وضو اور تیمم میں یہ فرق کیا ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

جمہور نے وضو میں نیت کے شرط ہونے پر صحیح دلائل سے استدلال کیا ہے جن میں اس پر ثواب کے وعدے کی وضاحت ہے پس ارادہ ضروری ہے جو اس کو ممتاز کرے تاکہ وہ ثواب حاصل ہو جس کا وعدہ کیا گیا۔ ۱۔

۱۔ قرآن مجید کے الفاظ مبارکہ جن میں وضو کا ذکر ہے نیت اور ترتیب وغیرہ سے مطلق ہیں اسی لئے مطلق کو مقید کرنا یعنی نیت کو بھی فرض قرار دینا صحیح نہیں محض نیت کا انکار نہیں احناف کے نزدیک نیت کرنا ضروری نہیں بلکہ جو شخص ثواب حاصل کرنا چاہے وہ نیت کرے نماز کے لئے آلہ کے طور پر وضو کرنا ہو تو اس سے نماز پڑھنا صحیح ہوگا وضو کا الگ ثواب نہ ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی



## اعمال میں نیت کا حکم

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ”انما الاعمال بالنیات“ سے ذات عمل کی نفی مراد نہیں کیونکہ بعض اوقات وہ نیت کے بغیر بھی پایا جاتا ہے بلکہ اس کے احکام کی نفی ہے جیسے اس کا صحیح اور کامل ہونا لیکن صحت کی نفی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ کسی شے کی نفی سے اس کی ذات مراد لینا زیادہ مناسب ہے نیز لفظ ذات کی نفی پر صراحتاً اور صفات کی نفی پر بالتبع دلالت کرتا ہے پس جب دلیل ذات کی نفی کو منع کرے تو صفات کی نفی پر دلالت باقی رہتی ہے۔

ابن دقیق نے کہا کہ جن لوگوں نے نیت شرط رکھی ہے انہوں نے یہاں صحت اعمال مقدر نکالا یعنی ”انما صحیح الاعمال بالنیات“ اور جنہوں نے نیت کو شرط قرار نہیں دیا ان کے نزدیک لفظ کمال مقدر ہے یعنی ”انما کمال الاعمال بالنیات“ پہلے قول کو ترجیح ہے کیونکہ کمال کے مقابلے میں صحت کا لزوم زیادہ ہے پس اس پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض علماء کرام نیت کی شرط کو صحیح نہیں سمجھتے ان کے درمیان اختلاف صرف وسائل میں ہے مقاصد کے بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ ان سب کے نزدیک ان میں نیت شرط ہے۔ اسی وجہ سے احناف نے وضو میں نیت کی شرط کی مخالفت کی ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا (کیونکہ وضو نماز کا وسیلہ ہے مقصودی عبادت نہیں) ۱۲ ہزاروی

امام اوزاعی علیہ الرحمہ نے تیمم میں بھی اس شرط کی مخالفت کی ہے ہاں علماء میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ عمل کے شروع میں نیت ملی ہوئی چاہیے یا نہیں؟ جس طرح فقہ کی بڑی بڑی کتب میں معروف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول کہ اس میں ایمان داخل ہے تو ایمان میں نیت کا دخول امام بخاری رحمہ اللہ کے طریقے پر ہے کیونکہ وہ ایمان کو عمل قرار دیتے ہیں لیکن ایمان جو تصدیق کے معنی میں ہے وہ دیگر قلبی اعمال کی طرف نیت کا محتاج نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اس کی تعظیم و محبت اور اس کا قرب حاصل کرنا ان تمام قلبی اعمال میں نیت کا کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ یہ خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں لہذا کسی ایسی نیت کی ضرورت نہیں جو ان کو ممتاز کرے کیونکہ نیت اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کو غیر کے لئے بطور ریا کاری کئے گئے عمل سے ممتاز کرتی ہے اسی طرح اعمال کے مراتب کو نیت کے ذریعے ایک دوسرے سے ممتاز کیا جاتا ہے مثلاً فرض کو مستحب سے اور عبادت کو عادت سے جس طرح روزے کو محض بھوکا رہنے سے (نیت ممتاز کرتی ہے)۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کا ”والا حکام“ فرمانا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاملات جن میں فیصلوں کی حاجت ہوتی ہے ان میں نیت شرط ہے تو یہ خرید و فروخت نکاح اور اقرار وغیرہ کو شامل ہے اور جہاں نیت شرط نہیں ہوگی تو اس کی کوئی خاص دلیل ہوگی۔

## نیت کے شرط ہونے کے لئے قاعدہ

ابن مزیر نے ایک ضابطہ ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت کہاں شرط ہے اور کس جگہ شرط نہیں ہے؟

۱۔ اگر اعمال کی صحت کا دار و مدار نیت پر ہو تو وضو کی طرح لباس کی طہارت بھی طہارت ہے لیکن وہ نیت کے بغیر حاصل ہو جاتی ہے لہذا کمال یا

ثواب کا لفظ مقدر نکالنا بہتر ہے۔ ۱۲ ہزاروی



انہوں نے فرمایا:

ہر وہ عمل جس کا فوری فائدہ ظاہر نہ ہو بلکہ طلبِ ثواب مقصود ہو اس میں نیت شرط ہے اور جس عمل کا فائدہ فوری طور پر ظاہر ہو اور شرعی حکم سے پہلے بھی طبیعت اس کا تقاضا کرتی ہو کیونکہ طبیعت اور اس عمل میں مناسبت ہوتی ہے تو اس میں نیت شرط نہیں البتہ کوئی شخص اس سے کسی دوسری بات کا قصد کرے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے (تو نیت ضروری ہوگی)۔ وہ فرماتے ہیں: (نیت کے سلسلے میں) بعض صورتوں میں علماء کا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ تفریق کا معیار الگ الگ ہے۔

وہ مزید فرماتے ہیں: جو محض معانی ہیں (عمل نہیں ہیں) جس طرح خوف اور امید (وغیرہ) تو ان میں نیت کے شرط ہونے کا قول نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ نیت کے بغیر پائے ہی نہیں جاسکتے جب ان میں نیت کو مفقود فرض کیا جائے تو حقیقت بدل جائے گی پس ان میں نیت شرط عقلی ہے۔

جہاں تک اقوال کا تعلق ہے تو تین جگہوں میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک 'تقریب الی اللہ ہے جس میں ریاکاری سے دور رہنا ہو دوسرا قول جس میں ان الفاظ سے امتیاز ضروری ہو جو غیر مقصود کا بھی احتمال رکھتے ہوں اور تیسرا کسی عمل کو پیدا کرنا تاکہ سبقت لسانی سے نکلنے والے کلمات خارج ہو جائیں یہ تمام گفتگو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری میں" ذکر کی ہے۔

### وضو کب فرض ہوا؟

علماء کا اس وقت میں اختلاف ہے جب وضو فرض ہوا بعض حضرات نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں فرض ہوا ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ  
(المائدہ: ۶) چہرہ کو دھو لو (آخر تک)

ابن عبد البر نے اس بات پر اہل سیرت کا اتفاق نقل کیا ہے کہ غسل جنابت نبی اکرم ﷺ پر مکہ مکرمہ میں فرض ہوا جس طرح نماز فرض ہوئی اور آپ نے وضو کے بغیر کوئی نماز نہیں پڑھی۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں: یہ وہ بات ہے جس سے کوئی عالم بے خبر نہیں۔ امام حاکم نے "مستدرک میں" فرمایا کہ اہل سنت کو ایسی دلیل کی ضرورت ہے جس کے ذریعے وہ ان لوگوں کا رد کریں جن کے خیال میں آیت مائدہ (مندرجہ بالا آیت) کے نزول سے پہلے وضو نہ تھا۔ پھر انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی کہ حضرت خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ رو رہی تھیں اور عرض کر رہی تھیں کہ قریش کے ان لوگوں نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے آپ نے فرمایا میرے پاس وضو کے لئے پانی لاؤ پھر آپ نے وضو کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ان لوگوں کا رد ہو سکتی ہے جو ہجرت سے پہلے وضو کا انکار کرتے ہیں لیکن جو اس کو اس وقت واجب سمجھتے ہیں ان کا رد نہیں ہو سکتا۔



ابن جہم مالکی نے یہ بات قطعیت کے ساتھ بیان کی ہے کہ ہجرت سے پہلے وضو مستحب تھا اور ابن حزم نے اس بات پر جزم کیا کہ وضو مدینہ طیبہ میں مشروع ہوا۔

لیکن اس بات کا رد اس حدیث سے کیا گیا جو ابن لہیعہ نے ”مغازی میں“ ذکر کی وہ حضرت ابو اسود سے اور وہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس وقت نبی اکرم ﷺ کو وضو سکھایا جب وہ وحی لے کر آئے۔

یہ حدیث مرسل ہے اور امام احمد نے اسے ابن لہیعہ کے طریق سے موصولاً بھی نقل کیا ہے لیکن انہوں نے بواسطہ حضرت زہریؒ حضرت عروہ سے انہوں نے حضرت اسامہ بن زید سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا۔

(مسند احمد)

ابن ماجہ نے رشید بن سعد سے روایت نقل کی وہ عقیل سے اور وہ زہری سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں لیکن سند میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ حضرت لیث کے طریق سے نقل کیا اور وہ حضرت عقیل سے موصولاً روایت کرتے ہیں اگر یہ ثابت ہو تو صحیح کی شرط پر ہوگی لیکن معروف ابن لہیعہ کی روایت ہے۔ (فتح الباری)

### کیا ہر نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے پوچھا گیا آپ لوگ کیا طریقہ اختیار کرتے تھے؟ فرمایا: ہمارے لئے ایک وضو کافی ہوتا جب تک بے وضو نہ ہوتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۰۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲-۱۵۳-۲۶۰، ج ۵ ص ۳۵۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے۔  
حضرت امام مسلم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے جب فتح مکہ کا دن ہوا تو آپ نے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے کبھی نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: اے عمر! میں نے یہ کام جان بوجھ کر کیا ہے (یعنی یہ بتانے کے لئے کہ اس طرح بھی جائز ہے)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۱، سنن نسائی ج ۱ ص ۸۶، مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۰، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۶۲، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۶۳، مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸، الدر المنثور ج ۲ ص ۲۶۱)

امام احمد اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن ابی عامر الغنیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو ہر نماز کے لئے وضو کرنے کا حکم دیا گیا آپ (پہلے سے) با وضو ہوں یا نہ ہوں جب یہ بات آپ کے لئے مشکل ہو گئی تو آپ کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور وضو کرنے کا حکم اٹھالیا گیا ہاں بے وضو ہونے کی صورت میں (یہ حکم) باقی رہا۔



## وضو کب واجب ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ وضو کو واجب کرنے والی چیز کونسی ہے؟ کہا گیا کہ بے وضو ہونے سے وضو واجب ہوتا ہے لیکن اس وجوب میں کشادگی ہوتی ہے (یعنی فوراً واجب نہیں ہوتا بلکہ جب نماز پڑھے تو واجب ہوگا) ایک قول یہ ہے کہ بے وضو ہونے اور نماز کا ارادہ کرنے کی صورت میں (جب دونوں باتیں جمع ہوں تو) وضو واجب ہوتا ہے۔ شافعی مسلک والوں کی ایک جماعت نے اس بات کو ترجیح دی ہے یہ بھی کہا گیا کہ صرف نماز کے لئے کھڑا ہونے (ارادہ کرنے) کی صورت میں وضو واجب ہوتا ہے۔

## مسواک کا حکم

جن لوگوں کے نزدیک نبی اکرم ﷺ پر مسواک کرنا واجب تھی انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے۔ جس نے عنعنہ کے طور پر حدیث روایت کی اور وہ دلس ہے۔

اور خصائص صرف صحیح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں۔

امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ اور امام بیہقی نے ”سنن البیہقی میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تین باتیں مجھ پر فرض ہیں جب کہ تمہارے لئے وہ سنت ہیں۔ وتر نماز، مسواک اور قیام لیل (تہجد کی نماز)۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۶۸۔ ج ۹ ص ۲۶۳ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۳ نصب الرایۃ ج ۳ ص ۲۰۶ اللغیص لابن حجر ج ۲ ص ۱۸۔ ج ۳ ص ۱۱۸) امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ کر دی جائے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۰ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۶۶ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۸ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۴۲۳۰۔ ۴۴۲۳۱۔ ۴۴۲۳۲) بعض حضرات نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ ہم پر مسواک کرنا واجب نہیں لیکن بعض شافعیوں سے منقول ہے کہ یہ نماز کے لئے واجب ہے اور ہمارے لئے اس میں وسعت ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مطلقاً مسواک کرنا مستحب ہے اور بعض حالات میں اس کی تاکید ہے۔

(۱) وضو کے وقت اور نماز پڑھنے کے ارادہ کرتے وقت۔

(۲) سوکراٹھتے وقت۔

کیونکہ ”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات کے وقت اٹھتے تو اپنے منہ (دانتوں) کو مسواک سے ملتے۔

۱۔ جب کوئی حدیث ”عن فلاں“ ”عن فلاں“ کے طور پر مروی ہو تو اسے عنعنہ کہتے ہیں اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ راوی نے خود اس شخص سے سماعت کی یا نہیں جس سے روایت کی لہذا تہ لیس یعنی یہ بات چھپانے کا احتمال ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس نے خود نہ سنا ہو لیکن مغالطہ لگتا ہو کہ خود سنی ہے اسے دلس کہتے ہیں۔ ۱۲ ہزار روای



لیکن کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ رات کے وقت نماز کے لئے اٹھتے پس نماز کے لئے اور وضو کے وقت مسواک کرنا مراد ہے۔

(۳) قرآن مجید کی قرأت کرتے وقت (مسواک کرنا) جس طرح امام رافعی نے فرمایا۔

(۴) منہ (کے ذائقہ) کی تبدیلی کے لئے (مسواک کرنا) چاہے بوتھیل ہو یا رنگ جیسے دانتوں کا پیلا ہو جانا امام رافعی رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کی ہے۔

(۵) گھر میں داخل ہونا یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے ”زیادۃ الروضہ میں“ ذکر کی ہے جیسا کہ امام مسلم ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو مسواک سے ابتدا کرتے۔

(۶) سونے کے ارادے سے جس طرح شیخ ابو حامد نے ”الرواق میں“ ذکر کیا انہوں نے اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث نقل کی ہے جو ابن عدی نے ”الکامل“ میں روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب بستر پر تشریف لے جاتے تو (پہلے) مسواک کرتے اس حدیث میں حرام بن عثمان راوی متروک ہے۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۹۳۴)

(۷) رات کی نماز سے سلام پھیرنا ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ رات کو دو دو رکعتیں (کر کے) پڑھتے پھر مسواک فرماتے۔

### کس چیز کی مسواک؟

ہر کھردری چیز سے مسواک کرنا کفایت کرتی ہے اگرچہ دوسرے کی سخت انگلی سے ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح المہذب“ اور ”دقائق المنہاج“ میں ذکر کیا کہ یہ طریقہ قطعی طور پر کفایت کرتا ہے۔ ”شرح تقریب الاسانید میں“ فرمایا: کہ مجھے معلوم نہیں اپنی انگلی یا دوسرے کی انگلی میں فرق کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کے اپنے جسم کا حصہ ہونے سے ایسی بات ظاہر نہیں ہوتی جو اس کی ممانعت کا تقاضا کرے بلکہ اپنی انگلی ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ ازالہ ہوتا ہے کیونکہ جس طرح وہ اپنی انگلی سے مسواک کر سکتا ہے دوسرے کی انگلی سے اس طرح ممکن نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مہذب“ میں فرمایا: کہ مختار بات مطلق جواز ہے وہ فرماتے ہیں قاضی حسین نے اور محامی نے ”اللباب“ میں نیز امام بغوی نے اس کو قطعی قرار دیا اور ”البحر“ میں بھی اسے ہی اختیار کیا گیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے پیلو کی مسواک کے مستحب ہونے پر اتفاق کیا ہے پس امام طبرانی نے ابو خیرہ صابحی جن کو صحابیت کا شرف حاصل ہے سے ایک حدیث نقل کی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں پھر نبی اکرم ﷺ نے ہمیں پیلو کے بارے میں حکم دیا کہ اس سے مسواک کرو۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۶۲۲ لکھنؤ لاہور ج ۱ ص ۱۷۱ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۹۷)

”مستدرک حاکم میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی علالت کے دوران ام المؤمنین کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے تو ان کے پاس پیلو کی مسواک تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے لے کر چبایا پھر نبی اکرم ﷺ کو پیش کی تو آپ نے اسے استعمال فرمایا۔



یہ حدیث ”صحیح بخاری میں“ ہے اور اس میں پہلو کا ذکر نہیں اور امام بخاری کے نزدیک اس حدیث کے بعض طرق میں اس طرح ہے کہ ان کے پاس کھجور کی شاخ کی مسواک تھی۔

### مسواک کرنے کا طریقہ

ابو نعیم نے ”کتاب السواک میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ (دانتوں کی) چوڑائی میں مسواک کرتے تھے۔ امام بیہقی نے بھی حضرت ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ (دانتوں کی) چوڑائی میں مسواک کرتے تھے۔

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والے) فرماتے ہیں: کہ چوڑائی سے دانتوں کی چوڑائی مراد ہے جو منہ کی لمبائی میں ہوتی ہے۔

اور کیا مسواک کرنے والے کے لئے دائیں ہاتھ سے مسواک کرنا زیادہ بہتر ہے یا بائیں ہاتھ سے؟ تو بعض حضرات نے فرمایا دائیں ہاتھ سے بہتر ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو کنگھی کرنے، نعلین پہننے، طہارت حاصل کرنے اور مسواک کرنے میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند تھا۔ بعض حضرات نے اس سلسلے میں یہ سوال اٹھایا کہ یہ پاکیزگی حاصل کرنے کی ایک صورت ہے یا نجاست کو دور کرنا ہے۔

اگر ہم پہلی بات کہیں تو دائیں ہاتھ سے مستحب ہے اور اگر دوسری بات کہیں تو بائیں ہاتھ سے مستحب ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ کا دایاں ہاتھ مبارک طہارت حاصل کرنے اور کھانا کھانے کے لئے ہوتا تھا اور بائیں ہاتھ قضائے حاجت اور ناپاکی وغیرہ کو دور کرنے کے لئے استعمال ہوتا۔ اسی حدیث کو امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳-۳۴)

”شرح تقریب الاسانید میں ہے کہ“ دائیں ہاتھ سے مسواک کرنے پر جو استدلال کیا گیا ہے اس میں کوئی دلالت نہیں کیونکہ کنگھی کرنے میں سر کے دایاں حصے میں پہلی کنگھی فرماتے اسی طرح پہلے دایاں جوتا پہنتے وضو میں داہنی طرف کے اعضاء سے آغاز فرماتے اور مسواک کرنے میں پہلے دائیں طرف مسواک فرماتے تھے۔ لیکن دائیں ہاتھ سے مسواک کرنے کا قول نقلی دلیل کا محتاج ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ گندگی کو دور کرنا ہے جس طرح ناک جھاڑنا وغیرہ پس بائیں ہاتھ سے ہوگی۔

ابوالعباس احمد قرطبی نے اس بات کو واضح طور پر ذکر کرتے ہوئے ”المفہم میں“ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: کہ مساجد میں مسواک نہ کی جائے کیونکہ یہ گندگی کو دور کرنا ہے۔ واللہ اعلم

۱۔ جو شخص دائیں ہاتھ سے کام کرنے کا عادی ہو اس کے لئے بائیں ہاتھ سے مسواک کرنا مشقت کا باعث ہوتا ہے اور اسلام میں حرج والے کام کا مکلف نہیں بنایا جاتا لہذا دائیں ہاتھ سے مسواک کی جائے یہ آسان طریقہ ہے اور مسواک سے محض میل صاف کی جاتی ہے اور میل وغیرہ صاف کرنے کے لئے بائیں ہاتھ کا استعمال کرنا ضروری نہیں۔ ۱۲ ہزار روپی



## وضو کے پانی میں اعتدال

نبی اکرم ﷺ کے وضو یا غسل کے لئے پانی کی مقدار کیا تھی؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے نبی اکرم ﷺ ایک صاع سے پانچ مد تک پانی سے وضو فرماتے ہیں (ایک صاع چار کلو اور پانچ مد تقریباً پانچ کلو) اور ایک مد (تقریباً ایک کلو) سے وضو فرماتے تھے۔

امام ابو داؤد نے یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ آپ ایک برتن سے وضو فرماتے جس میں دو رطل (ایک کلو کے قریب) پانی آتا تھا اور ایک صاع (چار کلو) سے غسل فرماتے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا۔ امام ترمذی نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بجزی فی الوضوء رطلان من الماء۔ وضو میں دو رطل (ایک کلو تقریباً) پانی کافی ہے

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۹، شرح السنن ج ۲ ص ۵۲)  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ ایک صاع پانی سے غسل فرماتے اور ایک مد (ایک کلو) سے وضو فرماتے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے نقل کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایک ہی برتن سے وضو فرماتے تھے۔

صاع بغدادی رطل سے پانچ رطل کا ہوتا ہے اور وہ امام نووی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ایک سواٹھائیس درہم اور درہم کا ۷/۳ (سات حصوں میں سے چار حصے) کا وزن ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو وضو میں ضرورت سے زائد پانی خرچ کرنے سے منع فرمایا۔  
نبی کریم ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا: اے سعد! یہ کیا فضول خرچی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ فرمایا ہاں اگرچہ تم نہر پر ہو اس حدیث کو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک کمزور سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۲۷۰، مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۴۲۷)  
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان للوضوء شیطانا یقال له الولہان فلتقوا وسواس الماء۔ بے شک وضو کا ایک شیطان ہے جس کا نام ولہان ہے پس تم پانی کے دوسوں سے بچو۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۷، المغنی لابن حجر ج ۱ ص ۱۰۱، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۲۲، مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۴۱۹، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۲۸۸، المغنی ج ۳ ص ۲۷، میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۲۳۹، العلل المتحابہ ج ۱ ص ۳۳۶)  
اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔



## فصل نمبر ۲

## وضو میں ایک ایک دو دو اور تین تین بار اعضاء کو دھونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے وضو ایک ایک بار (اعضاء کو دھونے کے ساتھ) کیا۔

اس حدیث کو امام بخاری، امام ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے روایت کیا اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے اجمال کا بیان ہے۔ ارشادہ خداوندی ہے:

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا (المائدہ: ۶) جب نماز کا ارادہ کرو تو (اپنے چہروں کو) دھولو (آخر تک)۔

کیونکہ امر کسی چیز کی حقیقت کو وجود میں لانے کا فائدہ دیتا ہے اور کسی عدد کے ساتھ مقرر نہیں ہوتا پس شارع نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ضروری ہے اور جو اس سے زائد ہے وہ استحباب کے لئے ہے (مستحب ہے)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو (کا پانی) طلب فرما کر ایک بار وضو کیا اور فرمایا یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا تو اس میں قول اور فعل دونوں کا اکٹھا بیان ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اسے ابن ماجہ نے ذکر کیا اور اس کے کچھ دوسرے طرق ہیں جو سب ضعیف ہیں جس طرح ”فتح الباری“ میں ”فرمایا۔ (المغنی ج ۱ ص ۱۳۳ اتحاف السادة المتقين ج ۲ ص ۳۶۰-۳۷۴ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۹ الخیص لابن حجر ج ۱ ص ۵۷)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے دو دو بار وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا یہ نور علی نور ہے اسے رزین نے ذکر کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

انہی سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا:

هَذَا وَضُوءِي وَوَضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وضو ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۰ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۱ اتحاف السادة المتقين ج ۲ ص ۳۷۴ الخیص لابن حجر ج ۱ ص ۸۲) اس حدیث کو رزین نے ذکر کیا اور امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم“ میں ”اس کو ضعیف قرار دیا جس طرح ”مشکوٰۃ المصابیح“ میں ”نقل کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ کے تین بار سے زیادہ (اعضاء کو دھونے کے ساتھ) وضو کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہیں بلکہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے اعضاء کو تین بار سے زیادہ دھونے سے منع فرمایا۔



حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا پھر ارشاد فرمایا: جس نے اس پر اضافہ کیا یا کمی کی اس نے نافرمانی کی اور ظلم کیا۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا لیکن امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے ان احادیث میں شامل کیا جن کا حضرت عمرو بن شعیب سے انکار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا ظاہر تین مرتبہ سے کمی کی مذمت کرتا ہے۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ ایک اضافی معاملہ ہے نافرمانی کا تعلق کمی سے اور ظلم کا تعلق زیادتی کے ساتھ ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس میں عبارت محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ جو ایک بار سے کم کرے اس نے نافرمانی اور ظلم کیا۔

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے ابو نعیم بن حماد نے مطلب بن حنطب کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا کہ وضو ایک اور دو بار (اعضاء کو دھونے سے) ہے پس اگر ایک سے کم یا تین سے زیادہ ہو تو یہ خطا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۵)

یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حدیث شریف کا جواب اس طرح بھی دیا گیا ہے کہ راوی کمی کے ذکر پر متفق نہیں ہیں بلکہ ان میں سے اکثر صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ جس نے اضافہ کیا۔ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پسند نہیں کہ وضو کرنے والا تین بار (دھونے) پر اضافہ کرے اگر زیادہ کرے تو میں اسے مکروہ جانتا ہوں حرام نہیں سمجھتا کیوں کہ ”لا احب“ کے الفاظ کراہت کو چاہتے ہیں۔ شافعی مسلک والوں کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

امام دارمی جو شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے ایک جماعت سے نقل کیا کہ تین پر اضافہ وضو کو باطل کر دیتا ہے جس طرح نماز میں اضافہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے یہ قیاس فاسد ہے۔

امام احمد اور اسحاق وغیرہ نے فرمایا کہ تین پر اضافہ جائز نہیں اور ابن مبارک نے کہا میں اس کے گناہ گار ہونے سے بے خوف نہیں ہوں۔

تین پر اضافہ کو حرام یا مکروہ قرار دینے سے لازم آتا ہے کہ نئے سرے سے وضو کرنا مطلقاً مستحب نہیں ہے (یہ قیاس صحیح نہیں کیوں کہ نئے سرے سے وضو کرنا کثرتی میں اضافہ نہیں بلکہ مستقل وضو ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

فصل نمبر ۳

## نبی اکرم ﷺ کے وضو کا طریقہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے ایک برتن منگوایا پس اپنے ہاتھوں پر تین بار پانی ڈال

۱۔ احناف کے نزدیک تین تین بار اعضاء کو دھونا سنت ہے زیادہ بار دھونے میں حرج نہیں لیکن یہ سمجھنا کہ تین بار دھونے سے وضو نہیں ہوا کراہت کا

باعث ہے اسی طرح پانی کم ہو اور دوسرے حضرات نے بھی وضو کرنا ہو تو کراہت ہوگی ویسے بھی سنت طریقہ تین بار دھونا ہی ہے۔ ۱۳ ہزاروی



کران کو دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین بار دھویا پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت تین تین بار دھویا اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھے (تحیۃ الوضو مراد ہے) اس دوران اپنے آپ سے کوئی بات نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہ معاف فرمادے گا۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۷-۹۳ مسند احمد ج ۱ ص ۵۹-۶۳-۶۶ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۸-۵۳-ج ۲ ص ۲۸۰ المغنی ج ۱ ص ۱۳۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۹۴۹)

اس حدیث میں جو فرمایا کہ ”پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالو“ اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا کہ چلو بھرتے وقت نیت شرط نہیں نہ اس میں (نیت کی) نفی پر دلالت ہے اور نہ اثبات پر بہر حال چلو بھرنے کی نیت کا شرط ہونا نہ تو اس حدیث سے ثابت ہے اور نہ اس کی نفی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محض چلو بھرنے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا کیونکہ جو پانی چلو میں لیا گیا وہ (نیت سے) مستعمل ہوتا ہے۔ امام بغوی نے بھی اسی بات کو یقینی قرار دیا ہے۔

چہرے کے دھونے کو (کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے سے) پیچھے رکھنے میں حکمت یوں بیان کی گئی ہے کہ یہ بات پانی کے اوصاف کے اعتبار سے ہے کیونکہ رنگ کا ادراک دیکھنے سے ہوتا ہے ذائقے کا پتہ منہ (زبان) سے معلوم ہوتا ہے نو کا علم ناک سے ہوتا ہے پس کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کو چہرے (کے دھونے) سے مقدم کیا اور عبادت کے لئے احتیاط کے طور پر یہ بات لازمی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمایا ”نحو وضوئی میرے اس وضو کی طرح“ یہ نہیں فرمایا ”مثل وضوئی“ کیونکہ حقیقتاً مماثلت پر کوئی قادر نہیں ہو سکتا

لیکن ”فتح الباری میں“ اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ ”صحیح بخاری کے باب الرقاق میں“ حضرت معاذ بن عبد الرحمن کی روایت سے جو انہوں نے حضرت حمران بن عثمان سے روایت کی لفظ مثل کے ساتھ مذکور ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

من توضأ مثل وضوئی هذا۔ جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے۔

اور ”کتاب الصیام میں“ حضرت معمر کی روایت میں ہے:

من توضأ وضوئی هذا۔ جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے۔

اس بنیاد پر لفظ نحو کے ساتھ ذکر راویوں کی طرف سے تصرف ہے۔

کیونکہ یہ لفظ (نحو) بمثلیت پر مجازاً بولا جاتا ہے نیز لفظ مثل اگرچہ ظاہری طور پر مساوات کو چاہتا ہے لیکن اس کا اطلاق غالب پر ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب دو چیزیں کسی بات میں مشترک ہوں اور وہ بات ایک میں زیادہ ہو اور دوسری میں مکمل طور پر ہو تو جس میں مکمل طور پر نہ ہو لیکن اکثر اجزاء میں ہو تو اسے دوسری چیز کی مثل کہا جاتا ہے۔ (زر قانی ج ۷ ص ۲۵۶)



پس دونوں روایتیں ایک جیسی ہو گئیں اور جہاں یہ لفظ چھوڑا گیا وہاں مقصود میں خلل نہیں آتا۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا ہمارے لئے نبی اکرم ﷺ کا وضو کریں تو انہوں نے ایک برتن منگوا کر اس سے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ان کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر (اس میں) ہاتھ داخل کر کے نکالا اور ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا انہوں نے تین مرتبہ اس طرح کیا پھر ہاتھ داخل کر کے اسے نکالا اور تین بار چہرے کو دھویا پھر اپنا ہاتھ داخل کر کے نکالا اور سر کا مسح کیا ہاتھوں کو آگے اور پیچھے لائے پھر اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا اور اس کے بعد فرمایا نبی اکرم ﷺ کا وضو اس طرح تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۵)

ایک روایت میں ہے اپنے ہاتھوں کو آگے اور پیچھے لے گئے سر کے اگلے حصہ سے آغاز کیا پھر ان کو بچھلی جانب لے گئے پھر ان کو لوٹا یا حتیٰ کہ اس جگہ کی طرف واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔

اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے پھر اپنے سر اور کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح کیا اور اپنی انگلیوں کو کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا۔

”ابوداؤد ترمذی اور نسائی کی“ ایک روایت جو عبدخیر ابوعمارہ ابن زیاد بن خولی (خام پرز برواؤ ساکن اور یاء پرشد ہے) ہمدانی رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے شاگردوں میں تھے فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور وہ نماز پڑھ چکے تھے انہوں نے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا ہم نے عرض کیا آپ اس پانی کو کیا کریں گے جب کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں۔ تو ان کا مقصد صرف ہمیں طریقہ بتانا تھا چنانچہ ایک برتن لایا گیا جس میں پانی تھا اور ایک تھال بھی لایا گیا آپ نے اس برتن سے دائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر کلی کی اور ناک کو جھاڑا آپ نے ایک چلو سے جو لیا تھا کلی بھی کی اور ناک کو بھی جھاڑا پھر تین بار چہرے کو دھویا اور دائیں ہاتھ (بازو) کو تین بار اور بائیں ہاتھ (بازو) کو تین بار دھویا پھر دائیں ہاتھ کو برتن میں ڈالا اور اس سے ایک بار سر کا مسح کیا پھر دایاں پاؤں تین بار اور پھر بایاں پاؤں تین بار دھویا اس کے بعد فرمایا جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ رسول اکرم ﷺ کا وضو جان لے تو وہ اس طرح ہے۔

### کیا سر کے مسح کا تکرار ہے؟

ابن قیم نے کہا صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سر کا مسح تکرار کے ساتھ نہیں کیا، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح احادیث کے مطابق سر کا مسح صرف ایک بار ہے اور بعض میں صرف ”مسح“ کا لفظ ہے یعنی مسح کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ”صحیح مسلم میں ہے“ نبی اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا نیز انہوں نے باقی اعضاء پر قیاس کیا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ یہ (سر کے مسح کا حکم) مجمل ہے اور صحیح روایت میں اس کا بیان ہے کہ مسح میں تکرار نہیں پس غالب پر محمول کیا جائے گا اور تین تین بار کا تعلق دھوئے جانے والے اعضاء کے ساتھ ہوگا۔

۱۔ چونکہ تین اعضاء کو دھویا جاتا ہے اور ایک عضو کا مسح ہوتا ہے چونکہ اعضاء کو دھونا تین تین بار ہوتا ہے لہذا غالب کا اعتبار کرتے ہوئے سب کے لئے تین تین بار کا ذکر ہوا۔ ۱۲ ہزار رووی



اور مسح تخفیف پر مبنی ہے لہذا اسے دھونے پر قیاس نہیں کیا جائے گا جس میں مبالغہ مراد ہے اور اگر مسح میں گنتی معتبر ہو تو وہ دھونے کی صورت بن جائے گی (مسح نہیں رہے گا) کیونکہ دھونے کی حقیقت پانی کو جاری کرنا ہے۔

شافعی مسلک والوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جسے امام ابوداؤد نے دو طریقوں سے نقل کیا اور ان میں سے ایک کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے سر انور کا تین بار مسح فرمایا۔

ابوداؤد اور ترمذی کی روایت جو ربیع بن معوذ کی روایت سے ہے اس میں ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا چہرہ انور کو تین بار دھویا اور ایک ایک بار کھلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور تین بار ہاتھوں کو دھویا (یعنی بازوؤں کو) اور سر کا مسح دوبارہ کیا پچھلے حصے سے شروع کیا پھر اگلے حصے اور کانوں کے ظاہر اور باطن کا مسح کیا اور پاؤں کو تین تین بار دھویا۔ اور ایک بار مسح کرنے سے متعلق احادیث کا جواب (شافعی) علماء نے اس طرح دیا ہے کہ یہ بیان جواز کے لئے تھا اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں دوبارہ مسح کرنا ذکر ہے (در اصل یہ ایک بار ہے کیونکہ ایک بار پچھلے حصے کا اور دوبارہ اگلے حصے کا تو پورے سر کا مسح ایک بار ہی ہوا۔ ۱۲ ہزاروی)

ابن سمعانی نے کہا جیسا کہ ”فتح الباری میں“ نقل کیا کہ روایت کا اختلاف کئی بار پر محمول کیا جائے گا پس کبھی ایک بار کیا اور کبھی تین بار اور ایک بار مسح کی روایت زیادہ بار مسح کرنے سے منع کرنے کی دلیل نہیں اور زیادہ بار مسح کی دلیل دھونے پر قیاس بھی ہے کیونکہ وضو حکمی طہارت ہے اور طہارت حکمیہ میں دھونے اور مسح میں کوئی فرق نہیں۔

امام عسقلانی نے ”فتح الباری میں“ فرمایا: کہ زیادہ بار مسح نہ ہونے کی سب سے مضبوط دلیل وہ مشہور حدیث ہے جسے ابن خزیمہ وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وضو کے طریقے سے متعلق بیان کیا ہے کہ فراغت کے بعد فرمایا جس نے اس سے زیادہ کیا اس نے گناہ کیا اور زیادتی کی اور سعید بن منصور رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس بات کو صراحتاً بیان کیا گیا کہ سر کا مسح ایک بار فرمایا اور تین بار مسح کی احادیث اگر صحیح ہوں تو ان سے مراد سر کا گھیرنا ہے مستقل طور پر سارے سر کا کئی بار مسح کرنا نہیں یوں دلائل کو جمع کیا جاسکتا ہے۔

### مسح سر کا طریقہ

حضرت عبد اللہ بن زید کی حدیث جسے امام بخاری نے نقل کیا اور وہ اس سے پہلے ذکر کی گئی ہے اس میں ہے کہ: **لَمْ يَمْسَحْ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ بِلَا قَبْلِ بِيَمَانِهِ وَادْبَارِهِ**۔ پھر سر کا مسح دونوں ہاتھ سے کیا ان کو آگے لے گئے اور پیچھے لائے۔

ایک روایت میں ہے کہ سر کے اگلے حصے سے شروع کیا حتیٰ کہ دونوں ہاتھوں کو پیچھے (مکدی) کی طرف لے گئے پھر ان کو اس جگہ کی طرف لائے جہاں سے آغاز کیا تھا۔

ابن الطہار (اسحاق بن عیسیٰ بن الطہار ابو یعقوب) نے ”لَمْ يَمْسَحْ رَأْسَهُ“ (پھر سر کا مسح کیا) کے بعد کلمہ کا اضافہ کیا یعنی سارے سر کا مسح کیا جس طرح ابن خزیمہ کی روایت میں ہے۔ (الکاشف ج ۱ ص ۶۳ رقم الترجمہ: ۳۱۳)



## برؤوسکم کی باء کا معنی

دوسروں کی روایتوں میں (رأس کی جگہ) برأسہ باء کے ساتھ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ قرآن مجید کی آیت:

وَأَمْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ (المائدہ: ۶)  
اور اپنے سروں کا مسح کرو۔  
کے موافق ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس آیت میں باء زائدہ ہے اور کہا گیا کہ یہ تبعیض کے لئے ہے اسی سے تیسرے قول ”مسحت المندیل“ اور ”مسحت بالمندیل“ میں فرق کیا جاتا ہے (پہلے جملہ کا معنی ہے میں نے رومال کو چھوا اور دوسرے جملہ کا معنی ہے میں نے رومال کا کچھ حصہ چھوا)۔

اس کی وجہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ یہ باء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فعل میں الصاق (ملنے) کا معنی ہے گویا کہا گیا کہ مسح کو اپنے سروں سے ملاؤ اور یہ پورے سر کے گھیرنے کو نہیں چاہتا اور اگر ”وَأَمْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ“ کہا جائے تو وہ ”وَأَغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ“ کی طرح ہوگا یعنی جس طرح پورے چہرے کو دھونے کا حکم ہے اسی طرح پورے سر کے مسح کا حکم ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ارشاد خداوندی ”وَأَمْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ“ میں پورے سر کے مسح یا بعض سر کے مسح دونوں باتوں کا احتمال ہے پس سنت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بعض کا مسح بھی کافی ہے۔

اب اس آیت اور تیمم کے سلسلے میں ”فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ“ میں فرق یہ ہوگا کہ وہاں (تیمم میں) مسح دھونے پر دلالت کرتا ہے اور سر میں مسح اصل ہے پس دونوں کا حکم جدا ہو گیا۔

اگر موزوں کے مسح کو پاؤں دھونے کے بدل کے طور پر پیش کرنے کے ذریعے اعتراض کیا جائے (کہ وہاں بھی دھونا اصل ہے تو پورے موزے کا مسح کیا جائے) تو یہ اعتراض اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس میں رخصت اجماع سے ثابت ہے۔

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا تو عمامہ شریف کو سر سے ہٹا کر سر کے اگلے حصے کا مسح کیا یہ حدیث مرسل لیکن دوسرے طریق سے موصول بھی مروی ہے اس لئے مضبوط ہے۔ اسے امام ابو داؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا اس کی سند میں ابو معقل ہے جس کا حال معلوم نہیں لیکن مرسل اور موصول دونوں ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں اور مجموعی صورت سے قوت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ اس بات کی مثال ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ مرسل دوسری مرسل یا مسند حدیث کو قوت دیتی ہے۔

اس باب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بھی وضو کا طریقہ مروی ہے وہ فرماتے ہیں: سر کے اگلے حصے کا مسح کیا اسے سعید بن منصور نے روایت کیا اور اس میں خالد بن یزید بن ابی مالک ہے جس میں اختلاف ہے۔

۱۔ جب تابعی براہ راست نبی اکرم ﷺ سے روایت کرے اور کسی صحابی کا ذکر نہ ہو تو یہ حدیث مرسل ہوتی ہے اور اگر صحابی کا ذکر ہو تو یہ حدیث

مسند ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی



حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے سر کے بعض حصے پر مسح کرنے پر اکتفاء کیا۔ ابن منذر وغیرہ نے یہ بات کہی ہے اور کسی صحابی سے اس کا انکار صحیح ثابت نہیں یہ بات ابن حزم نے کہی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ تمام روایات اس مسئلہ کو قوت دیتی ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

### سر کا کتنی مقدار میں مسح کرنا واجب ہے؟

سر کے مسح میں کتنی مقدار فرض ہے؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ صرف اس قدر فرض ہے جس پر مسح کا نام بولا جاسکے اگرچہ ایک بال ہو یہ قطعی بات ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ اور ایک جماعت کے نزدیک پورے سر کو گھیرنا ضروری ہے انہوں نے احتیاط کا راستہ اختیار کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ایک روایت میں فرمایا: سر کے چوتھے حصے کا مسح فرض ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے پیشانی پر مسح فرمایا اور وہ چوتھائی کے قریب ہے۔ واللہ اعلم

### کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا

حضرت طلحہ بن مصرف اپنے والد (مصرف بن عمرو بن کعب) سے اور وہ اپنے دادا (کعب بن عمرو) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ وضو فرما رہے تھے اور پانی آپ کے چہرے اور داڑھی مبارک سے آپ کے سینے پر بہہ رہا تھا میں نے دیکھا کہ آپ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں فرق کرتے تھے (دونوں کام الگ الگ کرتے تھے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۹)

انہی سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے وضو فرمایا پس ایک چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی چڑھایا۔ (اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا)۔

”صحیح مسلم کی“ حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے برتن منگوا یا پس اپنی ہتھیلی پر تین مرتبہ پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر کلی کی اور ناک جھاڑا پھر تین بار چہرے کو دھویا۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا اس طرح ہے کہ پھر (ہاتھوں کو) دھویا اور کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور یہ ایک چلو سے کیا پھر فرمایا: رسول اکرم ﷺ کا وضو اس طرح تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ دونوں کے لئے دائیں ہاتھ میں پانی لئے وہ فرماتے ہیں کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کی کیفیت میں افضل طریقے کی پانچ صورتیں ہیں۔

- (۱) سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ تین چلو لے اور ہر ایک سے کلی کرے پھر ناک میں چڑھائے۔
- (۲) دونوں کو ایک چلو میں جمع کرے اس سے تین بار کلی کرے پھر ناک میں تین بار چڑھائے۔
- (۳) ایک ہی چلو میں جمع کرے لیکن اس سے کلی کرے پھر ناک میں پانی چڑھائے پھر کلی کرے پھر ناک میں چڑھائے۔



(۴) دونوں کے درمیان دو چلو پانی کے ساتھ فرق کرے ان میں سے ایک کے ساتھ تین بار کلی کرے پھر دوسرے کے ساتھ تین بار ناک میں پانی چڑھائے۔

(۵) چھ چلوؤں کے ساتھ الگ الگ کرے تین چلوؤں سے کلی کرے پھر تین چلوؤں کے ساتھ ناک میں پانی چڑھائے۔ (احناف کے نزدیک یہی طریقہ سب سے بہتر ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا طریقہ صحیح ہے اور صحیح احادیث میں یہی مذکور ہے۔

امام احمد اور ابو ثور رحمہما اللہ کے نزدیک ناک میں پانی چڑھانا واجب ہے یعنی ناک کے نتھنوں تک پانی پہنچے انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک وضو کرے تو اپنے ناک میں پانی ڈالے (چڑھائے) پھر ناک کو جھاڑے۔<sup>۱</sup> جمہور فقہاء امام مالک، امام شافعی اور اہل کوفہ نے اسے مستحب قرار دیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اعرابی سے فرمایا اس طرح وضو کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اس میں استسحاق (ناک میں پانی چڑھانے) کا ذکر نہیں۔ واللہ اعلم

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۱، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۶۷، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴)

## وضو کی سنتیں

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حدیث نقل کی ہے جس میں ہے:

كان ﷺ يمسح الماقيين. نبی اکرم ﷺ کنپٹیوں کا مسح کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ داڑھی کا مسح کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

”ابن ماجہ کی“ ایک روایت جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے رخساروں کو ملتے پھر داڑھی کی ٹخلی جانب سے انگلیاں ڈال کر خلال کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب وضو کرتے تو ایک چلو پانی لیتے اور اسے گردن کے نیچے سے داخل کر کے داڑھی کا خلال کرتے اور فرماتے مجھے میرے رب نے اسی بات کا حکم دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۵، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۵۴، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۳۹)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ وضو کرتے وقت اپنی انگوٹھی کو حرکت دیتے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور دارقطنی نے نقل کیا اور ضعیف قرار دیا۔

حضرت مستور بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب وضو کرتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں کو ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے ملتے (خلال کرتے) اس حدیث کو امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا داہنا ہاتھ وضو اور کھانے کے لئے (استعمال) ہوتا اور

۱ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰-۲۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۰، سنن نسائی ج ۱ ص ۶۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۲، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۹)

شرح السنہ ج ۱ ص ۳۱۲، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴)



بایاں ہاتھ بیت الخلاء میں اور ناپاکی کے ازالے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

### وضو میں مدد لینا

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے اور آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالتے اور آپ وضو فرماتے تھے۔  
حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں سفر و حضر میں وضو کے موقع پر نبی اکرم ﷺ (کے ہاتھوں) پر پانی ڈالتا تھا۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وضو میں پانی وغیرہ ڈالنے کے اعتبار سے کسی دوسرے سے مدد لی جاسکتی ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں اسی طرح پانی لانے میں بھی مدد ہو سکتی ہے لیکن ان دونوں حدیثوں میں وضو کرنے (یعنی اعضاء وغیرہ کو ملنے) میں دوسرے سے مدد لینے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

امام حاکم نے ”مستدرک میں“ حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پاس وضو کا پانی لے کر آئی تو آپ نے فرمایا: ٹھہر جا پس میں ٹھہر گئی۔

یہ حدیث اس بات میں نہایت واضح ہے کہ (مذکورہ بالا) دونوں حدیثوں سے عدم کراہت ثابت ہوتی ہے کیونکہ حالت اقامت کی بات ہے (سفر نہیں) اور اس میں طلب کا صیغہ ہے (امر کم از کم اباحت و استحباب کا تقاضا کرتا ہے)۔

### وضو کے بعد اعضاء کو خشک کرنا

”جامع ترمذی میں“ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب وضو فرماتے تو کپڑے کی ایک جانب سے چہرہ انور کو پونچھتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے وضو کے بعد (اعضاء کو) خشک کرتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مضبوط نہیں ابو معاذ راوی علماء حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔

### وضو کی حاجت نہیں

نبی اکرم ﷺ نے سیگی لگوائی (خون نکلوا یا) اور وضو نہیں فرمایا اور صرف اسی جگہ کو دھویا جہاں سے خون نکلوا یا۔ اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا۔ ۱۔

نبی کریم ﷺ نے بکری کا شانہ تناول فرمایا پھر نماز پڑھی اور (نیا) وضو نہیں کیا اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

۱۔ احناف کے نزدیک جسم سے خون کا نکلنا وضو کو توڑ دیتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی جگہ سے بہہ کر آگے چلا جائے اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھی کیونکہ ہو سکتا ہے اس وقت صرف اسی جگہ کو دھویا اور نماز کے وقت وضو کیا ہو اور یہ بات آپ کی خصوصیت بھی ہو سکتی ہے لہذا اس حدیث سے وضو نہ ٹوٹنے پر استدلال درست نہیں۔ ۱۲ ہزار رو۔



امام نسائی کے نزدیک یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا آخری معمول یہ تھا کہ آپ نے اس چیز کو تناول فرمانے کے بعد وضو کرنا چھوڑ دیا جس میں آگ کی وجہ سے تبدیلی آئے۔

نبی اکرم ﷺ نے دودھ نوش فرمایا اور کلی نہیں کی اور نہ ہی وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس ستولائے گئے پھر ان کو پانی میں تر کیا گیا آپ نے ان میں سے کچھ تناول فرمایا پھر صرف کلی کر کے مغرب کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔<sup>۱</sup>  
اس حدیث کو امام بخاری، امام مالک اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

### نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت

آپ ﷺ جب نیند سے اٹھتے تو کبھی وضو فرماتے اور کبھی وضو نہ کرتے کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتا تھا جس طرح بخاری وغیرہ میں ہے۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نیند بے وضو ہونے کا سبب نہیں بلکہ بے وضو ہونے کا گمان ہے اگر اس سے آدمی بے وضو ہوتا تو آپ کو اس کا علم ہوتا پس خصوصیت اس کے واقع ہونے کا شعور ہونا ہے جب کہ دوسرے لوگوں کا معاملہ الگ ہے، خطاب فرماتے ہیں آپ کے دل کو سونے سے روکا گیا تا کہ آپ سے اس وحی کی حفاظت ہو سکے جو نیند کی حالت میں آتی تھی۔

فصل نمبر ۴

## موزوں پر مسح کرنا

### مسح کا جواز

حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ موزوں پر مسح متواتر احادیث سے ثابت ہے اور بعض حضرات نے ان کے راویوں کو جمع کیا تو وہ اتنی سے تجاوز کر گئے ان میں دس عشرہ مبشرہ بھی ہیں (جن دس صحابہ کرام کو جنت کی خوشخبری دی گئی)۔<sup>۲</sup>

ابن عبد البر نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ فقہا سلف میں سے کسی نے اس کا انکار کیا ہو سوائے امام مالک رحمہ اللہ کے حالانکہ ان سے صحیح روایات اس کے ثبوت کو واضح کرتی ہیں۔

۱۔ جن احادیث میں کھانا کھانے کے بعد وضو کرنے کا ذکر آتا ہے اس سے لغوی وضو یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ،

حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۶)



امام شافعی رحمہ اللہ نے ”کتاب الام“ میں مالکی فقہ والوں کی طرف سے انکار کا اشارہ کیا ہے اور اب ان لوگوں کے نزدیک معروف بات جس پر وہ قائم ہیں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ مطلقاً جائز ہے اور دوسرا یہ کہ مسافر کے لئے جائز ہے، مقیم کے لئے نہیں یہ دوسرا قول اس بات کا مقتضی ہے جو ”المدونہ“ میں ہے۔ ۱۔

ابن حاجب نے اس کو اپنایا اور قطعی قرار دیا۔ ۲۔

### پاؤں دھونا افضل ہے یا مسح؟

ابن منذر نے کہا کہ علماء کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کیا ہے موزوں پر مسح کرنا یا موزے اتار کا پاؤں دھونا؟

مختار بات یہ ہے کہ مسح افضل ہے تاکہ ان لوگوں کا جواب ہو جنہوں نے اس پر طعن کیا اور وہ خارجی اور رافضیوں میں سے اہل بدعت ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ پاؤں دھونا افضل ہے کیونکہ یہ اصل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مسح کرنا ترک نہ کرے۔

### پاؤں پر مسح

جن لوگوں نے کہا ہے کہ پاؤں پر مسح کافی ہے (دھونے کی ضرورت نہیں) انہوں نے ارشاد خداوندی ”وارجلکم“ سے یوں استدلال کیا کہ اس کا عطف ”وامسحوا برؤوسکم“ پر ہے (یعنی جس طرح سر کا مسح فرض ہے اسی طرح پاؤں کا مسح بھی فرض ہے)۔

صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت اس کے ظاہر کی طرف گئی ہے ایک ضعیف روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح منقول ہے لیکن آپ سے اس کے خلاف بھی ثابت ہے۔  
حضرت عکرمہ شعی اور قتادہ رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ (پاؤں کو) دھونا یا مسح واجب ہے۔  
بعض اہل ظاہر سے ہے کہ دونوں کو جمع کرے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ مشہور احادیث میں نبی اکرم ﷺ کا عمل اسی طرح ہے جیسا کہ ان شاء اللہ آئے گا (کہ آپ پاؤں مبارک کو دھوتے تھے) آپ کا عمل مراد کا بیان ہے۔  
جمہور نے ان حضرات کو کئی جوابات دیئے ہیں۔

۱۔ یہ ضعیف ہے اور مشہور یہ ہے کہ مطلق حکم ہے الباحی نے اسے صحیح قرار دیا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۶۶)

۲۔ امام زرقانی فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے اور مشہور یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے اور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہے البتہ خوارج نے یہ بدعت اختیار کی کہ اس کا انکار کیا اس لئے کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں اور شیعہ نے اس لئے انکار کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس عمل سے دور ہے حالانکہ آپ سے یہ بات ثابت نہیں امام کرخی فرماتے ہیں: جو شخص موزوں پر مسح کو جائز نہیں جانتا مجھے اس کے کفر کا خوف ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۶۶)



(۱) یہ وارجلکم (لام پر زبر کے ساتھ) ”ایدیکم“ پر عطف کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ بھی کہا گیا کہ یہ ”برؤوسکم“ کے محل پر معطوف ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے:

يَا جِبَالُ اَوْبِي مَعَهُ الطَّيْرُ. (سبا: ۱۰)  
اے پہاڑو! اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو  
اور اے پرندو! (تم بھی)۔

اس میں الطیر کو منصوب پڑھا گیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ آیت میں مسح کی مشروعیت سے مراد موزوں پر مسح ہے پس جر کے ساتھ قرأت کو موزوں پر مسح پر محمول کیا جائے گا اور نصب کے ساتھ قرأت پاؤں کو دھونے پر محمول ہوگی۔  
امام بیضاوی رحمہ اللہ نے جوار (قرب) کی وجہ سے مجرور قرار دیا وہ فرماتے ہیں: قرآن مجید میں اس کی کئی مثالیں ہیں جیسے:

عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ. (حود: ۲۶) اس دن کا دردناک عذاب۔

اسی طرح ”حود عین“ (الواقعة: ۲۲) کو حوزہ اور کسائی کی قرأت میں مجرور پڑھا گیا اور: ”جحر ضب خرب“ گوہ کا خراب سوراخ“ پڑھا جاتا ہے۔ اور نحو یوں کے ہاں اس سلسلے میں ایک باب ہے (جسے ان میں سے بعض عطف علی اللفظ دون المعنی سے تعبیر کرتے ہیں۔ زرقانی ج ۷ ص ۲۶۷)  
اس کا فائدہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دونوں پاؤں پر پانی بہانے میں اعتدال سے کام لیا جائے اور ان کو اس طرح دھویا جائے جو مسح کے قریب ہو۔

### موزوں پر مسح کے دلائل

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حبوک کی لڑائی میں حصہ لیا آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہمراہ برتن اٹھایا اور یہ صبح سے پہلے کی بات ہے (وہ فرماتے ہیں) جب آپ قضائے حاجت سے واپس تشریف لائے تو میں آپ کے ہاتھوں پر برتن سے پانی ڈالنے لگا، نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اور پاؤں دھوئے اور آپ کا ایک اولی جبہ تھا آپ اسے بازوؤں سے اوپر کرنے لگے تو اس کی آستینیں تنگ تھیں چنانچہ آپ نے جبے کے نیچے سے ہاتھ نکالا اور جبہ اپنے کاندھوں پر ڈال کر بازوؤں کو دھویا پھر اپنی پیشانی اور عمامہ ۲ پر مسح کیا۔ میں نیچے کی طرف جھکا تا کہ آپ کے موزے اتاروں تو آپ نے ۱۔ ”الیم“ حقیقت میں ”عذاب“ کی صفت ہے یعنی دردناک عذاب لیکن ”یوم“ (مجرور) کے قرب کی وجہ سے اسے مجرور پڑھتے ہیں لہذا مجرور ہونے کے باوجود یہ یوم کی صفت نہیں اسی طرح ”حُورٍ عِیْنٍ وَلُکْدَانٍ“ پر معطوف ہے لہذا مرفوع ہونا چاہیے لیکن ”اکسواب اور اباریق“ مجرور کے قرب کی وجہ سے مجرور پڑھتے ہیں۔ (کمل آیت اس طرح ہے يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقٍ وَكُنَاسٍ مِّنْ نَّعِيمٍ لَا يَصَدَعُونَ عَنْهَا وَلَا يَنْزِفُونَ وَلَآ كَهْفٌ قِيَمًا يَتَخَبَّوْنَ وَلَحِيمٌ طَيْرٌ قِيَمًا يَشْتَهُونَ وَحُورٌ عِیْنٍ (الواقعة: ۲۳)  
اسی طرح خرب، بحر کی صفت ہے لیکن صب کے قرب کی وجہ سے مجرور ہے۔

۲ چونکہ عمامہ شریف کو پکڑ کر پیچھے ہٹاتے ہوئے سر کا مسح فرمایا اس سے یہ خیال کیا گیا کہ عمامہ شریف پر مسح کیا۔ ۱۲ ہزاروی



فرمایا ان کو رہنے دو میں نے پاک پاؤں ان میں داخل کئے ہیں چنانچہ آپ نے ان (موزوں) پر مسح کیا اور پھر سوار ہو گئے اور میں بھی سوار ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۶-۵۷۹۹، مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۱، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۰۹، سنن ذاری ج ۱ ص ۱۸۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۸، شرح السنن ج ۱ ص ۳۰۹-ج ۲ ص ۳۳۰)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے موزوں کے ظاہر پر مسح کیا۔

امام ابو داؤد نے بھی ان کی حدیث سے نقل کیا اور یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے جرابوں اور نعلین مبارک پر مسح کیا۔ انہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے موزوں پر مسح کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھول گئے ہیں؟ فرمایا بلکہ تم بھولے ہو مجھے میرے رب نے اسی بات کا حکم دیا ہے۔ یہ حدیث امام ابو داؤد اور امام احمد رحمہما اللہ نے نقل کی ہے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو عمامہ شریف اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

### مدت مسح

حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مسافر کے لئے موزوں پر مسح تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات قرار دیا۔ (صحیح مسلم)

فصل نمبر ۵

## نبی اکرم ﷺ کا تیمم کرنا

جان لو کہ تیمم قرآن و سنت اور اجماع سے ثابت ہے اور یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس بات پر اجماع ہے کہ تیمم صرف چہرے اور ہاتھوں کا ہوتا ہے چاہے وہ حدث اکبر سے ہو یا حدث اصغر سے (غسل کی حاجت ہو تو یہ حدث اکبر ہے اور وضو فرض ہو تو حدث اصغر ہے۔ ۱۲ ہزاروی) اور برابر ہے تمام اعضاء کی طرف سے تیمم کرے یا بعض سے (مطلب یہ کہ بعض کو دھونا تھا اور بعض کا مسح کرنا)۔

تیمم کے طریقے میں اختلاف ہے ہمارا اور اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس میں دو ضربیں ضروری ہیں ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لئے۔ ۲

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱- اس سے وہ جرابیں مراد ہیں جن پر چڑاچڑھا ہوا تھا محض جرابوں پر مسح نہیں فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی

۲- تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ طہارت کی نیت کرتے ہوئے پاک مٹی یا ریت وغیرہ پر دونوں کو کھلا رکھتے ہوئے مارے اور پھر زائد مٹی کو ہماڑتے ہوئے چہرے کا مسح کرے دوبارہ پھر مٹی پر مار کر دونوں بازوؤں کا اچھی طرح مسح کرے تیمم مکمل ہو گیا چاہے وضو کی جگہ ہو یا غسل کے لئے۔ ۱



فضلنا علی الناس بثلاث جعلت صفوفنا  
کصفوف الملائکة وجعلت لنا الارض کلها  
مسجدا جعلت تربتها لنا طهورا اذا لم نجد  
الماء۔  
ہمیں لوگوں پر (پہلی امتوں پر) تین باتوں کے  
ساتھ فضیلت دی گئی۔ ہماری صفیں، فرشتوں کی صفوں کی  
طرح بنائی گئیں ہمارے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ بنایا گیا  
اور اس کی مٹی کو ہمارے لئے طہارت کا ذریعہ بنایا گیا جب  
ہم پانی نہ پائیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۱ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳۵ مشکل لا تارج ص ۳۵۰ مشکوٰۃ المصابیح رقم  
الحدیث: ۵۲۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۲-۳۲۰۷۵)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا اس طرح ہے:  
جعلت الارض کلها لی ولامتی مسجدا  
تمام زمین کو میرے لئے اور میری امت کے لئے  
مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا۔

یہ عام ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص ہے پس عام کو خاص پر محمول کرنا چاہیے لہذا پاکیزگی حاصل کرنا  
مٹی کے ساتھ خاص ہے۔

بعض حضرات نے لفظ ”التربة“ (مٹی) سے استدلال کر کے تیمم کو مٹی کے ساتھ خاص کرنے سے منع کیا انہوں  
نے کہا کہ ہر جگہ کی تربت وہ ہوتی ہے جس میں مٹی یا اس کے علاوہ ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ حدیث شریف میں لفظ تراب (مٹی) آیا ہے یہ حدیث ابن خزیمہ وغیرہ نے نقل کی ہے  
اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

وجعل لی التراب طهورا۔  
میرے لئے مٹی کو پاکیزگی کا ذریعہ بنایا گیا۔

اس حدیث کا امام احمد اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے حسن سند کے ساتھ نقل کیا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں ناپاکی کی  
حالت میں ہوں اور مجھے پانی نہیں ملا حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کیا آپ کو یاد  
نہیں کہ ہم دونوں ایک سفر میں تھے آپ نے نماز نہ پڑھی لیکن میں زمین پر لوٹ پوٹ ہوا اور میں نے نماز پڑھ لی میں نے  
یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے صرف اتنا کافی تھا اور آپ نے اپنی  
ہتھیلیوں کو زمین پر مارا پھر ان میں پھونکا اور اس کے بعد ان دونوں سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳ سنن نسائی ج ۱ ص ۱۶۶-۱۷۰ مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۳ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۳۳ سنن دارقطنی

ج ۱ ص ۱۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۹ البدیع ج ۲ ص ۱۶۷ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۹-۲۱۰-۲۱۶)

پھونکنے سے استدلال کیا گیا کہ مٹی کو ہلکا کرنا مستحب ہے اور تیمم میں تکرار کا مستحب (سنت) ہونا ساقط ہو گیا کیونکہ  
تکرار سے عدم تخفیف (یعنی مٹی کا زیادہ لگنا) لازم آتا ہے۔

حضرت ابو جہیم بن حارث بن صمد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا اور



آپ پیشاب فرما رہے تھے میں نے سلام کیا تو آپ نے سلام کا جواب نہ دیا حتیٰ کہ دیوار کی طرف کھڑے ہوئے اور عصا مبارک سے اسے کھرچا پھر اپنے ہاتھوں کو دیوار پر رکھا اور اس سے چہرے اور بازوؤں کا مسح کیا پھر میرے سلام کا جواب دیا۔ اس حدیث کو امام بغوی نے ”شرح السنہ میں“ نقل کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ وہ دیوار مباح ہو یا ایسے آدمی کی ملکیت ہو جس کی رضا معلوم ہو (کہ وہ اعتراض نہیں کرے گا)۔

فصل نمبر ۶

## نبی اکرم ﷺ کا غسل

### غسل کا لغوی معنی اور حقیقت

لفظ غسل غین کے ضمہ (پیش کے ساتھ) غسل کرنے کا اسم ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب اس سے پانی مراد ہو تو وہ غین کے ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے لیکن مصدر میں ضمہ اور فتح (پیش اور زیر) دونوں جائز ہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ فتح (زیر) کے ساتھ مصدر ہے اور اغتسال یعنی غسل ضمہ کے ساتھ ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ غسل فتح کے ساتھ غسل کرنے والے کے فعل کو کہتے ہیں اور ضمہ کے ساتھ وہ پانی ہے جس سے غسل کیا جاتا ہے اور کسرہ کے ساتھ جو چیز پانی کے ساتھ ملائی جاتی ہے جس طرح اثنان (ایک بوٹی ہے)۔ اور غسل کی حقیقت اعضاء پر پانی کو جاری کرنا ہے۔

جب کہ اغتسال کی حقیقت تمام اعضاء کو اس طرح دھونا کہ نیت کے ذریعے عبادت کو عادت سے ممتاز کیا جائے۔

### فرضیت غسل کی دلیل

ناپاک آدمی پر غسل کے فرض ہونے کی دلیل اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا. (المائدہ: ۶)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا. (النساء: ۴۳)

اور نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے میں ہو حتیٰ کہ جان لو جو کچھ تم کہتے ہو اور نہ حالت جنابت میں مگر تم راستہ عبور کرنے والے ہو حتیٰ کہ غسل کرلو۔

پہلی آیت میں اجمال ہے اور وہ ”فاطہروا“ ہے جسے دوسری آیت میں ”حتیٰ تغتسلوا“ (حتیٰ کہ غسل کرلو) کے الفاظ سے اسے بیان فرمایا اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے جو حیض والی عورت کے بارے میں فرمایا:



وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ (البقرہ: ۲۲۲)

اور ان کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں اور جب وہ پاک ہو جائیں (تو ان کے قریب جانے میں کوئی حرج نہیں)۔

اور اس طہارت کی تفسیر بالاتفاق غسل سے کی گئی ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے پاس ایک غسل کے ساتھ تشریف لے جاتے (یعنی آخر میں ایک بار غسل فرماتے) اسی کو امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک دن اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے تو ان کے پاس بھی غسل فرمایا اور ان کے پاس بھی فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ صرف آخر میں ایک بار غسل نہیں فرماتے؟ آپ نے فرمایا: یہ طریقہ زیادہ پاکیزگی اور طہارت کا باعث ہے۔ اس حدیث کو امام احمد امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹، مسند احمد ج ۶ ص ۸، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۴، ج ۷ ص ۱۹۲، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۰۷)

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دو مرتبہ یا دو بیویوں سے جماع کے درمیان غسل فرض نہیں البتہ جمہور نے وضو کرنا مستحب قرار دیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وضو مستحب نہیں مالکیہ میں سے ابن حبیب نے اسے واجب قرار دیا ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

اِذَا اتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ ارَادَ أَنْ يَعُودَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وَضُوءً. (رواہ مسلم)

جب تم میں سے کوئی (عورت کے پاس) دوبارہ جانے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ دونوں بار کے درمیان وضو کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۱۷، المسند رک ج ۱ ص ۱۵۲، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۳-۲۰۴، ج ۷ ص ۱۹۲، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۹۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۸۵۵)

بعض حضرات نے اس سے لغوی وضو مراد لیا ہے وہ فرماتے ہیں اس سے استنجاء کرنا مراد ہے۔

### غسل کا طریقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو ہاتھوں کو دھونے سے ابتدا کرتے پھر نماز کے وضو کی طرح وضو فرماتے پھر اپنی انگلیوں کو پانی میں داخل کر کے ان کے ساتھ بالوں کی جڑوں کا خلل کرتے (یعنی تر کرتے) اس کے بعد سر انور پر تین چلو پانی ڈالتے اور اس کے بعد پورے جسم پر پانی بہاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۸، ۲۶۲، ۲۷۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۳)



یہ بھی احتمال ہے کہ ہاتھوں کو اس لئے دھوتے ہوں کہ ان کے ذریعے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سونے سے بیدار ہونے کی صورت میں غسل کا شرعی طریقہ یہی ہو۔

اس حدیث میں ابن عیینہ کا اضافہ جو ابن ہشام سے روایت کیا اس بات پر دلالت کرتا ہے اس میں ”برتن میں داخل کرنے سے پہلے“ کے الفاظ کا اضافہ ہے۔

امام شافعی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے بھی اس اضافے کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے امام ترمذی نے یہ اضافہ بھی نقل کیا کہ پھر استنجاء فرماتے اور امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے بھی اسی طرح نقل کیا۔

اور یہ زیادتی بہت اچھی ہے کیونکہ شرمگاہ کو پہلے دھونے سے غسل کے دوران شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے بچ جاتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ غسل سے پہلے وضو کے ساتھ ابتدا کرنا مستقل سنت ہو کہ باقی جسم کے ساتھ وضو کے اعضاء کو دھونا واجب ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وضو میں ہاتھوں کو دھونے پر اکتفاء کیا جائے اور دوبارہ نہ دھوئے جائیں تو اس طرح پہلے عضو میں غسل جنابت کی نیت کرنا ضروری ہوگی۔ ۲

وضو کے اعضاء کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو شرف حاصل ہے نیز اس لئے کہ دونوں طہارتوں یعنی طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ کی صورت حاصل ہو جائے۔

ابن بطلال نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ غسل کے ساتھ وضو واجب نہیں۔

لیکن یہ بات رد کی گئی ہے کیونکہ ایک جماعت جس میں ابو ثور اور داؤد وغیرہ بھی ہیں اس بات کی طرف گئے ہیں کہ بے وضو آدی کے لئے غسل وضو کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ ۳

حدیث میں جو بالوں میں خلال کا ذکر آیا تو اس سے سر کے بال مراد ہیں اور اس پر حماد بن سلمہ کی ہشام سے روایت جو امام بخاری نے نقل کی ہے دلالت کرتی ہے اس میں ہے کہ آپ سر انور کی دائیں طرف خلال فرماتے اور انگلیوں کو بالوں کی جڑوں تک لے جاتے پھر بائیں جانب اسی طرح کرتے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے بعض حضرات نے غسل کے دوران داڑھی کے بالوں کا خلال کرنے پر استدلال کیا ہے یا تو ”اصول الشعر“ (بالوں کی جڑوں تک) کے الفاظ کے عموم سے یا سر کے بالوں پر قیاس کرتے ہوئے۔

خلال کرنے کا فائدہ بالوں اور چمڑے تک پانی پہنچانا ہے اور بالوں کا ہاتھوں سے تعلق قائم کرنا ہے تاکہ پانی کے ساتھ بالوں کو گھیر لیا جائے اور یہ خلال بالاتفاق واجب نہیں ہے البتہ بالوں پر کوئی چیز مہندی وغیرہ لگی ہوئی ہو جو پانی کے بالوں کی جڑوں تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو (تو یہ خلال ضروری ہے)۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۷۷۷)

۱۔ بعض کرام کے نزدیک شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ گفتگو اس حوالے سے فرمائی گئی ہے لیکن احناف کے نزدیک شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔ ۱۲ ہزاروی۔

۲۔ احناف کے نزدیک غسل جنابت کی نیت ضروری نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

۳۔ ہمارے نزدیک غسل میں وضو کرنا سنت ہے اور اس وضو کے بعد دوبارہ وضو کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ۱۲ ہزاروی



### اعضاء کا ملنا

اعضاء کو ملنے کے وجوب میں اختلاف ہے اور اکثر حضرات اسے واجب قرار نہیں دیتے۔ حضرت مالک اور مزنی سے اس کا وجوب منقول ہے۔ ابن بطال نے اس پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ غسل کے وقت وضو کے اعضاء پر ہاتھ پھیرنے کے وجوب پر اجماع ہے پس اس پر قیاس کرتے ہوئے غسل میں بھی واجب ہوگا کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ جو لوگ ملنے کو واجب قرار نہیں دیتے وہ اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ ہاتھ کو پھیرنے کی بجائے پانی میں ڈالا جائے لہذا اجماع باطل ہو گیا اور لزوم کی نفی ہو گئی۔

### غسل میں اعضاء کو تین بار دھونا

اس حدیث میں تین چلو کا ذکر ہے جو اس بات پر دلالت ہے کہ غسل میں تین بار پانی ڈالنا مستحب ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں اس سلسلے میں اختلاف معلوم نہیں مگر ماوردی نے انفرادیت اختیار کی انہوں نے فرمایا کہ غسل میں تکرار مستحب نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ”فتح الباری میں“ ذکر کیا جس کا خلاصہ میں نے ذکر کیا میں کہتا ہوں شیخ ابو علی السنی (یا سنی) نے بھی اسی طرح فرمایا نیز قرطبی نے بھی یہی فرمایا۔

اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے غسل کے لئے پانی رکھا گیا تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو دو یا تین بار دھویا پھر اپنے ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ کو دھویا پھر ہاتھ کو زمین پر ملا اس کے بعد کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے اس کے بعد اپنے جسم پر پانی ڈالا پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں مبارک دھوئے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۵)

اس حدیث میں گنتی کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا بس اسے اس پر محمول کیا جائے جسے کم از کم غسل کہا جاسکے اور وہ ایک بار ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ ایک سے زائد نہ ہو۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ غسل جنات میں کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا جائز ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ احناف نے ان دونوں باتوں کو واجب قرار دیا اور اس حدیث سے استدلال کیا۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوا کہ محض فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا مگر یہ کہ مجمل کا بیان ہو تو اس سے وجوب متعلق ہو جائے گا لیکن یہ ایسی بات نہیں ہے۔

### پاؤں کو آخر میں دھونا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز کے وضو جیسا وضو کیا البتہ پاؤں کو چھوڑ دیا۔ غسل جنات کے حوالے سے قرآن مجید میں ”فاطهروا“ کے الفاظ آئے ہیں جس کا مطلب خوب پاک ہونا ہے اور جب تک کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا نہ پایا جائے خوب پاک ہونے کی صورت پیدا نہ ہوگی اس لئے یہ ضروری ہے۔ ۱۲ ہزار روپی



اور شرمگاہ کو دھویا اور جو کچھ اس سے لگا ہوا تھا پھر اپنے اوپر پانی ڈالا اس کے بعد اپنے پاؤں کو وہاں سے ہٹایا اور ان کو دھویا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۹-۲۵۷-۲۶۶-۲۷۶-۲۸۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۷ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۰-۲۲۰ مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۷-۲۳۶)

اس حدیث میں واضح ہے کہ غسل کے وضو میں پاؤں کو آخر میں دھویا جائے اور یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ظاہر کے خلاف ہے۔

لیکن دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو مجاز پر محمول کیا جائے یا کسی دوسری حالت پر محمول کیا جائے تو ان دونوں حالتوں کے اختلاف کی وجہ سے علماء کی نظر میں اختلاف ہوا۔

جمہور اس طرف گئے ہیں کہ پاؤں کو دھونے کی تاخیر مستحب ہے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وہ جگہ پاک نہ ہو تو تاخیر مستحب ہے ورنہ پہلے دھونا مستحب ہے۔ شافعی مسلک والوں کے نزدیک افضلیت میں دو قول ہیں امام نووی فرماتے ہیں زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور اور زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ وضو کو مکمل کرے (اگر وہاں پانی نہ ٹھہرتا ہو تو پہلے بھی دھو سکتے ہیں)۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۷۷)

### غسل کے وضو میں سر کا مسح نہ کیا جائے

اس حدیث کے کسی طریق میں اس وضو میں سر کے مسح پر واضح حکم نہیں ہے اور مالکی فقہ والوں نے اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ غسل کے لئے کئے جانے والے وضو میں سر کا مسح نہ کیا جائے بلکہ اسے دھونے پر اکتفا کیا جائے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اما انا فاقبض علی راسی ثلاثا و اشار ببیدیہ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اپنے سر پر تین بار پانی کلتیہما۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۷۵ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۴ ج ۴ ص ۸۵ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۶-۱۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۳۰۹ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۱۲-۱۱۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۳۵۱-۲۷۳۸۱)

”صحیح بخاری میں ہی“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نماز کے لئے اقامت کہی گئی اور کھڑے ہونے کی صورت میں صفیں درست کر دی گئیں تو رسول اکرم ﷺ ہماری طرف تشریف لائے جب آپ مصلے پر کھڑے ہوئے تو جنبی ہونا یاد آیا آپ نے فرمایا: تم لوگ اپنی جگہ ٹھہرو پھر واپس تشریف لے گئے اور غسل کر کے ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے سر انور سے قطرے ٹپک رہے تھے چنانچہ آپ نے تکبیر فرما کر ہمیں نماز پڑھائی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۷-۱۵۸ سنن نسائی ج ۲ ص ۸۱-۸۹ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۵ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۷-۲۳۸-۵۱۸ ج ۵ ص ۳۱ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۹۸ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۶۳۲ نصب الرایہ ج ۱ ص ۸۹)

حدیث میں لفظ ”ذکر“ ہے جو تذکر یعنی آپ کو یاد آیا کے (معنی) میں ہے اور آپ تشریف لے گئے زبان سے کچھ نہیں فرمایا راوی کو قرآن کے ذریعے علم ہوا یا بعد میں آپ نے بتایا کہ آپ کیوں تشریف لے گئے تھے۔



اور تکبیر کہنے کا جو ذکر ہے کہ تکبیر کہہ کر نماز پڑھائی اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اقامت پر اکتفاء فرمایا پس اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اقامت اور نماز شروع کرنے میں زیادہ وقفہ جائز ہے۔

### اعضاء کو خشک کرنے کا حکم

”صحیح بخاری میں“ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت منقول ہے فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کے غسل کے لئے پانی رکھا اور کپڑے کے ساتھ پردہ کیا آپ نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر ان کو دھویا پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر ڈالا اور استنجاء کیا اس کے بعد ہاتھ مبارک کو زمین پر مار کر اس کو زمین پر ملا پھر دھویا کھلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور چہرے اور بازوؤں کو دھویا پھر سر انور پر پانی ڈالا اور اپنے تمام جسم پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو دھویا میں نے آپ کو کپڑا دیا تو آپ نے نہ لیا اور ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے چلے گئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۵)

بعض حضرات نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے کہ ”میں نے آپ کو کپڑا دیا تو آپ نے نہ لیا“ غسل کے بعد جسم کو خشک کرنے کی کراہت پر استدلال کیا ہے۔

لیکن اس میں ان کے لئے کوئی حجت نہیں کیونکہ یہ ایک حالت کا وقوع ہے جس میں کئی احتمال ہیں ہو سکتا ہے کسی دوسری وجہ سے کپڑا نہ لیا ہو خشک کرنے کی کراہت سے تعلق نہ ہو بلکہ کوئی ایسی بات ہو جس کا تعلق اس کپڑے سے ہو یا کوئی اور بات ہو۔

مہلب (بن احمد بن ابی صفرہ قمی اندلسی متوفی ۴۳۳ھ) فرماتے ہیں ہو سکتا ہے آپ نے کپڑا اس لئے نہ لیا ہو کہ انگلیوں کی رطوبت کی برکت باقی رہے یا تواضع کے طور پر ایسا کیا ہو یا ممکن ہے کپڑے میں ریشم یا میل وغیرہ دیکھی ہو۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۴۵)

اس حدیث کے سلسلے میں امام احمد حضرت اعمش سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے یہ بات ذکر کی تو انہوں نے فرمایا رومال میں کوئی حرج نہیں آپ نے اسے اس لئے نہ لیا کہ کہیں عادت نہ بن جائے۔

حضرت تمیمی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ جسم خشک کرتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رومال پیش نہ کرتیں۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۴۵)

ابن دقیق العبد فرماتے ہیں آپ کا ہاتھوں سے پانی جھاڑنا اس بات پر دلالت ہے کہ خشک کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دونوں عمل پانی کے ازالہ کے لئے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) نے اس میں پانچ وجوہ پر اختلاف کیا جن میں سے سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ تولیہ وغیرہ استعمال نہ کرنا مستحب ہے مکروہ بھی کہا گیا محض جائز بھی کہا گیا مستحب ہے امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات معمولی وقفہ پر محمول ہے اگر وقت زیادہ ہو جائے تو تکبیر دوبارہ پڑھنا ہوگی اور اس حدیث میں وقت کے کم ہونے پر دلالت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اپنی جگہ کھڑے رہو اور یہ کہ آپ تشریف لائے اور پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۷۸)



ہونے کا قول بھی کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ گرمیوں میں مکروہ ہے سردیوں میں مباح ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہاتھوں سے غسل کا پانی جھاڑنا جائز ہے اسی طرح وضو کا پانی بھی، لیکن اس سلسلے میں ایک ضعیف حدیث ہے جسے امام رافعی وغیرہ نے نقل کیا ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

لا تنفضوا یدیکم فی الوضوء فانہا مراح الشیطان۔ وضو میں اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑو بے شک یہ شیطانی چکھے ہیں۔

ابن صلاح نے کہا کہ میں نے اسے نہیں پایا، امام نووی رحمہ اللہ نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔

### سونے سے پہلے جنابت سے وضو کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ جب آرام فرمانے کا ارادہ کرتے اور آپ حالت جنابت میں ہوتے تو اپنی شرمگاہ کو دھوتے اور نماز کے وضو جیسا وضو کرتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۸)

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس وضو سے محض پاکیزگی حاصل کرنا مراد لیتے ہیں۔

نماز جیسا وضو کے الفاظ سے شرعی وضو مراد ہے لغوی وضو (محض ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) مراد نہیں یہ مطلب نہیں کہ آپ نماز کے لئے وضو فرماتے (اس کے لئے غسل ضروری تھا)۔

اس میں حکمت یہ تھی کہ حدیث کم ہو خصوصاً اس قول کے مطابق کہ جماع اور غسل کے درمیان تفریق ہو سکتی ہے (یعنی فوری طور پر ضروری نہیں) پس آپ اس کی نیت کرتے تو ان مخصوص اعضاء سے حدث اٹھ جاتا صحیح بات یہی ہے۔

اس کی تائید حضرت ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہوتی ہے جس کے راوی ثقہ ہیں وہ حضرت شداد بن اوس صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

اذا اجنب احدکم من اللیل ثم اراد ان ینام فلیتوضأ فانہ نصف غسل الجنابة۔ جب تم میں سے کوئی ایک رات کے وقت جنبی ہو جائے پھر سونے کا ارادہ کرے تو وضو کر لے یہ غسل جنابت کا نصف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ دو طہارتوں میں سے ایک ہے پس اس بنیاد پر تیمم اس کے قائم مقام ہوگا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب حالت جنابت میں ہوتے اور آرام فرمانے کا ارادہ کرتے تو وضو کرتے یا تیمم فرماتے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں تیمم پانی کی خشکی کی وجہ سے ہو اس کے علاوہ بھی کہا گیا۔ (فتح الباری سے خلاصہ مکمل ہوا)۔



## دوسری نوع

## نبی اکرم ﷺ کی نماز کا ذکر

## تمہید عام

نماز کے ذریعے بندگی کی حقیقت حاصل ہوتی ہے اور ربوبیت کا حق ادا ہوتا ہے باقی تمام عبادات نماز کے اسرار کو ثابت کرنے کے لئے وسائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نمازی کے لئے ہر رکعت میں وہ تمام باتیں جمع کر دی ہیں جو آسمان والوں پر جدا جدا لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے اس وقت سے رکوع میں ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا وہ قیامت تک رکوع سے نہیں اٹھیں گے اسی طرح سجدے قیام اور قعدے کا معاملہ ہے۔

اسی طرح نماز میں وہ تمام عبادات جمع کر دی ہیں جو اس کے غیر میں جمع نہیں ہیں۔ ان میں طہارت ہے خاموشی ہے قبلہ رخ ہونا تکبیر سے آغاز قرأت قیام رکوع سجدہ رکوع میں تسبیح سجدے میں دعا (تسبیح) وغیرہ ہے۔

تو نماز متعدد عبادات کا مجموعہ ہے کیونکہ ذکر مستقل عبادت ہے قرأت بھی الگ عبادت ہے اسی طرح نماز کا ہر فرد مستقل عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو نماز کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ. (العنکبوت: ۴۵)

آپ کی طرف کتاب سے جو وحی کی گئی اسے پڑھیں اور نماز قائم کریں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. (طہ: ۱۳۲)

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور اس پر صبر کریں۔

جس طرح ابن عطاء اللہ کی کتاب ”التلوی فی اسقاط التہمیر“ میں بتایا گیا۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۰۲)

اللہ تعالیٰ اس کی مدد سے ہمیں متمتع فرمائے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں تکلیف اور مشقت ہے کیونکہ یہ لوگوں کی مشغولیت کے وقت پڑھی جاتی ہے پس ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ کام کاج چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جائیں اور غیر خدا سے اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ ہو جائیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا:

وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. (طہ: ۱۳۲)

اس پر صبر کیجئے۔

وہ فرماتے ہیں نماز میں کھڑے ہونا بندگی کی تکالیف سے ہے اور اس کے لئے قیام بشری تقاضوں کے خلاف ہے اس بات پر یہ آیت دلالت کرتی ہے:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ. (البقرہ: ۴۵)

اور صبر و نماز کے ذریعے مدد طلب کرو اور یہ البتہ بھاری ہے مگر خشوع و خضوع کرنے والوں پر۔



پس صبر اور نماز کو ملانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں صبر کی حاجت ہوتی ہے اس کے اوقات کی پابندی پر صبر اس کی سنتوں اور واجبات کو قائم کرنے پر صبر اور ایسا صبر جو دلوں کو غفلت سے روکے اسی لئے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝

اور بے شک یہ بھاری ہے سوائے خشوع کرنے والوں کے۔ (البقرہ: ۳۵)

تو نماز کا ذکر الگ کیا اور صبر کا ذکر الگ نہیں کیا اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا (صبر مراد ہوتا) تو ”وانہ لکبیر“ ہوتا (یعنی انہما نہ ہوتا بلکہ مذکر کی ضمیر ہوتی) پس یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں جو ہم نے کہی (نماز کا گراں ہونا) یا اس لئے کہ صبر اور نماز ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور باہم لازم ہیں پس ان میں سے ایک بعینہ دوسری چیز ہے۔ جس طرح دوسری آیت میں فرمایا:

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرَٰضَوْهُ (التوبہ: ۶۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان کو راضی کریں۔

”کتاب التہویر“ تلخیص مکمل ہوئی۔  
پھر اس سلسلے میں کلام پانچ اقسام میں منقسم ہے۔

پہلی قسم

## فرائض اور ان کے متعلقات

اس میں کئی ابواب ہیں۔

پہلا باب:

### پانچ نمازیں

اس میں کئی فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

### فرضیت نماز

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: معراج کی رات نبی اکرم ﷺ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر کم ہوتی گئیں حتیٰ کہ پانچ رہ گئیں پھر پکارا اے محمد! (ﷺ) میرے قول میں تبدیلی نہیں ہونی آپ کے لئے ان



پانچ کے بدلے پچاس ہیں (یعنی پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا)۔

امام ترمذی نے اسے اسی طرح مختصر روایت کیا اور امام بخاری و مسلم نے طویل حدیث کے ضمن میں نقل کیا جو معراج شریف کے بیان میں اپنے مباحث کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان پر حالت اقامت میں چار سفر میں دو اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم ابو داؤد اور نسائی نے نقل کیا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۲۳۷)

”حالت خوف میں ایک رکعت“ کا مطلب یہ ہے کہ ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری الگ پڑھے (ورنہ محض ایک رکعت نماز کو حضور ﷺ نے ہتیرا (دم کٹی) نماز قرار دیا)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے (فرماتی ہیں) اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض کی تو دو رکعتیں فرض فرمائی پھر اسے حالت اقامت میں چار رکعتوں کی صورت میں پورا کیا اور سفر کی نماز کو پہلی فرضیت (دو رکعتوں) پر برقرار رکھا۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”ہی کتاب الحجۃ میں“ معمر کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت زہری سے وہ حضرت عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نماز دو رکعتوں کی صورت میں فرض ہوئی پھر نبی اکرم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو چار رکعتیں فرض ہوئیں۔

اس روایت سے اس بات کا تعین ہو گیا کہ پہلی روایت میں حالت اقامت کی نماز میں جس اضافے کا ذکر ہے وہ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔

حنفی فقہاء نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا اور اسے اپنے مسلک کی بنیاد قرار دیا کہ سفر میں قصر عزیمت ہے رخصت نہیں (مطلب یہ کہ اصل ہے لہذا قصر ضروری ہے ایسا نہیں کہ اسے دو اور چار رکعتوں میں اختیار دیا گیا ہو۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ان (احناف) کے مخالفین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ

الصَّلَاةِ. (النساء: ۱۰۱)

(وہ کہتے ہیں) حرج کی نفی عزیمت پر دلالت نہیں کرتی اور قصر کی ایسی چیز سے ہوتی ہے جو اس کے مقابلے میں طویل ہو۔

اس کے رخصت ہونے پر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی دلالت کرتا ہے آپ نے فرمایا:

صَدَقَ تَصَدَّقَ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا

یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا پس اس کے صدقہ کو قبول کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۱۹۹-۱۲۰۹، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۶۵،

سنن نسائی ج ۳ ص ۱۱۷، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵-۳۶، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۳۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۳۵، الدر المنثور ج ۲ ص ۲۰۹،

شرح السنن ج ۱ ص ۵۸۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۱۷۵)



اور حدیث میں جو آیا کہ نماز دور کھتوں کے طور پر فرض ہوئی یعنی سفر میں تو اس کا معنی یہ ہے کہ جو ان دو پر اکتفا کرنا چاہے (وہ ایسا کرے) اس طرح روایات کو جمع کیا جاسکتا ہے۔<sup>۱</sup>  
یہ بات ”المجموع“ میں فرمائی ہے۔

## فصل نمبر ۲

# نماز کے ان اوقات کا تعین جن میں نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی

## اوقات نماز

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ کو نماز کے اوقات بتائیں پس حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے اور نبی اکرم ﷺ ان کے پیچھے تھے جب کہ باقی لوگ آپ کے پیچھے تھے انہوں نے ظہر کی نماز پڑھائی جب سورج ڈھل گیا پھر آپ کے پاس اس وقت آئے جب سایہ ان کے اصلی سایہ کی ایک مثل ہو گیا۔

پس اسی طرح کیا جس طرح پہلے کیا تھا حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے ان کے پیچھے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے پیچھے لوگ تھے پس عصر کی نماز پڑھی پھر حضرت جبریل علیہ السلام غروب آفتاب کے وقت آئے اور آگے بڑھے نبی اکرم ﷺ ان کے پیچھے اور لوگ آپ کے پیچھے تھے چنانچہ مغرب کی نماز پڑھی پھر حضرت جبریل علیہ السلام اس وقت آئے جب شفق غائب ہو گئی حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے رسول اکرم ﷺ ان کے پیچھے اور لوگ آپ کے پیچھے تھے پس نماز عشاء پڑھی پھر جب فجر پھوٹ گئی تو حاضر ہو کر آگے بڑھے نبی اکرم ﷺ ان کے پیچھے اور لوگ آپ کے پیچھے تھے چنانچہ فجر کی نماز پڑھی۔

پھر دوسرے دن اس وقت حاضر ہوئے جب آدمی کا سایہ اس کی ایک مثل ہو جاتا ہے تو کل کی طرح کیا اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اس وقت آئے جب آدمی کا سایہ اس کی دو مثل ہو جاتا ہے چنانچہ کل کی طرح کیا اور عصر کی نماز پڑھی پھر غروب آفتاب کے وقت آئے اور کل کی طرح عمل کیا اور مغرب کی نماز پڑھی پھر شفق غائب ہونے پر آئے اور کل کی طرح عمل کرتے ہوئے عشاء کی نماز پڑھی پھر اس وقت حاضر ہوئے جب فجر پھیل گئی اور صبح ہو گئی۔ اور کل کی طرح عمل کرتے ہوئے فجر کی نماز پڑھائی پھر فرمایا ان دو وقتوں کے درمیان (نماز کا) وقت ہے۔

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

<sup>۱</sup> حدیث میں قصر کو صدقہ قرار دینا اسی بات کی دلیل ہے کہ دور کھتوں پر اکتفا ضروری ہے ورنہ صدقہ قبول نہ کرنے کا گناہ لازم ہوگا اسی لئے احناف کے نزدیک دور کھتیں پڑھنا عزیمت ہے رخصت نہیں جہاں تک ”لا جناح“ کے الفاظ کا تعلق ہے تو وہ صفا مردہ کے درمیان سنی کے

بارے میں بھی آئے ہیں حالانکہ سنی واجب ہے۔ ۱۲ ہزار روپی



ایک اور روایت میں ہے 'فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے کے برابر تھا پھر عصر کی نماز پڑھی جب سایہ تسمے کے برابر تھا اور آدمی کا سایہ اس کی مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز پڑھی جب سورج غروب ہو گیا پھر عشاء کی نماز پڑھی جب شفق غائب ہو گئی پھر فجر کی نماز فجر ہونے پر پڑھی پھر دوسرے دن (ظہر کی) نماز پڑھی جب سایہ آدمی کے قد کے برابر ہو گیا پھر عصر کی نماز پڑھی جب آدمی کا سایہ اس کی دو مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز پڑھی جب سورج غروب ہو گیا پھر عشاء کی نماز پڑھی جب رات کا ایک تہائی ہو گیا یا آدمی رات گزرنے پر ایک راوی کو شک ہے پھر فجر کی نماز سفیدی میں پڑھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام نے دو مرتبہ میری امامت کی پس مجھے پہلی مرتبہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ تسمے کی مثل تھا پھر عصر کی نماز پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج غروب ہو گیا اور روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا پھر عشاء کی نماز شفق کے غروب ہونے پر پڑھی پھر فجر کی نماز پڑھی جب فجر چمک گئی اور روزہ دار پر کھانا حرام ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۳۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۰، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۳-۳۵۳، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۳-۳۶۶، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۷۶، المسند رک ج ۱ ص ۱۹۶، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۲۱-۲۲۵-۲۲۷، الدر المنثور ج ۲ ص ۲۱۵، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۱۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۲۵۵-۱۹۲۵۵)

اور دوسری مرتبہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہو گیا جو پہلے دن عصر کا وقت تھا پھر عصر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی دو مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز پہلے دن کی طرح اسی وقت میں پڑھائی پھر عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب رات کا تہائی حصہ چلا گیا اس کے بعد صبح کی نماز پڑھائی جب سفیدی (روشنی) ہو گئی پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے محمد! یہ آپ سے پہلے کے انبیاء کرام کا وقت ہے اور آپ کا وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔

اور یہ فرمانا کہ "ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہو گیا" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب فارغ ہوئے تو یہ وقت تھا جس طرح پہلے دن عصر کی نماز شروع کرنے کا یہی وقت تھا اس طرح ان دونوں وقتوں (ظہر و عصر) میں اشتراک نہیں ہوگا اس پر "صحیح مسلم کی" حدیث دلالت کرتی ہے جس میں فرمایا: ظہر کا وقت وہ ہے جب سورج ڈھل جائے جب تک عصر کا وقت نہ ہو جائے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو آیا ہے کہ "سورج ڈھلنے پر ظہر کی نماز پڑھی" تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز پڑھنا جائز ہے اور سائے کے تسمے کے برابر ہونے کا انتظار کرنا واجب یا مستحب نہیں ہے جس طرح ہمارے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے اور اس پر صحیح روایات دلالت کرتی ہیں جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق ہے تو اس سے مزاد یہ ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا ہے تو اس وقت سایہ تسمے کی مثل ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ سائے کے تسمے کی مثل ہونے تک نماز کو مؤخر کیا۔ "مجموعہ (امام نووی رحمہ اللہ کی شرح المہذب) میں" اسی طرح ذکر کیا ہے۔



## معراج کی صبح اوقات نماز

ابن اسحاق نے ”المغازی میں“ بیان کیا کہ جس رات نماز فرض ہوئی اور وہ شب معراج تھی اس کی صبح جبریل علیہ السلام نے نماز پڑھائی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت نافع بن جبیر اور دوسرے حضرات رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: جب اس رات کی صبح ہوئی جس میں آپ کو سیر کرائی گئی تھی تو آپ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد پر خوف زدہ ہوئے وہ سورج ڈھلنے کے وقت آئے اسی لئے اس کو پہلی نماز کہا گیا یعنی ظہر کی نماز نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام میں اعلان کروایا کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے چنانچہ وہ جمع ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو نماز پڑھائی اور آپ نے اپنے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد باقی حدیث ذکر کی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰-۳۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۶۶، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵-۱۰-۱۲، مسند احمد ج ۲ ص ۹۳-۱۶۱، ج ۳ ص ۸۳-۵۵، سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۲، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۳، ج ۷ ص ۳۳۹، الدر المنثور ج ۶ ص ۵۶-۱۲۲، اتحاف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۲۹۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۰۳۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۲۳۲)

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اوقات کا بیان ہجرت کے بعد واقع ہوا اور حق یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ہجرت سے پہلے اوقات بیان کر دیئے تھے۔

اور اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا:

آپ نے ”الصلاة جامعة“ (نماز کھڑی ہونے والی ہے) کے الفاظ سے صحابہ کرام کو بلایا کیونکہ اس وقت تک اذان کا حکم نہیں تھا۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ جو شخص کسی اور کی اقتدا کر رہا ہو اس کی اقتدا بھی ہو سکتی ہے۔

لیکن اس کا جواب اسی طرح دیا گیا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نبی اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے واقعہ کے بارے میں دیا گیا کہ صحابہ کرام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھے تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ صرف آواز پہنچا رہے تھے جیسا کہ اس کی تقریر آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## عصر اور مغرب کی نماز جلدی پڑھنا

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب سایہ آپ کے حجرہ مبارکہ سے ظاہر نہیں ہوا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر کی نماز پڑھتے اور سورج بلند واضح ہوتا پس جانے والا مدینہ طیبہ کی بلند بستی (عوالی) کی طرف جاتا اور ان کے پاس پہنچتا تو ابھی سورج بلند ہوتا بعض عوالی (بستیاں) مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر تھیں۔

اس حدیث میں عصر کی نماز جلدی پڑھنے پر دلیل ہے کیونکہ چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بھی سورج بلند ہوتا تھا اور سورج سے اس کی روشنی مراد ہے۔



حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مغرب کی نماز پڑھتے جب سورج غروب ہو جاتا اور پردے کی اوٹ میں ہو جاتا۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز پڑھتے پھر ہم میں سے ایک سلام پھیرتا تو اپنے تیر گنے کی جگہ کود کھینچ لیتا۔

مطلب یہ ہے کہ جب وہ تیر پھینکتا تو اس کے گنے کی جگہ کود کھینچتا اس حدیث کا مقتضایہ ہے کہ مغرب میں جلدی کرتے اور اول وقت میں پڑھتے کہ جب فارغ ہوتے تو روشنی باقی ہوتی۔

حدیث میں نبل کا لفظ استعمال ہوا اور نبل عربی میں ”تیر“ کو کہتے ہیں۔

### احوال کی رعایت کرنا

جب گرمی ہوتی تو نبی اکرم ﷺ (ظہر کی) نماز کو ٹھنڈی کر کے پڑھتے (گرمی کم ہونے پر پڑھتے) اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے یہ حدیث امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

اور آپ عصر کو مؤخر کرتے جب تک دھوپ سفید چمک رہی ہوتی۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے حضرت علی بن شیبان کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب کھانا حاضر ہو تو نماز مغرب سے پہلے اس کے کھانے میں جلدی کرو اور کھانا چھوڑ کر نماز کی جلدی نہ کرو۔ ۱

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۴، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۳۱، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۷۳، اتحاف السادة المتقین ج ۳ ص ۹۳)

ایک روایت میں ہے کہ کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز کو مؤخر نہ کرو۔

### نماز عشاء میں تاخیر

ایک رات نبی اکرم ﷺ نے نماز عشاء میں تاخیر فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی ”الصلوة“ (نماز کا وقت ہے) عورتیں اور بچے سو گئے نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمایا: تمہارے علاوہ کوئی بھی اس نماز کی انتظار نہیں کرتا۔ راوی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن مدینہ طیبہ میں (اس وقت) کوئی بھی نماز نہیں پڑھ رہا اور اہل مدینہ شفق (سفیدی) غائب ہونے کے بعد رات کی پہلی تہائی کے درمیان نماز عشاء پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶-۵۶۹-۸۶۳، مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۲، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۷۴)

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اسلام پھیلنے سے پہلے اس طرح تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ باہر تشریف لائے تو آپ کے سرانور سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے آپ نے

فرمایا:

۱۔ احادیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ جس شخص کا دل کھانے کی طرف زیادہ متوجہ ہو اور اسے سخت بھوک لگی ہو وہ پہلے کھانا کھائے ورنہ پہلے نماز

پڑھے ۱۲ ہزاروی۔



لو لا ان اشق علی امتی او علی الناس  
لا مرتهم بالصلاة فی هذه الساعة.  
اگر میں اپنی امت پر یا (فرمایا:) لوگوں پر باعث  
مشقت نہ سمجھتا تو ان کو اس وقت (عشاء کی) نماز پڑھنے کا  
حکم دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۶۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۱-۲۳۶، ج ۲ ص ۲۸،  
السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۹، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۸۰، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۱۱۲، اتحاف السادة المتقین ج ۲ ص ۳۵۰، الدر المنثور ج ۱  
ص ۱۱۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۳۶۳-۱۹۳۶۶-۲۱۸۳۷)

امام ابو داؤد نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف نہ لائے حتیٰ کہ  
نصف رات ہو گئی (پھر تشریف لائے) تو فرمایا: اپنی جگہوں پر رہو چنانچہ ہم اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے تو آپ نے  
فرمایا بے شک لوگ نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستروں میں جا چکے ہیں اور تم جب نماز کے منتظر رہے مسلسل نماز میں رہے  
(یعنی ثواب ملتا رہا) اگر مجھے کمزوری اور بیماری کی بیماری کا ڈرنہ ہوتا تو میں اس نماز (نماز عشاء) کو آدھی رات تک  
مؤخر کر دیتا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۲۲، مسند احمد ج ۳ ص ۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۳۵، کنز العمال ۱۹۳۵۹-۲۱۸۵۱)  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (آپ نے فرمایا):

لو لا ان اشق علی امتی لا مرتهم ان  
یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفه.  
اگر میں اپنی امت پر بھاری نہ جانتا تو انہیں (نماز)  
عشاء ہرات کی تہائی یا نصف تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔  
اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا۔

اس بنیاد پر جو شخص اس نماز کو مؤخر کرنے پر قادر ہو اور اس پر نیند کا غلبہ نہ ہو اور جن کو حکم دیا جاتا ہے ان میں سے کسی پر  
بھی باعث مشقت نہ ہو تو اس کے حق میں تاخیر افضل ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم میں“ اس بات پر جزم فرمایا اور شافعی مسلک اور دیگر مسالک کے اکثر علمائے  
حدیث نے اسی بات کو اختیار کیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں (پہلی) تہائی (کے اختتام) تک (مؤخر کرنا) مستحب ہے۔ امام مالک اور امام احمد  
رحمہما اللہ نیز اکثر صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم نے یہی بات فرمائی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول بھی یہی ہے۔  
حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا پہلا قول یہ تھا کہ جلدی پڑھنا افضل ہے اسی طرح ”الاملاء“ میں فرمایا اور امام نووی رحمہ  
اللہ نے ایک جماعت کے ساتھ اسے صحیح قرار دیا اور ان حضرات نے فرمایا کہ پہلے اسی پر فتویٰ دیا جاتا تھا اس پر یہ اعتراض  
ہوا کہ املاء کا ذکر کیا گیا حالانکہ ”الاملاء“ آپ کی جدید کتب میں سے ہے۔

اور دلیل کے اعتبار سے تاخیر کرنے کی افضلیت مختار ہے۔ (فتح الباری میں یہ بات فرمائی ہے)۔



## فصل نمبر ۳

## نبی اکرم ﷺ کی نماز کا طریقہ

## پہلی نوع

## نماز کا آغاز کیسے فرماتے؟

## اقامت سنتے وقت

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہتے ہوئے سنا جب انہوں نے ”قد قامت الصلوۃ“ کہا تو آپ نے فرمایا: ”اقامہا اللہ وادامہا“ اللہ تعالیٰ اسے قائم و دائم رکھے۔  
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۲۸، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱۱، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۸۱، شرح السنن ج ۲ ص ۲۸۸، مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۶۷۰، اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۲۳-۲۳۲۶۳)

## تکبیر کے ساتھ نماز شروع کرنا

نبی اکرم ﷺ ”اللہ اکبر“ کہنے کے ساتھ نماز کو شروع فرماتے۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے۔  
امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز کے شروع میں تکبیر کہی۔

ان دونوں حدیثوں سے استدلال کیا گیا کہ لفظ تکبیر (اللہ اکبر) ہی مقرر ہے اس کے علاوہ دیگر الفاظ تعظیم نہیں کہہ سکتے۔ یہ جمہور کا قول ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔  
احناف سے منقول ہے کہ ہر وہ لفظ جس سے تعظیم مقصود ہو اس سے نماز کا آغاز ہو جاتا ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ امام مسلم کی شرط پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ”اللہ اکبر“ کہتے امام احمد اور امام نسائی نے حضرت واسع بن حبان سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نبی اکرم ﷺ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا آپ جب بھی سر نیچے رکھتے اور اٹھاتے ”اللہ اکبر“ کہتے۔

یہ بات جانی چاہیے کہ جمہور کے نزدیک تکبیر تحریمہ رکن ہے یہ بھی کہا گیا کہ شرط ہے اور احناف کا یہی مذہب ہے شافعی مسلک والوں کے نزدیک اس کی توجیہ کی گئی اور کہا گیا ہے کہ یہ سنت ہے یہ بات ابن منذر نے کہی اور امام زہری کے علاوہ اس (سنت ہونے) کا کوئی بھی قائل نہیں۔



## نماز کی نیت کرنا

نماز میں نیت کے واجب ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایمان کی بحث کے آخر میں فرمایا: ”باب ما جاء في قوله عليه السلام الاعمال بالنية“

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱، فتح الباری ج ۱ ص ۹، رقم الحدیث: ۵۳)

یہ بات نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے بارے میں ہے کہ اعمال کا تعلق نیت سے ہے پھر انہوں (امام بخاری) نے اس میں ایمان وضو نماز اور زکوٰۃ کو داخل کیا۔

ابن قیم نے ”الہدی النبوی میں“ کہا کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ”اللہ اکبر“ کہتے اور اس سے پہلے کچھ نہ فرماتے اور نیت الفاظ میں نہ کرتے اور یہ بھی نہ فرماتے ہیں کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں قبلہ رخ ہوں چار رکعتیں ہیں امامت اقتدا ادا قضا اور وقت کے فرائض وغیرہ الفاظ نہ فرماتے۔

ابن قیم نے کہا یہ دس باتیں بدعت ہیں آپ سے کسی نے بھی نقل نہیں کیں نہ صحیح سند کے ساتھ نہ ضعیف سند سے نہ مسند اور نہ مرسل کسی طرح کوئی لفظ بالکل نقل نہیں کیا۔

بلکہ کسی صحابی سے بھی منقول نہیں ہے اور تابعین میں سے بھی کسی نے مستحب قرار نہیں دیا اور نہ ہی چاروں اماموں نے اس کو مستحب قرار دیا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ روزے کی طرح نہیں پس اس میں کوئی بھی ذکر نہیں یعنی تکبیر تحریمہ کے بغیر داخل نہ ہو اور صرف یہی الفاظ کہے (یعنی اللہ اکبر) اور امام شافعی رحمہ اللہ ایسے کام کو کس طرح مستحب قرار دے سکتے ہیں جسے نبی اکرم ﷺ نے اور آپ کے کسی بھی صحابی نے کسی ایک نماز میں بھی نہیں کیا؟

اور ”کتاب المناسک میں“ امام شافعی رحمہ اللہ کی عبارت اس طرح ہے کہ اگر وہ دل سے احرام کی نیت کرے اور تلبیہ نہ کہے تو بھی کافی ہے اور یہ نماز کی طرح نہیں کیونکہ اس کے شروع میں بولنا واجب ہے۔ یہ اس کا واضح کلام ہے۔

حضرت شیخ ابو علی السبکی نے ”شرح الکلیہ میں“ ابن الرفعہ نے ”المطلب میں“ اور الزرکشی نے ”الدیباچ میں“ اور ان کے علاوہ دوسروں نے فرمایا کہ امام شافعی نے اس سے صرف تکبیر تحریمہ مراد لی ہے۔ ابن قیم کی عبارت مکمل ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی نے بھی نبی اکرم ﷺ کا الفاظ کے ساتھ نیت کرنا نقل نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے کسی صحابہ کو نیت کا تلفظ سکھایا اور نہ اس پر برقرار رکھا بلکہ آپ سے سنن میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم.  
نماز کی چابی طہارت ہے اس کی تحریمہ تکبیر ہے اور اس کی تحلیل (باہر آنا) سلام پھیرنا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸-۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۱، سنن دارمی ج ۱ ص ۱۷۵، سنن دارقطنی

ج ۱ ص ۳۵۹-۳۷۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۵۳۹، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۳، الکامل فی الصغواء ج ۳ ص ۱۳۳۸-ج ۶ ص ۲۳۰۵،

اتمہید ج ۹ ص ۱۸۵، المغنی ج ۱ ص ۱۲۵، المحلیہ ج ۷ ص ۱۲۳-ج ۸ ص ۳۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۶۳۲)

صحیحین میں ہے جب نبی اکرم ﷺ نے درست انداز میں نماز نہ پڑھنے والے (خلاد بن رافع زرقی) کو نماز



سکھائی تو اس سے فرمایا:

اذا قمت الى الصلوة فكبر ثم اقرأ ما تيسر  
معك من القرآن. جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو پھر قرآن  
مجید سے جو آسان لگے اس کی قرأت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۹۳-۷۵۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۷ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۶۲-۶۳  
نصب الریۃ ج ۱ ص ۱۳۷-۳۶۶-۳۷۷ اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۱۰۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۶۲۵)  
(اس میں) آپ نے تکبیر سے پہلے کسی عمل کے تلفظ کا حکم نہیں دیا۔

### الفاظ کے ساتھ نیت کے قائلین سے مناقشہ

ہاں علماء کرام نے الفاظ کے ساتھ نیت کرنے میں اختلاف کیا ہے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ عمل  
نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا یہ مستحب ہے کیونکہ یہ قلبی نیت کو حاضر کرنے میں مدد ہے اور زبان کے ساتھ ذکر ہے جس  
طرح یہ قلبی عبادت ہے اور جن افعال کی نیت کی جاتی ہیں وہ اعضاء کی عبادت ہے شیخ تقی الدین سبکی اور حافظ عماد الدین  
بن کثیر نے اسی قسم کا جواب دیا ہے۔

ابن قیم نے ”الہدی النہوی“ کے علاوہ کتاب میں (زبان سے نیت کرنے کے) استحباب کے رد میں طویل کلام کیا  
اور بہت زیادہ استدلال کیا لیکن اس کے ذکر کرنے میں طوالت ہے جو ہمیں اپنے مقصود سے نکال دے گی خصوصاً جب کہ  
ہمارے اصحاب نے زبانی نیت کو مستحب قرار دیا ہے۔

بعض حضرات نے صحیحین کی روایت پر قیاس کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم  
ﷺ کو حج و عمرہ دونوں کا اکٹھا تلبیہ کہتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے میں حج و عمرہ کے لئے حاضر ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵-۲۱۳-۲۱۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۵ سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:  
۲۹۶۸-۲۹۶۹ مسند احمد ج ۳ ص ۹۹-۱۰۰-۱۸۷ السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۹-۳۰ اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۰۸)

اور ”صحیح بخاری میں“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے  
ہوئے سنا جب آپ وادی عقیق میں تھے کہ گذشتہ رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس  
نے کہا اس مبارک وادی میں نماز پڑھیں اور یوں کہیں ”عمرة فی حجة“ (حج میں عمرہ)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۰ مسند احمد ج ۱ ص ۲۳ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۶۱۷ شرح النہ  
ج ۳ ص ۷۳ نصب الریۃ ج ۳ ص ۱۰۰-۱۰۶ مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۲۷۵۸۵ اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۰۸  
کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۹۷۳-۳۹۷۵۲)

ان احادیث میں الفاظ کے ساتھ نیت کی تصریح ہے اور حکم جس طرح نص (آیات و احادیث کے الفاظ) سے ثابت  
ہوتا ہے اسی طرح قیاس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

لیکن اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ یہ کلمات ابتدا میں صحابہ کرام کو تعلیم دینے کے لئے فرماتے تھے کہ



وہ کس طرح احرام کی نیت کریں اور مناسک حج کا قصد کریں اور اس حکم کی تعمیل تھی جو اس وادی میں آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آیا تھا۔

جب کہ نبی اکرم ﷺ نے تم میں ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں لیکن آپ سے منقول نہیں کہ آپ نے یوں فرمایا میں فلاں فلاں نماز کی نیت کرتا ہوں۔ اور نبی اکرم ﷺ کا کسی عمل کو چھوڑنا بھی سنت ہے جس طرح آپ کا کسی عمل کو کرنا سنت ہے۔

پس ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم آپ کے فعل اور ترک فعل کو برابر قرار دیں اور جہاں آپ نے زبان سے کہنا چھوڑ دیا وہاں ہم اس پر قیاس کر کے جہاں آپ نے زبان سے نیت کی نیت کرنے کا قول کریں اور حج و نماز میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کے مقابلے میں ان کا فرق زیادہ ظاہر ہے۔ ۱۔  
اس معترض کا قول مکمل ہوا اس پر غور کیجئے۔

### ہاتھ اٹھانے کے مقامات

اور نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ وہ آپ کے کاندھوں کے برابر ہوتے پھر تکبیر کہتے جب رکوع کا ارادہ کرتے تو پھر بھی اسی طرح کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح کرتے۔ ۲۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھوں کو پھر اسی طرح اٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمدہ وربنا لک الحمد کہتے۔ ۳۔  
ایک اور روایت میں اس کی مثل ہے اور یہ بھی فرمایا کہ آپ سجدے میں اور سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے اس طرح نہ کرتے۔

امام ابو داؤد نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب دونوں سجدوں سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ ان دونوں کو کاندھوں کے برابر لے جاتے جس طرح نماز شروع کرتے وقت کرتے تھے یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے اور اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔

۱۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں قیاس کو منع کرنا محل نظر ہے کیونکہ دونوں میں جو بات مشترک ہے اور جامع ہے وہ ان دونوں کا عبادت ہونا ہے اور نیت کا بلند سے نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے آہستہ نیت کی ہو۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۹۲)

۲۔ شروع شروع میں آپ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر منع فرمادیا اور اس سلسلے میں احادیث وارد ہیں اور بے شمار کتب اس مسئلہ پر لکھی جا چکی ہے ”جامع الحق“ کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ ہزاروی

۳۔ نبی اکرم ﷺ کا عمل مبارک دونوں طرح مروی ہے آپ نے رفع یدین بھی کیا اور منع بھی فرمایا اور آپ کا آخری عمل یہی تھا کہ صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے تھے ”مشکوٰۃ شریف میں ہے“ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں چنانچہ انہوں نے صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے۔

(مشکوٰۃ شریف باب ما یقرأ بعد التکبیر ص ۷۷)



امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ (رکوع کے لئے) جھکتے اور سر اٹھاتے وقت تکبیر کہتے۔  
 امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کے مستحب ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے لیکن اس کے علاوہ میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی، امام احمد اور صحابہ کرام میں سے جمہور علماء کے نزدیک رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی ہاتھ اٹھانا مستحب ہے، حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔  
 امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول اس طرح ہے کہ چوتھی جگہ بھی ہاتھ اٹھانا مستحب ہے یعنی جب پہلے تشهد (قعدہ) سے کھڑا ہو اور یہی قول بہتر ہے اس سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی اکرم ﷺ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اس طرح کرتے تھے۔

### قیام کے دوران ہاتھ کہاں رکھیں؟

نبی اکرم ﷺ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے۔  
 اور امام شافعی اور اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ نمازی جب اپنے ہاتھ رکھے تو سینے سے نیچے اتار کر ناف کے اوپر رکھے، حضرت امام ابو حنیفہ اور بعض شافعی فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے رکھے۔ ۱۔

### دعائے افتتاح

نبی اکرم ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ دیر خاموش رہتے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ تکبیر اور قرأت کے درمیان خاموش رہتے ہیں اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں یہ کلمات پڑھتا ہوں:

اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا  
 بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنْ  
 خَطَايَايَ كَمَا يُنْقَى الْقُوبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ،  
 اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالْثَلْجِ وَالْبَرْدِ.  
 یا اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان دوری  
 پیدا کر دے جس طرح مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ  
 ہے یا اللہ! مجھے خطاؤں سے اس طرح پاک رکھ جس طرح  
 سفید کپڑے کو میل سے پاک کیا جاتا ہے یا اللہ! میری  
 خطاؤں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو دے۔ ۲۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۵، سنن داری ج ۱ ص ۲۸۴، سنن نسائی ج ۱ ص ۵۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱-۲۳۲، اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۵، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے۔ ایک روایت میں ہے جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر فرماتے:

۱۔ "سنن ابی داؤد میں ہے کہ: "تھیلی کو تھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔"

۲۔ آئندہ صفحات پر مذکور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ دعا نوافل میں پڑھی جاتی تھی۔ ۱۲ ہزاروی



وجهت وجهی للذی فطر السموات  
والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان  
صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب  
العالمین لا شریک له وبذلک امرت وانا  
اول المسلمین اللهم انت الملك لا اله الا  
انت انت ربی وانا عبدک ظلمت نفسی  
واعترفت نبی فاغفر لی ذنوبی جمیعا لا یغفر  
الذنوب الا انت واهدنی لاحسن الاخلاق لا  
یهدی لاحسنها الا انت واصرف عنی سینها  
لا یصرف عنی سینها الا انت لیک  
وسعدیک والخیر کلہ فی یدیک والشر  
لیس الیک انا بک والیک تبارکت  
وتعالیت استغفرک واتوب الیک

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۱)

میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا جس نے  
آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا خالص اسی کا ہو کر اور میں  
مشرکین میں سے نہیں ہوں بے شک میری نماز میری قربانی  
میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام  
جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی بات کا  
حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے سب سے پہلا  
(مسلمان) ہوں۔ یا اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود  
نہیں تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنے  
نفس پر ظلم کیا اور میں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا پس تو  
میرے تمام گناہ معاف کر دے صرف تو ہی گناہوں کو بخشتا  
ہے مجھے سب سے اچھے اخلاق کی ہدایت عطا فرما اچھے  
اخلاق کی ہدایت صرف تو ہی دیتا ہے اور مجھ سے برے  
اخلاق کو دور کر دے برے اخلاق کو صرف تو ہی دور کرتا ہے  
میں حاضر ہوں اور تمام بھلائی تیرے قبضہ و اختیار میں ہے  
اور برائی تیری طرف (منسوب) نہیں ہے میں تیرے  
دامن رحمت سے وابستہ ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا  
ہوں تو برکت والا ہے اور بلند ہے میں تجھ سے بخشش طلب  
کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے:

سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک  
اسمک وتعالیٰ جدک ولا اله غیرک۔  
یا اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح بیان کرتا ہوں  
تیرا نام برکت والا ہے تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا  
کوئی معبود نہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳-۲۳۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۷۱-۷۷۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۳-۸۰۶  
سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۸ سنن داری ج ۱ ص ۲۸۲ مسند احمد ج ۳ ص ۵۰-۶۹ سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳-۳۵ المسند رک ج ۱  
ص ۲۳۵ اتحاف السادة المتکلمین ج ۳ ص ۳۶ مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۸۱۵-۸۱۶ سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۹۸ مصنف عبد  
الرزاق رقم الحدیث: ۲۵۵۳ الدر المنثور ج ۳ ص ۱۳۰ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۴۷۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۲ مجمع الزوائد  
ج ۲ ص ۱۰۷-۲۶۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۸۷-۲۲۰۸۵)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ فرما



رہے تھے:

اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ  
لِلَّهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا أَعُوذُ بِاللَّهِ  
مِنَ الشَّيْطَانِ مِمَّنْ نَفَخَ فِيهِ وَنَفِثَ وَهَمَزَهُ.  
اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اور اللہ  
تعالیٰ کے لئے بہت زیادہ تعریف ہے میں صبح و شام اللہ تعالیٰ  
کی تسبیح بیان کرتا ہوں میں شیطان سے اس کے تکبر، شعر گوئی  
اور جنون سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۳۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۷ مسند احمد ج ۳ ص ۸۰-۸۳-۸۵  
المسند رک ج ۱ ص ۳۳۵ دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۱۱-۱۲۰ تحف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۶ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۵۷۳ المعجم الکبیر  
ج ۲ ص ۱۲۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۶۴۲-۲۳۳۲۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: شیطان کے نفخ سے مراد اس کا تکبر ہے اور اس کے نفث سے شعر مراد ہیں  
اور اس کے ہمزہ سے جنون مراد ہے۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑے  
ہوتے تو یوں فرماتے:

اللَّهُ أَكْبَرُ وَجْهَتْ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ  
الْمُشْرِكِينَ.  
اللہ سب سے بڑا ہے میں نے اپنے چہرے کو اس  
ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا  
خالص اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۳۱ عطل الحدیث رقم الحدیث: ۳۲۸ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۱۳)  
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل ذکر کیا البتہ ”انا من المسلمین“ فرمایا۔ پھر فرمایا:  
اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ  
سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ.  
یا اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں  
تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح بیان کرتا ہوں۔  
اس کے بعد آپ قرأت کرتے۔

دوسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا قرأت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا

بسم اللہ پڑھنے سے متعلق روایات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے  
قرأت شروع کرتے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور ابام ترندی رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی سند مضبوط نہیں ہے۔



امام حاکم، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ پھر فرمایا یہ حدیث صحیح ہے (امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)۔

صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں سورۃ فاتحہ کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی اور اسے آیت شمار کیا لیکن یہ عمر بن ہارون لمخی کی روایت سے ہے اور اس ابن جریج کی جانب سے جو بواسطہ ابن ابی ملیکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں ضعیف ہے۔ حافظ ابو بکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" (سورۃ فاتحہ) سات آیات ہیں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" ان میں سے ایک ہے اور یہ بار بار پڑھی جانے والی سات آیات ہیں اور قرآن عظیم ہے اور یہ کتاب کی اصل ہے۔ امام دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مرفوع حدیث نقل کی ہے اور فرمایا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

امام بیہقی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ان حضرات نے "سبعاً من المثنی" کی تفسیر سورۃ فاتحہ سے کی ہے اور بسم اللہ کو اس کی ساتویں آیت شمار کیا ہے۔

### حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایات

حضرت شعبہ، حضرت قتادہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قرأت کو "الحمد لله رب العالمین" سے شروع کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا یعنی وہ فاتحہ سے شروع کرتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے (حضرت انس رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: میں نے کسی کو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" پڑھتے نہیں سنا۔ امام مسلم وغیرہ نے اسی طرح نقل کیا لیکن یہ حدیث حفاظ حدیث کے نزدیک معطل ہے جس طرح علم حدیث کی کتب میں ہے (جس حدیث کی سند میں کوئی علت ہو)۔

ہمارے شیخ ابوالخیر السخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود سے نفع دے، کی شرح "الفیہ عراقی" کے باب العلل میں یہ الفاظ ہیں:

وعلة المتن القادحة فيه كحديث نفی متن کی علت وہ ہے جو اس میں خرابی پیدا کرے جس قراۃ البسملة فی الصلاة المروی عن انس۔ طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نماز کے سلسلے میں مروی حدیث میں بسم اللہ پڑھنے کی نفی ہے۔

کیونکہ اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول سنا کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ



”الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ سے نماز شروع کرتے تھے۔

اس سے راوی نے ”بِسْمِ اللّٰهِ“ کی نفی کا گمان کیا پس اپنے گمان کو واضح انداز میں نقل کیا اور کہا کہ یہ حضرات قرأت کے شروع اور آخر میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ نہیں پڑھتے تھے۔

بعض روایات میں اس طرح ہے کہ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سے قرأت کا آغاز نہیں کرتے تھے اس طرح یہ حدیث مرفوع کہلائی اور راوی کے گمان میں خطا ہے۔

اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے ”کتاب الام“ میں فرمایا اور ان سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ وہ لوگ باقی قرأت سے پہلے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے یہ مطلب نہیں کہ ”بِسْمِ اللّٰهِ“ پڑھنا بالکل چھوڑ دیتے تھے۔

”صحیح بخاری میں“ سورہ فاتحہ کو ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کا نام دیا گیا اس سے بھی یہ بات مضبوط ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کی قرأت کس طرح تھی؟ تو انہوں نے فرمایا مد کے ساتھ تھی پھر انہوں نے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھتے ہوئے ”بِسْمِ اللّٰهِ“ کو مد کے ساتھ پڑھا پھر الرحمن اور پھر اس کے بعد الرحیم میں مد کے ساتھ پڑھا (لفظ اللہ کی لام الرحمن کی میم اور الرحیم کی حاء میں مد طبعی سے زیادہ نہیں کھینچا)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح نقل کیا ہے امام دارقطنی اور حازمی (یاداری) نے بھی اسی طرح صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس حدیث میں کوئی علت نہیں کیونکہ جس طرح ابوشامہ نے اشارہ کیا ہے ظاہر یہ ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نماز کو کس سورت سے شروع کیا جائے اور انہوں نے ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کے ساتھ جواب دیا تو انہوں نے اس میں قرأت کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا اور گویا انہوں (ابوشامہ) نے سائل کے ابہام کو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعین میں مانع خیال نہیں کیا خصوصاً جب کہ سائل وہی تھے (یعنی سائل حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ہی تھے)۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حدیث نقل کی اور دارقطنی نے اسے صحیح قرار دیا کہ ابو مسلمہ سعید بن یزید رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا نبی اکرم ﷺ الحمد للہ سے نماز شروع کرتے تھے یا بسم اللہ کے ساتھ؟ تو انہوں نے فرمایا مجھے کچھ یاد نہیں۔ وہ فرماتے ہیں یہ ان باتوں میں سے ہے جن سے نفی کرنے والے کی خطا کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں حضرت حمید اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما بھی ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ صرف حمید کی روایت میں علت ہے کیونکہ اس کا مرفوع ہونا ولید بن مسلم کا وہم

۱۔ اس روایت میں یہ بات ثابت کی جا رہی ہے کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جزء ہے لیکن امام زرقاتی فرماتے ہیں اس سے کیسے ثابت ہوا کہ بسم اللہ

سورت کا جزء ہے حالانکہ موطا امام مالک میں ہے نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے نماز شروع کرنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے آپ کے سامنے ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ پڑھی اور اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں

پڑھی۔ (زرقاتی ج ۷ ص ۲۹۹)



ہے ولید نے حضرت امام مالک سے اور انہوں نے حضرت حمید سے روایت کی ہے بلکہ حضرت حمید کے بعض اصحاب (ابن عیینہ اور عبید اللہ بن عمر وغیرہ) کے واسطے سے حمید (الطویل البصری) سے روایت کیا کیونکہ حضرت امام مالک سے مروی تمام موطأت میں ہے وہ حضرت حمید سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ تمام ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ نہیں پڑھتے تھے اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر نہیں ہے اسی طرح حمید کے تمام حفاظ اصحاب نے جو ان سے نقل کرتے ہیں سب کے نزدیک اسی طرح ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ ابن معین نے حضرت ابن ابی عدی سے نقل کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا کہ حضرت حمید جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تو مرفوعاً روایت نہیں کرتے تھے اور جب بواسطہ حضرت قتادہؓ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تو مرفوعاً نقل کرتے۔

جہاں تک حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے تو ولید بن مسلم وغیرہ نے اوزاعی سے نقل کیا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا تا کہ انہیں اس بات کی خبر دیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نماز پڑھی پس انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ یہ حضرات (یعنی نبی اکرم ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمر فاروقؓ اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم) ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ قرأت کے شروع اور آخر میں نہیں پڑھتے تھے پس ان کے اصحاب ان الفاظ پر متفق نہیں ہیں بلکہ ان میں سے اکثر کے نزدیک اس میں نفی کا ذکر نہیں ہے اور ان میں سے ایک جماعت نے اس نفی کا ذکر کیا ہے پس وہ بلند آواز سے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ نہیں پڑھتے تھے۔

اس سلسلے میں آپ کے اصحاب میں سے جن لوگوں نے اس مسئلہ میں آپ سے اختلاف کیا ان میں حضرت شعبہ بن حجاج ہیں پس ان لوگوں کی ایک جماعت جن میں غندر بھی ہیں وہ نفی کا ذکر نہیں کرتے اور صرف ابوداؤد طیالسی سے متعدد طرق سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ وہ حضرات ”بِسْمِ اللّٰهِ“ کے ساتھ قرأت شروع نہیں کرتے تھے یہ اوزاعی کے موافق ہے۔

ابو عمر (حفص بن عمر بن عبد العزیز) دوری اور اسی طرح طیالسی اور غندر نے بھی یوں نقل کیا کہ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دوسرے اصحاب (حضرت قتادہ کے علاوہ) نے بھی اختلاف کیا۔ اسحاق بن ابی ظہر اور ثابت بن بنانی اور ان میں سے تیسرے مالک بن دینار حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نفی کے بغیر نقل کرتے ہیں جب کہ اسحاق اور ثابت نیز منصور بن زاذان ابوقلابہ اور ابو نعیم یہ تمام حضرات صرف بلند آواز سے پڑھنے کی نفی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے اسحاق کے الفاظ اس طرح ہیں:

يَفْتَتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ جہری نمازوں میں ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ سے شروع کرتے تھے۔ فیما یجہر فیہ۔

اس صورت میں ان تمام روایت کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا کہ قرأت کی نفی کو سننے کی نفی پر محمول کیا جائے اور سننے کی نفی کو بلند آواز سے نہ پڑھنے پر محمول کیا جائے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ منصور بن زاذان کی روایت میں ہے کہ ہم نے بسم اللہ کی قرأت نہیں سنی اور اس سے زیادہ واضح



حضرت حسن کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جیسا کہ ابن خزیمہ نے نقل کیا کہ وہ لوگ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ ان روایات کو یوں جمع کرنے سے حدیث میں اضطراب کا دعویٰ زائل ہو گیا۔

جس طرح یہ بات ظاہر ہوئی کہ اوزاعی جنہوں نے حضرت قتادہ سے کتابت کی صورت میں روایت کی حالانکہ قتادہ پیدائشی طور پر نابینا تھے اور ان کا کاتب مجہول ہے کیونکہ ان کا نام نہیں بتایا تو اس سلسلے میں اوزاعی اکیلے نہیں (بلکہ ایک جماعت نے حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہوئے اوزاعی کی اتباع کی) تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ مجھے یاد نہیں، کا جواب یوں دیا جائے گا کہ مثبت (دلیل) ثانی (نفی کرنے کی دلیل) پر مقدم ہوتی ہے خصوصاً جب کہ نفی اس بات کو متضمن ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو وہ بات یاد نہ تھی جس کا یاد ہونا اہم تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو مسلمہ کے سوال کے وقت ان کو یاد نہ ہو اور بعد میں یاد آ گئی ہو کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ سوال بھی کیا تھا کہ کیا آدی نماز میں بسم اللہ پڑھے؟ تو انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی ہے پس میں نے ان میں سے کسی ایک کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ماحصل بلند آواز سے پڑھنے کی نفی قرار پایا تو اس کی دلیل ضروری ہوگی اگرچہ یہ ہماری بحث سے نہیں ہے۔

### بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کے قائلین کے بعض دلائل

شارح ”الفیہ“ نے دلیل ذکر کی اور ہمارے شیخ یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ہماری رہنمائی فرمائی کہ اس میں سے کیا اخذ کیا جائے؟

بلکہ انہوں نے فرمایا کہ نعیم مجمر کا قول یہ ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھی اور اس کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی حتیٰ کہ ”وَالَا الضَّالِّیْنَ“ تک پہنچے تو لوگوں نے آمین کہا۔ وہ جب بھی سجدہ کرتے اور دو رکعتوں کے بعد قعدہ سے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور سلام پھیرنے کے بعد کہتے اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تمہاری نمازوں کے مقابلے میں میری نماز رسول اکرم ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں اس سلسلے میں یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے اور اس میں کوئی علت نہیں۔

اس حدیث کو صحیح قرار دینے والوں میں ابن خزیمہ اور ابن حبان بھی ہیں۔ امام نسائی اور امام حاکم نے اسے روایت کیا اور امام نسائی نے یہ عنوان مقرر فرمایا۔ ”الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند سے پڑھنا“۔

لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ہو سکتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس مشابہت سے نماز کے تمام اجزاء میں نہیں بلکہ بڑی بڑی باتوں میں مشابہت کا ارادہ کیا ہو خصوصاً جب کہ ان سے نعیم مجمر کے علاوہ ایک جماعت نے بسم اللہ کے ذکر کے بغیر یہ حدیث روایت کی ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ نعیم (راوی) ثقہ ہیں پس ان کی زیادتی مقبول ہے اور حدیث تمام اجزاء میں ظاہر



ہے پس اس کو اپنے عموم پر محمول کیا جائے گا حتیٰ کہ کوئی ایسی دلیل ثابت ہو جو اس کو (بعض باتوں سے) خاص کر دے۔  
اس کے باوجود یوں کہا جاسکتا ہے کہ نعیم کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آہستہ پڑھنے کے حوالے سے ہو کیونکہ وہ ان کے قریب ہوتے تھے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فاتحہ کے بارے میں اپنی تصنیف میں فرمایا نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا اور امام حاکم نے ”اپنی المستدرک میں“ ذکر کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو نماز پڑھائی لیکن آپ نے بسم اللہ نہیں پڑھی اور رکوع و سجود کے لئے جاتے ہوئے تکبیر بھی نہ کہی جب سلام پھیرا تو مہاجرین و انصار نے پکارا اے معاویہ! آپ نے نماز میں چوری کی، بسم اللہ الرحمن الرحیم کہاں ہے رکوع و سجود کے وقت کی تکبیر کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے بسم اللہ اور تکبیر کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھائی۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم قوت اور شدید دبدبے والے حکمران تھے اگر تمام صحابہ کرام مہاجرین و انصار کے نزدیک بلند آواز سے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ اور تکبیر پڑھنا مقرر و ثابت نہ ہوتا تو یہ حضرات ان کے چھوڑنے کے بعد اعتراض نہ کر سکتے۔

یہ حدیث حسن ہے اور اس کو امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نیز امام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے اور فرمایا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ ان کا (اعتراض) جس کا ذکر ہوا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کلمات کو بلند آواز سے کہنا ان لوگوں کے درمیان متواتر عمل کی طرح تھا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے عنوان قائم کیا کہ ”بلند آواز سے بسم اللہ پڑھی جائے“ اس کے بعد معتمر بن سلیمان کی حدیث نقل کی وہ اسماعیل بن حماد بن ابی سلیمان سے روایت کرتے ہیں وہ خالد والبی کوفی سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سے نماز شروع کرتے تھے۔

اس تخریج (حدیث لانے) پر امام دارقطنی نے ان کی موافقت کی اور امام ابو داؤد نے بھی موافقت کی اور اسے ضعیف قرار دیا بلکہ امام ترمذی نے بھی فرمایا کہ اس کی سند مضبوط نہیں ہے امام بیہقی نے ”المعرفة میں“ ذکر کیا اور اس کے لئے سالم السطس کی حدیث سے استشہاد پیش کیا وہ حضرت سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن پڑھتے اور اس کے ساتھ آواز کو لمبا کرتے امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے ”اپنی مستدرک میں“ ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے متعدد اہل علم کا یہی موقف ہے ان میں حضرت ابو ہریرہ ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور بعد کے تابعین بھی ہیں جنہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا موقف اختیار کیا امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ شارح ”الفیہ“ کا قول مکمل ہوا۔

### تحقیق مسئلہ

شیخ ابوامامہ بن نقاش فرماتے ہیں جو شخص اس مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلہ کا



قرأتوں سے زیادہ تعلق ہے اور وہ اس طرح کہ قراء میں سے بعض جن کی قرأتیں صحیح ہیں اور نبی اکرم ﷺ سے تو اتر کے ساتھ ثابت ہیں ان میں سے بعض حضرات اسے سورۃ فاتحہ کی جزء قرار دے کر پڑھتے تھے اور یہ قراء حضرت حمزہ عاصم کسائی اور ابن کثیر اور ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام اور تابعین میں سے ہیں۔

اور ان میں سے بعض بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ کی جزء قرار نہیں دیتے جس طرح ابن عامر ابو عمر و اور نافع ہیں ان کی ایک روایت اسی طرح ہے۔

نماز میں اس (بسم اللہ) کے پڑھنے کا حکم وہی ہے جو نماز سے باہر ہے جو لوگ اسے ان لوگوں کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں جن کے نزدیک یہ سورۃ فاتحہ کا حصہ ہے تو ان پر اس کا پڑھنا فرض ہے اور جو لوگ ان لوگوں کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں جن کے نزدیک یہ سورۃ فاتحہ کی جزء نہیں ہے ان کو پڑھنے اور چھوڑنے کا اختیار ہے۔

پس اس صورت میں اس میں اختلاف قرآن مجید کے کسی حرف کے بارے میں اختلاف کی طرح ہوا اور دونوں قول صحیح ثابت ہیں ثابت کرنے والے اور نفی کرنے والے کسی پر طعن نہیں ہو سکتا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے بعض اوقات پڑھا اور کبھی نہیں پڑھا۔ انصاف یہی ہے۔ اس کے بعد انہوں (حضرت ابو امامہ بن نفاس) نے فرمایا یقینی بات جس کی طرح رجوع کرنا چاہیے یہ ہے کہ دونوں عمل ثابت ہیں۔

کیونکہ اہل سلام میں سے دو آدمیوں کا بھی اس بات میں اختلاف نہیں کہ یہ ساتوں قرأتیں یقینی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہ پہلا کلمہ اور پہلا حرف نہیں ہے جس کو ثابت کرنے یا حذف کرنے میں اختلاف ہوا اور قرآن مجید کی بہت کم سورتیں ایسی ہیں جن میں یہ اختلاف نہیں ہے جس طرح سورۃ الحمد یٰ کی آیت:

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (الحمدید: ۲۳)

وہ بے نیاز تعریف والا ہے۔

میں لفظ ”هو“ اور ارشاد خداوندی:

جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (التوبہ: ۷۲)

میں لفظ ”من“ ہے (بعض لفظ هو کو پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے اسی طرح لفظ ”من“ میں اختلاف ہے بعض پڑھتے ہیں بعض نہیں پڑھتے)۔ اور بے شمار الف واو اور ہاء کا یہی حکم ہے۔

اور یہ سب کچھ اس بات کا نتیجہ ہے کہ قرآن مجید سات قرأتوں میں نازل ہوا اور یہ اس بات پر تمہاری رہنمائی کرے گا کہ جن حضرات نے لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے سورۃ فاتحہ کی جزء قرار نہیں دیا اور کہا کہ قرآن مجید میں اس قسم کا اختلاف ثابت نہیں ہوتا تو ان کا قول باطل ہے (قرأتوں کا اختلاف مراد ہے) میں نہیں جانتا کہ یہ کیا گمان ہے؟ یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اسی سے تمہیں ان تقریروں سے راحت ملے گی۔

پھر فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے دونوں باتیں وقوع پذیر ہوئی ہیں بلند آواز سے پڑھنا بھی اور آہستہ پڑھنا بھی آپ نے جبر بھی فرمایا اور آہستہ بھی پڑھا لیکن بلند آواز کی نسبت آہستہ آواز سے زیادہ زیادہ پڑھا۔ اور

ابو بکر بن عمری کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی جزء نہیں کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور قرآن میں اختلاف نہیں ہوتا (زر قانی ج ۷ ص ۳۰۴) یعنی اس دلیل پر اعتراض کیا گیا۔ ۱۲ ہزاروی



بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں صحیح احادیث ہیں جن میں کوئی انصاف کرنے والا طعن نہیں کر سکتا جیسا کہ تین احادیث ہیں (جو پہلے ذکر ہوئیں)۔

جس طرح آپ سے آہستہ پڑھنے کے بارے میں صحیح احادیث ثابت ہیں جن میں ایسا شخص طعن نہیں کر سکتا جو عصبیت سے خالی ہو اور اس شخص کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے جو کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بسم اللہ صرف اونچی آواز سے پڑھی ہے۔

کسی عارف سے کہا گیا کہ آپ کے خیال میں امام شافعی رحمہ اللہ کا نام کیسے مشہور ہوا اور ان کا ذکر عام کس طرح ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا اس کی وجہ ان کا ہر نماز میں بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کو ظاہر کرنا ہے۔

### تیسری نوع

## نبی اکرم ﷺ کا سورہ فاتحہ پڑھنا اور اس کے بعد آمین کہنا

نبی اکرم ﷺ جب ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ پڑھتے تو آمین فرماتے اور اس کے ساتھ آواز کو کھینچتے۔ ایک روایت میں ہے کہ پست آواز رکھتے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آواز کو بلند کرتے اور انہی کی ایک روایت میں (دفع کی بجائے جھر) ہے یعنی اونچی آواز سے آمین کہتے۔

ابن شہاب نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ جب ”ولا الضالین“ کہتے تو اونچی آواز سے آمین کہتے سراج نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

ابن حبان نے زبیدی کی روایت سے نقل کیا وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے اور آمین کہتے۔

خیمدی نے حضرت سعید مقبری کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب ”ولا الضالین“ پڑھتے۔

ابوداؤد نے زبیدی کی روایت کی طرح حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا۔

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو منسوخ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اسلام کے آغاز میں مسلمانوں کی تعلیم کے لئے اونچی آواز سے آمین کہتے تھے کیونکہ حضرت وائل بن حجر آخری دور میں مسلمان ہوئے۔



چوتھی نوع

## نبی اکرم ﷺ کا صبح کی نماز میں فاتحہ کے بعد قرأت کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز میں ساٹھ سے ایک سو آیات تک پڑھتے تھے۔

حضرت عمرو بن حرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو فجر کی نماز میں سورہ ”واللیل اذا عسعس“ پڑھتے ہوئے سنا۔

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فجر کی نماز میں سورت ”اذا الشمس کورت“ پڑھی۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ فجر کی نماز میں ”ق والقرآن المجید“ اور اس قسم کی سورتیں پڑھتے تھے اور اس کے بعد ہلکی پھلکی قرأت کرتے تھے۔

### سورت کے کچھ حصے کی قرأت

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں صبح کی نماز پڑھی تو سورہ مومنون شروع کی حتیٰ کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ذکر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر تک پہنچے (راوی کو شک ہے یا اس میں اختلاف ہے) تو نبی اکرم ﷺ کو کھانسی آگئی پس آپ نے رکوع فرمایا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے قرأت کے ٹوٹ جانے اور سورت کا بعض حصہ پڑھنے (دونوں باتوں) کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اختیار کے ساتھ سورت کے بعض پر اکتفا کو مکروہ قرار دیا ہے اور جس حدیث سے استدلال کیا جا رہا ہے وہ اس بارے میں ظاہر ہے کہ یہ انقطاع ضرورت کے تحت تھا لیکن اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح جس نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ آیت کا بعض حصہ پڑھنا مکروہ نہیں اور اس نے حدیث کے ان الفاظ کو دلیل بنایا کہ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا (تو چھینک کی وجہ سے رکوع کیا) کیونکہ یہ دونوں جگہیں آیت کے درمیان میں ہیں تو اس پر اعتراض ہوگا کہ یہ تو ضرورت کے تحت تھا (لہذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا) ہاں کراہت دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔

اور جواز کے دلائل بے شمار ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتوں میں سورہ اعراف پڑھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھائی تو دونوں رکعتوں میں سورہ بقرہ پڑھی اور یہ صحابہ کرام کی طرف سے اجماع ہے نیز نبی اکرم ﷺ نے صبح کی نماز میں ”سورہ زلزال“ دونوں رکعتوں میں پڑھی۔ راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ آپ سے بھول ہوئی یا جان بوجھ کر پڑھی۔



## جمعہ کی صبح کی قرأت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی صبح سورۃ الم التزویل (سورہ نمبر ۳۲) اور سورۃ ”ہل اتی علی الانسان حین من الدھر“ (سورہ نمبر ۷۶) پڑھتے تھے اور ان دونوں سورتوں کو مکمل پڑھتے تھے اور ان کا کچھ حصہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔

ان دونوں سورتوں کو پڑھنے میں حکمت یہ تھی کہ یہ انسان کی ابتدا و انتہا (آخرت) تخلیق آدم علیہ السلام جنت و دوزخ میں داخل ہونے اور قیامت کے احوال پر مشتمل ہیں کیونکہ قیامت جمعہ کے دن واقع ہوگی۔

یہ بات ابن دجیہ نے ”العلم المشہور میں“ ذکر کی اور اسے خوب ثابت قرار دیا جس طرح ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بتایا وہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں واضح طور پر مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ صبح کی نماز میں یہ دو سورتیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے نقل کیا اور ان کے الفاظ ”یدیم ذلک“ ہیں (ہمیشہ یہ عمل کرتے تھے) اس کی اصل ”سنن ابن ماجہ میں“ ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں اور اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں البتہ ابو حاتم نے اس کے ارسال کو صحیح قرار دیا (یہ حدیث مرسل ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ابن دقیق العید اس پر آگاہ نہیں ہوئے چنانچہ انہوں نے اس باب کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جو آپ کے اس عمل کے دوام کا تقاضا کرتی ہو۔ بات وہی ہے جو انہوں نے فرمائی ہے کیونکہ الفاظ میں دوام کا ذکر نہیں ہے لیکن مذکورہ اضافہ ”یدیم ذلک“ اس بات کی تصریح ہے اور اس اضافہ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے یہ الفاظ شاہد ہیں آپ نے فرمایا: ”کل جمعة“ (ہر جمعہ کے دن)۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ”الکبیر میں“ نقل کیا ہے۔

رکعت کے لئے سورت کو معین کرنے کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث آئی ہے جو امام طبرانی نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ جمعہ المبارک کے دن صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں ”الم تزیل“ اور دوسری رکعت میں ”ہل اتی علی الانسان“ پڑھتے تھے۔

## نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت

مالکی فقہ والوں نے نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے مکروہ ہونے کی جو علت بیان کی ہے اس میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ فرض نماز میں سجدے کا اضافہ ہے۔ امام قرطبی نے کہا کہ حدیث کی شہادت سے یہ تعلیل فاسد ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس طرح نمازیوں کو شبہ ہو سکتا ہے اسی لئے بعض نے جہری اور سری نماز میں فرق کیا ہے کیونکہ جہری نماز میں اشتباہ کا خوف نہیں ہوتا (لہذا جہری میں مکروہ نہیں سری میں مکروہ ہے)۔

لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز میں ایسی سورت بھی جس میں سجدہ تھا تو آپ نے مع صحابہ کرام نماز میں سجدہ کیا پس تفریق باطل ہوگئی۔



بعض حضرات نے کہا کہ مکروہ ہونے کی وجہ اس بات کا خوف ہے کہ عوام اس کے فرض ہونے کا اعتقاد نہ رکھیں۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ مطلقاً مکروہ قرار دینے کا حدیث انکار کرتی ہے لیکن جب اس قسم کی خرابی کی صورت پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ کبھی چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ خطرہ ٹل جائے کیونکہ مستحب کام کو کبھی چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ متوقع فساد دور ہو جائے اور یہ فائدہ بعض اوقات چھوڑنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

احناف میں سے صاحب الحیط نے کہا کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں آیت سجدہ والی سورت پڑھنا اس شرط کے ساتھ مستحب ہے کہ کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھے تاکہ جاہل آدمی یہ خیال نہ کرے کہ اس کے علاوہ (سورت) پڑھنا جائز نہیں۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کسی حدیث میں یہ وضاحت نہیں دیکھی کہ نبی اکرم ﷺ نے ”سورۃ الم تنزیل“ پڑھ کر اس مقام پر سجدہ کیا ہو ہاں ابو داؤد (یہ عبد اللہ بن سلیمان بن اشعث ہیں بغداد میں وفات پائی) کی کتاب ”الشریعیہ“ میں ایک دوسرے طریق سے ہے جو حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں جمعہ کے دن صبح کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے سجدہ والی سورت پڑھ کر سجدہ کیا۔ اس حدیث میں ایسا راوی بھی ہے جس کی حالت قابل جائزہ ہے۔ امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جمعہ کے دن صبح کی نماز میں ”الم تنزیل“ میں سجدہ کیا اور یہ اضافہ حسن ہے کیونکہ اس سے یہ احتمال دور ہو جاتا ہے کہ آپ نے سورت پڑھی اور سجدہ نہ کیا۔ ۲

### پانچویں نوع

## ظہر و عصر کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت

حضرت ابوقنادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دوسری رکعتوں میں پڑھتے اور دوسری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں آیت سناتے (بلند آواز سے پڑھتے) پہلی رکعت کو دوسری رکعت کے مقابلے میں لمبا کرتے۔ نماز عصر اور فجر کی نماز میں بھی اسی طرح کرتے تھے۔ شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ دوسری رکعت کے مقابلے میں پہلی رکعت کو لمبا کرنے کا سبب یہ تھا کہ پہلی رکعت میں آدمی زیادہ ہشاش بشاش ہوتا ہے پس ملال میں پڑنے کے خوف سے دوسری رکعت میں تخفیف مناسب ہے۔

۱ (الاعلام ج ۳ ص ۹۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۷ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۱۳ تاریخ بغداد ج ۹ ص ۳۶۳ طبقات النجاشی ج ۲ ص ۵۱ لسان المزان ج ۳ ص ۲۹۳)

۲ آج کل لوگ عام طور پر آیات سجدہ سے آگاہ نہیں ہوتے لہذا آیت سجدہ نہ پڑھی جائیں البتہ تراویح میں چونکہ مکمل قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے لہذا وہ صورت الگ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا نیز صحابہ کرام آیات سجدہ سے آگاہ تھے۔ ۱۹۹۳ء میں حرم کعبہ میں امام کعبہ نے حج کے موقع پر صبح کی نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو بے شمار لوگوں کی نماز میں خلل واقع ہوا لہذا اجتناب کیا جائے۔ ۱۲ ہزار آدمی



حضرت عبدالرزاق نے حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت یحییٰ سے حدیث کے آخر میں نقل کیا کہ ہم نے گمان کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگ پہلی رکعت کو پالیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم ظہر اور عصر میں نبی اکرم ﷺ کے قیام کا اندازہ لگاتے تو ہم نے ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں ”الم تزل السجدة“ (کی مقدار) کا اندازہ لگایا اور ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیات کا اندازہ لگایا اور پچھلی دو رکعتوں میں اس سے نصف کا اندازہ لگایا۔

عصر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں کا اندازہ ظہر کی پچھلی دو رکعتوں میں قیام کے مطابق اور عصر کی پچھلی دو رکعتوں میں اس کے نصف کا اندازہ لگایا۔

حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی نماز میں ”وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى“ پڑھتے اور ایک روایت کے مطابق ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ پڑھتے تھے اور عصر میں اس کی مثل پڑھتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ظہر اور عصر میں ”وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ“ اور ”وَالسَّمَاءِ وَالْقَارِقِ“ پڑھتے تھے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں ظہر کی نماز پڑھتے تو سورہ لقمان اور سورہ الذاریات کی ایک آدھ سنتے۔ ۱۔

ابن دقیق العید نے فرمایا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کے ظاہر حال پر اکتفا کرنا جائز ہے یقین پر توقف ضروری نہیں کیونکہ سری نمازوں میں کسی سورت کے پڑھنے کا علم صرف سماع (سننے) سے ہو سکتا ہے اور یقین کا فائدہ تو جہری نمازوں میں ہوتا ہے گویا انہوں نے بعض کو سننے اور باقی پر قرینہ پائے جانے سے یہ حکم اخذ کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ یا کبھی کبھی نماز کے بعد ان کو دوسورتیں پڑھنے کی خبر دیتے ہوں لیکن یہ بات عقل سے بعید نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز میں ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ اور ”هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ“ پڑھی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز کھڑی ہوتی پس کوئی جانے والا بقیع میں جاتا اور قضائے حاجت کے بعد واپس گھر میں آ کر وضو کرتا تو نبی اکرم ﷺ کو پہلی رکعت میں پاتا۔

چھٹی نوع

## نماز مغرب میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ ”وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا“ پڑھتے ہوئے سنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۳)

۶۳ مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۸-۳۳۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۸، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۴)

۱۔ کبھی کبھی تعلیم امت کے لئے آپ بلند آواز سے قرأت فرماتے تھے۔ ۱۲ ہزار رووی



حضرت عقیل نے حضرت ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے واضح الفاظ میں بیان کیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی آخری نماز تھی ان کے الفاظ اس طرح ہیں۔

پھر آپ نے ہمیں کوئی نماز نہیں پڑھائی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک واپس فرمائی۔ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے باب العرفاء میں نقل کی ہے۔

امام بخاری نے ہی باب ”انما جعل الامام لیؤتم بہ“ (امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مرض الوصال میں صحابہ کرام کو جو نماز پڑھائی وہ نماز ظہر تھی۔

ان دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس نماز کا ذکر کیا ہے وہ مسجد میں تھی اور جس نماز کے بارے میں حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے بیان کیا وہ گھر میں تھی۔

لیکن حضرت ابن اسحاق کی حضرت ابن شہاب سے روایت اس بات کے خلاف ہے اور اس کا رد کرتی ہے وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے بیماری کی وجہ سے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی پس آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔

”ہماری طرف تشریف لائے“ کے الفاظ کو اس بات پر محمول کرنا ممکن ہے کہ جس مکان میں آپ آرام فرماتے تھے وہاں سے ان لوگوں کے پاس تشریف لائے جو گھر میں تھے پس ان کو نماز پڑھائی۔ اس طرح روایات باہم متفق ہوں گی۔ ۱۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھ رہے تھے۔

امام مسلم نے جہاد کے باب میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بدر کے قیدیوں میں آئے تھے۔ اسماعیل نے یہ اضافہ کیا کہ ان دنوں وہ مشرک تھے۔

امام بخاری نے ”المغازی“ میں نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں ایمان داخل ہوا۔ امام طبرانی نے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کی قرأت سے میں پریشان ہو گیا، سعید بن منصور فرماتے ہیں: انہوں نے کہا گویا میرا دل نکلا جا رہا ہے۔

اور حضرت جبیر بن مطعم کا یہ کہنا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا: جبری قرأت کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم حضرت مروان بن حکم سے مروی ہے کہ زید بن ثابت نے مجھ سے فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ تم مغرب کی نماز میں قصار مفصل (لم یکن الذین سے آخر قرآن تک) پڑھتے ہو حالانکہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ دو لمبی سورتوں کی طوالت کے برابر پڑھتے تھے۔ ابو داؤد نے یہ اضافہ کیا کہ مروان بن حکم نے کہا اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا سورہ اعراف مراد ہے۔

”نسائی شریف کی روایت میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ اعراف کو دو رکعتوں پر تقسیم کر کے پڑھا۔

۱۔ روایات کو یوں جمع کیا جائے گا کہ جس کمرے میں تشریف فرما تھے اس سے دوسرے کمرے میں تشریف لائے۔ (زرقاتی ج ۷ ص ۳۱۰)



حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مغرب کی نماز میں حم الدخان پڑھی۔ قرأت کے بارے میں ان احادیث میں مختلف مقدار کا ذکر ہے کیونکہ سورہ اعراف سات لمبی سورتوں میں سے ہے سورہ طور طویل مفصل سے ہے اور سورہ مرسلات اوساط مفصل سے ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کوئی ایسی مرفوع حدیث نہیں دیکھی جس میں قصار مفصل سے قرأت کا ذکر کیا گیا ہو البتہ ”سنن ابن ماجہ میں“ ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں سورہ الکافرون اور سورہ اخلاص کا ذکر ہے اس کی مثل ابن حبان نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق ہے تو اس کی سند ظاہری طور پر صحیح ہے مگر یہ معلول ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ بعض راویوں نے اس میں خطا کی ہے۔

اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سعد بن سماک متروک ہیں اور محفوظ حدیث یہ ہے کہ آپ نے مغرب کی بعد والی دو رکعتوں (سنتوں) میں یہ دو سورتیں (الکافرون اور الاخلاص) پڑھی ہیں۔

ہمارے بعض اصحاب اور دوسرے حضرات نے حضرت سلیمان بن یسار کی حدیث پر اعتماد کیا وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں نے فلاں شخص کے مقابلے میں کسی شخص کو رسول اکرم ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا سلیمان کہتے ہیں کہ وہ فلاں صبح کی نماز میں طویل مفصل اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل دائمی لیکن اس سے استدلال محل نظر ہے ہاں حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ صحابہ کرام نماز مغرب کے بعد تیر اندازی کرتے تھے اس نماز میں ہلکی قرأت پر دلالت ہے۔

ان احادیث کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کبھی کبھار مغرب کی نماز میں طویل قرأت کرتے تھے یا تو بیان جواز کے لئے ایسا کرتے یا اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ اس سے مقتدی مشقت میں نہیں پڑتے اور حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ آپ کا یہ عمل تکرار کے ساتھ ہوتا تھا۔

جب کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بات (تکرار) کی خبر دیتی ہے کیونکہ انہوں نے قصار مفصل کی مسلسل قرأت کے حوالے سے مروان پر اعتراض کیا اگر مروان کے علم میں یہ بات ہوتی کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ قصار مفصل پڑھتے تھے تو حضرت زید کے مقابلے میں استدلال کرتے انہوں نے مروان سے اس بات کا ارادہ کیا کہ جس طرح انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے دیکھا ہے وہ کبھی کبھی اس پر عمل کیا کریں (تا کہ یہ طریقہ بھول نہ جائے) حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ حالت صحت میں ”والمرسلات“ سے بھی لمبی سورت کی قرأت کرتے تھے کیونکہ سخت مرض کی حالت میں یہ سورت پڑھتے تھے اور یہ حالت تخفیف کا تقاضا کرتی ہے۔

اور یہ ابو داؤد کے اس دعویٰ کا رد ہے کہ مغرب کی نماز میں لمبی سورت پڑھنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حدیث روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ

۱۔ سورہ الحجرات سے سورہ البروج تک طویل مفصل سورہ بروج سے لم یکن الذین تک اوساط مفصل اور لم یکن الذین سے آخر تک قصار

مفصل ہے۔ ۱۲ ہزاروی



ﷺ مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے اور یہ بات حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن امام ابو داؤد نے دلالت کی وجہ بیان نہیں کی۔

اور منسوخ ہونے کا دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو جو سب سے آخری نماز پڑھائی اس میں سورہ ”والمرسلات“ پڑھی ہے۔

ابن خزیمہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں: کہ یہ مباح کام میں اختلاف ہے نمازی کے لئے جائز ہے کہ وہ مغرب کی نماز اور باقی تمام نمازوں میں بھی جو چاہے پڑھے البتہ جب امام ہو تو قرأت میں تخفیف کرے (لمبی قرأت نہ کرے)۔

امام نووی رحمہ اللہ کے نزدیک اس بات کو ترجیح ہے کہ مفصل سورہ حجرات سے قرآن مجید کے آخر تک ہے (طوال مفصل، اوساط مفصل اور قصار مفصل تینوں سورہ حجرات سے آخر تک ہیں)۔

### ساتویں نوع

## نماز عشاء میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عشاء کی نماز میں سورہ ”والہین“ پڑھتے تھے تو میں نے کسی ایک کو آپ سے اچھی آواز اور اچھی قرأت والا نہیں سنا۔

### بعض آیات کے بعد دعا

نبی اکرم ﷺ جب کسی عذاب والی آیت پر پہنچتے تو توقف کر کے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھتے۔ یہ حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور جب آپ ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ پڑھتے تو فرماتے ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے مروی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص ”وَالْيَسِينَ وَالزَّيْنُونَ“ پڑھے حتیٰ کہ ”الْبَسِ الثَّوْبَ الْحَكِيمَ“ تک پہنچے (مکمل سورت پڑھے) تو یوں کہے:

بَلِّغْنِي وَإِنَّا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔  
اور جو آدمی ”لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ“ پڑھتے ہوئے ”الْبَسِ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى“ تک پہنچے تو کہے (بلی ہاں کیوں نہیں)۔

اور جو آدمی ”وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا“ پڑھے پس ”فَبَارِكْ حَدِيثُ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ“ تک پہنچے یعنی مکمل سورت پڑھ لے تو کہے ”امنا باللہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے“۔ ۱۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۱۰ شرح السنہ ج ۳ ص ۱۰۲ ج ۳ ص ۳۳۳ مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۸۶۰ تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۳۰۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۹۳)

۱۔ ”الْبَسِ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى“ کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا وہ (اللہ تعالیٰ) مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ ”فَبَارِكْ حَدِيثُ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ“ کا ترجمہ یہ ہے اس کے بعد تم کس بات پر ایمان لاؤ گے؟ ۱۲ ہزاروی



یہ حدیث امام ابو داؤد نے روایت کی اور امام ترمذی نے ”وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ“ تک روایت کی ہے۔ ۱۔

### نماز میں سکتے

اور نبی اکرم ﷺ تکبیر تحریر اور قرأت کے درمیان سکتہ کرتے (خاموشی اختیار کرتے)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی بارے میں پوچھا تھا اور سورۃ فاتحہ کے بعد بھی سکتہ فرماتے اور تیسرا سکتہ سورت پڑھنے کے بعد کرتے اور یہ نہایت لطیف (ہلکا پھلکا) سکتہ ہوتا حتیٰ کہ سانس ٹوٹ آئے اور آپ رکوع میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ پہلا سکتہ ثناء کی مقدار میں کرتے تھے اور دوسرا سکتہ اس لئے کہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لے پس اس کے مطابق لمبا ہونا چاہیے۔ یہ بات ”زاد المعاد میں“ ذکر کی ہے۔ ۲۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے دو سکتے یاد رکھے ہیں جب آپ نماز میں داخل ہوتے اور جب قرأت سے فارغ ہوتے اس کے بعد حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور جب آپ ”ولا الضالین“ پڑھتے (تو سکتہ کرتے) وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ جب آپ قرأت سے فارغ ہوں تو سکتہ کریں حتیٰ کہ سانس واپس آ جائے (ظاہر یہ ہے کہ معمولی سا سکتہ ہوتا اور اس کی وجہ سانس کی واپسی تھی مقتدی کی قرأت کے لئے انتظار نہیں فرماتے تھے۔ ۱۲ ہزاروی)

### آٹھویں نوع

## نبی اکرم ﷺ کا رکوع

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ کاندھوں کے برابر لے جاتے ۳۔ پھر انہوں نے مکمل حدیث ذکر کرتے ہوئے کہا پھر تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو کاندھوں کے برابر لے جاتے پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھتے پھر (پیٹھ کو) برابر کرتے پس سر کو نہ تو جھکاتے اور نہ (پیٹھ سے) بلند کرتے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۷۳۰)

۱۔ چونکہ یہ دعا اور ثناء ہے لہذا بلند آواز سے نہ پڑھے۔ (زر قافی ج ۷ ص ۳۱۴)

۲۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کا امام ہو تو اس امام کی قرأت ہی اس (مقتدی) کی قرأت ہے لہذا اس حدیث کی روشنی میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنا اور سکتہ کی یہ تاویل حدیث میں نہیں بلکہ ابن قیم نے بیان کی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

۳۔ یعنی ہاتھ کاندھوں کے برابر ہوتے اور انگلیاں کانوں کے برابر ہوتیں جس طرح ہمارے ہاں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی



نویں نوعنبی اکرم ﷺ کے رکوع کی مقدار

حضرت ابن جبر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی کی نماز کو رسول اکرم ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا پس ہم نے آپ کے رکوع کو دس تسبیحات اور آپ کے سجدے کو دس تسبیحات کے برابر شمار کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۸)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا رکوع یا سجدہ دونوں سجدوں کے درمیان وقفہ اور جب رکوع سے اٹھتے (قومہ) تقریباً برابر ہوتے سوائے قیام اور قعدہ کے (اس میں زیادہ دیر ٹھہرتے)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث بعض حالتوں پر محمول ہے ورنہ حدیث شریف میں طویل قیام ثابت ہے کیونکہ آپ صبح کی نماز میں ساٹھ سے ایک سو تک آیات اور ظہر میں ”الم السجدہ“ پڑھتے اور نماز کھڑی ہوتی تو جانے والا بقیع کی طرف جاتا اور قضائے حاجت کے بعد گھر کی طرف لوٹ کر وضو کرتا اور پھر مسجد میں آتا تو پہلی رکعت کو پالیتا اور آپ نے سورہ مومنون حتیٰ کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ذکر تک پہنچے اور مغرب کی نماز میں سورہ طور اور سورہ المرسل پڑھی اور ”صحیح بخاری میں“ سورہ اعتراف کا بھی ذکر ہے پس یہ تمام باتیں اس پر دلالت ہے کہ آپ حالات کے مطابق قیام کو لمبا کرتے تھے۔

ابن قیم نے کہا حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ آپ کی نماز اعتدال پر مبنی ہوتی تھی پس جب آپ کی قرأت طویل ہوتی تو رکوع اور سجدہ بھی لمبا ہوتا اور جب نماز ہلکی پھلکی ہوتی تو رکوع اور سجدہ بھی مختصر ہوتا اور کبھی آپ رکوع اور سجدہ کے برابر قیام کرتے تھے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز میں اعتدال اور تناسب اختیار فرماتے (یعنی رکوع اور سجدہ وغیرہ قیام کی مناسبت سے ہوتا تھا)۔

دسویں نوعنبی اکرم ﷺ رکوع میں اور اس سے اٹھتے ہوئے کیا پڑھتے تھے؟رکوع کے کلمات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں عام طور پر یہ کلمات پڑھتے تھے:



سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ  
اَغْفِرْ لِي۔ اے اللہ! ہمارے رب! میں تیری حمد کے ساتھ تسبیح  
کرتا ہوں یا اللہ! مجھے بخش دے۔

آپ قرآن مجید میں تاویل کرتے۔ مطلب یہ کہ جو کچھ قرآن مجید میں حکم دیا گیا اس پر عمل کرتے اور وہ حکم اس طرح ہے:  
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ  
تَوَّابًا۔ (النصر: ۳) پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان  
کریں اور اس سے بخشش مانگیں بے شک وہ بہت توبہ قبول  
کرنے والا ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ آیت کریمہ (مذکورہ) میں دیئے گئے حکم کی بھرپور تعمیل میں یہ عمدہ کلام کرتے۔  
ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے رکوع میں یہ کلمات پڑھتے تھے:  
سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ۔ فرشتوں اور روح کا رب پاک ہے مقدس ہے۔

(صحیح بخاری)  
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ رکوع میں ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ اور سجدے میں  
”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ پڑھتے تھے۔

اور جب آپ رکوع سے پیٹھا اٹھاتے تو یوں کہتے: ا  
سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ  
اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سن لی جس نے اس کی حمد کی  
اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے حمد (تعریف) ہے تمام  
آسمان بھرے ہوئے تمام زمین بھری ہوئی اور جو کچھ اس  
کے بعد تو چاہے وہ بھرا ہوا۔

### نمازی قومہ میں کیا پڑھے؟

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نمازی جب رکوع سے کھڑا ہونا شروع ہو تو ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ کہے اور  
اسے لمبا کرے حتیٰ کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر کھڑا ہونے کی حالت کا ذکر شروع کرے یعنی ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“  
پڑھے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں امام شافعی اور ایک جماعت کے لئے دلالت ہے کہ ہر نماز کے لئے  
وہ امام ہو یا مقتدی یا تنہا مستحب ہے کہ وہ ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ اور ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ کو جمع کرے جب وہ  
رکوع سے کھڑا ہو۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ان دونوں کو جمع کرنا ثابت ہے اور آپ نے فرمایا:

صلوا کما رايتُمونی اصلی۔ نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵ اتہید ج ۵ ص ۱۱۷ سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۷۳-۳۳۶ مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۶۸۳)  
اتحاف السادة المستعین ج ۳ ص ۷۱-۳۰۳ شرح السنہ ج ۲ ص ۲۹۶)

۱۔ رکوع اور سجدے میں نیز قومہ اور جلسہ میں پڑھے جانے والے یہ تمام کلمات لفظ نماز میں پڑھے جائیں فرائض میں نہیں۔ ۱۲ ہزار رو



ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ جب سیدھے کھڑے ہو جاتے تو ”ربنا ولك الحمد“ پڑھتے۔  
اور کبھی ”ربنا لك الحمد“ (واؤ کے بغیر) پڑھتے لیکن ”اللهم“ اور واؤ دونوں کو جمع کرنا صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں ”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے اور اصیلی کی روایت میں مرفوعاً آتا ہے کہ جب امام ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہے تو تم ”اللهم ربنا ولك الحمد“ کہو۔ ۱۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۳۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۷۶-۸۷۷، سنن احمد ج ۲ ص ۳۹۳-۳۵۹، سنن دارمی ج ۱ ص ۳۰۰، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۹۶، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۳۹، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۲، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۹۰۹-۲۹۱۳، نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۷۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۷۳۵-۲۰۳۷۱-۲۰۳۷۲) پس اللهم اور واؤ کو جمع کیا اور یہ ابن قیم کا رد ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

شیخ تقی الدین نے ”شرح العمدة میں“ کہا کہ واؤ کو ثابت رکھنا زائد معنی پر دلالت ہے کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ”ربنا استجب“ (اے ہمارے رب دعا قبول فرما) یا جو اس کے قریب ہو ”ولک الحمد“ اور تیرے ہی لئے حمد ہے پس کلام دعا کے معنی اور خبر کے معنی پر مشتمل ہوگا اور جب واؤ کو ساقط کرنے کا قول کیا جائے تو ان دو میں سے ایک بات پر دلالت ہوگی۔

ابن عراقی نے کہا کہ واؤ کو ساقط کرنے کا قول ابن قدامہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور کہا کہ واؤ عطف کے لئے ہوتی ہے اور یہاں کوئی ایسی بات نہیں جس پر عطف کیا جائے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ سے اس سلسلے میں اختلاف مروی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں باتوں کے بارے میں بے شمار روایات آئی ہیں اور مختار بات یہ ہے کہ یہاں جواز ہے اور دونوں باتیں جائز ہیں! ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یوں فرماتے:

اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَّءَ السَّمَاوَاتِ  
وَمِلَّءَ الْأَرْضِ وَمِلَّءَ مَا بَيْنَهُمَا مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ أَهْلِ  
الْثَنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُنَّا لَكَ  
عَبْدٌ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِي لِمَا  
مَنْعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.

یا اللہ! اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے تعریف ہے  
تمام آسمان بھرے ہوئے زمین بھری ہوئی اس کے بعد جو  
چیز تو چاہے وہ بھری ہوئی تو تعریف اور بزرگی والا ہے جو  
کچھ بندہ کہے تو اس سے زیادہ کا حق دار ہے ہم سب تیرے  
بندے ہیں یا اللہ! جو کچھ تو عطا کرے اس کو روکنے والا کوئی  
نہیں اور جو کچھ تو روک دے اسے عطا کرنے والا کوئی نہیں  
اور کسی مالدار کا مال (تیرے عذاب سے بچاتے ہوئے)  
اسے نفع نہیں دے گا (عمل نفع دے گا)۔

۱۔ اس حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی صرف ربنا لك الحمد کہے۔ ۱۲ ہزاروی



(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۱-۲۰۲-۲۰۶ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۱۱-ج ۲ ص ۱۹۵-۱۹۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶-سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹-سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۱-۳۳۲۳ مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۰-۲۷۵-۳۷۰-ج ۳ ص ۲۸۵-۳۵۶-۳۸۱ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۹۳ نصب الریۃ ج ۱ ص ۳۷۶ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۰۸)

”ملء السموات وملء الارض“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر حمد کا جسم ہوتا تو اس سے تمام آسمان اور زمین بھر جاتے۔  
 ”سمع الله لمن حمده“ کا معنی قبول کیا یعنی جو شخص ثواب حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قبول کرتا ہے اور اسے وہ کچھ عطا کرتا ہے جس کا وہ قصد کرتا ہے۔  
 تو میں ”ربنا لك الحمد“ کہتا ہوں تاکہ یہ مقصد حاصل ہو۔

اور لفظ ”اہل“ ندا (منادی مضاف) ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ”وكلنا لك عبد“ واؤ کے ساتھ ہے یعنی بندے کا سب سے سچا قول یہ ہے کہ ”جو کچھ تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں“ اور دونوں کے درمیان ”وكلنا لك عبد“ جملہ معترضہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی:

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَاْلَاُنْثٰی۔ (آل عمران: ۳۶)  
 (حضرت عمران کی بیوی نے) کہا اے میرے رب! بے شک میں نے اس کو بیٹی جتنا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو انہوں نے جتنا اور وہ (مطلوب) لڑکا (اس) لڑکی کی طرح نہیں۔

اس میں ”والله اعلم بما وضعت“ ان لوگوں کے نزدیک جملہ معترضہ ہے جو عین پر فتح اور تاء کو ساکن پڑھتے ہیں۔  
 ”السجد“ میں جیم پر فتح (زبر) ہے مالدار کو کہتے ہیں یعنی کسی مالدار کو اس کی مالداری تجھ سے (تیرے عذاب سے) بچا نہیں سکتی فائدہ تو صرف ایمان اور اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مطالب بھی بیان کئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔  
 ”صحیح مسلم میں“ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ (اس دعائیں) ”من شئ“ کے بعد یہ الفاظ بھی کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِیْ بِالْقَلْحِ وَالْبَرْدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ۔  
 یا اللہ! مجھے برف، اولوں اور ٹھنڈے پانی کے ساتھ پاک کر دے۔

گیارہویں نوع

نبی اکرم ﷺ کے سجدے کا طریقہ اور اس کے کلمات

نبی اکرم ﷺ جب رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد والے ذکر سے فارغ ہوتے تو تکبیر کہتے اور سجدے میں چلے جاتے اور اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھاتے۔



ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ہاتھ بھی اٹھاتے تھے اور بعض حفاظِ حدیث مثلاً ابن حزم وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ان کو جس بات سے مغالطہ ہوا وہ راوی کا اس قول میں غلطی کرنا ہے کہ ”کان یکبر فی کل خفض ورفع آپ جب بھی نیچے جاتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے“ آگے یوں ہے ”کان یرفع یدہ فی کل خفض ورفع آپ جب بھی نیچے جاتے اور اوپر کی طرف اٹھتے تو ہاتھ اٹھاتے“ اور چونکہ راوی ثقہ ہے پس وہ اس کی غلطی کے سبب کو سمجھ نہ سکے اور اس کا وہم کرتے ہوئے صحیح قرار دیا اس بات سے ”زاد المعاد میں“ آگاہ کیا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھا کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔ پھر اپنی پیشانی اور ناک کو رکھتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

امرت ان اسجد علی سبعة اعظم الجبهة والیدین والرقبتین واطراف القدمین۔ ہاتھ گھٹنے اور قدموں کے کنارے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۷ سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳-۵۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹ سنن داری رقم الحدیث: ۲۰ مسند احمد ج ۱ ص ۲۹-۳۰۵ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۵۱ اتحاد السادة المتقین ج ۳ ص ۹۱ الکامل فی الصغفاء ج ۲ ص ۳۱۶) امام نوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

پس نمازی کو چاہیے کہ ان تمام اعضاء پر سجدہ کرے اور پیشانی اور ناک دونوں پر سجدہ کرے جہاں تک پیشانی کا تعلق ہے تو اسے ننگا کرتے ہوئے زمین پر رکھنا واجب ہے اور بعض حصے پر کفایت بھی ہو سکتی ہے اور ناک کا (زمین پر) رکھنا مستحب ہے اگر اسے چھوڑ بھی دے تو جائز ہے اور صرف ناک پر سجدہ کرے اور پیشانی لگانا چھوڑ دے تو جائز نہیں۔ یہ امام شافعی، امام مالک اور اکثر (فقہاء) رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ظاہر حدیث کے مطابق (پیشانی اور ناک) دونوں کو اکٹھا رکھنے کا قول کیا ہے اور اکثر حضرات نے فرمایا کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک عضو کے حکم میں ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے سات کا حکم دیا اگر ان کو دو عضو قرار دیا جاتا تو آٹھ اعضاء کہا جاتا۔ اور نبی اکرم ﷺ جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی رکھتے حتیٰ کہ آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ اپنے بازوؤں کو اس طرح کشادہ کرتے کہ اگر آپ کے ہاتھوں کے درمیان سے بکری کا بچہ گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔

اور نبی کریم ﷺ سے یہ بات مذکور نہیں ہے کہ آپ نے اپنے عمامہ شریف کے کنارے پر سجدہ کیا اور کسی صحیح اور حسن حدیث میں بھی آپ سے یہ بات ثابت نہیں لیکن امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے مصنف (مصنف عبد الرزاق) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے عمامہ شریف کے کنارے پر سجدہ کرتے تھے یہ حدیث عبد اللہ بن محرز (راوی) کی روایت سے مروی ہے اور وہ متروک ہے۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے مراسل میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا اس نے اپنی پیشانی پر سجدہ کیا اور اس نے عمامہ باندھ رکھا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے (پیشانی سے) ہٹا دیا۔



نبی اکرم ﷺ سجدے میں ان کلمات کے ساتھ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلِّهٖ دَقَّةً وَجَلِّهٖ اَوَّلَهٗ وَ  
اٰخِرَهٗ عَلَانِيَةً وَسِرًّا۔  
پہلے اور پچھلے ظاہر اور پوشیدہ۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا۔  
”دَقَّةً وَجَلِّهٖ“ دونوں کا پہلا حرف مکسور ہے یعنی تھوڑے اور زیادہ (گناہ)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: میں نے ایک رات نبی اکرم ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو آپ کو  
تلاش کیا چنانچہ میرے ہاتھ آپ کے قدموں کے نچلے حصے پر لگے آپ حالت سجدہ میں تھے اور دونوں پاؤں کھڑے تھے  
اور یہ کلمات فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ  
وَبِمَعَاْفَاَتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاُعُوْذُ بِكَ مِنْكَ  
لَا اَحْصِیْ ثَنَاءَ عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی  
نَفْسِكَ۔ (صحیح مسلم)  
یا اللہ! بے شک میں تیری رضا کے ساتھ تیری  
ناراضگی سے اور تیرے عفو کے ساتھ تیرے عذاب سے پناہ  
چاہتا ہوں اور تجھ سے (تیرے عذاب سے) تیری ہی پناہ  
میں آتا ہوں میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو اسی طرح جس  
طرح تو نے خود اپنی تعریف کی۔

خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں لطیف معنی ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور اس سے سوال کیا کہ وہ  
اپنی ناراضگی سے اپنی رضا میں اور اپنے عذاب سے اپنی عفو و درگزر میں پناہ دے رضا اور سخط (ناراضگی) ایک دوسرے کی  
ضد اور ایک دوسرے کے مقابل ہیں اسی طرح معاف کرنا اور عذاب بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں تو جب آپ نے اس کا  
ذکر کیا جس کی کوئی ضد نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ ہے تو اس سے اسی کی پناہ طلب کی۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی  
عبادت اور تعریف سے جو کچھ واجب ہے اس میں کوتاہی سے طلب مغفرت ہے۔ ”لا احصی ثناء علیک“ کا معنی  
یہ ہے کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ مکمل طور پر اس کو عمل میں لاسکتا ہوں۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تیری  
نعمت اور احسانات اور ان کی وجہ سے تیری ثناء کا شمار نہیں کر سکتا اگرچہ میں تیری ثناء کی کوشش کرتا ہوں۔

اور ”انت کما اثنت علی نفسک“ میں تفصیلی ثناء سے عاجزی کا اعتراف ہے کہ آپ اس کی حقیقت تک  
پہنچنے پر قادر نہیں ہیں اور اس کی اجمالی ثناء کرنے کا اعتراف ہے تفصیل، گنتی اور تعین کا اعتراف نہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ  
کے سپرد کر دیا جو ہر چیز کا اجمالاً اور تفصیلاً احاطہ کرنے والا ہے۔ اور جس طرح اس کی صفات کی کوئی انتہاء نہیں اسی طرح اس  
کی ثناء کی بھی کوئی انتہاء نہیں کیونکہ ثناء اس ذات کے تابع ہوتی ہے جس کی ثناء کی جاتی ہے پس جس چیز کے ساتھ اس کی  
تعریف کی جائے وہ اگرچہ زیادہ اور طویل ہو اور اس میں مبالغہ کیا جائے اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سے زیادہ غالب اس کی  
صفات اس سے زیادہ بڑی اور اس کا فضل و احسان زیادہ وسیع اور کامل ہے۔

یہاں ایک لطیف فائدہ ہے جو بعض محققین نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رکوع اور سجدے میں قرآن مجید  
پڑھنے سے منع فرمایا ”لطیفہ یہ ہے کہ قرآن مجید سب سے زیادہ شرف والا کلام ہے اور رکوع اور سجدہ بندے کی ذلت اور جھکے



کی حالتیں ہیں پس کلام الہی کا ادب یہ ہے کہ ان دو حالتوں میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے اور قیام کی حالت اس (قرأت) کے زیادہ لائق ہے۔ واللہ اعلم

امام ابو داؤد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پانی اور گارے پر سجدہ فرمایا۔ ۱۔  
اور نبی اکرم ﷺ سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے سر انور اٹھاتے لیکن ہاتھ نہ اٹھاتے پھر بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے اور  
دایاں پاؤں کھڑا کرتے۔

اور نبی اکرم ﷺ استراحت کے لئے معمولی قدر بیٹھتے اس طرح کہ آپ کے اعضاء مبارک واضح طور پر پرسکون  
ہو جاتے پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے جیسا کہ ”صحیح بخاری میں“ ہے۔ ۲۔  
امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اور ہمارا (شافعی مسلک والوں کا) مذہب یہ ہے کہ ہر اس رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد یہ جلسہ حقیفہ مستحب  
ہے جس میں اٹھنا ہو اور نماز میں سجدہ تلاوت کے وقت مستحب نہیں ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ دو سجدوں کے درمیان یہ کلمات کہتے تھے:  
اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ  
یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت  
دے مجھے عافیت عطا فرمایا اور مجھے رزق عطا کر۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام دارمی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

بارہویں نوع

## نبی اکرم ﷺ کا تشہد کے لئے بیٹھنا

نبی کریم ﷺ جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا لیتے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے۔  
امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھتے تھے اور اس حدیث میں حضرت  
(امام اعظم) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی موافقت کرنے والوں کے لئے دلیل ہے کہ نماز میں پاؤں کو بچھا کر بیٹھنا ہوتا ہے  
اور اس سلسلے میں بیٹھنے کے تمام مواقع برابر ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تو رک سنت ہے یعنی اپنے بائیں پاؤں کو اپنے نیچے سے نکال کر سرین کوزمین سے ملائے۔

۱۔ لیلۃ القدر کی صبح ایسا ہوا ”سنن ابو داؤد میں“ نہایت اختصار ہے جب کہ ”صحیح بخاری و مسلم“ سنن ابی داؤد (میں بھی) سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ  
میں ہے ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں ہے اور میں نے اپنے آپ کو  
گارے اور پانی میں سجدہ کرتے دیکھا اور مسجد کی چھت کجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی اور آسمان میں بادل نہ تھے پھر ایک ٹکڑا آیا اور بارش  
برسنا شروع ہوئی تو حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور آپ کی پیشانی پر میں نے گارے اور پانی کا نشان دیکھا۔ (زرقاتی ص ۳۲۳)

۲۔ اس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں احناف کے نزدیک بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ٹیک لگائے بغیر سیدھا کھڑا ہونے کا  
حکم دیا آپ نے کمزوری کی وجہ سے ایسا کیا لہذا اس عذر کے بغیر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی



امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ بیٹھنے کی تمام حالتوں میں پاؤں کو بچھائے سوائے اس بیٹھنے کے جس کے بعد سلام ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بیٹھنے کے چار مواقع ہیں (یا چار جلسے ہیں) دو سجودوں کے درمیان بیٹھنا، ہر اس رکعت میں جلسہ استراحت جس کے بعد قیام ہو پہلے تشہد کے لئے جلسہ اور آخری تشہد کے لئے جلسہ۔

نوٹ: اصطلاحی طور پر جلسہ دو سجودوں کے درمیان بیٹھنے کو کہتے ہیں یہاں اس سے بیٹھنا مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

(امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک) ان تمام جلسوں میں پاؤں کو بچھا کر بیٹھنا سنت ہے سوائے آخری قعدے کے۔

اگر نمازی پر سجدہ سہولاً لازم ہو تو زیادہ صحیح قول یہ کہ وہ تشہد میں پاؤں کو بچھا کر بیٹھے پس جب سہو کے دو سجودے کر لے تو پھر تورک کرے (بائیں پاؤں کو باہر نکالے) پھر سلام پھیرے یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تفصیل ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس (مندرجہ بالا) حدیث کے اطلاق سے استدلال کیا ہے (کہ اس میں مطلق حکم ہے کسی جلسہ کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے جو ”صحیح بخاری میں“ منقول ہے اور اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ پہلے قعدے میں پاؤں کو بچھائے اور نماز کے آخری قعدے میں تورک کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو آخری تشہد کے علاوہ بیٹھنے پر محمول کیا جائے گا تا کہ ان احادیث کو جمع کیا جاسکے۔

اس میں اور اس کے ساتھ ساتھ ابن قیم کے اس قول میں جو ”الہدی النبوی“ میں ہے بھی غور کریں۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی نے نقل نہیں کیا کہ پہلے تشہد میں آپ ﷺ کے بیٹھنے کا یہ طریقہ تھا (یعنی پاؤں کو بچھانا) اور میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے یہ قول کیا ہو۔

ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کی موجودگی میں فرمایا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں انہوں نے فرمایا پھر بیان کیجئے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث ذکر کرتے کرتے فرمایا حتیٰ کہ جب وہ سجدہ ہوتا جس میں سلام پھیرنا ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اپنے بائیں پاؤں کو باہر نکال کر تورک کرتے ہوئے بائیں جانب (سرین) پر بیٹھتے پھر سلام پھیرتے۔ صحابہ کرام نے فرمایا آپ نے سچ کہا نبی اکرم ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

”سنن ابی داؤد میں ہے کہ“ جب آپ دور کعتوں کے بعد بیٹھتے تو بائیں پاؤں کے پیٹ پر بیٹھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر دیتے اور جب چوتھی رکعت میں ہوتے تو سرین مبارک زمین پر لگاتے اور بائیں پاؤں ایک جانب کو نکال دیتے۔ اور رسول اکرم ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو بائیں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دائیں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپن (۵۳) کی گرہ بناتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔

نوٹ: انگوٹھے اور درمیان والی انگلی کا گول دائرہ بناتے ہوئے جو پانچ کا ہندسہ معلوم ہوتا اور باقی انگلیاں تین کا ہندسہ نظر آتیں اور آپ کلمہ شہادت کے وقت ایسا کرتے تھے۔ ۱۲ ہزاروی

۱۔ امام زرقانی فرماتے ہیں غور کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو

دیکھا کہ آپ نے ایسا کیا اور بہت سے لوگوں نے روایت کیا لہذا ان سے نقل کرنے کی نفی صحیح نہیں نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے مستحب قرار

دیا اور ابن قیم شافعی المسلک ہیں۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۲۵)



”صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور انگوٹھے سے ملی ہوئی دائیں (ہاتھ کی) انگلی کو اٹھاتے اور دو انگلیوں کو بند کر کے دائرہ بناتے پھر اپنی انگلی کو اٹھاتے ہم نے دیکھا کہ اسے حرکت دیتے اور دعا مانگتے اور آپ کا بایاں ہاتھ گھٹنے پر ہوتا اور آپ اسے اس سے کھلا رکھتے۔

”صحیح مسلم میں ہی“ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس (انگلی) کے ساتھ اشارہ کرتے اور اسے حرکت نہ دیتے۔ ۱۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی دائیں کہنی کو دائیں ران پر بچھاتے اور دو انگلیوں کو بند رکھتے ہوئے (درمیان انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ) گھیرا بناتے پھر (شہادت والی) انگلی کو اٹھاتے میں نے دیکھا کہ آپ اسے حرکت دیتے اور دعا مانگتے۔

نبی اکرم ﷺ اپنی انگلیوں کو ہاتھوں کو اٹھانے کی صورت میں رکوع میں ۲ سجدے اور تشہد کی حالت میں (ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرتے) اور سجدے کی حالت میں پاؤں کی انگلیوں کو بھی قبلہ رخ رکھتے۔

تیرہویں نوع

## نبی اکرم ﷺ کا تشہد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ اس جلسہ (آخری جلسہ) میں تشہد پڑھتے اور صحابہ کرام کو سکھاتے کہ یوں کہیں:

التحيات المباركات الصلوات الطيبات	تمام بابرکت قوی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے
لله السلام عليك ايها النبي ورحمة الله	لئے ہیں اے نبی! آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور
وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين	برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو
اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور
ورسوله. (صحیح مسلم)	میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور
	رسول ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو اختیار کیا ہے کیونکہ ان میں ”البارکات“ کا اضافہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد کو اختیار نہیں کیا اگرچہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ بات کہی ہے (کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے تشہد ابن مسعود کو اختیار کیا لیکن یہ سبقت قلم سے لکھا گیا)۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے جو ربیع بن سلیمان سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت امام شافعی، حضرت ابن ۱۔ بیان جواز کے لئے دونوں عمل فرمائے تاکہ کسی ایک کو ضروری نہ سمجھ لیا جائے احناف کا عمل حرکت نہ دینے پر ہے کیونکہ نماز کے موافق یہی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ رکوع کی حالت میں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑنا ہوتا ہے جس میں انگلیاں قبلہ رخ نہیں ہو سکتیں۔ ۱۲ ہزاروی



عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کرنے کے بعد پوچھنے والے کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم دیکھتے ہیں اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے مختلف روایات آئی ہیں پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔  
امام شافعی رحمہ اللہ نے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا پس جب میں نے اس میں گنجائش دیکھی اور میں نے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث صحیح سنی اور دوسری مرفوع روایات کے مقابلے میں اس میں زیادہ الفاظ دیکھے تو میں نے اسے اختیار کیا میں اس کو اختیار کرتے ہوئے دوسری روایت کو اختیار کرنے والوں کو ملامت نہیں کرتا۔  
یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام کا آخری حصہ ہے اور اس میں افضلیت کی وضاحت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی علم ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام احمد، جمہور فقہاء اور علمائے حدیث رحمہم اللہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد افضل ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک یہ زیادہ صحیح ہے۔

نوٹ: ہمارے ہاں جو تشہد پڑھا جاتا ہے یہ تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد جو ان کا اپنا قول ہے افضل ہے کیونکہ انہوں نے منبر پر لوگوں کو اس کی تعلیم دی اور کسی نے ان سے اختلاف نہیں کیا پس یہ اس کی فضیلت پر دلالت ہے۔  
نوٹ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے تشہد میں ”التحیات للہ“ کے بعد ”الزاکیات للہ“ ہے اور اس کے بعد ”الطیبات الصلوٰت للہ“ کے کلمات ہیں باقی الفاظ میں کوئی اختلاف نہیں۔

### تشہد پڑھنے کا حکم

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ پہلا تشہد سنت اور دوسرا واجب ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا واجب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا واجب ہے اگر (بھول کر) رہ جائے تو اس نقصان کو سجدہ سہو سے پورا کیا جائے اور دوسرا فرض ہے اس کو چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قعدوں میں تشہد سنت ہے۔  
امام مالک رحمہ اللہ ہے ایک (ضعیف) روایت مروی ہے کہ آخری تشہد واجب ہے اور نبی اکرم ﷺ دونوں قعدوں میں تشہد پڑھتے تھے۔

### تشہد کے کچھ معانی

”غیلانیات (ابوطالب بن غیلان کی طرف منسوب ہے اور یہ حدیث کی تخریج ہے) میں“ حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سکھاتے ہوئے فرمایا یہ نبی اکرم ﷺ کا تشہد ہے:

۱۔ احناف کے نزدیک تشہد دونوں قعدوں میں واجب ہے ہدایہ میں ہے ویبشہد وهو واجب عندنا (اور تشہد پڑھے اور ہمارے نزدیک یہ واجب ہے)۔ (ہدایہ اولین ص ۹۳)

واجبات نماز کے ضمن میں ہے دونوں قعدوں میں پورا تشہد پڑھنا یوں ہیں جتنے قعدے کرنا پڑیں سب میں پورا تشہد واجب ہے۔

(بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۷) ۱۲ ہزاروی



التحيات لله والصلوات والطيبات السلام  
عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته السلام  
علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله.

تمام قوی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں  
اے نبی! ﷺ آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکتیں  
ہوں ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں  
گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں  
گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور  
رسول ہیں۔

یہ کلمات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے کلمات جیسے ہیں۔ اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے  
عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں ایک اچھا فائدہ ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا تشہد ہمارے تشہد کی  
طرح ہے (یعنی واشہد ان محمدا عبده ورسوله کے کلمات ہیں)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گویا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے امام رافعی سے منقول ان کے اس قول کا رد  
کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ تشہد میں "اشہد انی رسول اللہ" پڑھا کرتے تھے۔

اور محدثین کرام نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ سے واضح الفاظ میں اس طرح مروی نہیں ہے۔  
ہاں! "صحیح بخاری میں" حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کا زور راہ کم ہو گیا  
پھر انہوں نے حدیث بیان کی کہ اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اشہد ان لا اله الا الله وانی رسول الله میں  
گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔"

امام بیضاوی نے تشہد کے لطائف میں سے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو سکھایا کہ وہ آپ کے شرف  
اور ان پر آپ کے زائد حق کی وجہ سے آپ کا ذکر الگ کریں۔

پس اگر کہا جائے کہ یہ لفظ (السلام عليك ايها النبي) کیسے جائز ہوگا جب کہ یہ انسان کو خطاب ہے اور نماز  
میں ایسا کرنا منع ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اگر تم کہو کہ "السلام عليك  
ايها النبي" میں بطور غائب ذکر سے خطاب کی طرف عدول میں کیا حکمت ہے جب کہ سیاق کلام کا تقاضا ہے کہ بطور  
غائب "السلام على النبي" کہا جاتا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کلمات تحیت پیش کرنے (التحيات لله آخريكم) کے  
بعد نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں تحیت (سلام) پیش کیا جاتا اور پھر نیک لوگوں کی خدمت میں سلام پیش ہوتا۔

طیبنے نے اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تو نبی اکرم ﷺ کے الفاظ کی اتباع کرتے ہیں جو آپ نے  
صحابہ کرام کو سکھائے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں کے طریقے پر اس بات کا بھی احتمال ہے کہ جب نماز کی التحیات  
کے ذریعے ملکوت (عالم غیب) کا دروازہ کھلواتے ہیں تو انہیں اس ذات کے حرم پاک میں داخل ہونے کی اجازت ملتی  
ہے جو زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا تو شرف ہمکامی سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اب ان کو آگاہ کیا جاتا  
ہے کہ یہ (اعزاز) نبی رحمت کے واسطے اور ان کی متابعت کی برکت سے حاصل ہوا ہے پس جب وہ متوجہ ہوتے ہیں تو  
محبوب حرم محبت میں موجود ہوتے ہیں تو وہ "السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته" کہتے ہوئے آپ



ﷺ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

امام حکیم ترمذی نے ”السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین“ کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص اس سلام سے حصہ حاصل کرنا چاہے جسے لوگ اپنی نمازوں میں بطور سلام پڑھتے ہیں تو اسے نیک بندہ بننا چاہیے ورنہ اس فضل عظیم سے محروم ہو جائے گا۔

قَالَ (ابو بکر محمد بن علی اسماعیل) متوفی ۳۶۵ھ ۱ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ نماز کا چھوڑنا تمام مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ نمازی کہتا ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ .

یا اللہ! مجھے بخش دے اور تمام مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو بخش دے۔

اور تشہد میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہنا ضروری ہے پس نماز نہ پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کی عبادت نبی اکرم ﷺ کے حق اپنے ذاتی حق اور عام مسلمانوں کے حق میں کوتاہی کرتا ہے اسی لئے نماز چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ۱

امام سبکی نے اس سے بطور اجتہاد یہ ثابت کیا ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ ساتھ بندوں کا حق بھی ہے اور جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے وہ تمام مومنوں کی حق تلفی کرتا ہے چاہے وہ مومن گذر گئے یا قیامت تک آتے رہیں گے کیونکہ نماز میں ”السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین“ پڑھنا ضروری ہے۔

### تشہد کے بعد درود شریف کا حکم

آخری تشہد کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے وجوب سے ۲ متعلق گفتگو اور اس سلسلے میں مباحث درود شریف کی فضیلت کے ضمن میں پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

امام طبرانی سے مرفوع حدیث منقول ہے جو حضرت ہبل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا صلوة لمن لم یصل علی نبیہ .

جو شخص اپنے نبی ﷺ پر درود شریف نہیں بھیجتا اس کی نماز (کامل) نہیں۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۷۹ سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۵۵ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۲۶)

اسی طرح (یہ حدیث) ابن ماجہ اور دارقطنی (رحمہما اللہ سے بھی مروی ہے)۔

امام دارقطنی کے نزدیک حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

۱ (الاعلام ج ۶ ص ۲۷۴ وفيات الاعیان ج ۱ ص ۳۵۸ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۷۶ مفتاح السعادة ج ۱ ص ۲۵۲ اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۱۷)

عیون التوارخ ج ۱۲ ص ۱۶۹)

۲ بلکہ ماں باپ کے حق کو بھی ترک کرتا ہے کیونکہ نماز میں ماں باپ کی مغفرت کے لئے بھی دعا ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

۳ احناف کے نزدیک نماز میں درود شریف پڑھنا سنت ہے واجب نہیں۔ ۱۲ ہزاروی



من صلی صلاة لم یصل فیہا علی وعلیہ  
 اہل بیتی لم تقبل منه۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۵۵ رقم  
 الحدیث: ۶۰ نصب الرایۃ ج ۳ ص ۴۲۷)  
 جو شخص نماز پڑھے لیکن اس میں مجھ پر اور میرے اہل  
 بیت پر درود شریف نہ پڑھے اس سے (نماز) قبول نہیں ہو  
 گی۔

### کیا رسول اکرم ﷺ کے لئے رحمت کی دعا مانگی جائے؟

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا تشہد احدکم فی الصلوۃ فلیقل اللہم  
 صل علی محمد وعلی آل محمد وارحم  
 محمدًا وال محمد کما صلیت وبارکت  
 وترحمت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم  
 انک حمید مجید۔ (المسند رک)  
 جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں تشہد پڑھے تو یوں  
 کہے اے اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر اور آپ کی آل پر  
 رحمت نازل فرما اور حضرت محمد (ﷺ) پر اور آپ کی آل پر  
 رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور آپ  
 کی آل پر رحمت و برکت نازل فرمائی اور رحم فرمایا بے شک  
 تو تعریف کیا ہوا بزرگی والا ہے۔

ایک جماعت اس کی صحیح میں دھوکے کا شکار ہوئی کہ یہ یحییٰ بن سباق کی روایت سے ہے اور وہ مجہول ہے وہ ایک مبہم (غیر  
 معروف) شخص سے روایت کرتا ہے۔ ابن عربی نے اس کے انکار میں مبالغہ سے کام لیا اور فرمایا کہ ابن ابی زید نے لفظ  
 ترجمہ کا جو اضافہ کیا ہے اس سے بچو کیونکہ یہ بدعت کے قریب ہے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز کی کیفیت وحی کے  
 ذریعے بتائی پس اس میں اضافہ اس (کیفیت) پر زیادتی ہے (جو جائز نہیں)۔  
 حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ابن ابی زید نے ”الرسالہ“ میں تشہد کی کیفیت کے ضمن میں بیان کیا جب انہوں نے تشہد میں مستحب امور کا ذکر کیا  
 اسی سے یہ ہے: اللہم صلی علی محمد وال محمد (آخر تک)  
 اس میں وترحم علی محمد وال محمد وبارک علی محمد وآل محمد (آخر تک) بھی ہے۔  
 (ترجمہ پہلے ہو چکا ہے)۔

اگر اس کا انکار اس لئے ہے کہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو یہ بات تسلیم ہے ورنہ کسی شخص کا یہ دعویٰ کہ ”ارحم  
 محمدًا“ (یا اللہ حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما) نہ کہا جائے تو یہ بات مردود ہے کیونکہ متعدد احادیث میں یہ بات ثابت ہے  
 جن میں سے سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ تشہد میں ”السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ ہے (اس  
 میں رحمت کا ذکر ہے)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: پھر مجھے ابن ابی زید کا مآخذ مل گیا۔ طبری نے اپنی کتاب ”تہذیب الآثار“ میں حضرت  
 حنظلہ بن علی کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

(کشف الظنون ج ۱ ص ۵۱۴)

من قال اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم



وبارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی ال ابراہیم وترحم علی محمد وعلی آل محمد کما ترحم علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم. شہدت له یوم القیامۃ وشفعت له.

جو شخص یہ (مندرجہ بالا) درود شریف پڑھے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

اس کی سند کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں البتہ سعید بن سلیمان جو سعید بن عاص کے آزاد کردہ غلام ہیں اور حضرت حنظلہ بن علی سے روایت کرتے ہیں، مجہول ہیں۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے اس میں رحمت کا ذکر سلام یا صلوٰۃ سے ملا ہوا ہے۔

ابن عربی رحمہ اللہ نے انکار کے سلسلے میں شافعی مسلک کے صیدلانی کی موافقت کی ہے اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جمہور سے مطلق جواز نقل کیا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ”المکملہم میں“ فرمایا کہ یہی بات (رحمت کا ذکر) صحیح ہے کیونکہ اس سلسلے میں احادیث آئی ہیں لیکن ان کے علاوہ حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے، حنفی فقہ کی کتاب ”الذخیرہ میں“ حضرت محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں نقص کا وہم پایا جاتا ہے کیونکہ عام طور پر رحمت ایسے فعل سے متعلق ہوتی ہے جس پر ملامت کیا جائے۔

ابن عبدالبر نے اسے قطعی طور پر منع کیا اور فرمایا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر کرے تو رحمہ اللہ کہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یوں فرمایا ”من صلی علی“ (جس نے مجھ پر درود بھیجا) یہ نہیں فرمایا ”من ترحم علی“ (اور جس نے میرے لئے رحمت کی دعا کی) اور نہ یہ فرمایا ”من دعا لی“ (جس نے میرے لئے دعا کی) اگرچہ صلوٰۃ کا معنی رحمت ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے پیش نظر آپ کے لئے یہ لفظ مخصوص ہے اس سے کسی دوسرے شخص کی طرف نہ پھرا جائے۔

**تشہد کے بعد حضور ﷺ پر درود شریف بھیجنا**

ابوالعباس السراج نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں؟ فرمایا یوں کہو:

”اللہم صل علی محمد وعلی ال محمد وبارک علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت وبارکت علی ابراہیم وال ابراہیم انک حمید مجید“ (ترجمہ واضح ہے)۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں یوں منقول ہے:

۱۔ مطلب یہ کہ کسی دوسرے شخص کے لئے صلوٰۃ کا لفظ استعمال نہ کیا جائے اگرچہ معنوی اعتبار سے درست ہے جیسے عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے لہذا حضور ﷺ کے لئے نہیں بولا جاتا اگرچہ معنوی کے اعتبار سے صحیح ہے (زرقانی ج ۷ ص ۳۳۱) راقم کے خیال میں اسی ضابطے کے مطابق رضی اللہ عنہ کا لفظ بھی صرف صحابہ کرام کے لئے بولا جائے اور بزرگان دین کے لئے رحمۃ اللہ علیہ استعمال کیا جائے اسی طرح علیہ السلام بھی صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے استعمال کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲ ہزار روئی



اللهم اجعل صلواتك ورحمتك يا الله! اپنی صلوات اور رحمتیں اور برکتیں حضرت محمد وبرا کاتک علی محمد وعلی ال محمد کما (ﷺ) اور آپ کی آل پر نازل کر دے جس طرح تو نے جعلتها علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو (یہ رحمتیں اور برکتیں) عطا فرمائی ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے نقل کی ہے ”علی محمد النبی الامی“ کے الفاظ بھی ہیں (یعنی حضرت محمد ﷺ پر جو نبی ہیں اور کسی سے بڑھے ہوئے نہیں ہیں)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

علی محمد عبدک ورسولک کما حضرت محمد ﷺ پر (رحمت نازل فرما!) جو تیرے خاص بندے اور تیرے رسول ہیں جس طرح تو نے حضرت صلیت علی ابراهیم۔ ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی ہے۔

اس روایت میں ”آل محمد ﷺ اور آل ابراہیم علیہ السلام“ کا ذکر نہیں ہے۔

”سنن ابی داؤد میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

اللهم صل علی محمد النبی وازواجه یا الله! حضرت محمد ﷺ پر جو نبی ہیں اور آپ کی امہات المومنین وذریئہ واهل بیتہ۔ ازواج مطہرات پر جو مومنوں کی مائیں ہیں اور آپ کی اولاد اور آپ کے اہل بیت پر رحمت نازل فرما۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں ”فی العالمین انک حمید مجید“ کے الفاظ بھی ہیں (یعنی تمام جہانوں میں آپ پر درود ہو بے شک تو تعریف کیا ہوا بزرگی والا ہے)۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح المہذب میں“ فرمایا کہ صحیح احادیث میں جو کچھ ہے اسے جمع کر کے یوں کہے:

اللهم صل علی محمد النبی الامی وعلی آل محمد وازواجه وذریئہ کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم فی العالمین انک حمید مجید۔ (ترجمہ واضح ہے)۔

امام نووی رحمہ اللہ سے ”الاذکار میں“ اس کی مثل منقول ہے البتہ ”صل علی محمد“ کے بعد ”عبدک ورسولک“ کا اضافہ ہے اور ”بارک“ میں یہ اضافہ نہیں ہے۔

انہوں نے ہی ”التحقیق والفتاوی“ میں اس کی مثل ذکر کیا البتہ ”النبی الامی“ کے الفاظ ذکر نہیں کئے ”الاسنوی“ نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ صحیح احادیث میں ثابت ہے امام نووی نے اس سب کا احاطہ نہیں کیا علاوہ ازیں ان کے کلام میں اختلاف بھی ہے۔

اذرعی نے فرمایا کہ جو کچھ امام نووی نے فرمایا ان سے پہلے کسی نے نہیں کہا اور زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ تشہد پڑھنے والا سب سے زیادہ کامل روایت پر عمل کرے اور جیسے ثابت ہے اسی طرح پڑھے کبھی یہ اور کبھی وہ جہاں تک (روایات کے الفاظ کو) ملانے کا تعلق ہے تو اس سے تشہد میں ایک نئی صفت پیدا کرنا لازم آتا ہے کہ کسی ایک حدیث میں یہ تمام باتیں جمع



نہیں ہیں ابن قیم نے اس معنی (اعتراض) کی طرف سبقت کی ہے (یہ نئی صفت ممنوع نہیں کیونکہ وہی لفظ پڑھے جائیں گے جو منقول ہیں ابن قیم وغیرہ کا تو یہی طریقہ ہے کہ عام مسلمانوں کے طریقے کی مخالفت کریں۔ ۱۲ ہزاروی)۔

### نماز میں دعا

نبی اکرم ﷺ نماز میں یوں دعا مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ  
بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اللَّهُمَّ وَأَعُوذُ  
بِكَ مِنَ الْمَائِمِ وَالْمَغْرَمِ.  
یا اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور مسیح  
دجال کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں زندگی اور موت  
کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! اور میں گناہ اور قرض  
سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ایک شخص نے پوچھا آپ اکثر قرض سے پناہ طلب کرتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے؟) تو آپ نے فرمایا جب کوئی شخص قرض دار ہو جاتا ہے تو بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ابن دقیق نے کہا کہ فتنہ الحیا (زندگی کے فتنہ) سے مراد وہ فتنہ ہے جو انسان کو زندگی میں درپیش ہوتا ہے وہ دنیا خواہشات اور جہالتوں کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں سب سے بڑا فتنہ موت کے وقت خاتمہ کا فتنہ ہے اور موت کے فتنہ (فتنہ الموت) سے مراد ہو سکتا ہے موت کے وقت فتنہ مراد ہو اور موت کی طرف اضافت اس کے قریب ہونے کی وجہ سے کی گئی ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے قبر کا فتنہ مراد ہو اس صورت میں ”عذاب القبر“ (کے ذکر) کے ساتھ تکرار نہیں ہوگا کیونکہ عذاب فتنہ پر مرتب ہوتا ہے اور سبب مسبب کا غیر ہوتا ہے (یعنی فتنہ سبب ہے اور عذاب اس کے نتیجے میں آتا ہے جو مسبب ہے)۔

حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے ”نوادراصول میں“ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب میت سے سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان اس کے سامنے آ کر اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تمہارا رب ہوں اسی لئے حدیث میں (قبر میں) سوال کے وقت ثابت قدمی کی دعا کرنے کا ذکر آیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۷)

سوال: اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اگلے پچھلے ہر قسم کے خلاف اولیٰ کام بخش دیئے گئے تو آپ کا دعا کرنا کس مقصد کے تحت ہے؟

جواب: تو اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دینے کا ارادہ کیا۔

(۲) اس سوال سے مقصود امت کے لئے (ثابت قدمی کا) سوال کرنا تھا (اپنے لئے نہیں) پس یہاں معنی یہ ہوگا کہ میں

اپنی امت کے لئے پناہ طلب کرتا ہوں۔

۱۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کی طرف ذنب کی اضافت سے امت کے اگلوں پچھلوں کے گناہ مراد لئے ہیں

کیونکہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں اس جواب سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام کی اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہاں امت کی پناہ

کی دعا ہے لیکن اضافت حضور ﷺ کی طرف ہے۔ ۱۲ ہزاروی



(۳) یہ تو اضع کے راستے پر چلنا بندگی کا اظہار اللہ تعالیٰ کے خوف کو اپنے اوپر لازم کرنا اس کی بڑائی اور اس کی طرف محتاجی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کے سلسلے میں اس کے حکم کی تعمیل ہے اور قبولیت کے ثابت ہونے کے باوجود بار بار کی طلب منع نہیں ہے کیونکہ یہ نیکیوں کے حصول اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے نیز اس میں امت کو رغبت دینا ہے کہ اس طریقے کو لازم پکڑیں کیونکہ مغفرت کے باوجود بارگاہ خداوندی میں گڑ گڑانے کا عمل ترک نہیں کیا جاتا تو جس کے لئے مغفرت ثابت نہیں ہوئی اس کے لئے اس عمل کو ہمیشہ اختیار کرنا زیادہ لائق ہے۔

### فتنہ دجال سے استعاذہ

نبی اکرم ﷺ نے دجال کے فتنہ سے پناہ مانگی حالانکہ یہ بات ثابت تھی کہ آپ اس میں مبتلا نہیں ہوں گے تو اس پر (اوپر بیان کی) پہلی دو وجہوں کی بنیاد پر اعتراض نہیں ہوتا ہے اور ایک قول کے مطابق تیسری وجہ بھی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں مبتلا نہ ہونے کے ثبوت سے پہلے یہ دعا کی گئی ہو اور اس پر ”صحیح مسلم کی“ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر وہ (دجال) ظاہر ہوا اور میں تم میں موجود ہوا تو میں اس کے مقابلے میں حجت پیش کروں گا (اور اس کے دجل و فریب کو واضح کروں گا)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۱، المسند رک ج ۳ ص ۲۹۲، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۲۱، مشکوٰۃ المصابیح للہنریٰ رقم الحدیث: ۵۴۷۵، مسند الحمیدی ج ۱ ص ۸۷، رقم الحدیث: ۳۶۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۷۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تشہد کے بعد یہ (دعا یہ کلمات پڑھتے تھے):  
 اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ      یا اللہ! میں عذاب جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں  
 وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ      عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، کانے دجال کے فتنہ  
 فَتْنَةِ الدَّجَالِ الْاَعْوَرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ      سے تیری پناہ کا طالب ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے  
 الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ. (سنن ابوداؤد)  
 تیری پناہ کا خواستگار ہوں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تشہد اور سلام کے درمیان (یعنی درود شریف کے بعد) یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِّیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا      یا اللہ! میرے لئے (ان گناہوں کو) بخش دے جو  
 اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ      میں نے آگے بھیجے اور جو میں اس کے بعد کروں جو کچھ میں  
 بِہِیْتِیْ اَنْتَ الْمُقْبِلُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا      چھپاؤں اور جو علانیہ کروں اور جو زیادتی کروں اور جو کچھ تو  
 اَنْتَ. (صحیح مسلم)  
 مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے رکھنے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

ان ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جب آپ سلام پھیرتے تو ”اللهم اغفر لی ما قدمت آخرتک“ پڑھتے۔  
 دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ دوسری روایت کو سلام کے ارادے پر محمول کیا جائے کیونکہ دونوں روایتوں کا مخرج ایک ہی ہے (مطلب یہ کہ جب سلام پھیرنے کا ارادہ فرماتے تو یہ کلمات پڑھتے)۔



ابن حبان نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرتے (تو یہ کلمات پڑھتے) اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ سلام کے بعد یہ کلمات پڑھتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ سلام سے پہلے اور بعد میں بھی پڑھتے ہوں۔

نبی اکرم ﷺ کی اس دعا کے حوالے سے اشکال کا جواب عنقریب آپ کی دعاؤں کے باب میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نبی اکرم ﷺ نماز کے اندر جن مقامات پر دعائیں مانگتے تھے اس کا خلاصہ چھ مقامات ہیں۔  
(۱) تکبیر تحریمہ کے بعد۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے: ”جو صحیح بخاری و مسلم میں“ منقول ہے کہ آپ یوں دعائیں مانگتے:

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ۔  
یا اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان دوری پیدا کر دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵، سنن داری ج ۱ ص ۲۸۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۰۳)  
(۲) رکوع میں دعائیں مانگتے تھے۔ جیسا کہ شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آپ اپنے رکوع و سجود میں اکثر یوں دعائیں مانگتے:

سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ  
یا اللہ! تو پاک ہے اور تیرے لئے ہی تعریف ہے  
اغْفِرْ لِيْ۔  
یا اللہ! مجھے بخش دے۔

(۳) رکوع سے کھڑے ہونے کی حالت میں دعائیں مانگتے۔ جیسا کہ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ آپ ”من شئ بعد“ کے بعد یوں دعائیں مانگتے: اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ نَبِيَّ بِالْقَلَجِ وَالْبَرْدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ۔  
یا اللہ! مجھے برف، اولوں اور ٹھنڈے پانی کے ساتھ پاک کر دے۔

(۴) آپ سجدے میں دعائیں مانگتے اور آپ کی زیادہ دعا سجدے میں ہوتی تھی اور آپ اس کا حکم بھی دیتے تھے۔  
(۵) دونوں سجدوں کے درمیان اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ (آخر تک) کے الفاظ سے دعائیں مانگتے۔  
(۶) تشهد میں دعائیں مانگتے تھے۔

نوٹ: یہ تمام دعائیں تفصیلاً گزر چکی ہیں یہاں صرف ان مقامات کا بطور خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔  
آپ قنوت (قیام) میں بھی دعائیں مانگتے تھے اور قرأت کے دوران جب کسی آیت رحمت پر گزرتے تو دعائیں مانگتے اور جب آیت عذاب پر گزرتے تو پناہ مانگتے تھے۔ یہ تمام باتیں گزر چکی ہیں۔ واللہ اعلم



## چودھویں نوع

## نبی اکرم ﷺ کا نماز سے سلام پھیرنا

## سلام پھیرنے کے سلسلے میں آپ کی سیرت طیبہ

نبی اکرم ﷺ دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے حتیٰ کہ آپ کے چہرہ انور کی سفیدی نظر آتی۔ اسی حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کے واسطے سے ان کے والد سے نقل کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے ”السلام علیکم ورحمة اللہ“ کے الفاظ کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا۔ امام ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا ہے حتیٰ کہ آپ کے چہرہ انور کی سفیدی نظر آ جاتی۔ امام نسائی کی روایت میں ہے حتیٰ کہ آپ کے چہرہ انور کی سفیدی یہاں سے نظر آتی اور (دوسری طرف کے) چہرہ انور کی سفیدی یہاں سے نظر آتی ہے۔

آپ کا دائمی فعل یہ تھا اس حدیث کو پندرہ صحابہ کرام نے آپ سے روایت کیا وہ صحابہ کرام یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت بہل بن سعد، حضرت وائل بن حجر، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت براء بن عازب، حضرت ابو مالک اشعری، حضرت طلق بن علی، حضرت اوس بن اوس، حضرت ابو ثور اور حضرت عدی بن عمرو (رضی اللہ عنہم)۔ (نوٹ: الاصابہ کے مطابق عدی بن عمرو کی بجائے عدی بن عمیرہ صحیح ہے)

(الاصابہ ج ۳ ص ۲۳۱ رقم الترجمہ: ۵۳۷۹)

یہ (مذکورہ بالا) حضرت امام شافعی، حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام احمد اور جمہور (فقہاء) رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔

## سلام پھیرنے سے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

ایک جماعت کے ساتھ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک ایک سلام پھیرنا ہے۔

ہمارے مذہب کی دلیل گزر چکی ہے اور وہ جو مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صرف ایک سلام چہرے کے سامنے پھیرتے تھے تو یہ صحیح سند سے ثابت نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ عمدہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سلام پھیرتے تھے السلام علیکم بلند آواز سے کہتے حتیٰ کہ ہمیں جگا دیتے یہ حدیث معلول ہے اور یہ سنن میں منقول ہے لیکن قیام لیل کے بارے میں ہے۔

اور جن حضرات نے آپ سے دو سلام روایت کئے ہیں انہوں نے وہ بات روایت کی ہے جس کا انہوں نے فرض اور نفل (دونوں قسم کی نمازوں) میں مشاہدہ کیا۔

(نیز) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ایک سلام پر اکتفاء میں صریح نہیں ہے بلکہ انہوں نے تو اس بات کی خبر



دی ہے کہ آپ ایک سلام ایسا پھیرتے تھے جس کے ساتھ ان کو جگادیتے تھے ام المومنین نے دوسرے سلام کی نفی نہیں کی بلکہ اس سے خاموشی اختیار فرمائی اور ان کا خاموش رہنا ان لوگوں کی روایت سے مقدم نہیں جنہوں نے اسے یاد کیا اور یاد رکھا ان حضرات کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ان کی احادیث بھی صحیح ہے۔ واللہ اعلم

### سلام پھیرنے کا حکم

سلام پھیرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد (رحمہم اللہ) اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ فرض ہے اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔

حضرت امام ابو حنیفہ، امام ثوری اور امام اوزاعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ سنت ہے اگر چھوڑ دیا جائے تو نماز ہو جائے گی۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر (نمازی) نماز کے آخر میں کوئی ایسا کام (جان بوجھ کر) کرے جو نماز کے منافی ہے مثلاً بے وضو ہو جانا وغیرہ تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

انہوں نے یوں استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ایک اعرابی کو نماز سکھائی تو اسے سلام نہیں سکھایا۔ ۱۔ جمہور نے حضرت امام ابو داؤد کی (روایت کردہ) حدیث سے استدلال کیا ہے کہ:

مفتاح الصلوة الطهور وتحليلها السلام۔ نماز کی چابی طہارت ہے اور اس سے باہر نکلتا سلام (کے ساتھ) ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۶۱، سنن ترمذی ج ۳ ص ۲۳۸، مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۳، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۷۹، سنن داری ج ۱ ص ۱۷۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۲۹، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۵۳۹، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۲، الکامل ج ۳ ص ۱۳۳۸، التمهید ج ۹ ص ۱۸۵، اتحاف السادة المتقين ج ۲ ص ۲۰۳، المغنی ج ۱ ص ۱۲۵، المحلیہ ج ۷ ص ۱۲۳، ج ۸ ص ۲۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۶۳۲)

### نماز کے دوران طریقہ رسول ﷺ

نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے سر انور کو جھکا دیتے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور آپ کی نگاہ مبارک انگشت شہادت سے تجاوز نہ کرتی (بلکہ اس پر رہتی) اور اللہ تعالیٰ نے نماز کو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا تھا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

وجعلت قرۃ عینی فی الصلوة۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کو مقتدیوں کے احوال کی رعایت سے کوئی بات پھیر نہ سکتی باوجودیکہ آپ کو اپنے رب کی طرف کامل توجہ اور اس کا قرب حاصل ہوتا اور اس کے حضور قلبی حاضری حاصل ہوتی۔

رسول اکرم ﷺ نماز شروع کرتے اور اس کو لمبا کرنے کا ارادہ فرماتے پس کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس ۱۔ اگر چہ ایسا کرنا جائز ہے اور سلام کے علاوہ قصد ایسا عمل کرنے سے نماز مکمل ہو جائے گی جو عمل نماز کے منافی ہے لیکن لفظ سلام چھوڑنے سے



خوف سے نماز میں اختصار فرماتے کہ اس (بچے) کی ماں کے لئے باعث مشقت نہ ہو۔ ۱۔

### نماز کے دوران بچے کو اٹھانا

نبی اکرم ﷺ لوگوں کو نماز پڑھاتے اور آپ کے کاندھے پر امامہ بنت ابی العاص بن ربیع ہوتیں۔

(الاصابہ ج ۸ ص ۱۲ رقم الترجمہ: ۷۰)

حضرت امامہ نبی اکرم ﷺ کی نواسی یعنی آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ان لوگوں کے مسلک پر دلالت کرتی ہے جو ان کے موافق ہیں کہ فرض اور نفل (ہر قسم کی نماز) میں امام مقتدی اور تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے کسی بچے یا بچی یا کسی حیوان کو اٹھانا جائز ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب نے اسے نفل نماز پر محمول کیا ہے اور فرض نماز میں اس کو منع کیا ہے۔ لیکن ان کی یہ تاویل فاسد ہے کیوں کہ حدیث میں یوم الناس کے الفاظ صریح ہیں یا صریح کی طرح ہیں کہ یہ واقعہ فرض نماز میں ہوا بعض مالکی حضرات نے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے بعض حضرات نے کہا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور کچھ نے فرمایا کہ ضرورت کے تحت ایسا کیا۔ یہ سب تاویلات مردود ہیں اور ان پر کوئی دلیل نہیں اور ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ ۲۔

بلکہ صحیح حدیث اس کے جواز میں صریح ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو شریعت کے خلاف ہو کیونکہ انسان پاک ہے اور اس کے پیٹ میں جو نجاست ہے وہ معاف ہے کیونکہ وہ اس کے معدے میں ہے اور بچوں کے کپڑوں اور ان کے جسموں کو طہارت پر محمول کیا جاتا ہے اور دلائل شرعیہ اس پر ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں اور نماز میں عمل تھوڑا ہو یا متفرق ہو تو وہ اسے باطل نہیں کرتا اور نبی اکرم ﷺ کا فعل جواز کے لئے ہے (ضروری اور لازمی نہیں) اور ان قواعد پر تنبیہ ہے جو ذکر کئے ہیں۔

یہ (مندرجہ بالا تقریر) ابوسلیمان خطابی کے دعویٰ کو رد کرتی ہے وہ فرماتے ہیں مناسب یہ ہے کہ یہ فعل نماز میں ان کو اٹھانے کے قصد کے بغیر ہوا ہو بلکہ وہ بچی آپ سے چمٹ گئی اور آپ نے اسے دور نہ فرمایا جب آپ کھڑے ہوئے تو پھر بھی وہ آپ کے ساتھ رہی وہ فرماتے ہیں یہ وہم نہ کیا جائے کہ آپ نے اسے اٹھایا اور پھر رکھ دیا کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور دل کو دوسری طرف متوجہ کرتا ہے جب نبی اکرم ﷺ کی چادر کے نیل بوٹوں نے آپ کی توجہ کو (نماز سے) ہٹا دیا تو اس عمل کی وجہ سے آپ کی توجہ کیسے نہ ہٹی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۲۳-۷۵۲۴-۷۵۱۷)

۱۔ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اس لئے آپ سب کا خیال فرماتے خصوصاً کمزور لوگوں، عورتوں اور بچوں کی رعایت زیادہ فرماتے اور نماز مختصر فرمادیتے لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ دین کے نام پر ایسے کام نہ کریں جو امت کے لئے مشقت کا باعث ہوں۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ اگر نماز میں عمل قلیل پایا جائے تو نماز نہیں ٹوٹی اور عمل کثیر سے ٹوٹ جاتی ہے قلیل عمل وہ ہوتا ہے جسے دیکھنے والا دیکھے تو خیال نہ کرے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا۔ ۱۲ ہزاروی



یہ خطابی کا کلام ہے اور یہ باطل اور محض دعویٰ ہے اس کو رد کرنے والی باتوں میں ”صحیح مسلم کی“ حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں:

فاذا قام حملها واذا رفع من السجود جب آپ کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اسے دوبارہ اٹھاتے۔

”صحیح مسلم کے علاوہ“ کتب میں یہ الفاظ بھی ہیں ”خرج حاملًا امامة و صلي“ نبی اکرم ﷺ حضرت امامہ کو اٹھائے ہوئے تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ جہاں تک نقش و نگار والی چادر کا تعلق ہے تو وہ کسی فائدے کے بغیر دل کی توجہ کو ہٹا دیتی ہے اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ان کی وجہ سے توجہ (نماز سے) ہٹ گئی ہو اور اگر آپ کی توجہ ادھر مہذول ہوئی بھی ہو تو اس پر فوائد مرتب ہوتے ہیں اور ان قواعد کا ذکر ہے جو ہم نے بیان کئے پس اس مشغولیت میں ان فوائد کا احتمال ہے جبکہ چادر والے واقعہ میں یہ بات نہیں تھی۔

بہتر بات جس سے پھر نہیں جاسکتا یہ ہے کہ یہ حدیث ان قواعد کے بیان اور تنبیہ کے لئے ہے پس ہمارے لئے یہ جائز ہے اور قیامت تک ہمیشہ جائز رہے گا۔

نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے پس حضرت حسن یا حضرت حسین (رضی اللہ عنہما) آ کر آپ کی پیٹھ مبارک پر سوار ہو جاتے تو آپ سجدہ لباً کر دیتے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ وہ آپ کی پیٹھ سے گر جائیں۔

### نماز میں حرکت

نبی اکرم ﷺ نماز کے دوران سلام کرنے والے کو اشارہ سے جواب دیتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا (واپسی پر) میں نے آپ کو نماز کی حالت میں پایا تو سلام کیا آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں حبشہ سے آیا تو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے سر کے ساتھ اشارہ کیا۔ ۱۔ اور آپ نماز پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوتی تھیں جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے دست مبارک سے ان کو ٹٹولتے چنانچہ وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں اور جب آپ کھڑے ہوتے تو وہ پھیلا دیتیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نماز میں ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اچکنا ہے جو شیطان بندے کی نماز سے اچکتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۱۱ سنن ترمذی ۵۹ سنن نسائی رقم الباب: ۱۰ مسند احمد ج ۶ ص ۷۷-۱۰۶)

۱۔ نماز میں سلام کا جواب دینا جائز نہیں نہ زبان سے اور نہ اشارے سے اسلام کے آغاز میں بعض احکام کی پابندی نہیں تھی ہو سکتا ہے اس وقت کی بات ہو نیز حضور ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا ہو کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ۱۲ ہزاروی



حضرت امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ غزوہ خنین کے دن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

آج رات کون ہماری درباری کرے گا؟ حضرت انس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں (ہر دوں گا) آپ نے فرمایا سوار ہو جاؤ پس وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس گھائی کی طرف جاؤ حتیٰ کہ اس کے اوپر چلے جاؤ صبح ہوئی تو ہمیں نماز کے لیے پکارا گیا نبی اکرم ﷺ نماز پڑھنے لگے اور آپ گھائی کی طرف دیکھ رہے تھے حتیٰ کہ جب نماز مکمل ہوئی تو فرمایا تمہیں خوشخبری ہو تمہارا سوار آ گیا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۱، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۷۰۷، ج ۹ ص ۱۳۹، المعجم الکبیر ج ۶ ص ۱۱۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۵۰، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۱۸، دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۷۵، ج ۵ ص ۱۲۶، نصب الرایہ ج ۲ ص ۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۸۳۵)

تو آپ کی یہ توجہ نماز میں جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے تھی اور یہ عبادات میں شامل ہے جس طرح نماز خوف ہے (کہ اس میں آنے جانے سے نماز نہیں ٹوٹی)۔

اسی کے قریب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: فرمایا ”میں جہاد کے لئے تیاری کر رہا تھا اور میں نماز میں تھا“ تو یہ جہاد اور نماز کو جمع کرنا ہے اس کی مثال قرآن مجید کے معانی میں غور و فکر کرنا اور اس سے علم کے خزانے نکالنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان سامنے آیا تا کہ آپ کی نماز توڑ دے آپ نے اس کو پکڑ کر اس کا گلا دبایا حتیٰ کہ اس کا تھوک آپ کے مبارک ہاتھوں پر بہنے لگا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت مطرف بن عبد اللہ بن ثخیر اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ کے بطن اقدس سے ہنڈیا کے ایلنے کی طرح آواز آرہی تھی یعنی آپ رو رہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کے سینہ مبارک سے رونے کی وجہ سے چٹکی کی آواز جیسی آواز آرہی تھی۔ (مسند احمد) اور نبی اکرم ﷺ نماز کے دوران آنکھیں بند نہیں کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک پتلا دوپٹہ تھا جس سے گھر کی ایک جانب میں پردہ کرتی تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس پردے کو ہم سے ہٹا دو اس کی تصاویر نماز میں مسلسل میرے سامنے آتی رہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۱) اگر آپ اپنی آنکھیں بند کرتے تو نماز میں وہ (تصاویر) سامنے نہ آتیں۔

علماء کرام کا اس عمل کے مکروہ ہونے میں اختلاف ہے اور حق بات یہ ہے کہ کہا جائے اگر آنکھیں کھولنے سے خشوع میں خلل واقع نہ ہو تو یہ افضل ہے اور اگر اس کے اور خشوع کے درمیان رکاوٹ بنے مثلاً اس کے قبلہ کی جانب کوئی نقش و نگار وغیرہ ہو جس سے دل کی توجہ پھر جاتی ہو تو اس صورت میں آنکھیں بند رکھنا قطعاً مکروہ نہیں بلکہ اس حالت میں بند رکھنا مستحب ہونا مناسب ہے۔



## نماز میں وسوسہ

نبی اکرم ﷺ کی نماز اعتدال پر ہوتی تھی وہ غلو (حد سے تجاوز) سے خالی ہوتی تھی مثلاً عقد نیت میں وسوسہ نیت بلند آواز سے کرنا، وہ اذکار اور دعائیں جو آہستہ پڑھنے کا حکم ہے ان کو بلند آواز سے پڑھنا، جس عمل کو مختصر کرنا ہو اس کو طویل کرنا جس طرح پہلا تشہد وغیرہ وہ امور جن کو اکثر ایسے لوگ کرتے ہیں جو وسوسوں میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان (وسوسوں) سے محفوظ رکھے۔

اور یہ بھی ایک قسم کا جنون ہے اور ایسا شخص یقیناً بدعتی اور اپنے افعال و اقوال میں ایسی باتیں نکالتا ہے جو نبی اکرم ﷺ نے نہیں کی ہیں اور نہ ہی کسی صحابی نے ایسا کیا ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان خیر الہدی ہدی محمد (ﷺ) وشر الامور محدثاتها۔  
بے شک بہترین سیرت حضرت محمد ﷺ کی سیرت ہے اور برے کام ان میں سے نو پیدا کام ہیں۔

اور آپ سے اس طرح بھی مروی ہے:

ایسا کم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعة وکل بدعة ضلالة۔  
نئے کاموں سے بچو! بے شک ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(تلمیس ابلیس ص ۱۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶)

امام الحرمین کی طرف جو کچھ منسوب ہے اس میں یہ بھی ہے کہ وسوسہ عقل کا نقصان ہے یا احکام شریعت سے جہالت ہے۔

ان وسوسہ والوں کی عجیب باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں بعض بار بار طہارت میں مشغول ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان سے جماعت رہ جاتی ہے بعض اوقات تو (نماز) وقت ہی نکل جاتا ہے۔ اور ان میں سے بعض نیت میں مشغول ہوتے ہیں حتیٰ کہ تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات ایک یا زیادہ رکعتیں نکل جاتی ہیں اور ان میں سے بعض قسم کھاتے ہیں کہ وہ اس تکبیر پر زیادہ نہیں کرے گا پھر جھوٹ بولتا ہے (یعنی زیادہ کرتا ہے)۔

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ ان میں سے بعض حالت قیام میں وسوسے میں مبتلا ہوتے ہیں حتیٰ کہ امام رکوع میں چلا جاتا ہے جب رکوع کے نکلنے کا خوف ہوتا ہے تو جلدی جلدی تکبیر کہہ کر رکوع کو پالیتا ہے پس جس شخص کو طویل قیام کی حالت میں فارغ دل کے ساتھ نیت حاصل نہ ہو اسے تنگ وقت میں رکعت کے فوت ہونے کے خیال میں مشغولیت کی صورت میں نیت کیسے حاصل ہوگی؟

ان لوگوں میں سے بعض بار بار اللہ اکبر کہتے ہیں جس سے دوسرے مقتدی تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات مکروہ ہے۔

ان میں سے بعض کے اعضاء میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے وہ پیشانی کو میڑھا کرتا ہے اس کی آنکھوں کی رگیں کھڑی ہوتی ہیں بدعت کا لغوی معنی ہے نیا کام لیکن نئے کام دو قسم کے ہوتے ہیں اچھے بھی اور برے بھی لہذا جو اچھا ہو گا وہ مذموم نہیں ہو گا اسی لئے محدثین کرام نے فرمایا کہ یہاں اصل عبارت ”کل بدعة سبغة ضلالة یعنی ہر بری بدعت گمراہی کا باعث ہے“۔ ۱۲ ہزاروی



ہو جاتی ہیں اور وہ واضح الفاظ میں تکبیر کہتا ہے گویا وہ دشمن پر (حملہ کے وقت) نعرہ تکبیر بلند کر رہا ہو۔ ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اپنے عضو کو دھوتا اس کا مشاہدہ کرتا اور اسے دیکھتا ہے تکبیر کہتا اور زبان سے قرأت کرتا ہے اپنے کانوں سے سنتا ہے اور دل سے جانتا ہے اس کے باوجود اپنے یقین کا انکار کر کے شیطان کی تصدیق کرتا ہے اور جس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور کانوں سے سنتا ہے اس کا انکار کرتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابوالوفاء بن عقیل سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ میں تکبیر کہتا ہوں پھر کہتا ہوں کہ میں نے تکبیر نہیں کہی وضو میں اعضاء کو دھوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں نے نہیں دھوئے تو ابن عقیل نے کہا نماز چھوڑ دو وہ تم پر واجب نہیں ہے اس نے کہا ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے فرمایا اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجنون سے قلم اٹھالیا گیا (مواخذہ نہیں ہوگا) حتیٰ کہ اسے افاقہ ہو جائے اور جو شخص تکبیر کہنے کے بعد کہے کہ میں نے تکبیر نہیں کہی وہ عقل والا نہیں اور مجنون پر نماز واجب نہیں۔ جو شخص اس آفت سے نکلنا چاہتا ہو وہ اپنے نبی ﷺ کی ارفع و اعلیٰ سنت کی اتباع اور باطل سے جدا ملت کی اقتداء کرے پس اگر اس پر معاملہ غالب آ جائے اور راستے تنگ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑائے اور اس حالت کی دوری کے لئے اس کی طرف انکساری اور دعا کے ساتھ رجوع کرے (اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس حالت کو ختم کر دے گا)۔

### پندرہویں نوع

## نبی اکرم ﷺ کے قنوت کا ذکر

### قنوت کے معانی

جاننا چاہیے کہ قنوت کا اطلاق قیام خاموشی عبادت کے دوام دعا تسبیح اور خضوع پر ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلُّ لَهٗ قٰنِتُوْنَ (الروم: ۲۶)

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَمَنْ هُوَ قٰنِتٌ اَنَّا اللّٰیْلُ سٰجِدًا وَّ قٰنِمًا۔ (الزمر: ۹)

(یہاں دوام عبادت مراد ہے)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَصَدَقْتُ بِكَلِمَاتٍ رَبِّهَا وَكُتِبَ وَكَانَتْ مِنَ الْفٰتِنٰیۡنِ (التحریم: ۱۲)

اور اس (حضرت مریم) نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور فرمانبرداروں میں ہوئی۔



یہاں قیام کی مخصوص حالت میں دعا مانگنا مراد ہے۔  
**قنوت کی مشروعیت سے متعلق نصوص**

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے ستر افراد بھیجے جن کو قرا کہا جاتا تھا تو (بنو) سلیم کے دو قبیلے رعل اور ذکوان ایک کنویں کے پاس ان کے سامنے آئے اس کنویں کو بر معونہ کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے ان (اقرا) کو شہید کر دیا، نبی اکرم ﷺ نے ایک مہینہ صبح کی نماز میں ان کے خلاف دعا کی یہ قنوت کا آغاز تھا اور ہم قنوت نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبدالعزیز بن صہیب فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فراغت کے وقت؟ فرمایا بلکہ قرأت سے فراغت کے وقت ہے۔  
 ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت کیا اس میں آپ عرب کے کچھ قبیلوں کے خلاف دعا کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ایک مہینہ صبح کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت کیا جس میں رعل اور ذکوان کے خلاف دعا فرماتے اور فرماتے یہ عصیہ قبیلہ ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی ہے۔  
 (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۳-۲۹۷-۲۹۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۰-ج ۳ ص ۱۱۶-ج ۳ ص ۵۷، سنن داری ج ۲ ص ۲۲۳، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷-۲۰۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۱۷، الدر المنثور ج ۲ ص ۷۱-ج ۶ ص ۳۲۲، دلائل النبوة ج ۳ ص ۳۵۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دستہ بھیجا جن کو قرا کہا جاتا تھا جن کو شہید کر دیا گیا (راوی کہتے ہیں) میں نے نبی اکرم ﷺ کو کسی دوسری بات پر اس قدر غمگین نہیں دیکھا جس قدر اس (واقعہ) پر غمگین دیکھا چنانچہ آپ نے ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں قنوت فرمایا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

”صحیح بخاری میں ہے کہ“ آپ نے مغرب اور فجر میں قنوت پڑھی۔ ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مہینہ قنوت پڑھی پھر اسے چھوڑ دیا۔

نسائی کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مہینہ قنوت فرمایا جس میں رعل، ذکوان اور لحيان کے خلاف دعا فرماتے تھے۔  
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مہینہ مسلسل ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہر نماز کے آخر میں جب آخری رکعت میں ”سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمَدَهُ“ کہتے تو بنو سلیم کے قبیلوں رعل، ذکوان اور عصیہ کے خلاف دعا فرماتے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے آمین کہتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا کہ جب آپ فجر کی نماز میں آخری رکعت میں رکوع سے لہراٹھاتے تو یوں دعا مانگتے ”یا اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت بھیج“۔ یہ کلمات آپ ”سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمَدَهُ“ رکعتوں کے بعد کہتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ لَكُمْ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۚ (آل عمران: ۱۲۸) یہ بات آپ کے اختیار میں نہیں۔



(مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۵ سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۳ سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷ المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۲۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب دوسری رکعت (کے رکوع) سے سر اٹھایا تو یوں دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلَدَ بْنَ الْوَلَدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هَاشِمٍ وَعِیَّاشَ بْنَ اَبِی رَیْبَعَةَ وَالْمُسْتَضْعِفِیْنَ بِمَنْكَةِ اللّٰهِ اَشْدِّ وَطَانِكَ عَلٰی مُضَرَّ اللّٰهِمَّ اجْعَلْهَا عَلَیْهِمْ سِنِیْنَ كَسِیْنِیْ یُوسُفَ.

یا اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور مکہ مکرمہ میں موجود کمزور کئے گئے مسلمانوں کو کامیابی عطا کر اور قبیلہ مضر کو سخت عذاب دے اور اسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی قحط سالی کی طرح ان پر قحط سالی بنا دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰۳ سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۱ مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۹-۲۵۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۳ سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۳۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۱۶ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۲۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۹۹۶)

ایک روایت میں ہے کہ صبح کی نماز میں یہ دعا مانگی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر ہمیں یہ بات پہنچی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ”لیس لك من الامر شئی“ (پہلے گزر چکی ہے) نازل فرمائی تو آپ نے یہ دعا مانگنا چھوڑ دی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صبح اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ صبح کی نماز میں (پڑھتے تھے) مغرب کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابو مالک انجعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد ماجد سے کہا ابا جان! آپ نے نبی اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے پیچھے یہاں کوفہ میں پانچ سال نماز پڑھی ہے کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے! یہ بدعت ہے۔ (جامع ترمذی)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔ ۱۔

### قنوت کے بارے میں علماء کرام کی آراء

بعض علماء فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قنوت پڑھی بھی ہے اور چھوڑی بھی ہے اور پڑھنے کے مقابلے میں چھوڑنا زیادہ ہے۔ آپ نے مصائب کے نازل ہونے پر بعض لوگوں کے حق میں دعا کرنے اور دوسروں کے خلاف دعا کرتے وقت قنوت پڑھی ہے۔ پھر وہ حضرات جن کے حق میں دعا فرمائی تھی واپس آ گئے اور قید سے چھوٹ گئے اور جن کے خلاف دعا کرتے تھے وہ اسلام لا کر توبہ کرتے ہوئے حاضر ہوئے تو آپ نے قنوت کا پڑھنا چھوڑ دیا۔ آپ کا قنوت پڑھنا کسی سبب سے تھا جب وہ زائل ہو گیا تو آپ نے قنوت کو ترک دیا۔

۱۔ امام زرقاتی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات قنوت نہیں پڑھتے تھے اور یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ شروع میں فرض ہونے والی نمازوں میں سے ہو کیونکہ یہ تو ہجرت کے بعد پڑھی گئی۔ (زرقاتی ج ۲ ص ۲۳۵)



(قنوت) فجر کے ساتھ مختص نہ تھی بلکہ آپ فجر اور مغرب کی نمازوں میں پڑھتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت میں مروی ہے فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! نبی اکرم ﷺ کی نماز کے سب سے زیادہ قریب میری نماز ہے آپ فجر کی نماز میں ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔

ابن ابی ندیکہ فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ عمل کیا پھر چھوڑ دیا۔ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو فجر کی نماز میں قنوت کو مطلقاً مکروہ قرار دیتے چاہے وہ حادثات اترنے کے وقت ہو یا اس کے علاوہ اور کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے اور اس پر عمل بدعت ہے۔

اصحاب حدیث کا عمل ان لوگوں کے عمل اور مستحب کہنے والوں کے عمل کے درمیان ہے وہ کہتے ہیں اس پر عمل بھی سنت ہے اور چھوڑنا بھی سنت ہے اور جو شخص ہمیشہ یہ عمل کرے وہ اس پر اعتراض نہیں کرتے نہ اس کے عمل کو مکروہ خیال کرتے ہیں اور نہ بدعت سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرنے والے کو سنت کا مخالف جانتے ہیں (وہ فرماتے ہیں) جو قنوت پڑھے تو اس نے اچھا کام کیا اور جو چھوڑ دے اس نے بھی اچھا کام کیا ہے۔

### قنوت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے کھڑے ہو کر قنوت پڑھنا ہمیشہ جائز ہے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

ابن صلاح کہتے ہیں متعدد حفاظ حدیث نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ان میں حضرت امام حاکم، امام بیہقی اور ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حزم رحمہم اللہ متوفی ۲۹۸ھ بھی شامل ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۴ رقم الترجمہ: ۷۱۵) اور ”سنن بیہقی میں“ اس حدیث کے مقتضی پر خلفائے اربعہ کا عمل بھی ثابت ہے۔

ان میں سے بعض نے فرمایا کہ صبح کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کے قنوت پڑھنے پر اجماع ہے پھر اختلاف ہے کہ کیا آپ نے اسے چھوڑ دیا تھا؟ تو اجماعی بات سے استدلال کیا جائے حتیٰ کہ وہ بات ثابت ہو جائے جس میں اختلاف ہو۔

ابن ابی ندیکہ کی روایت جو انہوں نے بواسطہ عبد اللہ بن سعید بن ابی سعید مقبری ان کے والد (سعید بن ابی سعید مقبری) سے روایت کی اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ جب فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيمَنْ هَدَيْتَ الْخ. یا اللہ! مجھے ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت عطا فرما

(آخر تک)

۱۔ فجر وغیرہ نمازوں میں قنوت کو بدعت تو اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ حضور ﷺ نے قنوت پڑھی ہے لیکن وہ ایک خاص وقت کے لئے حکم تھا نہ اس سے پہلے قنوت پڑھی گئی اور نہ بعد میں صحابہ کرام نے پڑھی لہذا یہ حکم منسوخ ہے۔ ۱۲ ہزار رو



ابن قیم نے ”زاد المعاد میں“ کہا ہے اگر یہ حدیث صحیح یا حسن ہو تو اس سے استدلال کس قدر واضح ہے؟ لیکن یہ عبداللہ (راوی) قابل حجت نہیں ہیں اگرچہ امام حاکم نے قنوت کے بارے میں ان کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کر کے صحیح قرار دیا لیکن اس کا رد کیا گیا جیسا کہ ابن قیم نے کہا اور عبداللہ بن سعید کے ضعف پر اتفاق ہے۔

### دعائے قنوت کی صریح عبارت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز اور رات کی وتر نماز میں ان کلمات کے ساتھ قنوت پڑھتے تھے:

اللهم اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ (آخر تک) یہ حدیث محمد بن نصر نے اپنی کتاب ”قیام اللیل“ میں نقل کی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی مخصوص دعا متعین نہیں ہے بلکہ ہر دعا سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں بعض شافعی حضرات کا قول ہے کہ یہ مقصد صرف مشہور دعا سے حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ دعا یہ ہے:

اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ وَتَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ.

یا اللہ! مجھے ہدایت عطا کر ان لوگوں میں جنہیں تو نے ہدایت دی اور میری مدد فرما ان لوگوں میں جن کی تو نے مدد فرمائی جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا اس میں میرے لئے برکت پیدا فرما اور اس چیز کے شر سے مجھے بچا جس کا تو نے فیصلہ کیا بے شک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا اور بے شک وہ شخص ذلیل نہیں ہوتا جو تجھ سے دوستی لگائے اے ہمارے رب! تو برکت والا اور بلند ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے کہ میں ان کو دُوروں میں پڑھا کروں پس یہ (الفاظ) ذکر کئے اور اس (حدیث) کی سند صحیح ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح ثابت ہے کہ اس دعا کی تعلیم صبح کی قنوت اور قنوت وتر (دونوں) کے لئے واقع ہوئی ہے۔

”فانک تقضی“ فاء کے ساتھ ہے اور ”وانہ لا یذل“ واؤ کے ساتھ اسی طرح ”وتعالیت“ سے پہلے ”وربنا“ ہے لیکن ابوداؤد کی روایت میں فاء کے ساتھ نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”انہ لا یذل من والیت“ کے بعد ان الفاظ کا اضافہ (نقل) کیا ہے ”ولا یعز من عادیت“ (تیرے دشمن کے لئے عزت نہیں ہے)۔

ابن ابی عاصم نے ”کتاب التوبہ میں“ یہ اضافہ (نقل) کیا ہے:



اے اللہ! ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔  
تَسْتَغْفِرُكَ اللَّهُمَّ وَتَتُوبُ إِلَيْكَ.

### دعائے قنوت کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا

اسی (دعا) کے آخر میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنا سنت ہے کیونکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صحیح یا حسن سند کے ساتھ روایت کیا جیسا کہ ”شرح مہذب“ میں فرمایا اور ”سنن نسائی کے“ الفاظ یوں ہیں ”وصلی اللہ علی النبی“ (اور اللہ تعالیٰ نبی ﷺ پر رحمت نازل فرمائے)۔

”الاذکار“ میں قطعیت کے ساتھ بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنا مستحب ہے لیکن صاحب ”الاقلید“ (امام تاج الدین عبد الرحمن بن ابراہیم الشافعی متوفی ۶۹۰ھ) نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے اصحاب کی کتب میں ”وسلم“ کا جو اضافہ ہے اور جو کچھ ائمہ نے آج کل عادت بنالی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ کی) آل ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کا ذکر کرتے ہیں ان سب باتوں کی کوئی اصل نہیں۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۳۸۹)

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ ”الاذکار“ میں امام نووی رحمہ اللہ کی عبارت اس طرح ہے کہ اس دعا کے بعد یہ پڑھنا مستحب ہے:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ يَا اللَّهُ! حضرت محمد ﷺ اور آل محمد پر رحمت و سلامتی نازل فرما۔

”نسائی شریف کی“ حدیث میں حسن سند کے ساتھ ”وصلی اللہ علی النبی“ کے الفاظ آئے ہیں۔

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ دعویٰ کے الفاظ دلیل کے خلاف ہیں اور انہوں نے اس پر آل اور سلام کا اضافہ کیا (مطلب یہ ہے کہ دعویٰ میں آل اور سلام کا ذکر ہے اور دلیل میں صرف درود شریف کا ذکر ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ہاں امام رافعی اور ”رویانی“ کے نزدیک اضافہ ہے جو ”نسائی شریف میں منقول“ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث کی طرف منسوب ہے لیکن ان کے نزدیک کسی بھی راوی سے جس نے ان سے روایت کیا یہ بات منقول نہیں کہ ”وصلی اللہ علی النبی“ کے الفاظ امام ترمذی کی روایت سے زائد ہیں اور یہ حدیث غریب ہے عبد اللہ بن علی جو اس کے راوی ہیں کی وجہ سے ثابت نہیں کیونکہ یہ غیر معروف ہیں۔

اور اس بات کو فرض کرنے پر کہ یہ عبد اللہ بن علی بن حسن بن علی (رضی اللہ عنہم) ہیں یہ حدیث منقطع ہوگی کیونکہ انہوں (حضرت عبد اللہ) نے اپنے جدا مجد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے سماعت نہیں کی۔ تو واضح ہوا کہ یہ حدیث منقطع ہونے یا راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے حسن حدیث کی شرط پر نہیں اور کوئی دوسری روایت لا کر اس اضافہ کی وجہ سے ہونے والی خرابی کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت اس حدیث کا شاذ ہونا واضح ہو گیا جیسا کہ مخفی نہیں ہے ہاں اصل حدیث ”وتعالیت“ تک حسن ہے کیونکہ ترمذی وغیرہ کی روایت اس کو تقویت دیتی ہے جب کہ زائد الفاظ کسی دوسری روایت میں نہیں آئے۔

اور جب ہم آل پر صلوٰۃ کو امام نووی کے اعتماد کے مطابق سنت قرار دیں تو مناسب ہے کہ اسے قنوت کا ایک حصہ شمار



کریں۔

## قنوت کے احکام

”المجموع“ میں امام بغوی سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا کہ پہلے تشہد کی طرح قنوت کو لمبا کرنا بھی مکروہ ہے اور یہ اس طریقے پر ظاہر ہے جسے ”المجموع“ میں صحیح قرار دیا اور ”سجدہ سہو“ کے باب میں اس کی جو تحقیق ہے کہ اعتدال رکن طویل ہے اور وہ جوان دونوں کتابوں میں باجماعت کے بارے میں صحیح قرار دیا کہ یہ چھوٹا رکن ہے تو یہ ”المنہاج اور الروضہ میں ہے تو“ کہا جائے گا کہ قیاس اس کے باطل ہونے کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ چھوٹے رکن کو جان بوجھ کر لمبا کرنا نماز کو باطل کرنے والا ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اسے مقام قنوت کے علاوہ پر محمول کیا جائے گا کیونکہ امام بغوی تو خود طوالت کی کراہت کے قائل ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ چھوٹے رکن کو جان بوجھ کر لمبا کرنا نماز کو باطل کرتا ہے۔  
تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے اپنی مرضی سے اور امام کے لئے نمازیوں کی مرضی سے دونوں کو جمع کرنا سنت ہے یعنی قنوت وتر میں وہ قنوت جس کا پہلے ذکر ہوا اور قنوت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یعنی اللھم انا نستعینک آخر تک کو جمع کرنا اور بہتر یہ ہے کہ قنوت عمر کو بعد میں پڑھے۔

ہاتھوں کو اٹھانا بھی سنت ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ یہ بات نقل کی ہے۔  
”المجموع“ میں فرمایا کہ ہاتھوں کو چہرے پر ملنے کے سلسلے میں دو قول ہیں زیادہ مشہور یہ ہے کہ ملے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ نہ ملے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں مجھے یہاں بزرگوں میں سے کسی سے کوئی چیز چہرے پر ہاتھ ملنے کے حوالے سے یاد نہیں اگرچہ نماز سے باہر دعا کے بارے میں بعض سے مروی ہے۔

اور سینے پر ہاتھ پھیرنے کی طرح جسم کے دوسرے حصوں پر پھیرنا بھی مکروہ ہے۔  
امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) کا قنوت میں ہاتھ اٹھانے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ اور ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنے کے بارے میں تین طریقے ہیں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کو اٹھانا مستحب ہے لیکن چہرے پر نہ ملے دوسرا یہ کہ اٹھائے اور چہرے پر ملے اور تیسرا یہ کہ نہ ملے اور نہ اٹھائے۔

اس بات پر ان حضرات کا اتفاق ہے کہ چہرے کے علاوہ سینے وغیرہ پر نہ ملے بلکہ اسے انہوں نے مکروہ کہا ہے۔  
امام قنوت بلند آواز سے پڑھے تنہا نماز پڑھنے والا ایسا نہ کرے اگرچہ نماز سری ہو (جس میں آہستہ آواز سے قرأت ہوتی ہے) کیونکہ بلند آواز سے پڑھنے میں حضور ﷺ کی اتباع ہے۔  
ماوردی نے کہا کہ اس میں آواز کی بلندی قرأت کی بلندی سے کم ہونی چاہیے اگر مقتدی سے تو آمین کہے جس طرح صحابہ کرام اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کے پیچھے آمین کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۱۔ کیونکہ قنوت صبح اور مغرب میں پڑھی جاتی تھی اور مغرب کی تیسری رکعت سری ہے لہذا سری نمازوں یعنی جن میں قرأت آہستہ ہوتی ہے اس پر قیاس کر کے امام بلند آواز سے قنوت پڑھے گا (جن حضرات کے نزدیک قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے)۔ (زر قانی ج ۷ ص ۳۸۸)



ثناء میں امام کے موافق کرتے ہوئے آہستہ پڑھے یا خاموش رہے کیونکہ یہ ثناء ہے یا ذکر جس پر آمین کہنا لائق نہیں۔ اور دعائی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے پر مشتمل ہوتی ہے پس اس میں آمین کہے طبری نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور اگر مقتدی امام کی قنوت نہ سنے تو باقی اذکار اور دعاؤں کی طرح امام کے ساتھ قنوت آہستہ آواز سے پڑھے۔ وتر نماز اور صبح کے علاوہ قنوت نہیں ہے البتہ جب کوئی خوف، قحط یا وبا۔ اور ٹڈیوں وغیرہ کی کیفیت پیدا ہو تو مستحب ہے کہ صبح کے علاوہ فرض نمازوں میں قنوت پڑھے نذر کی نمازوں نماز جنازہ اور نفل نماز میں نہ پڑھے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آنے والی آفت میں بلند آواز سے قنوت پڑھی۔

یہ تمام گفتگو شیخ الاسلام ابو یحییٰ زکریا الانصاری کی کتاب ”شرح الہجہ“ سے لی گئی ہے اور اس میں کچھ اضافہ کیا گیا۔ واللہ اعلم

## فصل نمبر ۴

### نبی اکرم ﷺ کا نماز میں سجدہ سہو

#### سہو کی تعریف

جان لو! سہو کسی چیز سے غافل ہونے اور دل کے دوسری طرف متوجہ ہونے کا نام ہے یہ بات الازہری نے کہی ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

بعض حضرات نے سہو اور نسیان میں معنوی طور پر فرق کیا ہے اور ان کے خیال میں نماز میں انبیاء کرام علیہم السلام سے سہو جائز ہے جب کہ نسیان جائز نہیں۔ وہ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نسیان غفلت اور آفت ہے اور سہو (دوسری طرف) مشغولیت ہے اور نبی اکرم ﷺ کو نماز میں سہو ہوتا لیکن آپ اس سے غافل نہیں ہوتے تھے اور آپ کو نماز کے امور میں مشغولیت کی وجہ سے نماز کی حرکات سے توجہ ہٹ جاتی نماز سے غفلت نہیں ہوتی تھی۔

ابن کیلکدی نے کہا کہ یہ بات (یہ فرق کہ سہو ہوتا غفلت نہ ہوتی) حدیث کی جہت سے اور لغت کے اعتبار سے ضعیف ہے حدیث کی جہت سے اس لئے ہے کہ صحیحین میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ثابت ہے:

(الاعلام ج ۲ ص ۳۲۱ الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الترجمہ: ۱۶۶۶)

انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون۔ بے شک میں تمہاری طرح انسان ہوں میں بھی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔

ابن کیلکدی امام فقیہ حافظ اصولی، نحوی، مفتی تھے صلاح ابو سعید خلیل بن کیلکدی علائی المشہور مقدسی شافعی المذہب تھے ۶۹۳ھ میں پیدا ہوئے حافظ زین الدین عراقی نے ان سے علم حاصل کیا اور انہوں نے کہا کہ حافظ مشرق و مغرب ۳ محرم الحرام ۷۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

(زرقانی ج ۷ ص ۳۳۹)



(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۲ سنن نسائی رقم الباب: ۲۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۹-۱۳۳ مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹-۳۵۵)

اور لغت کے اعتبار سے اس طرح جیسے ازہری کا قول گزر چکا ہے اور جوہری وغیرہ کا قول بھی اس کی طرح ہے۔  
”نہایہ“ میں ہے:

السہو فی الشی ترکہ من غیر علم . کسی چیز میں سہو اسے علم کے بغیر چھوڑنا ہے اور کسی  
والسہو عنہ ترکہ مع العلم . چیز سے سہو اسے علم کے باوجود ترک کرنا ہے۔

یہ ایک باریک فرق ہے اور اسی سے اس سہو میں جو نبی اکرم ﷺ سے کئی مرتبہ واقع ہوا اور اس سہو میں جو نماز سے غافل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے فاعل کی مذمت کی ہے (دونوں) میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا سہو آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پورا کرنا اور ان کے دین کی تکمیل ہے تاکہ وہ سہو کے وقت ان امور میں آپ کی اقتدا کریں جو آپ نے ان کے لئے جائز قرار دیئے اور ”موطائیں مروی“ منقطع حدیث کا یہی معنی ہے۔ اس کی حدیث میں ہے کہ:

انما انسی او انسی لامن . میں بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے سنت جاری کروں۔

پس آپ کو نسیان ہوتا (بھول جاتے یا بھلائے جاتے) تو آپ کے سہو پر شرعی احکام جاری ہوتے جو قیامت تک آپ کی امت کے سہو پر جاری ہوں گے۔

### سجدہ سہو کا حکم

سجدہ سہو کے حکم میں اختلاف ہے۔ شافعی اور مالکی حضرات فرماتے ہیں ہر قسم کا سجدہ سہو مسنون ہے اور مالکی حضرات سے یہ بھی منقول ہے کہ (نماز میں) نقصان ہو جائے تو سجدہ سہو واجب ہے اضافہ ہو تو (واجب) نہیں۔

حنبلی فقہ والوں کے نزدیک واجبات اور قولی سنتوں میں فرق ہے پس واجبات کو بھول کر چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے جبکہ سنن قولیہ کے چھوڑنے سے واجب نہیں ہوتا اسی طرح جب سہو ایسے فعل یا قول کے اضافہ کی صورت میں ہو جو نماز کے کسی بنیادی امر (رکن) کو باطل کرتا ہو تو سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

احناف کے نزدیک سجدہ سہو ہر صورت میں واجب ہے اور ان کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے ”یسجد سجدتین“ (اسے چاہیے کہ دو سجدے کرے) اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہے اور آپ کے افعال بیان پر محمول ہیں اور واجب کا بیان بھی واجب ہوتا ہے خصوصاً جب کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے:

صلوا کما رایتہمونی اصلی . اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے

دیکھتے ہو۔



## سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کرنا۔

حضرت اعرجؓ حضرت عبداللہ بن مالک بن خسیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک نماز میں دو رکعتیں پڑھائیں پھر کھڑے ہو گئے اور قعدہ نہ کیا صحابہ کرام بھی کھڑے ہو گئے جب نماز مکمل ہو گئی اور ہم آپ کے سلام کے منتظر تھے کہ آپ نے سلام سے پہلے اللہ اکبر کہا اور بیٹھے بیٹھے دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔ انہی کی ایک روایت یحییٰ بن سعید سے مروی ہے وہ حضرت عبداللہ بن خسیہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی نماز میں دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے اور دونوں کے درمیان قعدہ نہ کیا جب نماز مکمل کر لی تو دو سجدے کئے پھر اس کے بعد سلام پھیرا۔

انہی کی ایک روایت حضرت اعرج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی نماز میں کھڑے ہو گئے حالانکہ آپ پر قعدہ لازم تھا جب نماز مکمل کر لی تو دو سجدے کئے اور ہر سجدے میں تکبیر کہی آپ نے یہ سجدے سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے کئے صحابہ کرام نے بھی آپ کے ہمراہ دونوں سجدے کئے اور یہ سجدے اس قعدہ کی جگہ تھے جو بھول گیا تھا۔ ابن خزیمہ کے نزدیک ضحاک کی روایت میں یہ اضافہ ہے۔

”پھر آپ کھڑے ہوئے اور نہ بیٹھے صحابہ کرام نے اس پر سبحان اللہ کہا (یعنی آپ کو متوجہ کیا) آپ نے اپنی نماز کو جاری رکھا حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو گئے۔“

”جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ“ آپ ظہر کی نماز میں کھڑے ہو گئے حالانکہ آپ پر قعدہ واجب تھا جب نماز مکمل کی تو دو سجدے کئے آپ نے بیٹھے بیٹھے سلام سے پہلے دونوں سجدوں کے لئے تکبیر کہی (اور سجدے کئے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو جائز ہے اور یہ دو سجدے ہیں اگر بھول کر ایک سجدہ کر لے تو اس پر کچھ بھی لازم نہ ہو یا جان بوجھ کر چھوڑے تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ایک زائد سجدہ کیا جو جائز نہیں اور دونوں سجدوں کے لئے اس طرح تکبیر کہے جس طرح دوسرے سجدوں کے لئے تکبیر کہتا ہے۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہے لیکن اس میں ان تمام باتوں کے اس طرح ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہاں ان لوگوں پر اعتراض ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ تمام عمل سلام کے بعد ہوگا جیسا کہ احناف کا مسلک ہے (احناف کی دلیل آگے آرہی ہے)۔

اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا کہ مقتدی بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے جب امام بھول جائے اگرچہ مقتدی نہ بھولے نیز یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد نہیں اور اس کا مقام نماز کا آخر ہے اور اگر بھول کر تشہد سے پہلے سجدہ کرے تو جن حضرات کے نزدیک آخری قعدہ واجب ہے ان کے نزدیک سجدہ سہو کو لوٹائے اور یہ جمہور حضرات ہیں۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص پہلا قعدہ بھول جائے حتیٰ کہ (تیسری) رکعت کے لئے کھڑا



ہو جائے پھر اسے یاد آئے تو واپس نہ لوئے جیسا کہ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سبحان اللہ کہا لیکن نبی اکرم ﷺ واپس نہیں لوئے پس اگر نمازی دوسرے رکن کو اختیار کرنے کے بعد جان بوجھ کر واپس لوئے گا تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی (احناف بلکہ جمہور کے نزدیک بھی یہ نماز باطل نہیں ہوتی)۔

### سلام کے بعد سجدہ

حضرت ابو سلمہؓ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ۱۔ یا رسول اللہ! آپ نے نماز کم پڑھائی ہے آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں ٹھیک ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے مزید دو رکعتیں پڑھائیں پھر دو سجدے کئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۰۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹-۹۷، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۱-۲۶۰، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵، سنن نسائی ج ۳ ص ۲۲، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۶۶، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۳، نصب الرایۃ ج ۲ ص ۶۸، التہذیب ج ۱ ص ۳۱۱، المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۲۶۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۲۶۸-۲۲۲۸۰-۲۲۲۹۰)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور میں نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے مغرب کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام پھیرا گفتگو کی پھر باقی نماز پڑھی اور دو سجدے کئے اور فرمایا نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا ہے۔ ۲۔ حدیث شریف کے یہ الفاظ کہ ”نبی اکرم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں موجود تھے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسے مجاز پر محمول کیا اور فرمایا اس سے مراد مسلمانوں کو نماز پڑھانا ہے اور اس کا سبب حضرت زہری کا قول ہے کہ جن سے واقعہ متعلق ہے (یعنی حضرت ذوالیدین) وہ بدر میں شہید ہوئے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ واقعہ بدر سے پہلے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پانچ سال سے بھی زائد عرصہ پہلے کا ہو۔ لیکن ائمہ حدیث کا اتفاق ہے جیسا کہ ابن عبدالبر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت زہری کو اس میں وہم ہوا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسے ذوالشمالین کا واقعہ قرار دیا اور ذوالشمالین ہی بدر میں شہید ہوئے ان کا تعلق قبیلہ بنو خزاعہ سے تھا اور ان کا نام عمیر تھا۔

حضرت ذوالیدین نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ایک مدت تک زندہ رہے کیونکہ انہوں نے یہ حدیث آپ کے وصال کے بعد بیان کی جیسا کہ ”طبرانی“ وغیرہ میں ہے اور وہ سلمیٰ ہیں ان کا نام حضرت خرباق رضی اللہ عنہ ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

پس جب حضرت زہری کے نزدیک یوں ہے کہ حضرت ذوالشمالین کھڑے ہوئے اور وہ جانتے تھے کہ وہ بدر میں ۱۔ حضرت خرباق سلمیٰ رضہ اللہ عنہ کو ذوالیدین کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے ہاتھ لے تھے یہ جنگل میں رہتے تھے اور حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے حاضر ہوتے تھے۔ (زرقاتی ج ۷ ص ۳۵۱)

۲۔ احناف کے نزدیک گفتگو سے نماز ٹوٹ جاتی ہے چاہے جان بوجھ کر کرے یا بھول کر۔ ۱۲ ہزاروی



شہید ہوئے تو اس وجہ سے انہوں نے فرمایا کہ یہ واقعہ بدر سے پہلے ہوا۔

بعض ائمہ نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ذوالشمالین اور حضرت ذوالیدین (رضی اللہ عنہما) دونوں کے لئے ہوا ہو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دونوں حدیثیں روایت کی ہوں ان میں سے ایک کو مرسل روایت کیا اور دوسرے واقعہ میں خود حاضر ہوئے اور وہ حضرت ذوالیدین والا واقعہ ہے۔

دونوں روایتوں کو جمع کرنے کی صورت میں یہ احتمال ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ہی حضرت ابن سیرین کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عشاء کی دو نمازوں (مغرب و عشاء) میں سے ایک نماز پڑھائی حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں: میرا غالب گمان یہ ہے کہ عصر کی نماز تھی آپ نے دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا پھر مسجد کے اگلے حصے میں ایک لکڑی کے پاس کھڑے ہو کر اس پر ہاتھ رکھا ان لوگوں میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے ان دونوں کو آپ کی ہیبت نے کلام سے روکا اور جلدی جانے والے چلے گئے اور کہا کہ نماز کم ہو گئی ہے ایک صحابی جن کو حضور ﷺ ذوالیدین کہا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھول گئے یا نماز کم ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی انہوں نے عرض کیا ہاں! کیوں نہیں یا رسول اللہ! بھول واقع ہوئی ہے پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا اور اپنے (عام) سجدے کی طرح سجدہ کیا یا اس سے لمبا سجدہ کیا پھر سر انور اٹھایا اور تکبیر کہی پھر سر مبارک رکھ دیا تکبیر کہی اور سجدہ کیا عام سجدے کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ پھر سر مبارک اٹھایا اور تکبیر کہی۔

حضرت ابن عمر ابن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عصر کی نماز تین رکعات پڑھائی پھر گھر تشریف لے گئے تو ایک صاحب آپ کی طرف کھڑے ہوئے ان کو خرباق رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا اور ان کے ہاتھ قدرے لمبے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر آپ کا عمل بتایا (یعنی نماز کم پڑھی گئی ہے) آپ غصے کی حالت میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے تشریف لائے اور پوچھا کیا یہ سچ کہہ رہے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں پس آپ نے ایک رکعت پڑھائی پھر سلام پھیرا اس کے بعد دو سجدے کر کے سلام پھیرا۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا اور یہ آپ کی مفردات (احادیث) سے ہے اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نہیں کیا (البتہ) امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔

”خرباق“ میں خاء کے نیچے زیر ہے راء ساکن ہے اس کے بعد باء اور آخر میں قاف ہے اور یہ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے جیسا کہ اکثر حضرات کا یہ نظریہ ہے۔ اور ان کے ہاتھوں کی لمبائی کو حقیقت پر محمول کرنا بھی ممکن نہیں ہے اور عمل یا (راہ خداوندی میں) خرچ کرنے سے کنایہ بھی ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری نظر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث منفرد ہے اگرچہ ابن خزیمہ اور ان کے تبعین اس واقعہ کے تعدد کی طرف گئے ہیں اس اختلاف پر ان کو مجبور کرنے والی بات اس کا دو طریقوں سے مروی ہونا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا اور نبی اکرم ﷺ مسجد میں ایک لکڑی کی طرف کھڑے ہوئے۔



جب کہ حضرت عمران کی اس حدیث میں ہے کہ آپ نے تین رکعتوں کے بعد سلام پھیرا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو گھر تشریف لے گئے۔

پہلی روایت کے بارے میں کیلکدی علانی سے منقول ہے کہ ان کے بعض اساتذہ نے اسے اس بات پر محمول کیا کہ تیسری رکعت کے شروع میں سلام پھیرا انہوں نے اس کو بعید از عقل قرار دیا لیکن اس میں جمع کے طریقے ہیں؛ ادنیٰ مناسبت پر اکتفاء کیا جاتا ہے اور یہ واقعہ کے متعدد ہونے کے دعویٰ سے بعید نہیں ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت ذوالیدین نے ہر مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا ہوگا اور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے ان کے قول کی صحت سے متعلق پوچھا۔

جہاں تک دوسری روایت کا تعلق ہے تو شاید راوی نے جب آپ کو اپنی جگہ سے آگے لکڑی کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا ہو تو خیال کیا کہ دولت خانے میں تشریف لے گئے ہیں کیونکہ لکڑی دولت خانہ کی جانب تھی اگر ایسا ہو (تو ٹھیک ہے) ورنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو زیادہ ترجیح ہے کیونکہ اس حدیث کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ امام شافعی، امام ابو داؤد، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ (حدیث بغیر نقطہ والی جاء اور آخر میں جیم کے ساتھ ہے) سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن نماز پڑھائی اور ابھی نماز سے ایک رکعت باقی تھی کہ سلام پھیر دیا ایک شخص نے آپ کو پایا تو عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نماز سے ایک رکعت بھول گئے ہیں؟ چنانچہ واپس ہوئے مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے نماز کے لئے اقامت کہی تو آپ نے لوگوں کو ایک رکعت پڑھائی میں نے لوگوں کو یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا تم اس شخص کو جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں ہاں دیکھ کر (پہچان سکتا ہوں) چنانچہ وہ شخص میرے پاس سے گزرا تو میں نے کہا یہی وہ شخص ہے انہوں نے کہا یہ تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۳)

اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام بیہقی نے اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا اور نماز مغرب کی تعیین کی۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں: یہ واقعہ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے علاوہ ہے کیونکہ اس واقعہ میں نبی اکرم ﷺ کو مطلع کرنے والے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے واقعہ میں حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ ہیں نیز حضرت ذوالیدین والے واقعہ میں ظہر یا عصر کی نماز میں بھول واقع ہوئی اور اس واقعہ میں بھول مغرب کی نماز میں ہوئی ظہر یا عصر میں نہیں۔

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتوں پر سلام پھیرا تو حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا کیا ذوالیدین صحیح کہتے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے پھر دو رکعتیں مزید پڑھائیں سلام پھیرا پھر تکبیر کہہ کر عام سجدے کی طرح سجدہ کیا یا لسا سجدہ کیا پھر سر انور اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر نماز کے عام سجدے کی طرح سجدہ کیا یا لسا سجدہ فرمایا پھر سر انور اٹھایا۔

حضرت سلمہ بن علقمہ فرماتے ہیں میں نے حضرت محمد یعنی ابن سیرین رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا سہو کے دو سجدوں کے بعد تشہد ہے؟ انہوں نے فرمایا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہیں ہے۔ اسے امام بخاری، مسلم، مالک، ابوداؤد



ترمذی اور نسائی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس روایت کے علاوہ کہیں بھی قیام کا ذکر نہیں اور اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ کھڑے تھے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ کھڑے ہونے کا مطلب سیدھا کھڑا ہونا ہے کیونکہ آپ نے لکڑی کا سہارا لے رکھا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حضرت محمد بن سیرین کا یہ کہنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشہد کا ذکر نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کی روایت میں اس کا ذکر ہے اور بات بھی یہی ہے۔

امام ابوداؤد ترمذی ابن حبان اور حاکم (رحمہم اللہ) نے حضرت اشعث بن عبد الملک کے طریقے سے روایت کیا وہ حضرت محمد بن سیرین سے وہ حضرت خالد حذاء سے وہ ابو قلابہ سے وہ ابو المہلب سے اور وہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی تو بھول واقع ہوئی پس آپ نے دو سجدے کئے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث حضرت امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے ابن حبان فرماتے ہیں ابن سیرین نے جو کچھ حضرت خالد سے روایت کیا ہے وہ اس حدیث کا غیر ہے امام بیہقی ابن عبد البر اور ڈوسرے حضرات نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

انہوں نے حضرت اشعث کی روایت کا وہم کیا کیونکہ ابن سیرین سے روایت کرنے والے دیگر حفاظ نے ان کی مخالفت کی ہے پس حضرت اشعث کی روایت شاذ ہے۔

لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے جس میں سجدہ سہو میں تشہد کا ذکر ہے اور حضرت مغیرہ کی روایت امام بیہقی نے نقل کی ہے اور ان دونوں میں ضعف ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تشہد کے سلسلے میں یہ تین احادیث درجہ حسن تک پہنچتی ہیں۔ حضرت علائی کہتے ہیں یہ بات عقل سے بعید نہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں یہ بات صحیح حدیث میں ثابت ہے اسے ابن ابی شیبہ نے نقل کیا یہ ”فتح الباری سے“ بطور تلخیص نقل کیا گیا۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ابوسفیان کی روایت نقل کی گئی ہے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا، حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کچھ تو ہوا ہے۔

ابوداؤد میں حماد بن زید کے طریق سے مروی ہے وہ ہشام بن حسان سے وہ ابن سیرین سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا پس آپ نے تکبیر کہی پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سہو کیا۔

یہ روایت ان لوگوں کی تائید کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ سجدہ سہو میں سلام کے بعد تکبیر تحریمہ ضروری ہے اور جمہور کے نزدیک صرف تکبیر سجدہ پر اکتفا کیا جا۔ گا یہی بات اکثر احادیث سے ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت امام ابوداؤد فرماتے ہیں حماد بن زید کے علاوہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ آپ نے تکبیر کہی پھر تکبیر کہی تو انہوں



نے اس اضافہ کے شاذ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اس حدیث میں جس لکڑی کا ذکر ہے یہ وہی کھجور کا (خشک) تنا ہو جس کے ساتھ منبر پر تشریف لے جانے سے پہلے آپ ٹیک لگاتے (اور خطبہ ارشاد فرماتے) تھے۔

یہ سوال کہ کیا نماز کم ہوگئی؟ اس لئے تھا کہ یہ نسخ کا زمانہ تھا (یعنی اس وقت احکام منسوخ ہوتے رہتے تھے)۔

اور نبی اکرم ﷺ کا فرمانا کہ نہ میں بھولا ہوں نہ نماز کم ہوگئی ہے۔

یہ نسیان کی نفی اور کم ہونے کی نفی (دونوں میں) صریح بات ہے اور یہ ابوسفیان کی روایت میں مذکورہ الفاظ کہ ”کل ذلک لم یکن“ (ان میں سے کچھ نہیں ہوا) کی تفسیر ہے اور ان اصحاب معانی کی تائید ہے جو کہتے ہیں کہ لفظ ”کل“ جب پہلے ہو اور اس کے بعد نفی ہو تو یہ ہر فرد کی نفی ہوگی، مجموعہ کی نفی نہ ہوگی بخلاف اس کے جب یہ نفی سے مؤخر ہو مثلاً کہے ”لم یکن کل ذلک“ یہ سب کچھ نہیں ہوا (مجموعہ کی نفی ہے ہر فرد کی نفی نہیں)۔

اسی لئے ابوسفیان کی روایت کے مطابق حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ”قد کان بعض ذلک اس میں سے کچھ تو ہوا ہے“ اور اس روایت میں یوں جواب دیا ”بلی قد نسیت“ (ہاں آپ سے بھول ہوئی ہے) کیونکہ جب آپ نے دونوں باتوں پر نفی کی اور صحابہ کرام کے نزدیک یہ بات ثابت تھی کہ نبی اکرم ﷺ سے تبلیغی امور میں سہو جائز نہیں تو انہوں نے وقوع نسیان کا قطعی انداز میں ذکر کیا نماز کے کم ہونے کا ذکر قطعی طور پر نہیں کیا۔

اور یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ میں انبیاء کرام علیہم السلام سے سہو جائز ہے۔ ابن دقیق نے کہا عام علماء اور اہل نظر کا یہی قول ہے لیکن ایک جماعت نے شدت کا طریقہ اختیار کیا اور کہا کہ نبی پر سہو جائز نہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان لوگوں کا رد کرتی ہے کیونکہ اس حدیث میں ”انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون“ کے الفاظ ہیں یعنی میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔

اگر حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا کہ تبلیغی امور میں سہو کا داخل ہونا جائز نہیں انہوں نے اختلاف کو افعال کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن علماء کرام نے ان کا تعاقب کیا (اعتراض اور رد کیا)۔

ہاں جن لوگوں کے نزدیک یہ (سہو) جائز ہے انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے وہ اس پر برقرار نہیں رہتے بلکہ ان کے لئے اس فعل سے متصل یا اس کے بعد بیان آ جاتا ہے جیسے اس حدیث میں ہے کہ میں نہیں بھولا اور نہ ہی نماز کم ہوئی ہے پھر ظاہر ہوا کہ بھول واقع ہوئی ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ میں نہیں بھولا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد میں نہیں بھولا، نفس الامر کی نفی نہیں اور اس سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ یقین نہ ہونے کی صورت میں اعتقاد یقین کے قائم مقام ہوتا ہے اس قسم کی صورت میں بھول واقع ہونے کی حکمت یہ ہے کہ جب کسی اور سے بھول واقع ہو تو اس کے لئے حکم شرعی بیان کر دیا جائے۔ جو لوگ مطلقاً بھولنے کی نفی کرتے ہیں انہوں نے اس حدیث کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

پس کہا گیا کہ ”لم انس“ نسیان کی نفی ہے اس سے سہو کی نفی لازم نہیں آتی اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اور اس قول کی کمزوری پہلے بیان ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں اس روایت میں صحابی کا یہ قول کافی ہے کہ ”ہاں آپ سے بھول واقع ہوئی“ اور آپ نے اس کو برقرار رکھا (رد نہیں کیا)۔

یہ بھی کہا کہ ”لم انس“ مجھ سے بھول نہیں ہوئی اپنے ظاہر اور حقیقت پر ہے اور اس سلسلے میں آپ سے جو کچھ واقع



ہوتا آپ اس کا قصد کرتے تھے تاکہ عملی طور پر شرعی حکم بیان ہو کیونکہ قول کے مقابلے میں (فعل) بالغ ہے۔  
 ”صحیح بخاری اور مسلم میں مروی“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس بات کا رد کیا گیا ہے حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

صلی رسول اللہ ﷺ فزاد او نقص۔ نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھائی تو اس میں زیادہ کیا یا کم کیا۔

بعض راویوں کو شک ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اضافہ ہوا جب سلام پھیرا تو آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نئی بات آئی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا آپ نے اس طرح نماز پڑھی ہے فرماتے ہیں آپ نے اپنے پاؤں مبارک کو دوہرا کیا؟ قعدے کی طرح بیٹھے اور قبلہ رخ ہو کر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا پھر جب ہماری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا اگر نماز میں کوئی نئی بات آتی تو میں تمہیں بتا دیتا لیکن میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو جب مجھ سے بھول واقع ہو تو مجھے یاد دلادیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو تو وہ درست بات کے لئے غور کرے پس اس کے مطابق مکمل کرے پھر سلام پھیرے پھر دو سجدے کرے۔

اس حدیث میں حکم سے پہلے علت کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ”انما انا بشر مثلکم“ اور اپنے لئے نسیان کے ثبوت پر اکتفاء نہیں کیا (یعنی اس نسیان کی علت پہلے بیان کی اور وہ بشریت ہے) حتیٰ کہ ان لوگوں کے قول کو دور کیا جو کہہ سکتے تھے کہ آپ کا بھولنا ہمارے بھولنے کی طرح نہیں پس آپ نے فرمایا جس طرح تم بھولتے ہو (میں بھی بھولتا ہوں)۔

اس حدیث کے ذریعے ان لوگوں کا رد بھی ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ ”لم انس“ (میں نہیں بھولا) کے ذریعے اس لفظ کا انکار کیا جس کی اپنے آپ سے نفی کی کہ آپ نے فرمایا:

لا انس ولكن انسى لاسن۔ میں بھولا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت بنے۔

(التمہید رقم الحدیث: ۸۲۸ الاستذکار ج ۱ ص ۱۰۰ المعہد ج ۵ ص ۲۰۶ ج ۶ ص ۳۹۲ ج ۱۰ ص ۱۸۳ موطا امام مالک رقم الحدیث:

۱۰۰ الشفاج ۲ ص ۳۲۰-۳۲۲-۳۲۶)

اور اس لفظ کا انکار ہے جس کا آپ نے دوسروں سے انکار کیا کہ فرمایا:

بنسما لاحد کما ان يقول نسيت اية کذا وکذا۔ تم میں سے کسی ایک کے لئے برا ہے کہ وہ کہے میں

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۳۲-۵۰۳۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰) فلاں فلاں آیت کو بھول گیا۔

اس کا رد بھی کیا گیا کہ حدیث ”لا انس“ کی کوئی اصل نہیں یہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پہنچنے والی روایات ہیں کہ شدید بحث کے بعد ان کا واصل ثابت نہیں ہوا اور وہ چار ہیں۔ یہ بات ابن عبد البر نے کہی ہے دوسری بات یہ ہے کہ آیت

۱۔ یہ چار احادیث موطا امام مالک میں ہیں کسی دوسرے مجموعہ میں نہیں ہیں نہ مرسل اور نہ ہی مسند (لیکن یہ ضعیف ہیں باطل نہیں) پہلی یہ مذکورہ بالا دوسری استقواء کے بارے میں تیسری روزے کے بارے میں اور چوتھی ”کتاب الجامع میں“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ حضور

ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی (تفصیل زر قانی ج ۷ ص ۳۵۹ پر دیکھیں) ۱۲ ہزاروی



کے نسیان کی مذمت سے ہر چیز کے بھولنے کی مذمت لازم نہیں آتی کیونکہ دونوں میں فرق بہت واضح ہے۔  
یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”لم انس“ سلام کی طرف راجع ہے یعنی میں نے قصد اسلام پھیرا ہے کیونکہ میں نے اپنے اعتقاد کے مطابق چار رکعتیں پڑھ لی تھیں اور یہ عمدہ ہے۔

جب کہ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے اس سے عموم سمجھا تو عرض کیا ہاں آپ سے بھول ہوئی ہے اور یہ قول زیادہ شک میں ڈالنے والا تھا جس کے ساتھ حاضرین سے ثبوت طلب کرنے کی ضرورت پڑی۔

اس تقریر سے ان لوگوں کا اعتراض دور ہو گیا جو حضرت ذوالیدین کے عدل پر اعتراض کرتے ہیں اور تنہا ہونے کی وجہ سے ان کی خبر کو قبول نہیں کرتے پس اس میں توقف کی نسبت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایسی خبر دی ہے جو ایسے عمل سے متعلق ہے جس کے بارے میں پوچھا گیا اور وہ ان کے اعتقاد کے خلاف ہے۔

اسی کے ساتھ ان لوگوں کو بھی جواب دیتے ہیں جو کہتے ہیں کہ جو شخص کسی جماعت کی موجودگی میں کسی محسوس بات کی خبر دے جو ان لوگوں پر مخفی نہ ہو اور ان کا اس کے خلاف متفق ہونا جائز نہ ہو اور نہ ہی ان کی خاموشی کا کوئی باعث ہو پھر وہ اسے نہ جھٹلائیں تو اس کو قطعی طور پر سچا نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی خبر میں اس وجہ سے تعارض ہے کہ مسئول اس بات کے خلاف ہے جس کی اس نے خبر دی ہے (لفظ ”کیونکہ“ سے آگے جواب ہے)۔  
اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ثقہ راوی جب خبر میں اکیلا ہو اور مجلس متحد ہو اور عام طور پر ایسی صورت میں غفلت نہ ہوتی ہو تو اس کی خبر قبول نہیں کی جائے گی۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص نماز میں بھول کر ایسا کام کرے جو نماز کے منافی ہے تو اس کی (اسی نماز) پر بنا جائز ہے۔

حضرت بخون فرماتے ہیں: وہ شخص بنا کر سکتا ہے جو دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرے جس طرح حضرت ذوالیدین کے واقع میں ہے کیونکہ یہ حکم قیاس کے خلاف ہے پس مورد نص پر بند ہوگا (یعنی جس طرح حدیث میں بیان ہوا اسی طریقے پر ہوگا)۔

اور زیادہ لازم یہی ہے کہ یہ قصر مغرب یا عشاء میں سے کسی ایک نماز سے متعلق ہے پس صبح کی نماز میں منع ہوگا اور جن لوگوں نے مطلقاً جواز کا قول کیا ہے انہوں نے اسے اس صورت کے ساتھ مقید کیا ہے جب زیادہ وقفہ نہ ہوا ہو۔  
اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بھول کر کلام کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی جب کہ احناف کا اختلاف ہے۔ اسی سے استدلال کیا گیا کہ کلام کا قصد نماز کی بہتری کے لئے ہو تو وہ نماز کو نہیں توڑتا۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھول کر کلام فرمایا تھا اور حضرت ذوالیدین کا نبی اکرم ﷺ سے عرض کرنا کہ ہاں کیوں نہیں؟ آپ سے بھول ہوئی ہے اور صحابہ کرام کا یہ کہنا کہ حضرت ذوالیدین نے سچ کہا ہے تو انہوں نے اس اعتقاد کے ساتھ کلام کیا کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ (ابھی احکام شریعت آرہے تھے لہذا) یہ نسخ کا وقت تھا پس انہوں نے یہ خیال کرتے ہوئے گفتگو کی کہ وہ نماز میں نہیں ہیں اسی طرح کہا گیا لیکن یہ فاسد ہے کیونکہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ

۱۔ یہاں استدلال کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت ذوالیدین کی خبر پر خاموش تھے اس کے باوجود حضور ﷺ نے سوال کیا۔



کے ارشاد گرامی ”کہ نماز کم نہیں ہوئی“ کے بعد کلام کیا۔

اس کا جواب دیا گیا کہ ان حضرات نے کلام نہیں کیا بلکہ اشارہ کیا جیسا کہ امام ابو داؤد کے نزدیک ایسی روایت میں ہے جس کی سند کو امام مسلم نے چلایا ہے۔

خطابی نے اس پر اعتماد کیا ہے اور کہا کہ قول کو اشارے پر محمول کرنا مجاز ہے اور معروف ہے بخلاف اس کے برعکس کرنے کے پس مناسب ہے کہ وہ روایت جن میں گفتگو کا صراحتاً ذکر ہے ان کو اس روایت کی طرف پھیر دیا جائے اور یہ قوی ہے اور دوسرے حضرات کے اس قول کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ ان میں سے بعض نے زبان سے کلام کیا اور بعض نے اشارے سے، لیکن وہ کہتے ہیں حضرت ذوالیدین کا قول ”بلی قد نسیت“ زبانی بات تھی۔

جب اس بات کو ترجیح ہو کہ ان حضرات نے زبان سے گفتگو کی ہے (اشارے سے نہیں) تو حضرت ذوالیدین اور دوسرے حضرات کے اقوال کا جواب یوں دیا گیا کہ ان کا کلام نبی اکرم ﷺ کے جواب میں تھا اور آپ کو جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹی۔

اس پر اعتراض ہوا کہ آپ کو جواب دینا واجب ہے لیکن اس سے نماز کا نہ ٹوٹنا لازم نہیں آتا۔

اسی کا جواب دیا گیا کہ تشہد میں آپ کو خطاب کرنا ثابت ہے کہ آپ ظاہری حیات کے ساتھ موجود تھے اور صحابہ کرام ”السلام علیک ایہا النبی“ کہتے تھے لیکن نماز فاسد نہیں ہوتی تھی اور ظاہریہ ہے کہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعات پڑھائی تو عرض کیا گیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں چنانچہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد وہ سجدے کئے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۰۵، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۰۱۹، مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۲، ج ۲ ص ۲۸۱، ج ۶ ص ۲۸، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۲، دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۵۲، اتحاف السادة المتقين ج ۹ ص ۲۱۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۰۱۵، ۲۲۲۸۱، ۳۷۷۵۵، ۳۷۷۵۶، ۳۷۷۵۷، ۳۷۷۵۸، ۳۷۷۵۹، ۳۷۷۶۰، ۳۷۷۶۱، ۳۷۷۶۲، ۳۷۷۶۳، ۳۷۷۶۴، ۳۷۷۶۵، ۳۷۷۶۶، ۳۷۷۶۷، ۳۷۷۶۸، ۳۷۷۶۹، ۳۷۷۷۰، ۳۷۷۷۱، ۳۷۷۷۲، ۳۷۷۷۳، ۳۷۷۷۴، ۳۷۷۷۵، ۳۷۷۷۶، ۳۷۷۷۷، ۳۷۷۷۸، ۳۷۷۷۹، ۳۷۷۸۰، ۳۷۷۸۱، ۳۷۷۸۲، ۳۷۷۸۳، ۳۷۷۸۴، ۳۷۷۸۵، ۳۷۷۸۶، ۳۷۷۸۷، ۳۷۷۸۸، ۳۷۷۸۹، ۳۷۷۹۰، ۳۷۷۹۱، ۳۷۷۹۲، ۳۷۷۹۳، ۳۷۷۹۴، ۳۷۷۹۵، ۳۷۷۹۶، ۳۷۷۹۷، ۳۷۷۹۸، ۳۷۷۹۹، ۳۷۸۰۰، ۳۷۸۰۱، ۳۷۸۰۲، ۳۷۸۰۳، ۳۷۸۰۴، ۳۷۸۰۵، ۳۷۸۰۶، ۳۷۸۰۷، ۳۷۸۰۸، ۳۷۸۰۹، ۳۷۸۱۰، ۳۷۸۱۱، ۳۷۸۱۲، ۳۷۸۱۳، ۳۷۸۱۴، ۳۷۸۱۵، ۳۷۸۱۶، ۳۷۸۱۷، ۳۷۸۱۸، ۳۷۸۱۹، ۳۷۸۲۰، ۳۷۸۲۱، ۳۷۸۲۲، ۳۷۸۲۳، ۳۷۸۲۴، ۳۷۸۲۵، ۳۷۸۲۶، ۳۷۸۲۷، ۳۷۸۲۸، ۳۷۸۲۹، ۳۷۸۳۰، ۳۷۸۳۱، ۳۷۸۳۲، ۳۷۸۳۳، ۳۷۸۳۴، ۳۷۸۳۵، ۳۷۸۳۶، ۳۷۸۳۷، ۳۷۸۳۸، ۳۷۸۳۹، ۳۷۸۴۰، ۳۷۸۴۱، ۳۷۸۴۲، ۳۷۸۴۳، ۳۷۸۴۴، ۳۷۸۴۵، ۳۷۸۴۶، ۳۷۸۴۷، ۳۷۸۴۸، ۳۷۸۴۹، ۳۷۸۵۰، ۳۷۸۵۱، ۳۷۸۵۲، ۳۷۸۵۳، ۳۷۸۵۴، ۳۷۸۵۵، ۳۷۸۵۶، ۳۷۸۵۷، ۳۷۸۵۸، ۳۷۸۵۹، ۳۷۸۶۰، ۳۷۸۶۱، ۳۷۸۶۲، ۳۷۸۶۳، ۳۷۸۶۴، ۳۷۸۶۵، ۳۷۸۶۶، ۳۷۸۶۷، ۳۷۸۶۸، ۳۷۸۶۹، ۳۷۸۷۰، ۳۷۸۷۱، ۳۷۸۷۲، ۳۷۸۷۳، ۳۷۸۷۴، ۳۷۸۷۵، ۳۷۸۷۶، ۳۷۸۷۷، ۳۷۸۷۸، ۳۷۸۷۹، ۳۷۸۸۰، ۳۷۸۸۱، ۳۷۸۸۲، ۳۷۸۸۳، ۳۷۸۸۴، ۳۷۸۸۵، ۳۷۸۸۶، ۳۷۸۸۷، ۳۷۸۸۸، ۳۷۸۸۹، ۳۷۸۹۰، ۳۷۸۹۱، ۳۷۸۹۲، ۳۷۸۹۳، ۳۷۸۹۴، ۳۷۸۹۵، ۳۷۸۹۶، ۳۷۸۹۷، ۳۷۸۹۸، ۳۷۸۹۹، ۳۷۹۰۰، ۳۷۹۰۱، ۳۷۹۰۲، ۳۷۹۰۳، ۳۷۹۰۴، ۳۷۹۰۵، ۳۷۹۰۶، ۳۷۹۰۷، ۳۷۹۰۸، ۳۷۹۰۹، ۳۷۹۱۰، ۳۷۹۱۱، ۳۷۹۱۲، ۳۷۹۱۳، ۳۷۹۱۴، ۳۷۹۱۵، ۳۷۹۱۶، ۳۷۹۱۷، ۳۷۹۱۸، ۳۷۹۱۹، ۳۷۹۲۰، ۳۷۹۲۱، ۳۷۹۲۲، ۳۷۹۲۳، ۳۷۹۲۴، ۳۷۹۲۵، ۳۷۹۲۶، ۳۷۹۲۷، ۳۷۹۲۸، ۳۷۹۲۹، ۳۷۹۳۰، ۳۷۹۳۱، ۳۷۹۳۲، ۳۷۹۳۳، ۳۷۹۳۴، ۳۷۹۳۵، ۳۷۹۳۶، ۳۷۹۳۷، ۳۷۹۳۸، ۳۷۹۳۹، ۳۷۹۴۰، ۳۷۹۴۱، ۳۷۹۴۲، ۳۷۹۴۳، ۳۷۹۴۴، ۳۷۹۴۵، ۳۷۹۴۶، ۳۷۹۴۷، ۳۷۹۴۸، ۳۷۹۴۹، ۳۷۹۵۰، ۳۷۹۵۱، ۳۷۹۵۲، ۳۷۹۵۳، ۳۷۹۵۴، ۳۷۹۵۵، ۳۷۹۵۶، ۳۷۹۵۷، ۳۷۹۵۸، ۳۷۹۵۹، ۳۷۹۶۰، ۳۷۹۶۱، ۳۷۹۶۲، ۳۷۹۶۳، ۳۷۹۶۴، ۳۷۹۶۵، ۳۷۹۶۶، ۳۷۹۶۷، ۳۷۹۶۸، ۳۷۹۶۹، ۳۷۹۷۰، ۳۷۹۷۱، ۳۷۹۷۲، ۳۷۹۷۳، ۳۷۹۷۴، ۳۷۹۷۵، ۳۷۹۷۶، ۳۷۹۷۷، ۳۷۹۷۸، ۳۷۹۷۹، ۳۷۹۸۰، ۳۷۹۸۱، ۳۷۹۸۲، ۳۷۹۸۳، ۳۷۹۸۴، ۳۷۹۸۵، ۳۷۹۸۶، ۳۷۹۸۷، ۳۷۹۸۸، ۳۷۹۸۹، ۳۷۹۹۰، ۳۷۹۹۱، ۳۷۹۹۲، ۳۷۹۹۳، ۳۷۹۹۴، ۳۷۹۹۵، ۳۷۹۹۶، ۳۷۹۹۷، ۳۷۹۹۸، ۳۷۹۹۹، ۳۸۰۰۰، ۳۸۰۰۱، ۳۸۰۰۲، ۳۸۰۰۳، ۳۸۰۰۴، ۳۸۰۰۵، ۳۸۰۰۶، ۳۸۰۰۷، ۳۸۰۰۸، ۳۸۰۰۹، ۳۸۰۱۰، ۳۸۰۱۱، ۳۸۰۱۲، ۳۸۰۱۳، ۳۸۰۱۴، ۳۸۰۱۵، ۳۸۰۱۶، ۳۸۰۱۷، ۳۸۰۱۸، ۳۸۰۱۹، ۳۸۰۲۰، ۳۸۰۲۱، ۳۸۰۲۲، ۳۸۰۲۳، ۳۸۰۲۴، ۳۸۰۲۵، ۳۸۰۲۶، ۳۸۰۲۷، ۳۸۰۲۸، ۳۸۰۲۹، ۳۸۰۳۰، ۳۸۰۳۱، ۳۸۰۳۲، ۳۸۰۳۳، ۳۸۰۳۴، ۳۸۰۳۵، ۳۸۰۳۶، ۳۸۰۳۷، ۳۸۰۳۸، ۳۸۰۳۹، ۳۸۰۴۰، ۳۸۰۴۱، ۳۸۰۴۲، ۳۸۰۴۳، ۳۸۰۴۴، ۳۸۰۴۵، ۳۸۰۴۶، ۳۸۰۴۷، ۳۸۰۴۸، ۳۸۰۴۹، ۳۸۰۵۰، ۳۸۰۵۱، ۳۸۰۵۲، ۳۸۰۵۳، ۳۸۰۵۴، ۳۸۰۵۵، ۳۸۰۵۶، ۳۸۰۵۷، ۳۸۰۵۸، ۳۸۰۵۹، ۳۸۰۶۰، ۳۸۰۶۱، ۳۸۰۶۲، ۳۸۰۶۳، ۳۸۰۶۴، ۳۸۰۶۵، ۳۸۰۶۶، ۳۸۰۶۷، ۳۸۰۶۸، ۳۸۰۶۹، ۳۸۰۷۰، ۳۸۰۷۱، ۳۸۰۷۲، ۳۸۰۷۳، ۳۸۰۷۴، ۳۸۰۷۵، ۳۸۰۷۶، ۳۸۰۷۷، ۳۸۰۷۸، ۳۸۰۷۹، ۳۸۰۸۰، ۳۸۰۸۱، ۳۸۰۸۲، ۳۸۰۸۳، ۳۸۰۸۴، ۳۸۰۸۵، ۳۸۰۸۶، ۳۸۰۸۷، ۳۸۰۸۸، ۳۸۰۸۹، ۳۸۰۹۰، ۳۸۰۹۱، ۳۸۰۹۲، ۳۸۰۹۳، ۳۸۰۹۴، ۳۸۰۹۵، ۳۸۰۹۶، ۳۸۰۹۷، ۳۸۰۹۸، ۳۸۰۹۹، ۳۸۱۰۰، ۳۸۱۰۱، ۳۸۱۰۲، ۳۸۱۰۳، ۳۸۱۰۴، ۳۸۱۰۵، ۳۸۱۰۶، ۳۸۱۰۷، ۳۸۱۰۸، ۳۸۱۰۹، ۳۸۱۱۰، ۳۸۱۱۱، ۳۸۱۱۲، ۳۸۱۱۳، ۳۸۱۱۴، ۳۸۱۱۵، ۳۸۱۱۶، ۳۸۱۱۷، ۳۸۱۱۸، ۳۸۱۱۹، ۳۸۱۲۰، ۳۸۱۲۱، ۳۸۱۲۲، ۳۸۱۲۳، ۳۸۱۲۴، ۳۸۱۲۵، ۳۸۱۲۶، ۳۸۱۲۷، ۳۸۱۲۸، ۳۸۱۲۹، ۳۸۱۳۰، ۳۸۱۳۱، ۳۸۱۳۲، ۳۸۱۳۳، ۳۸۱۳۴، ۳۸۱۳۵، ۳۸۱۳۶، ۳۸۱۳۷، ۳۸۱۳۸، ۳۸۱۳۹، ۳۸۱۴۰، ۳۸۱۴۱، ۳۸۱۴۲، ۳۸۱۴۳، ۳۸۱۴۴، ۳۸۱۴۵، ۳۸۱۴۶، ۳۸۱۴۷، ۳۸۱۴۸، ۳۸۱۴۹، ۳۸۱۵۰، ۳۸۱۵۱، ۳۸۱۵۲، ۳۸۱۵۳، ۳۸۱۵۴، ۳۸۱۵۵، ۳۸۱۵۶، ۳۸۱۵۷، ۳۸۱۵۸، ۳۸۱۵۹، ۳۸۱۶۰، ۳۸۱۶۱، ۳۸۱۶۲، ۳۸۱۶۳، ۳۸۱۶۴، ۳۸۱۶۵، ۳۸۱۶۶، ۳۸۱۶۷، ۳۸۱۶۸، ۳۸۱۶۹، ۳۸۱۷۰، ۳۸۱۷۱، ۳۸۱۷۲، ۳۸۱۷۳، ۳۸۱۷۴، ۳۸۱۷۵، ۳۸۱۷۶، ۳۸۱۷۷، ۳۸۱۷۸، ۳۸۱۷۹، ۳۸۱۸۰، ۳۸۱۸۱، ۳۸۱۸۲، ۳۸۱۸۳، ۳۸۱۸۴، ۳۸۱۸۵، ۳۸۱۸۶، ۳۸۱۸۷، ۳۸۱۸۸، ۳۸۱۸۹، ۳۸۱۹۰، ۳۸۱۹۱، ۳۸۱۹۲، ۳۸۱۹۳، ۳۸۱۹۴، ۳۸۱۹۵، ۳۸۱۹۶، ۳۸۱۹۷، ۳۸۱۹۸، ۳۸۱۹۹، ۳۸۲۰۰، ۳۸۲۰۱، ۳۸۲۰۲، ۳۸۲۰۳، ۳۸۲۰۴، ۳۸۲۰۵، ۳۸۲۰۶، ۳۸۲۰۷، ۳۸۲۰۸، ۳۸۲۰۹، ۳۸۲۱۰، ۳۸۲۱۱، ۳۸۲۱۲، ۳۸۲۱۳، ۳۸۲۱۴، ۳۸۲۱۵، ۳۸۲۱۶، ۳۸۲۱۷، ۳۸۲۱۸، ۳۸۲۱۹، ۳۸۲۲۰، ۳۸۲۲۱، ۳۸۲۲۲، ۳۸۲۲۳، ۳۸۲۲۴، ۳۸۲۲۵، ۳۸۲۲۶، ۳۸۲۲۷، ۳۸۲۲۸، ۳۸۲۲۹، ۳۸۲۳۰، ۳۸۲۳۱، ۳۸۲۳۲، ۳۸۲۳۳، ۳۸۲۳۴، ۳۸۲۳۵، ۳۸۲۳۶، ۳۸۲۳۷، ۳۸۲۳۸، ۳۸۲۳۹، ۳۸۲۴۰، ۳۸۲۴۱، ۳۸۲۴۲، ۳۸۲۴۳، ۳۸۲۴۴، ۳۸۲۴۵، ۳۸۲۴۶، ۳۸۲۴۷، ۳۸۲۴۸، ۳۸۲۴۹، ۳۸۲۵۰، ۳۸۲۵۱، ۳۸۲۵۲، ۳۸۲۵۳، ۳۸۲۵۴، ۳۸۲۵۵، ۳۸۲۵۶، ۳۸۲۵۷، ۳۸۲۵۸، ۳۸۲۵۹، ۳۸۲۶۰، ۳۸۲۶۱، ۳۸۲۶۲، ۳۸۲۶۳، ۳۸۲۶۴، ۳۸۲۶۵، ۳۸۲۶۶، ۳۸۲۶۷، ۳۸۲۶۸، ۳۸۲۶۹، ۳۸۲۷۰، ۳۸۲۷۱، ۳۸۲۷۲، ۳۸۲۷۳، ۳۸۲۷۴، ۳۸۲۷۵، ۳۸۲۷۶، ۳۸۲۷۷، ۳۸۲۷۸، ۳۸۲۷۹، ۳۸۲۸۰، ۳۸۲۸۱، ۳۸۲۸۲، ۳۸۲۸۳، ۳۸۲۸۴، ۳۸۲۸۵، ۳۸۲۸۶، ۳۸۲۸۷، ۳۸۲۸۸، ۳۸۲۸۹، ۳۸۲۹۰، ۳۸۲۹۱، ۳۸۲۹۲، ۳۸۲۹۳، ۳۸۲۹۴، ۳۸۲۹۵، ۳۸۲۹۶، ۳۸۲۹۷، ۳۸۲۹۸، ۳۸۲۹۹، ۳۸۳۰۰، ۳۸۳۰۱، ۳۸۳۰۲، ۳۸۳۰۳، ۳۸۳۰۴، ۳۸۳۰۵، ۳۸۳۰۶، ۳۸۳۰۷، ۳۸۳۰۸، ۳۸۳۰۹، ۳۸۳۱۰، ۳۸۳۱۱، ۳۸۳۱۲، ۳۸۳۱۳، ۳۸۳۱۴، ۳۸۳۱۵، ۳۸۳۱۶، ۳۸۳۱۷، ۳۸۳۱۸، ۳۸۳۱۹، ۳۸۳۲۰، ۳۸۳۲۱، ۳۸۳۲۲، ۳۸۳۲۳، ۳۸۳۲۴، ۳۸۳۲۵، ۳۸۳۲۶، ۳۸۳۲۷، ۳۸۳۲۸، ۳۸۳۲۹، ۳۸۳۳۰، ۳۸۳۳۱، ۳۸۳۳۲، ۳۸۳۳۳، ۳۸۳۳۴، ۳۸۳۳۵، ۳۸۳۳۶، ۳۸۳۳۷، ۳۸۳۳۸، ۳۸۳۳۹، ۳۸۳۴۰، ۳۸۳۴۱، ۳۸۳۴۲، ۳۸۳۴۳، ۳۸۳۴۴، ۳۸۳۴۵، ۳۸۳۴۶، ۳۸۳۴۷، ۳۸۳۴۸، ۳۸۳۴۹، ۳۸۳۵۰، ۳۸۳۵۱، ۳۸۳۵۲، ۳۸۳۵۳، ۳۸۳۵۴، ۳۸۳۵۵، ۳۸۳۵۶، ۳۸۳۵۷، ۳۸۳۵۸، ۳۸۳۵۹، ۳۸۳۶۰، ۳۸۳۶۱، ۳۸۳۶۲، ۳۸۳۶۳، ۳۸۳۶۴، ۳۸۳۶۵، ۳۸۳۶۶، ۳۸۳۶۷، ۳۸۳۶۸، ۳۸۳۶۹، ۳۸۳۷۰، ۳۸۳۷۱، ۳۸۳۷۲، ۳۸۳۷۳، ۳۸۳۷۴، ۳۸۳۷۵، ۳۸۳۷۶، ۳۸۳۷۷، ۳۸۳۷۸، ۳۸۳۷۹، ۳۸۳۸۰، ۳۸۳۸۱، ۳۸۳۸۲، ۳۸۳۸۳، ۳۸۳۸۴، ۳۸۳۸۵، ۳۸۳۸۶، ۳۸۳۸۷، ۳۸۳۸۸، ۳۸۳۸۹، ۳۸۳۹۰، ۳۸۳۹۱، ۳۸۳۹۲، ۳۸۳۹۳، ۳۸۳۹۴، ۳۸۳۹۵، ۳۸۳۹۶، ۳۸۳۹۷، ۳۸۳۹۸، ۳۸۳۹۹، ۳۸۴۰۰، ۳۸۴۰۱، ۳۸۴۰۲، ۳۸۴۰۳، ۳۸۴۰۴، ۳۸۴۰۵، ۳۸۴۰۶، ۳۸۴۰۷، ۳۸۴۰۸، ۳۸۴۰۹، ۳۸۴۱۰، ۳۸۴۱۱، ۳۸۴۱۲، ۳۸۴۱۳، ۳۸۴۱۴، ۳۸۴۱۵، ۳۸۴۱۶، ۳۸۴۱۷، ۳۸۴۱۸، ۳۸۴۱۹، ۳۸۴۲۰، ۳۸۴۲۱، ۳۸۴۲۲، ۳۸۴۲۳، ۳۸۴۲۴، ۳۸۴۲۵، ۳۸۴۲۶، ۳۸۴۲۷، ۳۸۴۲۸، ۳۸۴۲۹، ۳۸۴۳۰، ۳۸۴۳۱، ۳۸۴۳۲، ۳۸۴۳۳، ۳۸۴۳۴، ۳۸۴۳۵، ۳۸۴۳۶، ۳۸۴۳۷، ۳۸۴۳۸، ۳۸۴۳۹، ۳۸۴۴۰، ۳۸۴۴۱، ۳۸۴۴۲، ۳۸۴۴۳، ۳۸۴۴۴، ۳۸۴۴۵، ۳۸۴۴۶، ۳۸۴۴۷، ۳۸۴۴۸، ۳۸۴۴۹، ۳۸۴۵۰، ۳۸۴۵۱، ۳۸۴۵۲، ۳۸۴۵۳، ۳۸۴۵۴، ۳۸۴۵۵، ۳۸۴۵۶، ۳۸۴۵۷، ۳۸۴۵۸، ۳۸۴۵۹، ۳۸۴۶۰، ۳۸۴۶۱، ۳۸۴۶۲، ۳۸۴۶۳، ۳۸۴۶۴، ۳۸۴۶۵، ۳۸۴۶۶، ۳۸۴۶۷، ۳۸۴۶۸، ۳۸۴۶۹، ۳۸۴۷۰، ۳۸۴۷۱، ۳۸۴۷۲، ۳۸۴۷۳، ۳۸۴۷۴، ۳۸۴۷۵، ۳۸۴۷۶، ۳۸۴۷۷، ۳۸۴۷۸، ۳۸۴۷۹، ۳۸۴۸۰، ۳۸۴۸۱، ۳۸۴۸۲، ۳۸۴۸۳، ۳۸۴۸۴، ۳۸۴۸۵، ۳۸۴۸۶، ۳۸۴۸۷، ۳۸۴۸۸، ۳۸۴۸۹، ۳۸۴۹۰، ۳۸۴۹۱، ۳۸۴۹۲، ۳۸۴۹۳، ۳۸۴۹۴، ۳۸۴۹۵، ۳۸۴۹۶، ۳۸۴۹۷، ۳۸۴۹۸، ۳۸۴۹۹، ۳۸۵۰۰، ۳۸۵۰۱، ۳۸۵۰۲، ۳۸۵۰۳، ۳۸۵۰۴، ۳۸۵۰۵، ۳۸۵۰۶، ۳۸۵۰۷، ۳۸۵۰۸، ۳۸۵۰۹، ۳۸۵۱۰، ۳۸۵۱۱، ۳۸۵۱۲، ۳۸۵۱۳، ۳۸۵۱۴، ۳۸۵۱۵، ۳۸۵۱۶، ۳۸۵۱۷، ۳۸۵۱۸، ۳۸۵۱۹، ۳۸۵۲۰، ۳۸۵۲۱، ۳۸۵۲۲، ۳۸۵۲۳، ۳۸۵۲۴، ۳۸۵۲۵، ۳۸۵۲۶، ۳۸۵۲۷، ۳۸۵۲۸، ۳۸۵۲۹، ۳۸۵۳۰، ۳۸۵۳۱، ۳۸۵۳۲، ۳۸۵۳۳، ۳۸۵۳۴، ۳۸۵۳۵، ۳۸۵۳۶، ۳۸۵۳۷، ۳۸۵۳۸، ۳۸۵۳۹، ۳۸۵۴۰، ۳۸۵۴۱، ۳۸۵۴۲، ۳۸۵۴۳، ۳۸۵۴۴، ۳۸۵۴۵، ۳۸۵۴۶، ۳۸۵۴۷، ۳۸۵۴۸، ۳۸۵۴۹، ۳۸۵۵۰، ۳۸۵۵۱، ۳۸۵۵۲، ۳۸۵۵۳، ۳۸۵۵۴، ۳۸۵۵۵، ۳۸۵۵۶، ۳۸۵۵۷، ۳۸۵۵۸، ۳۸۵۵۹، ۳۸۵۶۰، ۳۸۵۶۱، ۳۸۵۶۲، ۳۸۵۶۳، ۳۸۵۶۴، ۳۸۵۶۵، ۳۸۵۶۶، ۳۸۵۶۷، ۳۸۵۶۸، ۳۸۵۶۹، ۳۸۵۷۰، ۳۸۵۷۱، ۳۸۵۷۲، ۳۸۵۷۳، ۳۸۵۷۴، ۳۸۵۷۵، ۳۸۵۷۶، ۳۸۵۷۷، ۳۸۵۷۸، ۳۸۵۷۹، ۳۸۵۸۰، ۳۸۵۸۱، ۳۸۵۸۲، ۳۸۵۸۳، ۳۸۵۸۴، ۳۸۵۸۵، ۳۸۵۸۶، ۳۸۵۸۷، ۳۸۵۸۸، ۳۸۵۸۹، ۳۸۵۹۰، ۳۸۵۹۱، ۳۸۵۹۲، ۳۸۵۹۳، ۳۸۵۹۴، ۳۸۵۹۵، ۳۸۵۹۶، ۳۸۵۹۷، ۳۸۵۹۸، ۳۸۵۹۹، ۳۸۶۰۰، ۳۸۶۰۱، ۳۸۶۰۲، ۳۸۶۰۳، ۳۸۶۰۴، ۳۸۶۰۵، ۳۸۶۰۶، ۳۸۶۰۷، ۳۸۶۰۸، ۳۸۶۰۹، ۳۸۶۱۰، ۳۸۶۱۱، ۳۸۶۱۲، ۳۸۶۱۳، ۳۸۶۱۴، ۳۸۶۱۵، ۳۸۶۱۶، ۳۸۶۱۷، ۳۸۶۱۸، ۳۸۶۱۹، ۳۸۶۲۰، ۳۸۶۲۱، ۳۸۶۲۲، ۳۸۶۲۳، ۳۸۶۲۴، ۳۸۶۲۵، ۳۸۶۲۶، ۳۸۶۲۷، ۳۸۶۲۸، ۳۸۶۲۹، ۳۸۶۳۰، ۳۸۶۳۱، ۳۸۶۳۲، ۳۸۶۳۳، ۳۸۶۳۴، ۳۸۶۳۵، ۳۸۶۳۶، ۳۸۶۳۷، ۳۸۶۳۸، ۳۸۶۳۹، ۳۸۶۴۰، ۳۸۶۴۱، ۳۸۶۴۲، ۳۸۶۴۳، ۳۸۶۴۴، ۳۸۶۴۵، ۳۸۶۴۶، ۳۸۶۴۷، ۳۸۶۴۸، ۳۸۶۴۹، ۳۸۶۵۰، ۳۸۶۵۱، ۳۸۶۵۲، ۳۸۶۵۳، ۳۸۶۵۴، ۳۸۶۵۵، ۳۸۶۵۶، ۳۸۶۵۷، ۳۸۶۵۸، ۳۸۶۵۹، ۳۸۶۶۰، ۳۸۶۶۱، ۳۸۶۶۲، ۳۸۶۶۳، ۳۸۶۶۴، ۳۸۶۶۵، ۳۸۶۶۶، ۳۸۶۶۷، ۳۸۶۶۸، ۳۸۶۶۹، ۳۸۶۷۰، ۳۸۶۷۱، ۳۸۶۷۲، ۳۸۶۷۳، ۳۸۶۷۴، ۳۸۶۷۵، ۳۸۶۷۶، ۳۸۶۷۷، ۳۸۶۷۸، ۳۸۶۷۹، ۳۸۶۸۰، ۳۸۶۸۱، ۳۸۶۸۲، ۳۸۶۸۳، ۳۸۶۸۴، ۳۸۶۸۵، ۳۸۶۸۶، ۳۸۶۸۷، ۳۸۶۸۸، ۳۸۶۸۹، ۳۸۶



میں سلام کے بعد سجدہ کرے۔ ابن عبد البر کے خیال میں دوسرے لوگوں کے قول سے یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں دونوں بہتر باتیں جمع ہیں۔

وہ فرماتے ہیں: نظر و فکر کے موافق یہی ہے کیونکہ کمی کی صورت میں اسے پورا کرنا ہوتا ہے پس چاہیے کہ وہ اصل نماز سے ہو اور اضافہ کی صورت میں شیطان کی مخالفت کرنا ہے پس وہ نماز سے خارج ہونا چاہیے۔

ابن دقیق العید نے کہا اس میں شک نہیں کہ ترجیح یا دعویٰ نسخ کے مقابلے میں جمع کرنا زیادہ مناسب ہے اور مذکورہ بالا مناسبت کے ساتھ جمع مذکور کو ترجیح حاصل ہوگی اور جب مناسبت ظاہر ہے اور اسی کے مطابق حکم ہوگا تو حکم تمام مقامات کو شامل ہوگا لہذا نص کے بغیر تخصیص نہ ہوگی۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ اضافہ کی صورت میں سجدہ بھی محض شیطان کی مخالفت نہیں بلکہ وہ بھی اس پیدا ہونے والے خلل کو دور کرنا ہے کیونکہ یہ خلل اگرچہ اضافہ کی صورت میں ہے لیکن معنوی طور پر نقص ہے۔

خطابی فرماتے ہیں اضافہ یا کسی کے درمیان کوئی صحیح فرق نہیں ہے نیز حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ والے واقعہ میں سجدہ سلام کے بعد ہوا حالانکہ وہ کمی والی صورت تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا مسلک سب سے قوی ہے تو ان کے غیر نے کہا بلکہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا طریقہ سب سے زیادہ قوی ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا ہر اس حدیث کو اسی جگہ استعمال کیا جائے جہاں وہ وارد ہوئی ہے اور جہاں کوئی حکم نہیں آیا وہاں سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے وہ فرماتے ہیں اگر اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے مروی حکم نہ ہوتا تو میرے خیال میں تمام صورتوں میں سجدہ سلام سے پہلے ہوتا کیونکہ وہ نماز کے افعال میں سے ہے پس سلام سے پہلے ہونا چاہیے۔

ہمارے (مصنف علیہ الرحمۃ کے) امام حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ سہو تمام صورتوں میں سلام سے پہلے ہوگا۔ احناف کے نزدیک تمام صورتوں میں سلام کے بعد ہوتا ہے اور خفیوں کا اعتماد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ہے اس پر اعتراض کیا گیا کہ رکعت کے زائد ہونے کا پتہ سلام کے بعد چلا جب انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ اور تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس صورت میں سجدہ سلام کے بعد ہے کیونکہ اس سے پہلے سہو کا علم نہ ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو مشکل ہے صحابہ کرام نے زائد نماز میں نبی اکرم ﷺ کی اتباع اس لئے کی کہ ان کے نزدیک اس میں اضافہ ہو سکتا تھا کیونکہ اس زمانے میں نسخ کی توقع تھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اضافہ کا ذکر ہے اور وہ حدیث یوں ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک کو نماز میں شک ہو تو درست صورت کے بارے میں غور و فکر کرے پس اس پر پورا کرے پھر سلام پھیرے اس کے بعد سہو کے دو سجدے کرے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ یہ حدیث حضرت ابوسعید کی اس روایت کے معارض ہے جو امام مسلم نے نقل کی اس کے الفاظ یہ ہیں۔ جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو پس اسے معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تو وہ شک کو چھوڑ دے اور یقین پر بنا کرے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸، مسند احمد ج ۳ ص ۲۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۵، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۷۵، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۳۶۶، مشکوٰۃ المصابیح للسمیری رقم الحدیث: ۱۰۱۵، التہذیب



ج ۵ ص ۱۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۶)

شافعی حضرات نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔  
بعض حضرات نے دونوں صورتوں کو دو (مختلف) حالتوں پر محمول کرتے ہوئے جمع کیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے سہو میں اختیار دینے کے طریقے کو ترجیح دی ہے، سلام سے پہلے ہو یا بعد میں (یعنی اختیار ہے جیسے چاہے کرے)۔  
ماوردی نے (دونوں طرح) جواز پر اجماع نقل کیا ہے اختلاف افضلیت میں ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح مطلق جواز کا قول کیا ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ امام الحرمین نے ”النہایہ میں“ (شافعی) مذہب سے جواز کے بارے میں اختلاف نقل کیا اور جواز کے قول کو بعید قرار دیا۔ ممکن ہے کہا جائے کہ ماوردی اور نووی نے جو اجماع نقل کیا ہے وہ مذاہب مذکورہ کی ان آراء سے پہلے کی بات ہے۔ واللہ اعلم  
یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

اگر کسی شخص سے دو یا زیادہ سہو ہو جائیں تو امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک سب کے لئے دو سجدے کافی ہیں اور جمہور کے نزدیک فرض کی طرح نقل میں بھی سجدہ سہو کرے۔

## فصل نمبر ۵

نبی اکرم ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کون سے  
کلمات پڑھتے تھے نیز نماز کے بعد آپ کا بیٹھنا  
اور اس کے بعد جلدی پھر جانا

## نماز کے بعد سنت کیا ہے؟

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تو تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھتے اور یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ      یا اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا ہے تیری طرف سے  
تَبَارَكَتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ      ہی سلامتی ہے تو برکت والا ہے اے جلال اور عزت والے!  
اور آپ قبلہ رخ اتنی دیر رہتے جس میں یہ کلمات کہہ سکیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز پڑھ لیتے تو صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۵-۱۳۸۶، شرح السنہ ج ۳ ص ۲۱۴، تفلیق التعلیق رقم الحدیث: ۵۰۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۲۳۳)  
نماز کے بعد آپ سے جو دعا منقول ہے اسے اس بات پر محمول کیا جائے کہ آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہونے کے



بعد یہ کلمات دعائیہ پڑھتے تھے اور آپ جلدی جلدی مقتدیوں کی طرف پھر جاتے اور دائیں اور بائیں دونوں طرف پھرتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اکثر بائیں طرف پھرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سلام پھیرنے کے بعد تھوڑی دیر اپنی جگہ پر ٹھہرتے آپ فرماتی ہیں حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہمارا خیال یہ تھا کہ (آپ اس لئے ٹھہرتے) تاکہ مردوں کے پہنچنے سے پہلے عورتیں واپس چلی جائیں۔

### نماز کے بعد دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ صرف اتنی مقدار ٹھہرتے جس میں یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ اے اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا اور تجھ ہی سے سلامتی ہے تو برکت والا ہے اے جلال و عزت والے!

جن حضرات نے کہا ہے کہ نماز کے بعد دعا مسنون نہیں ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ نفی سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سلام سے پہلے صرف اتنی مقدار اپنی حالت پر رہتے جس میں یہ کلمات پڑھتے۔

اور آپ یہ کلمات بھی پڑھتے تھے:

لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطٰى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یا اللہ! جو کچھ تو عطا کرے اسے روکنے والا کوئی نہیں اور جو کچھ تو نہ دے وہ عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی مالدار کو اس کی مالداری تیزی طرف سے نفع نہیں دے سکتی۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اسے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

اور بلند آواز سے پڑھتے:

لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الشَّاءُ الْحَسَنُ الْجَمِيلُ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں وہی نعمت و فضل کا مالک ہے وہی اچھی تعریف کا مستحق ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے لئے خالص عبادت کرتے ہیں اگرچہ کافر نابیند کر ۱۲۔



امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو یہ کلمات سکھاتے اور فرماتے: کہ نبی اکرم ﷺ نمازوں کے بعد ان کلمات کے ساتھ پناہ مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْدَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ.

یا اللہ! میں بزدی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں نہایت گھٹیا عمر کی طرف لوٹائے جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں دنیا کے فتنے اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے:

اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبُّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّكَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبُّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبُّ كُلِّ شَيْءٍ أَنَا شَهِيدٌ أَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ إِخْوَةٌ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَرَبُّ كُلِّ شَيْءٍ اجْعَلْنِي مُخْلِصًا لَكَ وَأَهْلِي فِي كُلِّ سَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اللَّهُ أَكْبَرُ حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ.

اے اللہ! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب ہم گواہ ہیں کہ بے شک تو رب ہے اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں یا اللہ! اے ہمارے رب! اور ہر چیز کے رب ہم گواہ ہیں کہ (حضرت) محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں یا اللہ! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمام بندے (مسلمان) بھائی بھائی ہیں یا اللہ! اے ہمارے رب اور ہر چیز کے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو دنیا اور آخرت کی ہر ساعت میں اپنے لئے خالص بنا دے اے جلال و عزت والے! (میری دعا) سن اور قبول فرما اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے اللہ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے اللہ بہت بڑا ہے اللہ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۰۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۹)

الدر المنثور رقم الحدیث: ۳۷۱۵، اتحاف السادة المتقين ج ۲ ص ۹۳۔

ج ۵ ص ۹۸، الاسماء والصفات رقم الحدیث: ۱۳۶)

### نماز کے بعد دعا کے بارے میں ابن قیم کی رائے

میں (مصنف) نے ابن قیم کی کتاب ”الہدی“ میں دیکھا (لکھا ہے) نماز سے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ ہونے کی حالت میں دعا مانگنا تنہا ہو یا امام یا مقتدی نبی اکرم ﷺ کی سنت سے بالکل نہیں ہے اور نہ آپ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے بلکہ سند حسن کے ساتھ بھی مروی نہیں ہے۔ بعض حضرات نے اسے فجر اور عصر کی نماز کے ساتھ خاص کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے یہ عمل نہیں کیا اور نہ اپنی امت کو اس کی طرف رہنمائی فرمائی یہ مستحب عمل ہے جس نے اسے اچھا قرار دیا تو نبی اکرم ﷺ اور خلفاء کے بعد سنت کی جگہ قرار دیا۔



ابن قیم نے کہا زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ نماز سے متعلق جتنی دعائیں ہیں وہ نماز کے اندر مانگی ہیں اور ان کا حکم بھی دیا ہے۔

ابن قیم کا کہنا ہے کہ نماز کے حال کے زیادہ لائق یہی بات ہے کیونکہ (اس وقت) وہ اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب وہ نماز سے سلام پھیرتا ہے تو اس کی مناجات ختم ہو جاتی ہے اور اس کا وہاں کھڑا ہونا اور قرب ختم ہو جاتا ہے تو کیسے وہ حالت مناجات اور قرب خداوندی کے وقت سوال کرنا چھوڑے گا حالانکہ وہ اس کی طرف متوجہ ہے؟ پھر جب اس (نماز) سے پھر جاتا ہے تو سوال کرتا ہے۔

ابن قیم نے اس کے بعد کہا لیکن وہ اذکار جو فرض نمازوں کے بعد ہیں جو شخص ان کو پڑھنا چاہے وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے اور جو دعا چاہے مانگے اس کی یہ دعا اس دوسری عبادت کے بعد ہوگی یعنی اس ذکر کے بعد جو فرض نمازوں کے بعد منقول ہے یہ دعا فرض نماز کے بعد نہیں ہوگی۔

### ابن قیم کا مناقشہ

میرے (مصنف کے) دل میں اس کے مطلق نفی کے دعویٰ سے متعلق کوئی بات تھی جیسا کہ عنقریب آئے گا پھر میں نے اپنے شیخ المشائخ امام الحفاظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا۔  
اس (ابن قیم) نے جو مطلق نفی کا دعویٰ کیا ہے وہ مردود ہے کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا اے معاذ! اللہ کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں پس ہر نماز کے بعد یہ (کلمات) کہنا ترک نہ کرنا:

اَللّٰهُمَّ اَعِزِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ  
يَا اللّٰهُ! اپنے ذکر اپنے شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد  
وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ۔ فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۲ المستدرک ج ۱ ص ۲۷۳ اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۹۸ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۳۱ نصب الرایۃ ج ۲ ص ۲۳۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۵۷)

اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (فرماتے ہیں) میں نے نبی اکرم ﷺ کو نماز کے بعد یوں کہتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ  
حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے مرفوع حدیث مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيْ  
یا اللہ! میرے لئے میرے دین کو بہتر بنادے۔  
اس حدیث کو امام نسائی نے نقل کیا اور ابن حبان وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا اگر کہا جائے کہ نماز کے بعد سے مراد اس کے آخر کا قریب یعنی تشہد ہے تو ہم کہتے ہیں کہ نماز کے بعد ذکر کا حکم آیا ہے اور اس سے بالاتفاق سلام مراد ہے۔ (یعنی لفظ ”دبر“ آیا ہے اور وہ تشہد



نہیں بلکہ سلام کے بعد پڑھنا مراد ہے اسی طرح یہاں بھی لفظ ”دبر“ آیا ہے۔  
یہاں بھی اسی طرح ہوا گا حتیٰ کہ اس کے خلاف ثابت ہو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا: رات کے درمیان اور فرض نمازوں کے بعد (مانگی جانے) والی دعا۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حسن ہے۔

امام طبرانی نے حضرت جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں:

الدعاء بعد المكتوبة افضل من الدعاء بعد  
النافلة كفضل المكتوبة على النافلة.  
فرض نماز کے بعد دعا نفل کے بعد دعا سے افضل ہے  
جس طرح نفل نماز سے فرض نماز افضل ہے

حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اکثر حنبلی حضرات نے یہی سمجھا کہ ابن قیم نے نماز کے بعد مطلق دعا کی نفی مراد لی ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مسلسل قبلہ رخ ہونے کی قید اور سلام کے (فورا) بعد کی قید کے ساتھ نفی کی ہے لیکن جب قبلہ کی طرف سے رخ پھیر لے اور پہلے وہ اذکار کرے جو مسنون ہیں تو اس وقت دعا مانگنا منع نہیں ہے۔

### امامت کے بعض احکام

جب مسجد میں اقامت ہوتی تو نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو دیکھتے اگر وہ ٹھوڑے ہوتے تو آپ بیٹھ جاتے اور جب ان کو جماعت کی صورت میں دیکھتے تو نماز پڑھاتے۔  
حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نماز میں ہمارے کاندھوں کو ہاتھ لگاتے اور فرماتے:

استروا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم  
لئلا يملأ منكم اولو الاحلام والنهي ثم الذين  
يلونهم.  
سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اختلاف نہ کرو ورنہ  
تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہوگا چاہیے کہ تم میں سے  
عقل مند لوگ میرے قریب کھڑے ہوں پھر وہ جو ان کے  
قریب ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۲، سنن نسائی رقم الباب: ۲۶، مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۰۸۸، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۲۵، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۵۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۵۹۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہوا آپ نے اپنی پیٹھ مبارک کی طرف سے میرا ہاتھ پکڑ کر اسی طرح پیٹھ کے پیچھے سے دائیں طرف کر دیا۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ نماز باجماعت مسلمانوں کی شوکت کی علامت ہے لہذا بھرپور اجتماع ہوا سی لئے ہر ایسے کام سے احتراز کیا جائے جو نمازیوں کی کمی کا باعث بنتا ہو۔ ۱۲ ہزار روپی



## بیٹھے ہوئے امام کی اقتدا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کے دائیں پہلو میں خراش آ گئی ہم آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو نماز کا وقت ہو گیا پس آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو حتیٰ کہ (بیان کرتے کرتے) فرمایا: جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۳، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۳۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۷، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۲۲، مسند احمد ج ۶ ص ۵۱، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۱، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۳، شرح السنہ ج ۳ ص ۲۲۱، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۸۹، الکامل فی الصغاء ج ۳ ص ۱۲۶۱، الکفر رقم الحدیث: ۶۵، ۲۳۰)

بعض راویوں نے یہ اضافہ کیا کہ جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ ۱۔ حمیدی فرماتے ہیں: ان تمام روایات کے معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں اور امام بخاری نے (اپنے شیخ حمیدی مذکور سے نقل کرتے ہوئے یہ) اضافہ کیا کہ ”جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو“۔ یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کی پہلی علالت کے دوران ہوا اور جس علالت میں آپ کا وصال ہوا اس میں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے کھڑے تھے آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور آخری عمل کو اختیار کیا جاتا ہے پس نبی اکرم ﷺ کا آخری عمل یہ تھا۔

امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور جمہور اسلاف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو اس کے لئے بیٹھنے والے امام کے پیچھے کھڑے ہونے کے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

انہوں نے اس بات سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مرض وصال میں بیٹھ کر نماز پڑھائی جب کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات آپ کے پیچھے کھڑے تھے اگرچہ بعض علماء کا خیال ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی امام تھے اور حضور علیہ السلام نے ان کی اقتدا فرمائی لیکن صحیح یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی امام تھے۔

## دوسرا باب

### نماز جمعہ کا ذکر

## یوم جمعۃ المبارک کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے ۱۔ جیسا کہ آگے وضاحت آرہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہ کرام کھڑے تھے اور آخری عمل سے استدلال ہوتا ہے لہذا جب امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہوں گے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ قیام ہر ایک پر فرض ہے امام کو عذر لاحق ہے مقتدیوں کو نہیں۔ ۱۲ ہزاروی



پاس ایک سفید شیشہ لے کر حاضر ہوئے جس میں سیاہ نکتہ تھا، نبی کریم ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ جمعہ ہے جس کے ساتھ آپ کو اور آپ کی امت کو فضیلت دی گئی ہے (دوسرے) لوگ اس سلسلے میں تم لوگوں کے تابع ہیں دوسروں سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں اور تمہارے لئے اس (دن) میں بھلائی ہے اور تمہارے لئے اس میں ایک گھڑی (ایسی) ہے جس سے کسی مومن کی دعا موافق نہیں ہوتی جب وہ اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی دعا مانگتا ہے مگر وہ قبول ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک یہ ”یوم مزید“ ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”یوم مزید“ کیا ہے؟ عرض کیا آپ کے رب نے جنت الفردوس میں ایک وسیع وادی بنائی ہے جس میں کستوری کا ٹیلہ ہے جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جس قدر چاہتا ہے بھیجتا ہے اس ٹیلے کے گرد نور کے منبر ہیں جن پر انبیاء کرام کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں ان منبروں کو سونے کے منبروں سے گھیرا گیا ہے جو یاقوت اور زمرد سے مرصع ہیں ان پر شہدا اور صدیقین ہیں وہ فرشتے ان کے پیچھے ٹیلے پر بیٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہارا رب ہوں میں نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا پس مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم تجھ سے تیری رضا کا سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تم سے راضی ہوا اور تمہارے لئے وہ ہے جس کی تم نے تمنا کی اور اس کے ساتھ مزید بھی ہے پس وہ جمعہ کے دن کو پسند کرتے ہیں اس بھلائی کے سبب جو ان کا رب ان کو عطا کرتا ہے اس دن آپ کا رب عرش پر استواء فرماتا ہے۔ (لسان العرب ج ۱۰ ص ۳۶۳)

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اسی دن ان کو وہاں سے باہر لایا گیا اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷-۱۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۳۶ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۱ سنن نسائی ج ۳ ص ۹۰ مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۱ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۵۱ المسند رک ج ۱ ص ۲۷۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۵۰)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”الدعوات“ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ جب رجب کا مہینہ داخل ہوتا تو نبی اکرم ﷺ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلَّغْنَا رَمَضَانَ۔  
یا اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں ماہ رمضان تک پہنچا دے۔

اور جمعۃ المبارک کی رات یوں فرماتے:

لیل اغرو یوم الجمعة یوم ازھر۔  
جمعہ کے دن کو کچھ خصوصیات حاصل ہیں جو بیس کی تعداد تک پہنچتی ہیں۔ ابن قیم نے ”الہدی النبوی“ میں ان کو ذکر کیا ہے میں ان کے ذکر کے ساتھ بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتا خصوصاً جب کہ یہ میری غرض بھی نہیں ہے۔

یہ دن ہفتہ کے تمام دنوں سے افضل ہے جس طرح یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ کا دن) عام دنوں سے افضل ہے اسی طرح لیلۃ القدر اور جمعہ کی رات (افضل ہے) اسی لئے یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو جائے تو اسے تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔



ابو امامہ بن نقاش فرماتے ہیں: جمعہ کا دن ہفتہ کے دنوں میں سے افضل دن ہے اور قربانی کا دن عام دنوں سے افضل ہے انہوں نے کہا کہ اس کے علاوہ بات کرنے والا ایسے اعتراض سے بچ نہیں سکتا جس کا جواب دینے سے وہ عاجز ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

ہم آخر میں آنے والے ہیں قیامت کے دن سبقت کرنے والے ہوں گے البتہ ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی پھر یہ (جمعہ کا) دن اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی تو لوگ ہمارے تابع ہیں یہودی کل (یعنی ہفتہ کے دن) اور عیسائی پرسوں (اتوار کے دن) والے ہیں۔

صحیح مسلم میں ابن عیینہ نے حضرت ابوالزیاد سے روایت کیا ہے اس میں یوں ہے:

ہم پچھلے ہیں اور ہم پہلے ہیں یعنی زمانے کے اعتبار سے آخری اور مرتبہ کے اعتبار سے پہلے ہیں۔

حدیث میں جس دن کا ذکر ہوا اس سے جمعہ کا دن مراد ہے اور حدیث میں لفظ ”بید“ استعمال ہوا جس میں باء پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے اور دال پر بھی زبر ہے ”غیر“ کے معنی میں ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا.

بے شک ہفتہ کا دن ان لوگوں پر مقرر کیا گیا جنہوں نے اختلاف کیا۔ (النحل: ۱۲۳)

یعنی جنہوں نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اختلاف کیا جب انہوں نے ان کو جمعہ (کا دن) اختیار کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے ہفتے کا دن اختیار کر لیا تو ان کا اسی وجہ سے ہفتے میں اختلاف اپنے نبی سے اختلاف تھا۔ (یعنی اختلاف سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جمعہ کا دن اختیار کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے ہفتے کا دن اختیار کیا یہ اختلاف ہے)۔ (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جمعہ چاہتے تھے اور وہ ہفتہ تو یہ اختلاف تھا)۔

سوال: اگر کہا جائے کہ کیا کوئی عقلی دلیل بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کا دن ہفتہ اور اتوار سے افضل ہے؟ کیونکہ تمام ملتوں والے اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، تخلیق و تکوین کا آغاز اتوار کے دن ہوا اور جمعہ کے دن تکمیل ہوئی پس ہفتہ کے دن فراغت ہوئی پس یہودیوں نے کہا ہم اعمال کو چھوڑنے میں اللہ تعالیٰ کے موافق ہیں (یعنی اتوار کو چھٹی کرتے ہیں) پس انہوں نے اس وجہ سے ہفتے کا دن مقرر کیا اور عیسائیوں نے کہا تخلیق و تکوین کا آغاز اتوار کے دن ہوا پس ہم اسے اپنے لیے عید قرار دیتے ہیں تو ان دونوں دنوں کی عقلی وجہ ہے جمعہ کے دن کو عید بنانے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: جمعہ کا دن تکمیل کا دن ہے اور کسی چیز کا کامل و مکمل ہونا کامل خوشی اور عظیم سرور کا موجب ہوتا ہے پس جمعہ کے دن کو اس وجہ سے عید کا دن قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم

ابن بطال نے کہا حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ان (اہل کتاب) پر جمعہ بعینہ فرض کیا گیا تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا کیونکہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ حکم کو چھوڑ دے اور وہ مومن بھی ہو۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ ان پر جمعہ فرض کیا گیا اور ان کو اختیار دیا گیا کہ اس میں اپنی شریعت کو قائم



کریں پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور جمعہ کے دن کی طرف ہدایت نہ پائی۔  
 انہوں نے اسی طرح کہا لیکن ابن ابی حاتم نے سدی سے صریح الفاظ میں نقل کیا کہ ان پر تعین کے ساتھ جمعہ فرض کیا گیا تھا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ ان کے الفاظ یوں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر جمعہ فرض کیا تو انہوں نے انکار کیا اور کہا اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لئے ہفتے کا دن مقرر فرمائیں تو آپ نے ان پر اسے لازم کیا اور یہ بات ان کی مخالفت سے عجیب نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں (ان کی مخالفت کا ذکر) ہے:

أَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ  
 دروازے سے جھکتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو  
 (البقرہ: ۵۸) ہمارے گناہوں کی معافی ہو۔

اور ان لوگوں نے ہی کہا تھا:

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا. (البقرہ: ۹۳)  
 ہم نے سنا اور نہ مانا۔

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ”فہدانا اللہ لہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت دی“ اس میں احتمال ہے کہ ہمارے لئے (اس کا تعین) واضح الفاظ میں ذکر فرمایا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اجتہاد کے ذریعے اس کی طرف ہماری رہنمائی کی (یعنی اس کی توفیق سے ہم نے سوچ و بچار کر کے اس دن کا تعین کیا)۔

دوسرے احتمال پر حضرت عبدالرزاق کی روایت شاہد ہے وہ صحیح سند کے ساتھ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری اور جمعہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے اہل مدینہ جمع ہوئے تو انصار نے کہا یہودیوں کا ایک (مخصوص) دن ہے وہ ہر ہفتے میں اس دن جمع ہوتے ہیں اور عیسائیوں کے لئے بھی اسی طرح ہے پس آؤ ہم بھی اپنے لئے ایک دن مقرر کریں جس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع ہوں نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں انہوں نے یوم عروبہ (جمعہ) کا تعین کیا چنانچہ وہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس اکٹھے ہوئے تو انہوں نے اسی دن ان کو نماز پڑھائی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ  
 جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے (تو

(الجمعة: ۹) اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے دوڑ پڑو اور تجارت چھوڑ دو)۔

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن حسن سند کے ساتھ اس کی شاہد حدیث موجود ہے جسے حضرت امام احمد، امام ابو داؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا۔ ابن خزیمہ نے اسے حضرت کعب بن مالک سے روایت کرتے ہوئے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعہ پڑھایا۔

تو حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کی مرسل حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان صحابہ کرام نے غور و فکر کے ذریعے جمعہ کا دن اختیار فرمایا اور یہ بات اس کے خلاف نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں وحی کے ذریعے یہ بات بتائی گئی پس آپ اس جگہ اس (جمعہ) کو قائم کرنے پر قادر نہ ہوئے۔ اسی لئے جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو صحابہ کرام کو (جمعہ کے دن) جمع فرمایا۔



## نماز جمعہ کا وقت

ابن اسحاق فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو قباء میں بنو عمرو بن عوف کے ہاں (سوموار) پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کے دن ٹھہرے اور ان کی مسجد (مسجد قباء) کی بنیاد رکھی پھر جمعہ کے دن باہر تشریف لائے تو بنو سالم میں جمعہ کا وقت ہوا تو آپ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو وادی کے دامن میں ہے (یہ مسجد مسجد جمعہ کہلاتی ہے) تو نبی اکرم ﷺ نے پہلا جمعہ مدینہ طیبہ میں پڑھایا۔ اور یہ مسجد نبوی کی بنیاد رکھنے سے پہلے کی بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا (یعنی اس کے بعد پڑھتے)۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جلدی پڑھتے اور جب گرمی ہوتی تو نماز کو ٹھنڈا کرتے (گرمی کم ہونے پر پڑھتے)۔ اس سے جمعہ کی نماز مراد ہے۔

حضرت ہبل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے اور جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے تھے (کچھ دیر سو جاتے)۔

## خطبہ جمعہ کا حکم

جان لو! کہ انعقاد جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے اس کے بغیر نماز جمعہ صحیح نہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ ظہر کی نماز میں سے دور کعتوں کی طرح ہے پس جب اس کو چھوڑ دیا اور جمعہ کی نماز پڑھی تو نماز ظہر سے دور کعتیں چھوڑ دیں۔

## نماز جمعہ کے لئے اذان

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مینار پر اور آپ کے سامنے اذان نہیں ہوتی تھی صرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے اذان دیتے تھے جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے جس طرح خنی مالکی اور شافعی ائمہ وغیرہ نے واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے (یعنی دو اذانیں نہیں ہوتی تھیں)۔

حضرت برہان الدین مرغینانی خنی (یہ ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبد الجلیل القرغانی ہیں متوفی ۵۹۳ھ) کے ہدایہ میں عبارت اس طرح ہے:

(الاعلام ج ۳ ص ۲۶۶ الفوائد البہیہ رقم الحدیث: ۱۴۱ الجواہر المصنوعہ ج ۱ ص ۲۸۳ کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۳)

اور جب امام منبر پر چڑھ جائے تو بیٹھ جائے اور مؤذن منبر کے سامنے اذان دے امت کا طریقہ نسل در نسل اسی طرح چلا آ رہا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں صرف یہی اذان ہوتی تھی۔

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے ابن حجب کی عبارت اس طرح ہے:

جب خطبہ کے لئے بیٹھتے وقت اذان ہو تو اس وقت سعی (دوڑنا) حرام ہے اور یہی اذان معروف ہے پس جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور نمازی زیادہ ہوئے تو آپ نے خطبے سے پہلے زورا (مدینہ طیبہ کے بازار میں ایک



جگہ کا نام) پر اذان کا حکم دیا۔ پھر ہشام نے اسے مسجد کی طرف منتقل کیا اور دوسری اذان کو امام کے سامنے رکھا۔ ابن عبدالحق نے ”تہذیب الطالب میں“ اس کی مثل ذکر کیا۔ ابن ابی زید نے جو اپنے رسالے میں کہا ہے کہ دوسری اذان بنو امیہ نے جاری کی تو اس کے شارحین فاکھانی وغیرہ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جاری ہونے میں یہ دوسری اذان ہے اور دوسری اذان وہی ہے جو پہلے ہوتی ہے اور اس کو جاری کرنے کی وجہ گزر چکی ہے۔ امام زرکشی کی عبارت بھی دوسرے شافعی حضرات کی طرح ہے: کہ امام مستراح (آرام کرنے کی جگہ) پر بیٹھے تاکہ اوپر چڑھنے کی مشقت سے آرام پائے پھر اس کے بیٹھنے کے بعد مؤذن اذان کہے کیونکہ اذان اس وقت پڑھی جاتی تھی جب نبی اکرم ﷺ (منبر پر) تشریف فرما ہوتے تھے اس سے پہلے اذان نہیں ہوتی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہوا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے ان کو دوسری اذان کا حکم دیا پھر مؤذن کے فارغ ہونے تک بیٹھنا ہے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر تشریف فرما ہوتے۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی یہی طریقہ تھا جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو تیسری اذان کا اضافہ ہوا جو زوراء پردی جاتی تھی۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا اور الزوراء مدینہ طیبہ میں بازار میں ایک جگہ تھی۔

(نوٹ: اقامت کو شامل کر کے تین اذانیں قرار دی گئیں)۔

انہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جمعہ کی دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس وقت دیا جب نمازیوں کی کثرت ہو گئی۔

اس کی وضاحت وہی ہے جو ابن ابی زید کے گذشتہ قول کی وضاحت ہے (یعنی پہلی اذان مراد ہے)۔

ابن خزیمہ کے نزدیک یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جمعہ کے دن دو اذانیں ہوتی تھیں۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں: دو اذانوں سے مراد اذان اور اقامت ہے اذان کو غالب قرار دیتے ہوئے یا اعلان ہونے میں دونوں کے اشتراک کی وجہ سے اقامت کو بھی اذان کہا گیا۔

”سنن نسائی میں ہے کہ“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت اذان کہتے جب نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوتے جب آپ اترتے تو وہ اقامت کہتے۔

حضرت وکیع نے ابن ابی ذئب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان کا حکم دیکھ امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

”فتح الباری میں فرمایا کہ“ دونوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس اذان کے زائد ہونے کی وجہ سے اس کو تیسری اذان کہا گیا اور اذان و اقامت پر مقدم ہونے کی وجہ سے اس کو پہلی اذان کہا گیا اور ”صحیح بخاری میں“ جو دوسری اذان کہا گیا تو حقیقی اذان کے اعتبار سے ہے اقامت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

شیخ خلیل نے ”التوضیح میں“ فرمایا کہ کیا امام کے سامنے اذان کہی جائے یا منار پر؟ تو اس میں روایات مختلف ہیں۔



ہمارے اصحاب سے منقول ہے کہ مینار پر ہو۔ ابن قاسم نے ”المجموعہ میں“ حضرت مالک سے نقل کیا۔  
ابن عبدالبر نے ”کافیہ میں“ حضرت مالک سے نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان کہنا پرانی بات نہیں۔  
ان کے غیر نے کہا جمعہ کی اذان میں یہی اصل ہے ”تہذیب الطالب“ کے مصنف اور مازری نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

”الاستذکار میں ہے کہ“ ہمارے اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہو گئی انہوں نے اس بات کا انکار کیا کہ جمعہ کے دن اذان نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (امام کے سامنے) ہوتی تھی اور کہا کہ یہ ہشام کے زمانے کی بدعت ہے۔  
فرماتے ہیں: یہ اس شخص کا قول ہے جس کا علم کم ہے پھر انہوں نے حضرت سائب بن یزید کی روایت سے استدلال کیا جو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے مروی ہے اور پہلے گزر چکی ہے۔  
پھر فرمایا: کہ اسحاق نے امام زہری کے واسطے سے حضرت سائب بن یزید سے حدیث کی روایت کی ہے جس سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے وہ فرماتے ہیں:

کان یوذن بین یدی النبی اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة وابی بکر وعمر۔  
نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے سامنے اذان دی جاتی تھی جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے۔

اور اس مقام پر اذان کے ہونے میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ امام منبر پر بیٹھ گیا ہے پس جب وہ خطبہ دے تو لوگ خاموش رہیں یہ بات مہلب نے کہی ہے۔  
”فتح الباری میں فرمایا“ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ”طبرانی وغیرہ میں“ محمد بن اسحاق کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ (اذان) مطلق اعلان کے لئے ہے خاص خاموش کرنے کے لئے نہیں۔

اور ظاہر بات یہ ہے کہ لوگوں نے اس وقت تمام شہروں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فعل کے مطابق عمل کیا کیونکہ اس وقت آپ خلیفہ تھے اور آپ کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا لیکن فاکھانی نے کہا کہ پہلی اذان مکہ مکرمہ میں حجاج نے اور بصرہ میں زیاد نے جاری کی۔

جویر کی تفسیر میں ہے وہ حضرت ضحاک سے اور وہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو مؤذنوں کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کے دن لوگوں کے لئے مسجد سے باہر اذان دیں حتیٰ کہ لوگ سنیں اور حکم دیا کہ آپ کے سامنے اذان کہی جائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہ کام کیا ہے۔

یہ حدیث منقطع ہے حضرت مکحول اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے اور یہ ثابت نہیں اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے یہ اضافہ کیا پس اسی بات پر اعتماد ہے۔



امام عبدالرزاق نے ایک حدیث ابن جریج سے نقل کی جو اس بات کو قوت بخشتی ہے وہ فرماتے ہیں: سلیمان بن موسیٰ نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے اذان کا اضافہ کرنے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت عطاء نے فرمایا ہرگز نہیں وہ لوگوں کو بلاتے تھے لیکن ایک اذان کے علاوہ اذان نہیں دیتے تھے۔ لیکن حضرت عطاء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا پس جس نے ان سے یہ بات ثابت کی ہے اس کی روایت ان کے انکار سے مقدم ہے اور یوں جمع کرنا بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو کام تھا وہ عہد عثمانی میں جاری رہا پھر انہوں نے مناسب سمجھا کہ اس کو اذان کی شکل دی جائے اور یہ اونچی جگہ پر ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اس لئے ان کی طرف اذان کے الفاظ کے ساتھ منسوب ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل بھی چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ محض اعلام (خبر دینا) تھا۔

ابن ابی شیبہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔ تو اسے اس بات پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس کا انکار کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی مراد اس عمل کا نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ ہونا ہے۔ کیونکہ جو عمل نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا اس کو بدعت کہتے ہیں لیکن ان میں سے بعض حسن ہیں اور کچھ اس کے علاوہ ہیں۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر اجماع سکوتی ہے کیونکہ انہوں (صحابہ کرام) نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

### پہلا جمعہ اور پہلا خطبہ

سب سے پہلا جمعہ جو نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھایا جیسا کہ پہلے حدیث ہجرت میں گزر چکا ہے بنو سالم بن عوف میں ان کی وادی کے دامن میں پڑھایا پس آپ نے ان کو خطبہ دیا اور یہ مدینہ طیبہ میں آپ کا پہلا خطبہ تھا آپ نے اسی میں فرمایا:

الحمد لله حمده، واستعينه واستغفره،  
واستهديه واومن به ولا اكفره، واعادي من  
يكفر به، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا  
شريك له، واشهد ان محمدا عبده ورسوله،  
ارسله بالهدى ودين الحق والنور والموعظة  
والحكمة، على فترة من الرسل، وقلة من العلم،  
وضلالة من الناس، وانقطاع من الزمان، ودنو  
من الساعة، وقرب من الاجل، من يطع الله  
ورسوله فقد رشد، ومن يعص الله ورسوله فقد

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اس کی  
تعریف کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں، اس سے  
بخشش مانگتا ہوں اس سے ہدایت طلب کرتا ہوں اور اس پر  
ایمان لاتا ہوں اس کا انکار نہیں کرتا اور اس شخص کو دشمن جانتا  
ہوں جو اس کا انکار کرے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ  
تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک  
نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے  
بندے اور اس کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت  
سچے دین، نور، وعظ اور حکمت کے ساتھ اس وقت بھیجا جب



غوی و فرط و ضل ضللا بعیدا، اوصیکم بتقوی اللہ، فانہ خیر ما اوصی بہ المسلم المسلم ان یخضہ علی الاخرۃ، وان یامرہ بتقوی اللہ، واحذروا ما حذرکم اللہ من نفسه، فان تقوی اللہ لمن عمل بہا علی وجل ومخافۃ من ربہ عون وصدق علی مایبتغون من الاخرۃ، ومن یصل الذی بینہ و بین اللہ من امرہ فی السر والعلانیۃ لا ینوی بہ الا وجہ اللہ یکن لہ ذکرا فی عاجل امرہ، وذخرا فیما بعد الموت حین یفتقر المرء الی ما قدم، وما کان مما سوف ذلک یود لو ان بینہ و بینہ امدا بعیدا، و یحذرکم اللہ نفسہ واللہ رؤوف بالعباد، هو الذی صدق وانجز وعده لا خلف لہ فانہ یقول ﴿ما یبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید﴾ (ق: ۲۹) فاتقوا اللہ فی عاجل امرکم واجلہ، فی السر والعلانیۃ، فانہ من یتق اللہ یکفر عنہ سیئاتہ ویعظم لہ اجرا، ومن یتق اللہ فقد فاز فوزا عظیما، وان تقوی اللہ توقی مقتہ وتوقی عقوبتہ وسخطہ، وان تقوی اللہ تبیض الوجه وترضی الرب، وترفع الدرجۃ، فخذوا بحظکم ولا تفرطوا فی جنب اللہ، فقد علمکم کتابہ ونہج لکم سبیلہ، لیعلم الذین صدقوا ویعلم الکاذبین، فاحسنوا کما احسن اللہ الیکم، وعادوا اعداءہ، وجاہدوا فی اللہ حق جہادہ، هو اجتباکم وسماکم المسلمین، لیہلک من ہلک عن بینۃ، ویحیی من حی عن بینۃ، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

رسولوں کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا، علم کم ہو گیا، لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے، زمانہ گزر چکا، قیامت قریب آگئی اور وقت مقرر قریب آ گیا (دنیا ختم ہونے والی ہے)۔ جس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اس نے ہدایت پائی اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی وہ سرکش ہو گیا اور حد سے بڑھ گیا اور دور کی گمراہی میں جا پڑا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہوں ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے لئے بہترین نصیحت یہ ہے کہ وہ اس کو آخرت کی ترغیب دے اور اس کو تقویٰ کا حکم دے۔ اور اللہ تعالیٰ کا خوف (تقویٰ) اس شخص کے لئے جو اس (تقویٰ) پر کانپتے ہوئے اور اپنے رب سے ڈرتے ہوئے عمل کرتا ہے مددگار ہے اور جو کچھ وہ آخرت سے تلاش کرتے ہیں اس پر صداقت ہے اور جو شخص اس کام سے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے ظاہری اور باطنی طور پر رشتہ جوڑتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت کرتا ہے تو وہ عمل اس کے لئے فوری طور پر ذکر کا باعث اور موت کے بعد کے لئے ذخیرہ ہوگا جب آدمی اس چیز کا محتاج ہوگا جو اس نے آگے بھیجا ہے۔ اور جو شخص اس میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہے وہ (قیامت کے دن) چاہے گا کہ اس کے اور اس عمل کے درمیان دور کا فاصلہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہے۔ وہی ذات ہے جس نے سچ فرمایا اور اپنا وعدہ پورا فرمایا جس میں کوئی بد عہدی نہیں وہ فرماتا ہے میرے ہاں بات بدلتی نہیں اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا اپنے فوری اور مستقبل کے امور میں ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ مٹا دیتا ہے اور اسے اجر عظیم عطا کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ



فاكثروا ذكر الله، واعملوا لما بعد الموت، فانه من يصلح ما بينه وبين الله يكفه الله ما بينه وبين الناس، ذلك بان الله يقضى على الناس ولا يقضون عليه، ويملك من الناس ولا يملكون منه، الله اكبر، ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم. (دلائل النبوة ج ۱ ص ۷۷)  
مرايل ابوداؤد رقم الحديث ۹، تفسير قرطبي ج ۱۸ ص ۹۸، البدایة والنہایة ج ۳ ص ۲۱۳، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۴۴۱

سے ڈرتا ہے وہ بہت بڑی کامیابی پائے گا اور اللہ سے تقویٰ یہ ہے کہ اس کی ناپسندیدگی سے ڈرے اور اس کے عذاب اور ناراضگی سے ڈرے اور بے شک اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چہروں کو روشن کرتا ہے اور رب کی رضا کا سبب ہے اور درجہ بلند کرتا ہے پس تم اپنا حصہ حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی کمی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی کتاب سکھادی اور تمہارے لئے اپنا راستہ متعین کر دیا تاکہ بچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز پیدا ہو جائے پس احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو اور اس کے راستے میں جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں چن لیا اور تمہارا نام مسلمان رکھا تاکہ جس نے ہلاک ہوتا ہے وہ دلیل (سننے) کے بعد ہلاک ہو اور جس نے زندہ رہتا ہے وہ بھی دلیل (دیکھنے) کے بعد زندہ رہے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو اور موت کے بعد کے لئے عمل کرو جو شخص اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان کا معاملہ درست کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان باتوں سے بچاتا ہے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہیں (یعنی لوگوں کی شرارتوں سے محفوظ رکھتا ہے)۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلہ فرماتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے، وہ لوگوں کا مالک ہے وہ اس کے مالک نہیں ہیں، اللہ سب سے بڑا ہے اور نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے جو بلند عظمت والا ہے۔

یہ خطبہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور دوسروں نے بھی نقل کیا ہے۔

خطبہ کے کچھ احکام

نبی اکرم ﷺ کمان یا عصا مبارک پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے ”سنن ابن ماجہ“ میں ہے:



نبی اکرم ﷺ جب لڑائی کے دوران خطبہ دیتے تو کمان پر (ٹیک لگا کر) خطبہ دیتے اور جب جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے تو عصا پر (ٹیک لگا کر) خطبہ ارشاد فرماتے۔

”سنن ابوداؤد میں“ حسن سند کے ساتھ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے ہوئے خطبہ دیتے تھے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں: تلواریں پر ٹیک لگانے میں حکمت اس بات کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ یہ دین تلواریں کے ذریعے قائم ہے اسی لئے آپ اسے بائیں ہاتھ سے اٹھاتے جس طرح جہاد کا ارادہ کرنے والے کی عادت ہے۔ ابن قیم نے ”الہدی النبوی میں“ اس کے مقابلے میں کہا کہ دین قرآن اور وحی کے ذریعے قائم ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰) ابن قیم نے اسی طرح کہا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو سلام کرتے۔ رسول اکرم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے پھر تشریف فرما ہوتے پھر کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں خطبہ دیتے تھے۔

یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔ ان ہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے آپ دونوں کے درمیان بیٹھتے۔ قرآن مجید پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرماتے۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے۔ جب آپ منبر پر تشریف لے جاتے تو بیٹھ جاتے حتیٰ کہ مؤذن فارغ ہو جاتا پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے اور کلام نہ فرماتے پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے۔

ابن منذر نے کہا مختلف شہروں کے علماء کے نزدیک خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا صحیح ہے۔ ابن منذر کے علاوہ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ خطبہ میں کھڑا ہونا سنت ہے واجب نہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ (کھڑا ہونا) واجب ہے اگر چھوڑے گا تو گناہ گار ہو گا لیکن خطبہ صحیح ہو جائے گا۔

باقی حضرات کے نزدیک قیام شرط ہے یعنی نماز کی طرح کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے والے کے لیے شرط ہے۔ ان حضرات نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نبی اکرم ﷺ کے ہمیشہ کھڑا ہو کر خطبہ دینے اور دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے جواز سے استدلال کیا ہے۔ اگر دونوں خطبوں میں بیٹھنا جائز ہوتا تو بیٹھنے کے ذریعے دونوں کے درمیان امتیاز کرنے کی ضرورت نہ ہوتی نیز جن سے بیٹھنا منقول ہے اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں وہ معذور تھے۔

ابن ابی شیبہ نے شعبی کے طریقے سے روایت کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ کی چربی زیادہ ہو گئی تو آپ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے۔

۱۔ یہ مطلب نہیں کہ تلواریں کے ذریعے قائم ہوا بلکہ حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور اس دین کی جامعیت اس کا باعث ہے البتہ اس کو قائم رکھنے

کے ذریعے مسلمانوں کا رعب و دبدبہ باقی رہنا ضروری ہے۔ ۱۲ ہزاروی



امام شافعی رحمہ اللہ نے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وجوب سے (کھڑا ہو کر خطبہ دینے کے وجوب پر) استدلال کیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا نیز آپ نے فرمایا: صلوا کما رایتہمونی اصلی۔ نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

نبی اکرم ﷺ خطبہ کے بعد ”ابا بعد“ کے الفاظ پڑھتے جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا۔ اور نبی اکرم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے: تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور سخت غصہ پیدا ہوتا گویا آپ کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں آپ فرماتے ”صبح تم پر حملہ ہونے والا ہے اور شام کو دشمن تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے“ اور آپ فرماتے: مجھے یوں بھیجا گیا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں آپ اپنی انگشت شہادت اور درمیان والی کو ملاتے اور فرماتے: ابا بعد! بے شک بہترین حدیث (بات) اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت (بدعت سیئہ) گمراہی ہے۔ پھر ارشاد فرماتے: میں ہر مومن کے نفس کے مقابلے میں اس سے زیادہ قریب ہوں پس وہ جو مال چھوڑ کر جائے تو وہ اس کے گھر والوں کے لئے ہے اور جو قرض یا (ضائع ہونے والی) اولاد چھوڑ کر جائے تو میری طرف یا مجھ پر (یعنی میرے ذمہ) ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳، سنن نسائی ج ۳ ص ۲۰۶، المستدرک ج ۳ ص ۵۲۳، اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۲، ج ۱۰ ص ۲۵۴)

کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۷۴)

(ایسی اولاد اور بیوہ جن کا کوئی ذریعہ معاش وغیرہ نہ ہو)۔

اسے حضرت امام مسلم اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

### خطبہ میں آپ کے بعض اقوال

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا جمعہ کے دن خطبہ یوں ہوتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرماتے پھر اس کے بعد یوں فرماتے (جس طرح ابھی گزرا) اس حال میں کہ آپ کی آواز بلند ہو جاتی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے جس طرح اس کے شایان شان ہے۔ پھر فرماتے:

جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر

من یہد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا

سکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی

ہادی لہ وخیر الحدیث کتاب اللہ۔

نہیں اور بہترین حدیث اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

پھر اس طرح ذکر کیا جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے (قرآن مجید کی سورت)

”ق والقرآن المجید“ نبی اکرم ﷺ سے سیکھی آپ ہر جمعہ کے دن جب صحابہ کرام کو خطبہ دیتے تو منبر پر اس کی



تلاوت فرماتے۔

حضرت حکم بن حزن الکلفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں بارگاہ نبوی میں سات میں سے ساتویں یا نویں میں سے نویں دن حاضر ہوا (یعنی سات یا نو دن بعد) پس ہم آپ کے پاس کئی دن ٹھہرے اور ان ایام میں جمعہ میں حاضر ہوئے نبی اکرم ﷺ کمان پر ٹھیک لگا کر کھڑے ہوئے یا فرمایا عصا پر (ٹیک لگائی) پس آپ نے چند مختصر پاکیزہ اور مبارک کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا:

یا ایہا الناس انکم لن تفعلوا اولن تطبقوا  
کل ما امرتکم به ولكن سددوا وابشروا۔  
اے لوگو! بے شک تم ہر گز نہیں کر سکتے یا فرمایا ہر گز طاقت نہیں رکھتے کہ ہر وہ کام کرو جس کا میں نے تمہیں حکم دیا لیکن درہست راہ پر رہو اور خوشخبری حاصل کرو۔

حضرت یعلیٰ بن امیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ منبر پر (یہ آیت) پڑھ رہے تھے:  
وَنَادُوا يَا مَالِكُ لِيَقْضِيَ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔  
اور انہوں نے پکارا اے مالک! (فرشتے) اللہ تعالیٰ (الزخرف: ۷۷) ہمارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں جمعہ کا خطبہ دیا تو فرمایا:  
مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو، مشغولیت سے پہلے نیک اعمال میں جلدی کرو اللہ تعالیٰ اور تمہارے درمیان جو تعلق ہے اسے ملائے رکھو نیک بخت بن جاؤ گے صدقہ زیادہ دیا کرو تمہیں رزق ملے گا نیکی کا حکم دو تروتازہ رہو گے برائی سے روکو تمہاری بدد کی جائے گی۔

اے لوگو! تم میں سے سب سے زیادہ سمجھدار وہ ہے جو موت کا زیادہ یاد کرنے والا ہے تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو موت کی تیاری زیادہ کرتا ہے۔

سنو! عقل کی علامات میں سے ایک علامت دھوکہ دینے والی دنیا سے پہلو تہی کرنا اور ہمیشگی کے گھر کی طرف لوٹنا ہے قبروں میں ٹھہرنے کے لئے زاد راہ اختیار کرنا اور قیامت کے دن کے لئے تیاری کرنا ہے۔

اس حدیث کو حضرت امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اختصار کے ساتھ اس کی مثل روایت کیا۔

ابوداؤد کی مراسیل (مرسل روایات) میں حضرت زہری سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے خطبہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا تھا:

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره  
ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن يهد الله فلا  
مضلل له ومن يضلل فلا هادي له واشهد ان لا  
اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله ارسله  
بالحق بشيرا ونذيرا بين يدي الساعة من يقطع  
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں اور ہم اپنے نفسوں کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کے



اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصهما فقد غوی .

لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اس نے آپ کو قیامت سے پہلے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈرسانے والا بنا کر بھیجا جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم مانا اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ بھٹک گیا۔

نسأل اللہ ربنا ان يجعلنا ممن یطیعہ  
ویطیع رسولہ ویتبع رضوانہ ویجتنب سخطہ .

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں کر دے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اتباع کرتے ہیں اس کی رضا چاہتے اور اس کی ناراضگی سے بچتے ہیں۔

امام ابو داؤد نے ہی حضرت زہری سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبہ دیتے وقت ارشاد فرماتے:

جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے آنے والی چیز کے لئے دوری نہیں اللہ تعالیٰ ایک بات کا ارادہ فرماتا ہے اور لوگ دوسری بات کا ارادہ کرتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اگرچہ لوگ اسے ناپسند کریں جس چیز کو اللہ تعالیٰ قریب کرے اسے دور کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو وہ دور کرے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا۔

کل ما ہوا آت قریب لا بعد لما ہوا آت  
یرید اللہ امرا ویرید الناس امرا ماشاء اللہ کان  
ولو کرہ الناس ولا مبعء لما قرب اللہ ولا  
مقرب لما بعد اللہ لا یكون شیء الا باذن اللہ  
عزوجل .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دیتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور انبیاء کرام علیہم السلام پر درود شریف بھیجنے کے بعد فرماتے:

اے لوگو! تمہارے لئے کچھ نشان منزل ہیں ان نشانات تک پہنچو اور تمہاری ایک انتہا ہے اپنی اس انتہاء تک پہنچو بے شک ہر بندہ دو خوفوں کے درمیان ہے ایک وقت جو گزر گیا اس کو معلوم نہیں کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ فرماتا ہے اور دوسرا وہ وقت ہے جو باقی ہے وہ نہیں جانتا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے پس آدمی کو اپنے نفس کے لئے خود اپنے نفس سے حصہ لینا چاہیے اپنی دنیا سے اپنی آخرت کے لئے بڑھاپے سے پہلے جوانی

ایہا الناس ان لکم معالم فانتهوا الی  
معالمکم وان لکم نہایۃ فانتهوا الی نہایتکم ان  
العبد المومن بین مخافتین اجل قد مضی لا  
یدری ما اللہ قاض فیہ و بین اجل قد بقی لا  
یدری ما اللہ صانع فیہ فلیاخذ العبد من نفسه  
لنفسہ ومن دنیاہ لاخرتہ ومن التشبیہ قبل  
الکبر ومن الحیاة قبل الممات والذی نفسی  
بیلہ ما بعد الموت من مستعتب وما بعد الدنیا



من دار الا الجنة او النار اقول قولی هذا  
واستغفر الله العظيم لی ولکم

سے اور موت سے پہلے زندگی سے فائدہ حاصل کرے۔ اس  
ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے  
موت کے بعد تھکاوٹ نہیں، دنیوی گھر کے بعد جنت ہے یا  
جہنم میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ عظمت والے سے اپنے  
لئے اور تمہارے لئے بخشش طلب کرتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الا ان الدنيا عرض حاضر یا کل منها البر  
والفاجر الا وان الاخرة اجل صادق يقضى فيها  
ملك قادر الا وان الخير كله بهذا فيره في  
الجنة الا وان الشر كله بهذا فيره في النار الا  
فاعلموا وانتم من الله على حذر واعلموا انكم  
معرضون على اعمالكم فمن يعمل مثقال ذرة  
خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره.

سنو! دنیا حاضر سامان ہے اسے نیک اور بدکار سب  
کھاتے ہیں سنو! آخرت ایک سچا وقت ہے جس میں  
طاقت والا بادشاہ فیصلہ کرے گا۔ سنو! بھلائی تمام کی تمام  
جنت میں ہے، سنو! برائی تمام کی تمام جہنم میں (جانے کا  
باعث) ہے۔ سنو! پس جان لو اور تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
تمہیں حکم ہے کہ اس کے عذاب سے بچو اور جان لو تمہیں  
اعمال کا سامنا کرنا ہوگا۔ پس جس نے ذرہ بھی نیکی کی وہ  
اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ بھی دیکھ  
لے گا۔

یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کی اور ابو نعیم نے ”المحلیہ میں“ اس کی مثل روایت کی ہے۔

### خطبہ کے وقت خاموشی

اس میں اختلاف ہے کہ کیا (خطبہ کے وقت) خاموشی واجب ہے اور حالت خطبہ میں ہر قسم کے کلام سے منع کیا  
جائے یا نہیں؟ (اس کے لیے حدیث کی وضاحت کافی ہے) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۸، مشکوٰۃ  
المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۱۳۸۵)

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے دو قول مشہور ہیں اور بعض اصحاب شافعی نے ان کو اختلاف کی بنیاد بنایا  
کہ دو خطبے دور کعتوں کے بدلے میں ہیں یا نہیں پہلے قول کے مطابق خطبہ کے دوران گفتگو حرام ہے (کیونکہ یہ نماز کی جگہ  
ہے) اور دوسرے قول کے مطابق حرام نہیں اور ان حضرات کے نزدیک دوسرے قول کو ترجیح ہے اسی وجہ سے اجازت دینے  
والوں نے گفتگو کی اجازت دی ہے حتیٰ کہ ان کے مخالفین میں سے بعض نے ان کی اس بات کو برا قرار دیا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایتیں ہیں اور ان دونوں حضرات سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے خطبہ سننے  
اور نہ سننے والے میں فرق کیا ہے۔

ابن عبد البر نے عجیب بات کی ہے کہ خطبہ سننے والوں پر خاموشی کے وجوب پر اجماع نقل کیا البتہ کچھ تابعین کا  
اختلاف ہے۔



## تحیۃ المسجد اور نماز جمعہ

حضرت سلیم الغطفانی (بعض نسخوں میں ابوسلیم ہے) (مسجد میں) داخل ہوئے تو نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے نبی اکرم ﷺ نے پوچھا آپ نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۱۲۴ رقم الترجہ: ۳۴۲۳)

اس (حدیث) سے استدلال کیا گیا کہ خطبہ مسجد میں داخل ہونے والے کو تحیۃ المسجد سے نہیں روکتا۔ اس پر اعتراض کیا گیا کہ یہ ایک معین واقعہ ہے عام نہیں ہے لہذا یہ احتمال ہے کہ یہ حضرت سلیم سے خاص ہو۔ اور اس بات پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے جو سنن (سنن ابی داؤد وغیرہ) میں مذکور ہے کہ ایک شخص آیا اور نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور وہ شخص شکستہ حال تھا آپ نے اس سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی؟ اس نے عرض کیا نہیں فرمایا دو رکعتیں پڑھو اور لوگوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی (آخر تک)۔

تو آپ نے اس شخص کو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا کہ لوگ اس کو کھڑے ہونے کی حالت میں دیکھ کر صدقہ دیں۔ ایک ایسی حدیث بھی آئی ہے جو اس واقعہ کے خاص ہونے پر دلالت کرتی ہے اور وہ حدیث ابن حبان نے نقل کی حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سلیم سے فرمایا: آئندہ اس طرح نہ کرنا۔

جن لوگوں نے اس حدیث سے اس حالت میں تحیۃ المسجد پر استدلال کو ضعیف قرار دیا ہے انہوں نے کہا کہ بیٹھ جانے کی وجہ سے تحیۃ المسجد کی نماز فوت ہو جاتی ہے۔

اس واقعہ سے تحیۃ کے جواز پر استدلال کے سلسلے میں طعن کرنے والوں نے یہ علت بیان کی ہے اور یہ سب باتیں قابل رد ہیں کیونکہ اصل بات عدم خصوصیت ہے اور یہ علت کہ نبی اکرم ﷺ نے صدقہ دینے کا ارادہ فرمایا: تحیۃ المسجد کے جواز کا قول کرنے کے خلاف نہیں کیونکہ منع کرنے والے صدقہ کی وجہ سے (تحیۃ المسجد کے) نفل پڑھنا جائز قرار نہیں دیتے۔

ابن مزیر نے کہا اگر اس طرح کی گنجائش ہوتی تو طلوع آفتاب اور تمام مکروہ اوقات میں نفل پڑھنے کی گنجائش بھی ہوتی اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

یہ بات کہ نبی اکرم ﷺ کا ان کو نماز کا حکم دینا صدقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے جمعہ پر آپ نے ان کو پھر نماز پڑھنے کا حکم دیا حالانکہ پہلے جمعہ پر ان کو دو کپڑے بطور صدقہ مل چکے تھے وہ دوسرے جمعہ کو ان کپڑوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک صدقہ کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے منع فرمادیا۔

امام نسائی اور ابن خزیمہ نے بھی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اسے نقل کیا۔ امام احمد اور ابن حبان نے یوں نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے تین جمعوں پر ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ان کے لئے صدقہ کا حکم علت کا ایک حصہ ہے کامل علت نہیں ہے۔

اور جن حضرات نے کہا کہ بیٹھ جانے سے تحیۃ المسجد کی نماز فوت ہو جاتی ہے تو امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم میں“ محققین سے نقل کیا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو جان بوجھ کر قصد بیٹھ جاتا ہے لیکن لاعلم اور بھولنے والے کا یہ حکم نہیں۔



اور داخل ہونے والے (حضرت سلیم) کی حالت کو پہلی مرتبہ ان دو باتوں میں سے ایک پر محمول کیا جائے گا اور دوسری دو مرتبہ نسیان پر محمول کیا جائے گا (یعنی پہلی مرتبہ ان کو علم نہ تھا اور دوسری اور تیسری مرتبہ وہ بھول گئے تھے) اور جو لوگ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے سے منع کرتے ہیں ان کی مذکورہ تاویل کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں اس عمل کا ظاہر نبی اکرم ﷺ کے اس حکم کے خلاف ہے جو آپ نے خاموش رہنے اور غور سے خطبہ دینے کے بارے میں فرمایا۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بات کا اور روکنے والے حضرات کے دیگر دلائل کا جواب دیا ہے جس کا ذکر طویل ہے پھر انہوں نے فرمایا:

یہ جوابات جن کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کے عموم کی وجہ سے مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ آپ کا ارشاد مبارک حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس طرح ہے:

اذا دخل احدكم المسجد فلا يجلس حتى يصلي ركعتين. جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔ وہ فرماتے ہیں: اس سے بھی خاص حدیث خطبہ کے سلسلے میں آئی ہے۔

حضرت شعبہ حضرت عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا جاء احدكم والامام يخطب او قد خرج فليصل ركعتين. جب تم میں سے کوئی آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا خطبہ کے لئے نکل چکا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے ابوسفیان کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے حضرت سلیم کے واقعہ میں ان الفاظ کے بعد ”فار كعهما وتجاوز“ (یہ دونوں رکعتیں جلدی پڑھو) فرمایا:

اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجاوز فيهما. جب تم میں سے کوئی ایک جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے اور ان میں اختصار کرے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ واضح الفاظ ہیں جن میں تاویل کا دخل نہیں اور میں کسی عالم کے بارے میں یہ خیال نہیں کرتا کہ اس تک یہ الفاظ پہنچیں اور وہ ان کو صحیح سمجھتے ہوئے مخالفت کرے۔

عارف ابو محمد بن ابو جمرہ نے فرمایا امام مسلم نے جو یہ حدیث روایت کی ہے تو یہ اس سلسلے میں نص ہے اس تاویل کا احتمال نہیں۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو جمعہ کی پہلی سنتیں پڑھنے کا حکم دیا تھا اور ان کی دلیل حضرت سلیم کے واقعہ میں نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

اصلیت ركعتين قبل ان تجيء. کیا آپ نے آنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لی ہیں؟ کیوں کہ اس سے ظاہری طور پر گھر سے آنے سے پہلے پڑھنا مراد ہے اسی لئے امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر (مسجد



میں) آنے سے پہلے گھر میں پڑھ لے تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد نہ پڑھے۔  
اس پر اعتراض کیا گیا کہ تحیۃ المسجد سے ممانعت حالت خطبہ میں کسی قسم کے نفل پڑھنے کی اجازت نہیں دیتی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ”آنے سے پہلے“ کے الفاظ سے مراد یہ ہو کہ اس جگہ آنے سے پہلے جہاں آپ اس وقت موجود ہیں اور سوال کا مقصد اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے مسجد کے پچھلے حصے میں دو رکعتیں پڑھی ہوں اور پھر خطبہ سننے کے لئے آگے آئے ہوں اور اس کی تائید ”صحیح مسلم کی“ اس روایت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا:

اصلیت الركعتین۔ کیا آپ دو رکعتیں پڑھ چکے ہیں؟

یہاں الركعتین الف لام کے ساتھ ہے اور وہ الف لام عہد کے لئے ہے اور یہاں تحیۃ المسجد سے زیادہ قریب معبود نماز نہیں (جس کی طرف اشارہ کیا ہو)۔

جہاں تک جمعہ سے پہلے کی سنتوں کا تعلق ہے تو اس میں کلام ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

### خطبہ نماز اور قرأت کی مقدار

نبی اکرم ﷺ کی نماز جمعہ اعتدال پر ہوتی اور خطبہ بھی اعتدال پر مبنی ہوتا یہ حدیث امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ آپ قرآن پاک کی چند آیات پڑھتے اور لوگوں کو وعظ کرتے۔

ان ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ جمعہ کے دن لمبا وعظ نہیں فرماتے تھے وہ چند کلمات ہوتے تھے۔  
حضرت عمرو بن حریش سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیا تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا آپ نے اس کا کنارہ دونوں کاندھوں کے درمیان ڈال رکھا تھا۔

ابن قیم نے ”الہدی النبوی میں“ کہا ہے کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو نبی اکرم ﷺ یوں تشریف لاتے کہ آپ کے آگے چیخ و پکار کرنے والے نہ ہوتے اور کسی تکبر کے بغیر تشریف لاتے نہ چادر ڈالی ہوئی نہ دستار کا کنارہ لٹکا ہوتا اور نہ سیاہ عمامہ ہوتا۔

جب مسجد میں داخل ہوتے تو ان (حاضرین) کو سلام کہتے پھر منبر پر تشریف فرما ہوتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کو سلام کہتے پھر بیٹھ جاتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان شروع کر دیتے جب وہ فارغ ہوتے تو نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے اذان اور خطبہ کے درمیان کسی خبر و غیرہ کا کوئی وقفہ نہ ہوتا آپ اپنے ہاتھ میں تلوار یا اور کوئی چیز بھی نہ پکڑتے بلکہ کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے اور یہ طریقہ منبر بننے سے پہلے کا تھا لوگوں کو قریب ہونے اور خاموش رہنے کا حکم فرماتے تھے۔

ابن قیم کا یہ قول کہ آپ اپنے ہاتھ میں تلوار یا کوئی اور چیز نہ رکھتے بلکہ کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے اور یہ منبر بننے سے پہلے کی بات ہے (ابن قیم کا یہ قول) محل نظر ہے۔

۱۔ جبکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کمان یا عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے ”سنن ابی داؤد میں ہے کہ“ آپ خطبہ دیتے وقت عصا مبارک پکڑے ہوتے اور اسی پر ٹیک لگاتے اور اس وقت آپ منبر پر ہوتے۔



نبی اکرم ﷺ پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں ”اذا جاءك المنافقون“ پڑھتے سورہ جمعہ کی تلاوت میں حکمت یہ تھی کہ یہ سورت جمعہ کے وجوب اور دیگر باتوں پر مشتمل ہے اس میں ضوابط و قواعد نیز توکل اور ذکر وغیرہ کی ترغیب دی گئی ہے اور سورہ منافقین کی تلاوت کا مقصد ان منافقین میں سے حاضرین کو جھڑک اور توبہ پر تنبیہ اور دیگر قواعد سے آگاہی تھا کیونکہ وہ لوگ جس قدر جمعہ کے اجتماع میں جمع ہوتے تھے دوسرے اجتماعات میں اس قدر جمع نہ ہوتے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کی نمازوں اور جمعہ کی نماز میں ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ اور ”هل اتاك حدیث الغاشیة“ کی تلاوت فرماتے تھے۔

### کتنی تعداد کے ساتھ جمعہ منعقد ہوتا ہے؟

جتنی تعداد کے ساتھ جمعہ کا انعقاد ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں علماء کرام کے پندرہ اقوال ہیں:

- (۱) ایک آدمی سے بھی منعقد ہو جاتا ہے یہ بات ابن حزم نے نقل کی ہے۔
- (۲) جماعت کی طرح دو آدمی ہوں یہ امام بخاری اور اہل ظاہر کا قول ہے۔
- (۳) امام کے علاوہ دو آدمی ہونے چاہئیں یہ امام ابو یوسف، امام محمد اور حضرت لیث کا قول ہے۔
- (۴) امام کے ساتھ تین آدمی ہوں یہ امام ابو حنیفہ اور حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔
- (۵) سات آدمی ہوں یہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔
- (۶) حضرت ربیعہ کے نزدیک نو افراد ہوں۔
- (۷) حضرت ربیعہ سے ہی ایک روایت میں بارہ افراد کا قول منقول ہے۔
- (۸) اسحاق کے نزدیک بھی امام کے علاوہ بارہ افراد ہوں۔
- (۹) ابن حبیب نے حضرت مالک سے بیس افراد کا قول نقل کیا ہے۔
- (۱۰) تیس افراد ہوں۔ یہ بھی ابن حبیب کی مالک سے روایت ہے۔
- (۱۱) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے ساتھ چالیس آدمی ہونے چاہئیں اور انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ آزاد بالغ، عقل مند اور مقیم ہوں سردیوں گرمیوں میں سفر پر نہ ہوں ہاں حاجت کے لئے جانا مستثنیٰ ہے اور یہ کہ خطبہ کے آغاز نماز جمعہ قائم ہونے تک حاضر رہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام دارقطنی اور ابن ماجہ نے نیز امام بیہقی نے ”دلائل النبوة“ میں حضرت عبدالرحمن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بینائی چلی گئی تو میں ان کو لے جاتا تھا جب میں ان کو لے کر جمعہ کی طرف جاتا اور وہ اذان سنتے تو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے لئے رحمت کی دعا مانگتے اور ان کے لئے بخشش طلب کرتے فرماتے ہیں وہ ایک عرصہ تک اسی طرح رہے جب بھی جمعہ کی اذان سنتے یہی کلمات کہتے میں نے عرض کیا اے ابا جان! آپ جب بھی جمعہ کی اذان سنتے ہیں ابو امامہ کے



لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اے بیٹے! یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمعہ پڑھایا میں نے پوچھا اس وقت آپ کتنے لوگ تھے؟ فرمایا چالیس مرد تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہی طریقہ جاری ہے کہ ہر تین میں ایک امام ہوتا ہے اور ہر چالیس یا زیادہ سے جمعہ ہوتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں جمعہ قائم کیا تو چالیس افراد شریک تھے۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود سے نفع عطا فرمائے انہوں نے ”المجموع میں“ فرمایا: ”ہمارے اصحاب نے فرمایا امت کا تعداد کی شرط پر جمع ہونا وجہ دلالت ہے اور اصل ظہر ہے پس جمعہ اسی تعداد کے ساتھ صحیح ہے جو توفیقاً ثابت ہے (یعنی اجتہاد کے بغیر محض حضور ﷺ کے بتانے سے ثابت ہے)۔

اور اس کا جواز چالیس کے ساتھ ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اور آپ کی نماز اس تعداد سے کم کے ساتھ ثابت نہیں اس سے کم کے ساتھ جائز نہ ہو گی۔

وہ فرماتے ہیں: جہاں تک نمازیوں کے جانے کی خبر کہ صرف بارہ باقی رہ گئے تو اس میں یہ نہیں کہ شروع میں بارہ تھے بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ واپس آ گئے ہوں یا ان کے علاوہ آئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں (چھوڑ جانے والوں) نے خطبہ سنا ہو۔

”صحیح مسلم“ میں ہے ”انفضوا فی الخطبة وہ خطبہ میں چھوڑ کر چلے گئے“۔ ”صحیح بخاری کی“ ایک روایت میں ہے ”انفضوا فی الصلوۃ وہ نماز میں چھوڑ کر چلے گئے“۔

یہ روایت خطبہ پر محمول ہے تاکہ تمام روایات میں تطبیق ہو۔

(۱۲) امام شافعی رحمہ اللہ سے ہی منقول ہے کہ امام کے علاوہ چالیس افراد ہوں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

(۱۳) امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں پچاس کا قول منقول ہے اور یہی بات حضرت عمر بن عبد العزیز اور ایک گروہ سے بھی نقل کی گئی ہے۔

(۱۴) اسی (۸۰) افراد ہونے چاہئیں یہ بات امام رازی نے بیان کی ہے۔

(۱۵) تعداد متعین نہیں البتہ بہت بڑی جماعت ہونی چاہیئے۔

شاہد اس آخری قول کو دلیل کے اعتبار سے سب سے زیادہ ترجیح ہو۔ (یہ فتح الباری میں فرمایا)۔



## تیسرا باب

## نبی اکرم ﷺ کی نماز تہجد کا بیان

## آیت کریمہ کی تفسیر

ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ۔ اور رات کے کچھ حصے میں اس (قرآن مجید) کے

(الاسراء: ۷۹) ساتھ تہجد پڑھیں یہ خاص آپ کے لئے زائد ہے۔

”بہ“ یعنی قرآن کے ساتھ اس سے مراد نماز ہے جس میں قرآن مجید کی قرأت بھی ہوتی ہے۔

”الہجود“ لغت میں نیند کو کہتے ہیں۔ ابو عبیدہ سے منقول ہے کہ ہاجد، سونے والے شخص کو اور رات کے وقت

نماز پڑھنے والے کو کہا جاتا ہے۔

ازہری سے منقول ہے کہ الہاجد، سونے والے کو کہتے ہیں۔ مازری نے کہا سونے کے بعد کی نماز کو تہجد کہا جاتا ہے پھر ایک اور نماز جو سونے کے بعد ہے پھر سونے کے بعد مزید نماز پھر سونے کے بعد مزید نماز وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم

ﷺ کی نماز اسی طرح تھی۔ ۲

”نافلۃ لک“ کا مطلب یہ ہے کہ یہ عبادت فرائض سے زائد (واجب) ہے اس قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے ارشاد

”فتہجد“ سے بھی ہوتی ہے کیوں کہ یہ امر کا صیغہ ہے اور امر کا صیغہ وجوب کے لئے آتا ہے پس اس تہجد نماز کا واجب

ہونا ضروری ہوا۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ نافلہ (نماز تہجد) خاص نبی اکرم ﷺ کے

لیے ہے کیونکہ آپ کو قیام لیل کا حکم دیا گیا پس آپ پر فرض کی گئی امت پر فرض نہیں ہوئی۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص آپ کے لئے زائد ہے کیونکہ دوسروں کی نفلی نماز ان کے گناہوں کا

کفارہ بنتی ہے اور نبی اکرم ﷺ کے نوافل خالص آپ کے لئے ہیں کیونکہ آپ پر کوئی گناہ نہیں پس نبی اکرم ﷺ فرض

عبادت کے علاوہ جو عبادت بھی کرتے وہ آپ کے درجات کو بڑھانے اور آپ کی نیکیوں کے اضافہ کا باعث ہوتی اسی

لئے اس کو نافلہ کہا گیا جب کہ امت کا یہ معاملہ نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے کفاروں کے محتاج ہوتے ہیں۔

پس ان عبادات کے لئے وہ گناہوں کے کفارہ اور نیکیوں کے حصول کے سلسلے میں محتاج ہیں۔

امام مسلم نے حضرت سعد بن ہشام کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں

آپ فرماتی ہیں: اس سورت یعنی ”یا ایہا المزمحل“ کے ذریعے قیام لیل فرض کیا گیا تو نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور

۱۔ شرح زرقاتی میں مازری کی بجائے مازنی (ابو عثمان) ہے۔

۲۔ مطلب یہ کہ حضور ﷺ آرام فرماتے پھر نماز پڑھتے پھر آرام فرماتے پھر نماز پڑھتے اور پھر آرام فرما ہونے کے بعد نماز پڑھتے تھے۔



آپ کے صحابہ کرام آپ کے گرد تھے حتیٰ کہ اس سورت کے آخر میں تخفیف کا حکم نازل ہوا تو قیام میں فرض ہونے کے بعد نفلی نماز ہو گئی۔

حضرت محمد بن نصر نے قیام لیل کے سلسلے میں حضرت سماک کے طریقے سے روایت کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کرتے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شاہد ہے کہ (تہجد کو) فرض قرار دینے اور اس (حکم) کو منسوخ کرنے کے درمیان ایک سال کا وقفہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض اہل علم سے روایت کیا کہ سورت کے آخر میں قیام لیل کی فرضیت کا نسخ ہے۔ مگر جو اس میں سے آسان ہو پھر پانچ نمازوں کے ذریعے یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا (اب تہجد کی نماز محض نفل ہے)۔

حضرت محمد بن نصر، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ قیام لیل کا نسخ اس وقت ہوا جب صحابہ کرام حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ”جیش الخبط“ میں گئے اور یہ ہجرت کے بعد کی بات ہے۔ لیکن اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہیں جو ضعیف ہیں۔

پس قیام لیل کا وجوب ہمارے حق میں منسوخ ہو گیا اور کیا نبی اکرم ﷺ کے حق میں بھی منسوخ ہوا؟ اکثر اصحاب کے نزدیک منسوخ نہیں ہوا صحیح یہ ہے کہ ہاں (منسوخ ہوا) یہ بات شیخ ابو حامد نے (امام شافعی کی) نص یعنی واضح الفاظ سے نقل کی ہے۔

### نبی اکرم ﷺ کا نماز تہجد میں مسلسل کھڑا رہنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ آپ کے مبارک قدم پھول گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ پاؤں مبارک پھٹ گئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دیئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”افلا اکون عبدا شکورا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟“

ام المؤمنین فرماتی ہیں: جب آپ کا جسم بھاری ہو گیا اور چربی کی کثرت ہو گئی تو آپ بیٹھ کر نماز ادا فرماتے جب رکوع کرنے کا ارادہ ہوتا تو کھڑے ہو جاتے، قرأت کرتے پھر رکوع فرماتے۔

”افلا اکون“ میں فاء سببیت کا ہے اور محذوف عبادت سے ہے تقدیر عبارت یوں ہے ”ا ترک تہجدی فلا اکون عبدا شکورا کیا میں تہجد چھوڑ دوں اس طرح تو میں شکر گزار بندہ نہیں ہوں گا“۔ معنی یہ ہے کہ مغفرت، تہجد کے شکر ہونے کا سبب ہے پس میں اس کو کیسے چھوڑوں؟

ابن بطلال نے کہا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ انسان عبادت میں اپنے آپ کو سختی میں ڈال سکتا ہے اگرچہ اس سے بدن کو ضرر پہنچے کیونکہ جب نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو جاننے کے باوجود (مغفرت کے علم کے باوجود) یہ طریقہ اختیار کیا تو جس کو علم نہیں اس کا کیا حال ہو گا چہ جائے کہ وہ شخص جو مستحق جہنم ہونے سے بے خوف نہ ہو۔

اس (شدت) کا محل جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری میں“ فرمایا یہ ہے کہ جب تک یہ ملا ل تک نہ پہنچائے (یعنی آدمی اکتانہ جائے) کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا حال تمام احوال سے زیادہ کامل تھا اور آپ اپنے رب کی عبادت سے



تھکتے نہیں تھے اگرچہ اس کی وجہ سے بدن کو تکلیف پہنچے بلکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے آپ نے فرمایا:  
وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

جیسا کہ امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:  
لیکن آپ کے علاوہ لوگوں میں سے کسی کو اکتا جانے کا خوف ہو تو اسے مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو مشقت میں ڈالے اور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی بات پر محمول کیا گیا ہے:

خذوا من الاعمال ما تطيقون فان الله لا یمل حتی تملوا۔ اس قدر اعمال اختیار کرو جن کی طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا البتہ تم تھک جاؤ گے۔

لیکن بعض اوقات نفس یا شیطان اس شخص کے ساتھ سازش کرتا ہے جو عبادت میں اس قدر کوشش کرتا ہے جس کا (ابھی ذکر ہوا) خصوصاً جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے تو وہ (نفس یا شیطان) کہتا ہے تو کمزور اور بوڑھا ہو چکا ہے تو اپنے نفس پر رحم کھاتا کہ تیرا عمل مکمل طور پر ختم ہونہ جائے اگرچہ اس بات کا ظاہر خوبصورت ہے لیکن اس میں سازشیں اور ہلاکتیں ہیں کیونکہ اگر وہ اس کی بات مانتا ہے تو بعض اوقات وہ آہستہ آہستہ اس کو عمل کے چھوڑنے کی طرف لے جاتا ہے یہاں تک کہ وہ عمل کا سلسلہ کلی طور پر منقطع ہو جاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ جن کی خلاف اولیٰ بات بھی معاف کی گئی تھیں آپ نے بڑھاپے کے بعد بھی اپنے عمل میں سے کچھ نہیں چھوڑا۔

ہاں ایسا ہوا کہ پہلے آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک پھول جاتے اس کے بعد نفلی نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے پس جس شخص کی پیٹھ کو گناہوں اور بوجھوں نے بھاری کر دیا ہو اور جہنم سے بے خوف نہ ہو وہ بڑھاپے کی حالت میں کس طرح بے خوف ہو سکتا ہے اور وہ کیسے بڑھاپا ظاہر ہونے کے بعد سستی کر سکتا ہے؟ پس انسان کو چاہیے کہ وہ بڑھاپا آنے سے پہلے تیاری کرے۔

(حدیث شریف میں ہے:)

”پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے سے پہلے کیونکہ جو شخص جوان ہو اس کے سیاہ بالوں کی رات صبح کی شکل میں روشن ہونے لگی۔ اور جو شخص صبح تک پہنچنے والا ہے اس کو ڈراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:  
اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بے شک ان کا وقت عہد صبح ہے کیا صبح قریب نہیں؟

بَقَرِیُّن (ہود: ۸۱)

تو جو شخص صبح میں داخل ہو گیا اور اس کے دن کا ستارہ اس کے سر کے افق میں ظاہر ہو کر چمکنے لگا اس کے قرب کا کیا حال ہو گا۔

قرطبی نے کہا جس شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عبادت میں مشقت اٹھانے کا سبب دریافت کیا تھا اس نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گناہوں کے خوف اور مغفرت و رحمت طلب کرنے کے لئے کی جاتی ہے پس جس شخص کے لئے ثابت ہے کہ اس کی بخشش ہو چکی ہے وہ اس کا محتاج نہیں تو آپ نے ان کو بتایا کہ یہاں عبادت کی ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ مغفرت پر اور نعمت کو اس تک پہنچانے پر شکر ادا کرنا ہے جو اس میں سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہے پس اس پر کثرت شکر کا تعین ہو گیا اور شکر نعمت کا اعتراف کرنا اور عبادت کے لئے کھڑا ہونے کا نام ہے پس جو شخص اس میں کثرت اختیار کرے



اسے ”شکور“ کہا جاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سباء: ۱۳)

اور میرے بندوں میں زیادہ شکر کرنے والے کم ہیں۔

اس سلسلے میں ایک بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ عبادت اور خشیت خداوندی میں جو کوشش کرتے تھے تو علماء کرام فرماتے ہیں انبیاء کرام خود اپنے نفسوں پر شدت خوف کو لازم کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو استحقاق سے پہلے خود یہ انعام عطا فرمایا پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پوری کوشش کی تاکہ کچھ نہ کچھ شکر ادا کریں جب کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق بہت زیادہ ہیں بندہ ان کو ادا نہیں کر سکتا۔

### نبی اکرم ﷺ کی رات کی نماز

حضرت شریح بن ہانی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد میرے گھر تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعات پڑھتے۔

نبی اکرم ﷺ جب مرغ کی آواز سنتے تو کھڑے ہو جاتے۔ (لسان العرب ج ۷ ص ۳۱۸ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۶۱ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۷۱ اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۲۰۳ المغنی ج ۱ ص ۳۶۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۹۳)

یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کی ہے اور اس سے (رات کے) نصف ثانی کی وضاحت ہوتی ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے پہلے حصے میں آرام فرما ہوتے اور آخری حصے میں اٹھ کھڑے ہوتے پس نماز پڑھ کر بستر پر تشریف لے جاتے جب مؤذن اذان کہتا تو جلدی جلدی اٹھتے اگر ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر تشریف لے جاتے۔

آپ یہ بھی فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کبھی رات کے پہلے حصے میں غسل فرماتے اور کبھی رات کے آخری حصے میں اور بعض اوقات رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھتے اور کبھی رات کے آخری حصے میں پڑھتے کبھی بلند آواز سے قرأت کرتے اور کبھی آہستہ آواز سے (قرأت کرتے)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے پھر اتنا وقت آرام فرماتے جتنا وقت نماز پڑھی پھر اس قدر نماز پڑھتے جس قدر آرام فرما ہوتے پھر اس نماز کی مقدار آرام فرماتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔

”سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ“ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز پڑھاتے پھر تسبیح پڑھتے پھر اس کے بعد رات میں جس قدر چاہتے نماز پڑھتے پھر واپس تشریف لا کر اتنا وقت آرام فرماتے جتنا وقت نماز پڑھتے پھر نیند سے بیدار ہوتے اور جس قدر آرام فرماتے اس قدر نماز پڑھتے اور آپ کی یہ آخری نماز صبح تک ہوتی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم رات کے وقت جب بھی حضور ﷺ کو نماز میں دیکھنا چاہتے تو آپ کو (اسی حالت میں) دیکھتے اور جب بھی آرام فرما دیکھنا چاہتے اسی طرح دیکھتے۔

نبی اکرم ﷺ رات کے وقت جب بیدار ہوتے تو یہ کلمات پڑھتے:

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تیری پاکیزگی بیان کرتا



وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ لِذُنُوبِي وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اللَّهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِي إِذْ هَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ.

ہوں اے اللہ! اور تیری تعریف کرتا ہوں تجھ سے اپنی لغزشوں کی بخشش طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں یا اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما اور میرے دل کو ٹیڑھا نہ کرنا اس کے بعد کہ تو نے مجھے ہدایت دی اور مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرما بے شک تو ہی بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

یہ حدیث امام ابو داؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت (کرتے ہوئے نقل) کی ہے۔  
ام المؤمنین ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر اور دس مرتبہ الحمد للہ پڑھتے دس مرتبہ سبحان اللہ و بحمدہ دس مرتبہ سبحان الملک القدوس پڑھتے دس مرتبہ استغفر اللہ اور دس مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے پھر یوں دعا مانگتے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَيْقِ الدُّنْيَا وَضَيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

یا اللہ! میں دنیا کی تنگی اور یوم قیامت کی تنگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پھر نماز شروع فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ کے قیام لیل اور آپ کی وتر نماز سے متعلق حدیث حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جب نبی اکرم ﷺ کے قیام لیل کے سلسلے میں کسی بات میں حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہو جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو ترجیح ہوگی کیونکہ آپ کے قیام لیل کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ علم رکھتی ہیں۔

### حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں: میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری اور نبی اکرم ﷺ بھی ان کے پاس تھے نبی اکرم ﷺ کچھ دیر گھروالوں سے گفتگو کرتے رہے پھر آرام فرما ہوئے جب رات کا تیسرا تہائی یا نصف رات ہوئی تو آپ بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ.

بے شک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے اور رات اور دن کو بدلنے میں عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

(آل عمران: ۱۹۰)

پھر آپ مشکیزے کی طرف کھڑے ہوئے اور اس کی رسی کھولی (لسان العرب ج ۷ ص ۲۱۵) پھر بڑے پیالے (ٹپ) میں پانی ڈالا پھر آپ نے نہایت اچھی طرح وضو کیا جو دو (قسم کے) وضوؤں کے درمیان تھا جس میں زیادہ پانی



بھی استعمال نہ کیا اور تمام اعضاء تک بھی پہنچایا پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی میں کھڑا ہوا اور وضو کر کے آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ نے میرا کان پکڑ کے مجھے اپنی دائیں جانب پھیر دیا (اس طرح) آپ کی نماز تیرہ رکعتیں (دوحیۃ الوضوء آٹھ تہجد کے نوافل اور تین وتر) پوری ہو گئیں۔ پھر آپ سیدھے لیٹ گئے اور آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ سانس کی آواز آنے لگی اور آپ جب بھی آرام فرما ہوتے تو سانس کی آواز آتی تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا (کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں دل جاگتا تھا) اور نبی اکرم ﷺ اپنی دعا میں یہ کلمات پڑھتے تھے:

اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا  
وَفِي سَمْعِي نُورًا وَفِي يَمِينِي نُورًا وَفِي شِمَائِلِي نُورًا  
وَفِي لِسَانِي نُورًا وَفِي رِجْلَيْي نُورًا  
وَفِي كَفِّي نُورًا وَفِي بَطْنِي نُورًا وَفِي ظَهْرِي نُورًا  
وَفِي عُنُقِي نُورًا وَفِي سَائِرِ جَسَدِي نُورًا  
وَفِي كُلِّ عَظْمٍ فِيَّ نُورًا  
يا الله! میرے دل میں نور ڈال دے میری آنکھوں  
میں نور میرے کانوں میں نور پیدا فرما دے میرے دائیں  
جانب نور میری بائیں طرف نور میرے اوپر نور اور میرے  
نیچے نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور کر دے اور  
مجھے (سراپا نور بنادے)۔

بعض نے یہ اضافہ کیا:

اور میری زبان کو نور بنادے۔

وَفِي لِسَانِي نُورًا۔

اور یہ بھی ذکر کیا:

عَصَبِي وَلَحْمِي وَدَمِي وَشَعْرِي وَبَشَرِي۔

میرے پٹھوں، میرے گوشت، میرے خون، میرے

بالوں اور میرے ظاہری جسم کو نور بنادے۔

ایک روایت میں ہے (حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:) کہ آپ نے دو ہلکی پھلکی رکعتیں ادا کیں آپ نے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھی پھر سلام پھیرا پھر ترو سمیت گیارہ رکعات پڑھیں اس کے بعد آرام فرما ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”الصلوة يا رسول الله. يا رسول الله! نماز کا وقت ہو گیا۔“

پس آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں ادا فرمائیں (یعنی سنتیں پڑھیں) پھر صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر تیرہ رکعات پڑھیں ان میں سے دو فجر کی (سنتیں تھیں) میں نے ہر رکعت میں آپ کے قیام کا اندازہ سورہ منزل کی مقدار لگایا۔

ایک روایت میں ہے آپ نے دو دور رکعتیں پڑھیں حتیٰ کہ آٹھ رکعات ادا کیں پھر پانچ رکعات کے ساتھ طاق نماز پڑھی ان میں آپ تشریف فرما نہیں ہوئے۔

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وتر نماز سمیت گیارہ رکعات پڑھیں پھر آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ طبیعت مبارک بوجھل ہو گئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔

ابن خزیمہ کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ دو دور رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے گویا وتر نماز میں تین رکعتوں پر اور باقی نماز میں دو دور رکعتوں پر

سلام پھیرا اور یہی بات واضح ہے کیونکہ وتر اور نفل الگ الگ پڑھے جاتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ ہزاروی



ان ہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا اور مسواک کی اور آپ یہ آیت ”ان فی خلق السفوت والارض“ پڑھ رہے تھے۔ حتیٰ کہ فارغ ہوئے تو دو رکعتیں پڑھیں پھر واپس لوٹ کر آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ میں نے آپ کی سانس کی آواز سنی پھر کھڑے ہوئے وضو کیا اور مسواک کی پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر آرام فرما ہوئے پھر کھڑے ہوئے وضو کیا مسواک کی اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھنے (یا تین رکعت پڑھ کر تمام نماز کو طاق بنا دیا)۔

”صحیح مسلم میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ بیدار ہوئے پس آپ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے ”ان فی خلق السموات والارض“ حتیٰ کہ سورت کے آخر تک پڑھا پھر کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں جن میں طویل قیام رکوع اور سجدہ کیا۔

پھر واپس تشریف لائے اور آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ سانس کی آواز آنے لگی پھر یہ کام تین مرتبہ چھ رکعات کے ساتھ کیا (ہر مرتبہ دو رکعت پڑھیں) ہر مرتبہ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور یہ (مندرجہ بالا) آیات پڑھتے پھر تین رکعت وتر ادا فرماتے۔

### حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے سلسلے میں حضرت سعد بن ہشام سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے ام المؤمنین! مجھے رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ (عادات مبارکہ) کے بارے میں خبر دیجئے انہوں نے فرمایا کیا تم قرآن مجید نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں پڑھتا ہوں فرمایا آپ کے اخلاق و سیرت قرآن مجید (پر عمل) ہے میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین! مجھے نبی اکرم ﷺ کی وتر نماز (طاق نماز یعنی رات کی نماز) کے بارے میں بتائیے انہوں نے فرمایا: ہم نبی اکرم ﷺ کے لئے آپ کی مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے اللہ تعالیٰ جب چاہتا رات کے وقت آپ کو بیدار کرتا پس آپ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور نو رکعتیں پڑھتے اور صرف آٹھویں رکعت پر بیٹھتے پس اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تعریف کرتے اور دعائیں مانگتے پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے پس نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھ جاتے اللہ تعالیٰ کے ذکر و حمد اور دعا میں مشغول ہوتے پھر سلام پھیرتے جو ہمیں سناتے (یعنی بلند آواز سے سلام پھیرتے) پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعتیں پڑھتے تو اس طرح اے بیٹے! یہ گیارہ رکعات ہو جاتیں جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی اور گوشت بڑھ گیا تو آپ نے سات رکعات کے ساتھ طاق نماز پڑھی اور دو رکعتوں میں پہلی نماز کی طرح کرتے پس اے بیٹے! یہ نو رکعتیں ہو گئیں۔

”سنن نسائی میں ہے“ (ام المؤمنین فرماتی ہیں:) ہم نبی اکرم ﷺ کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے پس جب اللہ تعالیٰ چاہتا رات کے وقت آپ کو بیدار کرتا تو آپ مسواک کرتے اور وضو فرما کر نو رکعات پڑھتے اور آٹھویں رکعت پر بیٹھتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے اس کے نبی پر درود بھیجتے اور ان رکعات کے دوران دعائیں مانگتے اور سلام نہ پھیرتے پھر نماز پڑھتے اور بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے اور درود شریف پڑھتے پھر سلام پھیرتے جس کی آواز ہم سنتے پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے۔



ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اے بیٹے! یہ گیارہ رکعات ہیں پس جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی اور گوشت بڑھ گیا تو آپ سات رکعتوں کے ساتھ نماز کو طاق بناتے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعتیں پڑھتے تو اے بیٹے! یہ نو رکعات ہو گئیں۔

”سنن نسائی کی ہی“ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے سات رکعات پڑھیں میرا خیال ہے کہ آپ نے ان میں قرأت رکوع اور سجدے کو برابر برابر رکھا پھر ایک رکعت کے ذریعے اس نماز کو طاق بنایا پھر دو رکعتیں پڑھیں اور آپ بیٹھے ہوئے تھے پھر پہلو کے بل لیٹ گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے نماز شروع کرتے۔

ان ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد اور فجر سے پہلے گیارہ رکعات پڑھتے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور ایک رکعت کے ساتھ تمام نماز کو طاق بنا لیتے آپ کا سجدہ اس قدر طویل ہوتا جتنا تم میں سے کوئی ایک سر اٹھانے سے پہلے پچاس آیات پڑھے جب مؤذن فجر کی نماز کے لئے اذان سے خاموش ہو جاتا اور ہمارے لئے فجر ظاہر ہو جاتی تو آپ اٹھ کر دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے حتیٰ کہ مؤذن آپ کے پاس اقامت کے لئے حاضر ہوتا۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ آپ تیرہ رکعتیں پڑھتے اس میں سے پانچ رکعات کے ساتھ نماز کو طاق بناتے اور ان میں صرف آخر میں بیٹھتے تھے۔

”صحیح بخاری“ میں حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ سات نو اور گیارہ رکعات ہوتی تھیں۔

امام بخاری نے ہی حضرت قاسم بن محمد کے واسطے سے حضرت ام المؤمنین سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے ان میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں شامل ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں بہت سے اہل علم کے لئے اشکال پیدا ہوئی کہ بعض نے ان کی حدیث میں اضطراب کا قول کیا لیکن یہ اضطراب اس وقت ثابت ہوتا ہے جب ان سے روایت کرنے والا راوی ایک ہوتا اور وہ ایک وقت کے بارے میں خبر دے رہی ہوں۔

درست بات یہ ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ متعدد اوقات اور متعدد احوال پر محمول ہے (اور یہ اختلاف) طبیعت کی چاہت اور بیان جواز کی بنیاد پر ہے۔

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما کی ان سے روایت غالب احوال پر محمول ہے (کہ اکثر ایسا ہوتا تھا)۔

کہا گیا ہے کہ گیارہ رکعات پر اضافہ نہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ تہجد اور وتر رات کی نماز سے خاص ہیں اور دن کے رسول اکرم ﷺ کا عمل امت کے لئے سنت بننا تھا اس لئے آپ نے امت کے مختلف طبقات کو پیش نظر رکھنا نیز بتایا کہ کم رکعات پڑھیں یا



فرائض ظہر کی نماز ہے جو چار رکعات ہیں عصر کی نماز بھی دن کی نماز ہے جو چار رکعات پر مشتمل ہے اور مغرب کی تین رکعات دن کے وتر ہیں پس مناسب یہ ہوا کہ رات کی نماز اجمالی اور تفصیلی طور پر دن کی نماز کی طرح ہو۔ اور تیرہ رکعات کی مناسبت یہ ہے کہ اس میں صبح کی نماز کو ملایا جائے کیونکہ وہ اس (نماز تہجد) کے بعد دن کی نماز ہے۔

### نبی اکرم ﷺ کے قیام لیل کی انواع

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی رات کی نماز کو اچھی طرح غور سے دیکھوں گا وہ فرماتے ہیں آپ نے دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھیں پھر دو نہایت طویل رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں پہلی نماز سے ذرا مختصر پڑھیں پھر دو رکعتیں اس پہلی نماز سے مختصر اور پھر دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں سے مختصر پڑھیں اس کے بعد دو رکعتیں پچھلی دو رکعتوں سے مختصر پڑھیں پھر نماز وتر پڑھی تو یہ تیرہ رکعات ہو گئیں۔

حدیث میں جو فرمایا کہ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے مختصر تھیں یہ قول چار مرتبہ ہے۔ (صحیح مسلم، موطا امام مالک، سنن ابی داؤد اور ابن اشیر کی جامع الاصول میں اسی طرح ہے)۔  
تو نبی اکرم ﷺ کا رات کو قیام مختلف انواع پر مشتمل تھا۔

(۱) چھ رکعات پڑھتے ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے جیسا کہ ”صحیح مسلم میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

(۲) آپ دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے آغاز فرماتے پھر گیارہ رکعات وظیفہ مکمل فرماتے ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور ایک رکعت (کے ساتھ) وتر پڑھتے۔

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کی۔

(۳) تیرہ رکعات اسی طرح پڑھتے تھے یہ حدیث امام مسلم نے حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

(۴) آٹھ رکعات ادا فرماتے ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے پھر پانچ رکعات مسلسل ادا کرتے صرف ان کے آخر میں قعدہ فرماتے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

(۵) نور رکعات پڑھتے تھے صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر و حمد کرتے اور دعائیں مانگتے پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے پس نور رکعتیں پڑھتے (مکمل کرتے) پھر قعدہ فرماتے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے اور دعائیں مانگتے پھر سلام پھیرتے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھنے کی حالت میں دو رکعتیں پڑھتے اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا۔

۱۔ وتر اور نفل الگ الگ پڑھنے کی احادیث زیادہ ثابت اور اکثر ہیں اور اکثر حفاظ حدیث نے بواسطہ حضرت ہشام ان کے والد سے اور انہوں

نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲)



(۶) نور کعتوں کی طرح سات رکعات ادا فرماتے پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے یہ حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

(۷) دو دور کعتیں کر کے پڑھتے تھے پھر تین رکعات نفل پڑھتے اور ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے تھے اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

(۸) امام نسائی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رمضان شریف میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے رکوع کیا اور رکوع میں قیام کی مقدار ٹھہرے اور سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے پھر بیٹھ گئے اور رب اغفر لی رب اغفر لی (اے میرے رب! مجھے بخش دے! اے میرے رب! مجھے بخش دے) پڑھتے رہے۔

آپ نے صرف چار رکعات پڑھیں حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر آپ کو نماز فجر کے لئے عرض کیا۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے بھی اسے نقل کیا ہے ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ انہوں (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ) نے نبی اکرم ﷺ کو رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ نے اللہ اکبر کہنے کے بعد تین بار یہ کلمات کہے:

ذُو الْمَلَكُوتِ وَالْجَبَرُوتِ وَالْكَبِيرِ يَا

بَادِشَاهِی طَاقَتِ بُدَائِی اور عظمت والی ذات۔

وَالْعَظْمَةِ

پھر نماز شروع کرتے ہوئے سورہ بقرہ پڑھی پھر رکوع فرمایا جو قیام کے قریب قریب تھا آپ نے رکوع میں ”سبحان ربی العظیم“ پڑھا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور رکوع کی مقدار کھڑے رہے اس (قومہ) میں آپ نے ”لربی الحمد“ (میرے رب کے لئے ہی حمد ہے) کہا پھر سجدہ کیا تو آپ کا سجدہ بھی قیام کے برابر تھا آپ سجدے میں ”سبحان ربی الاعلی“ پڑھتے پھر سجدے سے سر اٹھایا اور دو سجدوں کے درمیان سجدے کی مقدار بیٹھے اور ”رب اغفر لی“ پڑھا آپ نے چار رکعات اسی طرح پڑھیں ان میں سورہ بقرہ سورہ آل عمران النساء اور مائدہ یا انعام پڑھی حضرت شعبہ (راوی) کو شک ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک رات نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی تو آپ نے سورہ بقرہ شروع کی میں نے (دل میں) کہا کہ آپ ایک سو آیات پر رکوع کریں گے آپ پڑھتے رہے میں نے کہا ایک رکعت میں سورہ بقرہ پڑھیں گے آپ نے قرأت جاری رکھی میں نے کہا اس پر رکوع کریں گے پھر آپ نے سورہ نساء شروع کی اور اسے پڑھا پھر سورہ آل عمران شروع کی اور اس کی قرأت کی آپ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے جب کسی ایسی آیت پر پہنچتے جس میں تسبیح ہوتی تو سبحان اللہ کہتے اور جب کوئی سوال والی آیت کو پڑھتے تو سوال کرتے، تعوذ والی آیت پڑھتے تو پناہ مانگتے پھر رکوع فرمایا تو اس میں سبحان ربی العظیم پڑھا آپ کا رکوع قیام جیسا تھا۔ پھر آپ نے ”سمع اللہ لمن حمدہ“ پڑھا ایک روایت میں ”ربنا لک الحمد“ کا اضافہ ہے۔ پھر دیر تک کھڑے رہے جو رکوع کی مقدار کے قریب قریب تھا پھر سجدہ کیا اور اس میں سبحان ربی الاعلی پڑھا آپ کا سجدہ قیام کے قریب قریب تھا۔



امام نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ایسی آیت پر پہنچتے جس میں خوف دلایا گیا یا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ذکر ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔

## نبی اکرم ﷺ کی نماز کس شکل میں ہوتی؟

نبی اکرم ﷺ کی نماز کی تین صورتیں تھیں۔

(۱) آپ اکثر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت حصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو بیٹھ کر نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ وصال سے ایک سال پہلے آپ بیٹھ کر نفل پڑھنے لگے۔

اس حدیث کو امام احمد، امام مسلم اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا۔  
(۲) نبی اکرم ﷺ (بعض اوقات) بیٹھ کر نماز پڑھتے اور بیٹھے ہوئے ہی رکوع کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور ان کے علاوہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

واذا قرأ وهو قاعد ركع وسجد وهو قاعد۔ اور جب آپ بیٹھنے کی حالت میں قرأت کرتے تو بیٹھے ہوئے رکوع اور سجدہ بھی کرتے۔

(۳) (کبھی) آپ بیٹھنے کی حالت میں قرأت فرماتے پس جب تھوڑی سی قرأت باقی رہتی تو کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں ہی رکوع میں جاتے۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:  
نبی اکرم ﷺ بیٹھنے کی حالت میں نماز پڑھتے اور بیٹھے ہوئے ہی قرأت فرماتے جب قرأت میں سے تیس یا چالیس آیات کی مقدار باقی رہتی تو کھڑے ہو جاتے اور باقی قرأت کھڑے کھڑے کرتے پھر رکوع کرتے اس کے بعد سجدہ کرتے پھر دوسری رکعت میں اسی طرح کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چوڑی مار کر (بھی) نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ وتر نماز کے بعد کبھی بیٹھ کر دو رکعتیں (نفل) پڑھتے اور کبھی بیٹھنے کی حالت میں قرأت کرتے پس جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک رکعت کے (اضافہ کے) ساتھ نماز کو وتر (طاق) بناتے پھر دو رکعتیں پڑھتے اور ان میں بیٹھنے کی حالت میں قرأت کرتے پس جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہو کر رکوع میں جاتے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ وتر نماز کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے جن میں ”اذا زلزلت الارض“ اور ”قل يا ايها الكفرون“ کی قرأت کرتے۔

ان دو رکعتوں میں اختلاف ہے حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے ان کا انکار کیا اور اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے بھی ”المجموع“ میں انکار کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا میں نہ اس پر عمل کرتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔

درست یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ دو رکعتیں یہ بات بتانے کے لئے پڑھی ہیں کہ وتر نماز کے بعد نماز پڑھنا جائز



ہے اور بیٹھ کر (نفل) پڑھنا بھی جائز ہے۔

اور حدیث میں لفظ ”کمان“ آیا ہے (یعنی آپ ایسا کرتے تھے) یہ لفظ اس مقام پر دوام یا اکثریت کا فائدہ نہیں دیتا جن لوگوں نے ان دور کعتوں کو سنت مؤکدہ خیال کیا انہوں نے غلط گمان کیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ دور کعتیں ہمیشہ نہیں پڑھیں اور سنت کو فرض سے مشابہت نہیں کہ وتر کے بعد نماز قرار پائے۔ ۱۔

### شعبان کی پندرہویں رات کا قیام

شعبان المعظم کی پندرہویں رات کو (نماز کے لئے) نبی اکرم ﷺ کے قیام کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رات کے ایک حصے میں کھڑے ہوئے تو نماز پڑھی اور نہایت لمبا سجدہ کیا حتیٰ کہ میں نے سمجھا آپ کی روح مبارک پرواز کر گئی ہے۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو اٹھ کر آپ کے انگوٹھے کو حرکت دی تو اس میں حرکت پیدا ہوئی میں واپس آ گئی جب آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے عائشہ! یا (فرمایا) اے حمیرا! (حمراء کی تصغیر سفید رنگ میں سرخی ہو) کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ نبی ﷺ نے تم سے دھوکہ کیا میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! ایسا نہیں یا رسول اللہ! لیکن میں نے آپ کے طویل سجدے کی وجہ سے خیال کیا کہ آپ کی روح پرواز کر گئی ہے آپ نے فرمایا کیا تم جانتی ہو آج کی رات کونسی رات ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے فرمایا: یہ شعبان المعظم کی پندرہویں رات ہے بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں تاریخ کو اپنے بندوں کی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے پس بخشش مانگنے والوں کو بخش دیتا ہے اور رحم طلب کرنے والوں پر رحم فرماتا اور کینہ پرور لوگوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۷)

اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت علاء بن حارث کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور فرمایا یہ مرسل حدیث ہے لیکن عمدہ ہے یعنی حضرت علاء نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا۔

شعبان المعظم کی پندرہویں رات کی فضیلت میں بے شمار احادیث آئی ہیں لیکن اکثر حضرات نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ البتہ ابن حبان نے ان میں سے بعض کو صحیح قرار دیتے ہوئے اپنی (کتاب) ”صحیح ابن حبان“ میں نقل کیا ہے۔

ان میں سے سب سے زیادہ قابل قبول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جیسا کہ ابن رجب نے اس بات کی خبر دی ہے کہ ام المؤمنین فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو نہ پایا تو میں باہر نکلی پس آپ بقیع (قبرستان) میں تھے اور سرانور آسمان کی طرف اٹھا رکھا تھے فرمایا کیا تمہیں ڈرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خیال کیا کہ آپ کسی دوسری زوجہ مطہرہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے (اس کی رحمت قریب ہو جاتی ہے) پس وہ (قبیلہ) کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کو بخش دیتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹ مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۲۹۹ العلل المتناہیہ رقم الحدیث: ۶۶)

۱۔ مطلب یہ ہے کہ وتر نماز فرض کے برابر نہیں کہ جس طرح فرض نماز مثلاً ظہر اور عشاء کے بعد سنت مؤکدہ ہیں اسی طرح وتر نماز کے بعد بھی سنت مؤکدہ ہوں۔ ۱۲ ہزاروی



اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

”سنن ابن ماجہ میں“ ضعیف سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب نصف شعبان کی رات (پندرہویں رات) ہو تو اس رات میں قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات غروب آفتاب سے آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے (جیسے اس کے شایان شان ہے) پس فرماتا ہے: سنو! ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا پس میں اس کو بخش دوں! سنو! ہے کوئی رزق طلب کرنے والا پس میں اس کو رزق عطا کروں! کوئی بیماری وغیرہ میں مبتلا میں اس کو عافیت دوں۔ سنو! ہے کوئی ایسا ہے کوئی ایسا (یہ ندا جاری رہتی ہے) حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

اہل شام میں سے تابعین جیسے خالد بن معدان اور مکحول رحمہما اللہ پندرہویں شعبان کی رات عبادت میں خوب کوشش کرتے تھے اور لوگوں نے ان سے ہی اس رات کی تعظیم کا درس حاصل کیا اور کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں ان تک اسرائیلی روایات پہنچی تھیں پس جب ان سے وہ مشہور ہو گئیں تو لوگوں میں اختلاف ہو گیا بعض نے ان سے قبول کیا اور اکثر علمائے حجاز نے انکار کیا جن میں حضرت عطا اور ابن ابی ملیکہ بھی شامل ہیں۔

عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے فقہاء اہل مدینہ سے نقل کیا اور یہی قول امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں کا ہے وہ کہتے ہیں یہ سب بدعت ہے (بدعت حسنہ ہے)۔

علماء اہل شام سے اس رات کو عبادت میں گزارنے کی صفت میں دو مختلف قول منقول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو مسجدوں میں جمع ہو کر زہدہ رکھا جائے اور حضرت خالد بن معدان اور لقمان بن عامر اس رات نہایت عمدہ لباس پہنتے خوشبو لگاتے اور سلگاتے سرمہ لگاتے اور اس رات مسجد میں قیام کرتے اسحاق بن راہویہ نے بھی اس سلسلے میں ان کی موافقت کی اور ان کے مساجد میں قیام کے بارے میں کہا کہ یہ بدعت نہیں ہے۔ یہ بات حرب الکرمانی نے اپنے مسائل میں نقل کی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس رات نماز و واقعات کے بیان اور دعا کے لئے مساجد میں اجتماع مکروہ ہے اور یہ بات مکروہ نہیں کہ کوئی شخص الگ تھلک نماز پڑھے یہ قول امام اوزاعی کا ہے جو اہل شام کے امام فقیہ اور عالم ہیں۔

اور امام احمد رحمہ اللہ سے پندرہویں شب شعبان کے بارے میں کوئی بات معروف نہیں البتہ ان سے عیدوں کی راتوں میں قیام سے متعلق جو دو روایتیں مروی ہیں ان سے اس رات میں قیام کے مستحب ہونے کے بارے میں دو روایتوں کی تخریج کی جاسکتی ہے ایک روایت کے مطابق وہ عیدوں کی راتوں میں اجتماعی طور پر قیام کو مستحب نہیں جانتے کیونکہ یہ طریقہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے منقول نہیں ہے اور ایک روایت کے مطابق وہ مستحب سمجھتے ہیں کیونکہ حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسود نے ایسا کیا ہے اور وہ تابعین میں سے ہیں اسی طرح شعبان کی پندرہویں رات کا قیام ہے کہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے کوئی بات منقول نہیں ہے البتہ اہل شام کے جلیل القدر فقہاء تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ یہ ابن رجب کے لطائف سے بطور خلاصہ ہے۔

سورہ دخان میں ارشاد خداوندی ہے:



إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ. (الدخان: ۳) بے شک ہم نے اس (قرآن مجید) کو مبارک رات میں اتارا۔

تو اس سے قرآن مجید کے لیلۃ القدر میں اتارنا مراد ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ. (القدر: ۱) بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اتارا۔

اور یہ رات رمضان المبارک کے مہینے میں ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ. (البقرہ: ۱۸۵) گیا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں جو شخص کہتا ہے کہ اس سے شعبان کی پندرہویں رات مراد ہے جیسا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو انہوں نے عجیب قول کیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں وہ واضح الفاظ میں بتایا گیا کہ یہ ماہ رمضان میں ہے۔

اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جسے عبد اللہ بن صالح نے بواسطہ لیث، حضرت عقیل زہری سے روایت کیا وہ کہتے ہیں مجھے عثمان بن محمد بن مغیرہ نے خبر دی کہ حضرت انس نے فرمایا رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تقطع الاجال من شعبان الى شعبان حتى ان الرجل لينكح ويولد وقد اخرج اسمه في الموتى. شعبان سے شعبان تک مرنے والوں کا فیصلہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے حالانکہ اس کا نام مرنے والوں کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۲۸۰ الدر المنثور ج ۶ ص ۲۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۷۸۰)

تو یہ حدیث مرسل ہے اس قسم کی احادیث نصوص کے مقابلے میں نہیں آ سکتیں۔ ۱۔

## نماز تراویح

### احادیث تراویح

نبی اکرم ﷺ کے ماہ رمضان المبارک میں قیام کو تراویح کہا جاتا ہے ”تراویح“ روحیہ کی جمع ہے اور یہ ایک مرتبہ راحت (آرام کرنے) کو کہتے ہیں اور (اس نماز کو) تراویح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ ہر دو سلاموں (دو نمازوں) کے درمیان آرام کرتے تھے۔

۱۔ سورہ دخان میں لیلۃ مبارکہ کا ذکر ہے جس میں ہر حکمت والے کے فیصلے کا بیان ہے اس رات سے لیلۃ القدر ہی مراد لی گئی ہے اور شب برأت بھی حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اس سے لیلۃ القدر مراد ہے تاہم شب برأت کی فضیلت بھی احادیث سے ثابت ہے۔ (ضیاء القرآن سورہ دخان) ۱۲ ہزاروی



حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارکہ تھا کہ جب ماہ رمضان کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ راتوں کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے اور عبادت میں خوب کوشش فرماتے۔  
 ”صحیح مسلم میں ہے ”ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں (عبادت کی) جس قدر کوشش فرماتے دوسرے مہینوں میں اتنی کوشش نہیں فرماتے تھے۔

”جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ“ آپ آخری عشرہ میں جس قدر کوشش کرتے تھے دوسرے مہینوں میں اتنی کوشش نہ کرتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی اور صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر آئندہ رات نماز پڑھی تو لوگ زیادہ ہو گئے پھر تیسری رات جمع ہوئے تو آپ ان کی طرف تشریف نہ لائے صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں نے تمہارے عمل کو دیکھا اور مجھے تمہارے پاس آنے سے اس بات کے خوف نے روکا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور یہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔

”صحیح بخاری (رقم الحدیث: ۱۱۲۹-۲۰۱۲) اور صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۱۷۸۰) کی“ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت باہر تشریف لائے پس مسجد میں نماز پڑھی صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی چنانچہ صحابہ کرام نے اس سلسلے میں گفتگو شروع کر دی (تو یہ بات معروف ہو گئی) پس ان سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے نبی اکرم ﷺ دوسری رات تشریف لائے اور ان کو نماز پڑھائی لوگوں نے صبح اس کا تذکرہ کیا تو تیسری رات مسجد میں زیادہ لوگ آئے آپ تشریف لائے اور ان کو نماز پڑھائی جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد نمازیوں سے تنگ پڑ گئی آپ تشریف نہ لائے کچھ لوگوں نے ”الصلوۃ“ کہنا شروع کیا (یعنی نماز کا وقت ہو گیا) لیکن آپ ان کی طرف تشریف نہ لائے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے جب صبح کی نماز ہو چکی تو آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے پھر کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا: اما بعد! گزشتہ رات کا تمہارا معاملہ مجھ پر پوشیدہ نہ تھا لیکن مجھے ڈر ہوا کہ تم پر رات کی نماز فرض نہ ہو جائے پس تم اس سے عاجز ہو جاؤ۔

ایک دوسری روایت میں اسی طرح اس کا مفہوم اختصار کے ساتھ مروی ہے اس میں فرمایا: کہ یہ بات رمضان المبارک میں ہوئی۔

آپ کا ارشاد گرامی کہ ”مجھے ڈر ہے کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے“۔ اس کی تشریح کے سلسلے میں ”فتح الباری میں“ فرمایا: کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ توقع تھی کہ اگر اس عمل کو ہمیشہ کیا تو رات کی نماز جماعت کے ساتھ فرض ہو جائے گی اور اس میں ایک اشکال ہے جس کی بنیاد بعض مائیکوں کا یہ قاعدہ ہے کہ شروع کرنے سے عمل لازم ہو جاتا ہے اور یہ محل نظر ہے۔

محب طبری نے جواب دیا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہو کہ اگر آپ یہ کام پابندی سے صحابہ کرام کے ہمراہ کریں گے تو میں اسے ان پر فرض کر دوں گا پس آپ نے ان کے لئے تخفیف کو پسند فرمایا۔

۱۔ جو عمل فرض نہ ہوا اگر اس کو شروع کر دیا جائے تو واجب ہو جاتا ہے جس طرح نذر ماننے سے نفل نماز واجب ہو جاتی ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی لازم ہو جاتی ہے بلکہ اس طرح بدرجہ اولیٰ واجب ہوگی ہاں ایسا نہیں ہے کہ اگر آج رات دو نفل پڑھے تو ہمیشہ پڑھنے ہوں گے یہ امت کے لئے ہے حضور ﷺ کا معاملہ الگ ہے۔ ۱۲ ہزاروی



کہا گیا ہے کہ آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ آپ کے دوام سے کوئی امتی اس عمل کو واجب نہ سمجھ لے۔  
امام قرطبی نے فرمایا یعنی فرض نہ سمجھ لیں پس وہ اس پر واجب ہو جائے گی جس طرح کوئی مجتہد کسی چیز کو حلال یا حرام سمجھے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس پر عمل کرے۔

خطابی نے اس خوف پر یوں اعتراض کیا کہ جب حدیث اسراء سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ پانچ نمازیں ہیں اور وہ (ثواب کے اعتبار سے) پچاس ہیں، میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں آتی۔  
پس جب تبدیلی کا خوف نہیں ہے تو (فرائض میں) اضافہ کا خوف کیسے ہوگا؟ یہ بات پہلے دیئے گئے جوابات سے دور جاتی ہے (یعنی کوئی امتی لازم نہ سمجھ لے)۔

خطابی نے اس بات کا یہ جواب بھی دیا ہے کہ رات کی نماز نبی اکرم ﷺ پر واجب تھی امت پر واجب ہے کہ وہ افعال شرعیہ میں آپ کی اقتدا کرے جب حضور ﷺ ان کو ہمیشہ کریں پس آپ نے ان کی طرف آنا اس لئے چھوڑا تا کہ یہ اس واجب میں داخل نہ ہو جائے جس کا وجوب آپ کے حکم کی پیروی کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ کوئی نیا فرض ہوگا نمازوں سے زائد ہوگا یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص نذرمان کر اپنے اوپر نماز کو واجب کر لیتا ہے پس یہ اس پر واجب ہوتی ہے لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ اصل شرع میں کسی فرض کا اضافہ ہوا ہے۔

خطابی نے فرمایا کہ اس میں ایک اور احتمال بھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کیں پھر ان کا زیادہ حصہ اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے چھوڑ دیا پس جب امت اس کی طرف لوٹ آئے جسے وہ بطور ہبہ طلب کرے اور اس کو (اپنے اوپر) لازم کر دے جسے ان کے نبی نے ان سے معاف کروایا تھا تو اس کے ان پر بطور فرض ثابت ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں خطابی سے یہ دو جواب ایک جماعت نے حاصل کئے مثلاً ابن جوزی نے ان کو اختیار کیا اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ قیام لیل نبی اکرم ﷺ پر واجب تھا اور آپ کے افعال مبارکہ کی اقتدا واجب ہے۔  
لیکن یہ دونوں باتیں اختلافی ہیں۔ پھر ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے تین جواب دیئے ہیں۔

(۱) یہ بھی احتمال ہے کہ قیام لیل کے فرض ہونے کا خوف اس طریقے پر تھا کہ رات کے نوافل کے درست ہونے کے لئے مسجد میں باجماعت تہجد پڑھنا شرط ہو جائے وہ فرماتے ہیں اس بات کی طرف اشارہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ان الفاظ سے ہوتا ہے:

حتى خشيت ان يكتب عليكم ولو كتب عليكم ما قمتم به فصلوا ايها الناس في بيوتكم. حتى کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر تم پر (یہ نماز) فرض ہو جاتی تو تم اس کی پابندی نہ کر سکتے پس اے لوگو! اپنے گھروں میں ادا کرو۔

تو آپ نے ان کو مسجد میں جمع ہونے سے اس لئے روکا کہ اس کے شرط ہونے کا خوف تھا اور گھروں میں پڑھنے کی وجہ سے اگرچہ ہمیشہ پڑھی جائے فرض ہو جانے سے امن ہو گیا۔

(۲) یہ خوف تھا کہ قیام لیل (تراویح) فرض کفایہ نہ ہو جائے فرض عین ہونے کا ڈر نہ تھا پس (اس صورت میں) یہ پانچ



نمازوں سے زائد نہ ہوگی بلکہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ عید وغیرہ کی طرح ہو جائے گی (یعنی فرض کفایہ ہوگی)۔

(۳) یہ خوف تھا کہ قیام رمضان خاص طور پر فرض ہو جائے اور حدیث میں آیا ہے کہ یہ واقعہ ماہ رمضان کا ہے۔

حضرت سفیان بن حسین کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

خشیت ان بفرض علیکم قیام هذا

مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر اس مہینے کا قیام فرض نہ ہو جائے۔

الشہر۔

فرماتے ہیں: اس اعتبار سے اشکال اٹھ جائے گا کیونکہ قیام رمضان سال میں ہر دن نہیں آیا پس یہ پانچ نمازوں پر اضافہ نہیں ہوگا۔

(علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:) میری نظر میں ان تین جوابوں میں سے پہلا جواب زیادہ مضبوط ہے۔

### تراویح جماعت کے ساتھ یا الگ الگ؟

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک کی تیسویں رات کو رات کی پہلی تہائی تک کھڑے رہے پھر پچیسویں رات کو نصف رات تک قیام کیا پھر ستائیسویں رات کو آپ کے ساتھ قیام کیا حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ فلاح کو نہیں پاسکیں گے وہ سحری کو فلاح کہتے تھے۔

علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کیا نماز تراویح باجماعت مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا گھر میں تنہا پڑھنا؟

امام شافعی اور ان کے اکثر شاگرد امام ابوحنیفہ اور بعض مالکی وغیرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اور مسلمانوں کا یہی طریقہ جاری ہے کیونکہ یہ (اسلام کی) ظاہری علامات میں سے ہے پس نماز عید کے مشابہ ہے۔

سوال: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو کہ ”مجھے تم پر فرض ہونے کا ڈر ہے“ کو مسجد میں جمع ہونے پر محمول کیا اور فرمایا کہ یہ سب سے قوی توجیہ ہے؟

جواب: نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اس بات کا خوف نہیں رہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمع کرنے کو ترجیح دی کیونکہ اختلاف میں افتراق کلمہ ہے نیز ایک آدمی پر جمع ہونا بہت سے نمازیوں کے لئے زیادہ خوشی اور قلبی سرور کا باعث ہوتا ہے۔

امام مالک امام ابو یوسف شافعی مسلک کے بعض حضرات اور ان کے علاوہ بزرگوں نے فرمایا کہ گھروں میں تنہا پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”فرض نماز کے علاوہ آدمی کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے“۔ (انجم الکبیر ج ۵ ص ۱۶۰ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۷۵۳)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا مسجد میں پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا یا اس لئے کہ آپ معکف تھے۔

(نوٹ: امام زرقانی فرماتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک گھر میں پڑھنے کی فضیلت اس صورت میں ہے

جب مساجد کے بے آباد ہونے کا خوف نہ ہو نیز وہ تنہا پڑھنے میں زیادہ سرور محسوس کرتا ہو) (زرقانی ج ۷ ص ۴۱۸)

۱۲ ہزاروی)۔



## تعدادِ رکعات

نبی اکرم ﷺ جو نماز رمضان شریف میں (رات کے وقت) پڑھتے تھے اس کی رکعات کے سلسلے میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کی رمضان کی نماز کیسی تھی؟ ام المؤمنین نے فرمایا آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پر اضافہ نہ فرماتے آپ چار رکعات پڑھتے تم ان (رکعات) کے حسن اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھو پھر چار رکعات پڑھتے ان کے حسن اور لمبا ہونے کے بارے میں سوال نہ کرو (یعنی نہایت اچھی طرح اور طویل انداز میں ہوتی تھیں) پھر تین رکعات پڑھتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے آرام فرما ہوتے ہیں؟ فرمایا اے عائشہ! بے شک میری آنکھ سوتی ہے لیکن دل نہیں سوتا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۵ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۹ سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶ سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۹۶ دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۷۲ التہذیب رقم الحدیث: ۲۰۹ الحلیہ ج ۱ ص ۳۸۴ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۲۰ نصب الرایۃ ج ۲ ص ۱۵۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۷۹)

اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ تو اس کی سند ضعیف ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ (مذکورہ بالا حدیث اس کے معارض ہے)۔

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو تراویح پر جمع کیا

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں یہ طریقہ جاری رہا کہ ہر شخص رمضان المبارک میں اپنے گھر میں اکیلا قیام کرتا تھا حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ابتدائی دور گزر گیا۔

”صحیح بخاری میں ہے کہ“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رمضان المبارک کی ایک رات مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ لوگ منقسم متفرق ہیں، کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور کسی شخص کے ساتھ ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ان لوگوں کو کسی قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو یہ زیادہ مناسب ہے پھر آپ نے ارادہ فرمایا تو ان کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کیا پھر ایک رات آپ تشریف لائے اور صحابہ کرام اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعمۃ البدعة هذه۔  
یہ کتنی اچھی بدعت ہے؟ ۲

(رات کے) جس وقت سے (غافل ہو کر) تم سوتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جس میں تم قیام کرتے ہو مطلب یہ ہے کہ رات کا آخری حصہ بہتر ہے اور لوگ رات کے پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اور اس حدیث میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی روایت میں تہجد کا ذکر ہے اسی لئے انہوں نے رمضان اور غیر رمضان ہر دونوں کا ذکر فرمایا جب کہ اس حدیث میں رمضان المبارک کی مخصوص نماز (تراویح) کا ذکر

ہے۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ معلوم ہوا کہ بدعت اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی لہذا ہر بدعت گمراہی نہیں ہوگی۔ ۱۲ ہزاروی



حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا انتخاب اس لئے فرمایا کہ وہ سب سے زیادہ قرأت جانتے تھے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا۔

حضرت سعید بن منصور حضرت عمروہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں جمع کیا پس وہ مردوں کو نماز پڑھاتے تھے اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ عورتوں کو نماز پڑھاتے تھے۔<sup>۱</sup>

”موطأ میں ہے کہ“ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ رمضان المبارک میں لوگوں کو نماز (تراویح) پڑھائیں۔

امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان شریف میں لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے۔

حضرت حلیمی فرماتے ہیں بیس رکعات میں حکمت یہ ہے کہ رمضان شریف کے علاوہ سنت مؤکدہ دس رکعات ہیں (شافعی مسلک کے نزدیک کل سنتیں بارہ ہیں جن میں سے دس رکعات مؤکدہ ہیں جبکہ ہمارے نزدیک بارہ رکعات مؤکدہ ہیں)۔

پس ان کو دو گنا کیا گیا کیونکہ یہ (رمضان شریف) عبادت کے زیادہ اہتمام کا وقت ہے۔  
”موطأ میں تیس رکعات کا ذکر ہے“ امام بیہقی رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا کہ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

”موطأ میں“ حضرت محمد بن یوسف سے مروی ہے وہ حضرت سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ یہ گیارہ رکعات ہیں اور عبدالعزیز کے نزدیک اکیس رکعات ہیں۔

ان روایات کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ یہ مختلف احوال کا بیان ہے یہ بھی احتمال ہے کہ قرأت کے لمبا اور مختصر ہونے کے اعتبار سے اختلاف ہو جہاں قرأت لمبی ہوئی رکعات کم ہوئیں اور اسی طرح اس کے برعکس ہوا (یعنی قرأت کم ہونے کی وجہ سے رکعات زیادہ ہو گئیں)۔

حضرت محمد بن نصر داؤد بن قیس کے طریق سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کی حکومت (یعنی مدینہ طیبہ میں حکومت) کے زمانے میں لوگوں کو یوں پایا کہ وہ چھتیس رکعات کے ساتھ قیام کرتے اور تین وتر پڑھتے۔ حضرت مالک فرماتے ہیں ہمارے نزدیک قدیم طریقہ یہی ہے۔

حضرت زعفرانی (حسن بن محمد بن الصباح البغدادی متوفی ۲۶۰ھ یا ۲۵۹ھ)<sup>۲</sup> حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے لوگوں کو مدینہ طیبہ میں انتالیس رکعات کے ساتھ اور مکہ مکرمہ میں تیس رکعات کے ساتھ دیکھا۔  
۱۔ ممکن ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی امامت میں مرد اور عورتیں مشترک طور پر نماز پڑھتے ہوں ورنہ صرف عورتوں کی امامت مرد نہیں بلکہ عورت کر سکتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ (الوفائی بالوفیات ج ۱۱ ص ۲۶، مرآۃ البیان ج ۲ ص ۱۷۱، شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۴۰، تہذیب الجہد ج ۲ ص ۳۱۸، روضات الجنات رقم الحدیث: ۲۱۳)



رکعات کے ساتھ قیام کرتے ہوئے دیکھا اور اس سلسلے میں کوئی تنگی نہیں (یعنی یہ نماز فرض نہیں لہذا کسی نے زائد رکعات پڑھیں اور کسی نے کم تو اس میں کوئی حرج نہیں)۔

ان ہی سے مروی ہے فرماتے ہیں اگر قیام لمبا کریں اور سجدے کم کریں تو اچھی بات ہے اور اگر سجدے زیادہ کریں اور قرأت کم کریں تو بھی اچھا ہے لیکن پہلی بات زیادہ پسندیدہ ہے۔

کیا مدینہ طیبہ والوں کے علاوہ لوگوں کے لئے چھتیس رکعات پڑھنا جائز ہے؟ تو امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دوسرے لوگوں کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ ان لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کی ہجرت اور قمر انور کی وجہ سے شرف حاصل ہے اور حلیمی کا قول اس کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں جو شخص اہل مدینہ کی اقتداء کرتے ہوئے چھتیس رکعات پڑھے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔

اور مناسب ہے کہ دور کعتوں پر سلام پھیرے اور اگر ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھے تو صحیح نہیں یہ بات قاضی حسین کے فتاویٰ کے موافق ہے اور اگر ظہر یا عصر کی سنتیں ایک سلام سے پڑھے تو جائز ہے فرق یہ ہے کہ تراویح کی جماعت جائز ہونے کی وجہ سے یہ فرض نماز کے مشابہ ہے یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمائی ہے اور ”الروضہ“ میں اس کو واضح الفاظ میں ذکر فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں رات کے وقت دوسرے مہینوں کے مقابلے میں طویل قرأت کرتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف کی ایک رات آپ کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ فرماتے ہیں آپ نے سورہ بقرہ کی تلاوت فرمائی پھر سورہ نساء اور پھر سورہ آل عمران پڑھی آپ کسی آیت پر گزرتے جس میں خوف دلایا گیا تو رک کر سوال کرتے۔ وہ فرماتے ہیں آپ نے دو رکعات نہیں پڑھی تھیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کو نماز (نماز فجر) کی اطلاع دی۔

ان ہی سے مروی ہے کہ آپ نے صرف چار رکعات پڑھیں اور امام شافعی رحمہ اللہ رمضان المبارک میں نماز کے علاوہ ساٹھ مرتبہ قرآن مجید کا ختم کرتے۔

### چوتھا باب

## وتر نماز

### نماز وتر کا طریقہ

نبی اکرم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ پانچ رکعات وتر پڑھتے اور صرف ان کے آخر میں بیٹھتے تھے لیکن (درمیان میں) فصل کی احادیث زیادہ ثابت ہیں اور ان کے طرق روایت زیادہ ہیں (یعنی تین رکعات پر سلام پھیرتے پھر دو نفل پڑھتے تھے)۔

حنفی فقہاء نے ان حضرات کے موقف سے استدلال کرتے ہوئے وصل کی تعیین اور تین رکعات پر اکتفاء کے لئے



استدلال کیا یعنی صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ تین رکعتوں کو ملا کر وتر پڑھنا حسن جائز ہے اس سے زائد یا کم میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے متفقہ بات کو لیا اور اختلافی بات کو چھوڑ دیا۔

محمد بن منصور مروزی نے عراق بن مالک کی روایت کے ذریعے اس پر اعتراض کیا وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً و موقوفاً روایت کرتے ہیں کہ تین رکعات کے ساتھ وتر نہ پڑھو اس طرح تم اسے مغرب کی نماز کے مشابہ کر دو گے۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ اور حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ وتر میں تین رکعات (اکٹھی) مکروہ جانتے تھے اور فرماتے کہ نفل کو فرض کے مشابہ نہ کرو۔

لیکن امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے اور صرف ان کے آخر میں بیٹھتے تھے۔

امام نسائی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کی مثل روایت کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ ”سبح اسم ربک الاعلیٰ“ ”قل یا یہا الکفرون“ ”اور قل هو اللہ احد“ کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے تھے اور متعدد طرق سے بیان کیا کہ تین سورتیں تین رکعتوں میں پڑھتے تھے۔

اس روایت اور پہلی روایت جس میں نماز مغرب کے ساتھ تشبیہ سے منع فرمایا، کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ دو تشہدوں کے ساتھ تین رکعات پڑھنے سے منع فرمایا اور اسلاف نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا ہے۔

حضرت محمد بن نصر نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے طریق سے روایت کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وتر نماز کی تیسری رکعت کے لئے تکبیر کے ساتھ اٹھتے اور حضرت مسور بن مخرمہ کے طریق سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق تین رکعات وتر پڑھتے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے ابن طاووس کے طریق سے مروی ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ تین وتر اس طرح پڑھتے کہ ان کے درمیان قعدہ نہ کرتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وتر نماز کی ایک رکعت اور دو رکعتوں پر سلام پھیرتے حتیٰ کہ بعض کاموں کا حکم دیتے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تینوں رکعات ملا کر پڑھا کرتے تھے پس اگر کوئی کام پیش آتا تو ان کو جدا جدا کرتے پھر جو پڑھ چکے ہوتے اس پر بانی کی بنا کرتے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ وتر صرف ملا کر ہی پڑھے جاسکتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ واضح وہ ہے جو امام طحاوی رحمہ اللہ نے حمز بن سالم بن عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کے طریق سے روایت کیا وہ اپنے والد (حضرت ابن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ دو رکعتوں اور ایک وتر کے درمیان ایک سلام کے ساتھ تفریق کرتے اور بتاتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ اس طرح کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

بعض حضرات نے تفریق کرنے کی فضیلت پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم بھی دیا اور خود بھی عمل کیا جب کہ ملا کر پڑھنا صرف آپ کے عمل سے ثابت ہے۔

حنفی فقہاء میں سے مخالفت کرنے والوں نے تین رکعات کے سلسلے میں جو کچھ آیا ہے اسے وصل پر محمول کیا ہے حالانکہ بے شمار احادیث تفریق کے سلسلے میں ظاہر ہیں جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے تو اس میں آخری دو رکعتوں سے پہلے والی نماز بھی داخل ہے تو یہ حدیث اختلافی مقام پر تصریح کی طرح ہے۔



امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث اور اس کی مثل (احادیث) کو اس بات پر محمول کیا کہ ایک رکعت کچھلی دور رکعتوں کے ساتھ ملائی جاتی تھی اور اس سلسلے میں انہوں نے صرف اس بات سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بتیراء (دم کئی نماز) سے منع فرمایا (یعنی کسی شخص کا صرف ایک رکعت پڑھنا)۔

حالانکہ اس بات کا احتمال ہے کہ بتیراء سے مراد صرف ایک رکعت پڑھنا ہے اس سے پہلے کچھ نہ ہو اور یہ وصل اور فصل سے عام ہے (یعنی ایک رکعت میں فصل اور وصل کا احتمال نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ رکعات ہوں گی تو ان کو ملا کر پڑھنے یا الگ الگ کر کے پڑھنے کا احتمال ہوگا)۔

### وتروں کے بعد نماز

اسلاف کا دو باتوں میں اختلاف ہے۔

- (۱) وتروں کے بعد بیٹھ کر دو رکعتوں (نوافل) کے جواز میں۔
- (۲) جو شخص وتر پڑھنے کے بعد رات کے وقت نفل پڑھنے کا ارادہ کرے تو کیا اس کے لئے پہلے وتر کافی ہیں اور وہ جس قدر چاہے نوافل پڑھ سکتا ہے یا اپنی وتر نماز کو ایک رکعت سے ملائے پھر نفل پڑھے؟ پھر جب ایسا کر لے تو مزید وتر نماز کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو ”مسلم شریف میں“ ابو سلمہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ وتر نماز کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے بعض اہل علم نے یہی موقف اختیار کیا ہے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ”اجعلوا آخر صلاتکم باللیل و ترا“ (اپنی رات کی آخری نماز کو وتر بناؤ) کو اس کے ساتھ خاص کیا جو رات کے آخر میں وتر پڑھتا ہے۔

جو لوگ اس بات کے قائل نہیں ہیں وہ جواب دیتے ہیں کہ ان دو مذکورہ رکعتوں سے فجر کی دو رکعتیں مراد ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے اسے اس بات پر محمول کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا نفل وتر نماز کے بعد نفل پڑھنے کا جواز بتانے کے لئے ہے نیز یہ کہ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اکثر حضرات کا موقف ہے کہ وہ جس قدر چاہے دو دو رکعت پڑھے اور اپنے وتر نہ توڑے تاکہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول پر عمل ہو جائے آپ نے فرمایا ”لا وتران فی لیلۃ“ (ایک رات میں دو بار وتر نہیں)۔ یہ حدیث حسن ہے اسے امام نسائی اور ابن خزیمہ نے حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے ان لوگوں کے نزدیک وتر توڑنا جائز ہے جو وتر نماز کے علاوہ ایک رکعت کے ساتھ نفل پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں۔

### وتر نماز کا وقت اور اس کی قضاء

اسلاف کا وتر نماز قضاء کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہے اکثر نے اس کی نفی کی ہے اور ”صحیح مسلم میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی درد وغیرہ کی وجہ سے رات کے وقت آرام فرما ہو جاتے اور رات کو نہ اٹھ سکتے تو دن کے وقت بارہ رکعات پڑھتے۔

حضرت محمد بن نصر فرماتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ سے کوئی ایسی حدیث نہیں پاتے کہ آپ نے وتر قضا پڑھے ہوں



اور نہ آپ نے قضا کا حکم دیا۔

حضرت عطاء اور اوزاعی سے مروی ہے کہ قضاء کئے جائیں اگرچہ سورج طلوع ہو جائے، غروب آفتاب تک (قضا کر سکتا ہے) امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی یہ بات منقول ہے امام نووی نے ”شرح صحیح مسلم میں“ نقل کیا۔ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آئندہ رات قضاء کرے اور شافعی مسلک والوں کے نزدیک مطلقاً قضا کر سکتا ہے (وقت کی پابندی نہیں)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے ہر حصے میں وتر پڑھتے تھے پہلے حصے میں درمیان میں اور آخر میں (جب چاہتے پڑھتے) آپ کی وتر نماز کا وقت سحری تک پہنچتا۔ اول وقت سے مراد عشاء کے بعد کا وقت ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ وتر نماز کے وقت میں اختلاف احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہو جب آپ نے رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھے تو شاید اس کی وجہ درد کا پایا جانا تھا۔

جب رات کے درمیان والے حصے میں پڑھے تو شاید مسافر ہوں اور آخری وقت میں وتر پڑھنا آپ کا عام معمول تھا کیونکہ آپ صبح سے پہلے رات کے آخری حصے اور سحری کے وقت میں ہمیشہ نماز پڑھتے تھے۔

ماوردی نے کہا کہ اس سے آخری چھٹا حصہ مراد ہے یہ بھی کہا گیا کہ اول وقت فجر اول کا وقت (سحری) ہے۔ ”صحیح ابن خزیمہ میں ہے“ حضرت طلحہ بن نافع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب فجر ہو گئی تو آپ نے کھڑے ہو کر ایک رکعت کا اضافہ کر کے نماز کو وتر بنا دیا۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں اس سے فجر اول (سحری کا وقت) مراد ہے۔

### نماز وتر کا حکم

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) میرے رب نے میرے لئے ایک نماز زیادہ کی یہ وہ وتر نماز ہے اس کا وقت عشاء سے طلوع فجر تک ہے۔ اس حدیث کی سند میں کمزوری ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۲، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۵۲۰)

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ”سنن“ میں ہے اس میں بھی اسی طرح ہے۔ وتر نماز کو واجب قرار دینے والوں نے اس سے استدلال کیا لیکن یہ وجوب کے بارے میں صریح نہیں ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا۔ وتر لازم ہیں پس جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۹، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۰، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۰۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۷)

اکمال ج ۳ ص ۱۲۵۲۔ ج ۲ ص ۱۶۳۷)

آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ اس حدیث کی سند میں ابوالمنیب ہے جس میں ضعف ہے اگر اس (حدیث) کو قبول کر



بھی لیا جائے تو اس سے استدلال کرنے والا یہ بات ثابت کرنے کا محتاج ہوگا کہ لفظ حق عرف شریعت میں واجب کے معنی میں ہے اور لفظ واجب ثابت کے معنی میں خبر واحد کے طریقے سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ (رات کے وقت) نماز پڑھتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بستر پر چوڑائی میں آرام فرما ہوتی تھیں جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو ان کو جگادیتے پس وہ بھی وتر پڑھتیں۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ وتر نماز رات کے آخری حصے میں پڑھنا مستحب ہے چاہے تہجد پڑھنے والا ہو یا کوئی دوسرا اور یہ اس صورت میں ہے کہ خود جاگنے یا اور کسی کے جگانے کا یقین ہو۔

اس بات سے بھی اس نماز کے وجوب پر استدلال کیا گیا کہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے واجب (نماز) والا طریقہ اختیار کیا کہ آپ نے ام المؤمنین کو وتر نماز کے وقت سویا ہوا نہ چھوڑا جب کہ تہجد کے وقت سونے دیا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس سے وجوب لازم نہیں آتا ہاں و تروں کے حکم کی تاکید پر دلالت ہے نیز اس نماز کو رات کے نوافل سے زیادہ فوقیت حاصل ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لئے سوتے ہوئے کو جگانا مستحب ہے اور یہ (جگانا) فرض نماز اور وقت نکل جانے کے خوف سے مختص نہیں ہے بلکہ جماعت کو پانے کے لئے بھی اس کا حکم ہے پہلے وقت وغیرہ کو پانا مستحبات میں سے ہے۔

قرطبی کہتے ہیں یہ بات کہنا بعید از عقل نہیں کہ واجب کے لئے جگانا واجب اور مستحب کے لئے مستحب ہے کیونکہ سویا ہوا آدمی اگرچہ مکلف نہیں ہے لیکن اس کی رکاوٹ (سونا) جلدی زائل ہونے والا ہے پس وہ غافل کی طرح ہے اور غافل کو خبردار کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم

### نماز وتر میں قرأت

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے ان میں نو سورتیں مفصل سے پڑھتے ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے ان کے آخر میں ”قل هو اللہ احد“ ہوتی تھی۔ (قصار مفصل مراد ہے جو ”لم یکن الذین“ سے ”والناس“ تک ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ و تروں میں ”سبح اسم ربک الاعلیٰ“ ”قل یا یہا الکفرون“ اور ”قل هو اللہ احد“ ہر رکعت میں (ایک ایک رکعت میں) پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پہلی رکعت میں ”سبح اسم ربک الاعلیٰ“ دوسری رکعت میں ”قل یا یہا الکفرون“ اور تیسری رکعت میں ”قل هو اللہ احد“ اور معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) پڑھتے تھے۔

”سنن ابی داؤد میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ جب سلام پھیرتے تو یہ کلمات پڑھتے ”سبحان الملک القدوس“ امام نسائی کے مطابق تین بار پڑھتے ان کے آخر میں آواز لبا کرتے یعنی آواز کو کھینچتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ تیسری بار آواز کو بلند کرتے تھے۔



حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے وتروں کے آخر میں یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ بِرِضَاكَ مِنْ  
سَخَطِكَ وَبِمَعَاْفَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ  
بِكَ مِنْكَ لَا اَحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا  
اَثْبَتْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔  
یا اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے اور  
تیرے معاف کرنے کے ساتھ تیرے عذاب سے تیری پناہ  
میں آتا ہوں، میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو اسی طرح ہے  
جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

### سنت فجر اور وتروں کے درمیان (مطابقت)

ابن تیمیہ نے کہا کہ سنت فجر عمل کے آغاز اور وتر (عمل کے) خاتمہ کی طرح ہیں اور نبی اکرم ﷺ فجر کی سنتوں اور  
وتروں میں اخلاص کی دو سورتیں ”سورۃ الکافرون“ اور ”قل هو اللہ احد“ پڑھتے تھے اور یہ دونوں سورتیں علم و عمل کی  
توحید معرفت و ارادت کی توحید اور توحید اعتقاد کی جامع ہیں۔

”قل هو اللہ احد“ میں معرفت و اعتقاد کی توحید اور ان باتوں کا بیان ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا  
ضروری ہے مثلاً اس کا ایک ہونا، بے نیاز ہونا (اور بے نیاز ہونا ایک ایسی صفت ہے) جو تمام صفات کمال کو ثابت کرتی ہے  
جن میں کوئی نقص نہیں، نیز اس سورت میں اولاد و والد اور کفو (ہم پلہ) کی نفی ہے اور یہ نفی تشبیہ اور مثل و نظیر کی نفی کو متضمن  
ہے۔ پس یہ سورت تمام صفات کمالیہ کو ثابت کرنے اور ہر قسم کے نقص کی نفی اور ہر قسم کی مشابہت کی نفی پر مشتمل ہے، توحید  
عملی اور توحید اعتقادی میں یہی باتیں آتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ سورت قرآن مجید کا تیسرا حصہ ہے کیونکہ قرآن مجید کا  
دار و مدار خبر اور انشاء پر ہے اور انشاء تین چیزیں ہیں۔ امر، نہی، اباحت اور خبر کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم خالق اور اس کے اسماء  
صفات اور احکام کی خبر دینا اور دوسری قسم مخلوق کے بارے میں خبر دینا پس سورۃ اخلاص اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات و صفات  
کے بارے میں خبر دینے میں خالص ہے لہذا یہ قرآن کے تہائی حصے کے برابر ہوا۔

اس نے اپنے پڑھنے والے مومن کو علمی شرک سے خالص کر دیا جس طرح سورۃ کافرون نے شرک عملی سے خالص کر  
دیا ہے۔ ابن قیم نے اسی طرح کہا ہے۔

### ماہ رمضان میں وتروں میں قنوت

جہاں تک قنوت پڑھنے کا تعلق ہے تو وہ رمضان شریف کے نصف آخر میں وتروں کی آخری رکعت میں پڑھی جائے  
امام نووی نے ”الاذکار میں“ اس کے مستحب ہونے کا ذکر کیا اور اس پر کوئی دلیل نہیں دی۔ امام ابو داؤد نے دو سندوں کے  
ساتھ ذکر کیا جن کے راوی ثقہ (قابل اعتماد) ہیں لیکن ایک سند منقطع ہے اور دوسری میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔ اس  
حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ  
صرف رمضان کے دوسرے نصف میں قنوت پڑھتے تھے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میرے نانا (نبی اکرم ﷺ) نے مجھے کچھ کلمات سکھائے کہ میں وتر  
نماز میں پڑھا کروں وہ کلمات یہ ہیں:



یا اللہ! مجھے ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت دے ان لوگوں میں مجھے (بھی) عافیت عطا فرما جن کو تو عافیت عطا کرے میری حفاظت فرما ان میں جن کی تو حفاظت فرمائے اور جو کچھ تو نے عطا کیا اس میں میرے لئے برکت ڈال دے اور جو فیصلہ تو نے کیا اس کے شر سے مجھے بچالے بے شک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جاتا جس کا تو نگہبان (یا دوست) ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا اور جس سے تیری دشمنی ہو اس کو عزت نہیں ملتی اے ہمارے رب! تو برکت والا اور بلند ہے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِیْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِیْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِیْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِیْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ اِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰی عَلَیْكَ وَاِنَّهٗ لَا يَدِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعْزُ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔

یہ شریک راوی کی روایت کے الفاظ ہیں جسے طبرانی وغیرہ نے ذکر کیا۔

### پانچواں باب

## نبی اکرم ﷺ کی نمازِ چاشت

### اس کے ثابت ہونے میں اختلاف

یہ نماز نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں شمار کی جاتی ہے راویوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز چاشت پڑھی ہے یا نہیں؟ ان میں سے بعض اس کو ثابت کرتے ہیں اور بعض نے نفی کی ہے۔ علماء کرام میں سے بعض نے ثابت کرنے والے کی روایت کو نفی کرنے والوں کی روایت پر ترجیح دی ہے انہوں نے اسے معروف قاعدہ کی بنیاد پر جاری کیا (یعنی مثبت کی روایت کو ثبوتی کے قول پر ترجیح ہوتی ہے)۔ کیونکہ یہ روایت زائد کو متضمن ہوتی ہے جو ثبوتی سے پوشیدہ ہوتا ہے وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے اس قسم کے آدمی کا علم (دوسروں کے علم سے بڑھ جائے اور وہ لاعلمی کی وجہ سے نفی کرتے ہوں)۔

### نمازِ چاشت کو ثابت کرنے والی نصوص

امام حاکم نے فرمایا کہ اس باب میں حضرت ابوسعید، حضرت ابوذر غفاری، حضرت زید بن ارقم، حضرت ابو ہریرہ، حضرت بریدہ اسلمی، حضرت ابو درداء، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت عتبہ بن مالک، حضرت عتبہ بن عبدالمسلمی، حضرت نعیم بن ہمار (اصل میں ہمام ہے) غطفانی (الاصابہ ج ۶ ص ۲۵۰ رقم الترجمہ: ۸۷۸۵)، حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت عائشہ بنت ابی بکر، حضرت ام ہانی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے روایت آتی ہے۔ ان سب نے شہادت دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاشت کی نماز پڑھی ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام حاکم اور امام ترمذی نے حضرت عطیہ عوفی کے واسطے سے ان سے



روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے حتیٰ کہ ہم کہتے آپ اسے نہیں چھوڑیں گے اور (کبھی) آپ اسے چھوڑ دیتے حتیٰ کہ ہم کہتے آپ اسے نہیں پڑھیں گے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عطیہ ضعیف (راوی) ہیں پس شاید اس حدیث کو تقویت حاصل ہوئی ہو۔

حضرت ابو ذر غفاری رحمہ اللہ کی حدیث کو امام بزار نے ”اپنی مسند میں“ روایت کیا ہے۔  
حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بزار نے ان الفاظ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ سفر اور اس کے علاوہ چاشت کی نماز نہیں چھوڑتے تھے اس حدیث کی سند ضعیف ہے اس میں یوسف بن خالد سستی بہت ضعیف (راوی) ہے۔ مصنف نے فرمایا: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کیا۔ (آگے جگہ خالی چھوڑی گئی۔ ۱۲ ہزاروی)۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام طبرانی نے روایت کیا۔  
حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابن عدی اور حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ نے چاشت کی دو رکعات اس دن پڑھیں جب ابو جہل کا سرتن سے جدا کرنے کی خوشخبری ملی۔

(نماز چاشت کی) نفی کرنے والے بعض علماء ثابت کرنے والوں کی روایت کے بارے میں کہتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہ نماز شکر ہے جو چاشت کے وقت واقع ہوئی جس طرح آپ نے فتح مکہ کے دن شکر ادا کیا۔  
حضرت عتبہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد نے محمود بن ربیع کے واسطے سے ان سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے گھر میں چاشت کے نفل پڑھے۔

نوٹ: حضرت عتبہ بن عبد حضرت نعیم بن ہمار اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم کی روایت کے بارے میں مصنف نے فرمایا کہ اس حدیث کو روایت کیا۔ (آگے جگہ خالی چھوڑی گئی ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام مسلم، امام احمد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی چار رکعات پڑھتے تھے اور جس قدر چاہتے اضافہ فرماتے۔

حضرت عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں مگر یہ کہ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پڑھتے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں: فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے پس آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعات پڑھیں میں نے اس سے زیادہ ہلکی پھلکی نماز کبھی نہیں دیکھی البتہ آپ رکوع اور سجدہ کو پورا کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے فرماتی ہیں: یہ چاشت کا وقت تھا۔



”صحیح مسلم میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے سال ان کے گھر میں آٹھ رکعات ایک کپڑے میں ادا کیں اور اس کے دونوں کناروں کو مخالف سمت میں ڈال رکھا تھا۔

”سنن نسائی میں ہے کہ“ حضرت ام ہانی فتح مکہ کے سال (دن مراد ہے) نبی اکرم ﷺ کی طرف گئیں تو انہوں نے آپ کو یوں پایا کہ آپ غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے سے آپ کے لئے پردہ کر رکھا تھا حضرت ام ہانی نے سلام کیا تو آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ (فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا میں ام ہانی ہوں فرماتی ہیں جب غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہو کر آٹھ رکعات پڑھیں اور آپ نے ایک کپڑا پیٹ رکھا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱۸، مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۳-۴۲۵)

”سنن ابی داؤد میں ہے کہ“ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے چاشت کے نوافل آٹھ رکعات پڑھے آپ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے۔

”صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی“ روایت سے استدلال کیا گیا کہ چاشت کی نماز کا ہلکا پھلکا ہونا مستحب ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح کے مسائل کے لئے جلدی فارغ ہونا چاہتے ہوں کیونکہ آپ اس میں مشغول تھے اور آپ کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ نے چاشت کی نماز پڑھی اور اس کو لمبا کیا۔ یہ بات ابن ابی شیبہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام حاکم نے اسحاق بن بشر محارب کی روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز بارہ رکعات پڑھتے تھے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ حضرت ابن جبر بن مطعم سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو چاشت کے وقت چھ رکعات پڑھتے دیکھا ہے یہ حدیث بھی امام حاکم نے روایت کی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو سفر میں چاشت کی نماز آٹھ رکعات پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور ابن خزیمہ اور ابن حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے ”اپنی السنن الکبریٰ میں“ روایت کیا امام احمد اور ابو یعلیٰ نے بھی اسے روایت کیا اور اس کی سند عمدہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز صرف دو دن پڑھتے تھے جس دن مکہ مکرمہ تشریف لاتے اور جس دن مدینہ طیبہ تشریف لاتے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن عدی نے ”اکامل میں“ نقل کی۔ عمرو بن عبیدہ حضرت حسن سے اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ابھی آپ بچے تھے جب حضور ﷺ نے سجدہ کیا تو وہ آپ کی پیٹھ پر سوار ہو گئے (آگے پوری حدیث ہے)۔ اس حدیث میں عمرو بن عبیدہ متروک ہیں (ان سے حدیث نہیں لی جاتی)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاشت کی چھ رکعات پڑھیں یہ حدیث



امام حاکم نے روایت کی ہے۔

شیخ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں: اس سلسلے میں بہت سی مشہور احادیث مروی ہیں حتیٰ کہ محمد بن جریر طبری نے فرمایا کہ یہ احادیث حد تو اتر کو پہنچتی ہیں۔

ابن عراقی کہتے ہیں: یہ (چاشت کی نماز) نبی اکرم ﷺ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز بھی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعِشِيِّ  
وَالْأَشْرَاقِ. (ص: ۱۸)

بے شک ہم نے ان (داؤد علیہ السلام) کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا ان کے ساتھ شام اور چاشت کے وقت تسبیح کرتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے دین میں اس کی جگہ عصر کو باقی رکھا اور اشراق کی نماز منسوخ ہو گئی۔

### قائلین نفی کے دلائل

جو لوگ نماز اشراق کی نفی کے قائل ہیں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کسی عمل کو چھوڑ دیتے حالانکہ وہ اس پر عمل کرنا پسند کرتے تھے لیکن اس خوف سے (چھوڑتے تھے) کہ لوگ اس پر عمل کریں گے اور وہ ان پر فرض ہو جائے گا۔ اور نبی اکرم ﷺ نے چاشت کبھی نہیں پڑھی اور میں پڑھتی ہوں۔

نیز مورق عجبی کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا: نہیں، میں نے کہا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ؟ فرمایا: نہیں، میں نے کہا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ؟ فرمایا: نہیں، میں نے پوچھا: نبی اکرم ﷺ؟ فرمایا: میرے خیال میں آپ بھی نہیں پڑھتے۔ آپ نے ”لا اخالہ“ کا لفظ استعمال فرمایا یعنی میرا گمان نہیں ہے یہ لفظ ہمزہ کے نیچے کسرہ اور اس کے اوپر فتح کے ساتھ دونوں طرح ہے اور خاء نقطے والی ہے۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے نماز چاشت سے زیادہ فضیلت والی بدعت نہیں نکالی (یعنی یہ بدعت حسنہ ہے)۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں اور حضرت عروہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے ہم نے ان سے لوگوں کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ بدعت ہے (اچھی بدعت مراد ہے جیسا کہ پچھلی حدیث میں ان کا قول گذر چکا ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت حکم بن اعرج سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز چاشت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ بدعت ہے اور کیا ہی اچھی بدعت ہے؟

حضرت عبدالرزاق صحیح سند کے ساتھ حضرت سالم سے اور وہ اپنے والد (عبداللہ بن عمر) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو (اس وقت تک) کوئی بھی چاشت کی نماز نہیں پڑھتا تھا اور میرے



نزدیک لوگوں نے اس سے زیادہ پسندیدہ بدعت نہیں نکالی۔

### نصوص کو جمع کرنا

علماء کرام نے ان احادیث کو یوں جمع کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس خوف سے چاشت کی نماز ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے کہ آپ کی امت پر فرض نہ ہو جائے پس آپ اس سے عاجز ہو جائیں لیکن آپ پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واضح الفاظ میں بتایا جو پہلے گزر چکا ہے اور جس طرح ام ہانی وغیرہ (رضی اللہ عنہم) نے ذکر کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ ”میں نے آپ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا“ یہ آپ کے اس قول کے منافی نہیں کہ ”آپ پڑھتے تھے“ کیونکہ چاشت کے وقت نبی اکرم ﷺ ان کے پاس کبھی کبھار ہی ہوتے تھے۔ اس لئے کہ بعض اوقات آپ سفر میں ہوتے اور کبھی موجود ہوتے اور موجودگی کی صورت میں کبھی مسجد میں ہوتے اور کبھی کسی دوسری زوجہ مطہرہ کے ہاں یا کسی اور کے ہاں ہوتے اور انہوں نے آپ کو ان نادر اوقات میں نماز چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا پس فرمایا میں نے آپ کو نہیں دیکھا لیکن دیکھنے کے بغیر خود نبی اکرم ﷺ کے بتانے یا کسی اور کے خبر دینے سے اس بات کا علم حاصل ہوا تو یہ بات روایت فرمادی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ میرے خیال میں ایسا نہیں تو ان کے توقف کا سبب یہ تھا کہ ان کو کسی دوسرے سے یہ بات پہنچی کہ آپ نے یہ نماز پڑھی ہے اور ان کو راوی سے یقین حاصل نہ ہوا۔ ان کا یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ ان تک مذکورہ احادیث نہیں پہنچیں یا ان کی مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ نماز ہمیشہ نہیں پڑھی یا یہ کہ اس کو مساجد وغیرہ میں ظاہری طور پر پڑھنا بدعت ہے یہ سنت بطور نقل ہے جو گھروں میں پڑھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ان احادیث میں ایسی کوئی بات نہیں جو نماز چاشت کے جواز کو دور کرتی ہو کیونکہ ان کی نفی نہ دیکھنے پر محمول ہے نفس الامر میں اس نماز کے واقع نہ ہونے پر نہیں یا آپ نے ایک مخصوص صفت کی نفی کی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے ایک جماعت کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان پر اعتراض کیا اور فرمایا اگر یہ ضروری ہے تو گھروں میں پڑھو۔

دوسرے حضرات اس کو کبھی کبھار پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں چند دن پڑھی جائے اور کچھ ایام میں نہ پڑھی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ نماز ایک دن پڑھتے اور دس دن نہیں پڑھتے تھے۔

### نماز چاشت کی رکعات اور اس کے پڑھنے کا سبب

دوسرے حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یہ نماز کسی سبب کی بنیاد پر پڑھی جائے اور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فتح کی وجہ سے پڑھی تھی اور امراء سے ”صلاة الفتح“ کہتے تھے۔

۱۔ ہو سکتا ہے وہ پابندی اس لئے نہ کرتے ہوں کہ لوگ اسے فرض نہ سمجھ لیں اور یہ بھی امکان ہے کہ وہ روزانہ پڑھتے ہوں لیکن اظہار کبھی کبھی ہوتا



ان کی دلیل حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ حضرات کا قول ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث اس سلسلے میں ظاہر نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سنت چاشت کا قصد فرمایا انہوں نے صرف نماز کے وقت کے بارے میں خبر دی ہے وہ فرماتے ہیں یہ گزشتہ رات کے وظیفہ کی قضاء تھی جو مشغولیت کی وجہ سے رہ گیا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا کہ اس سے استدلال صحیح ہے۔ کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت کریب کی سند سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے چاشت کے نفل پڑھے۔

اور ”صحیح مسلم میں کتاب الطہارت میں“ ابو مرہ کے طریق سے حضرت ام ہانی سے فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ کے غسل کے بارے میں مروی ہے کہ پھر آپ نے چاشت کے نفل آٹھ رکعات پڑھے۔

ابن عبد البر نے ”المتمہید میں“ حضرت عکرمہ بن خالد کے طریق سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ نے آٹھ رکعات پڑھیں میں نے عرض کیا یہ کونسی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ چاشت کی نماز ہے۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ چاشت کی زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات ہیں۔

امام سبکی نے اسے بعید قرار دیا اور اس کی وجہ یوں بیان کی کہ عبادت میں اصل توقف ہے (یعنی جو نبی اکرم ﷺ سے معلوم ہو وہی تعداد معتبر ہوگی) اور نبی اکرم ﷺ نے زیادہ سے زیادہ رکعات یہی (آٹھ) پڑھیں اور آپ کا عمل اس سے کم تعداد میں بھی آیا ہے جس طرح حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے چاشت کی دو رکعتیں پڑھیں۔

اور نبی اکرم ﷺ کا جو ارشاد گرامی آیا ہے اور اس میں اس سے زیادہ کا ذکر ہے جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا:

من صلی الضحی ثنتی عشرة رکعة بنی  
اللہ له قصرا فی الجنة.  
جس نے چاشت کی بارہ رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں محل بنائے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۰ کشف الخفاء ج ۲ ص ۵۷۵ اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۲۸۳ الدر المنثور ج ۵ ص ۲۹۹ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۶۳)

اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کر کے غریب قرار دیا اور اس کی سند میں کوئی ایسا شخص نہیں جسے ضعیف قرار دیا جائے۔ اسی لئے رویانی نے فرمایا کہ اس کی زیادہ سے زیادہ رکعات بارہ ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح المہذب میں“ فرمایا کہ اس میں ایک ضعیف حدیث ہے گویا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں لیکن جب اس سے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ملائی جائے جس میں آیا ہے:

ومن صلی ثنتی عشرة رکعة بنی اللہ له  
بیتا فی الجنة.  
اور جو شخص بارہ رکعات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۲۶۳ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۸۹)



اس کو امام طبرانی نے روایت کیا۔

اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ملایا جائے جس کو امام بزار نے نقل کیا اور اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔ تو یہ حدیث (حضرت انس رضی اللہ عنہ والی) قوی ہو جائے گی اور اس میں یہ صلاحیت ہوگی کہ اس سے استدلال کیا جائے۔ امام ترمذی نے امام احمد سے نقل کیا کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح روایت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے اور بات وہی جو انہوں نے فرمائی ہے اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے ”الروضہ میں“ فرمایا: افضل آٹھ رکعات ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں۔ تو انہوں نے اکثر اور افضل کے درمیان فرق کیا ہے۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ چاشت کی نماز کسی سبب کے بغیر نہ پڑھی جائے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا جواب دیتے ہیں جو ”صحیح بخاری میں“ مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

اوصانی خلیلی ﷺ بثلاث لا ادعہن حتی میرے خلیل (نبی اکرم ﷺ) نے مجھے وصیت فرمائی اموت صوم ثلاثة ايام من كل شهر و صلاة کہ میں تین چیزوں کو نہ چھوڑوں ہر مہینے میں تین روزے اور الضحی (ونوم علی وتر) چاشت کی نماز (اور وتر پڑھ کر سونا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۸۸، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳-۲۵۸-۲۶۰، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۱۷)

اس کا جواب یوں دیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رات کے وقت درس حدیث کو نماز پر ترجیح دیتے تھے تو آپ کو قیام لیل کی جگہ چاشت کی نماز کا حکم دیا اسی لئے ان کو حکم فرمایا کہ وہ وتر پڑھ کر سویا کریں جب کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے کسی صحابی (رضی اللہ عنہم) کو یہ حکم نہیں دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے اس وصیت کی طرح حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے لئے وصیت بھی آتی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی ہے اسے امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں اس وصیت میں حکمت یہ ہے کہ اس بات کی پابندی سے نفس نماز اور روزے کا عادی بن جائے اور کھلے دل کے ساتھ واجب (کی ادائیگی) میں داخل ہو اور شاید کوئی کمی وغیرہ واقع ہو تو اس کو بھی پورا کیا جاسکے۔

### نماز چاشت کے فوائد

نماز چاشت کے فوائد میں سے یہ بات ہے کہ یہ انسانی جسم کے تین سو ساٹھ جوڑوں پر واجب ہونے والے صدقہ کی جگہ کفایت کرتی ہے۔

جیسا کہ ”صحیح مسلم میں“ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے اس میں فرمایا کہ اس (صدقہ) کی جگہ چاشت کی دو رکعتیں کفایت کرتی ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۷۳)

ہمارے (مصنف کے) اصحاب (شافعی مسلک والے حضرات) نے ذکر کیا کہ سنت مؤکدہ کے بعد سب سے افضل نفل چاشت کی نماز ہے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح المہذب میں“ نماز تراویح کو ان پر مقدم کیا ہے۔ انہوں نے تراویح کو فضیلت میں سنت مؤکدہ اور چاشت کے درمیان رکھا ہے۔



حافظ ابو الفضل عراقی نے ”شرح ترمذی میں“ نقل کیا کہ عوام کے درمیان مشہور ہے کہ جو شخص چاشت کی نماز پڑھتے پڑھتے چھوڑ دے وہ اندھا ہو جاتا ہے تو اس وجہ سے کئی لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا لیکن ان لوگوں کی بات کی کوئی اصل نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ان باتوں میں سے ہے جو شیطان عوام کی زبانوں پر جاری کرتا ہے تاکہ ان کو خیر کثیر سے محروم کر دے۔

خصوصاً وہ بات جو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئی ہے اور وصیت میں صرف ان تین باتوں کو رکھا گیا جن کا حدیث میں ذکر کیا گیا کیونکہ نماز اور روزہ بدنی عبادت میں سے سب سے زیادہ شرف والی عبادتیں ہیں۔ اور وہ مذکورہ حضرات مالدار نہیں تھے پس ان کے لئے اعضاء کے صدقہ کی جگہ یہ کافی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ واللہ اعلم

امام حاکم نے حضرت ابو الخیر کے طریق سے حضرت عقبہ بن عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مختلف سورتوں کے ساتھ چاشت کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ان سورتوں میں سے ”والشمس وضحاحا“ اور ”الضحی واللیل اذا سجدی“ بھی ہے اور ان سورتوں کی مناسبت بہت واضح ہے (کیونکہ ان میں چاشت کا ذکر ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

### نماز چاشت نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے نہیں ہے

تنبیہ۔ شیخ الاسلام والحفاظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ”صحیح بخاری میں (مروی)“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا وہ فرماتی: ”میں نے نبی اکرم ﷺ کو چاشت کے نوافل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔“

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان سے جو مروی ہے کہ چاشت کی نماز نبی اکرم ﷺ پر واجب تھی یہ ضعیف قول ہے جب کہ ایک جماعت نے اسے آپ کی خصوصیات میں ذکر کیا لیکن یہ بات صحیح خبر میں ثابت نہیں ہے۔

”الحاوی میں“ الماوردی کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے بعد وصال تک اسے پابندی سے پڑھتے تھے تو یہ حدیث ام ہانی کے خلاف ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں آپ نے اس (فتح مکہ) سے پہلے اور بعد نماز چاشت نہیں پڑھی۔

یہ نہ کہا جائے کہ حضرت ام ہانی کے نفی کرنے سے عدم (نہ پڑھنا) لازم آتا ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں جو شخص یہ حدیث ثابت کرتا ہے وہ دلیل دینے کا محتاج ہے اور اگر کوئی دلیل پائی جائے تو بھی یہ حجت نہ ہوگی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب کوئی عمل کرتے تو اسے قائم رکھتے تو اس مواظبت (ہیشگی) سے آپ پر وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

ابن عربی نے ”عارضۃ الاحوذی میں“ فرمایا ہمیں ابو الحسن ارذی نے خبر دی وہ فرماتے ہیں ہمیں طاہر نے خبر دی وہ فرماتے ہیں ہمیں علی نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں ابو العباس عبد اللہ بن عبد الرحمن عسکری نے خبر دی کہ حسین ختخی نے ہم سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ابو غسان نے وہ کہتے ہیں ہم سے قیس نے حضرت جابر سے انہوں نے حضرت عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر قربانی فرض کی گئی اور تم پر فرض نہیں ہوئی اور مجھے چاشت (کی نماز) کا حکم ہوا تمہیں نہیں ہوا (یعنی تم پر واجب



نہیں مستحب ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۷، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۸۹۔ ج ۹ ص ۲۶۳، المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۳۰۱، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۸۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۷۵، الکامل فی الضعفاء ج ۲ ص ۵۱۳)

دوسری قسم

## نبی اکرم ﷺ کے نوافل اور ان کے احکام

اس قسم میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

### اوقات مخصوصہ میں پڑھے جانے والے نوافل

اس باب میں دو فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

### پانچ نماز اور جمعہ کی سنت مؤکدہ

پہلی نوع

### تمام سنت مؤکدہ کی جامع احادیث

حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں خانہ اقدس میں پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے، جمعہ کے بعد نماز نہ پڑھتے حتیٰ کہ گھر تشریف لے جاتے پس وہاں دو رکعتیں پڑھتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۷-۱۱۶۵-۱۱۷۲-۱۱۸۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ مؤذن جب صبح کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور صبح ظاہر ہو جاتی تو نبی اکرم ﷺ (فرض) نماز کھڑی ہونے سے پہلے دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷، سنن نسائی ج ۳ ص ۲۵۵، مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۳، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۸۱)

تو یہ دس رکعات ہیں کیونکہ جمعہ کے بعد کی دو رکعتیں ظہر کے بعد کی دو رکعتوں کے ساتھ جمع نہیں ہوتیں البتہ کوئی



عارضہ ہو مثلاً جمعہ کی نماز اور اس کے بعد کی سنتیں پڑھے پھر اس کے لئے واضح ہو کہ جمعہ کی نماز فاسد ہو گئی ہے تو ظہر کی نماز پڑھے اور اس کے بعد اس کی سنتیں پڑھے جس طرح شیخ ولی الدین عراقی نے بتایا ہے۔

حدیث شریف میں ”کان“ کا لفظ ہے (ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی) کیا یہ تکرار پر دلالت کرتا ہے؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ ابن حاجب نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ تکرار کا تقاضا کرتا ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے یہ بات اہل عرب کے اس قول سے حاصل کی ”کان حاتم یقری الضیف حاتم مہمانوں کی مہمان نوازی کیا کرتا تھا“ (یعنی عمل میں تکرار ہے)۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ”المحصل“ میں اس بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ (کان) تکرار کو نہیں چاہتا نہ لغوی اعتبار سے اور نہ ہی عرفی اعتبار سے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم میں“ فرمایا: کہ مختار بات جس پر اکثر حضرات متفق ہیں یہی ہے اور محقق اصولی بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابن دقیق العید نے ذکر کیا کہ عرفی اعتبار سے یہ تکرار کو چاہتا ہے۔

اس بنیاد پر حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ سے ان نوافل (سنتوں) کے تکرار پر دلالت پائی جاتی ہے اور یہ کہ آپ کا طریقہ اور عادت مبارک تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے گھر میں چار رکعات پڑھتے پھر تشریف لے جاتے اور صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے پھر گھر میں تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے۔

اور صحابہ کرام کو مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد گھر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے پھر صحابہ کرام کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور گھر میں تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب فجر طلوع ہو جاتی تو دو رکعتیں پڑھتے۔ تو اس طرح بارہ رکعات ہوئیں۔ (احناف کا اسی پر عمل ہے۔ ۱۲ ہزار روئی) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۱۶۲ اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۴۰ ج ۵ ص ۱۲۵ تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۳۷۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعات اور فجر سے پہلے دو رکعات نہیں چھوڑتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۵۳)

ایک روایت میں ہے کہ آپ دو نمازوں کو پوشیدہ اور ظاہر کسی صورت میں سفر ہو یا حضر نہیں چھوڑتے تھے صبح سے پہلے دو رکعتیں اور عصر کے بعد دو رکعتیں۔

## دوسری نوع

## فجر کی دو رکعتیں

### ان رکعتوں کی تاکید و تخفیف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ فجر کی دو رکعتوں سے زیادہ کسی نفل نماز (سنتیں اور نوافل



دونوں مراد ہیں) کی پابندی اور پرواہ نہیں کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۵۳)

”صحیح مسلم میں ہے کہ“ آپ نے فرمایا یہ دو رکعتیں مجھے تمام دنیا سے زیادہ پسند ہیں۔ ۱۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷)

جب مؤذن خاموش ہو جاتا اور صبح کی روشنی ہو جاتی تو اس وقت نہایت اختصار کے ساتھ یہ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

اسی حدیث کو امام بخاری و مسلم نے روایت کیا اور یہ سنن نسائی کے الفاظ ہیں۔

ان رکعتوں کو ہلکا پھلکا پڑھنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مقصد صبح کی نماز اول وقت میں پڑھنے کی جلدی ہوتی تھی۔

امام قرطبی نے اس بات کو قطعی قرار دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ دن کی نماز کو مختصر رکعتوں سے شروع کرنا مقصود تھا۔ جیسا کہ آپ رات کی نماز میں یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تاکہ فرض نماز یا جو اس کے مشابہ ہے اس میں ہشاش بشاش اور پوری مستعدی سے داخل ہوں۔

بعض حضرات ان دو رکعتوں میں طویل قرأت کی طرف گئے ہیں اکثر حنفی حضرات کا یہی قول ہے اور امام شافعی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

امام بیہقی نے اس سلسلے میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ارسال کے ساتھ مرفوع حدیث نقل کی ہے (یعنی حضرت سعید بن جبیر نے براہ راست نہیں سنی) اور اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے جس کا نام نہیں لیا، بعض حضرات نے کہا کہ طویل قرأت اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس کی رات کی نماز سے کچھ قرأت رہ جائے تو وہ فجر کی ان دو رکعتوں میں اسے پالے۔ ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت امام حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کی ہے۔

### فجر کی سنتوں میں قرأت

نبی اکرم ﷺ اکثر ان میں سے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کی آیت ”قولوا امنا باللہ وما انزل الینا“ (البقرہ: ۱۳۶) اور دوسری رکعت میں ”قل یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم۔۔۔ و اشہدوا بانا مسلمون“ (آل عمران: ۶۴) تک پڑھتے۔

اس حدیث کو امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ابوداؤد کی روایت جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یوں ہے کہ پہلی رکعت میں ”قولوا امنا باللہ وما انزل الینا“ اور دوسری رکعت میں ”ربنا امنا بما انزلت و اتبعنا الرسول فاکتبننا مع الشہدین“ (آل عمران: ۵۳) یا ”انا ارسلک بالحق بشیرا و نذیرا ولا تسأل عن اصحاب الجحیم“ (البقرہ: ۱۱۹) پڑھتے تھے امام ابوداؤد فرماتے ہیں راوی کو شک ہے۔

۱۔ ایک دفعہ جب عبدالقیس کا وفد مسلمان ہو کر آیا تو ظہر کے بعد کی دو سنتیں رہ گئیں تو نبی اکرم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی عمل شروع کرتے تو اسے جاری رکھتے اس لئے آپ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے یہ آپ کی خصوصیت تھی (دوسرے کسی کے لئے عصر کے بعد نوافل جائز نہیں)۔ زرقانی ج ۸ ص ۱۷



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں ”قل یا ایہا الکفرون“ اور ”قل هو اللہ احد“ کی قرأت فرمائی۔

امام ابن ماجہ نے قوی سند کے ساتھ بواسطہ حضرت عبداللہ بن شقیق، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے اور فرماتے تھے: یہ دو نہایت اچھی سورتیں ہیں جو فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں پڑھی جائیں ایک ”قل یا ایہا الکفرون“ اور دوسری ”قل هو اللہ احد“۔

ابن ابی شیبہ نے ابن سیرین کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا (وہ فرماتی ہیں): کہ نبی اکرم ﷺ ان دو سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔

امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے ایک مہینہ نبی اکرم ﷺ کی نماز کو غور سے دیکھا تو آپ ان دو سورتوں کی قرأت فرماتے تھے۔

بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ فجر کی دو سنتوں میں بلند آواز سے قرأت کی جائے لیکن اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بات آپ کو اس طرح معلوم ہوئی ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے سورت کا کچھ حصہ (بلند آواز سے) پڑھا ہو۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ابن سیرین کی مذکورہ بالا روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے ان رکعتوں میں مختصر قرأت کی۔ ابن عبدالبر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

بعض حضرات نے ان احادیث سے اس بات پر بھی استدلال کیا ہے کہ فاتحہ متعین نہیں کیونکہ اخلاص کی دو سورتوں (الکافرون اور الاخلاص) کے ساتھ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ فاتحہ کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ یہ واضح بات ہے۔

### سنت فجر کے بعد لیٹنا

نبی اکرم ﷺ فجر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۶۰)

کیونکہ نبی کریم ﷺ دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ دل بائیں جانب ہوتا ہے اگر اس پہلو پر لیٹا جائے تو نیند گھیر لیتی ہے کیونکہ اس میں آرام زیادہ ہے بخلاف دائیں جانب کے پس دل لٹک رہا ہوتا ہے تو نیند گھری نہیں ہوتی اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے علاوہ لوگوں کے لئے ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے (کیونکہ آپ غافل نہیں ہوتے تھے)۔

اور وہ روایت جس میں آیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے صبح کی دو رکعتیں پڑھیں پھر لیٹ گیا تو آپ نے فرمایا تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا میں نے نماز کے درمیان تفریق کے لئے کیا تو آپ نے فرمایا سلام سے افضل فرق کیا ہے؟ اس نے کہا یہ سنت ہے آپ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔

اس حدیث کو ابن اثیر نے اپنی جامع میں حضرت رزین سے نقل کیا اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی



انکار مروی ہے اور حضرت ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ یہ شیطان کا لیٹنا ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۴۷)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ ان لوگوں تک نبی اکرم ﷺ کے فعل کی خبر نہیں پہنچی۔ سب سے زیادہ ترجیح اس قول کو ہے کہ (سنتوں اور فرض میں) فرق اور جدائی کرنے کے لیے یہ جائز ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ اس طرح نہیں کیا اسی لئے ائمہ کرام نے عدم وجوب پر استدلال کیا اور ابو داؤد وغیرہ کے نزدیک جو امر کی روایات ہیں ان کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ صبح کی (فرض) نماز کے لئے طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے اسی لئے یہ مستحب ہے البتہ جو عبادت میں خوب کوشش کرتا ہے اس کے لئے مستحب نہیں ابن عربی نے اسی بات کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے۔

اس بات کی شہادت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو عبدالرزاق نے نقل کی ہے آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سنت کے طور نہیں لیتے تھے لیکن آپ رات کو تھک جاتے تو آرام فرماتے۔ اس حدیث میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔

کہا گیا ہے کہ اس کا فائدہ فجر کی سنتوں اور فرض نماز کو الگ الگ کرنا ہے اسی وجہ سے یہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص نہیں۔ اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر اس کام سے سنت ادا ہو جاتی ہے جس سے فصل حاصل ہو مثلاً چلنا اور گفتگو وغیرہ۔ یہ بات امام بیہقی نے ذکر کی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مختار یہ ہے کہ یہ سنت ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ظاہر ہے حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسجد کی طرف جانے کی صورت میں فصل کا پایا جانا کافی ہے۔ ابن حزم نے حد سے بڑھتے ہوئے کہا کہ ہر ایک پر واجب ہے اور اس کو نماز فجر کے صحیح ہونے کے لئے شرط قرار دیا لیکن بعد کے علماء نے ان کا رد کیا حتیٰ کہ ابن تیمیہ نے حدیث کی صحت پر طعن کیا کیونکہ اس میں عبدالواحد بن زیادہ تنہا ہیں اور اس شخص کے حافظہ کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور حق یہ ہے کہ اس حدیث کو حجت بنایا جاسکتا ہے۔

بعض بزرگوں کے نزدیک گھر میں مستحب ہے مسجد میں نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی بات منقول ہے اور ہمارے بعض شیوخ نے اسے یوں قوی بنایا کہ نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ نے مسجد میں یہ طریقہ اختیار کیا ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ جو شخص مسجد میں اس طرح کرتا آپ اسے کنکری سے مارتے۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے۔ (الفتح الباری ج ۳ ص ۵۵)

اور نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکے وہ سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۷۴ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳ شرح السنہ ج ۳ ص ۳۳۵ تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۰۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۳۳۱) اسے امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔



## تیسری نوع

## ظہر کی سنت مؤکدہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ظہر سے پہلے دو اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے چار اور صبح سے پہلے دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ جب گھر میں پڑھتے تو چار رکعات پڑھتے اور جب مسجد میں پڑھتے تو دو رکعات پڑھتے تو یہ زیادہ ظاہر ہے اور یہ کہا کہ اس طرح بھی کرتے اور اس طرح بھی (دونوں طرح کرتے تھے) تو ہر ایک نے یعنی حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے وہی بیان کیا جو دیکھا اور دونوں حدیثیں صحیح ہیں ان میں سے ایک پر بھی طعن نہیں۔

حضرت ابو جعفر طبری فرماتے ہیں عام طور پر آپ چار رکعات پڑھتے اور بہت کم دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعات ظہر کی سنتیں نہیں ہیں بلکہ یہ مستقل نماز ہے جسے آپ زوال کے بعد پڑھتے تھے۔

امام بزار حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نصف النہار (زوال) کے بعد نماز پڑھنا پسند کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ اس وقت نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف رحمت سے دیکھتا ہے اور یہ وہ نماز ہے جس کی حفاظت (اور پابندی) حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) نے بھی کی ہے۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۱۴۵، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۱۹، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۰۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۳۶۳)

حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ زوال شمس کے بعد اور ظہر سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے اور فرماتے: یہ وہ ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ اس میں میرا اچھا عمل اوپر کو جائے۔

امام ترمذی نے ہی یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ ظہر سے پہلے اور زوال کے بعد چار رکعات جیسی نماز سحری کی نماز جیسی شمار ہوتی ہے اور اس وقت ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

يَتَفَتَّحُ ظُلُمَاتُ اللَّيْلِ وَاللَّيْمِينِ وَالسَّمَائِلِ سُجَّدًا  
لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ. (النحل: ۴۸)

اس کی پڑچھائیاں داہنے بائیں جھکتی ہیں اللہ کو سجدہ کرتی اور اس کے حضور ذلیل ہیں۔



اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ہو سکتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ چار رکعات ہوں کہ آپ ان کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

لیکن ظہر کی سنتیں دو رکعت ہوں جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ تمام نمازوں کی سنتیں دو دو رکعتیں ہیں اس بنیاد پر یہ چار رکعات مستقل نماز کے طور پر آئی ہیں اور اس کا سبب دن کا نصف ہونا اور سورج کا ڈھل جانا ہے۔

اس میں راز یہ ہے کہ دن کا نصف رات کے نصف کے مقابل ہے اور سورج ڈھلنے کے بعد آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور نصف رات کے بعد رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے تو یہ دونوں رحمت کے قریب ہونے کا وقت ہیں اس میں (زوال کے وقت میں) آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور اس میں (نصف رات کے وقت) رب تبارک و تعالیٰ کا نزول ہوتا ہے جو جسمانی حرکت سے پاک ہے (جیسا اس کے شایانِ شان ہے تو اس کی رحمت کا نزول مراد ہے)۔

## چوتھی نوع

## سنتِ عصر

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔  
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر سے پہلے چار رکعتیں اس طرح پڑھتے کہ درمیان میں ملائکہ مقربین اور ان کی اتباع کرنے والے مسلمانوں اور مومنین پر سلام فرماتے۔  
ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

رحم الله امراً صلى قبل العصر اربعاً۔  
اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۷۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰ سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۷۳ موارد النظمین رقم الحدیث: ۶۱۶ مشکوٰۃ المصابیح للترمذی رقم الحدیث: ۱۱۷۰۵ شرح السنہ ج ۳ ص ۳۷۰ الکامل ج ۶ ص ۲۲۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۳۹۰-۱۹۴۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس دن میری باری ہوتی تو نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے میرے ہاں کبھی بھی عصر کے بعد دو رکعتوں کو (پڑھنا) نہیں چھوڑا۔  
”صحیح مسلم میں ہے کہ“ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین سے ان دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا جو نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا آپ عصر سے پہلے پڑھا کرتے تھے پھر ان سے (دوسری طرف) مشغول ہو گئے اور ان کو بھول گئے تو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں پھر ان کو برقرار رکھا کیونکہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی نماز پڑھتے تو پھر اسے ثابت رکھتے یعنی ہمیشہ پڑھتے تھے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اور



(دوسروں کو) منع فرماتے تھے اور صوم رکھتے اور (دوسروں کو) صوم وصال سے منع فرماتے۔ ۱۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۸۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں اس لئے پڑھیں کہ آپ اس مال کی تقسیم میں مشغول ہوئے جو آپ کے پاس آیا اور ظہر کے بعد کی دو رکعتیں رہ گئیں پس آپ نے ان کو عصر کے بعد قضاء کیا پھر دوبارہ یہ دو رکعتیں نہیں پڑھیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ان دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے پھر میں نے دیکھا کہ آپ ان کو پڑھتے جب عصر کی نماز پڑھ لیتے پھر میں نے آپ سے ان دنوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: میرے پاس عبدالقیس کے کچھ لوگ مسلمان بن کر آئے تو انہوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مصروف رکھا تو یہ دو رکعتیں وہ ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۵۷)

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ لوگوں کو ان رکعتوں سے روکتا تھا۔

ابن قیم نے کہا کہ ممنوع اوقات میں سنت مؤکدہ کا نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت سب کے لئے ایک ہی حکم ہے لیکن ممنوع وقت میں ان دو رکعتوں کا ہمیشہ پڑھنا آپ کے ساتھ خاص ہے۔ ابن قیم نے کہا کہ یہ عمل آپ کے خصائص میں شمار کیا گیا ہے۔

اس پر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے اور دوسروں کو منع فرماتے تھے اور آپ صوم وصال رکھتے لیکن دوسروں کو منع فرماتے لیکن امام بیہقی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اس نماز کا ہمیشہ پڑھنا خاص ہے محض قضاء نہیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت نقل کی ہے کہ آپ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں کیونکہ آپ مال تقسیم کرنے میں مشغول ہوئے جو آپ کے پاس آیا تھا تو یہ جری کی روایت ہے وہ حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اسے ان سے (اس وقت) سنا جب اس میں (الفاظ کا) اختلاط ہو گیا اور اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی شاہد ہوگی لیکن ان کے قول ”پھر آپ نے نہیں پڑھیں“ کا ظاہر بتاتا ہے کہ یہ حدیث اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ٹکراتی ہے لیکن نفی کو راوی کے علم کی نفی پر محمول کیا جائے گا کہ ان کو اس پر اطلاع نہ ہوئی پس ثابت کرنے والوں کا قول نفی کرنے والوں کے قول پر مقدم ہے۔

اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے حجرہ مبارکہ میں ایک مرتبہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں ان ہی سے ایک روایت ہے کہ میں نے آپ کو اس سے پہلے اور بعد یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا تو ان دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا جائے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ رکعتیں صرف اپنے خانہ اقدس میں پڑھیں اسی لئے حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے آپ کو (ہمیشہ پڑھتے ہوئے) نہیں دیکھا اور اس بات کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت

۱۔ اس روایت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عصر کے بعد کی دو رکعتیں نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت میں شمار ہوتی ہیں۔ ۱۲ ہزاروی



میں ان کا اشارہ ملتا ہے، فرماتی ہیں کہ آپ مسجد میں اس بات کے خوف سے نہیں پڑھتے تھے کہ آپ کی امت پر بوجھ ہوگا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ جس دن بھی میرے پاس ہوتے (میری باری ہوتی) تو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تو اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ جب مشغولیت کی وجہ سے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں رہ جاتیں تو ان کو پڑھتے ان کی مراد یہ نہیں کہ نماز فرض ہونے کے بعد سے عمر کے آخری وقت تک آپ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے رہے۔

## پانچویں نوع

## مغرب کی سنت مؤکدہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ میں نے بے شمار مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے مغرب کی نماز کے بعد والی دو رکعتوں میں اور فجر کی (فرض) نماز سے پہلے والی دو رکعتوں میں ”قل یا ایہا الکفرون“ اور ”قل ہو اللہ احد“ پڑھتے ہوئے سنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مغرب کے بعد والی دو رکعتوں میں لمبی قرأت فرماتے حتیٰ کہ اہل مسجد (نمازی) چلے جاتے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۱-۱۳۰۲، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۰، مشکوٰۃ الصالح للترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۳) اور نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام، نبی اکرم ﷺ کا ان کے پاس تشریف لانے سے پہلے مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

”سنن ابوداؤد میں“ ایک روایت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں (مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہوئے) دیکھا تو نہ حکم دیا اور نہ ہی منع فرمایا۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اس طرح کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتوں پر صحابہ کرام کو برقرار رکھا اور انہوں نے اس پر عمل کیا اور یہ مستحب ہونے کی دلیل ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ دو رکعتیں نہ پڑھنا استحباب کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہ سنت مؤکدہ نہیں (بلکہ سنت غیر مؤکدہ بھی نہیں کیونکہ آپ نہیں پڑھتے تھے اس لئے مطلقاً سنت نہیں۔ ۱۲ ہزاروی)۔

امام احمد، اسحاق اور اصحاب حدیث ان دو رکعتوں کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے دور میں کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے یہ دو رکعتیں پڑھی ہوں۔

چاروں خلفاء اور صحابہ کرام کی ایک جماعت یہ دو رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔



بعض مالکی حضرات نے ان دور کعتوں کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ نسخ کی کوئی دلیل نہیں اور ثابت کرنے والے یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نفی کرنے والے یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے مقدم ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے تھے: کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مؤذن کی اذان کے بعد دو رکعتیں پڑھے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے ان کا آخری قول یہ ہے کہ یہ دور کعتیں پڑھنا مستحب ہے۔ شافعی مسلک والوں کے نزدیک بھی یہی بات ہے جسے امام نووی اور ان کی اتباع کرنے والوں نے ترجیح دی ہے انہوں نے ”شرح مسلم میں“ فرمایا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ان دور کعتوں کی وجہ سے مغرب کی نماز اول وقت سے مؤخر ہو جاتی ہے تو یہ فاسد خیال ہے جو سنت کو دور کرنے والا ہے پھر یہ کہ اس کے لئے تھوڑا سا وقت ہے جس سے نماز کی اول وقت سے تاخیر نہیں ہوتی اور دلائل کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو چاہے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۸۱ سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۴ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۲۸۹ سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۶۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۱۶۵ اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۵۰ شرح السنہ ج ۳ ص ۲۷۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۳۱۸) (یہ اختیار) اس حد کی بنیاد پر (ہے) کہ لوگ اسے سنت نہ بنالیں۔

محبت طبری نے کہا کہ اس سے استحباب کی نفی مراد نہیں کیونکہ ممکن نہیں کہ آپ غیر مستحب کا حکم دیتے بلکہ یہ حدیث اس نماز کے نفل ہونے پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ سنت بنانے کا مطلب اسے شریعت اور طریقہ لازمہ بنانا ہے۔

اور مراد یہ تھی کہ ان دور کعتوں کا مقام سنت مؤکدہ سے کم ہے اسی لئے اکثر شافعی مسلک والوں نے اس نماز کو سنت مؤکدہ میں شمار نہیں کیا جب کہ بعض نے ان کو سنت مؤکدہ قرار دیا اس پر اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کا ان دو رکعتوں کو ہمیشہ پڑھنا ثابت نہیں۔

نماز مغرب کے بعد والی سنتوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ گھروں میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۰ اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۳۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۷۸۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۳۲۳) اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ جس نے مغرب کے بعد کلام کرنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں اس کی نماز علیین کی طرف اٹھائی جاتی ہے۔ اس حدیث کو رزین نے نقل کیا ہے۔



## چھٹی نوع

## عشاء کی سنتِ موکدہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد جب بھی میرے گھر تشریف لاتے تو آپ نے چار یا چھ رکعات پڑھتے۔  
 ”صحیح مسلم میں ہے“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر آپ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد میرے حجرہ مبارکہ میں تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے ”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح حدیث آئی ہے۔ اس قسم کے شروع میں یہ احادیث گزر چکی ہیں۔ (مطلب یہ ہے کہ جیسے مناسب سمجھتے پڑھتے کبھی چار کبھی چھ اور کبھی دو رکعات)۔

## ساتویں نوع

## جمعة المبارک کی سنتیں

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں ظہر کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھتے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے اور جمعہ کے بعد نماز نہ پڑھتے حتیٰ کہ واپس (گھر) تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی اور جمعہ کی نماز سے پہلے کسی نماز (سنتوں) کا ذکر نہیں کیا۔ ابن منیر نے کہا جیسا کہ ”فتح الباری میں“ نقل کیا کہ گویا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اصل یہ ہے کہ ظہر اور جمعہ برابر ہیں حتیٰ کہ کوئی دلیل اس کے خلاف پر دلالت کرے کیونکہ جمعہ ظہر کا بدل ہے۔ ابن بطلال نے کہا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ظہر کے ذکر کے بعد جمعہ کا ذکر اس لئے کیا کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ المبارک کی سنتیں گھر میں پڑھتے تھے جب کہ ظہر کی یہ صورت نہیں تھی۔

وہ فرماتے ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ جمعہ جب ظہر کا بدل ہے اور اس میں دو رکعتوں پر اکتفاء کیا گیا تو اس کے بعد مسجد میں نفل پڑھنا اس خوف سے چھوڑ دیئے کہ کوئی شخص یہ گمان کرے کہ یہ وہی نماز ہے جو چھوڑی گئی ہے (یعنی ظہر کی چار رکعتوں میں سے جو رکعتیں چھوڑی گئیں اور جمعہ کے دو فرض ہوئے)۔

اس بنیاد پر مناسب ہے کہ جمعہ سے پہلے اس نماز سے ملاتے ہوئے دو رکعتیں مسجد میں نہ پڑھے (کیونکہ یہاں بھی وہی شبہ ہوگا)۔

ابوداؤد اور ابن حبان نے ایوب کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ سے پہلے طویل نماز پڑھتے اور اس کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے اور وہ بیان کرتے کہ نبی اکرم ﷺ



اسی طرح کرتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”المخلاصہ“ میں اس روایت سے جمعہ سے پہلے کی سنتوں پر استدلال کیا ہے۔  
اس پر اعتراض کیا گیا کہ ان کا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے تھے یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آپ جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس پر حضرت لیث کی روایت دلالت کرتی ہے وہ بواسطہ حضرت نافعؓ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو واپس تشریف لا کر گھر میں دو رکعتیں پڑھتے پھر فرماتے: کہ نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ نماز جمعہ سے پہلے طویل نماز پڑھتے تھے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ وقت داخل ہونے کے بعد پڑھتے تھے تو اس کا مرفوع حدیث ہونا صحیح نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ اس وقت تشریف لاتے جب سورج ڈھل جاتا پس آپ خطبہ میں اور پھر نماز جمعہ میں مشغول ہو جاتے اور اگر وقت داخل ہونے سے پہلے پڑھنا مراد ہے تو مطلق نفل ہیں سنت مؤکدہ نہیں پس اس سے نماز جمعہ سے پہلے کی سنتوں پر کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ مطلق نفل ہیں۔

ایک جماعت نے جمعہ سے پہلے سنتوں کا انکار کیا اور خوب انکار کیا ان میں امام شہاب الدین ابوشامہ بھی شامل ہیں۔ (ابوالقاسم عبدالرحمن بن اسماعیل بن ابراہیم الدمشقی متوفی ۶۶۵ھ) (الاعلام ج ۳ ص ۲۹۹ فوات الوفيات ج ۲ ص ۲۶۹ طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۶۱ البدلیۃ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۵۰ غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۳۶۵ بغیۃ الوعاة رقم الحدیث: ۲۹۷ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۳۶۰)

کیونکہ جمعہ کی اذان نبی اکرم ﷺ کے سامنے دی جاتی تھی اور آپ منبر پر ہوتے تھے پس آپ سنتیں نہیں پڑھتے تھے اسی طرح صحابہ کرام کا معاملہ تھا کیونکہ جب امام آجائے تو نماز چھوڑ دی جاتی ہے۔

ابن عراقی کہتے ہیں میں نے حنفی مالکی فقہاء کے کلام میں نہیں دیکھا کہ جمعہ سے پہلے سنتوں کو مستحب قرار دیا ہو۔  
جمعہ کی نماز سے پہلے سنتوں کے بارے میں کچھ دوسری ضعیف احادیث آئی ہیں ان میں سے ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جبے امام بزار نے نقل کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ سے پہلے چار اور بعد میں چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔

اور سب سے زیادہ قوی حدیث جس سے جمعہ کی نماز سے پہلے کی دو رکعتوں کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے اس حدیث کا عموم ہے جسے ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا کہ ہر فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ (یہ بات فتح الباری میں فرمائی ہے)۔

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو آگے بڑھ کر دو رکعتیں پڑھتے پھر آگے بڑھ کر چار رکعتیں پڑھتے اور جب مدینہ طیبہ میں ہوتے تو جمعہ کی نماز پڑھتے پھر گھر واپس آ کر دو رکعتیں پڑھتے اور مسجد میں نہ پڑھتے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

یعنی یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ سے پہلے چار اور بعد میں چار سنتیں ثابت نہیں ہیں۔ امام عبدالرزاق نے اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا اور یہی درست ہے اسی طرح ابن سعد نے ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً روایت کیا۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۲۶)



جامع ترمذی کی روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے پھر اس کے بعد چار رکعات پڑھتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ ایک روایت میں کہ جمعہ کے بعد گھر میں دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے بعد دو طویل رکعتیں پڑھتے اور فرماتے کہ نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت سلیم غطفانی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن حاضر ہوئے اور نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ عرض کیا نہیں تو آپ نے فرمایا: اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو۔

اس کے علاوہ بھی نماز جمعہ کے بارے میں مباحث ہیں۔

## فصل نمبر ۲

# نبی اکرم ﷺ کی عیدین کی نماز

اس فصل میں کئی انواع ہیں۔

## پہلی نوع

## تعداد رکعات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کے دن باہر تشریف لائے تو دو رکعتیں پڑھائیں نہ ان سے پہلے (نفل) نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد پھر خواتین کی طرف تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے آپ نے ان کو صدقہ دینے کا حکم فرمایا پس کوئی عورت اپنا بندہ صدقہ کر رہی تھی (لسان العرب ج ۳ ص ۶۳) اور کوئی خاتون صدقہ میں ہار دے رہی تھی۔ (لسان العرب ج ۶ ص ۲۰۱)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن تشریف لائے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید الفطر کی نماز دو رکعتیں پڑھائی۔

## دوسری نوع

## تکبیرات کی تعداد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر پہلی رکعت میں سات



تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ یہ تکبیریں 'تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے علاوہ تھیں۔

حضرت کثیر بن عبد اللہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (عمرو بن عوف بن زید انصاری) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عیدین میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں پڑھیں۔

تیسری نوع

## وقت اور جگہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے 'فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے تو سب سے پہلے آپ نے نماز سے آغاز کیا۔

اس حدیث میں ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ عید کی نماز کے لئے عید گاہ کی طرف جانا مستحب ہے اور مسجد کے مقابلے میں عید گاہ میں نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ یہی طریقہ اختیار کیا حالانکہ آپ کی مسجد شریف کو فضیلت حاصل ہے اسلامی ممالک میں یہی طریقہ رائج ہے۔ لیکن اہل مکہ شروع سے مسجد میں ہی نماز پڑھتے ہیں۔

اور ہمارے اصحاب شافعیہ کے نزدیک دو جہیں ہیں ایک یہ کہ اسی حدیث کی وجہ سے صحراء افضل ہے اور دوسری وجہ جو ان میں اکثر کے نزدیک زیادہ صحیح ہے یہ ہے کہ مسجد افضل ہے ہاں تنگ ہو جائے (تو الگ بات ہے) وہ فرماتے ہیں اہل مکہ نے مسجد کے وسیع ہونے کی وجہ سے وہاں نماز پڑھی اور نبی اکرم ﷺ مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے باہر تشریف لے گئے پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں گنجائش ہو تو وہ افضل ہے۔

مذکورہ بالا عید گاہ سے مراد وہ جگہ ہے جو باب مدینہ شرقی پر ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز عید مسجد میں صرف ایک بار پڑھی ہے بارش ہو گئی تو صحابہ کرام کو مسجد میں نماز عید پڑھائی بشرطیکہ یہ حدیث ثابت ہو۔ (اور یہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے)۔  
"سنن ابی داؤد" کے الفاظ اس طرح ہیں:

اصابنا مطر فی یوم فطر فصلی بنا رسول اللہ ﷺ فی المسجد۔  
عید الفطر کے دن ہم پر بارش ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مسجد میں نماز پڑھائی۔

رزیں نے یہ اضافہ کیا کہ آپ ہمیں عید گاہ میں لے کر نہیں گئے۔

۱۔ احناف کے نزدیک دونوں رکعتوں میں زائد تکبیرات چھ ہیں تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں ہیں مذکورہ بالا حدیث کو ضعیف قرار

دیا گیا ہے۔ ۱۲ ہزاروی



چوتھی نوع**اذان اور اقامت**

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عیدین کی نماز ایک اور دو سے زیادہ بار (متعدد بار) اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید کی نماز اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی۔

پانچویں نوع**عیدین کی نماز میں قرأت**

حضرت ابو واقد لیشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں ”ق والقرآن المجید“ اور ”اقتربت الساعة وانشق القمر“ کی تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں ”سبح اسم ربک الاعلیٰ“ اور ”هل اتاک حدیث الغاشیة“ پڑھتے تھے اور بعض اوقات ایک ہی دن میں دونوں (عید اور جمعہ) کا اجتماع ہو جاتا تو ان دونوں سورتوں کی قرأت فرماتے (مطلب یہ کہ مختلف جمععات میں مختلف سورتیں پڑھتے تھے)۔

چھٹی نوع**نبی اکرم ﷺ کا خطبہ اور اس سے نماز عیدین کا پہلے ہونا**

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر کے دن باہر تشریف لائے تو خطبہ سے پہلے نماز ادا فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کھڑے ہوئے تو نماز سے آغاز فرمایا پھر صحابہ کرام کو خطبہ دیا پھر آپ مستورات کے پاس تشریف لائے اور آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا سہارا لیا ہوا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کپڑا پھیلا رکھا تھا جس میں خواتین صدقہ (کامال) ڈال رہی تھیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے، فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ عید کے لئے حاضر ہوا آپ نے خطبہ



سے پہلے نماز پڑھائی اس میں اذان اور اقامت نہیں تھی پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ٹیک لگائے ہوئے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دی اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی پھر تشریف لے گئے حتیٰ کہ عورتوں کے پاس تشریف لائے اور ان کو وعظ و نصیحت فرمائی اور فرمایا: صدقہ کرو کیونکہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن ہیں عورتوں کے درمیان میں سے ایک عورت جس کے رخساروں میں سیاہی تھی (لسان العرب ج ۶ ص ۲۸۱) کھڑی ہوئی اور کہا یا رسول اللہ! کیوں (جہنم میں جائیں گی؟) فرمایا اس لئے تم شکایات زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو۔ راوی فرماتے ہیں پس انہوں نے اپنے زیورات صدقہ کرنا شروع کر دیئے وہ اپنے بندے اور انگوٹھیاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷۹)

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز سے آغاز فرمایا پھر سلام پھیرنے کے بعد صحابہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام اپنی صفوں میں تھے آپ ان کو وعظ و نصیحت کرنے لگے اور ان کو حکم دیتے تھے اگر کوئی لشکر ترتیب دینا چاہتے تو ترتیب دیتے کسی بات کا حکم دینا چاہتے تو حکم دیتے۔ پھر واپس چلے جاتے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کا مسلسل یہی طریقہ رہا حتیٰ کہ میں مروان کے ساتھ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے لئے نکلا اس وقت وہ مدینہ طیبہ کا امیر تھا جب ہم عید گاہ کے پاس آئے تو وہاں منبر تھا جسے کثیر بن صلت نے بنایا تھا تو مروان اس پر چڑھنے لگا تو میں نے کہا اللہ کی قسم! تم نے (طریقہ) تبدیل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۵۶)

ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ عید کے دن نبی اکرم ﷺ نے پاؤں مبارک پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ یہ اس بات کی خبر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں عید گاہ میں منبر نہیں تھا اور اس پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ (وہ فرماتے ہیں) ”لوگوں کا طریقہ یہی رہا حتیٰ کہ میں مروان کے ساتھ نکلا“۔

(المدونہ ج ۱ ص ۲۳۶)

یہ قول اور اس کا مقتضی (دلالت کرتا ہے) یا پہلا شخص جس نے (عید گاہ میں منبر) اختیار کیا وہ مروان ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی ”المدونہ“ میں ہے کہ سب سے پہلے منبر پر لوگوں کو خطبہ دینے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں آپ نے گارے سے بنے ہوئے منبر پر ان (سامعین) سے کلام فرمایا اس منبر کو کثیر ابن الصلت نے بنایا تھا لیکن یہ حدیث معطل ہے! اور جو کچھ ”صحیح بخاری و مسلم میں“ ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے داؤد بن قیس سے امام بخاری کی روایت کی طرح روایت کیا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایسا کیا ہو پھر اسے چھوڑ دیا ہو حتیٰ کہ مروان نے اس کا اعادہ کیا اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اس پر مطلع نہ ہوئے۔ یہ بات شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کی ہے۔



## ساتویں نوع

## عید الفطر کے دن نبی اکرم ﷺ کا نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر کے دن تشریف نہ لے جاتے حتیٰ کہ چند کھجوریں تناول فرماتے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور فرمایا: کہ مرجأ بن رجاء نے کہا مجھ سے عبید اللہ نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں) مجھ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ آپ طاق کھجوریں تناول فرماتے تھے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عتبہ بن حمید کی روایت سے وہ ان سے (بواسطہ عبید اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے) ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر کے دن کبھی بھی تشریف نہیں لے گئے حتیٰ کہ آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تین یا پانچ یا سات یا اس سے کم یا زیادہ ہوتیں لیکن طاق ہوتیں۔

### کھانے میں حکمت

مہلب فرماتے ہیں: نماز سے پہلے کھانے میں حکمت یہ ہے کہ کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ نماز عید پڑھنے سے پہلے روزہ رکھنا لازم ہے گویا آپ نے اس راستے کو بند کرنے کا ارادہ فرمایا۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں: جب روزے کی فرضیت کے بعد روزہ چھوڑنا لازم ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں چھوڑنے کی جلدی کرنا مستحب ہے کم کھانے پر آپ کا اکتفا کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے اگر تعمیل حکم خداوندی کی بات نہ ہوتی تو آپ سیر ہو کر کھاتے اس بات کی طرف ابن ابی جمرہ نے اشارہ کیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان جسے رمضان المبارک میں قید کر دیا جاتا ہے اسے نماز عید کے بعد کھولا جاتا ہے پس اس کے دوسو سو سے بچنے کے لئے جلد از جلد روزے کو چھوڑنا مستحب ہے۔

اور کھجوریں کھانے میں حکمت یہ ہے کہ میٹھی چیز آنکھوں کی بینائی کو تقویت دیتی ہے جسے روزہ کمزور کرتا ہے اور میٹھی چیز ایمان کے موافق ہے اور خواب کی تعبیر اسی کے ساتھ کی جاتی ہے (جو شخص خواب میں میٹھا کھاتا ہے تو اس کی تعبیر ایمان کی مضبوطی کے ساتھ کی جاتی ہے)۔

اور اس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے اسی لئے بعض تابعین نے مطلقاً میٹھے سے افطار کو مستحب قرار دیا جیسا کہ شہد

ہے۔

یہ بات ابن ابی شیبہ نے حضرت معاویہ بن قرہ ابن سیرین اور ان کے علاوہ حضرات سے نقل کی ہے۔

”سنن ترمذی میں ہے“ اور امام حاکم نے بھی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ



نبی اکرم ﷺ عید الفطر کے دن جب تک کچھ تناول نہ فرماتے عید کے لئے تشریف نہ لے جاتے اور عید الاضحیٰ کے دن اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک نماز عید نہ پڑھ لیتے۔

اسی قسم کی حدیث امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔  
طبرانی اور دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ عید الفطر کے دن اس وقت تک نہ جائے جب تک صدقہ فطر ادا نہ کرے اور کوئی چیز کھانہ لے۔  
تینوں روایات کی اسناد پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔

اکثر فقہاء نے ان احادیث سے وہ مسائل اخذ کئے جن پر یہ دلالت کرتی ہیں (اور یہ ایک دوسری کو مضبوط کرتی ہیں)۔

ابن منیر نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے دونوں عیدوں میں اس وقت تناول فرمایا جس وقت ان عیدوں کا مخصوص صدقہ دینا جائز ہے پس صدقہ فطر عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے ہوتا ہے اور عید الاضحیٰ کا صدقہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد ہوتا ہے پس اس ایک جہت سے دونوں جمع ہیں اور دوسری جہت سے مختلف ہیں (یعنی وقت دونوں کا مختلف ہے لیکن صدقہ دینے اور کھانے کے وقت میں مطابقت ہے)۔

### نماز عید کے لئے پیدل جانا

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ”کتاب الام میں“ فرمایا کہ ہمیں امام زہری رحمہ اللہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کی نماز اور نماز جنازہ کے لئے کبھی بھی سوار ہو کر تشریف نہیں لے گئے۔ (الام الشافعی ج ۱ ص ۲۳۳)  
”جامع ترمذی میں“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ عید گاہ کی طرف پیدل جائے۔

”سنن ابن ماجہ میں“ حضرت سعد قرطبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کے لئے پیدل جاتے تھے۔

اس میں حضرت ابورافع سے اس کی مثل مروی ہے اور تینوں احادیث کی اسناد ضعیف ہیں۔  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب عید کے دن ایک راستے سے تشریف لے جاتے تو دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے۔

اس حدیث کے مفہوم میں بہت سے مختلف اقوال ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے پاس ہیں سے زیادہ قول جمع ہیں میں نے ان کی تلخیص کی اور کمزور اقوال کی وضاحت کی ہے۔ ان اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے یہ عمل اس لئے اختیار کیا کہ دونوں راستے آپ کے لئے گواہی دیں۔

کہا گیا ہے کہ دونوں راستوں میں رہنے والے جن اور انسان گواہی دیں یہ بھی کہا گیا کہ دونوں راستوں کو آپ کے گزرنے کی وجہ سے برابر کی فضیلت اور برکت حاصل ہو یا یہ کہ آپ جس راستے سے گزریں وہاں سے کستوری کی خوشبو سونگھی جائے کیونکہ آپ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے (کہ آپ جدھر سے گزرتے تھے کستوری کی خوشبو آتی تھی)۔



یہ بھی کہا گیا ہے کہ عید گاہ کی طرف آپ کا راستہ دائیں جانب تھا اگر ادھر سے ہی لوٹتے تو بائیں جانب سے لوٹتے تو آپ نے دائیں جانب کو ترجیح دی۔ اور یہ بات دلیل کی محتاج ہے۔

کہا گیا کہ اس کا مقصد دونوں راستوں میں شعائر اسلام کو ظاہر کرنا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ظاہر کرنا مقصود تھا۔ کہا گیا کہ منافقین یا یہودیوں کو غصہ دلانا تھا یہ بھی کہا گیا کہ دونوں گروہوں یا ان میں سے ایک کے مکرو فریب سے بچنا مقصود تھا۔ یہ قول بھی کیا گیا کہ آپ کے گزرنے سے سب کو خوشی حاصل ہو یا ان کو برکت حاصل ہو یا مسائل پوچھتے تعلیم اقتداء طلب ہدایت اور آپ کا ان کو سلام کرنا وغیرہ امور کے ذریعے ان کو فائدہ حاصل ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے زندہ اور فوت شدہ اقارب کی زیارت و ملاقات کریں۔ ایک قول یہ ہے کہ صلہ رحمی فرمائیں۔ کہا گیا ہے کہ حالت کی تبدیلی (راستے کی تبدیلی) سے مغفرت اور رضائے الہی کی طرف حالت کو بدلنے کی نیک فال لینا مقصود تھا۔

کسی نے کہا کہ آپ جاتے ہوئے صدقہ کرتے تھے واپس لوٹتے تو آپ کے پاس کچھ بھی باقی نہ ہوتا تو آپ دوسرے راستے سے تشریف لاتے تاکہ کسی سائل کے سوال کو رد نہ کیا جائے۔ یہ قول بہت کمزور ہے اور دلیل کا بھی محتاج ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ہجوم کم کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا، شیخ ابو حامد نے اس بات کو ترجیح دی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ آپ جس راستے سے تشریف لے جاتے تھے وہ اس راستے کے مقابلے میں زیادہ دور تھا جس سے آپ واپس تشریف لاتے پس آپ نے جاتے وقت زیادہ قدموں کے ذریعے زیادہ اجر کا ارادہ فرمایا لیکن واپسی پر آپ جلدی جلدی گھر پہنچنا چاہتے تھے۔ یہ بات امام رافعی رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ یہ دلیل کی محتاج ہے نیز واپسی پر بھی چلنے کا اجر مطلوب ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو امام ترمذی وغیرہ نے نقل کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملائکہ راستوں میں کھڑے ہوتے ہیں تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان میں سے دونوں فریق آپ کے لئے گواہی دیں۔

ابن ابی جرمہ فرماتے ہیں: یہ اس قول کے معنی میں ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا کہ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا تو اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ آپ نے یہ عمل نظر لگنے سے بچنے کے لئے کیا۔

### عورتوں کا نماز عید کے لئے جانا

نبی اکرم ﷺ نو جوان بوڑھی، کنواری اور حیض والی (سب) عورتوں کو عیدین (کی نماز) کے لئے نکلنے کا حکم دیتے تھے۔ حیض والی عورتیں عید گاہ سے الگ رہتیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوتیں۔ ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی (خاتون) کے پاس بڑی چادر نہیں ہوتی (تو کیا کریں) آپ نے فرمایا: دوسری خاتون اس کو اپنی چادر کے نیچے کر لے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۰، مسند احمد ج ۵ ص ۸۵، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۶۱) اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا اور الفاظ جامع ترمذی کے



ہیں۔

اس حدیث میں (عورتوں پر) نماز عید کے واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان میں وہ خواتین بھی شامل ہیں جو مکلف نہیں (جیسے حیض والی عورتیں) تو واضح ہوا کہ مقصود زیادہ اجتماع کے ذریعے شعائر اسلام کو ظاہر کرنا تھا اور یہ کہ سب کو برکت حاصل ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کا عید کے موقع پر حاضر ہونا مستحب ہے وہ جوان ہوں یا نہ اچھی صورت والی ہوں نہ ہو۔

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے ”الام“ میں فرمایا کہ یہ حدیث خوبصورت عورتوں کے استثناء کا تقاضا کرتی ہے وہ فرماتے ہیں میں ان بوڑھی عورتوں کا نماز میں حاضر ہونا پسند کرتا ہوں جو خوبصورت نہ ہوں اور عیدوں میں ان کی حاضری تو زیادہ مستحب ہے۔ (الام الشافعی ج ۱ ص ۲۲۰)

ان میں سے بعض حضرات نے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حیض والی عورتوں اور پردہ نشین عورتوں کو عید کی نماز کے لئے جانے کا حکم دیا تو اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ آغاز اسلام میں ایسا اس لئے ہوا کہ مسلمانوں کی جماعت کم تھی تو آپ نے دشمنان اسلام کو مرعوب کرنے کے لئے عورتوں کی حاضری کے ذریعے تعداد بڑھانے کا ارادہ فرمایا لیکن اس زمانے میں اس کی ضرورت نہیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ محض احتمال سے نسخ ثابت نہیں ہوتا جب کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس حکم کی علت واضح الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے اور وہ علت ان (خواتین) کا بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا نیز اس دن کی برکت اور طہارت (کے حصول) کی امید رکھنا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ایک مدت تک حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فتویٰ دیا اور کسی ایک صحابی سے بھی ان کی مخالفت ثابت نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ اگر نبی اکرم ﷺ دیکھ لیتے کہ آپ کے بعد عورتوں نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے تو آپ ان کو مساجد (میں آنے) سے روک دیتے۔

تو یہ حدیث اس پہلی حدیث سے نہیں ٹکراتی کیونکہ یہ نادر ہے اگر ہم مان لیں کہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے خلاف فتویٰ دیا حالانکہ اس میں ایسی دلالت کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روکنے کا فتویٰ دیا ہو صریح نہیں ہے۔

امام طحاوی کا یہ قول کہ دشمن کو ڈرانے کی خاطر ایسا کیا تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ عورتوں کے ذریعے لڑائی میں مدد حاصل کرنا اور کثرت دکھانا کمزوری پر دلالت ہے۔

سب سے بہتر بات یہ ہے کہ یہ طریقہ (عورتوں کی حاضری) ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو عورتوں کے ذریعے حاصل ہونے والے فتنہ سے محفوظ ہوں اور ان کی حاضری سے کوئی شرعی مخالفت لازم نہ آئے نیز راستے اور اجتماع میں مردوں کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہو۔ یہ بات ”فتح الباری“ میں فرمائی ہے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن نبی اکرم ﷺ ایک چھوٹے عصا (جس کے آگے لوہا لگا ہوتا تھا) کو لے کر تشریف



لے جاتے اور اس کو گاڑ کر اس کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ (نوٹ: یہ سترہ ہوتا تھا تا کہ آگے سے گزرنے والے گزر سکیں۔ ۱۲ ہزاروی)۔

## مسلمانوں کی عیدیں

جب تم سب باتیں معلوم کر چکے ہو تو جان لو کہ مومنوں کی اس دنیا میں تین عیدیں ہیں ایک عید ہر ہفتے آتی ہے اور دو عیدیں ہر سال ایک ایک بار تکرار کے بغیر آتی ہیں۔

جو عید بار بار ہر ہفتے آتی ہے وہ جمعہ کا دن ہے اور یہ ہفتہ وار عید ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نمازوں کی تکمیل پر مرتب ہوتی ہے پس ان کے لئے عید رکھی گئی۔

اور دو عیدیں جو سال میں بار بار نہیں آتیں بلکہ دونوں سال میں ایک مرتبہ آتی ہیں تو ان میں سے ایک عید عید الفطر ہے جو رمضان شریف کے روزوں کے بعد آتی ہے وہ رمضان المبارک کے روزے مکمل کرنے پر ہوتی ہے اور یہ روزے اسلام کے ارکان میں سے تیسرا رکن اور بنیاد ہیں۔

پس جب مسلمان رمضان کے روزے جو ان پر فرض ہیں پورے کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور جہنم سے آزادی کے مستحق ہو جاتے ہیں کیونکہ اس مہینے کے روزے گزشتہ گناہوں سے بخشش کو لازم کرتے ہیں اور اس کا آخری عشرہ جہنم سے آزادی ہے جو شخص گناہوں کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس سے آزاد کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے روزوں کے بعد عید رکھی ہے کہ اس میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اس کا ذکر کریں اور اس کی بڑائی بیان کریں کہ اس نے اس عبادت کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

اور اس عید میں ان کے لئے نماز اور صدقہ کا حکم دیا اور یہ اجر تین ملنے کا دن ہے اس دن روزہ داروں کو ان کے روزوں کا اجر ملتا ہے اور وہ مغفرت کے ساتھ واپس لوٹتے ہیں۔

دوسری عید قربانی کی عید ہے اور یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی اور افضل عید ہے اور یہ حج کی تکمیل پر ہوتی جو اسلام کے ارکان اور بنیادوں میں سے چوتھا رکن ہے جب مسلمان اپنا حج پورا کر لیتے ہیں تو ان کو بخش دیا جاتا ہے اور حج عرفہ کے دن (نو ذوالحجہ کو) مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ عرفات میں وقوف حج کا رکن اعظم ہے اور یوم عرفہ جہنم سے آزادی کا دن ہے پس اللہ تعالیٰ اس دن ان لوگوں کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے جو عرفات میں وقوف کرتے ہیں (ٹھہرتے ہیں) اور جو مسلمان دوسرے شہروں میں ہونے کی وجہ سے وہاں وقوف نہیں کر سکتے ان کو بھی بخش دیا جاتا ہے۔

اس لئے اس سے ملا ہو ان تمام ممالک کے مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہو گیا۔ ان میں کوئی حج کے لئے حاضر ہو یا نہ کیونکہ عرفہ کے دن (جہنم سے) آزادی اور بخشش میں تمام مشترک ہیں۔

اور سب کے لئے اس دن قربانی کے جانوروں کا خون بہانے کے ذریعے قرب خداوندی کا حصول رکھا گیا پس یہ دن ان کی طرف سے اس نعمت پر شکر ادا کرنے کا دن ہے۔

اس دن نماز اور قربانی کا اجتماع عید الفطر کے دن نماز اور صدقہ فطر کے اجتماع سے افضل ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ کو کوثر (خیر کوثر) کی عطا پر اپنے رب کا شکر نماز اور قربانی کے ذریعے ادا کرنے کا حکم دیا گیا (سورہ کوثر میں یہ حکم



(دیا)۔

نبی اکرم ﷺ نے دو چیت کبرے سینگوں والے مینڈ ہوں کی قربانی اپنے دست مبارک سے پیش کی اور بسم اللہ 'اللہ اکبر' کے کلمات پڑھے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک ان کی گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں اور ”بسم اللہ واللہ اکبر“ پڑھ رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسا مینڈ ہالانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا اور سیاہی میں بیٹھتا ہو (یعنی پاؤں اور پیٹ سیاہ ہو) پس وہ لایا گیا تا کہ آپ قربانی کریں آپ نے فرمایا: اے عائشہ! چھری لاؤ پھر فرمایا اس کو پتھر پر تیز کر و پس میں نے یہ کام کیا پھر آپ نے اسے پکڑا اور مینڈھے کو بھی پکڑا اور اس کو لٹا کر ذبح کیا آپ نے یہ کلمات پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّآلِ  
مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةٍ مُّحَمَّدٍ۔  
اللہ کے نام سے (ذبح کرتا ہوں) یا اللہ! اس کو  
حضرت محمد ﷺ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کی آل  
اور آپ کی امت کی طرف سے قبول فرما۔

پھر آپ نے اس کی قربانی پیش فرمائی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۲، مسند احمد ج ۶ ص ۸۷، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۶۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۵۳، نصب الرایۃ ج ۳ ص ۱۸۲، اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۹۸)  
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن دو سینگوں والے چیت کبرے خسی کئے ہوئے مینڈھے ذبح کئے۔ (لسان العرب ج ۱۵ ص ۲۱۲)  
جب ان کو قبلہ رخ کیا تو یہ کلمات پڑھے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرٰهیمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ  
الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاحِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْبَایِ وَمَمَاتِیْ  
لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ  
وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ  
مُحَمَّدٍ وَّ اُمَّتِہٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ۔  
بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف پھیرا  
جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں ملت ابراہیمی پر  
ہوں جو ہر باطل سے جدا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں  
ہوں، بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی و  
موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کو پالنے والا  
ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی بات کا مجھے حکم دیا اور میں  
سب سے پہلا مسلمان ہوں، یا اللہ! یہ تیری طرف سے اور  
تیرے لئے ہے حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کی  
طرف سے، اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

پھر آپ نے اسے ذبح کیا۔



امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے دست مبارک سے ذبح کیا اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ هَذَا عَتِیْ وَ  
 اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے یا اللہ! یہ  
 میری طرف سے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف  
 سے جو قربانی نہیں کر سکتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۶ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۱، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۵۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۶۱، المستدرک

ج ۳ ص ۲۲۹)

تو یہ مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور یہ سب اس وقت ہوتی ہیں جب وہ اپنے مولاً بادشاہ بہت عطا کرنے والے کی عبادات مکمل کر لیتے ہیں اور حسب وعدہ بہت بڑا اجر و ثواب حاصل کرتے ہیں پس عید اس کی نہیں جو نئے کپڑے پہنتا ہے بلکہ اصل عید اس کی ہے جو زیادہ عبادت کرتا ہے عید اس کی نہیں ہوتی جو لباس اور سواری کے ذریعے حسن و جمال حاصل کرتا ہے بلکہ عید اس کی ہوتی ہے جس کے گناہ بخش دیئے جائیں عید کی رات (جہنم سے) آزادی اور بخشش کے جوڑے بندوں پر تقسیم ہوتے ہیں پس جس کو اس سے کچھ حصہ ملا تو یہ اس کے لئے عید ہے ورنہ اسے بہت دور پھینکا جاتا ہے۔ اور جنت میں مومنوں کی عیدیں وہ دن ہیں جن میں وہ اپنے رب عزوجل کی زیارت کریں گے۔ وہ اس کی زیارت کریں گے اور وہ ان کو بہت زیادہ اعزاز بخشے گا ان کے لئے تجلی فرمائے گا۔

اور وہ اس کی زیارت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جو کچھ عطا کرے گا وہ ان کے لئے اس سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت ہے کیونکہ محبت کے لئے محبوب کے قرب کے علاوہ کوئی عید نہیں ہوتی۔ شاعر نے کہا:

ان یوما جامعاً شملی بہم ذاک عیدی لیس لی عید سواہ

”بے شک جس دن میں اور وہ لوگ اکٹھے ہوں گے وہ میری عید ہوگی اس کے علاوہ میری کوئی عید

نہیں۔“

دوسرا باب

وہ نوافل جو اسباب سے ملے ہوئے ہیں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز)

کسوف لغت میں سیاہی کی طرف تبدیلی کو کہتے ہیں جب سورج کا رنگ سیاہ ہو جائے اور اس کی شعاعیں چلی جائیں تو کہا جاتا ہے ”کسفت الشمس سورج کی روشنی چلی گئی“ (اور وہ سیاہ ہو گیا)۔



## سورج گرہن اور علم الفلک

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ گھبرائے ہوئے کپڑے کو کھینچتے ہوئے باہر تشریف لائے میں اس دن مدینہ طیبہ میں آپ کے ساتھ تھا آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں اور ان میں لمبا قیام کیا پھر سلام پھیرا تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد فرمایا یہ ایک نشانی ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس جب تم یہ حالت دیکھو تو نماز پڑھو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۸۵ المستدرک ج ۱ ص ۳۳۳)

اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ ”اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے“ تو یہ ان علم ہیئت والوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ سورج ایک جاری امر ہے جو آگے پیچھے نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر اس طرح ہوتا جیسے وہ کہہ رہے ہیں تو اس میں ڈرانے والی بات نہ ہوتی۔

ابن عربی وغیرہ نے ان لوگوں کا رد اس حدیث کے ذریعے کیا جو امام بخاری نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں:

فقام فزعاً یخشی ان تكون الساعة. پس نبی اکرم ﷺ خوفزدہ ہو کر کھڑے ہوئے آپ

کو اس بات کا ڈر ہوا کہ یہ قیامت ہو۔

ان حضرات نے فرمایا اگر سورج گرہن علم حساب کے اعتبار سے ہوتا تو گھبراہٹ نہ ہوتی اور اگر اس کا تعلق علم حساب سے ہوتا تو غلام آزاد کرنے صدقہ دینے اور نماز پڑھنے کا کوئی مطلب نہ ہوتا یعنی جس طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے اور اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورج گرہن کے موقع پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح بخاری میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فاذا رایتم ذلك فادعوا الله وکبروا پس جب تم یہ حالت دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا

وصلوا و تصدقوا. کرو اس کی بڑائی بیان کرو نماز پڑھو اور صدقہ دو۔

احادیث مبارکہ سے یہی بات ظاہر ہے کہ یہ ڈرانے کا فائدہ دیتی ہیں اور جب مختلف قسم کی عبادات کی جائیں تو اس بات کی امید ہوتی ہے کہ سورج گرہن کے جن اثرات کا خوف ہے وہ دور ہو جائیں گے۔

ابن عربی وغیرہ نے اس انداز میں اعتراض کیا کہ علم ہیئت والوں کا خیال ہے کہ سورج کو حقیقتاً گرہن نہیں لگتا بلکہ اس کے اور زمین والوں کے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے جب وہ (سورج اور چاند) دو عقدوں میں جمع ہوتے ہیں وہ فرماتے ہیں ان لوگوں کا خیال ہے سورج چاند سے کئی گنا بڑا ہے تو چھوٹی چیز جب بڑی چیز کے سامنے آئے تو کیسے آڑ بن سکتی ہے؟ اور قلیل کی وجہ سے کثیر پر کیسے تاریکی چھا سکتی ہے حالانکہ وہ اس کی جنس سے ہے اور کس طرح زمین پر سورج کی روشنی کے پہنچنے میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے؟

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات سے مروی حدیث میں سورج گرہن کا ایک اور سبب بھی آیا ہے جو علم ہیئت والوں کے بیان کردہ سبب کے علاوہ ہے۔ امام احمد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے یہ حدیث نقل کی ہے



اور ابن خزیمہ اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ان الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد ولا لحياته ولكنهما آيتان من آيات الله وان الله اذا تجلى لشيء من خلقه خضع له.  
بے شک سورج اور چاند کو کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا بلکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے دو آیتیں ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ جب اپنی مخلوق میں سے کسی کے لئے تجلی فرماتا ہے تو وہ اس کے لئے جھک جاتی ہے۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۱۲۶، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۱، المستدرک ج ۱ ص ۳۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۷، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰۸، اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۲۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۵۱-۲۳۵۲۱)  
امام غزالی رحمہ اللہ نے اس اضافہ (وان الله اذا تجلى آخريتك) پر اعتراض کیا اور فرمایا یہ ثابت نہیں پس اس کے ناقل کو جھوٹا قرار دینا واجب ہے اور اگر یہ قول صحیح ہو تو اس کی تاویل کرنا ان قطعی امور کے انکار سے آسان ہے جو اصول شریعت سے بالکل نہیں ٹکراتے۔

ابن بزہ نے کہا کہ امام غزالی سے یہ بات تعجب خیز ہے انہوں نے فلسفیوں کا دعویٰ کیسے تسلیم کر لیا اور یہ خیال کیا کہ ان کا خیال شریعت سے نہیں ٹکراتا حالانکہ اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دنیا گول شکل کی ہے جب کہ شریعت کا ظاہر اس کے خلاف ہے اور قواعد شریعت سے ثابت ہے کہ سورج گرہن (اللہ تعالیٰ کے) ارادہ قدیمہ اور فاعل مختار کا فعل ہے وہ جب چاہے ان دو وجودوں (چاند اور سورج) میں روشنی پیدا کرے اور جب چاہے ان میں تاریکی پیدا کرے اور یہ کسی سبب پر موقوف نہ ہو اور نہ کسی بات سے ملا ہوا ہو۔

اور جس حدیث کو امام غزالی رحمہ اللہ نے رد کیا ہے اسے متعدد اہل علم نے ثابت کیا ہے اور وہ معنوی طور پر بھی ثابت ہے کیونکہ کسی چیز کا نورانی اور روشن ہونا جمال حسی کے عالم سے ہے اور جب صفت جلال ظاہر ہوتی ہے تو اس کی ہیبت سے روشنیاں بجھ جاتی ہیں۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے:

فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا ۝ (الاعراف: ۱۴۳)  
جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر چمک ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اس حدیث کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ہم نے حضرت طاؤس سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورج کو دیکھا اور اسے گرہن لگا ہوا تھا پس آپ روئے حتیٰ کہ قریب تھا کہ روح پرواز کر جاتی اور فرمایا: ہمارے مقابلے میں یہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

ابن دینق العید نے کہا بعض حضرات کا عقیدہ کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ جو کچھ اہل حساب ذکر کرتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول کے منافی ہے کہ ”ان دونوں کے گرہن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔“

تو اس اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کچھ کام عادت کے مطابق ہوتے ہیں اور کچھ امور عادت سے باہر ہوتے ہیں اور اس کی قدرت سب پر حاکم ہے وہ بعض امور میں سبب اور مسبب کے درمیان تعلق کو توڑ دیتا ہے۔



اور جب یہ بات ثابت ہے تو اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے چونکہ اس بات کا پختہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس کی قدرت ان امور کو بھی شامل ہے جو عادت کے خلاف ہیں اور وہ جو چاہے کرے تو جب کوئی عجیب واقعہ ہوتا ہے تو اس اعتقاد کی وجہ سے ان کو خوف لاحق ہوتا ہے۔

اور یہ (خوف) اس بات کا خلاف نہیں کہ وہاں کچھ اسباب ہوں جو عادت کے مطابق ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس عادت کو توڑ دے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اہل حساب نے جو کچھ ذکر کیا ہے اگر یہ حقیقت میں صحیح اور حق ہے تو یہ اس بات کے خلاف نہیں کہ گریہ بندوں کو ڈرانے کا باعث ہو۔ یہ بات ”فتح الباری“ میں فرمائی ہے۔

### اس موضوع پر احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے ایک طویل قیام فرمایا جو تقریباً سورہ بقرہ کی قرأت کے برابر تھا پھر طویل رکوع کیا پھر سر مبارک اٹھایا تو دیر تک کھڑے رہے اور وہ پہلے قیام سے کم تھا پھر طویل رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے مختصر تھا پھر سر انور اٹھایا پھر سجدہ کیا پھر (دوسری رکعت میں) طویل قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تھا پھر ایک طویل رکوع فرمایا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر سجدہ کیا اور جب سلام پھیرا تو سورج روشن ہو گیا تھا۔

آپ نے فرمایا بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے ان کو گرہن نہیں لگتا پس جب تم یہ حالت دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ جب یہاں کھڑے تھے تو آپ نے کسی چیز کو پکڑا پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے؟ آپ نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا تو اس سے انگور کا گچھا پکڑا اگر میں اسے لے لیتا تو تم اس سے رہتی دنیا تک کھاتے اور میں نے جہنم کو دیکھا تو آج کی طرح کا برا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا اور میں نے جہنم میں زیادہ تعداد میں عورتوں کو دیکھا۔

انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا ان کی ناشکری کی وجہ سے پوچھا گیا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کی ناقدری کرتی ہیں اگر تم ان میں سے کسی ایک کے ساتھ پورا زمانہ احسان کرو پھر وہ تم سے کوئی بات دیکھے تو کہے گی میں نے تجھ سے کبھی بھی بھلائی نہیں دیکھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴۳)

آپ کا ارشاد گرامی کہ میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا تو قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں آنکھ سے دیکھنے کا بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (جنت و جہنم) کو آپ کے لئے ظاہر کر دیا ہو اور آپ کے اور ان کے درمیان سے پردہ اٹھا دیا ہو جیسا کہ مسجد اقصیٰ آپ کے لئے ظاہر کر دی گئی جب آپ نے (معراج شریف کے سفر کے بعد) اس کا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک رکعت میں دو کی طرح تین رکوع بھی مروی ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی تین کی روایت آتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چار رکوع کی روایت مروی ہے حضرت ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ایک رکوع کی روایت بھی ہے جو ابوداؤد میں ہے لہذا ان تمام احادیث میں اضطراب ہے لہذا ان سے استدلال صحیح نہیں۔ (شرح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی ج ۲ ص ۷۱)



وصف بیان کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس دیوار کی چوڑائی میں (مجھے جنت دکھائی گئی) یعنی اس طرف دکھائی گئی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ علمی طور پر اور وحی کے ذریعے اس کی اطلاع اور ان دونوں کے امور کی تفصیل بتانا مراد ہو جو تفصیل اس سے پہلے نہیں بتائی گئی۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا احتمال الفاظ حدیث کے زیادہ مناسب اور مشابہ ہے کیونکہ اس میں ایسی باتیں ہیں جو آنکھ سے دیکھنے پر دلالت کر رہی ہیں جس طرح انگور کا خوشہ لینا اور آگ کی لپٹ کے پھنچنے کے خوف سے پیچھے ہٹنا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”ولا اصبته“ (اگر میں اسے حاصل کرتا) اور فرمایا: ”تساولت میں نے اس کو پکڑا“ تو دونوں باتیں (بظاہر) متضاد ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ”تساول“ سے مراد پکڑنے کے لئے کوشش مراد ہے حقیقتاً پکڑنا مراد نہیں یہ بھی کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اسے اپنے لئے پکڑا اور اگر میں تمہارے لئے پکڑتا (تو تم اسے کھاتے رہتے)۔ یہ بات کرمانی نے ذکر کی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ بات عمدہ نہیں۔ کہا گیا ہے کہ پکڑنے سے مراد اس پر ہاتھ رکھنا ہے کہ میں اس کو پھیرنے پر قادر تھا لیکن میرے لئے اس کو چننا مقدر نہ تھا اور اگر میں اسے حاصل کرتا، کا معنی یہ ہے کہ اگر میں اس کو چننے پر قادر ہوتا۔

اس مفہوم پر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا وہ قول دلالت کرتا ہے جو ابن خزیمہ نے نقل کیا کہ آپ نے اپنا دست مبارک اس کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھایا۔

اور ”صحیح بخاری میں“ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں ”حتیٰ کہ اگر میں اس پر جرأت کرتا۔“ گویا آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی تھی پس آپ نے اس کی طرف ہمت و جرأت نہ فرمائی۔ ابن بطل کہتے ہیں آپ نے وہ خوشہ اس لئے نہیں لیا کہ وہ جنتی کھانے میں سے تھا جو فنا نہیں ہوتا اور دنیا فانی ہے اس میں وہ چیز کھانا جائز نہیں جو فانی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اس میں آپ نے فرمایا: میں نے جو کچھ اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا اس مقام پر دیکھ لیا حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا اور میری طرف وحی بھیجی گئی کہ قبروں میں مسیح دجال کے فتنہ کی مثل یا قریب تمہاری آزمائش ہوگی۔ راوی کہتے ہیں (مجھے معلوم نہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مثل کا لفظ فرمایا یا قریب کا لفظ کہا)۔

فرمایا: تم میں سے ایک کو قبر میں لایا جائے گا تو پوچھا جائے گا اس شخصیت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ تو مومن یا یقین رکھنے والا (راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کیا لفظ فرمایا؟) کہے گا یہ حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) ہیں آپ ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر تشریف لائے پس ہم نے اسے قبول کیا اور آپ کی اتباع کی یہ محمد (ﷺ) ہیں تین بار کہے گا کہا جائے گا سو جاؤ تم صالح ہو ہمیں معلوم ہے کہ تم یقین رکھنے والے تھے لیکن منافق یا شک کرنے والا (معلوم نہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کونسا لفظ بولا تھا؟) کہے گا مجھے معلوم نہیں میں نے لوگوں سے سنا وہ کچھ کہتے تھے تو میں نے بھی وہی بات کہی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک عورت کو دیکھا جسے بلی نوچ رہی تھی اس نے اس کو باندھ رکھا تھا حتیٰ کہ وہ



بھوک اور پیاس کی وجہ سے مر گئی۔

ایک روایت میں ہے آپ نے عمرو بن مالک کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتوں کو کھینچ رہا ہے اور یہ پہلا شخص تھا جس نے دین ابراہیمی میں تبدیلی کی (اس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑے)۔

آپ نے جہنم میں حاجیوں کی چوری کرنے والے کو بھی دیکھا کہ اسے عذاب ہو رہا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے پھر فرمایا: اے امت محمد! کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت نہیں رکھتا یہ کہ اس کا کوئی بندہ زنا کرے یا کوئی عورت زنا کا ارتکاب کرے اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے سنو! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴۳-۵۲۲۱، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳۳۸، نصب الرایۃ ج ۲ ص ۲۳۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۸۳)

یعنی اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا انتقام کتنا بڑا ہے جو جرم کرنے والوں سے لیتا ہے نیز اس کا عذاب اور قیامت کا ہولناک منظر کس قدر شدید ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اور جو اس کے بعد ہے جیسا کہ میں جانتا ہوں اور تم آگ کو دیکھ لیتے جس طرح میں نے اس مقام پر اور اس کے علاوہ دیکھا ہے تو تم بہت زیادہ روتے اور تم کم ہنستے کیونکہ جو کچھ تم جان لیتے اس پر فکر مند ہوتے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صف بندی کی پس ہم نے تکبیر کہی تو آپ نے ایک طویل قرأت فرمائی پھر تکبیر کہہ کر ایک طویل رکوع فرمایا پھر ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہنے کے بعد کھڑے ہو گئے اور سجدہ نہ کیا اور طویل قرأت فرمائی جو پہلی قرأت کے مقابلے میں کم تھی۔ ایک روایت میں ”ربنا ولك الحمد“ کا اضافہ ہے۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ پہلی رکعت کے دوسرے قیام کے شروع میں ذکر مستحب ہے۔

اس پر بعض متاخرین شافعیوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ قرأت کا قیام تھا اعتدال (یعنی قومہ) کا قیام نہ تھا کیونکہ جو علماء ہر رکعت میں زائد رکوع کے قائل ہیں وہ اس میں فاتحہ پڑھنے پر متفق ہیں اگرچہ محمد بن مسلمہ مالکی نے اس کی مخالفت کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورج گرہن کی نماز مخصوص طریقے پر آئی ہے لہذا اس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں جو کچھ بھی نبی اکرم ﷺ کے فعل سے ثابت ہے وہ جائز ہے کیونکہ یہی مستقل بنیاد ہے اسی لئے جمہور نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو اسے نفل نماز پر قیاس کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس میں زائد رکوع کو منع کرتے ہیں پس نماز کسوف ان باتوں کی وجہ سے جو اس میں جمع ہیں مطلق نوافل کے مقابلے میں نماز عید وغیرہ کے زیادہ مشابہ ہے پس نوافل سے نماز جنازہ ممتاز ہے کہ اس میں رکوع اور سجدے کو چھوڑ دیا گیا عید کی نماز ممتاز ہے کہ اس میں زائد تکبیریں ہیں نماز خوف ممتاز ہے کہ اس میں بہت سے افعال زیادہ ہیں اور قبلہ سے پیٹھ بھی پھر جاتی ہے اسی طرح رکوع کے زائد ہونے کی وجہ سے نماز کسوف بھی مطلق نوافل سے ممتاز ہے پس اس پر عمل کرنے والا عملوں (دلیلوں) نص اور قیاس پر عمل کرتا ہے بخلاف اس کے جو اس پر عمل نہیں کرتا۔

اور یہ بات واضح ہے کہ نماز کسوف کی ایک خاص شک ہے جو اس کو خاص کرتی ہے مثلاً قیام وغیرہ عام عادت کے



مقابلے میں طویل ہیں ہر رکعت میں ایک رکوع زیادہ ہے یہ اضافہ دوسرے طرق سے بھی مروی ہے۔ ۱۔  
پس امام مسلم نے ایک اور سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہر رکعت میں تین رکوع ہیں امام مسلم نے ہی ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ہر رکعت میں چار رکوع ہیں اور ابو داؤد نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور امام بزار نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ ہر رکعت میں پانچ رکوع ہیں اور ان میں سے کوئی سند علت سے خالی نہیں۔

ابن قیم نے ”الہدی النہوی میں“ حضرت امام شافعی، امام احمد اور امام بخاری سے نقل کیا کہ وہ رکعت میں دو رکوعوں پر اضافہ کو بعض راویوں کی طرف غلطی قرار دیتے تھے کیونکہ حدیث کے اکثر طرق ہوں تو بعض کے ذریعے دوسرے بعض کو رد کرنا ممکن ہے اور ان تمام روایات کو یوں جمع کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس دن ہوا جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ (نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادہ) کا انتقال ہوا اور جب واقعہ ایک ہے تو رائج قول کو اختیار کرنا متعین ہو گیا۔

ابن خزیمہ، ابن منذر، خطابی اور دیگر شافعی حضرات نے کہا کہ اس سلسلے میں جو کچھ ثابت ہے سب پر عمل کرنا جائز ہے اور یہ جائز اختلاف ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح صحیح مسلم میں“ اس کو قوی قرار دیا۔

بعض حضرات نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ رکوع میں اضافہ اور کی جلدی روشن ہونے اور اس میں تاخیر کی وجہ سے تھا جب پہلے رکوع میں سورج روشن ہو گیا تو آپ نے نفل نماز کی طرح اس پر اکتفا کر لیا اور جب تاخیر ہوئی تو ایک زائد رکوع کیا اور جب زیادہ تاخیر ہوئی تو تین رکوع فرمائے اسی طرح اس تعداد تک جو حدیث میں وارد ہوئی ہے۔

امام نووی وغیرہ نے اس پر اعتراض کیا کہ روشنی کی تاخیر اور عدم تاخیر کا شروع میں پتہ نہیں ملا اور نہ پہلی رکعت میں معلوم ہوا اور تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ دونوں رکعتوں میں رکوع برابر تھے اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہی مقصود ذاتی ہے پہلی حالت میں ہی اس کی نیت کی گئی۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یوں ہے کہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا:

اے لوگو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اگر تمہارے علم کے مطابق میں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچانے میں کوتاہی کی ہے تو مجھے بتاؤ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے اپنی امت کی خیر خواہی کی اور اپنی ذمہ داری کو پورا کیا۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں جب نماز کے لئے کھڑا ہوا تو میں نے وہ سب کچھ دیکھا جو تمہیں دنیا اور آخرت میں ملنے والا ہے اور قسم بخدا! قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تمیں کذاب (بہت جھوٹے) ظاہر ہوں گے ان میں سے آخری کا نادجال ہوگا جو اس کی پیروی کرے گا اسے اس کا کوئی نیک عمل فائدہ نہیں دے گا۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۴۱)

صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

۱۔ احناف کے نزدیک نماز کسوف میں ہر رکعت میں ایک رکوع ہے جس طرح عام نمازوں میں ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزار روپی



اس خطبہ میں اختلاف ہے امام شافعی، اسحاق اور اکثر اصحاب حدیث نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں ہمیں حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں پہنچی۔

صاحب ہدایہ جو حنفی ہیں فرماتے ہیں کہ نماز کسوف میں خطبہ نہیں کیونکہ یہ منقول نہیں ہے۔

ان پر اعتراض کیا گیا کہ اس سلسلے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔

مالکی فقہ والوں کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اس میں خطبہ نہیں ہے اس کے باوجود حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے

حدیث ذکر کی اور اس میں خطبہ کا ذکر فرمایا ہے۔

ان میں سے بعض نے یوں جواب دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے خاص خطبہ کا ارادہ نہیں فرمایا آپ نے صرف ان لوگوں

کے رد کا ارادہ فرمایا جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ سورج گرہن کسی کی وفات کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ احادیث صحیحہ میں صراحۃً خطبے کا ذکر ہے نیز اس کی شرائط یعنی حمد و ثناء اور وعظ وغیرہ امور جن

پر احادیث مشتمل ہیں ان کا ذکر ہے آپ نے صرف سبب کسوف کی خبر دینے پر اکتفاء نہیں فرمایا اور اصل یہ ہے کہ آپ کی

اتباع کی جائے جہاں تک خصائص کا تعلق ہے تو وہ دلیل سے ثابت ہوتے ہیں۔

### دور جاہلیت کے اعتقاد کا ابطال

”صحیح بخاری میں“ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی (روایت) ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں

اس دن سورج گرہن ہوا جس دن (نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا لوگوں نے

کہا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک سورج اور

چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے ان کو گرہن نہیں لگتا پس جب تم ان دونوں

کو (اس حالت میں) دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔

حضرت ابراہیم نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے تھے اور جمہور اہل سیرت نے ذکر کیا کہ آپ کا وصال ہجرت کے

دسویں سال ہوا کہا گیا ہے کہ ربیع الاول شریف میں انتقال ہوا ایک قول رمضان المبارک اور ایک قول ذوالحجہ کے بارے

میں ہے اکثر حضرات کے نزدیک مہینے کی دس تاریخ کو ایک قول کے مطابق چار تاریخ اور ایک قول کے مطابق چودہ تاریخ

کو ہوا لیکن ان میں سے کوئی قول بھی صحیح نہیں کیونکہ ان دنوں نبی اکرم ﷺ حج کے سلسلے میں مکہ مکرمہ میں تھے۔

اور یہ بات ثابت ہے کہ آپ ان کی وفات کے وقت موجود تھے۔ اور یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا اس میں کوئی

اختلاف نہیں۔

ہاں کہا گیا کہ ان کا وصال نو ذوالحجہ کو ہوا پس اگر یہ حدیث ثابت ہو تو صحیح ہے اور امام نووی نے اس بات کو قطعی قرار دیا

کہ صلح حدیبیہ کا سال تھا تو شاید یہ ذی قعدہ کے آخر کی بات ہے جب آپ اس (حدیبیہ) سے واپس لوٹے۔

اس حدیث میں اہل جاہلیت کے اس عقیدے کو باطل قرار دیا گیا کہ زمین میں ستاروں کی تاثیر ہوتی ہے۔

۱۔ اس کا جواب چند سطور بعد آ رہا ہے کہ اس سے خاص خطبہ مراد نہیں بلکہ ان لوگوں کا رد کرنے کے لئے خطبہ ارشاد فرمایا جو کہتے تھے کہ سورج

گرہن کسی کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی



خطابی نے کہا کہ وہ لوگ دور جاہلیت میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ کسوف (سورج گرہن) زمین میں تبدیلی پیدا کرنے کا موجب ہے۔ یعنی کسی کی موت واقع ہوتی ہے یا کوئی نقصان ہوتا ہے۔

تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ یہ عقیدہ باطل ہے اور سورج و چاند دونوں مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ (کے حکم) کے لئے مسخر ہیں۔ ان دونوں میں ایسی قوت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو بدل دیں اور نہ ہی اپنے آپ سے کسی بات کو دور کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

### نماز کسوف کے احکام

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج کو گرہن لگا تو اعلان کیا گیا کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے۔

حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں ”ان الصلاة جامعة توفان“ میں ہمزہ مفتوح اور نون غیر مشدد ہے اور یہ تفسیر کے لئے ہے۔

”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک منادی بھیجا جس نے اعلان کیا کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے۔

ابن دقیق العید نے کہا کہ یہ حدیث اعلان کو مستحب قرار دینے والوں کے لئے حجت ہے۔ اور اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ اس نماز کے لئے نہ اذان دی جائے اور نہ ہی اقامت کہی جائے۔

ابن حبان نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورج اور چاند گرہن میں تمہاری نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھیں۔ اس حدیث کو دارقطنی نے بھی روایت کیا۔

اس حدیث میں ان لوگوں یعنی ابن رشید وغیرہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے چاند گرہن کی نماز نہیں پڑھی ان میں سے بعض نے (صلی) نماز پڑھی کی تاویل یوں کی ہے کہ آپ نے نماز کا حکم دیا تا کہ دونوں روایتیں جمع ہو جائیں۔

ابن قیم نے ”الہدی النبوی میں“ کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ نے چاند گرہن کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ہو لیکن ابن حبان نے اپنی سیرت (کی کتاب) میں نقل کیا کہ جب ہجرت کے پانچویں سال چاند گرہن ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو گرہن کی نماز پڑھائی۔ تو اسلام میں یہ گرہن کی پہلی نماز تھی۔

اگر یہ روایت ثابت ہو تو مذکورہ بالا تاویل کی نفی ہو جائے گی۔ مغلطائی نے اپنی مختصر سیرت میں اسے قطعیت کے ساتھ ذکر کیا اور حافظ زین الدین عراقی نے اس کی نظم میں ان کی اتباع کی (لہذا اس سے اس کی قوت میں اضافہ ہوا)۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز خسوف میں بلند آواز سے قرأت فرمائی جب قرأت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور جب رکوع سے فارغ ہوئے تو ”سمع اللہ لمن حمدہ“ ربنا ولک الحمد“ کہا نماز کسوف میں دوبارہ قرأت فرمائی یہ چار رکوع اور چار سجدے تھے۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ دن کے وقت اس نماز میں بلند آواز سے قرأت کی جائے اور جو لوگ بلند آواز



سے قرأت جائز نہیں سمجھتے انہوں نے اس سے چاند گرہن کی نماز مراد لی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات عمدہ نہیں کیونکہ اسماعیلی نے یہ حدیث ایک اور سند کے ساتھ ولید سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا۔

”مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے سورج گرہن کی نماز میں بلند آواز سے قرأت کی اور اس سلسلے میں حضرت علی المرتضیٰ سے مرفوع اور موقوف (دونوں طرح) حدیث مروی ہے جسے ابن خزیمہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دو شاگردوں حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد امام احمد اسحاق ابن خزیمہ ابن منذر اور دیگر شافعی محدثین اور مالکیوں میں سے ابن عربی کا یہی نقطہ نظر ہے۔ طبری نے کہا کہ بلند آواز سے پڑھیں یا آہستہ آواز سے دونوں میں اختیار ہے۔

تینوں ائمہ امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں سورج گرہن میں قرأت آہستہ ہو اور چاند گرہن میں بلند آواز سے ہونی چاہیے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورہ بقرہ کی مثل قرأت کی۔ (وہ فرماتے ہیں) اگر آپ بلند آواز سے قرأت کرتے تو اندازہ بتانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند کے بغیر روایت کیا کہ انہوں نے سورج گرہن کی نماز نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں پڑھی تو انہوں نے کوئی حرف نہ سنا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے تین طرق سے متصل حدیث روایت کی جن کی سندیں کمزور ہیں اور اگر ان کو صحیح مانا جائے تو بلند آواز سے قرأت کو ثابت کرنے والے کے پاس زائد مقدار ہے پس اس کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے (دونوں طرح مروی ہے لہذا اپنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کی اجازت ہے)۔

ابن عربی نے کہا کہ میرے نزدیک بلند آواز سے پڑھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ باجماعت نماز ہے جس کے لئے اعلان ہوتا ہے اور خطبہ دیا جاتا ہے پس یہ عید اور نماز استسقاء کے مشابہ ہوگئی۔ یہ ”فتح الباری کی“ عبارت کا خلاصہ ہے۔

## فصل نمبر ۲

## نبی اکرم ﷺ کی نماز استسقاء

جان لو! استسقاء ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنے کو کہتے ہیں جس طرح تم کہتے ہو ”استعطی اس نے عطیہ طلب کیا“۔

## نماز استسقاء سنت ہے

نماز استسقاء کے سنت ہونے میں علماء کا اختلاف نہیں لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے سنت قرار نہیں دیتے وہ ان احادیث استسقاء سے استدلال کرتے ہیں جن میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔



جمہور نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے ”جو صحیح بخاری و مسلم“ اور ان کے علاوہ کتب احادیث میں ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے استسقاء کی دو رکعتیں پڑھیں اور جن احادیث میں نماز کا ذکر نہیں ان میں سے بعض راوی کے بھولنے پر محمول ہیں اور بعض میں یہ ہے کہ آپ نے خطبہ جمعہ دیا اور اس کے بعد نماز جمعہ تھی پس اسی پر استسقاء فرمایا اگر یہ نماز بالکل نہیں پڑھی گئی تو اس بات کا جواز بیان کرنا تھا کہ استسقاء نماز کے بغیر صرف دعا کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور جو احادیث نماز کو ثابت کرتی ہیں وہ مقدم ہوں گی کیونکہ ان میں زیادہ علم ہے اور دونوں قسم کی احادیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

اور استسقاء کی کئی قسمیں ہیں۔

### نماز اور خطبہ کے ساتھ استسقاء

(۱) استسقاء دو رکعتوں اور دو خطبوں کے ساتھ ہے اس سے پہلے صدقہ روزے اور توبہ کے ساتھ تیاری کی جائے نیکی کی طرف توجہ ہو اور برائی سے اجتناب کیا جائے اور اسی طرح کی دیگر عبادات خداوندی میں مصروفیت ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کام کاج کے لباس میں تواضع اور خشوع کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے باہر تشریف لائے حتیٰ کہ عید گاہ تک پہنچے تو منبر پر تشریف لے گئے آپ نے تمہارے اس خطبہ کی طرح خطبہ نہ دیا بلکہ مسلسل دعا کرتے گڑگڑاتے اور تکبیر میں مصروف رہے پھر عید کی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت عبداللہ بن زید مازنی کی روایت میں ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اس عید گاہ کی طرف تشریف لائے تاکہ نماز استسقاء ادا فرمائیں پھر آپ قبلہ رخ ہوئے اور چادر کو پلٹ دیا (دائیں طرف کو بائیں طرف بائیں کو دائیں طرف اوپر والے حصے کو نیچے اور نیچے والے حصے کو اوپر کی طرف کیا) پھر نماز پڑھی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صحابہ کرام کو لے کر نکلے تاکہ نماز استسقاء پڑھیں پس ان کو دو رکعتیں پڑھائیں دونوں میں بلند آواز سے قرأت کی اور قبلہ رخ ہونے کی حالت میں دعا مانگی دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب قبلہ رخ ہوئے تو چادر کو پھیر دیا۔

ایک روایت میں ہے فرمایا کہ چادر کو یوں پھیرا کہ اس کی بائیں جانب کو دائیں کا نہ حصے پر کیا پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث کے طرق میں سے کسی پر مطلع نہ ہوا کہ اس کا سبب کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے عید گاہ کی طرف جانے اور واپسی کی کیفیت کیا تھی؟ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جسے امام ابو داؤد اور ابن حبان نے روایت کیا۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں: لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بارش کے رک جانے کی شکایت کی تو آپ نے عید گاہ میں منبر رکھنے کا حکم دیا چنانچہ وہ رکھ دیا گیا اور لوگوں کو ایک دن بتایا جس میں وہ نکلیں چنانچہ آپ اس وقت تشریف لے گئے جب سورج کا کنارہ ظاہر ہوا منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا تم نے اپنے شہروں کی خشکی اور ایک عرصہ سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اس سے دعا مانگو اور تم سے وعدہ فرمایا کہ وہ تمہاری دعا کو قبول کرے گا۔



پھر آپ نے پڑھا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنُ  
الرَّحِيمُ ۝ مَا لِكَ يَوْمَ الدِّينِ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ  
نَسْتَعِينُ ۝ (الفاتحہ: ۱-۴)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو نہایت مہربان  
بہت رحم فرمانے والا ہے وہ بدلے کے دن کا مالک ہے اے  
اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد  
چاہتے ہیں۔

الذی لا اله الا هو يفعل ما يريد اللهم انت  
اللبه الذی لا اله الا انت الغنی ونحن الفقراء  
اللهم انزل علينا الغیث واجعل ما انزلت لنا قوۃ  
وبلاغا الی حین۔  
وہی ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو ارادہ  
فرماتا ہے کرتا ہے اے اللہ! تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی  
معبود نہیں تو غنی ہے اور ہم فقیر ہیں یا اللہ! ہم پر بارش نازل  
فرما اور جو کچھ نازل فرمائے اسے ہمارے لئے قوت اور ایک  
وقت تک پہنچانے والی بنادے۔

پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اس کے بعد لوگوں کی طرف پیٹھ پھیری اور چادر  
مبارک کو الٹا یا اس حال میں کہ آپ نے ہاتھ بلند کئے ہوئے تھے۔

پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اتر کر دو رکعتیں پڑھیں اللہ تعالیٰ نے بادل ظاہر کر دیئے گرج پیدا ہوئی اور بجلی  
چمکی پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش ہوئی آپ کے مسجد میں تشریف لانے تک نالے بننے لگے جب آپ نے لوگوں کو  
چھتوں کے نیچے جانے کے لئے جلدی کرتے دیکھا (لسان العرب ج ۱۲ ص ۱۷۲) تو آپ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی مبارک  
داڑھیں نظر آنے لگیں آپ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور بے شک میں  
اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۳ السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ج ۳ ص ۳۴۹ المسند رک ج ۱ ص ۳۲۸  
مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۰۸ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۸۷)

ابن منذر نے اس نماز کے وقت میں اختلاف ذکر کیا ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں۔  
اور اس کے اکثر احکام عید کی طرح ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ یہ کسی معین دن کے ساتھ خاص نہیں۔

اور کیا نماز استسقاء رات کے وقت بھی پڑھی جاسکتی ہے تو بعض حضرات نے اس بات سے کہ نبی اکرم ﷺ نے  
دن کے وقت اس نماز میں جہری قرأت فرمائی ہے استدلال کیا کہ یہ عید کی طرح دن کی نماز ہے ورنہ اگر رات کی نماز ہوتی  
تو آپ مطلق نفل نماز کی طرح دن کے وقت پست آواز سے قرأت فرماتے اور رات کے وقت بلند آواز میں قرأت  
کرتے۔

ابن قدامہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ نماز مکروہ وقت میں نہ پڑھی جائے۔

ابن حبان نے اس بات کا فائدہ دیا کہ نبی اکرم ﷺ کے استسقاء کے لئے عیدہ گاہ کی طرف جانا رمضان المبارک

۶ھ میں ہوا۔

واقعی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی چادر مبارک کی لمبائی چھ گز اور چوڑائی تین گز تھی۔ آپ کی ازار (تہبند



مبارک) کی لمبائی چار گز تھی اور چوڑائی دو گز اور ایک بالشت تھی جسے آپ جمعہ اور عیدین کے موقعہ پر پہنتے تھے (شرعی گز مراد ہے جو ایک ہاتھ یعنی دو فٹ کا ہوتا ہے)۔

ابوداؤد نے حضرت عبادہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے استسقاء کے وقت سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس کے نچلے حصے کو اوپر والے حصے پر کر دیں تو جب بوجھ محسوس ہوا تو اس کو اپنے کاندھے پر الٹ دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے جدید قول میں اس فعل کو مستحب قرار دیا جس کا نبی اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ چادر کو پھیرنے کے ساتھ الٹا بھی کیا جائے اور قرطبی نے دوسروں کی اتباع میں یہ خیال فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جدید قول میں چادر کو الٹا ناپسند کیا اس کو پھیرنا نہیں اور ”کتاب الام“ میں وہ بات ہے جو میں نے ذکر کر دی ہے۔

اور جمہور صرف پھیرنے کے قائل ہیں اور اس میں شک نہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جس بات کو اختیار کیا اس میں زیادہ احتیاط ہے حضرت امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس سلسلے میں کوئی بات بھی مستحب نہیں (نہ الٹانا اور نہ پھیرنا) جمہور نے اس بات کو بھی مستحب قرار دیا کہ امام کے الٹانے کے ساتھ لوگ بھی الٹائیں اور اس پر امام احمد کی روایت دلالت کرتی ہے جو انہوں نے اس حدیث کے سلسلے دوسری سند کے ساتھ حضرت عباد رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی کہ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ چادر کو الٹایا۔

حضرت لیث اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں صرف امام الٹائے۔ ابن ماجہ نے عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا اور فرمایا ان کے حق میں مستحب نہیں۔

اس الٹانے میں حکمت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ مہلب نے قطعیت کے ساتھ بتایا کہ یہ موجودہ حالت کو بدلنے کے لیے نیک فال لینا ہے۔ ابن عربی نے ان پر یوں اعتراض کیا کہ فال کی شرط یہ ہے کہ اس کا ارادہ نہ کیا جائے وہ فرماتے ہیں: چادر کو الٹانا آپ کے اور رب کے درمیان علامت ہے آپ سے کہا گیا (یا الہام ہوا) کہ اپنی چادر کو الٹا دیں تاکہ آپ کی حالت بدل جائے اس پر اعتراض ہوا کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی نقلی دلیل چاہیے اور جس بات کو رد کیا ہے اس پر حدیث سے دلیل ہے اور اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اسے امام دارقطنی اور امام حاکم نے حضرت جعفر بن محمد بن علی سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

دارقطنی نے اس حدیث کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے بہر حال محض گمان سے تو یہ بہتر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو آیا ہے کہ پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور منبر پر بیٹھنے کے بعد کی بات ہے تو اس سے استدلال کیا گیا کہ نماز استسقاء میں خطبہ نماز سے پہلے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مقتضاء بھی یہی ہے۔

لیکن حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں وضاحت ہے کہ آپ نے خطبے سے پہلے نماز پڑھائی۔ اسی طرح ”ابن ماجہ میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اذان اور اقامت کے بغیر ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں۔ شافعی اور مالکی مسلک والے دوسری روایت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کی کسی سند میں مذکورہ نماز کی کیفیت بیان نہیں ہوئی اور نہ یہ کہ اس میں



کن آیات کی قرأت کی جائے۔

امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس میں عید کی طرح سات یا پانچ تکبیریں پڑھتے تھے اور ”سبح للہ“ اور ”ہل اتاک“ پڑھتے۔

اس کی سند پر اعتراض کیا گیا ہے لیکن اس حدیث کی اصل سنن (ابی داؤد وغیرہ) میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔  
”پھر آپ نے نماز پڑھی جس طرح عیدین کی نماز پڑھتے تھے۔“

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ظاہر کو اختیار کیا اور فرمایا ان دونوں میں تکبیر کہی جائے۔

### خطبہ جمعہ میں استسقاء

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبہ جمعہ میں بارش کے لئے دعا مانگتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن ایک شخص مسجد میں اس دروازے سے داخل ہوا جو دارالقضاء کی طرف تھا اور نبی اکرم ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے وہ کھڑا کھڑا نبی اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوا پھر عرض کیا یا رسول اللہ! مال ہلاک ہو گئے اور راستے ٹوٹ گئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے راوی فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے پھر یوں دعا مانگی:

اللَّهُمَّ اغْنِنَا اللَّهُمَّ اغْنِنَا اللَّهُمَّ اغْنِنَا  
یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما (تین مرتبہ فرمایا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم آسمان میں کوئی بادل یا بادل کا ٹکڑا بھی نہیں دیکھتے تھے اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی گھرا اور حویلی بھی نہ تھی (کہ آڑ بنتی) تو اس (پہاڑ) کے پیچھے سے ڈھال کی طرح کا بادل ظلوع ہوا جب آسمان کے درمیان پہنچا تو بکھر گیا پھر بارش برسنے لگی۔ وہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم ہم نے ہفتہ بھر سورج نہ دیکھا پھر آئندہ جمعہ وہی شخص اسی دروازے سے داخل ہوا اور نبی اکرم ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے وہ آپ کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مال ہلاک ہو گئے اور راستے ٹوٹ گئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم سے بارش کو روک دے راوی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی۔ یا اللہ! ہمارے ارد گرد ہو ہمارے اوپر نہ ہو پہاڑوں پر وادیوں کے دامن میں اور درختوں کی جڑوں پر برے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بارش ٹھہر گئی اور ہم باہر نکلے تو دھوپ پر چلتے تھے حضرت شریک فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کیا یہ شخص وہی پہلا شخص تھا؟ انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸-۹، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۵۳، الدر المنثور ج ۶ ص ۲۸، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۲، نصب الرایۃ ج ۲ ص ۲۳۹، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۳۶)

ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے جس جس کنارے کی طرف اشارہ فرماتے بادل کھل جاتے حتیٰ کہ میں نے مدینہ طیبہ کو بالکل خالی دیکھا اور وادی قناتہ ایک مہینے تک بہتی رہی اور مضافات سے جو بھی آیا اس نے تیز بارش کی خبر دی۔

نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ”یغیثنا ہم پر بارش نازل فرمائے“ یہاں یاء پر فتح ہے کہا



جاتا ہے ”غاث اللہ البلاد یغیثہا اللہ تعالیٰ نے شہروں پر بارش بھیجی۔“

دارقضاء کی طرف دروازے کا ذکر ہوا تو اس سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مکان مراد ہے اس کو دارقضاء اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مکان آپ پر قرض کی ادائیگی کے لئے بیچا گیا۔

ایک روایت میں ہے ”ہلک الاموال مال ہلاک ہو گئے“ اور ایک روایت میں ہے جسے کریمہ بنت احمد اور حضرت ابو ذر ابن محمد ہر وی دونوں نے الکشمیہنی سے روایت کیا ”ہلک المواشی“ کے الفاظ ہیں یعنی جانور ہلاک ہو گئے۔

مالوں سے بھی جانور ہی مراد ہیں ”صحیح بخاری کی“ ایک روایت میں ”ہلک الکراع“ (کاف پر ضمہ) کے ساتھ ہے اور اس کا اطلاق اونٹوں وغیرہ پر ہوتا ہے ”صحیح بخاری“ میں ہی ”ہلک الماشیہ“ ہلک العیال اور ہلک الناس کے الفاظ ہیں جانور ہلاک ہو گئے بچے ہلاک ہو گئے اور لوگ ہلاک ہو گئے عام کے بعد خاص کا ذکر ہے اور ان کی ہلاکت سے مراد یہ ہے کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے ان کی روزی نہیں جس کے ذریعے زندہ رہ سکیں۔

اور راستے ٹوٹ گئے کیونکہ رزق کی کمی کی وجہ سے اونٹ سفر سے کمزور ہو گئے یا یہ کہ ان کو راستے میں گھاس وغیرہ نہیں ملتا جس سے ان کا ٹیڑھا پن ختم ہو جائے۔

”الاکام“ ہمزے کے نیچے کسرہ ہے کبھی فتح اور مد کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں یہ اکمہ کی جمع ہے ہمزہ کاف اور میم پر فتح ہے مٹی جمع ہو جائے تو اسے اکمہ (ٹیلہ) کہتے ہیں کہا گیا کہ چھوٹے پہاڑ کو کہا جاتا ہے۔

ایک قول کے مطابق زمین کے اٹھے ہوئے حصے کو کہتے ہیں الظراب طاء کے نیچے کسرہ ہے ظرب کی جمع ہے اس میں راء مکسور ہے بلند پھیلے ہوئے پہاڑ کو کہتے ہیں۔ ”مثل الجوبہ“ جیم پر فتح واؤ ساکن اور باء پر فتح ہے گول کشادہ گڑھا یہاں بادلوں میں کشادگی مراد ہے۔

”الجود“ تیز بارش ”قناة شہرا“ وادی قناتہ میں ایک مہینے تک بارش ہوتی رہی۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے عظیم معجزہ پر دلیل ہے وہ یہ کہ تمام بادل آپ کے لئے مسخر ہیں جب آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے صرف اشارے پر حکم کی تعمیل کی حالانکہ آپ نے کلام نہیں فرمایا تھا کیونکہ آپ کا کلام تو اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات میں تھا اور بادلوں کو صرف اشارہ کیا اگر بادلوں کو نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم نہ ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی اس لئے کہ وہ بھی حدیث کی روشنی میں ماسور ہیں جہاں جاتے ہیں کس قدر اور کہاں ٹھہرتے ہیں (حکم خداوندی کے تحت سب کچھ ہوتا ہے) شقراطیسی پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے کیا اچھا کہا:

افدیک بالخلق من داع و مبتہل  
صوبت الا بصوب الواکف الہطل  
فحل بالروض نسجا رائق الحلل  
زہرا من النور صافی النبت مکتمل  
وکل نور نصید مونق خضل  
بعد المضرة تروی السبل بالسبل

دعوت للخلق عام المحل مبتہلا  
صعدت کفیک اذ کف الغمام فما  
اراق بالارض ثجا صوب ریفہ  
زہر من النور حلت روض ارضہم  
من کل غصن نصیر مروق خضر  
تحیة احیت الاحیاء من مضر



دامت علی الارض سبعا غیر مقلعة  
لو لا دعاؤک بالاقلاع لم تزل  
”آپ نے قحط سالی کے موقع پر مخلوق کے لئے خوب کوشش کے ساتھ دعا مانگی میں دعا مانگئے اور اس میں کوشش کرنے والی مخلوق کو آپ پر قربان کرتا ہوں آپ نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے جب بادل روک دیئے گئے تھے اور اس وقت تک ہاتھوں کو نیچے نہیں کیا جب تک بارش کے موٹے موٹے قطرے بہہ نہیں گئے۔ زمین پر شدید بارش برسائی تو وہ باغوں میں یوں اتری کہ تعجب خیر جوڑے بنتی تھی (سبزیاں مراد ہیں)۔ سفید روشنی ان کی زمین کے باغوں میں اتری اور وسیع و کامل شگوفہ کھلا۔ ہر عمدہ شاخ پر سبز پتے لگے اور ہر شگوفہ دوسرے سے متصل تعجب خیز اور تر تھا۔ یہ ایسی دعا جس نے مضر کے قبیلوں کو ضرر کے بعد زندہ کر دیا اور اس نے بارش کے ذریعے راستوں کو سیراب کر دیا اس کے اثرات زمین پر سات دن رہے کہ بارش نہر کی اگر اس کے رکنے کے لئے آپ دعا نہ فرماتے تو وہ جاری رہتی۔“

حدیث شریف میں ”سبتا“ کا لفظ ہے یعنی ہفتہ سے ہفتہ تک دراصل یہ مجازاً ہے ورنہ آغاز جمعہ سے ہوا اور جمعہ پر اختتام ہوا۔

”ثم دخل رجل“ سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا آدمی تھا کیونکہ جب نکرہ کا تکرار ہو تو تعدد پر دلالت کرتا ہے اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ وہی شخص کھڑا ہوا یا کوئی دوسرا آدمی تھا۔  
”صحیح مسلم کی“ ایک روایت میں ہے:

فتقشعت عن المدينة فجعلت تمطر  
حوالیها وما تمطر بالمدينة قطرة فنظرت الى  
المدينة وانها لفي مثل الاكليل.  
پس مدینہ طیبہ سے بادل ہٹ گئے اور ارد گرد بارش ہونے لگی مدینہ طیبہ میں ایک قطرہ بھی نہ برسا میں نے مدینہ طیبہ کی طرف دیکھا تھا دائرہ کی طرح کھلا لگتا تھا۔  
”الاكليل“ ہمزہ مکسور ہے اور کاف ساکن ہے ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کناروں سے لپیٹا جائے اور یہ اس چیز کے لئے مشہور ہے جس کو سر پر رکھ کر اس سے گھیرا ڈالا جاتا ہے اور یہ تاج کی طرح بادشاہوں کے لباس میں سے ہے۔  
”صحیح مسلم کی“ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو لپیٹ دیا اور وہ ٹھہر گئے حتیٰ کہ میں نے مضبوط آدمی کو دیکھا کہ وہ گھر جانے کے لئے پریشان تھا۔  
ان ہی کی ایک روایت میں ہے:

فرايت السحاب يتمزق كانه الملاء حين  
تطوى.  
پس میں نے بادلوں کو دیکھا کہ وہ پھٹ گئے گویا وہ ایک چادر ہے جسے لپیٹ دیا گیا۔  
”الملاء“ میم پر ضمہ اور الف غیر ممدودہ ہے مد کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے یہ ”ملاءة“ کی جمع ہے معروف کپڑا (تہبند وغیرہ)۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ مخصوص نماز کے بغیر بھی استسقاء ہوتی ہے اور یہ کہ استسقاء (طلب بارش) میں نماز نہیں پہلی بات امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے اور دوسرا قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔  
اس پر یوں گرفت کی گئی کہ اس واقعہ میں محض دعا تھی جو جواز نماز کے منافی نہیں اور دوسرے واقعہ میں ثابت ہو چکا



ہے (کہ اس کے لئے نماز پڑھی گئی) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم

## منبر پر بارش کے لئے دعا

تیسری صورت یہ ہوتی کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں منبر پر بارش کے لئے دعا فرمائی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”الدلائل“ میں یزید بن عبید اللہی سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنو فزارہ کا ایک وفد آپ کے پاس حاضر ہوا اور یہ لوگ دس سے کچھ اوپر تھے ان میں خارجہ بن حصن اور حبر بن قیس بھی تھے یہ سب سے چھوٹے تھے۔ یہ لوگ رملہ بنت حارث جو انصاریہ تھیں ان کے گھرا ترے یہ لوگ قحط زدہ کمزور اونٹوں پر سوار تھے وہ اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے نبی اکرم ﷺ نے ان سے ان کے علاقے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے شہر اور ہمارے مکن قحط سالی کا شکار ہو گئے ہمارے بچے بھوکے ہو گئے اور ہمارے جانور ہلاک ہو گئے آپ اپنے رب سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے اور ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں سفارش فرمائیں اور آپ کا رب آپ کے ہاں سفارش کرے۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تمہارے لئے خرابی ہو میں اپنے رب کے ہاں سفارش کروں گا لیکن کون ہے جس کے پاس ہمارا رب سفارش کرے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بہت بلند بڑی عظمت والا ہے۔ اس کی کرسی (قدرت) آسمانوں اور زمین کو شامل ہے اس کی عظمت و جلال کی وجہ سے کرسی بھی چر چراتی ہے جس طرح نیا کجاوہ چر چراتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ڈرنے اور تمہاری مدد کے قریب ہونے پر ہنستا ہے (خوش ہوتا ہے)۔

اعرابی نے کہا کیا ہمارا رب ہنستا ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہاں تو اعرابی نے کہا یا رسول اللہ! ہم ایسے رب کو مفقود نہیں پائیں گے جو بھلائی کے ساتھ ہنستا ہے (رحمت کا نزول مراد ہے ورنہ اللہ تعالیٰ ہنسنے سے پاک ہے کیونکہ جب کوئی کسی سے سوال کرتا ہے اور وہ ہنستا ہے تو گویا وہ امید کو پوری کرے گا)۔ نبی اکرم ﷺ اس کی بات پر مسکرا پڑے پس آپ کھڑے ہوئے اور منبر پر تشریف لے گئے اور کچھ کلمات کہے اور ہاتھ اٹھائے اور نبی اکرم ﷺ دعا کے لئے صرف استسقاء کے موقع پر ہاتھ اٹھاتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آ جاتی۔

اور آپ کی دعا سے جو کلمات یاد کئے گئے وہ یہ ہیں:

اللَّهُمَّ اسْقِ بَلَدَكَ وَبِهَيْمَتِكَ وَأَنْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ، اللَّهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيثًا مَرِيئًا مَرِيئًا طَبَقًا وَاسْعًا، عَاجِلًا غَيْرَ أَجِيلٍ نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ، اللَّهُمَّ سُقْيَا رَحْمَةً لَا سُقْيَا

یا اللہ! اپنے ملک اور جانوروں کو سیراب کر دے اپنی رحمت کو پھیلا دے اپنے مردہ ملک کو زندہ کر دے یا اللہ! ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو مددگار ہو اس کا انجام اچھا ہو (نقصان دہ نہ ہو) سرسبز کرنے والی تمام جگہوں کو گھیرنے

علامہ زرقاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات ان احادیث کے خلاف ہے جن سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ استسقاء کے علاوہ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے یہ بے شمار احادیث ہیں جن کو امام منذری نے صرف اسی موضوع پر کتاب میں جمع کیا ہے امام نووی نے ”شرح مہذب میں“ تمس کے قریب احادیث ذکر کی ہیں امام بخاری نے بھی اس سلسلے میں مستقل باب باندھا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے علم میں یہ بات نہیں آئی یا یہ کہ اس مخصوص طریقے پر کہ بغلیں نظر آئیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے مطلق اٹھانے کی نفی ہے۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۶۱)



عَذَابٌ وَلَا هَدَمَ وَلَا غَرَقَ وَلَا مَحِقَ، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَانْصُرْنَا عَلَى الْاَعْدَاءِ۔

والی اور کشادہ ہو، فوری ہو اس میں تاخیر نہ ہو، نفع بخش ہو نقصان دہ نہ ہو یا اللہ! رحمت والی بارش ہو، عذاب والی بارش نہ ہو، مکانوں کو گرانے والی، غرق کرنے والی اور مٹانے والی نہ ہو یا اللہ! ہم پر بارش نازل فرما اور ہمیں دشمنوں پر فتح فرما۔

حضرت ابولبابہ بن عبدالمند ررضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کھجوریں سنور میں ہیں (جس جگہ خشک کرنے کے لئے رکھتے ہیں) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”اللہم اسقنا“ یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کھجوریں سنور میں ہیں۔ تین مرتبہ عرض کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”اللہم اسقنا“ یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما حتیٰ کہ حضرت ابولبابہ اسی طرح برہنہ (پورے جسم کا ننگا ہونا مراد نہیں) کھڑے ہوئے اور کھجوروں کے سنور کا سوراخ اپنی چادر سے بند کرنے لگے۔

راوی کہتے ہیں اللہ کی قسم! آسمان میں بادل کی کوئی ٹکڑی نہیں تھی نہ ہی بادل جمع تھے مسجد اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی پردہ بھی حائل نہ تھا پس سلع پہاڑ سے ڈھال جیسے بادل نمودار ہوئے جب آسمان کے درمیان میں پہنچے تو پھیل گئے اور لوگ دیکھ رہے تھے پھر بارش برسنے لگی پس اللہ کی قسم! انہوں نے ہفتہ بھر سورج نہ دیکھا حضرت ابولبابہ ننگے جسم (ستر ڈھانپا ہوا تھا) کھڑے ہوئے اور اپنے سنور کے سوراخ کو چادر سے بند کر دیا تا کہ اس سے کھجوریں نہ نکلیں۔

ایک شخص نے سوال کیا یعنی وہ جس نے طلب بارش کی دعا کے لئے عرض کیا تھا کہ مال ہلاک ہوئے اور راستے ٹوٹ گئے پس نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور دعا مانگی آپ نے اپنے ہاتھوں کو خوب پھیلا کر بلند کیا حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی پھر یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ حَوِّا لَنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاَكَامِ وَالْظَّرَابِ وَبُطُونِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ۔

یا اللہ! ہمارے ارد گرد ہو ہمارے اوپر نہ ہو یا اللہ! ٹیلوں اور پہاڑوں پر اور وادیوں کے دامن میں اور درختوں کی جڑوں میں برے۔

پس بادل مدینہ طیبہ سے اس طرح ہٹ گئے جس طرح کپڑے اپنے پہننے والے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اطمینان آنتوں کو کہتے ہیں یعنی کرسی اس کو اٹھانے اور اس کی عظمت سے عاجز ہو گئی کیونکہ یہ معلوم ہے کہ سوار کی وجہ سے کجاوے کا چرچرانا اس کے اوپر جو کچھ ہے (سوار ہے) اس کی قوت کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ اس کو اٹھانے سے عاجز ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کی مثال دی گئی وہاں حقیقتاً چرچرانا نہیں تھا یہ بات سمجھانے کے لئے ہے اور مقصد اللہ تعالیٰ کی عظمت کا عقیدہ پکا کرنا تھا۔

”طبقاً“ طاء اور باء کے فتح کے ساتھ ہے یعنی زمین کو بھرنے والی اور ڈھانپنے والی ہے۔ کہا جاتا ہے ”غیث طبق“ یعنی عام وسیع بارش۔ ”المربد“ وہ جگہ جہاں کھجوریں خشک کرتے ہیں۔ ”ثعلبہ“ اس مربد کا وہ سوراخ جس سے پانی جاری ہوتا ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:



یا رسول اللہ اتیناک و مالنا صبی یغط ولا  
یعیر یسط۔  
یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس اس حال میں آئے  
ہیں کہ ہمارے پاس کوئی بچہ نہیں جو سو سکے اور نہ کوئی اونٹ  
جو آواز نکالے۔

یعنی ہمارے پاس بالکل کوئی اونٹ نہیں کیونکہ اونٹ کے لئے آواز نکالنا ضروری ہے اور یہ شعر پڑھے:  
اتیناک والعذراء یدمی لبانها  
والقی بکفیہ الفتی لاستکانہ  
ولا شیء مما یاکل الناس عندنا  
ولیس لنا الا الیک فرارنا  
”ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ ہماری کنواری لڑکیوں کے سینے خون آلود ہو گئے اور  
بچے کی ماں بچے سے غافل ہو گئی ہے۔

نوجوان بہادر بھوک کی وجہ سے کمزور ہو گیا اس لئے نہیں ذلت کے طور پر ہار مان لی نہ وہ کڑوی گفتگو کرتا  
ہے اور نہ میٹھی۔

اور ہمارے پاس سوائے عام حنظل (اندرائن کڑوا پھل) اور علمز (ایک کھانا جو وہ لوگ کھاتے  
تھے) کے سوا کچھ نہیں جس سے لوگ کھائیں۔

اور ہمارے لئے آپ کے پاس آنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور لوگوں کے لئے رسولوں کے پاس ہی  
بھاگ کر جانا ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ چادر کھینچتے ہوئے کھڑے ہوئے حتیٰ کہ منبر پر تشریف فرما ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا  
مانگی:

اللہم اسقنا غیثاً مغيثاً مریئاً غداً طباقاً  
نافعاً غیر ضار عاجلاً غیر راثٍ تملأ به الضرع  
وتنبئ به الزرع وتحي به الارض بعد موتيها۔  
یا اللہ! ہمیں مدد دینے والی زیادہ سبزی پیدا کرنے  
والی شاخیں نکالنے والی ہمہ گیر نفع بخش نہ نقصان دینے والی  
فوری دیر نہ کرنے والی بارش عطا فرما جس سے تو تھنوں کو بھر  
دے اور اس کے ذریعے کھیتی (میں سبزی) اگائے اس کے  
ذریعے زمین کو اس کے ویران ہونے کے بعد آباد کرے۔

راوی کہتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ابھی اپنے دست مبارک اپنے سینے کی طرف نہیں لوٹائے تھے کہ آسمان نے اپنی  
چمک ڈال دی (بارش ہو گئی) اور مضافات شہر کے رہنے والے ”ڈوب گئے“ ”ڈوب گئے“ کی فریاد کرتے ہوئے حاضر  
ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہمارے ارد گرد ہوا ہم پر نہ ہو پس بادل مدینہ طیبہ سے چھٹ گئے حتیٰ کہ اس کے گرد تاج کی  
طرح گول دائرہ بن گیا اور نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں مبارک ظاہر ہو گئیں پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ  
ابو طالب کو جزائے خیر دے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں ان کا یہ کلام کون پڑھے گا؟ حضرت علی



المرقزی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! گویا آپ کا ارادہ اس کلام کا ہے:

وابيض يستسقى الغمام بوجهه  
ثم الينامي عصمة لارامل  
تطيف به الهلاك من ال هاشم  
فهم عنده في نعمة وفواضل  
كذبتهم وبيت الله نبزي محمدا  
ولما نطاعن حوله ونناضل  
ونسلمه حتى نصرع حوله  
”وہ سفید چہرے والے جن کے چہرے کے صدقہ میں بارش برسائی جاتی ہے، یتیموں کے بچاء اور بیواؤں کی حفاظت کرنے والے۔“

آل ہاشم میں سے ہلاک ہونے والے ان کے گرد چکر لگاتے ہیں پس وہ بنو ہاشم ان کے نزدیک نعمتوں اور فضل والے ہیں اور بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا کہ ہم حضرت محمد ﷺ کو غالب نہیں کریں گے۔ اور ہم ان کے گرد ان کا دفاع کرتے ہوئے تیر اندازی نہیں کریں گے۔ اور ہم ان کو تمہارے حوالے کر دیں (جس طرح تمہارا مطالبہ ہے نہیں ایسا نہیں ہوگا) حتیٰ کہ ہم ان کے گرد بچھاڑ دیئے جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھی بھول جائیں۔“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں (اسی کی طرف اشارہ ہے)۔

”یدمی لبانہا“ ان کے سینے خون آلود ہو گئے کیونکہ انہوں نے خدمت میں اپنے نفسوں کو مشقت میں ڈالا کہ اس سخت حالت اور قحط سالی کی وجہ سے ان سے خدمت لینے والا ان کو کچھ دے نہیں سکتا۔

”لبان“ اصل میں گھوڑے کی ہار والی جگہ (گردن) کو کہتے ہیں پھر مجازاً انسانوں کے لئے بولا گیا۔

”ما یمر وما یحلی“ بھوک اور کمزوری کی وجہ سے نہ اچھی بات کرتا ہے اور نہ بری بات۔

”سوی الحنظل العامی“ عام کی طرف نسبت ہے کیونکہ یہ قحط سالی کے موقع پر لیا جاتا ہے جس طرح خشک سالی کو ”السنة“ (سال) کہا جاتا ہے۔

”العلہز“ (کسرہ کے ساتھ) جو ہری نے کہا کہ علیہ وہ کھانا جو بھوک کے ساتھ خون اور اونٹوں کے بالوں سے تیار کرتے تھے۔ ”الغسل“ ذلت و رسوائی۔

سہیلی کہتے ہیں اگر تم کہو کہ ابوطالب نے کیسے کہہ دیا ”وابيض يستسقى الغمام بوجهه“ اور انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کے ذریعے بارش طلب کی گئی ہو یہ تو ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس سوال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوطالب نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جو حضرت عبدالمطلب کے زمانے میں ہوا جب انہوں نے قریش کے لئے بارش طلب کی اور نبی اکرم ﷺ ان کے ہمراہ تھے اور ابھی آپ کا بچپن تھا۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ ابوطالب نے خود ان الفاظ کے ساتھ آپ کی تعریف کی ہو جب انہوں نے آپ میں یہ آثار دیکھے اگرچہ انہوں نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا۔

میں مصنف کہتا ہوں ابن عساکر نے جلیہ بن عرفطہ سے روایت نقل کرتے ہوئے کہا کہ میں مکہ مکرمہ میں آیا اور وہ لوگ قحط میں مبتلا تھے قریش نے کہا اے ابوطالب! وادی میں قحط پڑ گیا اور اہل و عیال خشک سالی کا شکار ہو گئے اور آپ ان



میں موجود ہیں کیا آپ ان کے لئے بارش طلب نہیں کرتے؟ ابوطالب باہر نکلے اور ان کے ساتھ ایک بچہ تھا گویا وہ اندھیرے میں چمکنے والا سورج ہے اس سے سیاہ بادل چھٹ گئے اور ان کے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ابوطالب نے اس بچے کو پکڑ کر اس کی پیٹھ کو کعبہ شریف کے ساتھ لگا دیا بچہ نے اپنی انگلی (کے اشارے) سے پناہ طلب کی اور آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا بادل ادھر ادھر سے آنے لگے اور وہ پانی سے بھر گئے اور آپ کے لئے وادی کھل گئی (بارش کے پانی سے بھر گئی) نیز شہروں اور دیہاتوں کے لئے زمین سرسبز و شاداب ہو گئی اسی سلسلے میں ابوطالب نے کہا ”واہیض یستسقی الغمام بوجہہ“۔

### دعا کے ذریعے طلب بارش

چوتھی صورت یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز کے بغیر دعا کے ذریعے بارش طلب فرمائی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قریش نے اسلام لانے میں تاخیر کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی چنانچہ وہ قحط سالی کا شکار ہو گئے حتیٰ کہ وہ ہلاک ہوئے اور انہوں نے مردار اور ہڈیاں کھانا شروع کر دیں ابوسفیان نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے محمد! (ﷺ) آپ صلہ رحمی کی تعلیم دینے کے لئے تشریف لائے اور آپ کی قوم ہلاک ہو گئی پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝  
پس اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان سے واضح  
(الدخان: ۱۰) دھواں آئے گا۔

پھر وہ لوگ کفر کی طرف لوٹ گئے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۝ (الدخان: ۱۶)  
جس دن ہم ان کو بڑی پکڑ کے ساتھ پکڑیں گے۔  
اس سے یوم بدر مراد ہے۔

اسباط نے منصور سے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ ذکر کیا۔  
”پس نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی تو ان پر بارش ہوئی جس نے ان کو سات دن گھیرے رکھا اور لوگوں نے بارش کے زیادہ ہونے کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی: یا اللہ! ہمارے ارد گرد ہو ہم پر نہ ہو۔“ پس آپ کے سر انور سے بادل ہٹنے لگے اور ارد گرد کے لوگوں پر بارش برسائی گئی۔

دمیاطی نے اس بات کا فائدہ دیا کہ قریش کے خلاف دعا کا آغاز اس واقعہ کے بعد ہوا جب انہوں نے آپ کی پیٹھ مبارک پر ذبح شدہ اونٹ کی اوجھری ڈالی اور یہ واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا اور نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا مدینہ طیبہ میں قنوت کے دوران فرمائی۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے۔

اس سے واقعات کا اتحاد لازم نہیں آتا کیونکہ متعدد بار ان کے خلاف دعا مانگنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ابوسفیان ہجرت سے پہلے آئے تھے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے دوبارہ کفر کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی سلسلے میں ہے:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۝ (الدخان: ۱۶)  
جس دن ہم ان کو سخت پکڑ کے ساتھ پکڑیں گے۔



اس سے یوم بدر مراد ہے۔

اور یہ بات منقول نہیں کہ ابوسفیان بدر سے پہلے مدینہ طیبہ میں آئے ہوں اس بنیاد پر اس بات کا احتمال ہے کہ ابوطالب اس موقع پر حاضر ہوں اسی لئے انہوں نے یہ کلمات کہے ”وایض یستسقی الغمام بوجهہ“ لیکن حدیث میں اس طرح بھی آیا ہے جو اس کے مدینہ طیبہ میں واقع پر دلالت کرتا ہے اگر ان واقعات کو متعدد واقعات پر محمول نہ کریں تو اعتراض واقع ہوگا۔

امام بیہقی کی کتاب ”الدلائل“ میں حضرت کعب بن مرہ یا مرہ بن کعب سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مضر قبیلے کے خلاف دعا کی تو ابوسفیان نے حاضر ہو کر عرض کیا اپنی قوم کے لئے دعا کریں وہ ہلاک ہو گئے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت کعب بن مرہ سے روایت کیا اور (نام میں) شک نہیں کیا اور ابوسفیان کا ذکر ابہام کے ساتھ کیا اور کہا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا مضر قبیلے کے لئے بارش کی دعا کریں اور کہا یا رسول اللہ! آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اس نے آپ کی مدد کی آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اس نے آپ کی دعا قبول کی چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی:

اللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيثًا۔ یا اللہ! مدد کرنے والی بارش عطا فرما۔

تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ مبہم شخص جس کے لئے کہا گیا کہ تم جرأت کرنے والے ہو وہ ابوسفیان ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ جس نے کہا ”یا رسول اللہ! آپ نے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی“ وہ کعب بن مرہ ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

امام احمد اور امام حاکم نے حضرت کعب بن مرہ (مذکور) سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ مضر کے خلاف دعا کی تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی آپ کو عطا کیا اور آپ کی دعا کو قبول کیا اور آپ کی قوم ہلاک ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان اور کعب دونوں حاضر ہوئے۔

اور ابوسفیان نے بھی کچھ بات کی۔ یہ اس واقعہ کے ایک ہونے پر دلالت ہے اور اس میں وہ بات ثابت ہے جو آپ کے اس قول میں کہ ”آپ جرأت کرنے والے ہیں“ اور ”اللہم حوالینا ولا علینا“ میں ثابت ہے اور حضرت کعب کا انداز کلام اس بات کی خبر دیتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں ہوا کیونکہ انہوں نے عرض کیا ”آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی“۔

اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ واقعہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا سابقہ واقعہ ایک ہی ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ”کہ نبی اکرم ﷺ ابھی منبر سے نہیں اترے تھے کہ بارش شروع ہو گئی“۔

اور اسی روایت میں ہے ”کہ جمعہ کا دن یا اس کی مثل تھا کہ بارش ہوئی“۔ اور اس واقعہ میں عرض کرنے والا اس واقعہ کے سائل کے علاوہ ہے پس یہ دونوں الگ واقعات ہیں اور دونوں میں طلب بارش کے لئے استدعا ہے پھر بارش اس وقت طلب کی گئی جب بادل نہیں تھے۔

اور اگر ثابت ہو جائے کہ حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے پہلے ایمان لائے تھے تو ان کا قول ”آپ نے



اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی، دشمنانِ اسلام کے خلاف آپ کی دعا کے قبول ہونے پر محمول کیا جائے گا اور پہلے مذکور اعتراض زائل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

### بعض مقامات پر نبی اکرم ﷺ کا بارش کے لئے دعا کرنا

پانچویں صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زوراء کے پاس زیتون کے درختوں کے قریب دعا مانگی اور یہ مسجد کے دروازے باب السلام سے باہر اتنی دور ہے جہاں پھینکا ہوا پتھر پہنچ جائے اور یہ مسجد سے باہر دائیں جانب ہے۔ حضرت عمیر جو ابی اللہم کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا، آپ نے اپنے ہاتھوں کو چہرے کی طرف کر کے اٹھایا ہوا تھا اور وہ سر سے بلند نہیں تھے اس حالت میں آپ بارش کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ آپ نے بعض غزوات میں بارش کے لئے دعا مانگی جب مشرکین پانی کی طرف آپ سے آگے بڑھ گئے اور مسلمان پیا سے ہوئے تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی اور بعض منافقوں نے کہا اگر یہ نبی ہوتے تو اپنی قوم کے لئے پانی طلب کرتے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے طلب فرمایا تھا۔ یہ بات نبی اکرم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: کیا انہوں نے یہ بات کہی ہے عنقریب تمہارا رب تمہیں بارش عطا کرے گا پھر آپ نے ہاتھ پھیلانے اور دعا مانگی پس آپ نے دعا سے ہاتھ واپس نہیں کئے تھے کہ بادلوں سے اندھیرا چھا گیا اور ان پر بارش برسنے لگی یہاں تک کہ وادی میں پانی جاری ہو گیا اور لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۷، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۲)

### فصل نمبر ۳

## استسقاء کی بعض دعائیں

حضرت سالم، حضرت عبد اللہ سے اور وہ اپنے والد سے (رضی اللہ عنہم) مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بارش کے لئے دعا مانگتے تو یوں فرماتے:

اللَّهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِينَ، اللَّهُمَّ إِنَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ وَالْبَهَائِمِ وَالْخَلْقِ مِنَ الْبَلَاءِ وَالْجُحْدِ وَالضَّنْكِ مَا لَا تَشْكُوهُ إِلَّا إِلَيْكَ، اللَّهُمَّ أَنْتَ لَنَا الزَّرْعُ، وَأَنْتَ لَنَا الضَّرْعُ، وَأَسْقِنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمَاءِ، وَأَنْتَ لَنَا مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ، اللَّهُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجُحْدَ وَالْجُوعَ وَالْعُرَى، وَاكْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا

یا اللہ! ہم پر بارش نازل فرما اور ہمیں ناامید ہونے والوں میں سے نہ کرنا، یا اللہ! بندے، شہر، جانور اور مخلوق سخت مشقت اور تنگی میں ہیں جس کی شکایت ہم صرف تیری بارگاہ میں کر سکتے ہیں یا اللہ! ہمارے لئے کھیتی اُگادے، تنجیوں کو (دودھ سے) بھر دے، ہمیں آسمان کی برکات سے سیراب کر دے اور زمین کی برکات سے سبزی اُگادے، یا اللہ! ہم سے مشقت، بھوک اور برہنگی کو دور کر دے اور ہم سے اس



يَكْشِفُهُ غَيْرُكَ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ اِنَّكَ  
كُنْتَ غَفَّارًا، فَارْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْنَا مِدْرَآءً.  
مصیبت کو دور کر دے جسے تیرے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا  
یا اللہ! ہم تجھ سے بخشش کا سوال کرتے ہیں تو بخشنے والا ہے  
پس ہم پر موسلا دھار بارش نازل فرما۔

اسے امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

فصل نمبر ۳

## حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش طلب کرنا

ابو الجوزاء روایت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی، ام المؤمنین نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی طرف دیکھو پس اس سے آسمان کی طرف (چھت میں) طاق (چھوٹی کھڑکیاں) بناؤ حتیٰ کہ قبر شریف کے اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے انہوں نے اسی طرح کیا تو بارش ہو گئی حتیٰ کہ گھاس (اُگی) اور اونٹ اس قدر موٹے ہو گئے کہ چربی پھیلنے لگی چنانچہ اس کو ”عام الفتح“ (وسعت کا سال) کہا گیا۔

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ ابوصالح سمان کی روایت سے حضرت مالک الدار سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط ہو گیا تو ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کے پاس آیا اور عرض کیا اپنی امت کے لئے بارش کا سوال کیجئے، یہ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں تو اس شخص کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔

عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عید گاہ میں طلب بارش کے لئے اہتمام کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ انھیں اور بارش کے لئے دعا کریں۔

حضرت زبیر بن بکار نے ذکر کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ (راء پرز براور میم غیر مشدد ہے) میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگی۔ اس سال کو عام الرمادہ اس لئے کہتے ہیں کہ سخت خشک سالی کی وجہ سے بارش نہ ہوئی اور زمین بہت غبار آلود ہو گئی (رمادہ را کھ کو کہتے ہیں)۔

ابن عساکر نے کتاب الاستقواء میں ذکر کیا کہ اس دن جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارش کے لئے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ عِنْدَكَ سَحَابًا وَعِنْدَكَ مَاءً  
فَاَنْشُرِ السَّحَابَ ثُمَّ اَنْزِلْ مِنْهُ الْمَاءَ ثُمَّ اَنْزِلْهُ  
عَلَيْنَا، وَاشْدُدْ بِهِ الْاَصْلَ وَاطْلُ بِهِ الْفَرْعَ وَادِّرْ بِهِ  
الصَّرْعَ. اَللّٰهُمَّ تَشَفِّعْنَا اِلَيْكَ بِمَنْ لَا مَنْطِقَ لَهُ  
مِنْ بَهَائِمِنَا وَانْعَامِنَا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا سُقْيًا وَادِعَةً  
یا اللہ! بے شک تیرے پاس بادل ہیں اور تیرے  
پاس پانی ہے تو بادلوں کو پھیلا دے پھر ان سے پانی اتار  
دے پھر اسے ہم پر نازل فرما، اس کے ذریعے جڑوں کو  
مضبوط اور شاخوں کو لمبا کر دے اور تھنوں کو بہت دودھ والا  
کر دے یا اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے جانور اور چوپایوں



بَالِغَةً طَبَقًا، اللَّهُمَّ لَا تَرْعُبْ إِلَّا إِلَيْكَ وَخَدَكَ،  
لَا شَرِيكَ لَكَ، اللَّهُمَّ تَشْكُو إِلَيْكَ سَعَبَ كُلِّ  
مَسَاغِبٍ، وَعَدَمَ كُلِّ عَادِمٍ، وَجُوعَ كُلِّ جَائِعٍ،  
وَعُزَى كُلِّ عَارٍ، وَخَوْفَ كُلِّ خَائِفٍ.

کا واسطہ پیش کرتے ہیں جو بول نہیں سکتے 'یا اللہ! ہمیں  
(حاجت کے مطابق) جاری خوب پہنچنے والی اور وسیع بارش  
عطا فرما 'یا اللہ! ہم صرف تیری طرف رغبت رکھتے ہیں 'تیرا  
کوئی شریک نہیں 'یا اللہ! ہم مشقت کے ساتھ بھوکے کی  
بھوک 'ہر معدوم کے عدم اور ہر (مطلق) بھوکے کی بھوک  
ہر ننگے کے ننگا پن اور ہر خوف زدہ کے خوف کی فریاد تیری  
بارگاہ میں کرتے ہیں۔

حضرت زبیر بن بکار کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطے  
سے دعا مانگی تو انہوں نے یوں کہا:

اللَّهُمَّ إِنَّهُ لَمْ يَسْزَلْ بِلَاءٌ إِلَّا بِذَنْبٍ، وَلَمْ  
يَكْشِفْ إِلَّا بِتَوْبَةٍ، وَقَدْ تَوَّجَّهَ بِي الْقَوْمُ إِلَيْكَ  
لِمَكَانِسِي مِنْ نَبِيِّكَ. وَهَلِذِهِ أَيْنِدِينَا إِلَيْكَ  
بِالذُّنُوبِ، وَنَوَاصِينَا إِلَيْكَ بِالتَّوْبَةِ، فَاسْقِنَا  
الْغَيْثَ.

یا اللہ! مصیبت گناہوں کی وجہ سے اترتی ہے اور توبہ  
کے ساتھ دور ہوتی ہے اور قوم نے میرے وسیلے سے تیری  
بارگاہ کی طرف توجہ کی ہے کیونکہ مجھے تیرے نبی کی نسبت  
سے ایک مقام حاصل ہے ہمارے یہ ہاتھ گناہوں کے  
ساتھ تیری طرف (اٹھے ہیں) ہماری پیشانیاں توبہ کے  
ساتھ تیری طرف ہیں پس ہم پر بارش نازل فرما۔

چنانچہ پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے اور زمین شاداب ہو گئی اور لوگ خوشحال ہو گئے۔

ان (زبیر بن بکار) کے نزدیک یوں ہے کہ لوگ قحط زدہ ہو گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی  
اکرم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس طرح سمجھتے تھے جس طرح بچہ اپنے والد کو سمجھتا ہے اے لوگو! نبی اکرم ﷺ  
کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں آپ کی اقتدا کرو اور ان کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بناؤ اس حدیث میں  
یوں آیا کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں تھے کہ بارش ہو گئی۔

اس سلسلے میں عباس بن عتبہ بن ابولہب نے کہا:

عشية يستسقى بشيئته عمر  
اليه فما ان رام حتى اتى المطر  
فهل فوق هذه للمفاخر مفتخر

بعمى سقى الله الحجاز واهله  
توجه بالعباس في الجذب راغبا  
ومنا رسول الله فينا تراثه

امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں اور اہل بیت نبوت کے وسیلہ سے دعا مانگنا مستحب ہے نیز حضرت عباس  
رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تواضع بھی واضح ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت امام  
بخاری نے نقل کی وہ فرماتے ہیں کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگتے اور یوں  
کہتے 'یا اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلے سے تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے تو ہمیں بارش عطا کرنا اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا  
مانگتے ہیں تو ہمیں بارش عطا کرنا فرماتے ہیں اسی وقت بارش ہو جاتی تھی۔



”میرے چچا کے وسیلہ سے حجاز اور حجاز والوں کو اللہ تعالیٰ نے بارش عطا فرمائی اس رات جب ان کے بڑھاپے کے وسیلے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے لئے دعا کی۔  
آپ نے خشک سالی میں امید کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو ان کے ارادہ کرتے ہی بارش آگئی۔

رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہیں اور ان کی وراثت (علوم و معارف و شرافت) ہمارے پاس ہے تو کیا کسی فخر کرنے والے کے لئے اس سے بڑی فخر کی بات ہو سکتی ہے؟“

تیسری قسم

## نبی اکرم ﷺ کی نماز سفر

اس میں کئی فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

## نماز میں آپ کا قصر کرنا اور اس کے احکام

پہلی نوع

## کتنی رکعات میں نبی اکرم ﷺ قصر فرماتے تھے؟

اس مقصد کے شروع میں یہ بات گزر گئی ہے کہ قصر رخصت ہے یا عزیمت؟

اور دونوں قولوں کے دلائل بھی بیان ہو چکے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ میں چار رکعات پڑھی ہیں اور آپ مکہ مکرمہ کے ارادے سے نکلے تو ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔

اہل ظاہر نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ہر قسم کے سفر میں قصر کو جائز قرار دیا وہ لمبا سفر ہو یا چھوٹا۔ کیونکہ مدینہ طیبہ اور ذوالحلیفہ کے درمیان چھ میل اور ایک قول کے مطابق سات میل کی مسافت ہے۔

جمہور کے نزدیک صرف اس سفر میں قصر جائز ہے جو دو مرحلوں کو پہنچے حضرت امام ابو حنیفہ اور ایک گروہ نے تین مراحل کی شرط رکھی ہے اور صحابہ کرام سے مروی آثار پر اعتماد کیا ہے۔

لیکن اس حدیث میں اہل ظاہر کے لئے کوئی دلالت نہیں کیونکہ مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حجۃ الوداع

۱۔ سفر میں چار رکعتیں ہی پڑھنا عزیمت ہے اور دو پڑھنا رخصت ہے احناف کے نزدیک رخصت پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ ۲۔ ہزاروی



کے موقع پر مکہ مکرمہ کی طرف سفر کیا تو مدینہ طیبہ میں ظہر کی نماز چار رکعات پڑھیں۔  
جب عصر کا وقت ہوا تو اس وقت آپ ذوالحلیفہ میں حالت سفر میں تھے پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں یہ مراد نہیں کہ سفر کی انتہاء ذوالحلیفہ پر ہوئی پس اس میں قطعاً (اس بات پر) دلالت نہیں (کہ تھوڑی مسافت پر قصر کا حکم ہے)۔  
اور مطلق احادیث قرآن مجید (کی آیت) کے ساتھ مل کر ایک دوسری کو مضبوط کرتی ہیں کہ جب کوئی شخص گھر سے نکلے تو اس کے لئے قصر جائز ہے جب وہ شہر (کی حدود) سے نکلے کیونکہ وہ اس وقت مسافر ہوتا ہے۔  
طویل سفر ہاشمی میل کے حساب سے اڑتالیس میل ہے اور یہ بارہ فرسخ ہیں جو چار برید بنتے ہیں اور زمین کا میل حد نگاہ کو کہتے ہیں کیونکہ آدمی کی نگاہ اس سے زمین کی طرف مائل (متوجہ) ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کا ادراک فنا ہو جاتا ہے۔ ابن جوزی نے اس بات کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے۔  
کہا گیا ہے کہ اس کی حد یہ ہے کہ تم کسی ہموار زمین میں کسی شخص کو دیکھو تو پتہ نہ چلے کہ یہ مرد ہے یا عورت یا معلوم نہ ہو کہ وہ جارہا ہے یا آ رہا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میل چھ ہزار گز کا ہوتا ہے اور ایک گز چوبیس انگلیوں کی چوڑائی کے حساب سے ہے دوسرے حضرات نے لوہے کے گز سے جو آج کل مصر اور حجاز مقدس میں استعمال ہوتا ہے اس کا اندازہ لگایا تو وہ لوہے کے گز سے آٹھویں حصے کے برابر کم نکلا۔

پس اس بنیاد پر لوہے کے گز کے حساب سے میل پانچ ہزار دو سو پچاس گز بنتے ہیں یہ بہت بڑا فائدہ بہت کم لوگ اس سے آگاہ ہیں (آج کل مسافت سفر بانوے (۹۲) کلومیٹر ہے)۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عطاء رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) دور کعتیں پڑھتے تھے یعنی چار برید یا اس سے زیادہ مسافت کی صورت میں چار رکعات میں قصر کرتے تھے۔  
امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں تعلیقاً ایسے الفاظ کے ساتھ نقل کیا جو قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں۔  
اور بعض حضرات نے اسے ”صحیح ابن خزیمہ سے“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا۔  
شروع میں نماز دو رکعتیں فرض تھی جب نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کی تو چار فرض ہو گئیں۔

یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کی ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس سے ٹکراتی ہے وہ فرماتے ہیں نماز غیر سفر میں چار رکعات اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہوئی۔  
ان دونوں روایتوں کو جمع کرنے کے سلسلے میں طویل بحث ہے۔

پھر جب چار رکعات فرض مستقل ہو گئے تو سفر کی حالت میں ان میں تخفیف کر دی گئی جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ

پس تم پر کوئی حرج نہیں کہ نماز میں قصر کرو۔

الصَّلَاةِ. (النساء: ۱۰۱)

اس کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے ابن اثیر نے ”شرح مسند میں“ ذکر کیا کہ چار ہجری میں نماز میں قصر کا حکم ہوا یہ بھی کہا گیا کہ ۲ھ کے مہینے ربیع الثانی میں نماز میں قصر کا حکم ہوا یہ بات دولابی نے ذکر کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہجرت



کے چالیس دن بعد یہ حکم دیا گیا۔

دوسری نوع

## اقامت کے ساتھ قصر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے تو آپ دو دور کعتیں پڑھتے تھے حتیٰ کہ ہم مدینہ طیبہ کی طرف واپس آئے پوچھا گیا کیا تم مکہ مکرمہ کچھ دن ٹھہرے؟ فرمایا ہم وہاں دس دن ٹھہرے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا اور امام مسلم نے اختصار کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ دس دن ٹھہرے اور ہم قصر کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ انیس دن ٹھہرے اور آپ قصر کرتے رہے پس ہم جب انیس دن ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں اور جب زیادہ ٹھہریں تو پوری نماز پڑھتے ہیں۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں سترہ دن رہے اور نماز میں قصر کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر نبی اکرم ﷺ مزید ٹھہرتے تو پوری نماز پڑھتے۔

پہلی روایت میں ثناء سین سے مقدم ہے (تسع ہے) اور دوسری روایت میں سین ثناء پر مقدم ہے (سبعة ہے)۔

ابوداؤد نے عمران بن حصین سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ فتح مکہ میں شرکت کی پس آپ مکہ مکرمہ میں اٹھارہ راتیں رہے اور صرف دو کعتیں پڑھتے تھے۔

انہوں (ابوداؤد) نے محمد بن اسحاق کے طریق سے بھی روایت کیا وہ امام زہری سے وہ حضرت عبید اللہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں پندرہ دن ٹھہرے اور نماز میں قصر کرتے رہے۔

امام بیہقی نے اس اختلاف کو یوں جمع کیا کہ جس نے انیس دن کا قول کیا اس نے داخل ہونے اور تشریف لے جانے کے دو دنوں کو بھی شامل کیا اور جس نے سترہ دن کا قول کیا اس نے ان دنوں کو حذف کیا جس نے اٹھارہ دن کا قول کیا اس نے ایک کو شامل کیا۔ امام بیہقی نے اسی طرح جمع کیا جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

پندرہ دنوں والی روایت کو امام نووی رحمہ اللہ نے ”الخلاصہ میں“ ضعیف قرار دیا لیکن یہ تضعیف (کمزور قرار دینا) صحیح نہیں کیونکہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس میں ابن اسحاق منفرد نہیں ہیں کیونکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے عراق (راوی) کی روایت سے نقل کیا۔

جب ثابت ہو گیا کہ یہ روایت صحیح ہے تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ راوی نے اصل سترہ دن گمان کئے اور ان میں داخل ہونے اور واپسی کا دن نکال دیا اور پندرہ کا ذکر کیا اس کا تقاضا یہ ہے کہ انیس دنوں والی روایت کو سب سے



زیادہ ترجیح ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی حدیث کو اختیار کیا (جس میں اٹھارہ دنوں کا ذکر ہے) لیکن اس کا محل ان کے نزدیک اس شخص سے متعلق ہے جو اقامت کی نیت نہ کرے کیونکہ جب مدت مذکورہ گزر جائے تو نماز کو پورا کرنا ضروری ہے اگر شروع میں چار دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے تو نماز کو پورا کرے پھر آپ کے شاگردوں میں اختلاف ہے کہ داخل ہونے اور واپسی کا دن داخل ہیں یا نہیں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث فتح مکہ کے بارے میں ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام چوتھے دن کی صبح پہنچے اور اس میں شک نہیں کہ مکہ مکرمہ سے چودھویں دن کی صبح واپس ہوئے پس مکہ مکرمہ اور اس کے نواحی میں ٹھہرنے کی مدت دس دن اور دس رات ہوئی جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور مکہ مکرمہ میں اس کے علاوہ چار دن ٹھہرے کیونکہ چوتھے دن تشریف لائے اور آٹھویں دن وہاں سے باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز منیٰ میں ادا کی۔ اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسافر جب کسی شہر میں مقیم ہو تو چار دن قصر کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو مدت بیان ہوئی ہے اس سے ان لوگوں کے حوالے سے استدلال صحیح ہے جو اقامت کی نیت نہ کریں بلکہ انہیں تردد ہو کہ جب بھی ان کا کام ہو گیا وہ واپس چلے جائیں گے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس مدت کا ذکر ہے وہ اس کے بارے میں ہے جو اقامت کی نیت کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے دنوں میں اس مدت میں ٹھہرنے کی پکی نیت کی تھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جب مقیم کے لئے اصل پوری نماز پڑھنا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نہیں آئی کہ آپ نے سفر میں اس مدت سے زیادہ قیام کیا ہو تو اس کو قصر نماز کی انتہا قرار دیا۔ واللہ اعلم

فصل نمبر ۲

## دونمازوں کو جمع کرنا

اس میں دونوع ہیں۔



## پہلی نوع

## نبی اکرم ﷺ کا جمع کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو وقت عصر تک مؤخر کرتے پھر اتر کر دونوں نمازوں کو جمع کرتے اور جب سورج ڈھل چکا ہوتا تو کوچ کرنے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھتے پھر سوار ہوتے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا ارادہ فرماتے تو ظہر کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ وقت عصر کا آغاز ہو جاتا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ نے جلدی سفر پر نکلنا ہوتا تو ظہر کو عصر کے ابتدائی وقت تک مؤخر کرتے پھر دونوں کو جمع کرتے اور مغرب کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ اسے اور عشاء کو جمع کرتے۔

”صحیح بخاری کی“ ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں نمازوں کو سفر میں جمع فرماتے تھے یعنی مغرب اور عشاء کو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر اور عصر کی نماز کو جمع کرتے جب سفر کرنا ہوتا۔ ”صحیح مسلم میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے جب غزوہ تبوک کی طرف سفر کیا تو آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا۔

امام مسلم، امام مالک، امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا کہ صحابہ کرام غزوہ تبوک میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تشریف لے گئے تو آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع فرمایا پس ایک دن ظہر کو مؤخر کر دیا پھر باہر تشریف لائے تو ظہر و عصر کو اکٹھا پڑھا اور اندر تشریف لے گئے پھر تشریف لائے تو مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا۔

ابو داؤد اور ترمذی کی ایک روایت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ آپ غزوہ تبوک میں تھے جب سورج ڈھل گیا اور ابھی آپ نے کوچ نہیں کیا تھا تو آپ نے ظہر و عصر کو جمع کیا اگر آپ سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ نماز عصر کے لئے اترتے۔

مغرب میں بھی اسی طرح کرتے تھے اگر کوچ کرنے سے پہلے سورج غروب ہو جاتا تو مغرب و عشاء کو جمع کرتے اور اگر سورج کے غروب ہونے سے پہلے کوچ کرتے تو مغرب کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ عشاء کے لئے اترتے پھر ان کو جمع کرتے۔ ۲

۱۔ احناف کے نزدیک جمع صوری جائز ہے ہر نماز اپنے وقت پر ہو ظہر آخروقت میں اور عصر اول وقت میں ہو ان احادیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آپ نے ظہر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جمع صوری تھی یعنی ظہر کی نماز آخروقت میں اور عصر کی شروع وقت میں اس طرح مغرب و عشاء کی نمازوں کو پڑھا لہذا ہر نماز اپنے وقت پر ہوئی اور قرآن مجید میں اس بات کا حکم ہے کہ نماز اپنے اپنے وقت پر فرض ہے۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کو ظہر کے وقت میں اور عشاء کو مغرب کے وقت میں پڑھا جاتا تھا لیکن امام زرقانی فرماتے ہیں یہ حدیث معلول ہے ائمہ کی ایک جماعت نے اسے معلول قرار دیا لیث سے روایت میں قیقبہ متفرد ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۷۳)



## دوسری نوع

## عرفات اور مزدلفہ میں جمع کرنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھا۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، اور امام ابو داؤد رحمہم اللہ نے نقل کیا اور امام بخاری نے یہ اضافہ کیا کہ دونوں نمازوں کو ایک ہی اقامت سے پڑھا اور درمیان میں نفل (اور سنتیں وغیرہ) نہیں پڑھے۔ ”صحیح مسلم میں ہے کہ“ آپ نے مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع کیا اور مغرب کی تین جب کہ عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں اکٹھی پڑھی۔ ”سنن نسائی کی“ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اقامت سے پڑھیں۔

حضرت جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان سے پڑھیں اور ان کے درمیان (سنتیں اور) نفل نہیں پڑھے اور نہ ہی اقامت کہی اور مغرب و عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں اور درمیان میں نفل نہیں پڑھے۔

## فصل نمبر ۳

## سفر میں نبی اکرم ﷺ کا نفل پڑھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفر کیا یہ حضرات ظہر اور عصر کی دو دور کعتیں پڑھتے اور ان سے پہلے اور بعد میں نماز (نفل وغیرہ) نہ پڑھتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر میں ان رکعتوں سے پہلے اور بعد میں کچھ پڑھوں تو ان کو پورا کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۰۲)

ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی تو میں نے آپ کو سفر میں نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا یعنی فرض نماز سے پہلے اور بعد وہ نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا جو آپ ہمیشہ پڑھتے تھے اور یہ بات ان کے اس قول سے حاصل کی گئی ہے جو دوسری روایت میں ہے کہ آپ سفر میں دو رکعتوں پر اضافہ نہیں فرماتے تھے۔

ابن دقیق العید نے کہا کہ اس لفظ میں احتمال ہے کہ فرض نماز کی رکعتوں پر اضافہ مراد ہو تو یہ نماز مکمل نہ کرنے سے



کنایہ ہوگا اور اس سے مراد ہمیشہ قصر کرنا ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ نفل نماز کا اضافہ نہیں کرتے تھے اور ممکن ہے اس سے بھی عام مراد ہو۔

”صحیح مسلم کی“ ایک روایت میں ہے (حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں) میں نے مکہ مکرمہ کے راستے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحبت اختیار کی تو آپ نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر آپ بھی چل پڑے اور ہم بھی چلے حتیٰ کہ جب منزل پر پہنچے تو آپ بھی تشریف فرما ہوئے اور ہم بھی بیٹھے اچانک آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں فرمایا یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا نفل پڑھ رہے ہیں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں نفل پڑھنے والا ہوتا تو (فرض نماز کو) مکمل کرتا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کرام نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کا جواب یوں دیا ہے کہ فرض نماز حتمی ہے اگر اس کو پورا کرنا جائز ہوتا تو اس کا پورا کرنا بھی حتمی ہوتا لیکن نفل نماز کے لئے نمازی کو اختیار ہے کہ اس میں نرمی کا طریقہ یہ ہے کہ نفل پڑھنا جائز ہو لیکن اس سلسلے میں اختیار دیا جائے۔

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے مراد یہ ہے کہ اگر فرض نماز کو پورا کرنے اور نفل (سنتیں وغیرہ) پڑھنے کے درمیان اختیار دیا جاتا تو فرض نماز کو مکمل کرنا مجھے زیادہ پسند تھا لیکن انہوں نے قصر سے یہ بات سمجھی کہ تخفیف مطلوب ہے اس لئے وہ نوافل (اور سنتیں وغیرہ) بھی نہیں پڑھتے تھے اور نماز کو مکمل (چار رکعات) نہیں کرتے تھے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سواری پر وتر پڑھتے تھے انہوں نے ”باب الوتر فی السفر“ کے عنوان سے باب قائم کیا اور ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا جو کہتے ہیں کہ سفر میں وتر پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ یہ بات حضرت ضحاک سے منقول ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۶۲۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ اگر میں نے نوافل (وغیرہ) پڑھنے ہوتے تو (فرائض کو) پورا کرتا جیسے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے تو انہوں نے سنت مؤکدہ مراد لئے ہیں مقصودی نفل جیسے وتر مراد نہیں یہ بات امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث سے معلوم ہوئی جو ان الفاظ میں منقول ہے کہ اگر میں ان (دو فرض رکعتوں) سے پہلے یا بعد میں کچھ پڑھتا تو اسی کو پورا کر دیتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے چار اور بعد کی دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔ تو اس میں واضح نہیں کہ آپ سفر میں بھی اسی طرح کرتے تھے ہو سکتا ہے کہ ام المؤمنین نے آپ کے عام حالات یعنی اقامت کے بارے میں خبر دی ہو اور سفر کے حالات عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے دوسروں کی اتباع میں ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا ہے کہ شاید نبی اکرم ﷺ سنت مؤکدہ اپنی منزل میں پڑھتے ہوں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کو نہ دیکھا ہو یا بعض اوقات یہ بتانے کے لئے چھوڑ دیئے ہوں کہ نہ پڑھنا بھی جائز ہے۔

”جامع ترمذی کی“ روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ



کے ہمراہ ظہر کی نماز سفر میں دور کعتیں پڑھیں اور اس کے بعد بھی دور کعتیں پڑھیں۔

ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ سفر و حضر میں نماز پڑھی ہے، حضر (حالت اقامت میں) میں نے آپ کے ساتھ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد دور کعتیں پڑھیں اور سفر میں آپ کے ہمراہ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد دور کعتیں پڑھی ہیں اور عصر کی دور کعتیں پڑھیں اس کے بعد کچھ نہیں پڑھا اور مغرب کی نماز سفر و حضر میں تین رکعات ہیں وہ حضر اور سفر میں کم نہیں ہوتیں اور یہ دن کی وتر (طاق) نماز ہے اور اس کے بعد دور کعتیں ہیں۔

”صحیح مسلم میں“ صبح کی نماز سے سو جانے والے واقعہ کے سلسلے میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صبح سے پہلے دور کعتیں ادا فرمائیں پھر صبح کی نماز پڑھی جیسا کہ پڑھا کرتے تھے۔  
”الہدی النبوی کے“ مصنف (ابن قیم) نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے یہ بات یاد نہیں کہ آپ نے سفر میں (فرض) نماز سے پہلے یا بعد سنتیں پڑھی ہوں مگر فجر کی سنتیں پڑھتے تھے۔

ابن قیم کے اس مطلق قول پر اس حدیث کے ذریعے اعتراض ہوتا ہے جو ہم نے ترمذی کی روایت سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے اور جو کچھ امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ اٹھارہ سفر کئے ہیں لیکن میں نے نبی کریم ﷺ کو سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے دور کعتوں کو ترک کرتے ہوئے نہیں دیکھا گویا یہ حدیث ابن قیم کے نزدیک ثابت نہیں لیکن امام ترمذی نے اس کو غریب قرار دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اسے حسن قرار دیا بعض علماء نے اسے وقت زوال کی سنتوں پر محمول کیا ظہر سے پہلے کی سنت مؤکدہ قرار نہیں دیا (کیونکہ ظہر سے پہلے چار سنتیں ہیں)۔  
فصل نمبر ۴

## نبی اکرم ﷺ کا حالت سفر میں جانور پر نفل پڑھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی نفل نماز پڑھتے آپ کی اونٹنی جدھر بھی متوجہ ہوتی۔  
ایک روایت میں ہے کہ آپ نماز پڑھتے اس حالت میں کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے جاتے جدھر بھی رخ ہوتا اور اسی سلسلے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا فَنَمَّ وَجْهُ اللَّهِ. (البقرہ: ۱۱۰)

جدھر بھی پھروادھر ہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دراز گوش پر (نفل) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ خیبر کی طرف متوجہ تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ اونٹ پر (نفل) نماز پڑھ رہے تھے۔

مختلف شہروں کے فقہاء کرام نے ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے حالت سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا۔ سواری کا رخ جدھر بھی ہو البتہ امام احمد اور ابو ثور رحمہما اللہ اس بات کو مستحب قرار دیتے ہیں کہ نماز کے آغاز



میں تکبیر کے وقت قبلہ رخ ہو اور اس سلسلے میں دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب سفر میں نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو قبلہ رخ ہوتے پھر آپ کی سواری جدھر بھی رخ کرتی آپ نماز پڑھتے۔

جمہور اس طرف گئے ہیں کہ جانور (سواری) پر نفل پڑھنا جائز ہے چاہے سفر لمبا ہو یا چھوٹا البتہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے لمبے سفر کے ساتھ خاص کیا ہے اور اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ احادیث نبی اکرم ﷺ کے سفروں کے سلسلے میں وارد ہیں اور آپ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے کوئی چھوٹا سفر کیا ہو اور اس میں یہ طریقہ اختیار کیا ہو۔ جبکہ جمہور کی دلیل اس سلسلے میں روایات کا اطلاق ہے۔

یہ الفاظ کہ ”آپ دراز گوش پر نماز پڑھتے تھے“ اس سلسلے میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دارقطنی وغیرہ نے فرمایا کہ یہ عمرو بن یحییٰ مازنی سے غلط (منقول) ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی نماز اونٹنی یا اونٹ پر معروف ہے اور درست بات یہ ہے کہ دراز گوش پر نماز حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل ہے جیسا کہ امام مسلم نے ذکر کیا۔

پھر فرمایا کہ اس کے راوی کو غلط قرار دینا محل نظر ہے کیونکہ یہ ثقہ راوی ہیں انہوں نے ایسی بات نقل کی جس میں احتمال ہے۔ شاید ایک آدھ مرتبہ دراز گوش ہو اور اونٹ ایک یا زیادہ مرتبہ ہو لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ شاذ ہے جمہور کی روایت کے خلاف ہے اور شاذ روایت مردود ہوتی ہے۔

حضرت یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (حضرت یعلیٰ کے دادا سے) روایت کرتے ہیں کہ وہ لوگ ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے وہ ایک تنگ مقام تک پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا پس ان پر اوپر سے بارش برسنے لگی اور نیچے زمین گیلی ہو گئی نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر تھے آپ کو اجازت دی گئی تو آپ نے ان کو نماز پڑھائی آپ اشارہ فرماتے اور رکوع (کے اشارے) سے سجدے (کے اشارے) کو کچھ پست رکھتے۔

چوتھی قسم

## نبی اکرم ﷺ کی نماز خوف

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آئے حتیٰ کہ جب ”ذات الرقاع“ تک پہنچے تو ایک درخت کے پاس پہنچے جس کا سایہ گھنا تھا ہم نے وہ درخت نبی اکرم ﷺ کے لئے چھوڑ دیا اس دوران مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور نبی اکرم ﷺ کی تلوار درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی اس نے اسے میان سے نکالا اور کہا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں؟ فرمایا نہیں اس نے کہا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ فرمایا اللہ صحابہ کرام نے اسے ڈرایا دھمکایا اور تلوار کو میان میں کیا اس کے بعد نماز کھڑی ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ایک گروہ کو دور کعتیں پڑھائیں پھر وہ

۱۔ امام زرقاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت یعلیٰ بن مرہ حدیبیہ وغیرہ میں شریک ہوئے اور ان کے والد مرہ کے لئے صحابیت ثابت ہے لیکن ان کے دادا کے لئے صحبت ثابت نہیں اور یہ حدیث خود حضرت یعلیٰ سے مروی ہے۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۷۷)



پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے گروہ کو دور کعتیں پڑھائیں تو اس طرح نبی اکرم ﷺ نے چار رکعات پڑھیں اور صحابہ کرام نے دور کعتیں ادا کیں۔

”صحیح مسلم میں ہے کہ“ ہم نے نبی اکرم ﷺ کے پیچھے دو صفیں باندھیں اور دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا، نبی اکرم ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم سب نے بھی تکبیر کہی پھر آپ نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ہم سب نے بھی اٹھایا پھر آپ اور جو صف آپ سے متصل تھی سجدے میں چلے گئے اور پچھلی صف دشمنوں کے مقابلے میں کھڑی رہی، نبی کریم ﷺ سجدے سے فارغ ہوئے اور آپ سے متصل صف کھڑی ہو گئی تو دوسری صف سجدے میں گئی اور پھر کھڑے ہو گئے پھر پچھلی صف آگے آ گئی اور پہلی صف پیچھے چلی گئی اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے رکوع کیا اور ہم نے بھی رکوع کیا پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ہم سب نے بھی اٹھایا پھر آپ اور آپ سے متصل صف سجدے میں چلی گئی جو پہلی رکعت میں پیچھے تھی اور دوسری صف دشمن کے سامنے کھڑی رہی جب نبی اکرم ﷺ اور آپ سے متصل صف سجدے سے فارغ ہوئی تو پچھلی صف سجدے میں چلی گئی اور انہوں نے سجدہ کیا پھر نبی کریم ﷺ نے سلام پھیرا اور ہم سب نے بھی سلام پھیرا۔

”صحیح مسلم و بخاری میں“ یزید بن رومان کی حدیث ہے جو صالح بن خوارت سے مروی ہے وہ اس سے روایت کرتے ہیں جس نے ذات الرقاع والے دن نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز خوف ادا کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک گروہ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صف باندھی اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابل تھا آپ نے اس گروہ کو ایک رکعت پڑھائی پھر کھڑے رہے اور ان لوگوں نے اپنی نماز خود مکمل کی اور واپس جا کر دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور دوسرا گروہ آیا آپ نے ان کو وہ رکعت پڑھائی جو باقی تھی پھر آپ بیٹھے رہے اور ان لوگوں نے اپنی نماز خود مکمل کی اور آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے نماز خوف کے بارے میں جو کچھ سنا ہے یہ (مذکورہ بالا) اس میں سے سب سے اچھا ہے امام مالک رحمہ اللہ نے اس طریقے کو ترجیح دی ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے اس ترجیح پر ان کی موافقت کی ہے کیونکہ یہ طریقہ زیادہ مخالفت سے محفوظ ہے اور لڑائی کے سلسلے میں زیادہ محتاط بھی ہے۔

حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کیا تو ہم نے دشمن کے مقابلے میں صف بندی کی، نبی اکرم ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہوا اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل گئی، نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ کھڑے نمازیوں نے رکوع کیا اور دو سجدے کئے پھر وہ لوگ اس گروہ کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ لوگ آئے اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو ایک رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی پھر ان میں سے ہر ایک نے خود ایک رکوع اور دو سجدے کئے (اور نماز مکمل کی)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لوگوں کو حالت خوف میں وادی نخل کے دامن میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے تو آپ نے ایک گروہ کو دور کعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا اس کے بعد دوسرا گروہ آیا تو ان کو دو



رکعتیں پڑھا کر سلام پھیرا۔ اس حدیث کو امام بغوی نے ”شرح السنہ“ میں روایت کیا۔ ۱

(معجم ماہ استیعجام ج ۳ ص ۱۳۰۳، معجم البلدان ج ۵ ص ۲۷۶)

انہی (حضرت جابر رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ضحیان اور عسفان کے درمیان اترے تو مشرکین نے کہا ان لوگوں کی ایک نماز ہے جو ان کو ان کے باپوں بیٹوں اور ماؤں سے بھی زیادہ محبوب ہے اور یہ نماز عصر ہے پس انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان پر یک دم حملہ کر دیں، حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنے صحابہ کرام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں اور ان کو نماز پڑھائیں ایک گروہ ان کے پیچھے کھڑا ہو اور اپنا بچاؤ اختیار کریں اور اسلحہ سے لیس ہوں پس ان کے لیے ایک رکعت اور حضور علیہ السلام کی دو رکعتیں ہوئیں۔

ابن حزم نے کہا اس میں یعنی نماز خوف کے سلسلے میں چودہ طریقے صحیح ثابت ہیں اور انہوں نے مستقل رسالے میں ان کو بیان کیا۔

ابن عربی نے ”القیس میں“ فرمایا کہ اس سلسلے میں بے شمار روایات ہیں جن میں سے سولہ روایات مختلفہ صحیح ہیں انہوں نے ان کو بیان نہیں کیا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم میں“ اسی طرح فرمایا لیکن انہوں نے بھی ان کو بیان نہیں کیا۔

حافظ زین الدین عراقی نے ”شرح ترمذی میں“ ان کو بیان کیا اور مزید ایک وجہ بیان کی پس یہ سترہ طریقے ہو گئے لیکن ممکن ہے کہ ایک دوسرے میں داخل ہوں۔

”الہدی کے“ مصنف (ابن قیم) نے کہا کہ اصولی طور پر چھ طریقے ہیں اور بعض نے ان کو زیادہ قرار دیا اور ان لوگوں نے جب بھی کسی واقع میں راویوں کا اختلاف دیکھا تو اس کو نبی اکرم ﷺ کا الگ مستقل عمل قرار دیا حالانکہ وہ راویوں کا اختلاف ہے۔

یہی بات قابل اعتماد ہے حافظ عراقی نے جو داخل کا امکان بیان کیا وہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ابن قسار مالکی نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز خوف دس مرتبہ پڑھی ہے۔ ابن عربی نے کہا چوبیس بار پڑھی ہے۔ خطابی کہتے ہیں مختلف دنوں میں مختلف شکلوں میں پڑھی ہے۔

اس میں اس صورت کو تلاش کیا جائے جو نماز کے لئے زیادہ محتاط ہے اور زیادہ حفاظت کا باعث ہو اگرچہ صورتیں مختلف ہیں لیکن معنی ایک ہی ہے۔

کتب فقہ میں ان صورتوں کی بہت تفصیل ہے اور اس کے فروع ہیں جن کا ذکر طویل ہے۔ (فتح الباری میں ان کو نقل کیا گیا ہے)۔ ۲

۱۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے (زر قانی ج ۸ ص ۸۰) ویسے بھی خلاف عقل ہے کیونکہ دو مرتبہ الگ الگ سلام کے ساتھ ذکر ہے گویا حضور ﷺ نے دو مرتبہ فرض پڑھے یا ایک نماز کو دو مرتبہ ملانے کے ساتھ پڑھا۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ نماز خوف کے سلسلے میں یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں جب سب لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں ورنہ آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک امام ایک گروہ کو نماز پڑھائے اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابل ہو اور پھر دوسرا امام دوسرے گروہ کو پڑھائے اور پہلا گروہ دشمن کے

مقابلے میں کھڑا ہو۔ ۱۲ ہزاروی



## پانچویں قسم

## نبی اکرم ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا

اس قسم میں چار انواع ہیں۔

## پہلی نوع

## تکبیرات کی تعداد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو نجاشی بادشاہ کے وصال کی اطلاع ہوئی جب اس کا انتقال ہوا آپ صحابہ کرام کو لے کر عید گاہ میں تشریف لے گئے اور ان کی صف بندی کر کے چار تکبیریں کہیں۔  
 ”جامع ترمذی میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں اور پہلی تکبیر میں ہاتھ بلند کر کے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔

## دوسری نوع

## قرأت و دعا

ابن منذر نے حضرت ابن مسعود، حسن بن علی، ابن زبیر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم سے نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کی قرأت کے جواز کا قول نقل کیا ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق بھی یہی بات کہتے ہیں۔  
 حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں ابن مالک اور کوفیوں کا یہی قول ہے۔ (حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے مصنف نے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا نام لینے کی بجائے کوفیوں کا ذکر کیا۔ ۱۲ ہزاروی)۔

عبدالرزاق اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ بن سہیل بن حنیف سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر کہے سورۃ فاتحہ پڑھے پھر نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجے پھر خالص میت کے لئے دعا کرے اور صرف پہلی تکبیر کے بعد قرأت کرے۔

”صحیح بخاری میں ہے“ حضرت سعد، حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا (اس لئے پڑھی ہے) تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔

۱۔ چونکہ نماز جنازہ دعا ہے لہذا اگر اس میں سورۃ فاتحہ بطور دعا پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں البتہ قرأت کے طور پر نہیں پڑھ سکتے کیونکہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں اسی لئے احناف کے نزدیک سورۃ فاتحہ کی بجائے دعا پڑھی جاتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی



اس حدیث میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ سورہ فاتحہ کب پڑھی؟ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی اس میں وضاحت ہے اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ تکبیر اولیٰ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جس طرح حافظ زید الدین عراقی نے ”شرح ترمذی میں“ ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھی اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ صحیح نہیں اور صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ”من السنة“ کے الفاظ مروی ہیں یعنی سنت یہ ہے۔ اور ان کا یہ قول دونوں صیغوں کے درمیان فرق کی طرف لوٹتا ہے اور شاید انہوں نے صراحت اور احتمال کے درمیان فرق کا ارادہ کیا۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی تو ہمیں آپ کی دعا کے یہ الفاظ یاد ہیں:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ، وَعَافِهِ، وَأَعْفُ عَنْهُ،  
وَأكْرِمْ نُزُلَهُ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ  
وَالثَّلِجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنْقَى الثَّوْبُ  
الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ،  
وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ، وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ،  
وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ  
عَذَابِ النَّارِ.

یا اللہ! اس کو تو بخش دے! اس پر رحم فرما! اس کو عافیت  
عطا فرما اور معاف کر دے! اس کی اچھی مہمان نوازی فرما اور  
اس کی قبر کو کشادہ کر دے! اس کو پانی، برف اور اولوں سے دھو  
دے اور اس کو خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح  
سفید کپڑا میل سے پاک کر دیا جاتا ہے اور اس کے اس گھر کو  
اچھے گھر میں بدل دے! اس گھر انے سے اچھا گھر انہ اور اس  
کی بیوی سے اچھی بیوی عطا فرما! اس کو جنت میں داخل فرما اور  
اس کو عذاب قبر اور جہنم کے عذاب سے بچالے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۲-۶۶۳، سنن نسائی ج ۱ ص ۵۲-ج ۲ ص ۷۳، مسند احمد ج ۶ ص ۲۳)

حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حتیٰ کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی دعا کی وجہ سے تمنا کی کہ یہ میت میں ہوتا۔  
حضرت واسلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مسلمان کی نماز جنازہ پڑھائی تو میں  
نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا:

اللَّهُمَّ إِنَّ فُلَانَ بْنِ فُلَانٍ فِي ذِمَّتِكَ، وَحَجَلِ  
جَوَارِكَ، فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ،  
وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ  
وَارْحَمْهُ، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.

یا اللہ! بے شک فلاں بن فلاں تیرے ذمہ ہے، تیری  
جوار رحمت میں اترتا ہے پس اس کو عذاب قبر اور جہنم کے  
عذاب سے بچا تو (وعدہ) پورا کرنے والا سچا ہے! یا اللہ! اس  
کو بخش دے اور اس پر رحم فرما! بے شک تو ہی بہت بخشنے والا

مہربان ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۶۷۷، التحلیہ ج ۵ ص ۲۵۲، موارد  
الظمان رقم الحدیث: ۷۵۸، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۹۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۹۵)



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز جنازہ پڑھاتے تو یہ دعا مانگتے:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا  
وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا. اللَّهُمَّ مَنْ  
أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا  
فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ. اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْ مِنَّا أَجْرَهُ وَلَا  
تَفْتِنَا بَعْدَهُ.

یا اللہ! ہمارے زندہ اور ہمارے فوت شدہ ہمارے  
حاضر اور ہمارے غائب ہمارے چھوٹوں اور ہمارے بڑوں  
ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کو بخش دے یا اللہ! ہم میں  
سے جس کو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں  
سے جن کو موت دے اسے ایمان پر موت دے۔

یا اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ رکھ اور اس کے  
بعد فتنہ میں مبتلا نہ کر۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۸، سنن نسائی ج ۳ ص ۷۴، السنن  
الکبریٰ ج ۳ ص ۳۱، المسند رک ج ۱ ص ۳۵۸، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۳۰۰)  
ان ہی سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ دعا سنی:

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبُّهَا وَأَنْتَ خَالِقُهَا، هَدَيْتَهَا إِلَى  
الْإِسْلَامِ، قَبَضْتَ رُوحَهَا وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِسِرِّهَا  
وَعَلَائِقِهَا، جَنَّاتِكَ شَفَعًا، فَأَغْفِرْ لَهَا.

یا اللہ! تو اس (میت) کا رب ہے تو ہی اس کا خالق  
ہے تو نے اس کو اسلام کی طرف ہدایت دی تو نے اس کی  
روح کو قبض کیا تو اس کی پوشیدہ اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے  
'ہم تیرے پاس سفارشی بن کر آئے ہیں پس اس کو بخش  
دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۰، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۵-۳۶۳، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۶۸۸، جمع  
الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۹۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۳۰۲)

## تیسری نوع

### قبر پر نماز پڑھنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سیاہ رنگ کی خاتون مسجد کی خدمت کرتی تھی ایک دن نبی اکرم  
ﷺ نے اسے نہ پایا تو اس کے بارے میں پوچھا صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ انتقال کر گئی ہے فرمایا: مجھے اس کی اطلاع  
کیوں نہیں کی؟ گویا صحابہ کرام نے اس کے معاملہ کو معمولی سمجھا (اور آپ کو مطلع نہ کیا) فرمایا مجھے اس کی قبر دکھاؤ پس  
انہوں نے آپ کو اس کی قبر بتائی تو آپ نے اس پر نماز پڑھی۔

ابن حبان نے یہ اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حماد بن سلمہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے  
ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ قبریں اپنے اصحاب (میت) پر اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ



ان کو میرے ان پر نماز پڑھنے سے روشن کر دیتا ہے انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بعض مخالفین نے اس اضافہ سے استدلال کیا کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ سے خاص ہے پھر حدیث کو حضرت خارجہ بن زید بن ثابت کے طریق سے چلایا وہ اپنے چچا حضرت یزید بن ثابت سے اس واقعہ کی طرح نقل کرتے ہیں اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ قبر پر تشریف لائے تو ہم نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں اور آپ نے چار تکبیریں کہیں۔

ابن حبان فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا اپنے ساتھ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے والوں پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دوسروں کے لئے بھی یہ عمل جائز ہے اور یہ آپ کے خصائص میں سے نہیں ہے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ جو عمل بالتبع ہو وہ اصل کے لئے دلیل نہیں بن سکتا (اور صحابہ کرام کا عمل بالتبع تھا)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے اور احد کے شہداء پر اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر پڑھتے ہیں پھر واپس تشریف لے گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آٹھ سال بعد شہداء احد پر نماز پڑھی ایسا معلوم ہوتا تھا جس طرح کوئی شخص زندہ اور فوت شدہ کو رخصت کرنے والا (یا رخصت ہونے والا) ہو۔

امام بخاری و مسلم نے بھی اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ ایک دن آپ باہر تشریف لائے اور احد والوں پر میت پر نماز جنازہ کی طرح نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا میں تم سے پہلے جانے والا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو جائیں ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق اور جمہور اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ دوسروں کی نماز جنازہ کی طرح ہے۔

امام مزنی نے بھی یہی کہا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے الخلل نے اسے پسند کیا۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شہداء احد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اس نماز سے مراد دعا ہے معروف نماز جنازہ مراد نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ آپ نے ان کے لئے اس طرح دعا کی جس طرح میت کی نماز جنازہ میں دعا کی جاتی ہے۔ اور یہ نماز شہداء احد کے ساتھ مخصوص ہے آپ نے ان کو دفن کرنے سے پہلے معروف طریقے پر نماز نہیں پڑھی اور آٹھ سال بعد جب وہ اپنی قبروں میں تھے تو ان پر نماز پڑھی۔

اور احناف قبر پر نماز پڑھنے کو مطلقاً منع کرتے ہیں اگر شہداء پر نماز واجب ہوتی تو آپ شروع میں اسے ترک نہ فرماتے۔

پھر شافعی مسلک والوں کا اس قول میں اختلاف ہے ”کہ شہید پر نماز نہ پڑھی جائے“ ان میں سے اکثر فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ ان پر نماز پڑھنا حرام ہے اور ان کے نزدیک یہی صحیح ہے اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں ان پر نماز پڑھنا واجب نہیں جائز ہے۔

ابن قدامہ نے ذکر کیا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا کلام اس قول کے مطابق جس میں انہوں نے فرمایا کہ ان پر نماز پڑھی



جائے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مستحب ہے واجب نہیں۔ ابن قاسم نے جو امام مالک کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں: کہ شہید پر نماز نہ پڑھی جائے یعنی اس صورت میں جب مسلمان کفار سے لڑیں اور اگر کفار مسلمانوں سے لڑیں تو ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

## چوتھی نوع

## غائبانہ نماز جنازہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آج ایک نیکو کار حبشی کا انتقال ہو گیا ہے پس آؤ ان پر نماز پڑھو وہ فرماتے ہیں ہم نے صفیں باندھیں تو نبی اکرم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہم آپ کے پیچھے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۲۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۰ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۵ مشکل لا ۱۳۸ ج ۱ ص ۱۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نجاشی بادشاہ کے وصال کی اطلاع دی جس دن ان کا انتقال ہوا آپ صحابہ کرام کو لے کر عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور صف بندی فرمانے کے بعد چار تکبیرات کہیں۔

”صحیح بخاری میں“ ابن عیینہ کے طریق سے حضرت ابن جریج سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی اصحمہ (نجاشی) پر نماز پڑھو۔ (الکامل ج ۶ ص ۲۷۸ التہذیب ج ۶ ص ۳۳۱ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۲۹۱)

اس حدیث سے استدلال کیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا منع ہے یہ خفی مالکی فقہاء کا قول ہے لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مسجد فوت شدہ لوگوں پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بنائی گئی ہو تو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں کیونکہ خفی حضرات کے نزدیک میت کو مسجد میں لانا منع ہے صرف نماز پڑھنا نہیں حتیٰ کہ اگر میت مسجد سے باہر ہو تو وہ لوگ ان پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں جو مسجد کے اندر ہیں۔

ابن بزبزہ وغیرہ نے فرمایا کہ بعض مالکیہ نے اس سے استدلال کیا اور یہ باطل ہے کیونکہ اس حدیث میں نبی کا صیغہ نہیں ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کو کسی اور وجہ سے عید گاہ میں لے گئے ہوں اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ پر مسجد میں نماز پڑھی پس کسی احتمال والی بات کے لئے اس واضح عمل کو کیسے چھوڑا جاسکتا ہے؟ (صحیح مسلم)

بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کو عید گاہ کی طرف اس لئے لے گئے تھے تاکہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی کثرت ہو جائے اور اس بات کی اشاعت مقصود تھی کہ نجاشی کا انتقال اسلام پر ہوا کیونکہ بعض حضرات کو معلوم نہ تھا کہ وہ اسلام لائے۔

ابن ابی حاکم نے تفسیر میں دارقطنی نے ”الافراد“ میں اور امام بزار نے نقل کیا کہ ان دونوں (حضرت ثابت اور حضرت حمید) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے جب نجاشی بادشاہ کی نماز جنازہ پڑھی تو

۱۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں احناف کے نزدیک شہداء کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی چاہے کفار مسلمانوں سے لڑیں یا مسلمان جہاد کریں یہ فرق نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی



بعض صحابہ کرام نے کہا کہ آپ نے حبشہ کے مقام پر نماز پڑھی؟  
اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَإِنَّ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا  
أُنزِلَ إِلَيْكُمْ. (آل عمران: ۱۹۹)  
اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض لوگ وہ ہیں  
جو اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا اس پر ایمان  
(اسباب نزول الواحدی ص ۸۱) لاتے ہیں۔

اور اس (مذکورہ بالا) حدیث کی شاہد حدیث ہے جو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور امام طبرانی نے اسے ”المعجم  
الکبیر“ میں نقل کیا اس میں یہ اضافہ ہے کہ ”یہ طعن کرنے والا شخص منافق تھا“۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان قائم کیا ہے۔ ”باب الصلوة علی الجنازة بالمصلی و المسجد“  
(عید گاہ اور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا) اور پھر انہوں نے ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ یہودی  
نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک مرد اور عورت کو لائے، جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا آپ نے حکم دیا تو ان  
دونوں کو مسجد کے پاس جنازہ گاہ کے قریب رجم کیا گیا۔

ابن بطلال نے حضرت ابن حبیب سے نقل کیا کہ مدینہ طیبہ میں جنازہ گاہ مسجد سے مشرقی جانب ملی ہوئی تھی۔  
اگر یہ بات ثابت ہو جائے جو انہوں نے فرمائی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ احتمال یہ ہوگا کہ مسجد سے یہاں عید گاہ مراد ہے جو  
عیدین اور استسقاء کی نماز کے لئے بنائی گئی تھی، کیونکہ اس وقت مسجد نبوی کے پاس کوئی جگہ رجم کرنے کے لئے مہیا نہ تھی۔  
ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے جگہ مقرر تھی جو اس مقصد  
کے لئے تیار کی گئی تھی۔

اس سے اس بات کا فائدہ حاصل ہوا کہ بعض جنازے جو مسجد میں پڑھے گئے وہ کسی عذر کی وجہ سے یا بیان جواز کے  
لئے پڑھے گئے تھے۔ اس سے استدلال کیا گیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور اس بات کو حضرت عائشہ رضی اللہ  
عنہا کی اس حدیث سے تقویت ملتی ہے، آپ فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کی نماز  
جنازہ مسجد میں ہی پڑھی۔ اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا اور جمہور نے یہی کہا ہے۔  
لیکن جو لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے انہوں نے اس واقعہ کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ وہ (جنازہ) مسجد سے باہر  
تھا اور نمازی مسجد کے اندر تھے۔ اور یہ طریقہ بالاتفاق جائز ہے۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ سے استدلال اس وقت کیا جب انہوں نے  
ام المؤمنین کے موقف کا انکار کیا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ لے کر ان کے حجرے سے گزرے تاکہ ان کی  
نماز جنازہ پڑھیں اور صحابہ کرام نے ام المؤمنین کی اس بات کو تسلیم کر لیا پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت عائشہ رضی  
اللہ عنہا کو وہ بات یاد تھی جسے وہ حضرات بھول چکے تھے۔

۱۔ صحابہ کرام کا بھولنا اگرچہ جائز ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کے افعال مبارکہ اور اقوال کو یاد رکھنے کی ان کی شدید حرص اس بات کے خلاف ہے کہ  
ان کو یہ واقعہ بھول گیا ہو لہذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اسے بیان جواز پر محمول کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ادب کی وجہ سے  
خاموش رہے۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۸۶)



ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی۔ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جنازہ مسجد میں منبر کے سامنے رکھا گیا اور یہ حدیث اس مسئلہ پر اجماع کا تقاضا کرتی ہے۔

نجاشی بادشاہ کے واقعہ سے اس بات پر بھی استدلال کیا گیا کہ جو بہت غائب ہو اور دوسرے شہر میں ہو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جاسکتی ہے امام شافعی، امام احمد اور جمہور اسلاف نے یہی بات کہی ہے حتیٰ کہ ابن حزم نے کہا کہ کسی صحابی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں۔

احناف اور مالکیوں کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں۔

بعض اہل علم سے منقول ہے کہ اس دن (غائبانہ نماز جنازہ) جائز ہے جس دن وہ شخص فوت ہوا یا اس کے قریب کا وقت ہو جب زیادہ مدت گزر جائے تو جائز نہیں۔ یہ بات ابن عبدالبر نے نقل کی ہے۔

ابن حبان نے کہا یہ اس کے لئے جائز ہے جو قبلہ کی جہت میں ہو اور اگر میت کا شہر قبلہ کی دوسری جانب ہو تو جائز نہیں۔ محبت طبری نے کہا کہ یہ بات میں نے کسی اور کے لئے نہیں دیکھی۔

جو لوگ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں انہوں نے نجاشی کے واقعہ کا چند طریقوں سے عذر پیش کیا (جواب دیا)۔

(۱) نجاشی ایک ایسا علاقہ میں تھے جہاں ان کی نماز جنازہ کسی نے نہ پڑھی تو ان پر نماز جنازہ پڑھنا متعین ہو گیا اسی لئے خطابی نے کہا کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں مگر جب موت ایسی زمین میں واقع ہو جہاں کوئی نماز جنازہ پڑھنے والا نہ ہو۔ اور شافعیوں میں سے رویانی نے اسے اچھی بات قرار دیا۔

(۲) بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ان کو سامنے کیا گیا تو آپ نے ان کو دیکھا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء“ میں ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ ”اور نبی اکرم ﷺ کے لئے نجاشی کو اٹھایا (سامنے کیا) گیا تو آپ کا ان کی نماز جنازہ پڑھنا اسی طرح تھا جس طرح امام اس میت پر نماز پڑھتا ہے جسے وہ دیکھتا ہے“ اور مقتدیوں نے اسے نہ دیکھا اس نماز کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

ابن دقیق العید نے کہا یہ بات نقلی دلیل کی محتاج ہے محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتی۔

بعض احناف نے ان کے اعتراض کا جواب یوں دیا کہ اس قسم کی بات میں احتمال کافی ہوتا ہے اور اس قائل نے واحدی کی اس روایت سے استدلال کیا جسے انہوں نے اسباب نزول میں ذکر کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت نہیں کی۔

(اس میں اس طرح ہے کہ) نجاشی کی چار پائی نبی اکرم ﷺ کے سامنے کی گئی حتیٰ کہ آپ نے ان کو دیکھ کر ان پر نماز پڑھی۔ (المصدر السابق ص ۸۱)

ابن حبان نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صف بندی کی اور ان کا خیال یہی تھا کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے۔

ان جوابات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ نجاشی کے ساتھ خاص ہے کیوں کہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں کہ آپ



نے ان کے علاوہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

مہلب نے یہی بات کہی ہے گویا ان کے نزدیک معاویہ بن معاویہ لیشی کا واقعہ ثابت نہیں۔<sup>۱</sup> جن لوگوں نے کہا کہ یہ عمل نجاشی کے لئے مخصوص ہے انہوں نے اس بات سے استدلال کیا جو پہلے گزر چکی ہے کہ ان کے حالات اسلام میں فوت ہونے کی اشاعت اور ان مسلمان بادشاہوں کے دلوں کو نرم کرنا مقصود تھا جو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اسلام لائے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ دروازہ (تخصیص کا دروازہ) کھل گیا تو شریعت کے بہت سے ظاہری امور کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اگر وہ بات ہوتی جو ان لوگوں نے ذکر کی ہے تو اس کے نقل کے داعی زیادہ ہوتے۔ ابن عربی کہتے ہیں مالکی حضرات فرماتے ہیں: کہ یہ بات صرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جس بات پر عمل کیا اس پر آپ کی امت بھی عمل کرتی ہے یعنی اصل عدم خصوصیت ہے انہوں نے کہا نبی اکرم ﷺ کے لئے زمین لپیٹی گئی اور جنازہ آپ کے سامنے حاضر کیا گیا۔

ہم کہتے ہیں بے شک ہمارا رب قادر ہے اور ہمارے نبی ﷺ اس کے اہل ہیں لیکن تم وہی بات کہو جسے روایت کرو اور خود اپنی طرف سے کوئی حدیث نہ بناؤ اور وہی احادیث روایت کرو جو ثابت ہیں اور ضعیف روایات کو چھوڑ دو کیونکہ یہ اس چیز کو ضائع کرنے کا راستہ ہے جس کو ضائع ہونا نہیں ہے۔

کرمانی فرماتے ہیں محدثین کا یہ قول کہ آپ سے پردہ اٹھایا گیا یہ بات ممنوع ہے اور اگر ہم تسلیم کریں تو وہ ان صحابہ کرام سے غائب تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہ فتح الباری کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

### تیسری نوع

## زکوٰۃ سے متعلق سیرت مصطفیٰ ﷺ

### زکوٰۃ کا معنی

”زکوٰۃ“ لغت میں بڑھنے اور پاک کرنے کو کہتے ہیں۔

اور زکوٰۃ کے ذریعے مال اس طرح بڑھتا ہے کہ دکھائی نہیں دیتا اور اس سے زکوٰۃ دینے والے کو گناہوں سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑھتا ہے۔

شریعت میں زکوٰۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لغوی معنی پایا جاتا ہے اور کہا گیا کہ یہ اپنے صاحب (زکوٰۃ دینے والے) کو پاک کرتی اور اس کے ایمان کے صحیح ہونے کی شہادت ہے اور یہ نعمت کو قید میں رکھتی (زائل ہونے سے بچاتی) ہے۔

۱۔ حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا اور حضور ﷺ نے تبوک میں نماز جنازہ پڑھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے (تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ ج ۴ رسالہ الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب دیکھیں)۔



اور صدقہ کو صدقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صدقہ دینے والے کی اور ظاہر و باطن میں اس کے ایمان کی صحت کی تصدیق ہے۔

### اقسامِ اموال جن میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے

نبی اکرم ﷺ کی شریعت مطہرہ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ زکوٰۃ خیر خواہی کے لئے واجب ہے اور خیر خواہی اسی مال میں ہوتی ہے جس کی کوئی قدر و قیمت ہو اور وہ نصاب ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے بڑھنے والے مالوں میں زکوٰۃ لازم کی ہے اور یہ چار اقسام ہیں۔

۱۔ سونا اور چاندی جن کے ساتھ دتیا کا نظام قائم ہے۔

۲۔ غلہ اور پھل ۱۔

۳۔ جانور اونٹ، گائے اور بکریاں

۴۔ تجارت کے مال جن کی مختلف انواع ہیں

### مقدار نصاب

نبی اکرم ﷺ نے ہر قسم میں نصاب اس قدر مقرر فرمایا جس میں خیر خواہی ہو سکتی ہے۔

پس چاندی میں پانچ اوقیہ ہے اور وہ دوسو درہم (ساڑھے باون تولے) ہیں یہ حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔

اور سونے میں بیس مثقال (ساڑھے سات تولے ہیں)۔

غلے اور پھلوں میں پانچ وسق ہیں، بکریاں چالیس گائے تیس اور اونٹ پانچ ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے واجب کی مقدار کو مال میں قیمت اور مشقت کے اعتبار سے مرتب فرمایا۔

قیمت میں سب سے اعلیٰ اور تھکاوٹ کے اعتبار سے سب سے کم مقدار دینی ہے اور ان میں پانچواں حصہ ہے کیونکہ تھکاوٹ نہیں اور اس کے لئے سال کا اعتبار نہیں کیا بلکہ جب بھی اس پر کامیابی پائے (زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

اس کے ساتھ غلے اور پھل ہیں اگر بارش کا پانی وغیرہ ملتا ہو تو اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے ورنہ اس کا نصف (بیسواں حصہ) ہوگا۔

پھر اس سے سونا، چاندی اور تجارت کا مال متصل ہے اس میں چالیسواں حصہ ہے کیونکہ وہ تمام سال عمل کا محتاج ہے۔

اور اس سے متصل جانور ہیں ان میں ”اوقصاص“ داخل ہیں (لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۶۸) (یعنی دو فریضوں کے

درمیان جو کچھ ہے وہ قص ہے اس پر زکوٰۃ نہیں مثلاً تیس اور چالیس کے درمیان بکریاں ہیں ان میں وہی ہے جو تیس میں ہے) بخلاف پہلی انواع کے (کیونکہ ان میں سے جزء میں زکوٰۃ لازم ہے)۔

اور جب اونٹوں میں ان کی جنس سے خیر خواہی نہیں ہو سکتی تو ان میں بکری واجب کی پس جب بچیں ہو جائیں اور ان

کے نصاب میں ایک اونٹ دیا جاسکے تو اونٹ ہی واجب ہوگا۔ پھر اونٹوں کے کم یا زیادہ ہونے کا اعتبار عمر کا اعتبار کر کے

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غلہ اور پھلوں میں عشر یعنی دسواں حصہ ہے چاہے وہ پانچ وسق ہو یا کم۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے

فرمایا: جو چیز زمین سے پیدا ہو اس میں عشر ہے البتہ گھاس اور لکڑیوں میں کچھ نہیں۔ (ہدایہ اولین ص ۱۸۱)



مقرر کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے صدقہ کے بارے میں جو مکتوب گرامی لکھا اور عاقلین کو عطا نہ فرمایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا تو اس میں اس طرح ہے۔ پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے، دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں ہیں، بیس میں چار بکریاں، پچیس میں ایک بنت مخاض (جو دوسرے سال میں داخل ہو جائے) پینتیس تک۔ جب ایک زیادہ ہو جائے تو ان میں ایک بنت لبون ہے (دو سال کی ہو اور تیسرا سال شروع ہو) یہ پینتالیس تک ہے جب ایک کا اضافہ ہو جائے تو ان میں ایک حقہ ہے (تین سال کی ہو اور چوتھا سال شروع ہو) یہ ساٹھ تک ہے۔ جب (ساٹھ سے) ایک بڑھ جائے تو ایک جذعہ ہوگا (جو پانچویں سال میں قدم رکھ چکی ہو) یہ سلسلہ پچتر تک رہے گا۔ جب ایک کا اضافہ ہو جائے تو یہاں سے نوے تک بنت لبون ہوں گے جب (نوے پر) ایک کا اضافہ ہو تو ایک سو بیس تک دو حقے ہوں گے اور جب اونٹوں کی تعداد اس سے زیادہ ہو جائے تو ہر پچاس میں ایک حقہ ہوگا اور ہر چالیس میں ایک بنت لبون ہوگی۔

بکریوں میں چالیس بکریوں میں ایک بکری ایک سو بیس تک یہی سلسلہ ہوگا جب ایک زیادہ ہو جائے تو دو بکریاں ہوں گی اور جب دوسو سے بڑھ جائیں تو تین بکریاں ہوں گی تین سو تک یہی سلسلہ ہوگا پھر جب بکریوں کی تعداد اس سے بڑھ جائے تو ہر سو بکری میں ایک بکری ہوگی پھر جب تک ایک سو کو نہ پہنچیں مزید کچھ نہ ہوگا۔  
یہ حدیث امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کی ہے۔

### صدقہ فطر

نبی اکرم ﷺ نے صدقہ فطر کھجوروں سے ایک صاع یا جو سے ایک صاع غلام آزاد، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے مسلمانوں پر واجب فرمایا اور حکم دیا کہ نماز (نماز عید) کے لئے جانے سے پہلے ادا کیا جائے۔  
یہ حدیث امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کی۔  
(نوٹ) اگر گندم دینا ہو تو نصف صاع یا اس کی قیمت دینا ہوگی۔

ابو داؤد کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صدقہ فطر روزہ دار کو لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنے اور مساکین کی خوراک کے طور پر لازم فرمایا۔

### مستحقین زکوٰۃ

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ صدقات کے سلسلے میں کسی نبی یا کسی اور کے حکم پر راضی نہیں ہوا حتیٰ کہ اس نے خود اس میں حکم دیا تو ان لوگوں کو آٹھ اجزاء میں تقسیم کیا۔ امام ابو داؤد نے اس حدیث کو زیاد بن حارث صدائی سے روایت کیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۳۰، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۷۴، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۹۷۵، اتحاف السادة المستحقین ج ۳ ص ۹۹، المعجم الکبیر ج ۵ ص ۳۰۳، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۳۹۷)  
ان آٹھ اقسام کو لوگوں کی دو قسموں میں جمع کیا جاسکتا ہے۔

(۱) وہ جو حاجت کے لئے لیتے ہیں وہ حاجت کی شدت اور کمی، کثرت اور قلت کے اعتبار سے لیتے ہیں اور یہ فقراء



مساکین، جن کی گردنیں چھڑائی جائیں اور مسافر ہیں۔

(۲) وہ جو نفع کے اعتبار سے لیتے ہیں اور یہ (زکوٰۃ کا عمل کرنے والے) عاملین ہیں جن کے دلوں کو اسلام کے لئے نرم کیا جائے ان کو مولفۃ القلوب کہتے ہیں اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے قرض لینے والے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے۔

اور اگر لینے والا محتاج بھی نہ ہو اور اس سے مسلمانوں کے لئے کوئی نفع بھی نہ ہو تو ایسے شخص کا زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

### انبیاء کرام پر زکوٰۃ نہیں

انبیاء کرام علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے گہرے تعلق کی وجہ سے ان کی ملکیت میں کچھ نہیں ہوتا جس میں زکوٰۃ فرض ہو تبہارے اوپر زکوٰۃ اس چیز میں فرض ہوتی ہے جس کے تم مالک ہو۔

انبیاء کرام کے پاس جو کچھ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہوتی ہیں وہ ان کو وہاں خرچ کرتے ہیں جہاں ان کو خرچ کرنے کا مقام ہے اور جہاں خرچ کرنے کا مقام نہیں وہاں سے روک رکھتے ہیں۔

نیز زکوٰۃ ان لوگوں کی طہارت کا باعث بنتی ہے جن پر واجب ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ

یہاں۔ (التوبہ: ۱۰۳) ذریعے ان کو پاک کر دیں اور ان کا تزکیہ کر دیں۔

اور انبیاء کرام علیہم السلام (گناہوں کی) میل سے پاک ہیں کیوں کہ ان کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بچوں پر زکوٰۃ فرض قرار نہیں دی کیونکہ ان میں (شریعت کی) مخالفت کی میل نہیں ہوتی۔ اور مخالفت مکلف ہونے کے بعد ہوتی ہے اور یہ (مکلف ہونا) بلوغت کے بعد ہوتا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے اور اس کی وحدانیت کا مشاہدہ کرنے والے قرب خداوندی کی وجہ سے کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے جس طرح ان کے واقعات سے مشہور ہے تو انبیاء و رسل (علیہم السلام) اور توحید و معرفت والوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے وہ اپنے (معرفت کے) سمندروں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور انوار سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

یہ گفتگو عارف کبیر ابو الفضل بن عطاء اللہ شاذلی اللہ تعالیٰ ان کے مشرب سے ہمیں مٹھاس چکھائے، کی کتاب ”التنویر“ سے بطور خلاصہ ذکر کی گئی۔

### تنبیہ

منقول ہے کہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ شیبان راعی رحمہ اللہ تشریف لائے، حضرت امام احمد بن حنبل نے حضرت امام شافعی سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس شخص سے جس کی طرف (ولایت کا اشارہ کیا جاتا ہے) اسی وقت کچھ پوچھوں، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ایسا نہ کرو انہوں نے فرمایا یہ ضروری ہے چنانچہ انہوں نے کہا اے شیبان! جو شخص چار رکعتوں سے چار سجدے بھول جائے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا اے احمد! یہ وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اسے ادب سکھانا ضروری ہے تاکہ وہ آئندہ ایسا نہ کرے۔ فرماتے



ہیں حضرت امام احمد رحمہ اللہ بیہوش ہو کر گر پڑے پھر افاقہ ہوا تو فرمایا جس آدمی کے پاس چالیس بکریاں ہوں اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ ان میں کتنی زکوٰۃ ہے؟ فرمایا ہمارے مذہب پر یا آپ کے مذہب کے مطابق؟ پوچھا کیا یہ دو مذہب ہیں؟ فرمایا ہاں تمہارے مذہب پر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اور ہمارے مذہب کے مطابق غلام اپنے مالک کے ساتھ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے ”المقاصد الحسنہ میں“ ابن تیمیہ سے نقل کیا کہ اہل معرفت کا اس واقعہ کے باطل ہونے پر اتفاق ہے کیونکہ امام شافعی اور امام احمد نے شبان الراعی سے ملاقات نہیں کی۔ واللہ اعلم

**زکوٰۃ دینے والے کے لئے دعا**

نبی اکرم ﷺ کے پاس جب کوئی صدقہ لے کر آتا تو آپ یوں دعا کرتے:

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ  
یا اللہ! فلاں آل والوں پر رحمت فرما

پس حضرت ابو اوفی رضی اللہ عنہ صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے یوں دعا کی:

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ ابْنِ اَوْفَى  
یا اللہ! ابو اوفی کے گھر والوں پر رحمت نازل فرما۔

### فرضیت زکوٰۃ کی تاریخ

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ زکوٰۃ کب فرض ہوئی؟ اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے بعض نے کہا کہ دوسرے سال رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے زکوٰۃ فرض ہوئی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ”الروضہ“ کے باب السیر میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

ابن اثیر نے تاریخ میں اس بات کو قطعی قرار دیا کہ نو ہجری میں زکوٰۃ فرض ہوئی۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث عبد القیس کے وفد والی حدیث اور ابوسفیان کا ہرقل کے ساتھ مکالمہ اس کے خلاف ہے یہ مکالمہ ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں ہوا اور اس میں یوں آیا کہ وہ (نبی اکرم ﷺ) ہمیں زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔

بعض حضرات نے ابن اثیر کو ثعلبہ بن حاطب کی طویل روایت سے تقویت دی ہے اس حدیث میں یوں ہے کہ جب زکوٰۃ کی آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ایک عامل بھیجا حاطب نے کہا یہ تو جزیہ ہے یا جزیہ کی جنس سے ہے اور جزیہ نو ہجری میں واجب ہوا پس زکوٰۃ بھی نو ہجری میں فرض ہوئی۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور اس قسم کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں دعویٰ کیا کہ زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت سے پہلے ہوئی ہے انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا جو حبشہ کی طرف صحابہ کرام کی ہجرت سے متعلق ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے زکوٰۃ کی دعا پڑھی اور یہ رحمت کی دعا ہے اصطلاحی طور پر ”صلوٰۃ“ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے دوسروں کے لئے ضمنی طور پر ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ۱۲ ہزار روئی



ہوئے یہ بھی کہا کہ وہ شخص ہمیں نماز زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیتا ہے۔

اس حدیث سے استدلال بھی محل نظر ہے کیونکہ ابھی تک پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں اور نہ ہی ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے پس اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی واپسی نجاشی کے پاس جانے کے اول مرحلے میں نہ ہوئی ہو اور انہوں نے اس بات کی خبر ایک مدت کے بعد دی ہو اور اس میں نماز اور روزے کی فرضیت کا ذکر ہو اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی ہو تو انہوں نے فرمایا ہو کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں یعنی امت کو حکم دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات عقل سے بہت بعید ہے۔

اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہ ہوتا ہو تو جس بات پر اسے محمول کیا گیا وہ زیادہ بہتر ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ آپ ہمیں نماز زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیتے ہیں یعنی مطلق حکم دیتے ہیں اور اس سے لازم نہیں آیا کہ نماز سے پانچ نمازیں مراد ہوں اور نہ روزوں سے ماہ رمضان کے روزے مراد ہوں گے اور نہ ہی زکوٰۃ سے یہ مخصوص زکوٰۃ مراد ہوگی جس میں نصاب اور سال گزرنے کی شرط ہے۔

نوہجری سے پہلے زکوٰۃ کے فرض ہونے پر ایک دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ضمام بن ثعلبہ کے واقعہ سے متعلق ہے اور ضمام بن ثعلبہ (ضمام بن ثعلبہ السعدی ہیں) کا قول کہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ یہ صدقہ ہمارے مالدار لوگوں سے لے کر ہمارے فقراء پر تقسیم کریں؟

(الاصابہ ج ۳ ص ۲۷۱ رقم الترجمة: ۴۱۷۳)

اور حضرت ضمام کی آمد ۵ھ میں ہوئی اور ۹ھ میں عاملین کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجا گیا اور یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ فرضیت زکوٰۃ اس سے مقدم ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت کے ہجرت کے بعد واقع ہونے پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ رمضان المبارک (کے روزوں) کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی کیونکہ جو آیت فرضیت پر دلالت کرتی ہے وہ بلا اختلاف مدنی آیت ہے۔

امام احمد ابن خزیمہ نسائی ابن ماجہ اور حاکم رحمہم اللہ کے نزدیک حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہمیں صدقہ فطر (کی ادائیگی) کا حکم دیا پھر فرضیت زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور آپ نے ہمیں صدقہ فطر کا حکم دیا نہ اس سے منع کیا اور ہم ادا کیا کرتے تھے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی بھی صحیح ہیں سوائے ابوعمار راوی کے جو حضرت قیس بن عمار سے روایت کرتے ہیں لیکن امام احمد اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدقہ فطر کی فرضیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے ہے پس یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت رمضان المبارک کے بعد ہوئی۔ یہ بات حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

**نبی اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے صدقہ قبول نہ کرتے**

نبی اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور اس کا بدلہ بھی دیتے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا



سے نقل کیا۔

جب آپ کے پاس کوئی کھانا لایا جاتا تو آپ پوچھتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے صحابہ کرام سے فرماتے: کھاؤ اور خود تناول نہ فرماتے اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو ہاتھ بڑھاتے اور ان کے ساتھ تناول فرماتے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا تم لوگوں کے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں مگر حضرت نسیمہ (ام عطیہ) رضی اللہ عنہا نے کچھ بھیجا ہے جو ان کی طرف بطور صدقہ بھیجا گیا تھا آپ نے فرمایا: یہ اپنی جگہ کو پہنچ گیا (یعنی ان کے لئے صدقہ تھا اور ہمارے لئے تحفہ ہے)۔

آپ کے الفاظ یوں ہیں ”انہا بلغت محلها“ محلها میں حاء کے نیچے زیر ہے یعنی اس سے صدقہ کا حکم زائل ہو گیا اور ہمارے لئے یہ چیز حلال ہو گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱ سنن نسائی ج ۳ ص ۱۹۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۰۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۳-۱۸۴۱ مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۷ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۰۳ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۹ التہذیب ج ۵ ص ۱۰۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۷۶ اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۰۲)

اور گوشت لایا گیا جو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بطور صدقہ دیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: یہ ان پر صدقہ تھا اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۹۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰-۱۱-۱۲ مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۱ سنن داری ج ۲ ص ۱۶۹ السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۸۵ اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۲۳۲ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۳۷ التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۵۱۱)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ گھر میں تشریف لائے اور آگ پر ہنڈیا تھی جو جوش مار رہی تھی آپ نے کھانا طلب فرمایا تو روٹی اور گھر کے سالن سے کچھ سالن لایا گیا آپ نے فرمایا کیا میں آگ پر جوش مارتی ہوئی ہنڈیا نہیں دیکھ رہا؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! لیکن یہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا اور انہوں نے اس میں کچھ ہمیں بطور تحفہ دیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے آپ نے فرمایا: یہ ان کے لئے صدقہ تھا اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۷۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳ سنن نسائی ج ۶ ص ۱۶۲ مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۸ السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۳۲۸ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۲۶ نصب الرایۃ ج ۳ ص ۱۴۷)

چوتھی نوع

## نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا

جان لو! روزے کا مقصد نفس کو بری عادتوں سے روکنا اور ان کی خواہشات سے دور رکھنا نیز ان کی عادات سے نفس کو چھڑانا ہے یہ متقی لوگوں کے لئے لگام (شیطان سے) لڑنے والوں کی ڈھال اور نیکو کار اور مقربین کے لئے باغ ہے۔ اور



تمام اعمال میں سے روزہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہے (کیونکہ اس میں ریاکاری کا احتمال کم ہوتا ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا:

كل عمل ابن آدم له الا الصيام فهو لي وانا اجزي به. انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہوتا ہے سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

(السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۷۹-۱۸۰ ج ۲ ص ۷۹-۸۰ الکامل ج ۳ ص ۹۴۵)

اس حدیث کو امام مسلم (اور امام بخاری نے بھی) نقل کیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے شرف اور بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی جیسے ”نافقة الله“ (اللہ تعالیٰ کی اونٹنی) فرمایا حالانکہ تمام عالم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ہے۔

اس کی وجہ یوں بھی بیان کی گئی ہے کہ روزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پوجا نہیں کی گئی، کفار نے کسی زمانے میں بھی اپنے معبودوں کی روزے کے ذریعے تعظیم نہیں کی۔ اگرچہ وہ نماز اور سجدے وغیرہ کے ذریعے ان کی تعظیم کرتے تھے۔

”شرح تقریب الاسانید میں“ فرمایا: کہ اس پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ ستارہ پرست اور بتوں وغیرہ کی روزے کے ذریعے پوجا کرتے تھے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ وہ ان کے بارے میں ذاتی طور پر عمل کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ روزہ ریاکاری سے دور ہے کیونکہ یہ پوشیدہ ہوتا ہے بخلاف نماز حج اور جہاد وغیرہ ظاہری عبادات کے (وہ نظر آتی ہیں) ”فتح الباری میں فرمایا“ کہ علماء کرام کے قول ”لا رياء في الصوم“ میں نفی کا مطلب یہ ہے کہ عملی اعتبار سے اس میں ریاکاری نہیں آتی اگرچہ قوی طور پر ریاکاری ہو سکتی ہے مثلاً ایک شخص روزہ رکھے اور پھر (دوسروں کو) بتائے کہ وہ روزہ دار ہے تو اس حیثیت سے اس میں دکھاوا ہوتا ہے پس روزے میں دکھاوے کا دخول خبر دینے کے اعتبار سے ہوتا ہے جبکہ دوسرے افعال اس کے خلاف ہیں ان میں محض فعل سے بھی دکھاوا ہو جاتا ہے۔

حضرت شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صام يراني فقد اشرك. جو شخص روزہ رکھ کر دکھاتا پھرے اس نے شرک کیا۔

(اس سے شرک خفی مراد ہے کفر مراد نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۲۵۶ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۶۷-۶۸ تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۷۱ تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۲۰۲)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں روزہ دار کے لئے کوئی (ظاہری) حصہ نہیں (یعنی ایسا نہیں کہ دیکھنے والا تعریف کرے)۔

ایک قول یہ ہے کہ روزہ دار کھانے وغیرہ خواہشات سے بے نیاز ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ پس جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی موافقت میں اس کے قریب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی (جیسے فرمایا) ”الصوم لي“ یعنی روزہ میرے لئے ہے۔

۱۔ چونکہ روزے میں ریاکاری نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ عمل نظر نہیں آتا اس لئے اے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے قرار دیا ورنہ ہر عبادت اللہ تعالیٰ کے

لئے ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی



امام قرطبی نے فرمایا: بندوں کے اعمال ان کے احوال کے مناسب ہوتے ہیں مگر روزہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کے مناسب ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ دار ایسے کام کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے جو میری صفات میں سے کسی صفت سے متعلق ہے یا یہ فرشتوں کی صفات میں سے ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی روزے کے ثواب کی مقدار کا علم رکھتا ہے اور اس کی نیکیوں کو کس قدر بڑھاتا ہے صرف وہی جانتا ہے جب کہ دوسری عبادات کی مقدار ثواب کو اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں پر ظاہر کر دیا اسی لئے حدیث کے باقی حصہ میں فرمایا ”انا اجزی بہ“ (میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں)۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ کریم جب اس بات کی خبر دے کہ وہ خود ذاتی طور پر جزا دیتا ہے تو اس میں عطاء کی وسعت کا تقاضا پایا جاتا ہے اور روزہ دار کو یہ جزا اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اپنے معبود کے لئے اپنی خواہش کھانے اور پینے کو چھوڑتا ہے۔

اور حدیث شریف میں جس شہوت کا ذکر ہے اس سے جماع کی شہوت مراد ہے کیونکہ اس کا عطف طعام اور شراب (مشروب) پر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص کے بعد عام کا ذکر ہو لیکن ابن خزیمہ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یوں آیا ہے:

يدع لذته من اجلى ويدع زوجته من  
اجلى. وہ اپنی لذت کو میری (رضا کی) خاطر چھوڑتا ہے اور  
اپنی بیوی کو میرے حکم کی وجہ سے چھوڑتا ہے۔

اور اس سے بھی واضح الفاظ میں روایت یوں ہے:

من الطعام والشراب والجماع من اجلى.  
ظاہری اعضاء کی حفاظت باطنی اعضاء کی قوت اور ان کو فاسد مواد کی طرف لے جانے والی چیز کے ساتھ ملنے سے بچانے اور ردی مواد جو ان کی صحت میں رکاوٹ ہو سے خالی رکھنے کے سلسلے میں روزہ کو عجیب تاثیر حاصل ہے اور تقویٰ پر یہ سب سے بڑا مددگار ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِكُمْ. (البقرہ: ۱۸۳)

تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے  
لوگوں پر فرض کیا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الصوم جنة.

روزہ ڈھال ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۱۳-۶۱۶، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۶۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۶-۳۹۳، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۵، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۲، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۶۱۶)

جیم پر پیش ہے اور اس کا معنی بچانا اور ڈھانپنا ہے۔ یعنی یہ جہنم سے آڑ ہے ابن عبد البر نے اس بات کو قطعی قرار دیا اور ”نہایہ میں ہے کہ“ روزہ دار موذی خواہشات سے بچ جاتا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں روزے سے مراد اس شخص کا روزہ ہے جو اپنے روزے کو قوی اور فعلی گناہوں سے بچاتا ہے۔



اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ روزہ افضل ہے یا نماز؟ تو کہا گیا کہ اعمال بدنیہ میں روزہ افضل ہے کیونکہ ”نسائی شریف میں“ ایک حدیث شریف حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسے کام کا حکم دیں جسے میں آپ سے حاصل کروں۔ آپ نے فرمایا: علیک بالصوم فانہ لا عدل لہ۔ روزہ لازمی طور پر اختیار کرو اس کے برابر کوئی عمل نہیں۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۱۶۵-۱۶۶ مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۹ المحلیہ ج ۵ ص ۱۷۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۶۳۸-۲۳۶۴۵) اور مشہور یہ ہے کہ نماز کو فضیلت حاصل ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا یہی مذہب ہے (احناف کا بھی یہی قول ہے) کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”واعلموا ان خیر اعمالکم الصلوٰۃ جان لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے“۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے روزے کے بارے میں دو طرح کی گفتگو ہے۔

پہلی قسم

نبی اکرم ﷺ کے ماہ رمضان المبارک کے روزے

اس میں کئی فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

رمضان المبارک میں نبی اکرم ﷺ سے خاص عبادات اور آپ کی سخاوت کا بڑھ جانا

رمضان المبارک کی وجہ تسمیہ اور روزے کی فرضیت

لفظ ”رمضان“ رمض سے مشتق ہے اور یہ سخت گرمی کا نام ہے کیونکہ عربی لوگوں نے جب مہینوں کے نام رکھنے کا ارادہ کیا تو یہ مہینہ سخت گرمی میں آیا تو انہوں نے اس کا یہی نام رکھ دیا جس طرح ربیع الاول اور ربیع الثانی کے مہینے بہار میں آئے تو ان کے یہ نام رکھ دیئے۔

یا یہ نام اس لئے رکھا کہ یہ گناہوں کو جلا دیتا ہے (بِرمض الذنوب) اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یہ نام شریعت اسلامیہ کے آنے سے پہلے ثابت تھا۔

رمضان المبارک کا مہینہ تمام مہینوں سے افضل ہے جس طرح ”الاسنوی“ نے ”تواعد کے شیخ عز الدین بن عبد السلام“ سے نقل کیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۵۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے صحیح نہیں اگرچہ اس سلسلے میں



ضعیف روایت آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ تو قیفی ہیں (وحی پر موقوف ہیں اجتہادی نہیں) صحیح دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتے۔

بزرگوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا رمضان المبارک کے روزوں سے پہلے بھی روزے فرض تھے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک اور شافعیوں کے نزدیک بھی یہی مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں سے پہلے کوئی روزہ فرض نہیں تھا اور بعض شافعی حضرات کا ایک قول یہ ہے اور احناف کا بھی یہی قول ہے کہ سب سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض ہوا جب رمضان المبارک کے روزوں کا حکم نازل ہوا تو یہ منسوخ ہو گیا۔ عاشوراء کے روزے کے بیان میں دونوں فریقوں کے دلائل آئیں گے۔

رمضان المبارک کے روزے ۲ھ میں فرض ہوئے جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت تک آپ نور مضانوں کے روزے رکھ چکے تھے۔

### رمضان المبارک اور اعمال صالحہ

جب رمضان المبارک کا مہینہ نیکیوں کا موسم اور سخاوت و برکات کا منبع ہے کیونکہ اس میں دوسرے مہینوں کی نسبت نعمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ہمارے سردار رسول اکرم ﷺ اس مہینے میں زیادہ عبادت کرتے اور قرب خداوندی کے لئے طرح طرح کے ایسے اعمال کرتے جو مختلف سعادتوں کے جامع ہیں یعنی صدقہ، احسان، نماز، ذکر اور اعتکاف وغیرہ اور اس مہینے کے ساتھ کچھ ایسی عبادات خاص ہیں جو دوسرے مہینوں میں نہیں ہوتیں اور نبی اکرم ﷺ کی سخاوت دوسرے مہینوں کے مقابلے میں اس ماہ میں بڑھ جاتی تھی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا جو دو کرم اس ماہ میں بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ اخلاق کریمہ رکھے ہیں جن کو وہ پسند فرماتا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں آپ کی سخاوت سب سے زیادہ ہوتی، جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تو جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے اس وقت آپ کی بھلائی کے ساتھ سخاوت تیز ہوا سے بھی زیادہ ہوتی۔

تو اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا یعنی وقت اور وہ ماہ رمضان ہے اور جو کچھ اتارا گیا وہ قرآن ہے اور اسے لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور مذاکرہ قرآن مجید کا باہم سننا سنانا ہے تو ان تمام چیزوں کے مجموعہ سے آپ کو سخاوت میں فضیلت حاصل ہوتی۔

”الربیع المرسلہ“ عام اجازت دی گئی ہوا، معنی یہ ہے کہ آپ سخاوت کرنے میں ہوا سے بھی زیادہ تیز تھے اسے ”مرسلہ“ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ہمیشہ رحمت کے ساتھ چلتی ہے تو اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی سخاوت سے نفع عام ہوتا ہے جس طرح عمومی ہوا ان سب چیزوں تک پہنچتی ہے جن پر وہ چلتی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں اس حدیث کے آخر میں یوں آیا ہے:



لا یسأل شیئاً الا اعطاه۔ آپ سے جو کچھ مانگا جاتا آپ عطا کرتے۔

نبی اکرم ﷺ کی سخاوت کے سلسلے میں اس سے زیادہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

## رمضان میں قرآن

نزول قرآن کا آغاز رمضان المبارک میں ہوا آسمان دنیا پر اس کا نزول یکبارگی ہوا حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے اور قرآن مجید کا جتنا حصہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک نازل ہوتا اس کا تکرار کرتے پس جب وہ سال آیا جس میں آپ کا وصال ہوا تو انہوں نے آپ سے دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا۔ جس طرح صحیح حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔

”فتح الباری میں ہے کہ“ حضرت جبریل علیہ السلام کے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ماہ رمضان میں دورہ قرآن میں دو حکمتیں تھیں۔ ایک حکمت یہ تھی کہ قرآن مجید کی حفاظت ہو اور دوسری حکمت اس کا باقی رہنا جو منسوخ نہیں ہوا اور اس کا اٹھ جانا جو منسوخ ہو چکا ہے۔ تو ماہ رمضان اجمالی طور اور تفصیلاً نزول اور پیش کرنے اور مضبوط رکھنے کے اعتبار سے قرآن مجید کا ظرف ہے۔

”مسند میں“ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے ماہ رمضان کی پہلی رات میں اترے تو رات اس وقت اتری جب رمضان المبارک کی چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ انجیل رمضان المبارک کی تیرہ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی اور قرآن مجید نازل ہوا جب رمضان المبارک کی چوبیس راتیں گزر چکی تھیں۔ ۱۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۷)

اس حدیث شریف میں اس بات پر دلالت ہے کہ رمضان شریف میں قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا اور اس کے لئے جمع ہونا نیز اپنے سے زیادہ حفظ والے کو سنانا مستحب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان قرآن مجید کی درس و تدریس رات کو ہوتی یہ اس بات پر دلالت ہے کہ رمضان المبارک میں رات کے وقت زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا مستحب ہے کیونکہ رات کے وقت مشاغل ختم ہو جاتے ہیں اور توجہ ایک طرف ہوتی ہے اور اس میں غور و فکر پردل اور زبان کا اجتماع ہوتا ہے۔

## استقبال رمضان

نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارک تھا کہ آپ اپنے صحابہ کرام کو ماہ رمضان المبارک کے آنے کی خوشخبری دیتے جس طرح حضرت امام احمد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں وہ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو ماہ رمضان المبارک کے آنے کی خوشخبری دیتے اور فرماتے:

۱۔ قرآن مجید کا آسمان دنیا پر نزول لیلۃ القدر میں ہوا کسی نے ستائیسویں رات کہا کسی نے پچیسویں وغیرہ وغیرہ تو یہ اس قول کے مطابق ہے

جب پچیسویں کو لیلۃ القدر قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ ہزاروی



قد جاءكم شهر رمضان 'شهر مبارک'  
كتب عليكم صيامه 'تفتح فيه ابواب السماء'  
وتغلق فيه ابواب الجحيم' وتغل فيه الشياطين'  
فيه ليلة خير من الف شهر' من حرم خيرها فقد  
حرم (الخير الكثير).

تمہارے پاس رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا ہے یہ  
مبارک مہینہ ہے اس کے روزے تم پر فرض کئے گئے اس  
میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم  
کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو  
بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں اس میں ایک رات ہے جو ایک  
ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو شخص اس کی بھلائی سے محروم رہا  
وہ (بہت زیادہ بھلائی سے) محروم رہا۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں یہ حدیث لوگوں کی ایک دوسرے کو ماہ رمضان کی مبارک باد دینے کی اصل ہے۔  
ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان شریف کے آنے کے لئے دعا کرتے تھے۔ جب رجب اور شعبان  
کا مہینہ آ جاتا تو آپ یوں دعا کرتے:

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشُعْبَانَ وَبَلْغْنَا  
رَمَضَانَ.

یا اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت عطا  
فرما اور ہمیں رمضان المبارک تک پہنچا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۹ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸۳ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۵ ج ۳ ص ۱۴۰ کشف الخفا ج ۱ ص ۲۱۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم  
الحدیث: ۱۳۶۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۰۳۹-۳۸۲۸۸)

اس حدیث کو امام طبرانی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ جب رمضان المبارک کا چاند دیکھتے تو فرماتے:

هلال رشد وخير هلال رشد وخير امن  
بالذي خلقك.

ہدایت اور بھلائی کا چاند ہدایت اور بھلائی کا چاند  
میں اس ذات پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الباب: ۱۱۰ المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۲۹ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۵۱ مصنف عبد  
الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۳۸-۲۵۱۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۰۳۰-۱۸۰۳۷)

اس حدیث کو امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہوتا تو نبی اکرم ﷺ یوں دعا فرماتے:

اللَّهُمَّ سَلِّمْ لِي مِنْ رَمَضَانَ، وَسَلِّمْ رَمَضَانَ  
لِي، وَسَلِّمْهُ مِنِّي. أَيُّ سَلِّمْ لِي مِنْهُ حَتَّى لَا يُصِيبَنِي  
فِيهِ مَا يَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ صَوْمِهِ مِنْ مَرَضٍ أَوْ  
غَيْرِهِ. وَسَلِّمْهُ لِي حَتَّى لَا يَغُمَّ هَلَالَهُ عَلَيَّ فِي أَوَّلِهِ  
وَأَخِيرِهِ، فَيَلْتَسِسَ عَلَيَّ الصَّوْمُ وَالْفِطْرُ، وَسَلِّمْهُ  
مِنِّي أَنْ تَعْصِمَنِي مِنَ الْمَعَاصِي فِيهِ.

یا اللہ! مجھے رمضان شریف سے سلامتی عطا فرما اور  
رمضان شریف کو میرے لئے سلامت رکھ اور اسے مجھ سے  
سلامتی عطا کر یعنی مجھے اس سے بچا کہ مجھے کوئی ایسا عارضہ  
لاحق نہ ہو مثلاً بیماری وغیرہ کہ وہ میرے اور اس کے روزے  
کے درمیان حائل ہو جائے اور اسے مجھ سے سلامت رکھ حتیٰ  
کہ اس کے شروع اور آخر میں چاند مجھ سے بادلوں میں ہو



(کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۲۷۷) جائے تو مجھ پر روزہ رکھنا اور چھوڑنا مشتبہ ہو جائے اور اسے مجھ سے سلامت رکھ یعنی مجھے اس ماہ میں گناہ کے ارتکاب سے بچا۔

تو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے امت کو تعلیم دینے کے لئے یہ دعا فرمائی (ورنہ آپ گناہوں سے پاک ہیں)۔

فصل نمبر ۲

## نبی اکرم ﷺ کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس قدر شعبان کی حفاظت فرماتے اس قدر کسی دوسرے مہینے کا خیال نہ رکھتے۔

پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے اگر وہ آپ پر پوشیدہ رہتا تو تمیں دن شمار کرتے پھر روزہ رکھتے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا رايتموه فصوموا واذا رايتموه فافطروا  
فان غم عليكم فاقدروا له  
جب تم چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو روزہ رکھنا چھوڑ دو اگر تم پر چاند پوشیدہ ہو جائے تو اس کے لئے تمیں دن شمار کرو۔

حدیث میں فرمایا ”فان غم عليكم“ یعنی تمہارے اور چاند کے درمیان بادل حائل ہو جائیں آپ نے فرمایا ”فاقدروا له“ یہ تقدیر سے ہے یعنی اس کے لئے کفایت کا اندازہ تمیں دن لگاؤ اور اس کی تائید پہلی روایت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا ”فان غم عليه عد ثلاثين“ اگر بادل ہوتے تو آپ تمیں دن شمار کرتے اور یہ ”فاقدروا له“ کی تفسیر ہے اسی لئے یہ دونوں ایک روایت میں جمع نہیں اور اس کی تاکید ”فاقدروا له ثلاثين“ کے الفاظ ہیں۔

مازری کہتے ہیں جمہور فقہاء نے ”فاقدروا“ کو اس بات پر محمول کیا کہ اس سے مراد تمیں دن پورے کرنا ہے جس طرح دوسری حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اس سے نجومیوں والا حساب مراد نہیں اس لئے کہ اگر لوگوں کو اس بات کا مکلف بنایا جائے تو ان پر تنگی ہو جائے کیونکہ اس کا علم چند لوگوں کو ہوتا ہے اور شریعت کی پہچان اس چیز سے ہوتی ہے جسے جمہور (عام لوگ) پہچانتے ہیں۔

یہ ہمارا (شافعی حضرات کا) مذہب ہے اور امام مالک، امام ابو حنیفہ اور جمہور سلف و خلف کا مذہب ہے۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شک والے دن کا روزہ جائز نہیں اور تمیں شعبان کو رمضان کا روزہ رکھنا بھی جائز نہیں جب تمیں تاریخ کی رات کو چاند نظر نہ آئے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک طائفہ کے ساتھ فرمایا کہ اسے بادلوں کے نیچے خیال کرو پس وہ بادلوں والے دن رمضان کا روزہ رکھنا جائز قرار دیتے ہیں بلکہ امام احمد رحمہ اللہ اسے واجب قرار دیتے ہیں۔



ابن سرتج (ابن شریح) اور ایک جماعت جس میں حضرت مطرف بن عبد اللہ ابن قثیبہ اور دوسرے حضرات بھی ہیں، فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ (چاند کی) منازل کا حساب لگایا کرو۔

## فصل نمبر ۳ نبی اکرم ﷺ کا ایک عادل کی شہادت پر روزہ رکھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے چاند دیکھا تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے پس آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔  
اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ ایک دیہاتی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے رمضان المبارک کا چاند دیکھا ہے آپ نے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا: اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ روزہ رکھیں۔

پہلے جو حدیث گزر چکی ہے اس میں ”اذا رايتموه“ (جب تم چاند دیکھو) سے بعض مسلمانوں کا دیکھنا مراد ہے ہر آدمی کا دیکھنا شرط نہیں ہے بلکہ ہمارے مذہب میں واضح قول کے مطابق ایک عادل کا دیکھنا تمام لوگوں کے لئے کافی ہے اور یہ روزے کے بارے میں ہے اور روزہ چھوڑنے کے سلسلے میں عید کے چاند پر ایک عادل کی گواہی کافی نہیں۔ ابو ثور کے علاوہ تمام علماء کا یہی مذہب ہے، حضرت ابو ثور ایک عادل کی گواہی کو کافی قرار دیتے ہیں۔

”الاسنوی“ فرماتے ہیں: جب ہم روزے کے سلسلے میں ایک عادل کی بات کرتے ہیں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ اس (روزے) کے علاوہ کی طرف متعدی نہیں ہوتا پس اس صورت میں طلاق اور (غلام کی) آزادی واقع نہ ہوگی جب یہ باتیں رمضان کے آنے سے معلق (مشروط) ہوں اور وہ قرض جس کے لئے وقت مقرر کیا گیا اس کا وقت بھی نہیں ہوگا اور نہ زکوٰۃ کے لئے سال پورا ہوگا۔

امام رافعی نے حضرت بغوی سے نقل کرتے ہوئے یہاں اس طرح مطلق بیان کیا الروضہ میں اس کو برقرار رکھا گیا اور اس کی اتباع کی گئی۔

اس کی صورت یہ ہے کہ جب تعلیق شہادت سے مقدم ہو جب شہادت واقع ہو جائے اور حاکم رمضان شریف کے داخل ہونے کا فیصلہ کر دے پھر تعلیق جاری ہو تو طلاق و عتاق واقع ہو جائیں گی۔

قاضی حسین نے اپنی ”تعلیق“ میں ابن سرتج (ابن شریح) سے اسی طرح نقل کیا اور امام رافعی نے ”کتاب الشہادت“ کے دوسرے باب میں فرمایا کہ قیاس یہی ہے۔

۱۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا جب رمضان کا مہینہ داخل ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہے یا اس کا غلام آزاد ہے تو اگر ایک آدمی کی شہادت سے رمضان کا ثبوت ہے تو یہ صرف روزے کے لئے ثبوت ہوگا طلاق یا عتاق کے لئے نہیں اور اگر پہلے گواہی ہو جائے پھر کہے کہ اگر یہ رمضان کا مہینہ ہو تو بیوی کو طلاق ہے یا غلام آزاد ہے تو طلاق و عتاق واقع ہو جائے گی۔ ۱۲ ہزاروی



## فصل نمبر ۳

## نبی اکرم ﷺ روزے کی حالت میں کیا کیا عمل کرتے تھے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کچھ نہ لگوا یا اور آپ روزہ دار تھے۔  
جان لو! جمہور کے نزدیک کچھ نہ لگوانے سے روزہ مطلقاً نہیں ٹوٹتا۔ حضرت علیؓ، حضرت عطاءؓ، اوزاعیؓ، احمدؓ اسحاقؓ اور ابو ثور رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ کچھ نہ لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔  
ان حضرات نے دونوں پر قضا لازم کی ہے۔ بلکہ حضرت عطاءؓ نے سختی سے کام لیتے ہوئے کفارہ بھی واجب قرار دیا۔  
انہوں نے حضرت امام احمد اور ان کی اتباع کرنے والے شافعی حضرات جیسے ابن خزیمہؒ، ابن منذرؒ اور ابن حبانؒ کا قول اختیار کیا۔

امام ترمذی نے حضرت زعفرانی (حسین بن علی بن یزید بغدادی فقیہ امام فی الملت) سے نقل کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ قول حدیث کی صحت سے معلق کیا ہے (یعنی اگر حدیث صحیح ہو) امام ترمذی نے فرمایا یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ بغداد میں فرماتے تھے جب کہ مصر میں وہ اجازت کی طرف مائل تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب ”اختلاف الحدیث“ میں حضرت شداد رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم فتح (مکہ) کے زمانے میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کچھ نہ لگوارہا ہے اس وقت رمضان المبارک کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے نبی اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اس حالت میں آپ نے فرمایا: (کشف الظنون ج ۱ ص ۳۲)

افطر الحاجم والمحجوم۔ کچھ نہ لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی کہ نبی اکرم ﷺ نے کچھ نہ لگوا یا اور آپ روزہ دار تھے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ فضیلت والی ہے۔

پس اگر کوئی شخص کچھ نہ لگوانے سے بچے تو میرے نزدیک بطور احتیاط یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے اور قیاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی تائید میں ہے اور صحابہ کرامؓ تابعین اور عام اہل علم سے جو کچھ محفوظ اور یاد ہے وہ یہ کہ کچھ نہ لگانے سے کسی کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

بعض محدثین نے حدیث ”افطر الحاجم والمحجوم“ کی تاویل یوں کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عنقریب وہ روزہ افطار کریں گے جیسے قرآن پاک میں ہے:

إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ حُمْرًا. (یوسف: ۳۶) میں اپنے آپ کو شراب نہ پڑتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

تو یہ مستقبل کے اعتبار سے ہے۔ لیکن اس تاویل کا بعید از عقل ہونا محض نہیں (کیونکہ یہ بات تو ہر روزہ دار کے لئے ہوتی ہے کہ وہ شام کو روزہ افطار کرتا ہے)۔



امام بغوی نے ”شرح السنہ میں“ فرمایا ”اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے روزے کو ٹوٹنے کی طرف لے جاتا ہے“ پچھنے لگانے والا اس لئے کہ کچھ نہ کچھ خون اس کے پیٹ میں جانے سے حفاظت نہیں ہوتی جب وہ اسے چوستا ہے۔ اور جس کو پچھنے لگایا گیا وہ خون نکلنے کی وجہ سے کمزوری سے بے خوف نہیں پس نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ توڑ دیتا ہے بعض نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے مکروہ کام کیا اور وہ پچھنے لگانا ہے گویا وہ عبادت (روزے) کی حالت میں نہیں ہیں۔“

ابن حزم نے کہا کہ حدیث ”افطر الحاجم والمحجوم“ کسی شک و شبہ کے بغیر صحیح ہے لیکن ہم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث پائی ہے وہ فرماتے ہیں:

ارخص النبی ﷺ فی الحجامة للصائم۔

نبی اکرم ﷺ نے روزہ دار کو پچھنے لگوانے کی اجازت دی ہے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے پس اس کو اختیار کرنا واجب ہے کیونکہ رخصت عزیمت کے بعد ہوتی ہے پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ پچھنے لگانے کی وجہ سے روزہ ٹوٹنے کا حکم منسوخ ہو گیا چاہے پچھنے لگانے والا ہو یا لگوانے والا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ والی حدیث کو امام نسائی، ابن خزیمہ اور دارقطنی نے نقل کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں البتہ اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام دارقطنی نے نقل کیا ہے وہ اس کی شاہد ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں سب سے پہلے روزہ دار کے لئے پچھنے لگوانے کی کراہت کا سبب یہ ہوا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پچھنے لگوا یا اور وہ روزہ دار تھے نبی اکرم ﷺ ادھر سے گزرے تو فرمایا ”ان دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا“ (پچھنے لگانے اور لگوانے والے دونوں مراد ہیں)۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے اس کے بعد روزہ دار کو اجازت دے دی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ پچھنے لگواتے جبکہ آپ روزے کی حالت میں ہوتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۶۸، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۸۲، العلل المتباہیہ ج ۲ ص ۵۱)

اس حدیث کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں البتہ اس حدیث کے متن میں کچھ منکرات ہیں کیونکہ اس میں ہے کہ یہ فتح کے موقع پر ہوا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اس سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔

اس سلسلے میں سب سے اچھی روایت وہ ہے جسے امام عبدالرزاق اور امام ابو داؤد نے حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے کسی شخص سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

نہی النبی ﷺ عن الحجامة للصائم وعن  
 نبی اکرم ﷺ نے روزہ دار کو پچھنے لگوانے اور صوم  
 وصال (مسل روزہ رکھنے) سے منع فرمایا اور ان دونوں  
 کاموں کو حرام قرار نہیں دیا صحابہ کرام پر باقی رکھتے ہوئے  
 (ان پر خوف کھاتے ہوئے منع فرمایا)۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور صحابی کا مجہول ہونا نقصان دہ نہیں۔

ابن ابی شیبہ نے یہ حدیث حضرت وکیع سے روایت کی وہ حضرت ثوری رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔

۱۔ منع کرنے کی وجہ صحابہ کرام پر شفقت ہے کہ وہ کمزور ہو جائیں گے ورنہ ذاتی طور پر یہ باتیں منع نہیں ہیں۔ ۱۲ ہزار روای



اصحاب محمد ﷺ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ نے روزہ دار کو کچھ نہ لگانے سے منع فرمایا اور کمزور کے لئے مکروہ قرار دیا۔ یعنی وہ کمزور نہ ہو جائے۔  
یہ ”فتح الباری سے لیا گیا“ خلاصہ ہے۔ واللہ اعلم

### بوسہ لینا، سرمہ لگانا اور مسواک کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ روزے کی حالت میں اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تھے پھر ام المؤمنین ہنس پڑیں۔  
آپ فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ ”وکان املکم لاربہ اپنی حاجت پر تم سب سے زیادہ غالب تھے“۔ یعنی اپنی خواہش پر غالب تھے۔

ابن اثیر کہتے ہیں (لفظ ارب کو) اکثر محمد ثین ہمزہ اور راء کے فتح سے پڑھتے ہیں اور اس کا معنی حاجت ہے بعض ہمزہ کے کسرہ اور راء سکون سے پڑھتے ہیں اور اس کی دو تاویل ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے حاجت مراد ہے اس سلسلے میں کہا جاتا ہے:

الْأَرْبُ، الْإَرْبُ، الْإَرْبَةُ، الْمَارَبَةُ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ اس سے عضو مراد لیا اور خاص طور پر عضو تناسل مراد ہے۔

امام شافعی اور ان کے شاگردوں کا مذہب یہ ہے کہ بوسہ لینا اس شخص پر حرام نہیں جس کی شہوت متحرک نہیں ہوتی لیکن اسے چھوڑنا بہتر ہے لیکن جس شخص میں شہوت کی حرکت ہو اس کے حق میں حرام ہے۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

اور حدیث شریف کے یہ الفاظ ”فضحکت“ (ام المؤمنین مسکرا پڑیں) تو اس سلسلے میں کہا گیا ہے کہ آپ کے مسکرانے میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں پر تعجب کیا ہو! یہ بھی کہا گیا ہے کہ خود اپنے آپ پر تعجب فرمایا جب اس قسم کی بات ذکر کی جو مردوں کے سامنے ذکر کرتے وقت عورتیں شرم محسوس کرتی ہیں، لیکن آپ کو تبلیغ علم کی وجہ سے اس بات کا ذکر کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور کبھی اپنی ذات کے بارے میں اس بات کی خبر دیتے ہوئے شرم محسوس ہوئی یا اس بات سے آگاہ کرنا مطلوب تھا کہ یہ واقعہ خود آپ کا اپنا ہے تاکہ اس پر اعتماد زیادہ ہو یا حضور ﷺ سے اپنے قرب اور محبت پر خوشی کے باعث ایسا کیا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت شریک سے اور انہوں نے حضرت ہشام سے یہ حدیث روایت کی اور اس میں یوں ہے کہ آپ مسکرائیں تو ہم نے خیال کیا کہ خود آپ ہی وہ زوجہ مطہرہ ہیں۔

امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ بوسہ لینے کے لئے میری طرف جھکے تو میں نے عرض کیا کہ میں روزہ دار ہوں آپ نے فرمایا میں بھی روزہ دار ہوں پھر آپ نے میرا بوسہ لیا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۳-۱۷۶ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۳۳ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۴۱۰)

امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ ان کا بوسہ لیتے اور ان کی زبان چوستے



تھے یعنی وہ روزہ دار ہوتے اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اگر صحیح ہو تو یہ اس بات پر محمول ہوگی کہ آپ اس لعاب کو نگلتے نہیں تھے جو حضرت ام المؤمنین کے لعاب سے مل جاتا تھا۔

اور نبی اکرم ﷺ اشد سرمد لگاتے تھے حالانکہ آپ روزے کی حالت میں ہوتے اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت محمد بن عبد اللہ بن ابی رافع سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا۔ پھر امام بیہقی نے فرمایا کہ یہ (راوی) محمد بن عبد اللہ قوی نہیں ہیں جب کہ امام حاکم نے ان کو ثقہ قرار دیا اور اپنی مستدرک میں ان کی روایت نقل کی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ حالت جنابت میں صبح کرتے جو جماع کی وجہ سے ہوتی احتلام کی وجہ سے نہیں پھر نہ تو روزہ چھوڑتے اور نہ قضا کرتے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: اس حدیث میں دو فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ آپ رمضان شریف (کی راتوں) میں جماع فرماتے اور بیان جواز کے لئے غسل کو طلوع فجر تک مؤخر کرتے اور دوسری بات یہ کہ جنابت جماع کی وجہ سے ہوتی احتلام کی وجہ سے نہیں کیونکہ آپ کو احتلام نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ احتلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور آپ اس سے معصوم تھے۔

امام قرطبی کے علاوہ (دوسروں) نے حدیث کے الفاظ ”احتلام کے بغیر“ کے بارے میں فرمایا کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کے لئے احتلام جائز ہے ورنہ استثناء کا کوئی معنی نہ ہوگا۔

اس کا یوں رد کیا گیا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور آپ اس سے معصوم تھے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ احتلام کا اطلاق انزال پر بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات انزال خواب میں کچھ دیکھے بغیر بھی ہوتا ہے اور جماع کی قید سے ام المؤمنین نے ان لوگوں کے رد کا ارادہ کیا کہ جو شخص جان بوجھ کر ایسے کرے (جسبی ہو جائے) اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو بے شمار مرتبہ روزے کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا۔

فصل نمبر ۵

## نبی اکرم ﷺ کے افطار کا وقت

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم ماہ رمضان میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے جب سورج غروب ہوا تو آپ نے فرمایا: اے بلال! ”انزل فاجد ح لنا اتر وادہ ہمارے لئے ستوتیار کرو“ عرض کیا یا رسول اللہ! ابھی دن باقی ہے آپ نے فرمایا: اتر وادہ ستوتیار کرو راوی فرماتے ہیں: وہ اترے اور ستوتیار کئے آپ کی خدمت میں لائے گئے تو آپ نے نوش فرمائے پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: جب سورج ادھر سے غائب ہو جائے اور رات ادھر سے آجائے تو روزہ دار کے افطار کا وقت ہو گیا۔



”الجدح“ جیم اور اس کے بعد جاء ہے کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے کو کہتے ہیں اور مراد ستوؤں کو پانی میں ملا کر حرکت دینا ہے حتیٰ کہ وہ برابر ہو جائیں (مل جائیں)۔

حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام روزے کی حالت میں تھے جب سورج غروب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ستوپانی میں ملانے کا حکم فرمایا تا کہ افطار کریں جب مخاطب نے روشنی اور سرخی کے آثار دیکھے جو غروب آفتاب کے بعد باقی رہتے تھے تو گمان کیا کہ اس (سرخی اور سفیدی) کے چلے جانے کے بعد افطاری کا وقت ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان (سرخی اور سفیدی) کو نہ دیکھا ہو تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو یاد دلانے اور خبر دینے کا ارادہ کیا ہو اور اس کی تائید ان کے اس قول سے ہوتی ہے کہ ”ابھی دن ہے“ کیونکہ ان کو اس بات کا وہم ہوا کہ یہ دن کی روشنی ہے جس میں روزہ واجب ہوتا ہے اور دوسری روایت میں ”لو امسیت“ کے الفاظ کا یہی مطلب ہے (یعنی اگر شام تک ٹھہرتے تو روزہ پورا ہو جاتا) اور بار بار یہ الفاظ دہرانا اس اعتقاد کے غلبہ کی وجہ سے تھا کہ ابھی دن ہے جس میں کھانا حرام ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کے نزدیک یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس روشنی کی طرف اچھی طرح نہیں دیکھا تو روشنی کے باقی رہنے کی اچھی طرح خبر دینے کا ارادہ کیا۔ واللہ اعلم یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

### فصل نمبر ۶

## نبی اکرم ﷺ کس چیز کے ساتھ افطار فرماتے تھے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز سے پہلے چند تازہ کھجوروں کے ساتھ افطار کرتے تھے اگر تازہ کھجوریں نہ ملتیں تو چھوہاروں سے افطار فرماتے (اور اگر چھوہارے بھی نہ ملتے تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرما لیتے)۔ (سنن ترمذی، سنن نسائی)

نبی اکرم ﷺ نے افطار کے لئے یہ چیز اختیار کی کیوں کہ طبیعت کو میٹھنی چیز دی جائے جب کہ معدہ خالی ہو تو وہ زیادہ قبول کرتا ہے اور اس سے اعضاء مضبوط ہوتے ہیں خصوصاً دیکھنے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ اور پانی نوش فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ روزے کی وجہ سے جگر خشک ہو جاتا ہے پس جب پانی سے تر کیا جائے تو اس کے بعد والی غذا سے کامل نفع حاصل ہوتا ہے اسی لئے پیاسے بھوکے شخص کے لئے بہتر ہے کہ وہ پہلے تھوڑا سا پانی پیئے پھر اس کے بعد کھانا کھائے۔ یہ بات ابن قیم نے کہی ہے۔

### فصل نمبر ۷

## نبی اکرم ﷺ افطاری کے وقت کون سے کلمات کہتے تھے؟

حضرت معاذ بن زہرہ سے مروی ہے ان تک یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ روزہ افطار کرتے وقت یہ کلمات



کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَىٰ رِزْقِكَ  
اَفْطَرْتُ۔

یا اللہ! تیرے ہی لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے  
رزق پر میں نے افطار کیا۔

یہ حدیث مرسل ہے اور ان (معاذ رحمہ اللہ) کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تابعین میں شمار کیا لیکن (معاذ بن زہرہ کی بجائے)  
معاذ ابوزہرہ کہا ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے ثقات کے ذکر میں امام بخاری کی اتباع کرتے ہوئے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔  
یحییٰ بن یونس شیرازی نے ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا اور جعفر مستغفری نے ان کی بات کو غلط قرار دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث موصول ہو اگرچہ حضرت معاذ تابعی ہوں کیونکہ ہو  
سکتا ہے ان تک اس حدیث کو پہنچانے والے کوئی صحابہ ہوں۔ وہ فرماتے ہیں اسی اعتبار سے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اس  
حدیث کو سنن میں ذکر کیا اور دوسرے اعتبار سے مراسل میں ذکر کیا (جس حدیث میں صحابی کا ذکر نہ ہو تابعی براہ راست  
نبی اکرم ﷺ سے روایت کرے وہ مرسل ہے اس کی جمع مراسل ہے)۔

ابن سنی نے اور طبرانی نے ”معجم الکبیر“ میں نہایت کمزور سند کے ساتھ روایت کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے  
مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب افطاری فرماتے تو یوں کہتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَىٰ رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ  
فَقَبَّلَ مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

یا اللہ! تیرے ہی لیے میں نے روزہ رکھا اور تیرے  
رزق پر میں نے افطار کیا، پس تو مجھ سے قبول فرما، بے شک

تو سننے والا جاننے والا ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب افطاری فرماتے تو یوں کہتے:

ذَهَبَ الظَّمْأُ وَأَبْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ  
إِنْ شَاءَ اللَّهُ۔

پاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا  
ان شاء اللہ۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے نقل کیا اور امام رزین نے اس کے شروع میں ”الحمد لله“ کا اضافہ کیا ہے۔  
ابن السنی کی کتاب میں حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ افطاری کے وقت یہ  
کلمات کہتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ  
فَاَفْطَرْتُ۔

اللہ تعالیٰ کے لئے تعریف (اور شکر) ہے جس نے  
میری مدد کی پس میں نے روزہ رکھا اور رزق عطا کیا پس  
میں نے افطار کیا۔



## فصل نمبر ۸

## نبی اکرم ﷺ کے صوم وصال

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وصال سے منع فرمایا، صحابہ کرام نے عرض کیا آپ تو (روزے میں) وصال فرماتے ہیں (یعنی افطار نہیں کرتے اور رات کو بھی دن کے ساتھ ملاتے ہیں) آپ نے فرمایا: میں (میری حالت) تمہاری حالت کی طرح نہیں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

”صحیح بخاری میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے صوم وصال رکھے تو صحابہ کرام نے صوم وصال رکھنا شروع کئے لیکن ان کو اس سے تکلیف ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو صوم وصال سے منع فرمادیا انہوں نے عرض کیا آپ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں آپ نے فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے ہمیشہ کھلایا پلایا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ماہ رمضان المبارک کے آخر میں رات کو دن کے روزے سے ملایا تو کچھ مسلمانوں نے بھی اسی طرح وصل کے ساتھ روزہ رکھا آپ کو یہ بات پہنچی تو فرمایا: اگر ہمارے لئے مہینہ لمبا کیا جائے تو ہم وصال کے روزے رکھیں گے حد سے بڑھنے والے اس تجاوز کو چھوڑ دیں تم میری مثل نہیں ہو یا فرمایا میں تمہاری مثل نہیں ہوں میرا رب مجھے ہمیشہ کھلاتا اور پلاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے (کہ آپ نے فرمایا: روزے میں وصل نہ کرو صحابہ کرام نے عرض کیا آپ تو وصل کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی ایک کی طرح نہیں ہوں بے شک مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔  
(آپ نے فرمایا ”یدع المتعمقون تعمقہم“ (تو متعمقون سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی معاملے میں متشدد ہوں اور قول یا فعل میں حد سے بڑھ جائیں۔

حضرت سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ حضرت حسن (رحمہم اللہ) کی مرسل حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا): میں یوں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام پر رحمت کے تحت ان کو صوم وصال سے منع فرمایا انہوں نے عرض کیا آپ تو وصل کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میں تمہاری حالت کی طرح نہیں ہوں بے شک میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا البتہ امام بخاری نے لفظ ”نہی“ فرمایا ”نہاہم“ نہیں فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے روزے میں وصل سے منع فرمایا تو صحابہ کرام نے (اس عمل کو چھوڑنے سے) انکار کیا جب انہوں نے باز رہنے سے انکار کیا تو آپ نے ان کے ساتھ ایک دن صوم وصال رکھا پھر ایک اور دن اسی طرح کیا پھر (شوال کا) چاند دیکھا آپ نے فرمایا اگر یہ چاند ٹھہر جاتا تو میں ۱۔ الحمد للہ! مسلمانوں کا عقیدہ ہے آپ سرکارِ دُعا عالم ﷺ بے مثل بشر ہیں ہماری طرح نہیں۔ یہ عقیدہ کہ حضور ﷺ ہمارے جیسے بشر ہیں

کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ ہزاروی



تمہارے لئے اس (صوم وصال) میں اضافہ کرتا گویا آپ نے ان کو تنبیہ کی (اور جھڑکتے ہوئے فرمایا) جب انہوں نے باز رہنے سے انکار کیا۔

### ”یطعمنی ربی ویسقینی“ کا معنی

وصال کا معنی یہ ہے کہ دو دن یا اس سے زیادہ (دن) یوں روزہ رکھنا کہ درمیان میں نہ کھائے نہ پیئے۔  
شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے قول ”یطعمنی ربی ویسقینی“ (میرا رب مجھ کھلاتا اور مجھے پلاتا ہے) کے معنی میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عزت و کرامت روزوں کی راتوں میں کھانا دیا جاتا تھا۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اگر ایسا ہوتا تو صوم وصال نہ ہوتا۔

نیز آپ کا قول ”اظل“ (مجھے مسلسل کھلایا پلایا جاتا ہے) اس بات پر دلالت ہے کہ دن کو بھی ایسا ہوتا تھا اگر حقیقتاً کھانا پینا ہوتا تو آپ روزہ دار نہ ہوتے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ رائج روایات میں لفظ ”ابیت“ (میں رات گزارتا ہوں) ہیں ”اظل“ کا لفظ نہیں اور اس لفظ کو ثابت مانا جائے تو یہ مطلق ”ہونے“ کے معنی میں ہوگا۔

حقیقت لفظ (تسلسل) مراد نہیں ہوگی کیونکہ آپ کا عمل تو رات کے وقت (کھانے پینے سے) رکنا تھا دن کے وقت نہیں۔

اور اکثر روایات میں ”ابیت“ ہے تو بعض راویوں نے اس لفظ کو مطلق ”ہونے“ کے معنی میں اشتراک کی وجہ سے ”اظل“ سے تعبیر کیا۔ اہل عرب اکثر کہتے ہیں ”اضحی فلان کذا“ (فلاں ایسا ہو گیا) اور وہ (چاشت کے) وقت کے ساتھ تخصیص کو نہیں دیکھتے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا. (النحل: ۵۸)

اور جب ان میں سے کسی ایک کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔

تو اس سے مطلق وقت مراد ہے دن یا رات کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اور کھانے پینے کو مجازی معنی پر محمول کرنا لفظ ”اظل“ کو مجازی معنی پر محمول کرنے سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ اور اگر برسبیل تنزل مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو اعزاز کے طور پر جو جنت کا کھانا اور مشروب دیا جاتا ہے اس پر مکلفین کے احکام جاری نہیں ہوتے جس طرح آپ کا قلب مبارک سونے کے تھال میں دھویا گیا حالانکہ سونے کے دنیوی برتنوں کا استعمال حرام ہے۔

ابن منیر نے کہا کہ جس چیز سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وہ عام کھانا ہے لیکن عام عادت کے خلاف کھانا ہے جیسے جنت سے آیا ہوا کھانا تو وہ اس معنی کے خلاف ہے اور اس کو لینا اعمال کی جنس سے نہیں وہ ثواب کی جنس سے ہے جس طرح جنت

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد نبی اکرم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے اسے نہی حقیقی سمجھا بلکہ ان کا خیال تھا کہ آپ

ہمیں مشقت سے بچانا چاہتے ہیں اور ہمیں اس عمل سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۸ ص ۱۰۹)



میں جنتیوں کا کھانا اور کرامت (اعزاز) عادت کو باطل نہیں کرتی۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ کھانے اور مشروب کو حقیقی معنی پر محمول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور رات اور دن میں اس کا کھانا وصال کو ختم نہیں کرنا کیونکہ آپ کے ساتھ خاص ہے گویا جب آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ بھی وصل فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میری حالت تمہاری حالت جیسی نہیں یعنی تمہاری صفت پر نہیں کیونکہ تم میں سے جو کھاتا یا پیتا ہے اس کا وصال ختم ہو جاتا ہے بلکہ مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے اور اس (کھانے پینے) سے میرا صوم وصال منقطع نہیں ہوتا پس میرا کھانا اور پینا صورتاً اور معناً تمہارے کھانے اور پینے کا غیر ہے۔

جمہور فرماتے ہیں: اس سے (کھانا پینا مراد نہیں بلکہ) کھانے پینے کا لازم مراد ہے اور وہ قوت ہے گویا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے کھانے اور پینے والے جیسی قوت عطا کرتا ہے اور وہ مجھ پر ایسا فیضان فرماتا ہے جو کھانے اور پینے کے قائم مقام ہوتا ہے اور طاقت میں کسی کمزوری کے بغیر مجھے مختلف عبادات پر قوت دیتا ہے۔

یا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ میں ایسا سیر ہونا اور سیرابی پیدا فرمائی جس کی وجہ سے آپ کو کھانے پینے کی ضرورت باقی نہ رہی اور آپ نے بھوک اور پیاس محسوس نہ کی۔

پہلی تاویل اور اس میں فرق یہ ہے کہ آپ کو سیر ہونے اور سیرابی کے بغیر قوت عطا کی بلکہ بھوک اور پیاس کے باوجود قوت حاصل ہوئی۔ اور دوسری تاویل کے مطابق سیر ہونے اور سیرابی کے ساتھ قوت دی گئی۔

پہلے قول کو ترجیح دی گئی کیونکہ دوسری تاویل روزے دار کی حالت کے منافی ہے اور اس سے روزے اور وصال کا مفہوم فوت ہو جاتا ہے کیونکہ بھوک اس عبادت کی خصوصی روح ہے۔

قرطبی فرماتے ہیں: یہ بات نبی اکرم ﷺ کی حالت کو دیکھتے ہوئے بعید نظر آتی ہے کیونکہ آپ سیر ہونے کے مقابلے میں اکثر بھوک کی حالت میں رہتے اور اپنے بطن مبارک پر پتھر باندھتے تھے۔

اور یہ بھی احتمال ہے جس طرح ابن قیم نے ”الہدیٰ میں“ اور ابن رجب نے ”المطائف میں“ ذکر کیا کہ اس سے مراد وہ غذا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے معارف (معرفت) کی صورت میں عطا کی آپ کے قلب مبارک پر اپنی ہمکلامی کا فیضان فرمایا اپنے قرب سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کی اپنی محبت و شوق کی نعمت سے نوازا اور اس کے تابع وہ احوال ہیں جو دلوں کی غذا ارواح کی نعمتیں آنکھوں کی ٹھنڈک اور نفوس کی تازگی ہے روح کو ان چیزوں سے بہت بڑی اور زیادہ نفع بخش غذا حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات عرصہ دراز تک یہ غذا جسمانی غذاؤں سے بے نیاز کر دیتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے:

لها احادیث من ذکراک تشغلها عن الشراب وتلهيها عن الزاد

اذا اشتکت من کلال السیر او عدها روح القدوم فتحيا عند ميعاد

”وہ اونٹنیاں تیرے ذکر سے متعلق باتوں کی وجہ سے پانی سے غافل ہو جاتی ہیں اور یہ زاد (کھانے)

سے بے خبر ہو جاتی ہیں۔

جب وہ چلنے کی مشقت کی شکایت کرتی ہیں تو وہ مشقت ان کو آنے کی روح کا وعدہ دیتی ہیں تو وہ اس

مقررہ وقت پر (موت کے بعد) زندہ ہو جاتی ہیں۔“

اور جس شخص کو تھوڑا سا تجربہ اور شوق ہو وہ جانتا ہے کہ جسم کو دل اور روح کی غذا حاصل ہو تو وہ بہت سی حیوانی غذا سے



بے نیاز ہو جاتا ہے خصوصاً مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے خوش ہونے والے کو اپنے محبوب کی وجہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کے قرب و رضا کی وجہ سے لطف اندوز ہوتا ہے اور محبوب کی مہربانیوں سے اسے انتہائی درجے کا اعزاز حاصل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مکمل محبت حاصل ہوتی ہے۔

تو کیا اس محبت کے لئے یہ بہت بڑی غذا نہیں ہے؟ تو اس محبوب کی کیا کیفیت ہوگی جس کے لئے اس سے بڑی زیادہ یا جمال و کمال اور احسان میں بڑی کوئی چیز نہیں تو کیا یہ محبت اپنے محبوب کے پاس ہو تو وہ رات اور دن میں اسے نہیں کھلائے پلائے گا؟ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انی اظل عند ربی يطعمنی ویسقینی۔ میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مہذب میں“ نقل کیا جس طرح ”شرح تقریب الاسانید میں“ فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھے کھانے پینے سے بے خبر رکھتی ہے اور کامل محبت ان دونوں سے بے خبر رکھا کرتی ہے۔ سوال: اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام ”اللہ“ کی بجائے ”رب“ کو کیوں ترجیح دی یعنی ”یطعمنی ربی“ فرمایا ”یطعمنی اللہ“ نہیں فرمایا؟

جواب: بندوں پر اسم الوہیت ”اللہ“ کی نسبت اسم ربوبیت کے ساتھ تجلی زیادہ قریب ہوتی ہے کیونکہ یہ عظمت کی تجلی ہے جس کی بندوں کو طاقت حاصل نہیں اور ربوبیت کی تجلی رحمت و شفقت کی تجلی ہے۔

## صوم وصال کا حکم

ہمارے لئے صوم وصال کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں یا حرام ہے یا مکروہ؟ ایک گروہ نے کہا کہ یہ جائز ہے اگر اس پر قادر ہو۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر اسلاف سے مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کئی دن وصال کے روزے رکھتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پندرہ دن وصال کے روزے رکھتے تھے اور ان کے ساتھ صحابہ کرام میں سے حضرت ابوسعید کی بہن اور تابعین میں سے حضرت عبدالرحمن بن ابی معمر عامر بن عبداللہ بن زبیر ابراہیم بن یزید ایشی اور ابوالجوزاک ذکر کیا جس طرح ابو نعیم نے ”الحلیۃ میں“ نقل کیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۷۹)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے منع کرنے کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ صوم وصال رکھے۔ اگر یہ نہی حرام قرار دینے کے لئے ہوتی تو آپ ان کو اپنے فعل پر برقرار نہ رکھتے پس معلوم ہوا کہ روکنے سے آپ کا مقصد ان پر رحمت فرمانا اور تخفیف تھی جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی حدیث میں واضح طور پر فرمایا پس جس پر یہ عمل گراں نہ ہوا اور نہ ہی اس نے افطار میں تاخیر کے سلسلے میں اہل کتاب کی موافقت کا قصد کیا اور نہ جلدی افطار کے سلسلے میں سنت سے اعراض کیا تو اسے صوم وصال سے منع نہیں فرمایا۔

جواز کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام نے نہی کے بعد یہ عمل کیا پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ انہوں نے اسے نہی تنزیہی سمجھا، نہی تحریمی نہیں ورنہ وہ یہ اقدام نہ کرتے۔



اکثر حضرات نے فرمایا کہ وصال جائز نہیں۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ نے یہی فرمایا جبکہ امام شافعی اور آپ کے اصحاب (رحمہم اللہ) نے اسے مکروہ قرار دیا اور وہ اس کی کراہت کی دو وجہ بتاتے ہیں ان میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے اور دوسرے قول کے مطابق کراہت تنزیہی ہے۔

ابن ذہب، امام احمد بن حنبل اور اسحاق رحمہم اللہ نے سحری تک وصال کو جائز قرار دیا کیونکہ ”صحیح بخاری میں“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

لا تواصلوا فایکم اراد ان یواصل روزے میں وصل نہ کرو اور اگر وصال کا روزہ رکھنا ہو فلیواصل الی السحر۔ تو سحری تک رکھو۔

اس وصال پر وہ حکم مرتب نہیں ہوتا جو اس کے غیر پر مرتب ہوتا ہے کیونکہ یہ رات کے کھانے کی طرح ہے مگر اس میں تاخیر ہوتی کیونکہ روزہ دن میں ہوتا تھا اور رات میں کھانا پس جب سحری کے وقت کھایا تو رات کے پہلے حصے سے آخر کی طرف منتقل کیا اور یہ قیام لیل کے لئے جسم کو زیادہ ہلکا پھلکا رکھتا ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ اس کا محل اسی وقت ہے جب تک روزے دار پر باعث مشقت نہ ہو ورنہ عبادت نہیں بنے گی۔

حدیث شریف میں اس بات کی وضاحت ہے کہ روزے میں وصال نبی اکرم ﷺ کے خصائص سے ہے پس آپ نے فرمایا:

انی لست کھینتکم۔ میں تمہاری حالت کی طرح نہیں ہوں۔

”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب رات ادھر (مشرق) سے آجائے اور دن ادھر (مغرب) سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے افطاری کا وقت داخل ہونے پر اسے حکماً افطار کرنے والا قرار دیا اگرچہ وہ افطار نہ کرے اور یہ بات شرعی طور پر وصال کو منع کرتی ہے۔

جمہور نے حرام ہونے پر نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں نبی کے عموم سے استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا:

لاتواصلوا۔ صوم وصال نہ رکھو۔

اور ”رحمة“ کے الفاظ جو آپ نے فرمائے ہیں ان کا جواب یوں دیا کہ یہ ممنوع کام کے حرام ہونے کے منافی نہیں ہے اور آپ کی شفقت کی وجہ سے ان پر حرام قرار دینا اس لئے تھا کہ وہ اس عمل کا تکلف نہ کریں جو ان پر گراں گزرتا ہے اور ان کے ساتھ دو دن کے وصال میں مصلحت یہ تھی کہ ان کو جھڑکنے کے سلسلے میں تاکید ہو اور نبی کی حکمت نیز وصال پر مرتب ہونے والے فساد کو بیان کیا جائے اور یہ عبادت میں تھکاوٹ کا پیدا ہونا اور بعض وظائف دین میں کمی کا واقع ہونا ہے مثلاً نماز کا خشوع اور اذکار کے ساتھ مکمل نہ ہونا اور وہ تمام وظائف جو دن اور رات میں شروع (جائز) ہیں۔

انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے ذریعے بھی جواب دیا جس میں آپ نے فرمایا کہ ”جب رات ادھر سے آجائے اور دن ادھر سے چلا جائے تو روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا“ کیونکہ آپ نے رات کو صرف افطار کا وقت



قرار دیا تو اس میں روزہ رکھنا روزے کی وضع کے خلاف ہے۔

امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے صوم وصال کو قبول کیا اور آپ کے بعد کسی کے لئے جائز نہیں۔ لیکن اس حدیث کی سند صحیح نہیں لہذا یہ قابل استدلال نہیں۔

## فصل نمبر ۹

### نبی اکرم ﷺ کا سحری کھانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سحری کھا رہے تھے تو آپ نے فرمایا: انہا برکۃ اعطاکم اللہ ایامہ فلا تدعوه۔ یہ برکت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہے پس اسے نہ چھوڑو۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے رمضان شریف میں مجھے سحری کھانے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: مبارک ناشتہ کی طرف آؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے سحری کے وقت فرمایا: ”اے انس میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرتا ہوں پس مجھے کھلائے میں آپ کی خدمت میں ایک کھجور اور ایک برتن لایا جس میں پانی تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے چکے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے انس! کسی شخص کو دیکھ جو میرے ساتھ کھائے میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا میں ستوپینے کا ارادہ کرتا ہوں کیونکہ میرا ارادہ ہے کہ روزہ رکھوں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں بھی روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں پس انہوں نے آپ کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ کھڑے ہوئے دو رکعتیں پڑھی اور پھر نماز کے لئے (مسجد میں) تشریف لے گئے۔

حضرت زہر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سحری کس وقت کھائی؟ تو انہوں نے فرمایا وہ دن تھا مگر ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ (نوٹ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دن قریب تھا اس لئے اسے مجازاً دن کہا)۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر ہم نماز کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دونوں کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ فرمایا پچاس آیات (پڑھنے کے برابر)۔

اس سے درمیانے انداز کی آیات مراد ہیں جو نہ تو لمبی ہوں اور نہ چھوٹی نہ جلدی پڑھی جائیں اور نہ بالکل آہستہ۔ ابن ابی جمرہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اس کام کو دیکھتے جو امت کے لئے زیادہ آسان ہو پھر اسے کرتے کیونکہ اگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سحری کو اذان دیتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فجر کی اذان ہو چکی تھی۔ ۱۲ ہزاروی



آپ سحری نہ کھاتے تو لوگ آپ کی اتباع کرتے اور اس طرح یہ بات ان کے لئے باعث مشقت ہوتی اور اگر رات کے درمیان سحری کھاتے تو بھی ان میں سے بعض پر گراں گزرتی جن پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے کیونکہ بعض اوقات نیند صبح کو چھوڑنے کا ذریعہ بنتی ہے یا شب بیداری کے ساتھ مجاہدہ کی حاجت ہوتی ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ سحری سے فراغت طلوع فجر سے پہلے ہونی چاہیے اور یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کے خلاف ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ وہ دن کا وقت ہوتا مگر ابھی سورج طلوع نہ ہوتا (یہ بات اس قول کے خلاف نہیں کیونکہ اس سے بھی دن مراد نہیں بلکہ فجر کے قریب کا وقت مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

”فتح الباری میں“ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ دونوں میں کوئی معارضہ نہیں بلکہ اختلاف حال پر محمول کیا جائے گا۔ کسی ایک روایت میں بھی ایسی بات نہیں جو اس عمل کو ہمیشہ کرنے کی خبر دیتی ہو۔

فصل نمبر ۱۰

## نبی اکرم ﷺ کا سفر میں روزہ رکھنا اور چھوڑ دینا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے سال ماہ رمضان میں تشریف لے گئے تو آپ نے روزہ رکھا حتیٰ کہ جب ”کراع الغمیم“ مقام پر پہنچے اور صحابہ کرام کا بھی روزہ تھا پھر آپ نے پانی کا ایک پیالہ طلب فرمایا اور اسے اٹھایا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے اسے دیکھا پھر اسے نوش فرمایا اس کے بعد آپ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: انہوں نے نافرمانی کی ہے ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا کہ لوگوں پر روزہ مشکل ہو گیا اور وہ آپ کے عمل کے منتظر ہیں تو آپ نے عرصہ کے بعد پانی کا ایک پیالہ طلب فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک میں سفر فرمایا تو روزہ رکھا حتیٰ کہ مقام عسفان میں پہنچے پھر پانی کا ایک برتن منگوایا اور پانی نوش فرمایا تا کہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ نے افطار کر لیا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے سفر میں روزہ رکھا اور چھوڑا بھی پس جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

”صحیح مسلم میں ہے کہ“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص کو برا کہتے جو روزہ رکھتا اور نہ اسے جو نہ رکھتا۔ نبی اکرم ﷺ سفر میں روزہ رکھتے بھی تھے اور (کبھی) چھوڑ بھی دیتے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں حالت سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض اہل ظاہر کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں حالت سفر میں روزہ رکھنا صحیح نہیں اگر روزہ رکھے گا تو منعقد نہیں ہوگا اور اس کی قضاء لازم ہوگی کیونکہ آیت کریمہ کا ظاہر یہی بتاتا ہے۔

۱۔ ارشاد خداوندی ہے مَمَّنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرہ: ۱۸۳) تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر پر ہو وہ دوسرے دنوں سے شمار کرے۔



نیز حدیث شریف میں ہے:

سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔

لیس من البر الصیام فی السفر۔

(سنن ابوداؤد رقم الباب: ۲۳، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۷۶-۱۷۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۶۳-۱۶۶۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۱۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۹، ج ۵ ص ۳۳۳، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۳۲، سنن داری ج ۲ ص ۹، المستدرک ج ۱ ص ۳۳۳، التہذیب ج ۳ ص ۳۰۳، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۸۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۴۵)

ایک دوسری حدیث میں ”اولئک العصاة“ (یہ نافرمان لوگ ہیں) فرمایا ہے۔

جمہور علماء کرام اور تمام اہل فتویٰ فرماتے ہیں: کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور وہ منعقد بھی ہو جاتا ہے اور کفایت بھی کرتا ہے لیکن ان میں اختلاف یہ ہے کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا چھوڑنا یا دونوں برابر ہیں؟

حضرت امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور اکثر حضرات فرماتے ہیں: کہ جو شخص طاقت رکھتا ہو اور ظاہری طور پر اسے کوئی مشقت یا تکلیف نہ ہوتی ہو اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑنا افضل ہے۔ ان حضرات نے نبی اکرم ﷺ کے روزہ رکھنے سے استدلال کیا نیز اس اعتبار سے فی الحال ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب، اوزاعی، احمد اور اسحاق اور ان کے علاوہ (فقہاء کرام) رحمہم اللہ فرماتے ہیں: روزہ نہ رکھنا مطلقاً افضل ہے۔ ہمارے بعض اصحاب (شافعی المسلک حضرات) نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ غریب (غیر معروف) ہے انہوں نے اہل ظاہر کی مذکورہ بالا دلیل سے استدلال کیا اور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو بھی دلیل بنایا آپ نے فرمایا:

ہی رخصة من الله فمن اخذ بها فحسن  
ومن احب ان يصوم فلا جناح عليه.  
یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے پس جو اسے قبول کرے تو اچھا ہے اور جو شخص روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۸۷، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۳۳، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۹۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۲۹، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۹۰)

اس حدیث کے ظاہر سے روزہ چھوڑنے کی ترجیح واضح ہوتی ہے۔

اکثر حضرات نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کو تکلیف کا ڈر ہو یا مشقت برداشت کرنا پڑے جس طرح احادیث میں واضح طور پر آیا ہے انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتماد کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ماہ رمضان المبارک میں جہاد کر رہے تھے تو ہم میں سے کچھ حضرات روزہ رکھے ہوئے تھے اور بعض کا روزہ نہیں تھا روزہ دار روزہ چھوڑنے والے پر اور چھوڑنے والا روزہ رکھنے والے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا جس کو طاقت ہوتی وہ روزہ رکھتا تو یہ اچھا ہوتا اور ان کا خیال تھا کہ جو کمزور ہو اس کا روزہ نہ رکھنا اچھا ہے۔ (صحیح مسلم)

یہ حدیث اکثر حضرات کے مذہب کی ترجیح میں واضح ہے اور یہ اس شخص کے لئے روزے کے بارے میں تفصیل



ہے جو کسی تکلیف اور ظاہری مشقت کے بغیر اس کی طاقت رکھتا ہے۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ احادیث کے باہم مساوی ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں برابر ہیں لیکن اکثر حضرات کا قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم

دوسری قسم

نبی اکرم ﷺ کا رمضان المبارک کے علاوہ روزہ رکھنا

اس میں کئی فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

نبی اکرم ﷺ کا کئی دن مسلسل روزہ رکھنا اور کئی دن چھوڑ دینا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسلسل روزے رکھتے تھے پس کہا جاتا ہے کہ روزہ رکھنا ترک نہیں کریں گے اور روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ کہا جاتا روزہ نہیں رکھیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ مہینے میں روزہ نہ رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ اب روزہ نہیں رکھیں گے پھر روزہ رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ روزہ رکھنا کبھی ترک نہیں کریں گے۔

اور ہم جب بھی آپ کو رات کے وقت حالت نماز میں دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے اور آرام فرما دیکھنا چاہتے تو اسی حالت میں دیکھتے۔

ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ میں جب بھی آپ کو کسی مہینے میں روزہ دار دیکھنا چاہتا تو اسی طرح دیکھتا اور روزہ چھوڑے ہوئے دیکھنا چاہتا تو اسی حالت میں دیکھتا اور رات کو حالت قیام میں دیکھنا چاہتا تو قیام میں دیکھتا آرام فرما دیکھنا چاہتا تو اسی طرح (آرام فرما) دیکھتا۔

”صحیح مسلم میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ روزہ رکھتے حتیٰ کہ کہا جاتا کہ آپ نے روزہ رکھا روزہ رکھا اور روزہ رکھنا ترک کر دیتے حتیٰ کہ کہا جاتا آپ نے روزہ نہیں رکھا آپ نے روزہ نہیں رکھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ماہ رمضان کے علاوہ کبھی مکمل مہینہ روزہ نہیں رکھا اور آپ روزہ رکھتے حتیٰ کہ کہنے والا کہتا اللہ کی قسم! آپ کبھی روزہ رکھنا ترک نہیں کریں گے اور آپ روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ کہنے والا کہتا اللہ کی قسم! آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔

امام نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت سے آپ نے ماہ رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں مسلسل (مکمل) روزے نہیں رکھے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے نہ تو عمر بھر کے روزے رکھے اور نہ ہی پوری رات قیام کیا گویا آپ نے



یہ عمل اس لئے ترک فرمایا کہ اس سلسلے میں آپ کی اقتدانہ کی جائے اس طرح امت پر یہ عمل باعث مشقت ہوگا اگرچہ آپ کو اس قدر قوت عطا کی گئی تھی کہ آپ اس عمل کو اپنے اوپر لازم کرتے تو آپ اس پر قادر تھے لیکن آپ نے عبادت میں ایک درمیانہ راستہ اختیار کیا پس روزہ بھی رکھا اور چھوڑ بھی دیا قیام بھی کیا اور آرام بھی فرمایا۔

## فصل نمبر ۲

### یوم عاشوراء کا روزہ

#### یوم عاشوراء کا تعین

یہ لفظ الف مدہ کے ساتھ ہے اور اس کی تعین میں اختلاف ہے۔ حضرت حکم بن اعرج سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا تو انہوں نے زمزم کے پاس اپنی چادر کا تکیہ لگا رکھا تھا میں نے عرض کیا مجھے عاشوراء کے روزے کے بارے میں بتائیے تو آپ نے فرمایا جب تم محرم کا چاند دیکھو تو اس کو شمار کرو اور نو محرم کو روزہ رکھو میں نے عرض کیا: کیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اسی طرح اس کا روزہ رکھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے وضاحت ہے کہ ان کے مذہب کے مطابق عاشوراء محرم کی نویں تاریخ ہے اور وہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ یہ ”اظمأ الابل“ سے ماخوذ ہے (اونٹ کا پیاسا ہونا) کیونکہ اہل عرب پہنچنے کے پانچویں دن (شرح میں تیسرا دن لکھا ہے) کو چوتھا دن کہتے ہیں اسی طرح باقی دنوں کو اس نسبت سے کہتے ہیں پس نواں دن دسواں ہو گیا۔ ۱

لیکن ابن منیر نے فرمایا: کہ ان کا قول ”جب نویں تاریخ کی صبح ہو تو روزہ رکھو“ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ انہوں نے دسواں دن مراد لیا ہے کیونکہ نویں تاریخ کو روزہ دار ہونے کے بعد وہ روزے کی حالت میں صبح نہیں کر سکتا مگر اس صورت میں جب آنے والی رات میں نیت کرے اور یہ دسویں رات ہے۔

اور جمہور علماء پہلے اور پچھلے اس بات کی طرف گئے ہیں کہ عاشوراء محرم کی دسویں تاریخ ہے اور یہ بات فرمانے والوں میں حضرت سعید بن مسیب، حضرت حسن بصری، امام مالک، امام احمد، اسحاق اور حضرت خلائق رحمہم اللہ ہیں۔

یہ مسلک ظاہر حدیث سے ثابت ہے اور لفظ کا مقتضاء بھی یہی ہے۔ اس کو ”اظمأ“ سے ماخوذ کرنا بعید ہے۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے معنی کی وجہ سے اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے روزہ رکھا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: جب آئندہ سال آئے گا تو ہم نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھیں گے۔

راوی فرماتے ہیں: آئندہ سال ابھی نہیں آیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۳۵)

قرطبی فرماتے ہیں: لفظ عاشوراء عاشر سے مبالغہ اور تعظیم کے لئے بدلا گیا ہے اصل میں ”لیلة عاشورہ“ (دسویں)

۱۔ امام زرقانی فرماتے ہیں وہ لوگ رات سے تاریخ کا اندازہ لگاتے ہیں پس جب دو دن اونٹوں کو چرائیں پھر تیسرا دن آجائے تو وہ کہتے ہیں

چوتھے دن میں آ گیا اگرچہ تین دن چراہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۱۷)



رات) کی صفت ہے کیونکہ یہ عشر سے ماخوذ ہے جو ایک عقد (گنتی) کا نام ہے۔ اور دن اس کی طرف مضاف ہے جب ”یوم عاشوراء“ کہا جاتا ہے تو گویا ”دسویں رات کا دن“ کہا گیا (یوم اللیلۃ العاشرة) لیکن جب انہوں نے اس کو صفت سے بدل دیا تو اسمیت غالب آگئی پس موصوف کی ضرورت نہ رہی لہذا اسے حذف کر دیا اس بنیاد پر یوم عاشوراء (اصل میں) یوم عاشر (دسواں دن) ہے یہ خلیل وغیرہ (ائمہ لغت) کا قول ہے۔

ابن منیر نے کہا اکثر حضرات کے نزدیک عاشوراء محرم الحرام کا دسواں دن ہے اشتقاق اور تسمیہ کا مقتضا بھی یہی ہے (یعنی دسواں دن ہے عشر سے ماخوذ ہے)۔

ابن قیم نے کہا کہ جو شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات کے مجموعہ میں غور و فکر کرے گا اس کے لئے اعتراض کا زوال اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی علمی وسعت واضح ہو جائے گی انہوں نے عاشوراء نویں تاریخ کو نہیں کہا بلکہ سوال کرنے والے سے فرمایا نویں تاریخ کو روزہ رکھو اور پوچھنے والے کی معرفت پر اکتفاء کیا کہ یوم عاشوراء دسواں دن ہے جسے لوگ بھی عاشوراء کہتے ہیں تو آپ نے سوال کرنے والوں کی یوں رہنمائی فرمائی کہ وہ نو محرم کا روزہ بھی رکھے اور بتایا کہ نبی اکرم ﷺ بھی اسی طرح روزہ رکھا کرتے تھے۔

تو اس سے یا تو آپ کا فعل مراد ہے اور وہ زیادہ مناسب ہے یا فعل کو امر اور مستقبل میں اس کے عزم پر محمول کیا جائے گا اور یہی بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یوم عاشوراء کے روزے کا حکم دیا اور وہ دسواں دن ہے۔ تو یہ تمام روایات ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔

### دور جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ بھی دور جاہلیت میں یہ روزہ رکھتے تھے جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو عاشوراء کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم (بھی) دیا۔

پس جب رمضان المبارک (کا روزہ) فرض ہوا تو (بطور فرض) عاشوراء کو چھوڑ دیا پس جو چاہے اس کا روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

اس روایت سے اس وقت کے تعین کا فائدہ حاصل ہوا جس میں عاشوراء کے روزے کا حکم ہوا اور وہ مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کا ابتدائی وقت ہے اور اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ ربیع الاول شریف میں تشریف لائے تو دوسرے سال کے آغاز میں اس کا حکم ہوا اور دوسرے سال میں ہی ماہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے اس بنیاد پر عاشوراء کے روزے کا حکم صرف ایک سال رہا پھر اس روزے کو نفلی عبادت کرنے والے کی رائے پر پسزد کر دیا گیا۔

تو جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ روزہ فرض تھا اگر ان کا قول صحیح ہے تو ان صحیح احادیث کی وجہ سے وہ فرضیت منسوخ ہو گئی۔

قریش عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے تو شاید انہوں نے پہلی شریعتوں سے لیا ہو اسی لئے وہ اس دن کی تعظیم کعبہ شریف کے خلاف پہنانے کے ذریعے کرتے تھے۔



حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا قریش نے دور جاہلیت میں کوئی گناہ کیا تو ان کے دل میں یہ بات بہت بڑی محسوس ہوئی پس ان سے کہا گیا کہ عاشوراء کا روزہ رکھو یہ اس کا کفارہ ہو جائے۔ (یہ بات فتح الباری میں فرمائی ہے)۔

### فرضیت رمضان سے پہلے عاشوراء کے روزے کا حکم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہل جاہلیت عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان عاشوراء یوم من ایام اللہ فمن شاء بے شک عاشوراء اللہ کے دنوں میں سے ایک دن ہے پس جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے۔ صامہ۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے البتہ یہ کہ ان کی عادت کے مطابق یہ دن آجائے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اسلم قبیلے کا ایک آدمی عاشوراء کے دن بھیجا اور اسے حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جس نے روزہ نہیں رکھا وہ روزہ رکھے اور جس نے کھانا کھایا ہے وہ رات تک روزہ پورا کرے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسلام کے شروع میں رمضان کا روزہ فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کے روزے کے حکم میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس وقت) واجب تھا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگردوں اور مقلدین کا دو طریقہ پر اختلاف ہے ان کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ یہ روزہ جب سے جائز ہوا سنت رہا ہے اور اس امت میں کبھی بھی واجب نہیں رہا لیکن اس کا استحباب تاکید تھا۔

جب رمضان شریف کے روزے کا حکم آیا تو مستحب ہو گیا لیکن پہلے والے مستحب سے کم درجہ میں ہو گیا۔ ان حضرات کا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول جیسا ہے کہ یہ واجب تھا۔

واجب روزے کے لئے رات کے وقت نیت کرنا شرط ہے یا نہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے شرط قرار نہیں دیتے اور فرماتے ہیں کہ لوگوں کا عاشوراء کے دن کے شروع میں روزہ نہ تھا پھر ان کو دن کے وقت نیت کے ساتھ روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور روزہ رکھنے کے بعد اس کی قضاء کا حکم نہیں دیا گیا۔ اصحاب شافعی فرماتے ہیں یہ روزہ دن کے وقت نیت کے ساتھ مستحب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ”امر بصیامہ“ (نبی اکرم ﷺ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا) سے استدلال کرتے ہیں کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ نیز اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ جب رمضان شریف کا روزہ فرض ہوا تو نبی اکرم

ؐ محض اس دن کی تعظیم کے لئے دن کا باقی حصہ میں کھانے پینے سے رکے کا حکم دیا روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے لہذا یہ اصطلاحی روزہ



ﷺ نے فرمایا: اور جو شخص چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

شافعی حضرات نبی اکرم ﷺ کے اس قول کو دلیل بناتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا: یہ عاشوراء کا دن ہے اس کا روزہ اللہ تعالیٰ نے تم پر لازم نہیں کیا۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ جس نے روزہ نہیں رکھا وہ روزہ رکھے۔ کا معنی یہ ہے کہ جس نے روزے کی نیت کی ہے وہ اپنا روزہ پورا کرے اور جس نے روزے کی نیت نہیں کی اور کھانا بھی نہیں کھایا یا کھایا ہے وہ اس دن کی حرمت کی خاطر باقی دن (کھانے پینے سے) رک جائے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے کہ فرض روزہ دن کے وقت نیت سے واجب ہو جاتا ہے اس میں رات کے وقت نیت شرط نہیں وہ فرماتے ہیں کیونکہ انہوں نے دن کے وقت نیت کی اور وہ ان کے لئے کافی ہے۔

جمہور (غیر حنفی) نے اس حدیث کا جواب یوں دیا ہے کہ اس سے مراد دن کے باقی حصہ میں رک جانا ہے حقیقی روزہ مراد نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کھانا کھایا پھر ان کو روزہ پورا کرنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ فرض اور نفل میں نیت کی کفایت کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی ایسا عمل مثلاً کھانا وغیرہ نہ پایا جائے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

حافظ شیخ الاسلام ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان تمام احادیث کے مجموعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ روزہ واجب تھا کیونکہ اس کا حکم ثابت ہے پھر اس امر کی تاکید بھی کی گئی اس کے بعد ندائے عام کے ساتھ مزید تاکید کی گئی پھر اس (تاکید) میں اضافہ یوں ہوا کہ جن لوگوں نے کھانا کھایا ان کو رک جانے کا حکم دیا پھر مزید اضافہ اس طرح ہوا کہ ماؤں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس دن بچوں کو دودھ نہ پلائیں (تاکہ کمزور نہ ہو جائیں) اور ”صحیح مسلم میں“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ثابت ہے کہ ”جب رمضان فرض ہوا تو عاشورہ چھوڑ دیا گیا“۔ اس سے بھی فرضیت ثابت ہوئی کیوں کہ اس کا استحباب ترک نہیں کیا بلکہ وہ باقی ہے تو یہ اس بات کی دلالت ہے کہ وجوب ترک کیا گیا۔

بعض حضرات کا یہ قول کہ جو کچھ ترک ہوا وہ استحباب کی تاکید ہے اور مطلق استحباب باقی ہے تو اس قول کی کمزوری پوشیدہ نہیں بلکہ استحباب کی تاکید باقی ہے خصوصاً جب کہ اس کا اہتمام مسلسل رہا حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے سال بھی جب آپ نے فرمایا: ”اگر میں زندہ رہا تو آئندہ سال نویں اور دسویں دونوں تاریخوں میں روزہ رکھوں گا“ اور آپ نے روزہ رکھنے کی ترغیب دی نیز یہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے تو اس سے زیادہ بلیغ تاکید کیا ہوگی؟

### یہودی اور عاشوراء کا روزہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایک اچھا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی چنانچہ آپ نے روزہ رکھا اور فرمایا تمہاری نسبت



میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ حق رکھتا ہوں چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔ ایک روایت میں آپ نے ان سے پوچھا یہ دن کون سا ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ بہت بڑا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام (اور آپ کی قوم) کو نجات دی اور اس میں فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر کے طور پر روزہ رکھا تو ہم بھی یہ روزہ رکھتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۱-۳۱۰، السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۸۶، اللدر المنثور ج ۱ ص ۶۹، نصب الرایۃ ج ۲ ص ۲۵۴، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۱۵)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارے مقابلے میں ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ حق رکھتے اور زیادہ قریب ہیں چنانچہ آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۸۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۶۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۷۲)

ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا ہم اس دن کی تعظیم کی خاطر اس کا روزہ رکھیں گے۔

اس حدیث پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کس طرح فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے حالانکہ آپ ربیع الاول شریف میں مدینہ طیبہ تشریف لائے؟ تو اعتراض کا جواب ”زاد المعاد“ کے مصنف (ابن قیم) نے یوں دیا ہے کہ اس حدیث میں یہ بات نہیں کہ جس دن آپ تشریف لائے اس دن آپ نے ان کو روزہ رکھے ہوئے پایا کیونکہ بارہ ربیع الاول سوموار کے دن تشریف لائے بلکہ اس دن آپ کو پہلی بار علم ہوا اور واقعہ آپ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد دوسرے سال ہوا اور جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تھے اس کا علم نہیں ہوا۔

”فتح الباری میں فرمایا“ خلاصہ یہ ہے کہ کلام میں یہ عبارت مقدر محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یوم عاشوراء تک ٹھہرے پس یہودیوں کو اس دن روزے کی حالت میں پایا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہودی شمسی سال کے اعتبار سے یوم عاشوراء کا حساب لگاتے ہوں اور وہ اس دن آگیا ہو جس دن نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

یہ تاویل ان باتوں میں سے ہے جن میں مسلمانوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ حق اور قرب کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ وہ لوگ اس دن سے بھٹک گئے اور مسلمانوں کو اس کی رہنمائی حاصل ہوئی لیکن سیاق حدیث اس تاویل کے خلاف ہے اور پہلی تاویل پر اعتماد ثابت ہوتا ہے۔

یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کی خبر کی طرف کیسے رجوع فرمایا حالانکہ وہ مقبول نہیں۔

مازری نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف ان کے اس قول کی صداقت کے بارے میں وحی آئی ہو یا آپ کے پاس یہ تواتر کے ساتھ نقل ہو کر آئی ہو حتیٰ کہ آپ کو اس کا علم حاصل ہو گیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے مازری کا رد کرتے ہوئے فرمایا ”صحیح مسلم میں“ روایت ہے کہ قریش اس دن کا روزہ رکھتے تھے جب نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے روزہ رکھا اور یہودیوں کے قول سے کوئی نیا حکم



نہیں آیا جو بحث کا محتاج ہو یہ تو ایک حال کی صفت اور سوال کا جواب ہے۔ اور حدیث میں جو کہا گیا کہ آپ نے روزہ رکھا تو اس میں یہ بات نہیں کہ آپ کے روزے کا آغاز اس وقت ہوا اگر یہ بات ہوتی تو ہم اسے اس بات پر محمول کرتے کہ آپ کو ان کے علماء میں سے مسلمان ہونے والوں نے خبر دی جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ وہ فرماتے ہیں: بعض حضرات نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں یہ روزہ رکھتے ہوں پھر روزہ رکھنا چھوڑ دیا حتیٰ کہ آپ کو اہل کتاب کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے روزہ رکھا۔ فرماتے ہیں: کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ الفاظ حدیث کے زیادہ لائق ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مازری کا قول مختار ہے اور اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں یہ روزہ رکھتے تھے جس طرح قریش یہ روزہ رکھتے تھے پھر آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودیوں کو یہ روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے وحی کے ذریعے یا خبر متواتر یا اجتہاد کے ذریعے یہ روزہ رکھا محض خبر واحد کی وجہ سے نہیں رکھا۔ قرطبی فرماتے ہیں: شاید قریش اس لئے یہ روزہ رکھتے ہوں کہ اسے پہلی شریعتوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی طرف منسوب کرتے ہوں اور نبی اکرم ﷺ کے روزے میں احتمال ہے کہ وہ ان (قریش) کی موافقت میں ہو جیسا کہ حج کے سلسلے میں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دن کے روزے کی اجازت دی ہو کہ یہ اچھا کام ہے پس جب آپ نے ہجرت کی اور یہودیوں کو روزہ رکھتے ہوئے پایا اور ان سے سوال کیا اور روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا تو اس بات کا احتمال ہے کہ یہودیوں کی دل جوئی فرمائی ہو جس طرف ان کے قبلہ کی طرح رخ کرنے میں ان کی دل جوئی فرمائی۔ اس کے علاوہ کا بھی احتمال ہے۔

جو بھی صورت ہو آپ نے یہودیوں کی اقتدا میں یہ روزہ نہیں رکھا کیونکہ آپ پہلے بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ان امور میں جن سے آپ کو منع نہیں کیا گیا اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے خصوصاً جب کسی کام میں بت پرستوں کی مخالفت ہو جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام کا معاملہ پھیل گیا تو آپ نے اہل کتاب کی مخالفت کو بھی پسند فرمایا جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہودی اور عیسائی اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: جب آئندہ سال آئے گا تو ان شاء اللہ ہم نو تاریخ کا روزہ بھی رکھیں گے پس آئندہ سال آنے سے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔

### نویں محرم کا روزہ

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

لئن بقیت الی قابل لا صوم من التاسع.

اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نو تاریخ کا روزہ بھی

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۵۸ التہذیب ج ۷ ص ۲۱۴) رکھوں گا۔

یہ حدیث امام شافعی اور ان کے شاگردوں (ومقلدین) حضرت امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کی دلیل ہے جو نو اور دس دونوں دنوں کا روزہ مستحب قرار دیتے ہیں کیونکہ آپ نے دس تاریخ کا روزہ رکھا اور نو تاریخ کے روزہ کی نیت فرمائی۔



امام نووی فرماتے ہیں: بعض علماء نے فرمایا شاید دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کے روزے کا سبب یہ ہو کہ صرف دس محرم کے روزے کے ذریعے یہودیوں سے مشابہت نہ ہو جائے۔ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے اور کہا گیا ہے کہ عاشوراء کے حصول میں احتیاط کے لئے یہ حکم ہے لیکن پہلی بات زیادہ مناسب ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يوم عاشوراء صوموه وخالفوا فيه اليهود  
عاشوراء کے دن کا روزہ رکھو اور اس میں یہودیوں کی  
مخالفت کرو (یعنی) ایک دن پہلے اور ایک دن بعد (بھی)  
وصوموا قبله يوما وبعده يوما.

روزہ رکھو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۱، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸۷، الدر المنثور ج ۶ ص ۳۳۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۲۲۱-۲۳۲۳۱)

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

پس اس دن کے روزے کے تین مراتب ہیں۔

سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ صرف عاشوراء کا روزہ رکھا جائے، سب سے کامل درجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھا جائے اور اس کے ساتھ ملا ہوا درجہ یہ ہے کہ نویں اور دسویں محرم (دونوں دنوں) کا روزہ رکھا جائے۔ اکثر احادیث سے یہی بات ثابت ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ اس عبادت میں اہل کتاب کی مخالفت مقصود ہے اور مقصد دو میں سے ایک بات سے حاصل ہوتا ہے یا تو دسویں دن کو نویں دن کی طرف منتقل کیا جائے یا دونوں کا روزہ رکھا جائے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، فرماتے ہیں: یہودی عاشوراء کے دن کو عید کا دن قرار دیتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اس دن روزہ رکھو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۹-۱۳۰، مسند احمد ج ۳ ص ۵، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۵۵، الدر المنثور ج ۶ ص ۳۳۵)

اس سے واضح ہوتا ہے تو اس دن روزہ رکھنے کا حکم یہودیوں کی مخالفت کو پسند کرنا ہے حتیٰ کہ اس دن روزہ رکھا جائے جس دن وہ نہیں رکھتے کیونکہ عید کے دن روزہ نہیں رکھا جاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے روزے کا باعث سبب میں ان کی موافقت تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات پر شکر ادا کرنا ہے۔ لیکن اس کے اس دن کی تعظیم کرنے اور اس کو عید منانے کے اعتقاد سے لازم نہیں آتا کہ وہ اس دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے ہو سکتا ہے ان کی شریعت میں تعظیم کی ایک صورت اس دن کا روزہ رکھنا ہو۔

”صحیح مسلم میں“ یہ بات صراحتاً بیان ہوئی ہے (اس کے الفاظ اس طرح ہیں)۔ اہل خیر عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے وہ اس دن کو عید قرار دیتے اور اس دن وہ اپنی عورتوں کو زیورات اور عمدہ کپڑے پہناتے تھے۔

**نبی اکرم ﷺ کا یوم عاشوراء میں روزہ رکھنا**

نبی اکرم ﷺ کے یوم عاشوراء میں روزہ رکھنے کا خلاصہ چار حالتیں ہیں۔



(۱) آپ مکہ مکرمہ میں روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کرام کو روزہ رکھنے کا حکم نہ دیتے جیسا کہ اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بخاری و مسلم اور دیگر محدثین کے حوالے سے گزر چکی ہے کہ قریش جاہلیت کے دور میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ بھی اس دن کا روزہ رکھتے پس جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے اس دن کا روزہ رکھا۔

(۲) نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور اہل کتاب کو اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے اور اس کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ان امور میں جن کا حکم نہ دیا گیا ان لوگوں کی موافقت کو پسند کرتے تھے تو آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس روزے کو حکم اور ترغیب کے ذریعے تاکید بنایا۔ حتیٰ کہ لوگ اپنے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے تھے جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث امام بخاری و مسلم اور دوسرے حضرات کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

(۳) جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے یہ روزہ چھوڑ دیا اور فرمایا عاشوراء اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ایک دن ہے جس کا دل چاہے وہ اس دن روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث اس کی شاہد ہے۔

(۴) نبی اکرم ﷺ نے عمر کے آخری حصے میں پکا ارادہ کر لیا تھا کہ آپ صرف اس دن کا روزہ نہیں رکھیں گے بلکہ اس کے ساتھ ایک اور دن بھی ملائیں گے تاکہ اس دن کے روزے کے سلسلے میں اہل کتاب کی مخالفت ہو جائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

### عاشوراء کی فضیلت

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ عاشوراء کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے اور نوز و الحجہ کا روزہ دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۳۹) اس سے واضح ہوتا ہے کہ نوز و الحجہ کا روزہ عاشوراء کے روزے سے افضل ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ یوم عاشوراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور یوم عرفہ (نوز و الحجہ) نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہے اسی لئے یہ افضل ہے۔ واللہ اعلم

### عاشوراء کے دن کشادگی

ایک روایت میں ہے:

من وسع علی عیالہ فی یوم عاشوراء وسع  
اللہ علیہ السنۃ کلہا۔  
جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر (رزق میں) فراوانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ سال بھر اس پر (رزق) کشادہ کرتا ہے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے اور امام بیہقی نے ”الشعب میں نیز فضائل الاوقات میں“ روایت کیا اور ابوالشیخ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے دو (امام طبرانی اور امام بیہقی) نے صرف ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت



کیا اور دوسرے (امام بیہقی) نے ”فقط شعب الایمان میں“ حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور فرمایا کہ ان تمام روایات کی اسناد ضعیف ہیں لیکن جب ان کو ایک دوسرے سے ملایا جائے تو قوت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے بلکہ عراقی نے اپنی امالی (حدیث لکھانا املاء کہلاتا ہے) میں فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے صحیح طرق ہیں۔ ابن ناصر حافظ نے ان میں سے بعض کو صحیح قرار دیا۔

ابن جوزی نے موضوعات میں سلیمان بن ابی عبد اللہ کے طریق سے روایت کیا اور کہا کہ سلیمان مجہول ہے اور ابن حبان نے سلیمان کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا پس ان کی رائے میں یہ حدیث صحیح ہے۔

ابن عراقی نے کہا کہ اس حدیث کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کئی طرق ہیں اور وہ مسلم کی شرائط پر ہیں۔ ابن عبد البر نے اسے ”الاستذکار میں“ ابوالزبیر کی روایت سے نقل کیا اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور یہ صحیح طریق سند ہے۔

ابن عبد البر اور دارقطنی نے اسے ”الافراد میں“ جید سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت کیا اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”شعب الایمان میں“ محمد بن منشر کی جہت سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے۔ آگے اسی طرح حدیث ذکر کی۔

### فصل نمبر ۳

## نبی اکرم ﷺ کا شعبان میں روزہ رکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو رمضان المبارک کے علاوہ کسی مہینے میں مکمل طور پر روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے آپ کو شعبان المعظم سے زیادہ کسی مہینے میں روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ان دونوں (بخاری و مسلم) کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ شعبان المعظم کے علاوہ کسی مہینے میں زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے اس میں مکمل مہینہ (اس کے قریب قریب مراد ہے) روزہ رکھتے تھے۔

”جامع ترمذی کی“ روایت میں ہے کہ آپ اس مہینے میں چند دنوں کے علاوہ (باقی دنوں میں) روزہ رکھتے تھے بلکہ (یوں سمجھیں کہ) مہینہ بھر روزہ رکھتے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنا زیادہ پسند تھا پھر آپ اسے رمضان المبارک سے ملاتے تھے۔

امام نسائی نے روایت کیا کہ آپ شعبان کا مہینہ یا شعبان کے عام (اکثر) دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ ان ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ شعبان کا مکمل مہینہ روزہ رکھتے تھے۔



## ان احادیث میں تطبیق

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے کے زیادہ دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔  
امام ترمذی نے حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کلام عرب میں جائز ہے کہ اگر کوئی شخص مہینے کا اکثر حصہ روزے میں گزارے تو کہا جائے ”صام الشهر كله“ (اس نے پورا مہینہ روزہ رکھا)۔  
اور کہا جاتا ہے ”قام فلان ليلة اجمع فلاں شخص نے رات بھر قیام کیا“ اور ہو سکتا ہے کہ وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد کسی کام میں مشغول ہوا ہو۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: گویا حضرت ابن مبارک نے دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی روایت دوسری روایت کی تفسیر اور اس کے لئے تخصیص (تخصیص کرنے والی) ہے اور کل سے اکثر مراد ہے یہ مجاز ہے جس کا استعمال بہت کم ہے۔

طیبی نے اس تطبیق کو بعید از عقل قرار دیا اور کہا کہ اسے اس بات پر محمول کیا جائے کہ کبھی آپ شعبان کا پورا مہینہ روزہ رکھتے اور کبھی اس کا زیادہ حصہ روزے میں گزارتے اور یوں بھی جمع کیا جاسکتا ہے کہ آپ کا دوسرا قول پہلے قول کے بعد کا ہے تو پہلے امر کی خبر یوں دی کہ آپ شعبان کا زیادہ حصہ روزے میں گزارتے اور دوسری روایت میں آخری معاملے کی خبر دی کہ آپ پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے لیکن اس میں جو تکلف ہے وہ پوشیدہ نہیں اور پہلی تاویل صحیح ہے (یعنی زیادہ دن مراد ہیں پورا مہینہ مراد نہیں ہے)۔

## شعبان میں بکثرت روزے رکھنے میں حکمت

نبی اکرم ﷺ کے شعبان المعظم میں زیادہ روزے رکھنے کی حکمت میں اختلاف ہے۔ کہا گیا کہ آپ سرفروغیہ کی وجہ سے ہر مہینے کے تین روزے (تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ) نہ رکھ سکتے تو وہ جمع ہو جاتے اور آپ شعبان المعظم میں ان کی قضا کرتے تھے۔

ابن بطلال نے اس بات کی طرف اشارہ کیا اور اس سلسلے میں ایک حدیث ہے جسے امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ ابو یعلیٰ کے طریق سے نقل کیا وہ اپنے بھائی حضرت عیسیٰ سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں (آپ فرماتی ہیں) نبی اکرم ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے بعض اوقات ان کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ سال بھر کے روزے جمع ہو جاتے پس آپ شعبان میں روزہ رکھتے۔

ابن ابی لیلیٰ (راوی) ضعیف ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ حدیث اپنی طرف سے بناتا تھا۔

کہا گیا ہے کہ آپ ماہ رمضان المبارک کی تعظیم کے لئے ایسا کرتے تھے اور اس سلسلے میں ایک حدیث آئی ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے صدقہ بن موسیٰ کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت ثابت سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا:

ای الصوم افضل بعد رمضان قال شعبان لتعظیم رمضان۔  
رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: رمضان کی تعظیم کے لئے شعبان (کا روزہ)۔



(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۶۳، شرح السنہ ج ۶ ص ۳۲۹، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۱۷)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ان (محدثین) کے نزدیک صدقہ (راوی) قوی نہیں ہے۔ لیکن جو حدیث امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے وہ اس سے ٹکراتی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

افضل الصیام بعد رمضان صوم المحرم۔ رمضان المبارک کے بعد محرم کا روزہ افضل ہے۔ اور اس سلسلے میں زیادہ مناسب بات وہ ہے جو ان گذشتہ احادیث سے زیادہ صحیح حدیث میں آئی ہے اس حدیث کو امام نسائی اور ابو داؤد نے نقل کیا اور ابن حبان نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (کی روایت) سے اسے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ شعبان میں جتنے روزے رکھتے ہیں میں نے آپ کو کسی دوسرے مہینے میں اس قدر روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ نے فرمایا یہ وہ مہینہ ہے جس سے لوگ غافل ہیں یہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے یہ وہ مہینہ ہے جس میں اعمال تمام جہانوں کے رب کی طرف اٹھائے جاتے ہیں پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اس حالت میں اٹھائے جائیں کہ میں روزے سے ہوں۔

تو نبی اکرم ﷺ نے شعبان المعظم میں روزہ رکھنے اور دوسرے مہینوں میں (اسی کثرت سے) نہ رکھنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان فرمائی ”کہ اس مہینے سے لوگ غافل ہیں یہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے۔“

آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس مہینے کو دو عظیم مہینوں نے اپنے پہلو میں لے رکھا ہے ایک عزت والا مہینہ (رجب) اور دوسرا روزوں کا مہینہ ان دونوں میں لوگ مشغول ہوتے ہیں تو شعبان سے غفلت ہو جاتی ہے اور بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رجب کے روزے اس مہینے کے روزوں سے افضل ہیں کیونکہ وہ حرمت والا مہینہ ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ اور جس وقت سے غفلت برتی جا رہی ہو اس کو عبادت کے لئے زندہ رکھنے میں کئی فوائد ہیں۔

(۱) ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے اور نوافل کو پوشیدہ رکھنا افضل ہے خصوصاً روزہ تو بندے اور اس کے رب کے درمیان ایک راز ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ نفسوں پر بہت بھاری ہوتا ہے کیونکہ وہ ان کاموں سے مانوس ہوتے ہیں جن کا وہ ہم جنس لوگوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور رجب لوگوں کی بیداری اور عبادت زیادہ ہو تو عبادتیں آسان ہو جاتی ہیں اور جب غفلتیں اور غافل لوگ زیادہ ہوں تو عام لوگ ان سے مانوس ہوتے ہیں اور بیدار ہونے والوں پر عبادتیں باعث مشقت ہوتی ہیں کیونکہ جن لوگوں کی اقتدا کی جاتی ہے وہ کم ہوتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے شعبان میں روزہ رکھنے کے بارے میں ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس میں موت کے اوقات لکھے جاتے ہیں۔ ۲

۱۔ اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی چار مہینے حرمت (عزت) والے شمار ہوتے تھے اور ان میں لڑائی بھی نہیں ہوتی تھی وہ چار مہینے رجب، ذی قعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ جس نے آئندہ سال مرنا ہو اس کا نام زندہ لوگوں کے ناموں سے نکال کر مرنے والوں کی فہرست میں شامل کر کے ملک الموت کو دیا جاتا ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۲۶)



ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ شعبان میں زیادہ روزے رکھتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ شعبان میں زیادہ روزے رکھتے ہیں آپ نے فرمایا: اس مہینے میں موت کے فرشتے کو ان لوگوں کے نام لکھ کر دیئے جاتے ہیں جن کی روح قبض کرنا ہے۔

پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرا نام (فوت ہونے والوں میں) لکھا جائے تو میں روزے سے ہوں۔ یہ حدیث مرسل بھی مروی ہے (تابعی حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں) اور کہا گیا ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔

شعبان کے روزوں کے بارے میں ایک اور بات بھی کہی گئی ہے کہ اس مہینے کے روزے رمضان کے مہینوں کی مشق ہے پس آدمی رمضان کے مہینوں کی مشقت اور تکلیف محسوس نہیں کرتا بلکہ اسے روزے کی عادت ہو چکی ہوتی ہے اور وہ رمضان سے پہلے شعبان کے روزوں کی مٹھاس اور لذت پاتا ہے اور رمضان کے روزے قوت کے ساتھ اور ہشاش بشاش شروع کرتا ہے۔

اس صورت میں اور رمضان المبارک سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت میں کوئی تضاد نہیں اسی طرح شعبان کے دوسرے نصف میں روزہ رکھنے کی ممانعت کے بارے میں جو حدیث آئی ہے اس کے ساتھ بھی کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ دونوں کو جمع کرنا واضح ہے یعنی نبی کو ان لوگوں کے عمل پر محمول کیا جائے گا جو ان دنوں میں روزہ رکھنے کے عادی نہیں ہیں۔

### محرم اور رجب میں روزہ رکھنا

امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کا جواب دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ محرم میں زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے حالانکہ آپ نے فرمایا کہ اس مہینے کے روزے افضل ہیں۔

وہ فرماتے ہیں ممکن ہے آپ کو اس بات کا علم عمر کے آخری حصہ میں ہوا ہو اور آپ کو محرم میں زیادہ رکھنے کی قوت حاصل نہ رہی ہو یا ہو سکتا ہے کہ محرم میں سفر وغیرہ زیادہ روزے رکھنے کی راہ میں رکاوٹ بنا ہو۔

جہاں تک خاص رجب کے مہینے کا تعلق ہے تو بعض شافعی حضرات نے فرمایا کہ یہ تمام مہینوں سے افضل ہے لیکن امام نووی وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا پس معلوم نہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کا اس مہینے میں روزہ رکھنا صحیح ثابت ہے (یا نہیں)؟

بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آپ سے مروی ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے کہ آپ نے رجب کے روزے سے منع فرمایا یہ روایت ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔ لیکن ”سنن ابی داؤد میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے عزت والے مہینوں میں روزہ رکھنے کی دعوت دی اور رجب کا مہینہ بھی ان مہینوں میں سے ایک ہے۔

مجیبہ باہلیہ (الاصابہ ج ۷ ص ۷۰) اپنے والد یا اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا (یعنی ان کے باپ یا چچا سے فرمایا):

صم من الحرم و اترك. عزت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ بھی دو۔



آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ (سنن ابوداؤد رقم الباب: ۵۳، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۹۱، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۳۵)

”صحیح مسلم کی“ روایت میں حضرت عثمان بن حکیم انصاری سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے رجب کے روزے کے بارے میں پوچھا اور اس وقت رجب کا مہینہ ہی تھا تو انہوں نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ (مسل) روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے اب آپ ترک نہیں کریں گے اور آپ روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس استدلال سے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ خاص اس مہینے میں نہ تو ممانعت ہے اور نہ ہی مستحب ہے بلکہ اس کا حکم دوسرے مہینوں کی طرح ہے۔

(ابن رجب حنبلی کی تصنیف) ”اللطائف“ میں ہے کہ ”کتانی (عبد العزیز بن احمد تمیمی) رحمہ اللہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) ہمیں ”تمام الرازی“ نے خبر دی (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے قاضی یوسف نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے محمد بن اسحاق سراج نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے یوسف بن موسیٰ نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) حبیب المعلم نے حضرت عطاء سے روایت کرتے ہوئے ہمیں خبر دی کہ حضرت عروہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے پوچھا کیا نبی اکرم ﷺ رجب میں روزہ رکھتے تھے؟ فرمایا ہاں اور آپ اس کی فضیلت بھی بیان کرتے تھے۔

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ (یہ عبد اللہ بن زید بن عمرو البحری ہیں متوفی ۱۰۴ھ) سے مروی ہے کہ جنت میں ایک محل ہے جو رجب میں بہت زیادہ روزہ رکھنے والوں کے لئے ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو ان تک نہ پہنچی ہو۔

فصل نمبر ۴

## نبی اکرم ﷺ کے عشرۃ ذوالحجہ کے روزے

اس سے مراد ذوالحجہ کے شروع میں نو روزے رکھنا ہے۔

حضرت ہبیدہ بن خالد اپنی بیوی سے اور وہ نبی اکرم ﷺ کی ایک زوجہ مطہرہ سے روایت کرتی ہیں وہ فرماتی ہیں: کان رسول اللہ ﷺ بصوم تسع ذی

نبی اکرم ﷺ نو ذوالحجہ کا روزہ رکھتے تھے۔

الحجۃ. (سنن ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں:

۱ (الاعلام ج ۳ ص ۸۸، تہذیب المعادین ج ۵ ص ۲۲۳، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸۲، الترمذی: ۱۹۲، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۳۶ رقم

الترجمہ: ۳۰۵۸)



ما راایت رسول اللہ ﷺ صائما فی العشر قط. (صحیح مسلم جامع ترمذی) میں نے نبی اکرم ﷺ کو ذوالحجہ کے دس دنوں کا روزہ رکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

اس حدیث سے وہم پڑتا ہے کہ عشرہ (ذوالحجہ) (مراد نو دن ہیں) کا روزہ مکروہ ہے حالانکہ ان میں کوئی کراہت نہیں بلکہ یہ بہت زیادہ مستحب ہیں خصوصاً ان میں سے نو ذوالحجہ کا روزہ اور وہ عرفہ کا دن ہے۔  
”صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من ایام العمل فیہا الفضل منہ فی ہذہ۔ ان (دس دنوں) سے بڑھ کر کسی دن میں عمل کی فضیلت نہیں۔

اس سے ذوالحجہ کا پہلا عشرہ مراد ہے اور اس حدیث سے ذوالحجہ کے عشرہ اول (پہلے نو دن) میں روزے کی فضیلت پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ روزہ بھی عمل میں داخل ہے۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے تو اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ غالب دنوں پر محمول ہے (یعنی نو دنوں کو عشرہ کہا گیا)۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عشرہ میں روزہ نہیں رکھا تو اس کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ آپ نے کسی عذر مثلاً بیماری یا سفر وغیرہ کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا ہو گا یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ان دنوں میں روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا ہو گا اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آپ نے روزہ رکھا ہی نہیں اور اس پر (روزہ رکھنے پر) حضرت ہدیدہ ابن خالد کی روایت دلالت کرتی ہے جو پہلے ذکر کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاسم بن ابی ایوب کی روایت میں آیا ہے:

ما من عمل ازکی عند اللہ ولا اعظم اجرا من خیر یعملہ فی عشر الاضحی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عمل ذوالحجہ کے دس دنوں میں کئے گئے عمل سے زیادہ پاکیزہ اور عظیم نہیں ہے۔

(سنن دارمی ج ۲ ص ۲۶۶ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۹۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۱۸۷)

”صحیح ابی عوانہ اور صحیح ابن حبان میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے:

ما ایام الفضل عند اللہ من ایام عشر ذی الحجة۔ کوئی دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذوالحجہ کے (پہلے) عشرہ سے زیادہ فضیلت والے نہیں ہیں۔

تو ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کی فضیلت سال کے دوسرے دنوں پر ثابت ہو گئی اور اس کا فائدہ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص افضل دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر مانے یا کسی عمل کو ان دنوں سے مشروط کر دے اور ان میں سے صرف ایک دن کا ذکر کرے تو نو ذوالحجہ کا دن متعین ہو جائے گا کیونکہ صحیح قول کے مطابق یہی دن ان دس مذکورہ دنوں میں سے افضل ہے۔

اور اگر ہفتہ کے سات دنوں میں سے افضل دن کا ارادہ کرے تو جمعہ کا دن متعین ہو گا۔ یہ بات گذشتہ حدیث اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کو جمع کرنے سے حاصل ہوئی۔ (مرفوع حدیث یوں ہے):



خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعة۔  
بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔  
داؤدی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ نہیں کہ یہ دن جمعہ کے دن سے بہتر ہے کیونکہ ان میں جمعہ کا دن بھی آتا ہے اگر ایسا ہو تو یہ ایک چیز کی اپنی ذات پر فضیلت لازم آئے گی۔  
اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ اس سے مراد ان دس دنوں میں سے ہر دن سال کے دوسرے دنوں سے افضل ہے چاہے وہ جمعہ کا دن ہو یا نہ اور ان دنوں میں جو جمعہ ہے وہ دوسرے دنوں میں پائے جانے والے جمعہ سے افضل ہے کیونکہ اس میں دو فضیلتیں جمع ہو گئیں۔

اور ظاہر بات یہ ہے کہ ذوالحجہ کے دس دنوں کے امتیاز کا سبب ان دنوں میں عبادات کے اصول کا یعنی نماز، روزہ، صدقہ اور حج کا جمع ہونا ہے اور یہ بات دوسرے دنوں میں نہیں ہوتی۔ اس بات پر یہ سوال ہوگا کہ کیا یہ فضیلت حاجیوں کے ساتھ خاص ہے یا جو اپنے گھروں میں مقیم ہیں ان کے لئے بھی ہے؟ اس میں احتمال ہے۔  
ابو امامہ ابن النخاش نے کہا اگر تم کہو کہ ذوالحجہ کا پہلا عشرہ افضل ہے یا رمضان المبارک کا آخری عشرہ؟ تو جواب یہ ہے کہ ذوالحجہ کا عشرہ افضل ہے کیونکہ اس عشرہ میں وہ دن بھی شامل ہے کیونکہ اس دن شیطان کو جس قدر بھلائی سے دور غضب ناک اور حقیر دیکھا گیا بدر کے علاوہ کسی اور دن اس طرح نہیں دیکھا گیا۔

نیز اس دن کا روزہ دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶۳)  
نیز یہ عشرہ ان دنوں پر مشتمل ہے جن کی عزت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہے اور وہ قربانی کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حج اکبر کا دن کہا۔

اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی راتیں افضل ہیں کیونکہ ان میں لیلة القدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔  
جو شخص اس جواب میں غور کرے گا وہ اسے کافی شافی پائے گا اس بات کی طرف اشارہ اس ذات نے کیا جو فضیلت والے اور فضیلت دیئے گئے ہیں یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من ایام العمل فیہن احب الی اللہ من عشر ذی الحجہ۔  
اللہ تعالیٰ کو ذوالحجہ کے عشرہ (اول) کے عمل کے مقابلے میں کسی دوسرے دن کا عمل زیادہ پسند نہیں۔

تو ”ما من ایام“ کے الفاظ پر غور کرو آپ نے ”ما من عشر“ نہیں فرمایا (یعنی کسی عشرہ کی نفی نہیں، مطلق دنوں کی نفی ہے)۔

اور جس نے اس تفصیل کے بغیر جواب دیا تو وہ صحیح صریح حجت کے ساتھ دلالت نہیں ہے۔



## فصل نمبر ۵

## ہفتہ کے دوران نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سوموار اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کی کوشش فرماتے۔ (جامع ترمذی)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سے سوموار کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا (وجہ پوچھی گئی) تو آپ نے فرمایا:

فیہ ولدت وفيہ انزل علی۔  
اس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر  
(قرآن) نازل کیا گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۸، مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۹، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۹۳، دلائل النبوة ج ۲ ص ۱۳۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۳۵)  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تعرض الاعمال علی اللہ تعالیٰ یوم الاثنين والخميس فاحب ان يعرض عملي وانا صائم.  
سوموار اور جمعرات کے دن اعمال بارگاہ خداوندی  
میں پیش کئے جاتے ہیں تو میں پسند کرتا ہوں کہ جب  
میرے اعمال پیش کئے جائیں تو میں روزے کی حالت میں  
ہوں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۴۷، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۲۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۵۶، اتحاف السادة المستقین ج ۳ ص ۲۵۸، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۱۹۱)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ روزہ رکھتے ہیں حتیٰ کہ قریب نہیں ہوتا کہ آپ روزہ رکھنا ترک کریں گے اور روزہ رکھنا ترک کرتے ہیں حتیٰ کہ قریب نہیں ہوتا کہ آپ روزہ رکھیں گے۔ مگر دو دن ایسے ہیں کہ اگر آپ کے روزوں کے درمیان آجائیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ ان دنوں میں روزہ رکھتے ہیں آپ نے فرمایا کون سے دو دن؟ میں نے عرض کیا سوموار اور جمعرات فرمایا: یہ دو دن ایسے ہیں کہ ان میں اعمال تمام جہانوں کے پروردگار کے حضور پیش کئے جاتے ہیں پس میں چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش کئے جائیں تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۵۷۵)

حضرت علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد خداوندی: ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید O (ق: ۱۸) کے بارے میں روایت کیا وہ فرماتے ہیں: جو بھی اچھی یا بری بات کہی جائے وہ لکھی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کا یہ قول بھی لکھا جاتا ہے کہ میں نے کھایا اور میں نے پیامیں گیا اور میں آیا اور میں نے دیکھا حتیٰ کہ جب جمعرات کا دن ہوتا ہے تو اس کا قول اور عمل پیش کیا جاتا ہے پس جو اچھا یا برا عمل کیا اسے برقرار رکھا جاتا ہے اور باقی تمام



اعمال کو پھینک دیا جاتا ہے۔

یہ پیشی جوان دونوں میں ہوتی ہے یہ خاص ہے اور اس عام پیشی کے علاوہ ہے جو ہر دن ہوتی ہے۔ اور اس پر ”صحیح مسلم“ میں مروی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان پانچ کلمات (کے بیان) کے ساتھ کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور نہ ہی سوتا اس کے لئے مناسب ہے ترازو کو جھکاتا اور بلند کرتا ہے رات کے اعمال دن آنے سے پہلے اور دن کے اعمال رات آنے سے پہلے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۳-۲۹۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۵-۱۹۶ مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۵-۴۰۵ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۳۱ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۱ شرح السنن ج ۱ ص ۱۷۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر مہینے میں تین دن کا روزہ رکھتے تھے سوموار، جمعرات ایک ہفتہ سے اور آنے والے ہفتہ سے سوموار کا روزہ ایک دوسری روایت میں ہے مہینے کا پہلا سوموار پھر جمعرات اور پھر اس سے ملی ہوئی جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مہینے میں ہفتہ اتوار اور سوموار کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینے میں منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا آزاد کردہ غلام حضرت کریب سے مروی ہے فرماتے ہیں: مجھے حضرت ابن عباس اور نبی اکرم ﷺ کے چند دیگر صحابہ کرام نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ میں ان سے پوچھوں کہ نبی اکرم ﷺ کن دنوں میں اکثر روزہ رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہفتہ اور اتوار کے دن۔ اور آپ فرماتے تھے یہ دونوں مشرکوں کی عید کے دن ہیں اور میں ان کی مخالفت کو پسند کرتا ہوں۔ (مسند احمد سنن نسائی)

اس حدیث کے ایک راوی محمد بن عمر ہیں جن کا حال معلوم نہیں اور ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ بن محمد بن عمر روایت کرتے ہیں اور ان کا حال بھی معلوم نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن بسر اپنی بہن حضرت ہماء سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تصوموا يوم السبت الا فيما افترض  
عليكم فان لم يجد احدكم الا لحاء عنبه او  
عود شجرة فليمضغه.  
ہفتے کے دن روزہ نہ رکھو مگر یہ کہ تم پر فرض ہو جائے  
پس اگر تم میں سے کوئی ایک انگور یا لکڑی کا چھلکا پائے تو  
اسے ہی چبالے۔

(یعنی کھانے کو کچھ نہ ملے تو ان کو چبا کر ہی روزے سے بچے)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۲۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۴۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۲۶ مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۹ ج ۶ ص ۳۶۸ سنن داری ج ۲ ص ۱۹ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۰۲ المستدرک ج ۱ ص ۳۳۵ شرح السنن ج ۶ ص ۳۶۱ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۶۳ اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۲۵۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۹۳۷)

بعض حضرات نے کہا اس حدیث میں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ صرف اس دن کا روزہ رکھنے (اور اس کے ساتھ دوسرے دن کا روزہ نہ رکھنے) کی ممانعت ہے چنانچہ سنن ابی داؤد میں یہی عنوان مقرر کیا گیا وہ فرماتے ہیں: ”باب النہی ان یخص يوم السبت بالصوم“ یہ باب تھا ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنے کی



ممانعت کے بارے میں ہے۔

اور جن احادیث میں روزے کا ذکر ہے وہ اس کے ساتھ اتوار کا روزہ رکھنے کے حوالے سے ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں اس کی مثال صرف جمعہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت ہے ہاں اس کے ساتھ پہلے یا بعد والے دن کا روزہ رکھے (تو کوئی حرج نہیں)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ نے ”الموطا میں“ جو فرمایا: کہ میں نے اہل علم وفقہ میں سے کسی سے نہیں سنا اور نہ ان کی اقتدا کرنے والوں سے سنا کہ انہوں نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہو اور اس دن کا روزہ اچھا ہے میں نے بعض اہل علم کو اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا اور دیکھا کہ وہ اس کے لئے کوشش کرتے (سوچ و بچار کرتے)۔“

امام نووی رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا یہی ان کا عقیدہ ہے اور ان کے علاوہ حضرات نے ان کے موقف کے خلاف موقف اپنایا اور سنت ان کی اور دوسروں کی رائے سے مقدم ہے اور جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے نہی ثابت ہے پس یہ قول کرنا متعین ہو گیا اور امام مالک رحمہ اللہ معذور ہیں کیونکہ ان تک یہ نہی نہیں پہنچی۔

امام مالک کے شاگردوں میں داؤدی فرماتے ہیں یہ حدیث امام مالک تک نہیں پہنچی اگر ان تک پہنچی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔

علماء کرام فرماتے ہیں جمعہ کے دن روزہ نہ رکھنا بہتر ہے تاکہ جمعہ کے دن جو عبادات کی جاتی ہیں اور شریعت میں وارد ہیں ان کی ادائیگی پر مدد حاصل ہو اور ان عبادات کو خوشی خوشی اور کھلے دل سے کر سکے کسی تھکاوٹ اور دل کی تنگی کے بغیر ان سے لذت حاصل کرے جس طرح حاجی صاحبان نوز و الحجہ کو (روزہ نہیں رکھتے اور) عبادات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سوال: اگر تم کہو کہ یہ بات ہوتی تو اس سے ایک دن پہلے اور بعد میں اسی وجہ سے روزہ رکھنے کی ممانعت اور کراہت ہوتی؟ جواب: جواب یہ ہے کہ (ممانعت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) اسے ایک دن یا بعد کی فضیلت حاصل ہو جائے اور جمعہ کے دن وظائف میں روزہ رکھنے کی وجہ سے کوتاہی ہو تو اس کا نقصان پورا ہو جائے۔ واللہ اعلم

فصل نمبر ۶

## نبی اکرم ﷺ کے ایام بیض کے روزے

یہ وہ دن ہیں جن میں چاند رات کے شروع سے آخر تک رہتا ہے اور یہ تیر ہویں چودھویں اور پندرہویں تاریخ ہے مہینہ میں مکمل روشن دن ان تینوں کے علاوہ نہیں ہوتا کیونکہ ان کی راتیں بھی روشن ہوتی ہیں اور دن بھی روشن ہوتے ہیں پس جس نے ان کو اس وصف کی بنیاد پر ایام بیض کہا اس نے صحیح کہا اور کامل دن رات کے ساتھ مل کر ہوتا ہے اور اس میں جو ایقتی کا رد ہے وہ کہتے ہیں جس نے ان کو ایام بیض کہا اس نے بیض (سفیدی) دنوں کی صفت قرار دیا اور خطا کی۔

واللہ اعلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سفر میں ہوتے یا گھر میں ایام بیض



کے روزے نہیں چھوڑتے تھے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چار کاموں کو نہیں چھوڑتے تھے (۱) عاشوراء کا روزہ (۲) ذوالحجہ کے پہلے عشرہ (نودنوں) کے روزے (۳) ہر مہینے میں ایام بیض کے روزے اور (۴) فجر کی دو رکعتیں (سنّتیں)۔

حضرت معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں (رکھتے تھے) میں نے عرض کیا مہینے کے کونسے دنوں میں روزہ رکھتے تھے؟ فرمایا اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ مہینے کے کونسے دنوں میں روزہ رکھیں؟ بعض علماء کرام نے فرمایا: شاید آپ ﷺ ہمیشہ معین دنوں میں روزہ نہ رکھتے ہوں تا کہ ان دنوں کا تعین ضروری نہ سمجھ لیا جائے۔

وہ فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مہینے کے ان تین دنوں کے روزے کو زمانہ بھر کے روزوں کی جگہ قرار دیا کیونکہ ہر نیکی کا بدلہ اس کی مثل دس نیکیوں (کے ثواب) کی صورت میں ملتا ہے۔

اصحاب سنن (سنن نسائی وغیرہ) نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ہر مہینے کے شروع میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ مہینے میں جو روزے رکھتے تھے اس کی کئی صورتیں تھیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ مہینے کے پہلے سوموار کا روزہ رکھتے پھر جمعرات کے دن اور پھر اس سے اگلی جمعرات کا روزہ رکھتے۔  
(۲) نبی کریم ﷺ ایک مہینے میں ہفتہ اتوار اور سوموار کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینے میں منگل بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔

(۳) ایام بیض یعنی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھتے تھے۔

(۴) آپ تین دن روزہ رکھتے لیکن وہ دن متعین نہ تھے جس طرح حضرت معاذہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور امام مسلم نے اسے نقل کیا۔

(۵) سرکارِ دو عالم ﷺ مہینے کے شروع میں تین دن روزہ رکھتے تھے ایک جماعت نے اسے اختیار کیا اور اصحاب سنن نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے مہینے کے آخر میں تین دن روزہ رکھنے کو پسند کیا تا کہ گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

اور دوسرے حضرات نے مہینے کے پہلے دسویں اور بیسویں دن کو اختیار کیا اور کہا گیا ہے کہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا روزہ اسی طرح تھا۔

مالکی حضرات میں سے ابن شعبان نے کہا کہ مہینے کے پہلے دن گیارہویں اور اکیسویں دن کا روزہ رکھا جائے اور یہ بات حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے نقل کی اور یہ امام نسائی کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ حدیث کے موافق ہے۔ جس میں یوں آیا ہے:



وصم من كل عشرة ايام يوما.  
 اسنوی نے ماوردی سے نقل کیا کہ سیاہ دنوں (جب چاندنی نہیں ہوتی) میں روزہ رکھو اور وہ ستائیس تاریخ اور اس کے بعد کے دو دن ہیں۔

لیکن ایام بیض کو ترجیح ہے کیونکہ وہ مہینے کے درمیان میں ہیں اور کسی چیز کا درمیان اس کے اعتدال پر ہوتا (اور عمدہ ہوتا ہے) اور عام طور پر سورج گرہن ان تاریخوں پر ہوتا ہے اور حدیث میں یہ حکم آیا کہ جب یہ صورت ہو تو زیادہ عبادت کرو پس جب سورج گرہن ان دنوں میں ہو جن میں ایام بیض عادت کے مطابق واقع ہوں تو اس کیلئے مختلف قسم کی عبادات جمع ہوں گی یعنی روزہ نماز اور صدقہ بخلاف اس کے جب روزہ نہ رکھا ہو تو اس کے لئے روزے والی عبادت نہیں پائی جائے گی۔

بعض حضرات نے مہینے کے شروع میں تین روزوں کو ترجیح دی ہے کیونکہ آدمی کو معلوم نہیں کہ کیا رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ واللہ اعلم  
 پانچویں نوع

## نبی اکرم ﷺ کا اعتکاف آخری عشرہ رمضان میں عبادت کے لئے کوشش اور لیلۃ القدر کی تلاش

### اعتکاف کی تعریف، حکمت اور حکم

جان لو! لغت میں اعتکاف رک جانے، ٹھہرنے اور لازم کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مخصوص آدمی کا مخصوص صفات کے ساتھ ٹھہرنا اعتکاف ہے۔

اس کا مقصد اور اس کی روح دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا اور اس سے جوڑ لینا اور اس کی رضا حاصل کرنے اور جو عمل اس کے قریب کرے اس کی فکر کرنا ہے پس اس کا انس مخلوق کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے تاکہ وحشت کے دن قبر میں جب کہ کوئی ساتھی نہیں ہوگا یہ انس اس کے کام آئے۔

اعتکاف واجب نہیں اس بات پر اجماع ہے البتہ جو شخص نذر مانے (اس پر واجب ہے) اور اسی طرح جو آدمی شروع کر کے جان بوجھ کر چھوڑ دے تو ایک قوم کے نزدیک اس پر واجب ہے۔  
 کیا اس کے لئے روزہ شرط ہے؟

اعتکاف کے لئے روزے کے شرط ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اعتکاف کے درست ہونے کے لئے روزہ شرط نہیں ہے بلکہ جس نے روزہ نہ

۱۔ اگر نفل اعتکاف شروع کر کے چھوڑ دے تو وہیں ختم ہو جاتا ہے اس کی قضا واجب نہیں اگر سنت اعتکاف ہو تو جس دن چھوڑا اسی دن کی قضا

واجب ہے۔ (بہار شریعت حصہ پنجم ص ۱۰۳)



رکھا ہو اس کا اعتکاف بھی صحیح ہے۔

امام مالک، امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اور اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ روزہ شرط ہے پس جس نے روزہ نہ رکھا ہو اس کا اعتکاف درست نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے اس اعتکاف سے استدلال کیا جو آپ نے شوال کے پہلے عشرہ میں کیا۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے دور جاہلیت میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۲۔ ۳۳۲۵ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۳۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۰ مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۔ ج ۳ ص ۶۱۹۔ ج ۶ ص ۳۶۶ سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۱۸۔ ج ۱۰ ص ۶۷۷ المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۲۳)

اور رات روزے کا محل نہیں پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں۔ ۱۔

### اعتکاف کی جگہ مسجد ہی ہے

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے البتہ محمد بن عمر بن لبابہ مالکی متونی ۳۳۰ھ ۲ نے ہر جگہ اجازت دی ہے احناف نے عورت کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے گھر کی مسجد میں یعنی اس جگہ اعتکاف بیٹھے جو نماز کے لئے تیار کی گئی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول بھی یہی ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اعتکاف ان مساجد کے ساتھ خاص ہے جن میں نمازوں کے لئے جماعت ہوتی ہے۔ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک واجب اعتکاف کے لئے یہ بات ضروری ہے اور ان کے نزدیک نفلی اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔

جمہور کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے البتہ جس پر جمعہ لازم ہو تو امام شافعی نے اس کے لئے جامع مسجد میں اعتکاف مستحب قرار دیا اور امام مالک نے شرط قرار دیا کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ کے ساتھ اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے (لہذا جب وہ جمعہ کے لئے باہر جائے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور نہیں جائے گا تو یہ کام حرام ہے) نیز امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اعتکاف شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے۔

اسلاف کے ایک گروہ مثلاً امام زہری رحمہ اللہ نے اسے مطلق جامع مسجد کے ساتھ خاص کیا (اس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو یا نہیں)۔ ۳ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے پہلے قول میں اسی طرح اشارہ کیا ہے۔

۱۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ”صحیح مسلم میں“ رات کی بجائے دن کا ذکر ہے اور ابن حبان وغیرہ نے دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا کہ انہوں نے رات اور دن کے اعتکاف کی نذر مانی تھی تو جس نے دن کا ذکر کیا اس کے ساتھ رات بھی مراد لی اور جس نے رات کا ذکر کیا اس نے دن بھی مراد لیا اور ”سنن نسائی اور ابوداؤد میں“ یہ بھی آیا کہ حضور ﷺ نے ان کو روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۱۳۵)

۲۔ (الاعلام ج ۷ ص ۱۳۶ الدبیاج المذہب ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الترجمة: ۵۷۷ بغیۃ الملتبس رقم الحدیث: ۱۳۴ جذوة المقتبس رقم الحدیث: ۹۱)

۳۔ احناف کا موقف بھی یہی ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے وہاں جمعہ کا ہونا ضروری نہیں۔ ۱۲ ہزاروی



حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اسے تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور حضرت عطاء اسے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی دو مسجدوں کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں اور ابن مسیب صرف مسجد مدینہ طیبہ (مسجد نبوی) کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

### اعتکاف کا کم از کم اور زیادہ سے زیادہ وقت

اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی زیادہ مدت کی کوئی حد نہیں البتہ کم از کم وقت میں اختلاف ہے۔  
تو جن لوگوں نے اس میں روزے کی شرط رکھی ہے ان کے نزدیک کم از کم ایک دن ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا کہ روزے کی شرط کے باوجود دن سے کم وقت میں بھی صحیح ہے۔ یہ بات ابن قدامہ نے نقل کی ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ دس دن کی شرط ہے اور ان سے ایک یا دو دن کا قول بھی نقل کیا گیا۔  
اور جنہوں نے روزے کی شرط نہیں رکھی انہوں نے فرمایا اعتکاف کی کم از کم مدت یہ ہے کہ اس پر ٹھہرنے کا اطلاق ہو سکے اور بیٹھنا شرط نہیں۔

### نبی اکرم ﷺ کا اعتکاف اور لیلۃ القدر کی تلاش

ہمارے سردار رسول اکرم ﷺ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے تھے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر سال دس دن اعتکاف بیٹھتے اور وصال والے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کا پہلا عشرہ اعتکاف میں گزارا پھر ایک ترکی خیمہ میں دوسرا عشرہ اعتکاف بیٹھے پھر سرانور باہر نکال کر فرمایا میں پہلا عشرہ اعتکاف بیٹھا تا کہ اس رات (یعنی لیلۃ القدر) کو تلاش کروں پھر درمیانے عشرہ میں اعتکاف بیٹھا پھر میرے پاس کوئی آیا اور مجھے کہا گیا کہ یہ آخری عشرہ میں ہے۔ میں نے اس رات کو دیکھا پھر مجھے بھلا دی گئی اور میں نے دیکھا کہ میں اس کی صبح پانی اور گارے میں سجدہ کرتا ہوں پس تم اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو اور اس کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

راوی فرماتے ہیں اس رات بارش ہو گئی اور مسجد چھپر کی طرح تھی (چھت مراد ہے) تو اس سے پانی ٹپکنے لگا میری آنکھوں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کی پیشانی مبارک پر پانی اور گارے کا اثر ہے اور یہ اکیسویں شب کی صبح تھی۔

(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لیلۃ القدر میں باہر تشریف لائے تو فلاں فلاں نے آپس میں جھگڑا کیا پس اس کو اٹھالیا گیا (تعیین مراد ہے)۔

اور ہو سکتا ہے کہ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہو پس اس کو تلاش کرو جب نو سات اور پانچ راتیں باقی ہوں (اکیس، بیس اور پچیس رمضان کی راتیں مراد ہیں)۔ (صحیح بخاری)

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے لیلۃ القدر دکھائی



گئی پھر بھلا دی گئی اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ اس کی صبح میں پانی اور گارے میں سجدہ کر رہا ہوں۔  
راوی فرماتے ہیں: پس تیسویں رات کو بارش ہوئی آپ نے ہمیں نماز پڑھائی تو پانی اور گارے کا نشان آپ کی پیشانی اور ناک پر تھا۔ (صحیح مسلم)

”سنن ابی داؤد میں“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

اطلبوها لیلة سبع عشرہ۔۔ اس رات کو ستر ہویں رات میں تلاش کرو۔

امام طبرانی نے مرفوعاً حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے نقل کیا: کہ لیلة القدر کو ستر ہویں یا انیسویں یا اکیسویں یا تیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انیسویں رات میں تلاش کرو۔

### لیلة القدر کی حد بندی

علماء کرام نے لیلة القدر کے بارے میں بہت اختلاف کیا ہے اور ان میں سے بعض نے خالص اس مسئلہ پر کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ ابو الفضل ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں علماء کرام کے قول سے چالیس سے زیادہ قول جمع کئے ہیں جس طرح جمعہ کی (مقبولیت والی) ساعت کے بارے میں متعدد اقوال ہیں (بیالیس اقوال ہیں)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ صرف آخری عشرہ میں ہے جیسا کہ انہوں نے واضح الفاظ میں بتایا اور الاسنوی نے ان سے نقل کیا۔

محامی سے ”التجرید“ میں منقول ہے کہ اس رات کو پورے مہینے میں تلاش کیا جائے۔ (راجع ج ۱ ص ۳۵۱)۔

شیخ ابواسحاق نے ”التنبیہ“ نے ”ان کا راستہ اختیار کیا اور فرمایا: کہ لیلة القدر کو پورے ماہ رمضان میں تلاش کیا جائے پھر امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں ان کی اتباع کی۔

”التقریب کے“ مصنف نے اس رات کے نصف اخیر میں ہوئے کے جواز میں تردد کیا اسی طرح ان سے امام نے نقل کیا اور اس (تردد) کو ضعیف قرار دیا ان سے ابن الملقن نے ”شرح العمدة“ میں نقل کیا۔

قرطبی کی ”المفہم میں“ قول نقل کیا گیا کہ یہ شعبان کی پندرہویں رات ہے پہلے قول (یعنی آخری عشرہ میں ہونے) پر دلیل حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کا میلان اس طرف ہے کہ اکیسویں یا تیسویں رات ہے اکیسویں رات اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جیسا کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مجھے یہ رات دکھائی گئی اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ اس کی صبح میں پانی اور گارے میں سجدہ کر رہا ہوں راوی فرماتے ہیں میری آنکھوں نے نبی اکرم ﷺ کو اس طرح دیکھا کہ آپ کی پیشانی پر پانی اور گارے کا نشان تھا اور یہ اکیسویں تاریخ تھی۔

تیسویں رات کی دلیل حضرت عبداللہ بن انیس کی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ شافعی مسلک سے تعلق رکھنے والی ایک جماعت نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ یہ اکیسویں رات ہے لیکن امام سبکی نے فرمایا کہ یہ بات ان کے نزدیک قطعی

۱۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے شیخ نے فرمایا کہ محامی کی التجرید کے نام سے کوئی کتاب معروف نہیں اور نہ اسنوی نے الطبقات میں

ذکر کیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۳۸)



نہیں ہے کیونکہ ان کا اتفاق ہے کہ جو شخص بیس رمضان کو اپنے غلام کی آزادی کو لیلۃ القدر کے ساتھ مشروط کرے تو وہ اس رات آزاد نہیں ہوگا بلکہ صبح قول کے مطابق مہینہ ختم ہونے پر آزاد ہوگا کیونکہ یہ رات آخری عشرہ میں (کوئی رات) ہے۔ حضرت ابن خزیمہ جو ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے ہیں ان سے منقول ہے کہ یہ رات ہر سال آخری عشرہ کی کسی رات کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو قول ہیں اور ابن خزیمہ کے قول کی توجیہ کی گئی اور امام نووی نے ”فتاویٰ اور شرح المہذب میں“ ابن خزیمہ کی رائے کو اختیار کیا ہے۔

### کیا لیلۃ القدر اس امت کے ساتھ خاص ہے؟

مالکیوں میں سے ابن حبیب نے قطعی طور پر ذکر کیا اور جمہور نے اسے نقل کیا اور شافعی حضرات میں سے ”العدة“ کے مصنف نے بھی نقل کیا اور اس بات کو ترجیح بھی دی کہ لیلۃ القدر اس امت کے ساتھ خاص ہے اور ان سے پہلے کسی امت میں یہ رات نہیں تھی۔

اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اعتراف ہوتا ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کیا اس میں وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ (لیلۃ القدر) انبیاء کرام کے ساتھ تھی جب ان کا وصال ہوا تو اسے اٹھالیا گیا؟ فرمایا بلکہ یہ باقی ہے۔

ان حضرات (کے موقف) کی بنیاد حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا موطا میں یہ قول ہے فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے گزشتہ امتوں کی عمروں کو مقابلے میں اپنی امت کی عمروں کو کم خیال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی۔

اس روایت میں تاویل کا احتمال ہے پس حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی صریح حدیث کو اس کے ذریعے دور نہیں کیا جا سکتا جس طرح حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا ہے۔

### لیلۃ القدر کی علامات

لیلۃ القدر کی کئی علامات ظاہر ہوئی ہیں ان میں ایک وہ ہے جو ”صحیح مسلم میں“ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس رات کی صبح سورج یوں طلوع ہوتا ہے کہ اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی۔

ابن خزیمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ لیلۃ القدر نہ گرم ہوتی ہے اور نہ ہی ٹھنڈی اور اس کی صبح میں سورج سرخ کمزور طلوع ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸۷۸ الدر المنثور ج ۶ ص ۶۷۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۰۵۱-۲۳۰۵۲)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ یہ بالکل صاف ہوتی ہے گویا اس میں چاند چمکتا ہے ٹھہرا ہوا اور آسمان بالکل صاف ہوتا ہے اس میں نہ گرمی ہوتی ہے نہ سردی اور اس رات کسی ستارے کا ٹوٹنا بھی نہیں ہوتا۔

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج برابر طلوع ہوتا ہے اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی جس



طرح چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور اس وقت اس کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا۔  
امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”فضائل الاوقات“ میں روایت کیا کہ اس رات نمکین پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔

### نبی اکرم ﷺ کا آخری عشرہ میں کوشش کرنا

نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں (عبادت کے لئے) جس قدر کوشش کرتے تھے اتنی دوسرے مہینوں میں نہیں کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا۔  
”صحیح بخاری میں“ ان ہی سے مروی ہے کہ:

اذا دخل العشر شد منزله واحيا ليله  
جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ کمر بستہ ہو جاتے  
اور اس کی راتوں کو (عبادت کے ذریعے) زندہ رکھتے اور  
گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔

عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ ”شد منزله“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات سے الگ رہتے یہ بات انہوں نے حضرت ثوری سے نقل کی ہے۔ خطابی کہتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے عبادت میں کوشش کرنا مراد ہو۔ کہا جاتا ہے ”شدت لهذا الامر منزلی یعنی میں فلاں کلام کے لئے مستعد ہوا“ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مستعد ہونا اور عورتوں سے الگ ہونا دونوں مراد ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے حقیقت اور مجاز دونوں مراد ہوں پس ”شد منزله“ سے اس کی حقیقت مراد ہوگی پس آپ نے کمر بند نہ کھولا اور عورتوں سے الگ رہے نیز عبادت کے لئے مستعد بھی ہوئے۔

”واحيا ليله“ کا معنی بیدار رہنا اور عبادت کے ساتھ زندہ رکھنا مراد ہے نیز اپنے آپ کو بیداری کے ذریعے زندہ رکھا کیونکہ نیند موت کی ساتھی ہے اور مجازاً رات کی طرف اضافت مجازی طور پر ہے کیونکہ سونے والا جب بیداری کے ذریعے زندہ رہتا ہے تو اس کی رات اس کی زندگی کے ساتھ زندہ ہوتی ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:  
لا تجعلوا بیوتکم قبورا۔  
اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۲۶-۲۱۱۹، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۹، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۶۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۵۱۱-۳۱۵۱۲)  
یعنی سونہ جاؤ پس مردوں کی طرح ہو جاؤ گے اور یوں تمہارے گھر قبرستان کی طرح ہو جائیں گے۔

نبی اکرم ﷺ آخری عشرہ میں کچھ خصوصی اعمال کرتے تھے جو مہینے کے باقی دنوں میں نہیں کرتے تھے۔

ان اعمال میں سے شب بیداری ہے پس احتمال ہے کہ پوری رات جاگ کر گزارتے ہوں اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث گواہ ہے جو ضعیف طریقہ پر مروی ہے فرماتی ہیں: ”واحيا الليل كله آپ پوری رات عبادت کرتے رہے۔“ ”مسند میں“ انہی سے ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ بیس دن نماز اور نیند کو ملاتے تھے پس جب آخری عشرہ ہوتا تو مستعد ہو جاتے اور کمر بستہ ہوتے۔

ابو نعیم نے ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: جب رمضان



البارک کا مہینہ داخل ہوتا تو نبی اکرم ﷺ (رات کو) قیام بھی فرماتے اور آرام بھی اور جب چوبیس دن ہو جاتے تو نیند (کامزا) نہ چکھتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رات کے جاگنے سے اکثر حصہ مراد ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول ہے کہ جو شخص لیلة القدر میں عشاء اور صبح کے وقت جماعت میں حاضر ہو اس نے اس (رات) سے حصہ لے لیا۔

ایک مرفوع حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

من صلی لعشاء الاخرة فی جماعۃ فی  
رمضان فقد ادرك لیلة الاخرة۔  
جس نے رمضان میں عشاء کی نماز باجماعت ادا کی  
اس نے لیلة القدر کو پا لیا۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۱ الدر المنثور ج ۶ ص ۷۷ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۵۵ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۱۰)

اس حدیث کو ابوالشیخ نے روایت کیا۔

ان خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو آخری دس راتوں میں جگاتے تھے پہلی راتوں میں نہیں۔

آخری عشرہ کے مخصوص اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ رات کے کھانے کو سحری تک مؤخر کر دینا۔ حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ آخری عشرہ کی راتوں میں شام کا کھانا عشاء تک مؤخر کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ ہوتا تو نبی اکرم ﷺ (رات کو) قیام کرتے اور آرام بھی فرماتے اور جب آخری عشرہ آ جاتا تو کمر بستہ ہو جاتے اور عورتوں سے اجتناب کرتے دونوں اذانوں کے درمیان غسل فرماتے اور رات کا کھانا سحری کے وقت کھاتے تھے۔ اس حدیث کو ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

جب رمضان شریف کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ بستر لپیٹ دیتے عورتوں سے الگ رہتے اور رات کا کھانا سحری کے وقت تناول فرماتے۔

پہلی حدیث کی سند ٹھیک ہے اور دوسری میں حفص بن غیاث ہے اور اس کے بارے میں ابن عدی نے کہا کہ منکر حدیث روایت کرتا ہے۔ اور اس سے میری ملاقات نہیں ہے لیکن اس کے لئے حدیث وصال شاہد ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں ”مذکور ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ان مخصوص اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ مغرب و عشاء کے درمیان نبی اکرم ﷺ غسل فرماتے تھے۔ یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔



## چھٹی نوع

## نبی اکرم ﷺ کے حج اور عمرہ کا ذکر

## حج کے لئے جلدی کرنا

جان لو کہ حج معبود برحق کی بارگاہ میں حاضر ہونا، جو دو سخا کے میدان میں ٹھہرنا، بلند رحمانی مقام کا مشاہدہ کرنا اور عہد ربانی کے مقام تک پہنچنا ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ ان مقامات مقدسہ میں ہونا ہی شرف اور بلندی ہے اور ان جگہوں میں ادھر ادھر پھرنا فخر اور بلندی ہے کیونکہ قابل احترام مقامات پر بھرپور فیض کے بھرے ہوئے ڈول ڈالے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں مجنون بن عامر سے منقول اشعار تجھے کفایت کرتے ہیں:

رای المجنون فی البیداء کلھا      فجر علیہ للاحسان ذیلا  
فلاموہ علی ما کان منہ      وقالوا لم منحت الکلب نیلا  
فقال دعوا الملام فان عینی      راتہ مرة فی حی لیلا  
”مجنون نے بیابان میں ایک کتے کو دیکھا تو اس کے لئے احسان کا دامن بچھا دیا (اور اس کے آگے بچھ گیا)۔“

دیکھنے والوں نے مجنوں کے اس فعل پر اس کی ملامت کرتے ہوئے کہا عزت و کرامت کا تاج تو اللہ تعالیٰ نے فھوائے ”ولقد کرمننا بنی ادم“ انسان کے سر پر سجایا ہے اور تم نے اشرف المخلوقات ہو کر ایک نجس جانور کے آگے یوں بچھ کر اہانت کرامت انسانیت کی ہے۔  
مجنوں نے یہ سن کر جواب دیا کہ ملامت کرنا چھوڑ دو کیونکہ میری آنکھوں نے اس کتے کو ایک مرتبہ کوچہ لیلیٰ میں دیکھا تھا۔ (اس لئے تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے نسبت مجھ کو والا معاملہ ہے معاف رکھیے گا)۔“

مجنوں نے جنگل میں ایک کتا دیکھا تو احسان کرتے ہوئے اس پر اپنے دامن کو پھیلا دیا لوگوں نے اسے اس عمل پر ملامت کیا اور کہا تم نے کتے کے ساتھ یہ احسان کیوں کیا؟ اس نے کہا مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ میں نے اسے ایک مرتبہ لیلیٰ کے محلے میں دیکھا ہے پس بندے کو چاہیے کہ وہ حج کے معاملے میں اہتمام کرے اور اس کے لئے جلدی کرے اور اپنے کمزور ارادے کو برا نکیتہ کرے جو اسے اس کی ترغیب دے اور مغفرت کے صابن کے ساتھ عمر بھر کے گناہوں کی میل کو جھونے میں سستی نہ کرے اور اس کی طرف جلدی کرنے میں کاہلی سے کام نہ لے۔

## حج کی فرضیت ۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من اراد الحج فلیتعجل۔  
جو شخص حج کا ارادہ کرے اسے جلدی کرنی چاہیے۔



(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۳۳، المستدرک ج ۱ ص ۲۳۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۵، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۲۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۸۸۷)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:  
 من ملک راحلۃ وزاد ا یبلغہ الی بیت اللہ  
 جو شخص سواری اور زاد راہ کا مالک ہو جو اسے عزت  
 الحرام فلم یحج فلا علیہ ان یموت یہودیا او  
 والے گھرتک پہنچائے اور وہ حج نہ کرے تو کوئی پرواہ نہیں  
 نصرانیا۔  
 کہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۱۲، اتحاف السادة المتقین ج ۳ ص ۲۶۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۲۱، الدر المنثور ج ۲ ص ۵۶، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۸۷۷)

نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا:

قد فرض اللہ علیکم الحج فحجوا۔  
 اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے پس حج کرو۔

اس حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔

”سنن نسائی کی روایت میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

ان اللہ کتب علیکم الحج۔  
 بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا۔

حضرت اقرع بن حابس تمیمی نے عرض کیا: کل عام یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! کیا ہر سال؟ فرمایا: لو قلت نعم لوجبت۔ اگر میں ہاں کر دیتا تو واجب ہو جاتا۔

پس حج کا وجوب (فرضیت) معلوم ہوا اور یہ ضروریات دین سے ہے اور اس پر اجماع ہے کہ اس میں تکرار نہیں ہاں اگر کوئی سبب ہو مثلاً نذر ماننا (تو اس وجہ سے واجب ہوگا)۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ فوری طور پر فرض ہے یا تاخیر کی صورت میں؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور ایک گروہ نے کہا کہ یہ تراخی کے ساتھ واجب ہے (یعنی فوری طور پر نہیں) یہاں تک کہ وہ اس حالت کو پہنچ جائے کہ اب اس کے رہ جانے کا خوف ہو اگر وہ مؤخر کرے امام مالک، امام ابو حنیفہ اور دوسرے حضرات کے نزدیک فوری طور پر واجب ہے (یعنی شرائط پائی گئیں تو اب تاخیر کرنا جائز نہیں)۔

### فرضیت حج کی ابتداء

حج کب فرض ہوا؟ اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے فرض ہوا بعض نے کہا یہ قول شاذ ہے (جمہور کا قول نہیں ہے)۔

بعض نے کہا کہ ہجرت کے بعد فرض ہوا، پھر سال فرضیت میں اختلاف ہے تو جمہور کے نزدیک ۶ھ میں فرض ہوا کیونکہ اس کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَآتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ۔ (البقرہ: ۱۶۹)

اور حج و عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔

یہ اس بنیاد پر ہے کہ اتمام سے مراد ابتداءئے فرض ہو اور اس کی تائید حضرت علقمہ، حضرت مسروق اور حضرت ابراہیم



نخعی کی قرأت سے ہوتی ہے۔

ان کی قرأت میں ”واقیموا“ کا لفظ ہے یعنی قائم کرو (ادا کرو) طبری نے صحیح اسناد کے ساتھ ان حضرات سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اتمام (واتموا) سے مراد شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا ہے۔

یہ قول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ فرضیت اس سے پہلے ہوئی۔ حضرت ضمام کے واقعہ میں حج کے حکم کا ذکر ہے اور جیسا کہ واقعہ نے ذکر کیا ان کی آمد ۵۵ھ میں ہوئی اگر یہ ثابت ہو تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ حج کی فرضیت ۵۵ھ سے پہلے ہوئی یا اسی سال واقع ہوئی۔

ایک دوسرے گروہ نے کہا کہ اس کی فرضیت نو اور دس ہجری تک مؤخر ہوئی (کسی نے نو اور کسی نے دس ہجری کا ذکر کیا) کہ سورہ آل عمران کا ابتدائی حصہ عام الوفود (جس سال مختلف وفد حاضر ہوئے) میں نازل ہوا اور اسی سال نجران کا وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ ادا کرنے پر مصالحت ہوئی۔

اور جزیہ کا حکم تبوک کے سال ۹ھ میں نازل ہوا اور اسی سال سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں آپ نے اہل کتاب سے مناظرہ کیا اور ان کو تو حید کی دعوت دی اور اس پر دلالت یہ ہے کہ اہل مکہ نے مشرکین کے ساتھ تجارت نہ ہونے کا دکھ محسوس کیا جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ  
اے ایمان والو! مشرک ناپاک ہیں۔

(التوبہ: ۲۸)

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے بدلے جزیہ عطا کیا اور ان آیات کا نزول اور ان کے نزدیک ندا ۹ھ میں ہوئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حج کے موسم میں ان آیات کے ساتھ بھیجا گیا کہ آپ اعلان فرمادیں اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

### نبی اکرم ﷺ کے حج و عمرہ کی تعداد

”جامع ترمذی میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین حج فرمائے دو حج ہجرت سے پہلے اور ایک حج ہجرت کے بعد کیا جس کے ساتھ عمرہ بھی فرمایا اور اپنے تریسٹھ اونٹ بھی لے گئے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے باقی اونٹ لے کر آئے ان میں ایک اونٹ کے ناک میں چاندی کی بالی تھی (یا ناک کا کوئی بھی زیور) تو آپ نے ان سب کی قربانی دی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت سے پہلے تین حج کئے۔ اس حدیث کو حاکم اور ابن ماجہ نے نقل کیا اس کی بنیاد انصار کے وفود کی تعداد ہے جنہوں نے حج کے بعد منیٰ میں عقبہ کے پاس آپ سے لے بنو سعد نے حضرت ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے مختلف سوالات کئے جو آپ کی رسالت اور عبادات سے متعلق تھے اور جاتے ہوئے کہا میں ان میں کی زیادتی نہیں کروں گا وہ واپس ہوئے اپنی قوم کو ماجرا سنایا اور ان کی تقریر کا اثر یہ ہوا کہ شام سے پہلے ان کے قبیلے کے سب مردوزن مسلمان ہو گئے۔ (سیرت النبی ج ۲ ص ۴۱۴)



ملاقات کی اس روایت سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ آپ نے اس سے پہلے بھی حج کئے۔  
حاکم نے صحیح سند کے ساتھ جسے حضرت ثوری تک پہنچایا (روایت کیا) کہ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت سے پہلے کئی حج کئے۔

ابن جوزی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے کئی حج کئے جن کی تعداد معلوم نہیں۔ ابن اثیر نے کہا نبی اکرم ﷺ ہجرت سے پہلے ہر سال حج کرتے تھے۔

### نبی اکرم ﷺ کا حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے جانا

”صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۱۲۱۸) میں ہے“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ (مدینہ طیبہ میں) نو سال ٹھہرے اور آپ نے حج نہ کیا پھر دسویں سال لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ حج کرنے والے ہیں پس مدینہ طیبہ میں بہت سے لوگ آئے وہ تمام لوگ نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کرنے اور آپ کے عمل جیسا عمل کرنے کی التماس کر رہے تھے ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نکلے حتیٰ کہ ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس کے ہاں حضرت محمد بن ابی بکر (رضی اللہ عنہم) کی ولادت ہوئی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں کیا طریقہ اختیار کروں؟ آپ نے فرمایا غسل کرو اور کپڑے کی پٹی سے باندھ کر احرام باندھ لو۔ (لسان العرب ج ۲ ص ۱۰) نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی پھر قصواء (اونٹنی) پر سوار ہوئے حتیٰ کہ جب آپ کی اونٹنی بیداء مقام پر سیدھی کھڑی ہو گئی تو آپ نے دیکھا حدنگاہ تک آپ کے سامنے سوار اور پیدل لوگ تھے آپ کی دائیں جانب بھی یہی حال تھا۔ بائیں جانب بھی اس کی مثل اور پیچھے بھی اسی طرح کا نقشہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان تھے اور آپ پر قرآن نازل ہو رہا تھا اور آپ اس کی تاویل جانتے تھے آپ نے جو عمل کیا ہم نے وہی کام ہے کیا۔

ابام نسائی کے نزدیک ایک روایت میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذی قعدہ کے پانچ دن باقی تھے کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے ہم بھی آپ کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے (آخر تک)۔

نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ سے ظہر اور عصر کے درمیان نکلے پھر ذوالحلیفہ میں اترے اور وہاں عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں اس کے بعد وہاں ہی رات گزاری اور وہاں مغرب، عشاء، صبح اور ظہر کی نماز پڑھی آپ کی تمام ازواج مطہرات آپ کے ساتھ تھیں اس رات آپ ان سب کے پاس تشریف لے گئے پھر احرام کے لئے دوسرا غسل کیا جو پہلے غسل یعنی جماع والے غسل کے علاوہ تھا۔

### نبی اکرم ﷺ کا احرام اور احرام کی جگہ

”جامع ترمذی میں“ حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے احرام باندھنے کے لئے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا۔

”صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ذریعہ خوشبو لگائی گویا میں آپ کے سرانور کی چوٹی میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اور آپ محرم تھے۔

ایک روایت میں ہے آپ فرماتی ہیں: کہ میں نے آپ کے احرام کے وقت آپ کو خوشبو لگائی پھر آپ ازواج



مطہرات کے پاس تشریف لے گئے پھر آپ محرم ہوئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ خوشبو پھیل رہی تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے آپ کو ایسی خوشبو لگائی جو تمہاری خوشبو جیسی نہ تھی ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ باقی رہنے والی نہ تھی۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ احرام کا ارادہ کرتے وقت خوشبو لگانا مستحب ہے اور احرام کے بعد اس کے باقی رہنے میں کوئی حرج نہیں اور اس کے رنگ اور خوشبو کے باقی رہنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

احرام کی حالت میں خوشبو لگانا حرام ہے یہ حضرت امام شافعی، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مذہب ہے، خطابی نے اسے اکثر صحابہ کرام سے نقل کیا اور نووی رحمہ اللہ نے پہلے اور پچھلے جمہور علماء سے اسے نقل کیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ احرام سے پہلے ایسی خوشبو لگانا جس کی بو باقی رہے منع ہے لیکن وہ فرماتے ہیں اگر کوئی ایسا کرے تو وہ گناہ گار ہوگا اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب احرام باندھنے کا ارادہ فرماتے تو خطمی (مٹی) اور اشنان (بوٹی) کے ساتھ سر مبارک دھوتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے جب بیداء پہاڑ کے اوپر تشریف لے گئے تو احرام باندھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسجد کے پاس سے احرام باندھا۔ اس سے مسجد ذوالحلیفہ مراد ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے درخت کے پاس سے احرام باندھا جب وہاں آپ کا اونٹ ٹھہرا۔ ایک دوسری روایت میں ہے جب آپ نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا اور سواری آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو مسجد ذوالحلیفہ کے پاس تبلیہہ کہا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان کر دیا گیا پس وہ آپ کے پاس جمع ہو گئے جب آپ بیداء پہاڑ کے پاس تشریف لائے تو احرام باندھا۔

حضرت ابن جبر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مجھے نبی اکرم ﷺ کے احرام کے سلسلے میں صحابہ کرام کے اختلاف پر تعجب ہوا جب آپ نے احرام کی پابندیوں کو اپنے اوپر لازم کیا۔ انہوں نے فرمایا میں اس بات کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتا ہوں یہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ایک حج تھا اس وجہ سے اختلاف ہوا۔

آپ حج کے ارادے سے نکلے جب مسجد ذوالحلیفہ میں اس (حج کے احرام) کی دو رکعتیں پڑھیں تو اس کو اپنی اس مجلس میں لازم کر لیا جب دو رکعتوں سے فارغ ہوئے تو تبلیہہ کہا۔

ایک جماعت نے آپ سے سنا تو اسے یاد رکھا پھر آپ سوار ہوئے جب آپ کی اونٹنی نے آپ کو اٹھالیا تو آپ نے تبلیہہ کہا کچھ لوگوں نے آپ سے اس کا ادراک کیا کیونکہ لوگ آپ کے ساتھ متفرق طور پر آ رہے تھے جب آپ اونٹنی پر



تشریف فرما تھے اس وقت انہوں نے آپ سے تلبیہ سنا تو انہوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس وقت تلبیہ کہا ہے جب آپ اونٹنی پر تشریف فرما تھے پھر آپ تشریف لے گئے جب بیداء پہاڑی پر تشریف لے گئے تو کچھ لوگوں نے آپ سے تلبیہ پایا تو انہوں نے کہا کہ جب آپ بیداء پر تشریف لے گئے اس وقت تلبیہ کہا اور اللہ کی قسم! آپ نے اپنے مصلیٰ پر نیت کر لی تھی اور جب اونٹنی پر سوار ہوئے تو تلبیہ کہا اور جب بیداء کے اوپر تشریف لے گئے تو تلبیہ کہا۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اختیار کیا اس نے دور کعتوں سے فارغ ہونے پر اپنے مصلیٰ پر تلبیہ کہا اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب سے صحیح قول یہ ہے کہ اس وقت احرام باندھے جب سواری اسے لے کر کھڑی ہو جائے۔

ابن قیم نے کہا نبی اکرم ﷺ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے نمازِ ظہر کے علاوہ احرام کی دور کعتیں پڑھی ہوں۔ میں (مصنف) کہتا ہوں کہ ”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں دور کعتیں پڑھی ہیں پھر جب آپ کی اونٹنی مسجد ذوالحلیفہ کے پاس آپ کے ساتھ کھڑی ہوئی تو آپ نے تلبیہ کہا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے وقت دور کعتیں پڑھنا مستحب ہے اور احرام سے پہلے پڑھے اور یہ نفل ہوں گے یہ ہمارا مذہب ہے اور تمام علماء کا مذہب ہے مگر قاضی وغیرہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ دور کعتیں فرض نماز کے بعد مستحب ہیں۔ کیونکہ یہ بات مروی ہے کہ یہ دور کعتیں صبح کی نماز تھی اور صحیح بات وہ ہے جو جمہور نے کہی ہے اور یہی حدیث کا ظاہر ہے۔

### نبی اکرم ﷺ کے حج اور احرام کے بارے میں اقوال

نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا آپ قارن تھے یا مفرد یا متمتع؟ اور یہ تمام صورتیں ”صحیح بخاری“ صحیح مسلم اور ان کے علاوہ کتب احادیث میں مروی ہیں اس سلسلے میں علماء کے چھ اقوال ہیں۔ پہلا قول: نبی اکرم ﷺ نے حج افراد کیا اس کے ساتھ عمرہ نہ کیا۔

دوسرا قول: آپ نے حج متمتع کیا عمرہ کا احرام کھول دیا پھر اس کے بعد حج کا احرام باندھا جیسا کہ قاضی ابویعلیٰ وغیرہ نے کہا ہے۔

تیسرا قول: آپ نے حج متمتع کیا لیکن احرام نہیں کھولا کیونکہ آپ قربانی کے جانور اپنے ساتھ لے گئے تھے لیکن آپ قارن نہیں تھے۔

چوتھا قول: آپ نے قرآن کیا لیکن اس کے لئے دو طواف اور دو بار سعی کی۔

پانچواں قول: آپ نے حج افراد کیا پھر اس کے بعد تعیم سے (احرام باندھ کر) عمرہ کیا۔

چھٹا قول: آپ نے حج قرآن کیا یعنی حج اور عمرہ کو ملایا اور جب تک دونوں کی ادائیگی نہیں ہوئی احرام نہیں کھولا دونوں کے لئے ایک طواف اور ایک سعی فرمائی اور قربانی کا جانور بھی ساتھ لے گئے۔

نبی اکرم ﷺ کے احرام کے بارے میں بھی چھ مختلف اقوال ہیں:



پہلا قول: آپ نے صرف عمرہ کا تلبیہ کہا اور اس پر قائم رہے۔

دوسرا قول: صرف حج کا تلبیہ کہا پھر اسی پر برقرار رہے۔

تیسرا قول: حج افراد کا تلبیہ کہا پھر اس پر عمرہ کو داخل کیا۔

چوتھا قول: صرف عمرہ کا تلبیہ کہا پھر اس پر حج کو داخل کیا۔

پانچواں قول: مطلق احرام باندھا اس میں عبادت (حج یا عمرہ) کا تعین نہ فرمایا پھر احرام کے بعد تعین فرمایا۔

چھٹا قول: حج اور عمرہ دونوں کے لئے اکٹھا تلبیہ کہا۔

امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں طویل کلام کیا اس مسئلہ میں آپ نے ایک ہزار سے زیادہ اوراق

میں بحث کی ہے۔

جیسا کہ ان سے علماء کی ایک جماعت نے نقل کیا اور ابن حزم نے حجة الوداع کے بارے میں شافی بیانات ذکر کئے

ہیں اور محبت طبری نے اس سلسلے میں تمہید بلیغ لکھی ہے اور قاضی عیاض اور امام نووی رحمہما اللہ دونوں نے شرح مسلم میں اس

طرف اشارہ کیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کے اکثر مباحث کو کفایت کے ساتھ پورا کرتے ہوئے اس کی

تنقیح کی (نکھار دیا)۔

### قائلین افراد کے دلائل

امام شافعی رحمہ اللہ ایک جماعت کے ساتھ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حج افراد کیا اس کے

ساتھ عمرہ نہیں کیا انہوں نے صحیحین میں مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا۔

آپ فرماتی ہیں: حجة الوداع کے سال ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نکلے پس ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام

باندھا اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور ہم میں سے بعض نے صرف حج کا احرام باندھا جب کہ نبی اکرم

ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

یہ تقسیم اس بات کو واضح کرتی ہے کہ آپ نے صرف حج کا احرام باندھا۔ ”صحیح مسلم میں“ ان ہی سے مروی ہے کہ نبی

اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

”صحیح مسلم میں ہی“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

”سنن ابن ماجہ میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔ (صحیح بخاری)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان صحابہ کرام کو حجة الوداع کے موقع پر دوسرے حضرات کے مقابلے میں زیادہ قرب

حاصل تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حجة الوداع کی حدیث باقی تمام صحابہ کرام سے زیادہ اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں

انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ سے تشریف لے جانے سے آخر تک کا پورا واقعہ بیان کیا پس ان کو یہ واقعہ

دوسروں کی نسبت زیادہ یاد ہے۔

جہاں تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حجة الوداع کے موقع پر انہوں نے



نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور انہوں نے ان لوگوں کا رد کیا جو ان کے قول پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں انہوں نے فرمایا حضرت انس رضی اللہ عنہ خواتین کے پاس گئے اور ان کے سرنگے تھے اور میں نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی کے نیچے تھے اس کا لعاب مجھے پہنچ رہا تھا میں آپ سے سنتا تھا کہ آپ حج کا تلبیہ کہہ رہے تھے۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعلق ہے تو نبی اکرم ﷺ سے ان کا قرب معروف ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے معاملات کے ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت پر ان کا مطلع ہونا بھی معروف ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ کو بہت زیادہ سمجھ دانائی بھی حاصل تھی۔

جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے تو ان کا علم دین کی سمجھ اور فہم کامل معروف ہے پھر یہ کہ آپ نبی اکرم ﷺ کے احوال کے بارے میں زیادہ بحث کرتے تھے اور یہ احوال آپ کو دوسروں کی نسبت زیادہ محفوظ تھے نیز انہوں نے یہ سب کچھ جلیل القدر صحابہ کرام سے حاصل کیا۔

حج افراد کے قائلین کی دلیل یہ بھی ہے کہ خلفاء راشدین ہمیشہ حج افراد کرتے رہے اور وہ بڑے بڑے ائمہ اور قائدین اسلام اور مسلمانوں کے مقتدا تھے۔ تو ان کے بارے میں کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ افضل عمل کو ترک کیا ہو پھر یہ کہ ان میں سے کسی سے حج افراد کی کراہت منقول نہیں جب کہ ان سے تمتع اور قرآن کی کراہت منقول ہے حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ عمل محض بیان جواز کے لئے کیا۔

علاوہ ازیں حج افراد میں قربانی واجب نہیں ہوتی جب کہ تمتع اور قرآن کا معاملہ اس کے برعکس ہے (ان میں قربانی واجب ہوتی ہے)۔

## قائلین قرآن کے دلائل

امام نووی رحمہ اللہ کے نزدیک درست بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے ان کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سال حج کے بعد عمرہ نہیں کیا وہ فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ افراد سے قرآن افضل ہے نیز وہ شخص جو اس سال عمرہ نہ کرے ہمارے نزدیک اس کے لئے بھی قرآن افضل ہے اور کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ صرف حج قرآن سے افضل ہے۔

قاضی حسین اور متولی نے افراد کو ترجیح دی ہے اگرچہ اس نے اس سال عمرہ نہ کیا ہو۔

حضرت حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو حضرات قرآن کی روایت کرتے ہیں ان کی روایت کو چند وجوہ سے ترجیح حاصل ہے۔

(۱) ان لوگوں کے پاس افراد اور تمتع کی روایت والوں سے زیادہ علم ہے

(۲) جس نے افراد اور تمتع کی روایت کی ہے اس سے اس سلسلے میں اختلاف کیا گیا ہے جن سے افراد کی روایت ہے ان

میں سے سب سے زیادہ مشہور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے

ساتھ عمرہ بھی کیا دوسرے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عمرہ سے

آغاز کیا پھر حج کا احرام باندھا پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان سے بھی یہ بات مروی ہے کہ آپ نے حج کے



ساتھ عمرہ بھی کیا۔

(۳) نبی اکرم ﷺ سے قرآن کی روایت کرنے والی ایک جماعت ہے اور اس سلسلہ میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا گیا۔

(۴) نبی اکرم ﷺ سے کسی روایت میں یہ بات منقول نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہو میں نے افراد کیا اور نہ یہ کہ میں نے تمتع کیا بلکہ آپ سے صحیح ثابت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ”اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا۔“

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۵۸-۱۷۸۵-۲۰۵۵-۲۵۰۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۹۰ سنن ترمذی

رقم الحدیث: ۶۵۶۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۵ السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۵-۱۴)

(۵) آپ سے جس نے قرآن کی روایت کی ہے اس کی حدیث تاویل کا احتمال نہیں رکھتی ہاں کوئی بلاوجہ مخالفت کرے (تو الگ بات ہے) بخلاف اس کے جس نے افراد کی روایت نقل کی تو وہ پہلی حالت پر محمول ہے اور اس طرح تعارض ختم ہوتا ہے اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جس نے آپ سے افراد کی روایت نقل کی ہے اس نے قرآن والی صورت ذکر کی ہے۔

اور جس نے تمتع کی روایت کی ہے تو وہ دو عبادتوں کے لئے ایک سفر پر محمول ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ تمتع کی روایت کرنے والے اس کا وصف بیان کرتے ہوئے قرآن کی صورت میں بیان کرتے ہیں کیونکہ وہ اس پر متفق ہیں کہ آپ نے اس وقت تک عمرہ کا احرام نہیں کھولا جب تک حج کے تمام اعمال کو مکمل نہیں کیا۔ اور یہ قرآن کی ہی ایک صورت ہے۔

(۶) قرآن کی روایت دس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

ابن قیم نے ان راویوں کی تعداد سترہ شمار کی ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کے لئے اقرار کیا، حضرت عمران بن حصین، حضرت براء بن عازب، ام المؤمنین حضرت حفصہ، حضرت ابوقنادہ، حضرت ابن ابی اوفی، حضرت ابوطحہ، حضرت ہرماہ بن زیاد، حضرت ام سلمہ، حضرت انس بن مالک، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم تو یہ سترہ صحابہ کرام ہیں ان میں سے بعض نے آپ کا عمل روایت کیا اور بعض نے آپ کے احرام کا لفظ روایت کیا کچھ نے آپ کی ذاتی خبر اور کچھ نے آپ کا امر روایت کیا۔

اعتراف: تم کس طرح ان حضرات میں حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کو شامل کرتے ہو؟ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کا احرام باندھا اور ایک روایت میں ”افرد بالحج“ کے الفاظ ہیں (یعنی حج افراد کیا)

پہلی روایت ”صحیح بخاری اور صحیح مسلم“ میں ہے جب کہ دوسری روایت ”صحیح مسلم“ میں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”لبي بالحج وحده“ آپ نے صرف حج کا تلبیہ کہا، یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”اهل بالحج حج کا احرام باندھا۔“

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”افرد بالحج“ آپ نے حج افراد



کیا“ اس حدیث کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

جواب: کہا گیا ہے کہ یہ احادیث باہم متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گئیں اور باقی حضرات کی احادیث میں تعارض نہیں تو یہ بات بعید ہے کہ جو احادیث تم نے ذکر کیں ان میں قرآن اور افراد پر کوئی دلیل ہے تو باقی حضرات کی احادیث سے عدول کا باعث کیا ہے حالانکہ وہ صریح بھی ہیں اور صحیح بھی تو کیسے ہوگا جب کہ ان کی احادیث ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۱۱۷)

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ ان احادیث سے شک دور ہو گیا اور اس بات کی طرف رجوع ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ افراد اور تمتع سے قرآن افضل ہے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی قول ہے حضرت امام ابو حنیفہ اور اسحاق بن راہویہ نے یہی فرمایا اور شافعی حضرات میں سے مزنی، ابن منکدر اور ابو اسحاق مروزی نے اسی بات کو اختیار کیا اور متاخرین میں سے شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے اسی بات کو پسند کیا اور انہوں نے امام نووی رحمہ اللہ سے بحث کی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے قارن ہونے والے قول کو اختیار کیا لیکن اس کے باوجود افراد افضل ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے حج افراد کو اختیار کیا پھر اس پر عمرہ داخل کیا اور یہ اس بات کے جواز کا بیان تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے کیونکہ وہ لوگ اسے بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ بیان جواز تو نبی اکرم ﷺ کے تین عمروں میں ہو چکا تھا کہ آپ نے ان میں سے ہر ایک کا احرام ذی قعدہ میں باندھا اور وہ عمرہ حدیبیہ ہے جس میں آپ کو بیت اللہ شریف سے روک دیا گیا، عمرہ قضا ہے اور پھر عمرہ ہجرانہ ہے۔

اگر آپ نے حج کے ساتھ عمرہ کر کے محض بیان جواز کا ارادہ کیا ہوتا حالانکہ افضل اس کا خلاف ہے تو اس بات پر اکتفا کرتے کہ صحابہ کرام کو حج فتح کر کے عمرہ کرنے کا حکم دیتے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۴۷ رقم الحدیث: ۱۵۶۳)

### افضل حج کونسا ہے؟

حضرت امام شافعی، امام مالک اور بہت سے دوسرے حضرات کا مذہب یہ ہے کہ ان میں سے افضل حج افراد ہے پھر تمتع اور پھر قرآن ہے۔

اگر تم کہو کہ جب رائج قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے تو شافعی اور مالکی حضرات نے قرآن پر افراد کو ترجیح کیوں دی؟

تو امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح المہذب میں“ اس کا جواب یوں دیا ہے کہ افراد کو ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے اسے اختیار کیا پس صرف حج کا احرام باندھا اور مصلحت کے تحت یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ کا جواز بیان کرنے کے لئے اس پر عمرہ داخل کیا اور اہل عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ میں (مصنف) نے ذکر کیا۔

صحابہ کرام اور تابعین اور بعد والے حضرات کی ایک جماعت کے نزدیک تمتع افضل ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا



مذہب بھی یہی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی تمنا فرمائی آپ نے فرمایا:  
لو لا انی سقت الہدی لاحتلت۔  
اگر میں نے ہدی نہ چلائی ہوتی تو میں احرام کھول  
دیتا۔

(یعنی اگر قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو ابھی احرام کھول دیتا اور پھر حج کے لئے احرام باندھتا)۔  
اور تمنا صرف افضل کام کی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ آپ کا تمنا کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے تھا کیونکہ وہ آپ کی موافقت کے فوت ہو جانے پر غمگین تھے ورنہ افضل وہ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے اسے جاری رکھا۔

### تمتع وغیرہ کے قائلین کا مناقشہ

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عمرہ کا تلبیہ کہا اور اسی پر برقرار رہے ان کی دلیل حضرت ابن شہاب کی روایت ہے وہ حضرت سالم سے اور وہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:  
تمتع رسول اللہ ﷺ فی حجة الوداع  
بالعمرۃ الی الحج۔ (صحیح بخاری و مسلم)  
نبی اکرم ﷺ نے حجة الوداع کے موقعہ پر عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔

حضرت ابن شہاب، حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے ان کو آپ کے تمتع کی خبر دی کہ آپ نے عمرہ کے ساتھ حج کو ملایا تو صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ تمتع کیا جس طرح مجھے حضرت سالم نے حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے خبر دی۔  
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:  
ہذہ عمرۃ استمتعنا بہا۔  
یہ عمرہ ہے جس کے ساتھ ہم نے تمتع کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۰، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۶-۲۳۱، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸، سنن داری ج ۲ ص ۵۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۰۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۵۸، شرح السنن ج ۷ ص ۱۷۹، المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۶۱)  
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تمتع کے بارے میں فرماتے ہیں:

صنعها رسول اللہ ﷺ وصنعناها معہ۔  
نبی اکرم ﷺ نے یہ عمل کیا اور ہم نے آپ کے  
(مولا امام مالک) ساتھ اسی طرح کیا۔

امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک تمتع، قرآن کو شامل ہے اور اس پر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے جو صحیحین میں مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما عسفان میں جمع ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمتع سے منع کرتے تھے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جو کام نبی اکرم ﷺ نے کیا آپ اسے منع کرنے کا ارادہ کیوں کرتے ہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ



ہمیں چھوڑ دیجئے۔ انہوں نے فرمایا: میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔

پس جب انہوں نے یہ بات دیکھی تو دونوں (حج اور عمرہ) کا اکٹھا احرام باندھا۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ ان کے نزدیک متمتع تھا اور نبی اکرم ﷺ نے یہی عمل کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس بات میں موافقت کی کہ حضور ﷺ کا عمل یہی تھا لیکن ان دونوں کے درمیان اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ ہمارے حق میں یہ افضل ہے یا نہیں؟ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے متمتع کیا اور ان کے نزدیک متمتع سے مراد قرآن ہے۔

نیز آپ نے متمتع قرآن کیا اس اعتبار سے کہ آپ نے دوسروں میں سے ایک کو چھوڑنے کے ذریعے فائدہ حاصل کیا۔

”فتح الباری میں“ حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے ہے کہ جو شخص ہدی چلائے اس کے لئے قرآن افضل ہے تاکہ نبی اکرم ﷺ کے فعل کے ساتھ اس کی موافقت ہو جائے اور جو شخص ہدی نہ چلائے تو اس کے لئے متمتع افضل ہے تاکہ اس کی موافقت اس عمل سے ہو جائے جس کی نبی اکرم ﷺ نے تمنا کی اور صحابہ کرام کو حکم دیا۔

جن حضرات نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے حج افراد کیا پھر تنعیم یا اس کے علاوہ مقام سے عمرہ کیا تو یہ بات غلط ہے یہ بات صحابہ کرام اور تابعین میں سے کسی نے نہیں کہی نہ ائمہ اربعہ نے کہی اور نہ ہی اصحاب حدیث نے کہی ہے۔ یہ ابن تیمیہ کا قول ہے۔

اور جس نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے حج متمتع کیا ہے کہ آپ نے (عمرہ کے بعد) احرام کھول دیا اور پھر آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھا اور آپ کے ساتھ ہدی بھی تھی تو اس کی دلیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے مروہ میں چوڑے پھل والے تیر کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے سرانور کے بال چھوٹے کئے ان کی حدیث صحیحین میں ہے۔ اور یہ بات ممکن نہیں کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے علاوہ ہوا ہو کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور فتح کے موقع پر نبی اکرم ﷺ محرم تھے اور یہ واقعہ عمرہ بعرانہ میں بھی نہیں ہو سکتا اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ حدیث صحیح کے بعض الفاظ میں ہے ”وذلك في حجته“ (یہ آپ کے حج کے موقع پر ہوا) اور نسائی کی روایت میں صحیح سند کے ساتھ یوں ہے ”وذلك في ايام العشرة“ (یہ ذوالحجہ کے پہلے) عشرہ کے دنوں میں ہوا اور یہ آپ کے حج مبارک میں ہوا۔

تو یہ ان باتوں میں سے ہے جن کے بارے میں لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اور اس سلسلے میں غیر صحیح قرار دیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بات درست ہے کہ آپ نے رجب میں عمرہ کیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

اور تمام صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن تک احرام نہیں کھولا۔ آپ نے خود اپنے بارے میں یہی فرمایا کہ اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے ہدی چلائی اور (حج و عمرہ کو) ملایا پس میں قربانی کرنے تک احرام نہیں کھولوں گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۷ سنن نسائی ج ۵ ص ۱۳۹) اور یہ آپ کی طرف سے خبر ہے جس میں وہم اور غلطی داخل نہیں ہو سکتی بخلاف اس کے جب کوئی دوسرا آپ



کی طرف سے خبر دے (ہدی وہ جانور ہوتا ہے جسے حاجی صاحبان قربانی کے لئے لے جاتے ہیں)۔

### اختلاف روایات کا سبب

نبی اکرم ﷺ سے روایات میں جو اختلاف ہے کہ آیا آپ کا احرام حج کا تھا یا عمرے کا یا دونوں کا (قرآن کا) تو ہر ایک نے اپنے مذہب کے مناسب تاویل کی ہے۔

امام بغوی فرماتے ہیں: کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”اختلاف الاحادیث“ میں مختصر کلام میں ذکر کیا وہ فرماتے ہیں: ”نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں مفرد بھی تھے قارن بھی اور متمتع بھی پس ہر ایک آپ سے آپ کے حج کا حکم لیتا اور آپ کی تعلیم کے مطابق عمل کرتا تھا اس لئے یہ سب کچھ آپ کی طرف اس اعتبار سے منسوب ہوا کہ آپ نے حکم دیا اور اجازت دی اور لغت عرب میں جائز ہے کہ فعل کی نسبت حکم کرنے والے کی طرف کی جائے جس طرح اس کی اضافت فاعل کی طرف کرنا جائز ہے جیسے کہا جاتا ہے ”بنی فلان دارا فلاں نے گھر بنایا“ اور اس سے مراد بنانے کا حکم دینا ہے۔

اور جس طرح مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ماعز کو رجم کیا حالانکہ آپ نے رجم کا حکم دیا۔

پھر استدلال کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حج افراد کیا۔ خطابی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ شروع میں نبی اکرم ﷺ مفرد تھے پھر اس کے بعد عمرے کا احرام باندھا اور اسے حج پر داخل کیا تو آپ قارن ہو گئے تو جس نے حج افراد کے بارے میں نقل کیا تو وہ اصل پر ہے یعنی اس نے آپ کے پہلے مرحلے میں باندھے گئے احرام پر محمول کیا اور جس نے قرآن کا ذکر کیا تو اس نے اس بات کا ارادہ کیا جس پر آپ قائم رہے اور جس نے تمتع کی روایت کی اس نے لغوی تمتع اور ارتفاق (ایک سفر کی آسانی) کا ارادہ کیا کیونکہ آپ نے قرآن کے ذریعے نفع حاصل کیا جیسے تمتع اور اضافہ کے ذریعے فائدہ اور آسانی حاصل کی اور یہ ایک فعل پر اقتصار کرنا ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ تمتع سے مراد وہ ہے جس کا آپ نے دوسروں کو حکم دیا۔

محدثین کرام فرماتے ہیں اس طرح احادیث کو جمع کیا جاسکتا اور یوں اضطراب اور تناقض دور ہو سکتا ہے۔

ایک گروہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے ابتداء قرآن کے طور پر یعنی حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا۔ ان حضرات نے صحیح احادیث سے استدلال کیا جو بیس سے زیادہ ہیں ان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے ”جو صحیح مسلم میں ہے“ فرماتے ہیں:

سمعت رسول الله ﷺ اهل بهما لبیک میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے دونوں کا

عمرة وحجا۔ احرام باندھا اور فرمایا عمرہ اور حج کے ساتھ لبیک۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۵، سنن نسائی رقم الباب: ۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۶۸-۲۹۶۹)

مسند احمد ج ۳ ص ۹۹-۱۸۷، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۹-۳۰، اتحاف السادة المتقین ج ۳ ص ۳۰۸)

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سولہ ثقہ راویوں نے روایت کیا وہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت انس رضی



اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے یہی الفاظ نقل کئے ہیں کہ حج و عمرہ دونوں کا احرام و تلبیہ۔  
اور جس نے کہا کہ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور اس پر حج کو داخل کیا تو اس کی دلیل ”صحیح بخاری کی“ یہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حجتہ الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا اور ہدی چلائی آپ نے ذوالحلیفہ سے اپنے ساتھ ہدی چلائی آپ نے ابتدائیوں کی کہ عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا۔

اس سے پہلے بہت سی صریح احادیث میں گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے احرام حج کے ساتھ آغاز کیا پھر اس پر عمرہ کو داخل کیا اور یہ اس کے برعکس ہے (یعنی پہلے عمرہ اور پھر حج کا احرام باندھا)۔

اس حدیث پر اعتراض ان کے اس قول سے ہوتا ہے کہ شروع میں عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا۔  
اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اس سے احرام کی صورت مراد ہے یعنی جب عمرہ کو حج پر داخل کیا تو دونوں کا تلبیہ کہا پس فرمایا ”لبیک بعمرہ و حج“ (میں عمرہ اور حج کے ساتھ حاضر ہوں)۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے عمرہ کے احرام سے آغاز کیا یعنی پہلے صحابہ کرام کو عمرہ کا حکم دیا مطلب یہ کہ عمرہ کو حج سے مقدم کریں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر طواف سے پہلے حج کو عمرہ پر داخل کرے تو صحیح ہے اور وہ قارن ہو جائے گا اور اگر حج کا احرام باندھے پھر اس پر عمرہ کو داخل کرے تو اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ان میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کا عمرہ کا احرام صحیح نہیں کیونکہ حج اس سے زیادہ قوی ہے اس لئے کہ وہ وقوف اور رمی کے ساتھ خاص ہے اور ضعیف قوی پر داخل نہیں ہو سکتا۔

### ہدی کو قلا دہ ڈالنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی پھر اپنی اونٹنی طلب کی اور اس کی کوہان کی دائیں جانب کو نشان زدہ کیا اور اس سے خون نکالا نیز اسے جوتوں کا ہار ڈالا۔ (صحیح مسلم سنن ابوداؤد)

”جامع ترمذی کی“ روایت میں ہے کہ ذوالحلیفہ میں جوتوں کا ہار ڈالا اور ہدی (جانور) کو دائیں جانب نشان لگایا اور اس سے خون نکالا۔

”سنن ابی داؤد میں“ اس کا معنی مراد ہے اور فرمایا پھر اپنے ہاتھ سے خون نکالا اور دوسری روایت میں ہے کہ اپنی انگلی سے خون نکالا۔

”سنن نسائی میں ہے کہ“ آپ نے اپنے جانور (اونٹ) کو دائیں جانب سے نشان لگایا اور اس سے خون جاری کیا اور (اس کے گلے میں) جوتوں کا ہار ڈالا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اونٹنی (لانے) کا حکم دیا اور اس کی کوہان کی دائیں جانب نشان لگایا اور اس سے خون جاری کیا نیز اسے جوتوں کا ہار ڈالا۔



اور نبی اکرم ﷺ نے ایک پرانے کجاوے پر حج فرمایا جس کی قیمت چار درہموں کے برابر تھی۔ ۱۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے شائل میں روایت کیا اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جبکہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا۔

### تادیب و توجیہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتی ہیں:

ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حج کے لئے نکلے حتیٰ کہ جب ہم مقام عرج میں پہنچے تو نبی اکرم ﷺ بھی اترے اور ہم بھی اترے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں بیٹھ گئیں اور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھی نبی اکرم ﷺ کی سواری اور سامان اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سامان اکٹھا تھا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام کے پاس تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کے آنے کے انتظار میں بیٹھ گئے وہ آیا لیکن اس کے ساتھ اونٹ نہیں تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا تیرا اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا گزشتہ رات وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے ایک اونٹ گم کر دیا اور ساتھ ہی اسے مارنا شروع کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ تبسم فرما رہے اور ارشاد فرمایا اس محرم کو دیکھو کیا کر رہا ہے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا اور مسکراتے رہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۳۳، مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۳، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۶۸، جمع الجوامع

رقم الحدیث: ۲۵۷۷، الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۰)

آپ کے ساتھ صحابہ کرام بھی نکلے اور وہ صرف حج کی پہچان رکھتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پس آپ نے ان کے لئے احرام کی وجوہ بیان فرمائیں اور حج کے دنوں میں عمرہ جائز قرار دیا آپ نے فرمایا جو شخص عمرے کا احرام باندھنا چاہے وہ عمرے کا احرام باندھے اور جو آدمی حج کا احرام باندھنا پسند کرے وہ حج کا احرام باندھے۔

”مسند احمد میں ہے“ جو چاہے وہ عمرے کا احرام باندھے۔

صحیح بخاری میں ”من احب“ ہے اور مسند احمد میں ”من شاء“ ہے۔

### محرم کے لئے شکار ہدیہ کرنے کا حکم

جب نبی اکرم ﷺ مقام ابواء یا مقام ودان میں پہنچے تو حضرت صعب بن جشمہ (صحابی رسول متوفی ۲۵ھ) (الاعلام ج ۳ ص ۲۰۲، الاصابہ ج ۳ ص ۲۳۳، ترجمہ: ۶۰: ۴۰) نے آپ کو ایک نیل گائے کا تحفہ دیا آپ نے اسے رد کر دیا پس جب ان کے چہرے پر پریشانی دیکھی تو فرمایا: میں نے صرف اس لئے رد کیا کہ میں محرم تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۱، التہذیب ج ۹ ص ۵۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۵۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۲۵)

”صحیح مسلم کی“ ایک روایت میں ”حمار وحش“ کے الفاظ ہیں (مفہوم وہی ہے) اور ایک روایت میں ”لحم

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو سادگی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے عیاشی اور فضول خرچی خود بھی اختیار نہ فرمائی

اور دوسروں کو بھی اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔ ۱۲ ہزاروی



حمار وحش“ ہے (نیل گائے کا گوشت)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نیل گائے کا پچھلا حصہ جس سے خون بہہ رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے ”نیل گائے کا ایک حصہ“ اور ایک روایت میں ہے ”شکار کے گوشت سے ایک عضو“۔

امام ابو داؤد اور ابن حبان نے حضرت عطاء کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اے زید بن ارقم! کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے (رد کیا وغیرہ) مکمل طور پر ذکر کیا۔

یہ تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے وہ ہدیہ رد کر دیا البتہ جو کچھ ابن وہب اور امام بیہقی نے اپنے طریق سے حسن سند کے ساتھ عمرو بن امیہ کے طریق سے روایت کیا کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو ایک نیل گائے کا پچھلا حصہ بطور ہدیہ پیش کیا اور آپ جھ میں تھے آپ نے اس سے تناول فرمایا اور باقی لوگوں نے بھی کھایا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ روایت محفوظ ہے تو شاید زندہ جانور کو واپس کر دیا اور گوشت قبول فرمایا۔ ”فتح الباری میں فرمایا کہ“ روایات کو اس طرح جمع کرنا محل نظر ہے اگر یہ طرق محفوظ ہیں تو زندہ جانور اس لئے رد کیا کہ وہ آپ کے لئے شکار کیا گیا اور گوشت بھی اسی لئے واپس کیا اور کبھی قبول فرمایا جب معلوم ہوا کہ آپ کے لئے شکار نہیں کیا گیا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ”الام میں“ فرمایا: اگر حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے زندہ نیل گائے کا تحفہ پیش کیا تو محرم کے لئے جائز نہیں کہ وہ نیل گائے کو ذبح کرے اور اگر گوشت کا ہدیہ پیش کیا تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے لئے شکار کیا گیا ہے پس واپس کر دیا۔

امام ترمذی نے امام شافعی سے نقل کیا کہ آپ نے اس گمان پر واپس کیا کہ آپ کے لئے شکار کیا گیا پس اس سے بچتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ کی حدیث میں جس قبولیت کا ذکر ہے وہ کسی دوسرے وقت کی بات ہو اور یہ مکہ مکرمہ سے رجوع کی حالت تھی۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اس کے جھ میں وقوع کو قطعی قرار دیا جبکہ دوسری روایات میں ابواء یا ودان کا ذکر ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے ذبح کی ہوئی نیل گائے پیش کی ہو پھر آپ کے سامنے ایک عضو کاٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا ہو لہذا جس نے کہا کہ آپ کی خدمت میں نیل گائے پیش کی اس نے پورا ذبح کیا ہوا جانور مراد لیا زندہ نہیں اور جس نے کہا کہ اس کا گوشت پیش کیا اس کی مراد وہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

وہ فرماتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ جس نے ”حمار وحشی“ (نیل گائے) کہا اس نے مطلق بول کر مجازاً اس کا بعض مراد لیا۔

وہ فرماتے ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ انہوں نے زندہ جانور ہدیہ کیا جب آپ نے اسے رد کر دیا تو ذبح کیا اور اس کا عضو حاضر کیا اور یہ خیال کیا کہ آپ نے اس وجہ سے رد کیا جو اس کے پورے جسم سے خاص ہے تو آپ نے رد کر کے بتایا کہ جزء کا حکم کل کا حکم ہے اور جب (روایات کو) جمع کرنا ممکن ہو تو بعض راویوں کا وہم قرار دینے سے جمع کرنا اولیٰ



ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۹ رقم الحدیث: ۱۸۲۵)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام شافعی اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ (محرم کے لئے) بیع، ہبہ اور دوسرے کسی بھی طریقے سے شکار کا مالک بننا حرام ہے اور وراثت کے ذریعے مالک بننے میں اختلاف ہے۔ جہاں تک شکار کے گوشت کا تعلق ہے تو اگر اس (محرم) نے شکار کیا یا اس کے لئے شکار کیا گیا تو یہ حرام ہے چاہے اس کی اجازت سے شکار کیا گیا ہو یا اس کی اجازت کے بغیر ہو۔

اور اگر غیر محرم اپنے لئے شکار کرے اور محرم کا ارادہ نہ کرے پھر اس کے گوشت میں سے کچھ محرم کو ہدیہ کے طور پر دے یا اس پر بیچ دے تو یہ اس پر حرام نہیں یہ ہمارا (شافعی حضرات کا) مذہب ہے۔ امام مالک، امام احمد اور داؤد (ظاہری) کا یہی قول ہے جبکہ حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اس کی مدد کے بغیر شکار کیا جائے تو اس پر حرام نہ ہوگا۔

ایک گروہ نے کہا کہ اس (محرم) کے لئے شکار کا گوشت کھانا بالکل حلال نہیں چاہے وہ خود اسے شکار کرے یا کوئی دوسرا اس کے لئے شکار کرے وہ اس کا ارادہ کرے یا نہ کرے مطلقاً حرام ہے۔ یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہے ان کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدَ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ  
اِحْرَامًا. (المائدہ: ۹۶)

اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا جب تک تم حالت احرام میں ہو۔

یہ حضرات فرماتے ہیں ”صيد“ سے مراد شکار کیا ہوا جانور ہے نیز انہوں نے حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے (ان کا ہدیہ) رد کیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ محرم ہیں اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ہمارے لئے شکار کیا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے موافق حضرات نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ”جو صحیح مسلم میں“ مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شکار کے بارے میں جسے آپ نے یا حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے شکار کیا اور آپ غیر محرم تھے آپ نے احرام والوں سے فرمایا: یہ حلال ہے اسے کھاؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۸، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۴۲۴)

ایک دوسری روایت میں ہے فرمایا کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس اس کی ٹانگ ہے پس نبی اکرم ﷺ نے اسے لے کر تناول فرمایا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۳۸، سنن ابوداؤد رقم الباب: ۳۷، سنن نسائی رقم الباب: ۳۱-۳۳، مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۲-ج ۵ ص ۳۰۱)

موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۵۱، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۶۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۶۹۷-۳۱۰۸، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۷، موارد الطمان رقم الحدیث: ۹۸۳، التہذیب ج ۳ ص ۱۲۶)

انبیاء کرام علیہم السلام کے حج کا ذکر

جب نبی اکرم ﷺ وادی عسفان سے گزرے تو فرمایا: اے ابو بکر! (رضی اللہ عنہ) یہ کونسی وادی ہے؟ عرض کیا



وادی عسفان ہے فرمایا یہاں سے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام دوسرخ جوان اونٹوں پر گزر رہے ہیں ان کی لگام کھجور کی چھال سے ہے۔ اور ان کی چادریں اونٹنی ہیں وہ حج کا تلبیہ کہتے ہیں اور اللہ کے قدیم گھر کا حج کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۲، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۲۰ البدلیہ والنہالیہ ج ۱ ص ۱۱۹-۱۳۸)

”صحیح مسلم کی روایت میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ وادی ازرق سے گزر رہے تو فرمایا گویا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں آپ گھائی سے اتر رہے ہیں اور آپ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں اور آپ بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی طرف تلبیہ کہہ رہے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۸۲، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۵)

وادی ازرق انج کے پیچھے ہے انج، ہمزہ میم اور جیم کی زبر سے ہے اور یہ ایک بستی ہے جس میں زراعت ہوتی ہے اس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔

”صحیح بخاری میں“ وادی کا تعین نہیں ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں دیکھ رہا ہوں جب وادی سے اترتے ہیں تو تلبیہ کہتے ہیں“۔

مہلب فرماتے ہیں یہ بعض راویوں کا وہم ہے کیونکہ کسی روایت اور خبر میں نہیں آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور عنقریب وہ حج کریں گے بے شک یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے پس راوی کو شبہ ہو گیا اور اس شبہ پر دوسری حدیث میں آپ کا قول دلالت کرتا ہے (فرمایا):

لیهلن ابن مریم بفتح الروحاء. عنقریب حضرت ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) فح

الروحاء سے حج کا احرام باندھیں گے (اور تلبیہ کہیں گے)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶، مسند احمد ج ۱ ص ۵۱۳-۵۲۰، الدر المنثور ج ۲ ص ۲۳۲، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۰۱)

اور یہ محض وہم کی بنیاد پر ثقہ راویوں کو غلط قرار دینا ہے حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”صحیح بخاری کے باب اللباس میں“ ایک حدیث ذکر کی جس میں حضرت ابراہیم کے ذکر کا اضافہ ہے تو کہا جائے گا کہ دوسرے راوی نے غلطی سے اضافہ کیا ہے؟ اور ”صحیح مسلم کی“ ایک گذشتہ روایت میں حضرت یونس علیہ السلام کے ذکر کا اضافہ ہے تو کیا کہا جائے گا کہ کسی دوسرے راوی نے غلطی سے حضرت یونس علیہ السلام (کے ذکر) کا اضافہ کیا ہے؟

یہ بھی اعتراض کیا گیا کہ مہلب کا راوی کے بارے میں کہنا کہ اسے وہم ہوا خود ان کی طرف سے وہم ہے ورنہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان کیا فرق ہے؟ کیونکہ یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب سے اٹھائے گئے ہیں زمین پر اترے ہوں ثابت تو صرف یہ بات ہے کہ عنقریب اتریں گے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ مہلب کی مراد یہ ہے کہ جب یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عنقریب اتریں گے تو یہ ثابت شدہ بات کی طرح ہو گئی اس لئے آپ نے فرمایا ”کانی انظر الیہ“ گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور یہ مہلب کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال ہے جس میں یوں آیا ہے ”لیهلن ابن مریم بالجمع حضرت ابن مریم ضرور بضرور حج کا احرام باندھیں گے“۔



آپ کے ارشاد گرامی ”کمانی انظر الیہ“ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اس سے پہلے خواب میں دیکھا اور اس وقت خبر دی جب حج کیا جس کا ہم ذکر کریں گے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب وحی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے حقیقت مراد ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں پس اس حالت میں ان کے حج کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں جس طرح ”صحیح مسلم میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ امام قرطبی فرماتے ہیں ان لوگوں کے لئے عبادت کو محبوب بنایا گیا ہے پس وہ اپنے ذاتی جذبہ کے تحت عبادت کرتے ہیں یہ بات نہیں کہ ان پر عبادت لازم کی گئی ہے جس طرح اہل جنت کو ذکر کا الہام ہوگا اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ آخرت کا عمل ذکر اور دعا ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

دَعُواهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ. (یونس: ۱۰) اس میں ان کی پکاریوں ہوگی اے اللہ! ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

لیکن یہ توجیہ اس وقت مکمل ہوگی جب کہا جائے کہ ان کی ارواح کو پیش نظر رکھا گیا ہے شاید آپ کے لئے دنیا کو بطور مثال پیش کیا گیا جس طرح شب معراج بطور مثال پیش کی گئی جب کہ ان کے جسم قبروں میں ہیں۔ ابن منیر وغیرہ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی روح کے لئے مثال بناتا ہے تو آپ بیداری کی حالت میں اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح خواب میں دیکھتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ ان کے دنیوی زندگی کے احوال کی مثال پیش کی گئی کہ انہوں نے کس طرح حج کیا اور کس طرح تلبیہ کہا اسی لئے آپ نے ”کمانی“ کا لفظ فرمایا (گویا میں دیکھ رہا ہوں)۔

ایک قول یہ ہے کہ گویا آپ کو وحی کے ذریعے یہ بات بتائی گئی اور اس کے نہایت قطعی ہونے کی وجہ سے فرمایا ”گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں“ اور میں (مصنف) نے معراج کے بیان میں اس سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

### حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حیض

جب نبی اکرم ﷺ مقام سرف میں اتر کر صحابہ کرام کی طرف تشریف لائے تو فرمایا: جس کے ساتھ ہدی (قربانی کا جانور) نہ ہو اور وہ اس (حج) کو عمرہ بنانا چاہے تو وہ ایسا کرے اور جس کے ساتھ ہدی ہو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا آپ ان کے پاس تشریف لائے اور وہ رورہی تھیں تو آپ نے فرمایا: اڑی! تم کیوں رورہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا میں نے آپ کی وہ بات سنی ہے جو آپ نے صحابہ کرام سے فرمائی ہے اور مجھے عمرہ سے رکاوٹ پیدا ہوگئی فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ عرض کیا میں نماز نہیں پڑھ سکتی آپ نے فرمایا: تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا تم حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے ایک عورت ہو اللہ تعالیٰ نے تم پر وہ کچھ لکھ دیا جو ان پر لکھا ہے پس تم اپنے حج کو جاری رکھو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۰-۱۲۳)

ایک دوسری روایت میں (صحیح بخاری و مسلم ابوداؤد اور نسائی میں) ہے ام المؤمنین فرماتی ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے



ساتھ نکلے اور ہم صرف حج کا ذکر کر رہے تھے حتیٰ کہ ہم وادی سرف میں آئے تو مجھے حیض آ گیا، رسول اکرم ﷺ اندر تشریف لائے اور میں رو رہی تھی آپ نے فرمایا: تم کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اس سال نہ نکلتی آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا شاید تمہیں حیض آ گیا ہے؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا یہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے تم وہ عمل کرو جو حاجی کرتے ہیں البتہ پاک ہونے تک بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرو۔

جس طرح یہ اختلاف ہے کہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمتع کر رہی تھیں یا حج افراد؟ اسی طرح یہ بھی اختلاف ہے کہ آپ نے احرام کون سا باندھا تھا؟ تو کہا گیا کہ آپ نے پہلے حج کا احرام باندھا حدیث کا ظاہر یہی بات ہے۔ ”صحیح بخاری کی“ مغازی میں حجة الوداع کے بیان میں ہشام بن عروہ کے طریق سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین نے فرمایا میں ان لوگوں میں تھی جنہوں نے عمرے کا احرام باندھا۔

امام احمد نے ایک دوسرے طریق سے حضرت زہری سے روایت کیا کہ ام المؤمنین نے فرمایا میں نے قربانی کا جانور ساتھ نہیں لیا تھا ان سے حضرت اسود کی روایت میں ہے آپ فرماتی ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکلے، ہم صرف تلبیہ کہتے تھے حج یا عمرہ کا ذکر نہیں کرتے تھے۔

ان روایات کو جمع کرنے کی صورت میں یہ احتمال ہے کہ کہا جائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج افراد کے طور پر احرام باندھا جس طرح دیگر صحابہ کرام نے کیا پھر نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ حج کو عمرہ کی صورت میں بدل دیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ عمل کیا جو صحابہ کرام نے کیا پس آپ تمتع کرنے والی ہو گئیں پھر جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئیں تو آپ حائضہ ہو گئیں اور حیض کی وجہ سے طواف پر قادر نہ ہوئیں تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ حج کا احرام باندھیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر کلام میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ نے جو کچھ روایت کیا اس پر پہلے عمل تھا نہ اب ہے۔ ابن عبد البر نے کہا ان کا مقصد یہ ہے کہ عمرہ کو چھوڑ کر اسے حج میں بدلنے پر عمل نہیں ہے بخلاف اس کے کہ حج کو عمرہ بنایا جائے اور یہ عمل صحابہ کرام کے لئے واقع ہوا لیکن بعد والوں کے لئے اس کے جواز میں اختلاف ہے۔

لیکن علماء کی ایک جماعت نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے قول ”تم اپنا عمرہ چھوڑ دو“ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۸۳ التہذیب ج ۸ ص ۲۲۲) کا معنی یہ ہے کہ اس احرام سے نکلنے کو ترک کر دو اور اس پر حج کو داخل کر دو پس تم قارن ہو جاؤ گی اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے ”جو صحیح مسلم میں ہے“ کہ آپ نے فرمایا: ”و امسکی عن العمرة“ (اور عمرہ سے رک جاؤ) یعنی اس کے اعمال سے رک جاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں حج کو ترجیح دیتی ہوں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے اعتقاد میں الگ عمرہ کرنا افضل تھا جس طرح دوسری امہات المؤمنین کے لئے واقع ہوا۔

لیکن اس تاویل کو بعید قرار دیا گیا کہ حضرت عطاء کی ام المؤمنین سے روایت میں انہوں نے فرمایا میں اس حج کو ترجیح دیتی ہوں جس کے ساتھ عمرہ نہ ہو۔

یہ روایت کو فیوں کے قول کو مضبوط کرتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ چھوڑ دیا اور حج افراد کیا ان حضرات



نے اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا جو آپ نے ام المؤمنین سے فرمایا ”دعی عمر تک اپنا عمرہ چھوڑ دو“۔ ایک دوسری روایت میں ”اقضی (ارفضی) عمر تک“ ہے اپنا عمرہ قضا کرو یا چھوڑ دو۔

اس سے انہوں نے استدلال کیا کہ جب کوئی خاتون بطور تمتع عمرہ کا احرام باندھے پھر طواف سے پہلے اسے حیض آ جائے تو وہ عمرہ ترک کر دے اور حج افراد کا احرام باندھے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔

لیکن حضرت عطاء کی ام المؤمنین سے روایت میں کمزوری ہے اور اس سلسلے میں اشکال کو دور کرنے والی روایت وہ ہے جو امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا احرام باندھا حتیٰ کہ جب آپ مقام سرف میں پہنچیں تو حائضہ ہو گئیں پس نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ حج کا احرام باندھو (نیت کر لو) حتیٰ کہ جب وہ پاک ہو گئیں تو انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور سعی کی۔

آپ نے فرمایا: تم اپنے حج اور عمرہ کے احرام سے نکل گئی ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے دل میں (پریشانی) پاتی ہوں کہ میں نے بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کیا جب میں نے حج کیا۔  
راوی کہتے ہیں پس آپ نے ان کو تنعیم سے عمرہ کروایا۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت طاؤس کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

طوافک یسک لحجک و عمرتک۔ تمہارا طواف تمہارے حج اور عمرہ دونوں کے لئے کافی ہے۔

یہ الفاظ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ آپ نے قرآن کیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”تم اپنے حج اور عمرہ کے احرام سے نکل گئی ہو“ اور تنعیم سے عمرہ ان کی دلجوئی کی خاطر کروایا کیونکہ جب وہ عمرہ کرنے کی نیت سے داخل ہوئیں تو طواف نہیں کیا تھا۔

اور ”صحیح مسلم کی“ روایت میں ہے:

کان رجلا سهلا اذا هويت الشئ تابعها عليه. (صحیح مسلم)  
نبی اکرم ﷺ نرمی کرنے والے تھے جب ام المؤمنین کسی چیز کو پسند کرتیں تو آپ اس میں ان کی موافقت کرتے۔

### حج کو عمرہ پر داخل کرنا

پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا:

جس کے ساتھ ہدی ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھے (نیت کرے) پھر احرام نہ کھولے حتیٰ کہ دونوں سے اکٹھا احرام کھولے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

نبی اکرم ﷺ نے ان سے یہ بات حج کا احرام باندھنے اور سفر کے ختم ہونے اور مکہ مکرمہ کے قریب مقام سرف میں پہنچنے کے بعد فرمائی جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آیا ہے یا بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے بعد فرمائی جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں جگہوں میں اس بات



کا تکرار ہوا اور عزیمت آخری بات ہے جب ان کو حکم دیا کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ کریں (اصل پر عمل کرنا عزیمت ہے)۔ ایک روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا احرام باندھا حتیٰ کہ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی نہیں لایا وہ احرام کھول دے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی لایا ہے وہ احرام نہ کھولے حتیٰ کہ ہدی کی قربانی دے اور جس نے حج کا احرام باندھا وہ اپنے حج کو پورا کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۱-۱۱۱۲)

یہ حدیث حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ کے مذہب پر دلالت کرنے میں ظاہر ہے کہ عمرہ کرنے والے متمتع کے پاس جب ہدی (قربانی کا جانور) ہو تو وہ اپنے عمرہ کا احرام نہ کھولے حتیٰ کہ قربانی کے دن ہدی کی قربانی دے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ اور ان کے موافق حضرات کا مذہب یہ ہے کہ جب طواف اور سعی کر لے اور سر منڈا لے تو وہ اپنے عمرہ کا احرام کھول لے اور اس کے لئے ہر (ممنوع) کام اسی وقت جائز ہو گیا چاہے وہ ہدی چلائے یا نہ۔ ان حضرات کا استدلال اس پر قیاس کرنا ہے جس نے ہدی نہیں چلائی اور وہ اپنی عبادت کے احکام سے باہر نکل آیا پس واجب ہے کہ اس کے لئے ہر کام جائز ہو جائے۔ جیسا کہ حج کا محرم احرام کھول دے تو اس کے لئے تمام (ممنوع) کام جائز ہو جاتے ہیں۔

اس روایت (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث) کا جواب انہوں نے اس طرح دیا ہے کہ یہ اس روایت سے مختصر ہے جسے امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں ہم حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ کے ہمراہ نکلے تو ہم نے عمرہ کا احرام باندھا پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس کے ساتھ ہدی ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھے پھر احرام نہ کھولے حتیٰ کہ دونوں سے اکٹھا احرام کھولے۔

تو یہ روایت اس روایت کے محذوف حصے کی تفسیر کرتی ہے جس سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے اور پوشیدہ عبارت اس طرح ہے ”جو شخص عمرہ کا احرام باندھے وہ حج کی نیت بھی کرے اور جب تک ہدی کو ذبح نہ کرے احرام نہ کھولے اور یہ تاویل ضروری ہے کہ واقعہ ایک ہے اور راوی بھی ایک ہے پس دونوں روایتوں کو مذکورہ طریقے پر جمع کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

### ذی طویٰ میں رات گزارنا اور مکہ مکرمہ میں دخول

جب ہمارے آقا رسول اللہ ﷺ ذی طویٰ مقام پر پہنچے (طویٰ میں طاء پر پیش اور زبرد دونوں پڑھ سکتے ہیں لیکن الاصلی نے زیر کے ساتھ مقید کیا ہے یہ زاہر کے کنوؤں کے پاس ہے) آپ نے وہاں میرے (ام المؤمنین) کے ساتھ دو راتیں گزاریں صبح ہوئی تو فجر کی نماز پڑھائی پھر غسل فرمایا۔ ”سنن نسائی میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ ذی طویٰ میں اترتے تھے وہاں رات گزارتے پھر فجر کی نماز پڑھ کر مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لے جاتے۔

اور نبی اکرم ﷺ کی جائے نماز وہاں ایک سخت موٹے ٹیلے پر تھی اس مسجد میں نہیں تھی جو وہاں بنائی گئی ہے بلکہ اس سے چلی جانب کھر درے سخت ٹیلے پر تھی۔

صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ وہاں اوپر کی جانب سے داخل ہوئے اور ”صحیح بخاری میں“ حضرت ابن عمر رضی



اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ثنیہ علیا یعنی مکہ کی اوپر والی جانب سے کداء سے داخل ہوتے تھے۔ کداء میں کاف پر زبر ہے اور یہ مد کے ساتھ ہے ابو عبید فرماتے ہیں یہ منصرف نہیں (یعنی اس پر زبر اور تنوین نہیں آ سکتی)۔ یہ وہ ثنیہ ہے جس سے جنت المعلیٰ کی طرف اترتے ہیں اور اسے حجوں کہا جاتا ہے (نقطہ کے بغیر) حاء پر زبر ہے اور جیم پر پیش ہے۔

اور یہ بات احادیث میں نہیں آئی کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں رات کے وقت داخل ہوئے ہوں سوائے عمرہ ہجرانہ کے آپ نے ہجرانہ سے احرام باندھا اور رات کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے عمرہ کے احکام بجالائے اور پھر رات کو واپس ہوئے صبح ہجرانہ میں پہنچے گویا آپ نے رات ہی ہجرانہ میں گزاری اس حدیث کو تینوں اصحاب سنن نے محرش کعسی کی روایت سے نقل کیا۔

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: اگر تم چاہو تو رات کے وقت داخل ہو تم رسول اکرم ﷺ کی طرح نہیں ہو آپ تو امام تھے اس لئے آپ نے دن کو داخل ہونا پسند کیا تا کہ لوگ آپ کو دیکھیں۔ پھر آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے جب ذوالحجہ کی چار راتیں گزر چکی تھیں۔

### مسجد حرام میں داخل ہونا

نبی اکرم ﷺ مسجد حرام میں چاشت کے وقت باب بنی عبد مناف سے داخل ہوئے اس میں حکمت یہ تھی کہ خانہ کعبہ کا دروازہ اس دروازے کی جانب ہے اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہوا جاتا ہے نیز باب کعبہ کی جہت چاروں جہتوں میں سے سب سے زیادہ شرف والی جہت ہے جس طرح ابن عبد السلام نے ”القواعد“ میں کہا ہے۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۵۹)

نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ جب بیت اللہ شریف کو دیکھتے تو یوں دعا کرتے:

اللَّهُمَّ زِدْ هَذَا الْبَيْتَ تَشْرِيفًا وَتَعْظِيمًا يَا اللَّهُ! اس گھر کی شرافت، تعظیم، ہیبت اور نیکی کو زیادہ  
وَمَهَابَةً وَبَرًّا۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۲ ص ۳۳۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۳۸، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۰۲، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۷۳، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۳۲، نصب الرایۃ ج ۳ ص ۳۷، مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۸۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۹۷، ج ۱۰ ص ۳۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۱۴)

اس حدیث کو حضرت ثوری رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید شامی سے اور انہوں نے حضرت مکحول سے روایت کیا۔ امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ (ان صحابہ کرام میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، متوفی ۴۲ھ) سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت اللہ شریف کی طرف دیکھتے تو یوں دعا کرتے: (الاصابہ ج ۱ ص ۳۳۲ رقم الترجمة: ۱۶۳۹)

اللَّهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هَذَا تَشْرِيفًا وَتَعْظِيمًا يَا اللَّهُ! اس گھر کے شرف، تعظیم، تکریم، بھلائی اور  
وَتَكْرِيمًا وَبَرًّا وَمَهَابَةً وَزِدْ مِنْ شَرَفِهِ وَعَظَمِهِ مِمَّنْ  
حَجَّهٖ وَاعْتَمَرَهُ تَعْظِيمًا وَتَشْرِيفًا وَبَرًّا وَمَهَابَةً۔

بیت میں اضافہ فرما اور اس کا حج اور عمرہ کرنے والوں میں سے جو شخص اس کا اکرام و تعظیم کرے اس کی عظمت، شرافت



نیکی اور ہیبت میں اضافہ فرما۔

نبی اکرم ﷺ نے تحیۃ المسجد کے نوافل نہیں پڑھے بلکہ طواف سے آغاز کیا کیونکہ بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کا عمل یہی ہے جس طرح ہمارے بہت سے اصحاب (شافعی مسلک والوں) نے ذکر کیا اس میں تحیۃ المسجد (کے نوافل) نہیں۔

پھر آپ نے حجر اسود کا استلام کیا اور ”صحیح بخاری میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے (حجر اسود کی جگہ) رکن کا لفظ ہے (حدیث میں ”ثم استلم الحجر الاسود اور استلم الرکن“ کے الفاظ آتے ہیں)۔

استلام، سلام سے باب افتعال ہے تحیت (سلام کرنا) مراد ہے یہ بات لازماً ہری نے کہی ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ سلام سین کے نیچے زیر سے ہے یعنی پتھر معنی یہ ہے کہ آپ عصا مبارک سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے حتیٰ کہ اس تک پہنچاتے۔ اور اس (عصا) کا سرا مڑا ہوا تھا۔

بیت اللہ شریف کے چار ارکان (کونے ہیں) پہلے رکن کی دو فضیلتیں ہیں حجر اسود کا اس میں ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر ہونا دوسرے رکن کے لئے صرف دوسری فضیلت ہے اور تیسرے اور چوتھے کے لئے ان میں سے کوئی بھی نہیں اسی لئے پہلے کو بوسہ دیا جاتا ہے اور دوسرے کا فقط استلام ہوتا ہے (اشارہ کیا جاتا ہے) اور تیسرے چوتھے کا نہ بوسہ ہوتا ہے نہ استلام۔ (دوسرا کونہ رکن یمانی کہلاتی ہے)۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ حجر اسود کی طرف متوجہ ہوئے اس کا استلام کیا پھر اپنے ہونٹ مبارک دیر تک اس پر رکھے رہے اور آپ جب بھی رکن کا استلام کرتے تھے تو ”بسم اللہ اکبر“ پڑھتے اور جب حجر اسود کے پاس آتے تو ”اللہ اکبر“ کہتے تھے۔ (طبرانی)

### بیت اللہ شریف کا طواف

کیا نبی اکرم ﷺ نے اپنے اونٹ پر طواف کیا یا پیدل؟ تو ”صحیح مسلم میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اونٹ پر طواف کیا۔

اور اسی میں حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ اپنے اونٹ پر طواف کر رہے تھے۔

اس کی وجہ کیا تھی؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کو تکلیف تھی پس آپ نے اپنی سواری پر طواف کیا۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سوار ہو کر طواف کیا تا کہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ سے سوال کریں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا سبب یہ دونوں وجہیں ہوں۔

ابن بطلال فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کو ضرورت کے تحت مسجد میں داخل کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا پیشاب مسجد کو ناپاک نہیں کرتا بخلاف دوسرے جانوروں کے (کہ ان کا داخل



کرنا جائز نہیں)۔

ابن بطال کا تعاقب کیا گیا کہ حاجت کے وقت بھی داخل کرنا جائز نہ ہو اس پر حدیث پر کوئی دلالت نہیں کیونکہ اس کا دار و مدار آلودہ ہونے اور نہ ہونے پر ہے پس جہاں آلودگی کا خوف ہو وہاں داخلہ منع ہوگا۔  
یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی تربیت یافتہ اور سکھائی ہوئی تھی پس جس آلودگی کا ڈر ہو سکتا تھا اس سے بے خونی تھی۔

بعض حضرات نے کہا کہ طواف افاضہ میں ایسا کیا طواف قدوم میں نہیں کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ سے نقل کیا کہ آپ نے پہلے تین چکروں میں رمل کیا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب پیدل ہوں اور کسی نے بھی نہیں کہا کہ آپ کی سواری نے رمل کیا بلکہ یوں کہا کہ آپ نے خود رمل کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ نے جس سعی کے شروع میں طواف کیا وہ پیدل چل کر کی۔ واللہ اعلم

اور جب آپ نے حجر اسود کا استلام فرمایا تو دائیں طرف کو چلے پس تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں عام طریقے پر چلے (کندھوں کو ہلاتے ہوئے پہلوانوں کی طرح چلنا رمل ہے)۔

رمل کی ابتداء عمرہ قضا میں ہوئی جب نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور ان کو یثرب (مدینہ طیبہ) کے بخار نے کمزور کر دیا تھا تو مشرکین نے کہا کل صبح تمہارے پاس وہ قوم آئے گی جن کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے اور وہ اس کی وجہ سے سختی میں مبتلا ہوئے وہ لوگ حجر اسود کے پاس بیٹھ گئے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ تین چکروں میں رمل کریں اور دو رکنوں کے درمیان عام انداز میں چلیں تاکہ مشرکین کو ان کے سخت جان ہونے کا علم ہو پس مشرکین نے کہا کہ یہ لوگ جن کے بارے میں تمہیں گمان تھا کہ بخار نے ان کو کمزور کر دیا ہے یہ تو فلاں فلاں سے زیادہ سخت ہیں یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

جب حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے رمل کیا تو یہ مستقل سنت بن گئی۔

طبری نے کہا یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمل کیا اور ان دنوں مکہ مکرمہ میں کوئی مشرک نہ تھا یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر (کوئی مشرک نہ تھا) پس معلوم ہوا کہ یہ مناسک حج میں سے ہے مگر اس کو چھوڑنے والا کسی عمل کو نہیں چھوڑتا بلکہ ایک مخصوص طریقے کو چھوڑتا ہے پس یہ تلبیہ کے ساتھ آواز کو بلند کرنے کی طرح ہے پس جو شخص آہستہ آواز سے تلبیہ کہتا ہے وہ تلبیہ کو نہیں اس کی صفت کو ترک کرتا ہے لہذا اس پر کچھ بھی لازم نہیں آتا۔

اگر تین چکروں میں رمل کو چھوڑ دے تو دوسرے چار چکروں میں اسے قضا نہ کرے کیونکہ ان میں سکون اختیار کرنا ہے پس اس کو تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُبْصَلًّى  
اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔

(البقرہ: ۱۲۵)

آپ نے وہاں دو رکعتیں ادا کیں اس وقت مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ شریف کے درمیان تھا آپ نے ان رکعتوں میں ”سورۃ الکافرون“ اور ”سورۃ اخلاص“ کی تلاوت فرمائی پھر اس رکن (کوئے) کی طرف تشریف لے گئے



جس میں حجر اسود ہے آپ نے اسے استلام کیا (اشارہ کیا اور بوسہ دیا)۔

### صفا اور مروہ کے درمیان سعی

پھر نبی اکرم ﷺ دروازے سے صفا کی طرف تشریف لے گئے جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ  
بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے  
(البقرہ: ۱۵۸) ہیں۔

آپ نے اس سے ابتدا کی جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتدا فرمائی پس آپ نے صفا سے آغاز کیا اس پر تشریف لے گئے حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کو دیکھا اور قبلہ کی طرف رخ کیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بڑائی بیان کرتے ہوئے یہ کلمات پڑھے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ  
الْمَلِكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا  
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ أَنْجَزُ وَعَدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ  
الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ.  
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا  
کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہ لائق حمد ہے اور  
وہ ہر شے پر قادر ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک  
ہے اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا  
کئی جماعتوں کو بھگایا۔

یہ کلمات آپ نے تین مرتبہ کہے اور ان کے درمیان دعا مانگی پھر آپ مروہ کی طرف تشریف لے گئے حتیٰ کہ جب آپ کے قدم مبارک وادی کے درمیان قائم ہو گئے (پہنچ گئے) تو رمل کیا (تیز چلے) یہاں تک کہ جب اوپر چڑھ گئے تو عام طریقے پر چلے حتیٰ کہ مروہ پر تشریف لائے۔

”صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں“ حضرت ابوالطفیل کی حدیث میں ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا مجھے صفا اور مروہ کے درمیان سواری کی حالت میں طواف کے بارے میں بتائیے کہ کیا یہ سنت ہے؟ اور آپ کی قوم کا خیال ہے کہ یہ سنت ہے؟ فرمایا انہوں نے سچ بھی کہا اور جھوٹ بھی میں نے پوچھا آپ کے قول ”سچ بھی کہا اور جھوٹ بھی“ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: نبی اکرم ﷺ کے پاس لوگ زیادہ ہو گئے وہ کہتے تھے یہ محمد ہیں یہ محمد ہیں (ﷺ) حتیٰ کہ کنواری عورتیں بھی گھروں سے باہر نکل آئیں وہ فرماتے ہیں لوگ نبی اکرم ﷺ کے سامنے نہیں چلتے تھے پس جب آپ کے ساتھ کثرت ہو گئی تو آپ سوار ہوئے اور پیدل چل کر سعی کرنا افضل ہے۔ یہ ”مسلم شریف کی“ روایت کے الفاظ ہیں اور اس کے شروع میں بیت اللہ شریف کے طواف میں رمل کا ذکر ہے۔

”سنن ابی داؤد میں ہے کہ“ (صلح) حدیبیہ کے دنوں میں قریش نے کہا کہ حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ کرام کو چھوڑ دو حتیٰ کہ یہ اسی طرح مرجائیں جس طرح اونٹ اور بکریوں کے ناک میں کپڑا پڑنے سے موت واقع ہوتی ہے (لسان العرب ج ۱۳ ص ۲۲۱) جب انہوں نے آپ سے مصالحت کی کہ آپ آئندہ سال آئیں اور تین دن ٹھہریں پس آپ تشریف لائے تو آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا بیت اللہ شریف کا رمل کرو۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی اونٹ پر (سوار ہو کر) کی کیونکہ لوگ آپ سے



دور نہیں ہوتے تھے اور نہ الگ ہوتے تھے پس آپ نے اونٹ پر سعی کی تاکہ وہ آپ کا کلام سنیں اور آپ کی جگہ کو دیکھیں اور آپ تک ان کے ہاتھ نہ پہنچیں۔

اور رسول اکرم ﷺ جب مروہ تک پہنچے تو اس پر چڑھ گئے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ کی بڑائی اور توحید بیان کی اور وہی عمل کیا جو صفا پر کیا تھا یہاں تک کہ جب مروہ پر آخری پھیرا ہوا تو فرمایا: اگر مجھے اپنے معاملے کا پہلے خیال ہوتا جو بعد میں آیا تو میں ہدی نہ چلاتا اور اس کو عمرہ بنا دیتا پس تم میں سے جس کے پاس ہدی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنا دے چنانچہ حضرت سراقہ بن جحشم نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈالیں اور دو مرتبہ فرمایا عمرہ حج میں داخل ہو گیا، نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ایسا ہے۔

حج کو عمرہ کی طرف فسخ کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

### کیا حج، عمرہ میں بدل جاتا ہے؟

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس فسخ میں اختلاف ہے کہ کیا یہ صحابہ کرام کے اسی سال کے لئے خاص تھا یا ان کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی قیامت تک باقی ہے؟

حضرت امام احمد اور اہل ظاہر کی ایک جماعت کہتی ہے یہ خاص نہیں بلکہ قیامت تک باقی ہے پس ہر اس شخص کے لئے جس کے ساتھ ہدی نہ ہو جائز ہے کہ وہ احرام کو بدل دے اور عمرہ کے اعمال مکمل کرے اور احرام کھول دے۔

حضرت امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور پہلے اور پچھلے جمہور علماء فرماتے ہیں یہ حکم صحابہ کرام کے ساتھ صرف اسی سال کے لئے خاص تھا اس کے بعد جائز نہیں اس سال اس لئے ان کو حکم دیا تھا تاکہ زمانہ جاہلیت کے اس عقیدے کی مخالفت ہو جائے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز نہیں۔

جمہور کے دلائل میں سے ایک حدیث حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں: حج میں تمتع نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کے ساتھ خاص تھا یعنی حج کو عمرہ کی طرف بدلنا۔

”سنن نسائی میں ہے“ حضرت حارث بن ہلال اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حج کو عمرہ میں بدلنا ہمارے ساتھ خاص ہے یا سب لوگوں کے لئے عام ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بلکہ ہمارے لئے خاص ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۸۴، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۹، المسند رک ج ۳ ص ۵۱، سنن داری ج ۲ ص ۵۰، نصب الرایۃ ج ۳ ص ۱۰۴، المجموع الکبیر ج ۱ ص ۳۵۷، التہذیب ج ۸ ص ۳۵۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۸۶۹-۱۲۸۷۰)

فرماتے ہیں وہ جو حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ کیا ہمارے اس سال کے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے اور قرآن (حج اور عمرہ کو ملانے) کا جواز ہمیشہ کے لئے ہے جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

تو طرق حدیث کے مجموعہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا قیامت تک جائز ہے اسی طرح قرآن بھی جائز ہے اور حج کو عمرہ میں بدلنا اسی سال کے ساتھ خاص تھا۔



”سنن نسائی کی“ روایت میں یہ بھی ہے کہ دو متعہ صرف ہمارے (مسلمانوں) کے لئے درست ہیں ایک عورتوں سے متعہ اور دوسرا حج کا متعہ یعنی حج کو عمرہ کی صورت میں بدلنا اور عورتوں سے متعہ کسی عورت سے ایک خاص مدت تک کے لئے نکاح کرنا مباح تھا پھر خیبر کے دن یہ حکم منسوخ ہو گیا پھر فتح کے دن جائز قرار دیا گیا پھر فتح کے دنوں میں ہی منسوخ ہو گیا اور اس کی حرمت قیامت تک برقرار ہے پہلے دور میں اس میں اختلاف تھا پھر اس کی حرمت پر سب کا اجماع ہو گیا۔

**مکہ مکرمہ میں آپ کہاں اترے؟**

اس دوران جب مسلمان مکہ مکرمہ میں اترے نبی اکرم ﷺ نماز میں قصر کرتے تھے اور منیٰ کی طرف جانے سے پہلے آپ کا مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا چار دن مسلسل تھا کیونکہ آپ چار تاریخ کو تشریف لاتے اور آٹھ تاریخ کو وہاں سے تشریف لے گئے پس آپ نے وہاں اکیس نمازیں ادا فرمائیں۔ چار تاریخ کی ظہر سے شروع کر کے آٹھ تاریخ کی ظہر تک۔

نبی اکرم ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور دوسری بار منیٰ سے انبطح کی طرف جانے تک پورے دس دن تھے۔

**حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یمن سے تشریف آوری**

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے رہول اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے تو آپ نے ان سے فرمایا تم نے کونسا احرام باندھا ہے؟ عرض کیا جس کا احرام اللہ کے رسول ﷺ نے باندھا ہے فرمایا اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام ترمذی اور امام نسائی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اس میں یوں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر خوشبو سے مہک رہا ہے آپ کو غصہ آیا تو حضرت خاتون جنت نے فرمایا آپ کو کیا ہوا؟ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا پس انہوں نے احرام کھول دیا ہے فرماتے ہیں: میں نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے احرام کے مطابق احرام باندھا ہے فرماتے ہیں: پھر میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ سے مجھ سے فرمایا آپ نے کیسے کیا؟ فرماتے ہیں اور آپ نے مجھ سے فرمایا اونٹوں میں سے ستاسٹھ (۶۷) اونٹوں یا (فرمایا) چھیاسٹھ (۶۶) اونٹوں کو ذبح کر دو اور اپنے لئے تینتیس یا چونتیس اونٹ رکھ لو اور ان میں سے ہر اونٹ سے ایک ٹکڑا (گوشت کا) رکھ لو۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے پس حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت خاتون جنت کو احرام کھولنے والوں میں پایا اور انہوں نے رنگین کپڑے پہن رکھے تھے اور سرمہ بھی لگایا ہوا تھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان پر اعتراض کیا حضرت خاتون جنت نے فرمایا میرے والد نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے فرمایا تم نے سچ کہا تم نے سچ کہا (نبی اکرم ﷺ نے پوچھا) آپ نے حج کی نیت کرتے وقت کیا کہا تھا؟ عرض کیا میں نے کہا تھا:

اللہم انی اهل بما اهل به رسولک۔ یا اللہ! میں نے اسی عمل کا احرام باندھا (نیت کی)

جس کا احرام تیرے رسول ﷺ نے باندھا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ ہدی ہے پس تم احرام نہ کھولو۔



فرماتے ہیں: وہ ہدی جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے لائے اور جو ہدی نبی اکرم ﷺ لائے تھے ان کی کل تعداد ایک سو تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس تمام لوگوں نے احرام کھولا اور بال کٹوائے سوائے نبی اکرم ﷺ اور ان لوگوں کے جن کے ساتھ ہدی تھی۔

### ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ (یوم ترویہ)

جب ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوئی (یوم ترویہ ہوا) اور یہ جمعرات کا دن اور چاشت کا وقت تھا تو نبی اکرم ﷺ سوار ہوئے اور مسلمانوں کو لے کر منیٰ کی طرف تشریف لے گئے جن لوگوں نے پہلا احرام کھول دیا تھا انہوں نے حج کا باندھا ہوا تھا نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کیں پھر کچھ دیر ٹھہرے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا آپ نے بالوں سے بنا ہوا خیمہ گاڑنے کا حکم دیا تو نمرہ میں خیمہ لگایا گیا پس آپ اس راستے سے چلے جس میں گوہ زیادہ تھیں۔

قریش کو آپ کے مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرنے کے علاوہ کسی بات میں شک نہیں قریش بھی جاہلیت کے زمانے میں اسی طرح کرتے تھے اور جس یعنی قریش اور جو لوگ ان کے دین پر تھے وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور کہتے تھے ”نحن قطين الله“ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے پڑوسی ہیں پس ہم اس کے حرم سے باہر نہیں جائیں گے جب کہ دوسرے لوگ عرفات تک پہنچتے تھے۔ اسی سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ۔ پھر وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ واپس لوٹتے ہیں۔

(البقرہ: ۱۹۹)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: زمانہ جاہلیت میں میرا گدھا گم ہو گیا تو میں نے اسے عرفات میں پایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ عرفات میں لوگوں کے ساتھ کھڑے ہیں پس جب میں نے اسلام قبول کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں کھڑا کیا تھا۔ (مسند اسحاق بن راہویہ)

ایک روایت (مسند ابن راہویہ ابن خزیمہ) میں ہے کہ دور جاہلیت میں نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ اپنے اونٹ پر عرفات میں کھڑے ہوتے تھے پھر صبح کے وقت اپنی قوم کے ساتھ مزدلفہ میں کھڑے ہوتے اور جب وہ واپس لوٹتے تو آپ بھی واپس تشریف لاتے۔

### وقوف عرفات

جب نبی اکرم ﷺ عرفات میں پہنچے تو ایک خیمہ لگایا گیا جو نمرہ میں لگایا گیا تھا آپ وہاں اترے جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے قصواء (اونٹنی) لانے کا حکم دیا آپ کے لئے اس پر کجاوہ رکھا گیا تو آپ اس پر سوار ہو کر وادی کے دامن میں تشریف لائے اور لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا:

ان دمء کم و اموالکم حرام علیکم  
کحرمة یومکم هذا فی شہرکم هذا فی بلدکم  
هذا الا ان کل شیء من امر الجاہلیۃ تحت  
بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر (ایک  
دوسرے پر) اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے آج  
کے دن کی تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں



حرمت ہے۔ سنو! جاہلیت کی ہر بات میرے قدموں کے نیچے ختم کر دی گئی ہے، جاہلیت کے خون معاف کئے گئے ہیں ہمارے خونوں میں سے سب سے پہلا خون جسے میں معاف کرتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے وہ بنو سعد میں دودھ پیتے تھے کہ ہذیل نے ان کو قتل کر دیا اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے اور سب سے پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سارے کا سارا ختم کر دیا گیا۔ پس عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے تمہارے لئے ان کے ذمہ یہ حق ہے کہ وہ کسی کو اس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ تمہارے بستروں کو روندے جسے تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ اس طرح کریں تو ان کو مارو لیکن اذیت ناک مار نہ ہو اور تمہارے ذمہ ان کا حق یہ ہے کہ ان کو معروف طریقے پر کھانا اور لباس دو اور میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑو تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟

قدمی موضوع و دماء الجاہلیۃ موضوعۃ وان اول دم اضع من دماننا دم ابن ربیعۃ بن الحارث کان مسترضعا فی بنی سعد فقتلته ہذیل وربا الجاہلیۃ موضوع واول ربا اضع ربانا ربا العباس بن عبدالمطلب فانہ موضوع کله فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموهن بامانۃ اللہ واستحللتم فروجهن بکلمۃ اللہ ولکم علیہن ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرہونہ فان فعلن ذلک فاضرہن ضربا غیر مبرح ولهن علیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف وقد ترکت فیکم ما ان لا تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ وانتم تسالون عنی فما انتم قائلون۔

انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے (دین) پہنچایا (فرض کی) ادائیگی کی اور خیر خواہی کی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے لوگوں کی طرف جھکائے تین بار فرمایا یا اللہ! تو گواہ ہو جا۔ (مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۵۵، التہذیب ج ۱۰ ص ۲۳۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۳-۳۸۵، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۱۵، ج ۵ ص ۸-۲۲۷، المعجم الکبیر ج ۵ ص ۳۱۶-۳۱۷، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۲۳)

پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر اقامت کہی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر عصر کی اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور دونوں کے درمیان وقفہ نہ فرمایا۔

(دونوں نمازوں کو) یوں جمع کرنا جمہور کے نزدیک مسافر لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ حضرت امام مالک اور امام اوزاعی سے منقول ہے اور شافعی حضرات کے نزدیک بھی یہی ہے کہ عرفات اور مزدلفہ میں نمازوں کو جمع کرنا حج کی وجہ سے ہے۔ (لسان العرب ج ۲ ص ۳۵۹) پس ہر ایک کے لئے جائز ہے (مسافر ہوں یا غیر مسافر) اسنوی فرماتے ہیں مسافر کے لئے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (البتہ حج کی وجہ سے جمع میں اختلاف ہے)۔

امام شافعی اور آپ کے اصحاب فرماتے ہیں: جب آٹھویں ذوالحجہ کو حاجی نکلیں اور حج کے اختتام پر اپنے اپنے وطن



کی طرف جانے کی نیت کریں تو وہ نکلنے کے وقت سے قصر کریں (یعنی مسافر کہلائیں گے)۔  
نبی اکرم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سوار ہو کر موقف (ٹھہرنے کی جگہ) تشریف لائے اور آپ نے اپنی اونٹنی  
قصواء کو صحرات (بڑے پھروں یعنی چٹانوں) کی طرف کیا اور پیدل چلنے والوں کے راستے کو (ریت میں چلنے کا راستہ)  
سامنے رکھا اور قبلہ رخ ہوئے عرفہ (ذوالحجہ) کے دن موقعہ میں آپ اکثر یہ دعا مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِي نَقُولُ وَخَيْرًا  
مِمَّا نَقُولُ اللَّهُمَّ لَكَ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ  
وَمَمَاتِي وَإِلَيْكَ مَابِي وَلَكَ رَبِّ تَرَانِي اللَّهُمَّ  
إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَسُوسَةِ  
الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْأَمْرِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ  
خَيْرِ مَا تُجْنِي بِهِ الرِّيحُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا  
تُجْنِي بِهِ الرِّيحُ. (جامع ترمذی)

یا اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے جس طرح ہم کہتے  
ہیں اور اس سے بہتر جو ہم کہتے ہیں یا اللہ! تیرے ہی لئے  
میری نماز اور قربانی اور زندگی و موت ہے میرا رجوع بھی  
تیری ہی طرف ہے اور اے میرے رب! تیرے ہی لئے  
ہے جو میں چھوڑ جاؤں۔ یا اللہ! میں عذاب قبر سے سینے  
(دل) کے وسوسوں سے اور کام کے بکھر جانے سے تیری  
پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! میں تجھ سے اس چیز کی بھلائی کا سوال  
کرتا ہوں جسے ہوائیں لاتی ہیں اور اس چیز کی برائی سے  
تیری پناہ چاہتا ہوں جسے ہوالاتی ہے۔

یہ حدیث حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ایک روایت جسے رزین نے ذکر کیا اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نوزوالحجہ کے دن عام طور پر ”لا الہ الا اللہ  
وحده لا شریک له“ پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِي نَقُولُ اللَّهُمَّ  
لَكَ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي  
وَإِلَيْكَ مَابِي وَعَلَيْكَ يَا رَبِّ ثَوَابِي اللَّهُمَّ إِنِّي  
أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ وَسْوَسةِ  
الصَّدْرِ وَمِنْ شَتَاتِ الْأَمْرِ وَمِنْ كُلِّ ذِي شَرٍّ.

یا اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے جیسا کہ ہم کہتے  
ہیں یا اللہ! تیرے ہی لئے ہماری نماز اور قربانی ہے اور  
زندگی و موت ہے تیری ہی طرف میرا رجوع ہے اور یا اللہ!  
میرا ثواب تیرے ہی ذمہ کرم پر ہے یا اللہ! میں عذاب قبر  
دل کے وسوسہ کام کے بکھرنے اور ہر شر والی چیز کے شر سے  
تیری پناہ چاہتا ہوں۔

”جامع ترمذی میں ہے کہ“ نوزوالحجہ کے دن افضل اور افضل کلمات جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہے ہیں

یہ ہیں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ  
الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا  
کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہی تعریف کے  
لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۷۱-۳۷۳ کشف الخفا ج ۳ ص ۱۷۳ الکامل ج ۳ ص ۶۰۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۰۷۹-۱۲۰۸۰)



عرفات میں نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے جس طرح ”طبرانی صغیر میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے:

اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَرَى مَكَانِي  
وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِي لَا يَخْفَى عَلَيْكَ شَيْءٌ  
قِنْ أَمْرِي أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ  
الْمُسْتَجِيرُ الرَّجُلُ الْمُشْفِقُ الْمُقَرُّ الْمُعْتَرِفُ  
بِدُنُوبِهِ أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِينِ وَابْتِهَالُ إِلَيْكَ  
ابْتِهَالِ الْمَذْهَبِ الدَّلِيلِ وَأَدْعُوكَ دُعَاءَ  
الْخَائِفِ الضَّرِيرِ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهُ  
وَقَاضَتْ لَكَ عِبْرَتُهُ وَذَلَّ جَسَدُهُ وَرَغِمَ أَنْفُهُ  
لَكَ اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا وَكُنْ  
بِي رَؤُوفًا رَحِيمًا يَا خَيْرَ الْمُسْئِلِينَ يَا خَيْرَ  
الْمُعْطِينَ

یا اللہ! تو میرا کلام سنتا ہے میری جگہ کو دیکھتا ہے  
میرے پوشیدہ اور ظاہر کو دیکھتا ہے میرا کوئی کام تجھ سے  
پوشیدہ نہیں میں پریشان حال فقیر ہوں مدد طلب کرنے والا  
پناہ مانگنے والا ڈرنے والا اور اپنے گناہوں کا اقرار و  
اعتراف کرنے والا ہوں میں مسکین کی طرح سوال کرتا  
ہوں اور گناہ گار رسوا کی طرح تیری طرف رجوع کرتا ہوں  
اور ڈرنے والے مجبور اور تکلیف میں مبتلا شخص کی طرح تجھ  
سے دعا مانگتا ہوں وہ جس کی گردن تیرے سامنے جھک گئی  
تیرے لئے جس کے آنسو بہہ گئے اور جسم جھک گیا تیرے  
لئے اس کی ناک خاک آلود ہو گئی یا اللہ! اے میرے رب  
اپنی پکار کے ساتھ مجھے بد بخت نہ کرنا اور مجھ پر مہربان رحم  
کرنے والا ہو جا اے وہ ذات جو تمام مسئولین (جن سے  
سوال کیا جاتا ہے) سے بہتر اور اے سب دینے والوں میں  
سے اچھی ذات۔

نبی اکرم ﷺ عرفات میں تھے کہ نجد والوں میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے حج  
کے بارے میں پوچھا آپ نے ایک ندا کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے ”حج عرفہ ہے“ (عرفات میں وقوف ہے)  
جو مزدلفہ کی رات طلوع فجر سے پہلے آئے اس نے حج کو پایا منی کے تین دن ہیں پس جو شخص دو دنوں میں جلدی کرے  
(اور واپس ہو جائے) اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے (تین دن ٹھہرے) اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ (جامع ترمذی)  
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابوداؤد نے نقل کیا اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں یہاں ٹھہرا  
اور عرفات پورے کا پورا موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۳۶ مسند احمد  
ج ۳ ص ۳۲۰ السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۱۵-۲۳۹ مسند خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۱۵)

اور اسی مقام پر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی جس طرح صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدہ: ۳) آج کے دن میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا۔

اسی جگہ مسلمانوں میں سے ایک شخص سواری سے گر کر فوت ہو گیا اور وہ محرم تھا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اسے دو  
کپڑوں میں کفن دیا جائے اور خوشبو نہ لگائی جائے پیری کے (چہلوں سے جوش دیتے ہوئے) پانی کے ساتھ غسل دیا جائے  
اس کے سر اور چہرے کو ڈھانپا نہ جائے اور آپ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس طرح اٹھائے گا کہ یہ تبلیہ



کہتا ہوگا۔

یعنی اس صورت میں اٹھایا جائے گا کہ جس پر وہ فوت ہوا اس سے اس کے احرام کے باقی رہنے پر استدلال کیا گیا جب کہ مالکی اور حنفی حضرات کا اختلاف ہے۔ ۱۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا اس حدیث کی تاویل یوں ہوگی کہ اس کے چہرے کو ڈھانپنے سے ممانعت اس لئے نہیں تھی کہ محرم کے لئے چہرے کو ڈھانپنا جائز نہیں بلکہ یہ سر کو بچانے کے لئے تھا کیونکہ اگر وہ اس کے چہرے کو ڈھانپتے تو سر کو ڈھانپنے سے بے خوف نہ ہوتے (یعنی وہ بھی ڈھانپنا جاتا)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مذکور محرم عرفات کی چٹانوں کے پاس گرا تھا۔ واللہ اعلم

### عرفات سے واپسی

جب سورج غروب ہو گیا اس طرح کہ کچھ زردی چلی گئی جب سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی تو نبی اکرم ﷺ عرفات سے واپس لوٹے اور اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا اور قصواء (اونٹنی) کے لئے لگام کو تنگ کیا حتیٰ کہ اس کا سر کجاوے کے اگلے حصے میں چمڑے کے ٹکڑے تک پہنچتا تھا اور آپ اپنے ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ کر رہے تھے کہ سکون و اطمینان اختیار کریں آپ جس وقت بھی ریت کے چھوٹے ٹیلے پر تشریف لاتے تو لگام کچھ ڈھیلی چھوڑتے حتیٰ کہ وہ اوپر چڑھتی اور مازمین (عرفات میں معروف جگہ) کے راستے سے واپس لوٹتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے پیچھے اونٹوں کو سخت جھڑکنا اور مار پیٹ سنی تو اپنی لاشی سے اشارہ کیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر اطمینان لازم ہے کیونکہ نیکی تیز چلنے میں نہیں ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۰۱ المستدرک ج ۱ ص ۳۶۵۔ ج ۳ ص ۲۷۵ مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۹۔ ج ۵ ص ۲۰۱۔ ۲۰۷ کنز العمال رقم

الحدیث: ۱۲۶۰۹-۱۲۶۱۳)

”سنن ابی داؤد کی“ روایت میں ہے کہ آپ عرفات سے واپس تشریف لائے اور آپ پر سکون تھے اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے آپ نے فرمایا اے لوگو! تم پر سکون لازم ہے کیونکہ نیکی گھوڑوں اور اونٹوں کو تیز چلانے میں نہیں پس میں نے نہیں دیکھا کہ اونٹنی نے تیز چلتے ہوئے اگلے قدم اٹھائے ہوں حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ مزدلفہ میں تشریف لائے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت ”جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے“ اس میں ہے کہ اعتدال کے ساتھ چلتے تھے جب کوئی گنجائش دیکھتے تو ذرا تیز چلتے۔

امام طبرانی نے معجم میں حضرت سالم بن عبد اللہ سے روایت کیا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ عرفات سے واپس تشریف لائے اور آپ یہ کلمات پڑھ رہے تھے:

۱۔ احناف فرماتے ہیں جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لہذا اسے خوشبو لگانا اور اس کے سر اور چہرے کو ڈھانپنا جائز ہے جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو یہ ایک خاص واقعہ ہے، عمومی حکم نہیں ہے کیونکہ اس میں فرمایا کہ وہ قیامت کے دن تبلیہ کہے

گا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۸۲)



ایک تعدو قلقلوا وضینہا مخالف دین النصاری دینہا  
 ”وہ پریشانی میں کجاوے کی رسی کو تیری طرف موڑتے ہیں ان کا دین نصاریٰ کے دین کے خلاف  
 ہے۔“

”نہا یہ میں فرمایا کہ“ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے طور پر مشہور ہے۔  
 القلق کا معنی ”انزعاج“ (بے قراری) ہے۔ ”الوضین“ ضاد کے ساتھ ہے کجاوے کی رسی۔  
 جب نبی اکرم ﷺ راستے کے درمیان میں تھے تو آپ اترے اور آپ نے پیشاب فرمایا اور مختصر وضو فرمایا  
 حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! نماز کا وقت ہے آپ نے فرمایا نماز کا مقام آگے ہے (یعنی مزدلفہ نہیں  
 ہے)۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۲ ج ۵ ص ۲۵۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶-۲۸۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۹ سنن داری  
 ج ۲ ص ۵۷ مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۰-۲۰۸ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۳ التمهید ج ۹ ص ۲۶۷ اتحاد السادة المتقين ج ۳ ص ۳۸۷ سنن ابوداؤد  
 رقم الحدیث: ۱۹۲۱-۱۹۲۵ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۳۸ حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۰۶ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۰۱ کنز العمال رقم  
 الحدیث: ۱۲۵۹۳-۱۲۵۹۴-۱۲۵۹۵-۱۲۶۰۰-۱۲۶۰۳-۱۲۶۰۴)

### مزدلفہ میں رات گزارنا

نبی اکرم ﷺ سوار ہوئے حتیٰ کہ مزدلفہ میں تشریف لائے اور مزدلفہ کو جمع کہا جاتا ہے (جمع میں جیم پر زبر اور میم  
 ساکن ہے) کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اس مقام پر حضرت حواء علیہا السلام کے ساتھ اکٹھے ہوئے تو آپ ان کے قریب  
 ہوئے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسے جمع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو نمازوں کو جمع کیا جاتا ہے۔  
 یہ بھی کہا گیا کہ یہاں لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں یعنی وہ وقوف کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل  
 کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے وہاں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی دونوں نمازیں ایک اقامت سے پڑھیں اور ان میں سے کسی  
 کے بعد نماز (نفل وغیرہ) نہیں پڑھی۔ ایک روایت میں ہے کہ مغرب کی اقامت ہوئی پھر لوگوں نے سوار یوں کو بٹھایا اور  
 ان سے سامان نہیں اتارا حتیٰ کہ عشاء کی اقامت ہوئی پس آپ نے نماز پڑھی پھر صحابہ کرام نے سوار یوں سے سامان  
 اتارا۔ (صحیح مسلم)

اس رات نبی اکرم ﷺ نے قیام ترک کر دیا اور آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ صبح ہو گئی کیونکہ اس سے پہلے عرفات میں عمل  
 کر چکے تھے یعنی زوال سے لے کر غروب آفتاب تک وقوف دعا میں کوشش اور غروب کے بعد مزدلفہ کی طرف روانگی اور  
 آپ نے مغرب و عشاء کی نماز پر اکتفاء کیا اور رات کا باقی حصہ آرام فرمایا حالانکہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت اس قدر  
 قیام کیا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک سوچ جاتے لیکن آپ نے عرفات میں عمل کرنے کی وجہ سے اپنے نفس مبارک کو  
 آرام پہنچایا نیز اس لئے بھی کہ اس کے بعد قربانی کا دن تھا اور آپ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ (۶۳) اونٹ ذبح  
 کرنا تھے پھر طواف افاضہ کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف جانا اور منیٰ کی طرف لوٹنا تھا جس طرح ”شرح تقریب الاسانید میں“



اس بات سے آگاہ کیا گیا۔

دعا

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عرفہ (نوذوالحجہ) کی شام اپنی امت کے لئے بخشش کی دعا مانگی تو آپ کو جواب دیا گیا ”بے شک میں نے ان کو بخش دیا سوائے ظالموں کے“ میں ان سے مظلوم کا بدلہ لوں گا“ آپ نے عرض کیا اے میرے رب! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت عطا کرے اور ظالم کو بخش دے تو اس شام آپ کو جواب نہ ملا جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو دوبارہ دعا فرمائی تو آپ کے سوال کو قبول کیا گیا، راوی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے یا (فرمایا) تبسم فرمایا حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس وقت آپ ہنسا نہیں کرتے تو کس وجہ سے آپ ہنسے ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو (ہمیشہ) مسکراتا ہوا رکھے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے تو اس نے مٹی لی اور اپنے سر پر ڈال کر ہلاکت اور تباہی کے الفاظ سے پکارنے لگا تو اس کی اس فریاد کی وجہ سے مجھے ہنسی آ گئی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۳، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۰۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۸۰۹-۳۱۹۵۷)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اسے اس طریق سے روایت کیا جس سے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا اور اس کو ضعیف قرار نہیں دیا۔

بعض روایات میں حضرت عباس بن مرداس کے غیر سے مروی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ امت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے عرفات میں وقوف کیا۔

قرطبی فرماتے ہیں کہ مظالم کی نسبت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے توبہ کی اور حقوق کی ادائیگی سے عاجز ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابن ماجہ کی روایت کی طرح روایت کرنے کے بعد فرمایا اس کے کئی شواہد ہیں اگر اس کے شواہد صحیح ہیں تو اس میں حجت ہے اور اگر صحیح نہیں تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے:

وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ  
اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اس (شرک) کے (النساء: ۴۸) علاوہ بخش دیتا ہے۔

اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا شرک سے کم ہے۔

یوم ولادت کی طرح (پاک) واپس ہونا

امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح حدیث میں فرمایا:

من حج فلم يرفث ولم يفسق خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه.

جس نے حج کیا پس فحش کلامی نہ کی اور نہ نافرمانی کی وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوگا جس طرح اس دن پاک ہوتا ہے جس دن اس کی ماں اسے جنم دیتی ہے۔



(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۱۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۹، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۸) یہ بات ان گناہوں سے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہیں، بندوں کے حقوق کے بارے میں نہیں اور حقوق بھی ساقط نہیں ہوتے پس جس کے ذمہ نماز یا کفارہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہوں وہ اس سے ساقط نہیں ہوتے کیونکہ وہ حقوق ہیں، گناہ نہیں کیونکہ گناہ ان (حقوق کی ادائیگی) میں تاخیر ہے پس نفس تاخیر حج کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، نفس حق ساقط نہیں ہوتا اگر اس کے بعد بھی مؤخر کرے تو نیا گناہ پیدا ہوگا تو مقبول حج (حکم خداوندی کی) مخالفت کو ساقط کرتا ہے حقوق کو نہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا جو شخص یہ کہے کہ حج ان حقوق کو ساقط کر دیتا ہے جو اس (حاجی) پر واجب ہیں مثلاً نماز (وغیرہ) تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے (اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے) ورنہ قتل کیا جائے اور آدمی کا حق حج کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا اس پر سب کا اتفاق ہے۔

### کنز وروں کو پہلے بھیجنا

ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے مزدلفہ کی رات نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی اور آپ کا جسم بھاری تھا اور آپ آہستہ چلتی تھیں پس نبی اکرم ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) کاش میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگتی جس طرح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اجازت طلب کی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کی بھیڑ ہو جانے سے پہلے جانے کی اجازت مانگی اور وہ ست رفتار تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کے ہجوم سے پہلے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اگر میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگتی جس طرح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اجازت مانگی تھی تو یہ بات میرے لئے ہر اس چیز سے زیادہ پسند ہوتی جس کے ذریعے خوشی حاصل کی جاتی ہے۔

ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو قربانی کی رات (منیٰ کی طرف) بھیج دیا پس انہوں نے فجر سے پہلے کنکریاں ماریں پھر وہ (مکہ مکرمہ) چلی گئیں اور طواف افاضہ کیا اور یہ وہ دن تھا جس دن نبی اکرم ﷺ ان کے ہاں تھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مزدلفہ سے رات کے وقت بھیجا۔ ”صحیح بخاری“ صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے“ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے اپنے گھر کے کنز و افراد کے ساتھ بھیجا تو ہم نے صبح کی نماز منیٰ میں پڑھی اور کنکریاں ماریں۔

۱۔ شافعی حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے کہ آدمی رات سے کنکریاں مارنے کا وقت شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا صبح کے وقت مکہ مکرمہ پہنچ جانا اور یہ تب ہی ممکن ہے جب رات کو کنکریاں ماری جائیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حضرت ام سلمہ کے ساتھ خاص ہے دوسروں کے لئے جائز نہیں اور حضور ﷺ جس کے لئے چاہیں اسے کسی حکم کے ساتھ خاص کر دیں۔



”موطا (امام مالک) صحیح بخاری و مسلم اور سنن نسائی میں“ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ مزدلفہ کی رات مزدلفہ میں اتریں اور کھڑے ہو کر ایک ساعت نماز پڑھی پھر فرمایا اے میرے بیٹو! کیا چاند غروب ہو گیا ہے؟ میں نے کہا نہیں پھر ایک گھڑی نماز پڑھی پھر فرمایا چاند ڈوب گیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا پس چلو بے شک نبی اکرم ﷺ نے کجاوے والی خواتین کو اجازت دی ہے۔

### مزدلفہ میں رات گزارنا

اسلاف کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا مزدلفہ میں رات نہ گزارنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت علقمہ نخعی اور شعبی فرماتے ہیں جس نے اسے چھوڑ دیا اس سے حج رہ گیا۔ حضرت عطاء زہری، قتادہ شافعی، کوئی حضرات اور اسحاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس پر دم (جانور ذبح کرنا) لازم ہے اور جو شخص وہاں رات گزارے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ نصف رات سے پہلے وہاں سے چلا جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وہاں سے گزرے لیکن نہ اترے تو اس پر دم لازم ہے جب وہاں سے چلا جائے۔

### کنکریاں چننا

اور جب فجر طلوع ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے فجر کی نماز اذان اور اقامت کے ساتھ اس وقت پڑھی جب صبح ظاہر ہوئی۔

”سنن بیہقی اور سنن نسائی میں“ صحیح سند کے ساتھ مسلم کی شرط پر روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی صبح حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا میرے لئے کنکریاں چنو، تو انہوں نے ٹھیکری کی مثل کنکریاں چنیں اور ان کنکریوں کو نہ توڑے جس طرح بے علم لوگ کرتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۴۴)

”سنن نسائی کی“ روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی صبح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا اور آپ اپنی سواری پر تھے یہ کنکریاں جو آپ نے چنی ہیں مجھے دیں تو انہوں نے چند کنکریاں جو ٹھیکری کی مثل تھیں آپ کو پکڑائیں جب آپ نے ان کو اپنے ہاتھ میں رکھا تو فرمایا ان جیسی اور بھی (دو) اور تم لوگ دین میں بڑھنے سے بچو۔ بے شک تم سے پہلے لوگ دین میں زیادتی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (سنن نسائی ج ۵ ص ۲۶۸، مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۷، المسند رک ج ۱ ص ۲۶۶، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۲۳، اتحاف السادة المتقين ج ۴ ص ۳۹۱، الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۵)

علماء کرام فرماتے ہیں اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ دن کے وقت کنکریاں چننا مستحب ہے۔ امام بغوی کی یہی رائے ہے وہ فرماتے ہیں صبح کی نماز کے بعد یہ کام کیا جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ”الام“ اور ”الاملاء“ میں یہی بات بیان کی ہے لیکن جمہور کا قول جیسا کہ امام رافعی نے فرمایا یہ ہے کہ رات کو کنکریاں چننا مستحب ہے کیونکہ یہ فراغت کا وقت ہوتا ہے۔

اور کیا حج کے موقع پر ماری جانے والی تمام کنکریاں (اسی رات) چننا مستحب ہے ”التنبیہ“ میں اس موقف کو اختیار

۱۔ اپنی طرف سے کسی عمل کو دین قرار دے دینا اور حلال و حرام یا فرض و واجب وغیرہ کا حکم لگانا دین میں بڑھنا ہے دین کے مطابق اچھے کام جاری

کرنا دین میں بڑھنا نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی



کیا گیا۔ (التمیہ ص ۷۸)

اور امام نووی نے اپنی تصحیح میں اسے برقرار رکھا لیکن اکثر حضرات کا قول وہ ہے جو امام رافعی نے فرمایا کہ صرف قربانی کے دن کے لئے چننا مستحب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی ”المہذب“ میں اسی بات کو بیان کیا اور احتیاط یہ ہے کہ زیادہ کنکریاں لے کیونکہ بعض اوقات ان میں سے کچھ کنکریاں گر جاتی ہیں۔

## حج میں نیابت کا سوال

پھر نبی اکرم ﷺ قصوا (اوٹنی) پر سوار ہو کر مشعر حرام پر تشریف لائے اور اس پر چڑھ گئے پھر قبلہ رخ ہو کر (الحمد لله، الله اكبر، لا اله الا الله وحده لا شريك له، کلمات کے ذریعے) اللہ تعالیٰ کی تعریف کی بڑائی بیان کی اور اس کی معبودیت و وحدانیت کو بیان کیا اور مسلسل کھڑے رہے حتیٰ کہ صبح خوب روشن ہو گئی پھر آپ سورج طلوع ہونے سے پہلے چل پڑے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ ایک روایت میں ہے کہ مشرکین واپس نہیں ہوتے تھے جب تک سورج طلوع نہ ہوتا اور رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا پس آپ طلوع آفتاب سے پہلے چل پڑے۔ طبری (طبرانی) میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں صبح کی تو آپ قزح (پہاڑ) پر کھڑے ہوئے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا پھر فرمایا یہ (افضل) موقف ہے اور پورا مزدلفہ موقف ہے حتیٰ کہ جب سفیدی ہو گئی تو آپ چل پڑے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا راوی فرماتے ہیں: وہ ایسے شخص تھے جن کے بال خوبصورت تھے اور رنگت سفید تھی (خوبصورت تھے) جب نبی اکرم ﷺ چلے تو کچھ عورتیں گزر رہی تھیں، حضرت فضل رضی اللہ عنہ ان کو دیکھنے لگے تو نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کے چہرے پر رکھا، حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اپنا رخ دوسری طرف پھیرا اور دیکھنے لگے رسول اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ دوسری طرف سے پھیر کر حضرت فضل کے چہرے پر رکھا تو انہوں نے دوسری طرف پھیر کر دیکھنا شروع کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے تو قبیلہ شعم کی ایک خاتون آئیں اور آپ سے مسئلہ پوچھنے لگیں، حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور وہ بھی آپ کو دیکھ رہی تھی رسول اکرم ﷺ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے چہرے کو دوسری طرف پھیرنے لگے اس عورت نے پوچھا یا رسول اللہ! حج کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے فریضہ نے میرے باپ کو پالیا ہے (اس پر حج فرض ہو گیا ہے) اور وہ بہت بوڑھے ہیں سواری پر ٹھہرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا ہاں (کر سکتی ہو)۔ (صحیح بخاری و مسلم) یہ حجتہ الوداع کے موقع کی بات ہے۔

یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس وقت وہی نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما



کمزور حضرات کے ساتھ پہلے ہی منیٰ کی طرف جا چکے تھے گویا حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں جو کچھ دیکھا وہ اپنے بھائی سے بیان کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ختمیہ (عورت) کا سوال جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد ہوا ہو اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وہاں حاضر ہوں پس کبھی وہ اپنے بھائی سے نقل کرتے ہیں کیونکہ ان سے ہی متعلق ہے اور کبھی خود اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔

اس کی تائید ”جامع ترمذی کی“ حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ مذکورہ سوال قربان گاہ کے پاس ہوا جب کنکریاں مارنے سے فراغت ہو چکی تھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی گردن پھیر دی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کی گردن پھیر دی؟ فرمایا میں نے ایک جوان مرد اور جوان عورت کو دیکھا تو ان پر شیطان سے بے خوف نہ ہوا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۹۰۳-۱۳۰۳۷)

اس حدیث سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے تو اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ وہاں موجود تھے۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ زندہ لوگوں میں سے جو حج کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کی نیابت جائز ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔

اسی طرح جو لوگ کہتے ہیں کہ کسی کی طرف سے حج نہ کیا جائے جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (کا یہی قول ہے)۔ ابن منذر وغیرہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو شخص خود حج کرنے پر قادر ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ واجب حج میں نائب طلب کرے البتہ نقل حج میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں۔

### جمرات کو کنکریاں مارنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مزدلفہ سے عرفات تک نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھا پھر مزدلفہ سے منیٰ تک آپ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا پس دونوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ مسلسل تلبیہ کہتے رہے حتیٰ کہ آپ نے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب وادی حُسر میں پہنچے تو آپ نے اپنی اونٹنی کو حرکت دی اور کچھ تیز چلنے لگے۔ (صحیح مسلم)

اسنوی فرماتے ہیں: اس کا سبب یہ تھا کہ نصاریٰ وہاں ٹھہرتے تھے جس طرح امام رافعی نے فرمایا: یا عرب (مشرکین) (وہاں ٹھہرتے تھے) جس طرح ”وسیط“ میں کہا ہے پس آپ نے ان کی مخالفت کا حکم دیا اور میرے لئے اس میں ایک اور معنی ظاہر ہوا وہ یہ کہ اس جگہ ہاتھی والوں (ابرہہ اور اس کے لشکر) پر عذاب نازل ہوا جو بیت اللہ شریف کو گرانے کا ارادہ کر رہے تھے تو اس میں جلدی مستحب ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قوم ثمود وغیرہ کے علاقوں سے گزرنے والے کو اسی بات (یعنی تیز چلنے) کا حکم دیا۔



دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ جن جگہوں میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اس کا عذاب نازل ہوا وہاں آپ کا طریقہ مبارکہ یہی تھا اور اس کو وادیِ محسر اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں (ابرہہ کا) ہاتھی رک گیا تھا مطلب یہ کہ تھک گیا اور آگے چلنے سے رک گیا۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ درمیانے راستے پر چلے جو جمرہ کبریٰ پر جا نکلتا ہے حتیٰ کہ اس جمرہ کے پاس تشریف لائے جو درخت کے پاس تھا (آج کل درخت نہیں ہے) پس اس کو سات کنکریاں ماریں آپ ہر کنکری کے ساتھ ”اللہ اکبر“ کہتے تھے آپ نے وادی کے دامن سے کنکریاں ماریں اور بیت اللہ شریف کو اپنی بائیں جانب اور منیٰ کو دائیں جانب رکھا اور جمرہ (ستون) کی طرف رخ کیا۔

نبی اکرم ﷺ قربانی کے دن چاشت کے وقت کنکریاں مارتے تھے جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

ام المصین کی روایت میں جسے امام ابو داؤد نے نقل کیا اس طرح ہے کہ میں نے حضرت اسامہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو دیکھا ان میں سے ایک نے نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑ رکھی تھی اور دوسرے نے کپڑا اٹھایا ہوا تھا اور وہ دھوپ سے آپ کو بچارہ تھے حتیٰ کہ آپ نے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں۔

”سنن نسائی کی“ روایت میں ہے کہ پھر آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر انہوں نے بہت سی باتیں ذکر کیں۔

حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ وادی کے دامن سے جمرہ کو کنکریاں مار رہے تھے اور آپ سوار تھے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے اور ایک شخص نے آپ کو پیچھے سے پردہ کر رکھا تھا، میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا تو انہوں (حاضرین) نے کہا یہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور لوگوں کا ہجوم ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے لوگو! ایک دوسرے کو ہلاک نہ کرو اور جب جمرہ (ستون) کو کنکریاں مارو تو ٹھیکری کی مثل کنکری مارو (چھوٹی کنکری مراد ہے)۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۹-ج ۶ ص ۳۷۶-۳۷۹، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳، شرح السنہ ج ۷ ص ۱۸۱)

اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ محرم کجاوے وغیرہ کے ذریعے سایہ حاصل کر سکتا ہے اور یہ بات گزر چکی ہے کہ نمرہ میں نبی اکرم ﷺ کے لئے بالوں سے بنا ہوا خیمہ لگایا گیا تھا۔

”صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ قربانی کے دن آپ اپنی سواری پر (سوار) کنکریاں مار رہے تھے اور فرماتے تھے:

خذو عني مناسككم لا ادري، لعلی لا احج  
مجھ سے اپنے احکام حج لے لو (سیکھ لو) میں نہیں جانتا  
بعد حجتي هذه۔ کہ شاید اس حج کے بعد حج نہ کر سکوں۔

(التمہید ج ۲ ص ۶۹-۹۱-۹۸-ج ۳ ص ۳۳۳-ج ۵ ص ۱۱۷-ج ۷ ص ۲۷۲، نصب الریۃ ج ۳ ص ۵۵، اتحاف السادة المتقين

ج ۳ ص ۳۳۷، المغنی ج ۱ ص ۲۶۵)



حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی صہبا پر سوار ہو کر جمرات کو کنکریاں مار رہے تھے نہ وہاں مار دھاڑتھی نہ دھکم پیل اور نہ ہٹو بچو کی صدا میں تھیں۔

### قربانی اور سرمندانا

پھر نبی اکرم ﷺ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور تریسٹھ (۶۳) اونٹ ذبح کئے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (چھری) دی اور انہوں نے باقی اونٹوں کو ذبح کیا اور آپ نے ان کو اپنی ہدی میں شریک کیا پھر حکم دیا کہ ہر اونٹ سے کچھ گوشت رکھا جائے اسے ہنڈیا میں ڈال کر پکایا گیا تو دونوں (حضور ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) نے اس کے گوشت سے تناول فرمایا اور اس کا کچھ شوربانوش فرمایا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے کی قربانی دی۔ (صحیح مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی آل کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔ (سنن ابوداؤد)

پھر نبی اکرم ﷺ منیٰ میں اپنی منزل میں تشریف لائے اور سرمونڈ نے والے (حجام) سے فرمایا: بال اتار دو اور آپ نے اپنے دست مبارک سے دائیں اور بائیں جانب اشارہ کیا پھر وہ بال صحابہ کرام کو دینے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجام سے فرمایا ادھر سے اور ہاتھ سے دائیں جانب اشارہ فرمایا پس اپنے بال ان لوگوں میں تقسیم فرمائے جو قریب تھے پھر حجام کو بائیں جانب کی طرف اشارہ کیا اس نے (بال) مونڈے اور حضرت ام سلیم کو دے دیئے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ دائیں طرف سے ابتدا کی اور صحابہ کرام کے درمیان ایک ایک اور دو بال تقسیم کر دیئے۔ پھر بائیں طرف کا حکم دیا تو اسی طرح کیا پھر فرمایا یہاں ابو طلحہ ہیں؟ پس ان کو عطا کئے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں پھر اونٹوں کی طرف تشریف لے گئے آپ نے ان کو ذبح کیا اور حجام بیٹھا ہوا تھا آپ نے سرانور کی طرف اشارہ کیا تو اس نے دائیں طرف کے بال مونڈے آپ نے وہاں قریب موجود حضرات میں تقسیم کر دیئے پھر فرمایا دوسری طرف سے مونڈو پھر فرمایا ابو طلحہ کہاں ہیں؟ چنانچہ ان کو عطا فرمائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سرمونڈ نے والے کو بلایا وہ آپ کے پاس استرا لے کر کھڑا تھا آپ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: اے معمر! اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے تجھے اپنے کانوں کی چربی پر قدرت دی اور تیرے ہاتھ میں استرا ہے حضرت معمر کہتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! یا رسول اللہ بے شک اللہ تعالیٰ مجھ پر نعمت اور احسان سے ہے فرمایا ہاں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۰۰)

امام بخاری فرماتے ہیں لوگوں کا خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بال مبارک مونڈنے والے حضرت معمر بن عبد اللہ



بن نھلہ بن عوف تھے۔

ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں اسی طرح فرمایا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ناخن کاٹے اور لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیئے۔

(مسند احمد)

انہوں نے ہی حضرت محمد بن زیاد کی حدیث نقل کی ہے کہ ان کے والد نے ان سے بیان کیا کہ وہ قربان گاہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک قریشی مرد بھی تھے اور نبی اکرم ﷺ قربانیوں کا گوشت تقسیم فرما رہے تھے تو ان کو اور ان کے ساتھی (دونوں) کو کچھ نہ ملا پس نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر مبارک ان کے کپڑے میں منڈوایا اور ان کو بال مبارک دیئے چنانچہ انہوں نے ان میں سے کچھ بال بعض لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور آپ نے اپنے ناخن کاٹے اور وہ ان کے (قریشی) ساتھی کو دے دیئے اور نبی اکرم ﷺ مہندی اور کتم کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے (کتم ایک بوٹی ہے جس میں کچھ زردی ہوتی ہے اس کے پتوں کا خضاب لگایا جاتا ہے)۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۲)

**یا اللہ! حلق کرنے والوں کو بخش دے**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ۔ یا اللہ! سر منڈوانے والوں کو بخش دے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور بال کٹوانے والوں کو بھی؟ آپ نے (پھر) دعا مانگی ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ“ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور بال کٹوانے والوں کو آپ نے پھر دعا مانگی ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ“ انہوں نے عرض کیا اور بال کٹوانے والوں کو آپ نے فرمایا ”وَلِلْمَقْصِرِينَ“ اور بال کٹوانے والوں کو بھی بخش دے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

اس میں متعین نہیں کہ آیا آپ نے یہ دعا صلح حدیبیہ کے موقع پر مانگی یا حجۃ الوداع کے موقع پر؟

محدثین کرام فرماتے ہیں اس حدیث کے طرق میں وضاحت نہیں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات خود نبی اکرم ﷺ سے سنے ہوں اور کوئی ایسی بات واقع ہوتی تو ہم قطعی طور پر کہتے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ دعا مانگی کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس موقع پر حاضر تھے اور حدیبیہ میں موجود نہیں تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابو بقرہ نے ”السنن“ میں نقل کی ہے اور طبرانی نے ”الاوسط میں“ ذکر کی نیز حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابن اسحاق نے ”المغازی میں“ نقل کی ہے اس میں حدیبیہ کی تعیین ہے۔

جبکہ ابو مریم السلوی کی روایت جو امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور ”صحیح مسلم میں“ ام الحصین کی روایت قارب بن اسود ثقفی کی روایت جو امام احمد نے نقل کی اور ام عمارہ کی حدیث جو حارث کے نزدیک ہے میں حجۃ الوداع کی تعیین ہے۔ اور جن احادیث میں حجۃ الوداع کی تعیین ہے ان کی تعداد زیادہ ہے اور وہ سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہیں۔

اسی لئے حضرت ابام نووی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ام الحصین کی روایات کو نقل



کرنے کے بعد فرمایا یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا۔  
وہ فرماتے ہیں یہی صحیح مشہور ہے اور کہا گیا ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔ امام الحرمین نے ”النبایہ میں“ قطعی طور پر فرمایا کہ یہ دعا حدیبیہ کے موقع پر مانگی تھی پھر امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات بعید از عقل نہیں ہے کہ دونوں جگہوں پر یہ واقعہ ہوا ہو۔

ابن دقین العید نے اسی طرح فرمایا (اور) یہی بات (عقل کے) زیادہ قریب ہے۔  
”فتح الباری میں فرمایا“ بلکہ یہی بات متعین ہے کیونکہ دونوں جگہوں میں ہونے پر روایات ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں البتہ دونوں جگہ سبب مختلف ہے حدیبیہ میں اس کا سبب صحابہ کرام کا احرام کھولنے سے توقف کرنا تھا جب وہ غمگین ہو گئے تھے کیونکہ ان کو بیت اللہ شریف تک پہنچنے سے روک دیا گیا تھا حالانکہ وہ ذاتی طور پر ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور قریش سے مصالحت کر لی کہ آئندہ سال آئیں گے پس جب آپ نے ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا تو انہوں نے توقف کیا اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اشارہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ خود ان سے پہلے احرام کھول دیں چنانچہ آپ نے ایسا کیا تو صحابہ کرام نے آپ کی اتباع کی پس بعض صحابہ کرام نے سر منڈوائے اور بعض نے بال کٹوائے تو جس نے منڈوانے کی طرف جلدی کی انہوں نے تعمیل حکم میں ان کے مقابلے میں زیادہ جلدی کی جنہوں نے کٹوانے پر اکتفاء کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ سبب واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ ”سنن ابن ماجہ وغیرہ میں“ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سر منڈوانے والوں کا کیا معاملہ ہے کہ آپ نے ان کے لئے رحمت کی دعا تکرار کے ساتھ فرمائی فرمایا اس لئے کہ انہوں نے شکوہ نہیں کیا۔

اور حجۃ الوداع کے موقع پر سر منڈوانے والوں کے لئے تکرار کے ساتھ دعا مانگنے کے سبب کے بارے میں ابن اشیر نے ”النبایہ میں“ فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کرنے والوں میں سے اکثر حضرات نے ہدی نہیں چلائی تھی جب آپ نے ان کو حکم دیا کہ حج کو عمرہ میں بدل دیں پھر اس کے احرام سے نکل جائیں اور اپنے سروں کو منڈوالیں تو یہ بات ان پر گراں گزری اور جب فرمانبرداری کے بغیر چارہ کار نہ تھا تو منڈوانے کے مقابلے بال کٹوانا زیادہ آسان ہوا تو ان میں سے اکثر نے اس طرح کیا اس پر نبی اکرم ﷺ نے منڈوانے والوں کو ترجیح دی کیونکہ تعمیل ارشاد میں یہ عمل زیادہ واضح تھا۔ یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمائی۔

لیکن ان کی بات محل نظر ہے اگرچہ متعدد حضرات نے ان کی اتباع کی ہے کیونکہ متمتع کے حق میں مستحب یہ ہے کہ عمرہ میں قصر کرے (بال کٹوائے) اور حج میں سر منڈوائے جب دونوں عبادتوں کے درمیان تھوڑا وقفہ ہو اور ان لوگوں کے حق میں بھی اسی طرح تھا لیکن سب سے بہتر بات وہ ہے جو خطابی وغیرہ نے کہی وہ یہ کہ عربوں کی عادت ہے کہ وہ بالوں کے زیادہ ہونے اور ان کے ساتھ زینت اختیار کرنے کو پسند کرتے ہیں اور ان میں منڈوانا بہت کم ہے اور بعض اوقات وہ اسے شہرت اور عجمی کے عمل سے سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے منڈوانا پسند کیا اور کٹوانے پر اکتفاء کیا۔

(فتح الباری رقم الحدیث: ۱۷۲۷)



## سوالات

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں لوگوں کے لئے کھڑے ہوئے اور وہ آپ سے سوالات کرتے تھے پس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے پتہ نہ چلا اور میں نے قربانی کرنے سے پہلے سرمنڈ والیا آپ نے فرمایا ذبح کرو اور کوئی حرج نہیں پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے معلوم نہ ہو سکا اور میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر دی آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں کنکریاں مارو۔ راوی فرماتے ہیں جس عمل کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا وہ مقدم کیا گیا یا مؤخر؟ آپ نے یہی فرمایا (اب) کر لو کوئی حرج نہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۱۶، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۵۱، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۵۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۸۹۲، ۱۲۶۶۲)

ایک روایت میں ہے (سوال کرنے والے نے کہا) میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے سرمنڈ والیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر تھے کہ آپ نے وقوف فرمایا پس لوگوں نے آپ سے پوچھا شروع کر دیا ان میں سے کوئی عرض کرتا یا رسول اللہ! مجھے معلوم نہ تھا کہ کنکریاں قربانی سے پہلے ماری جاتی ہیں پس میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر دی آپ نے فرمایا کنکریاں مارو کوئی حرج نہیں۔ راوی فرماتے ہیں میں نے نہیں سنا کہ اس دن آپ سے جس کام کے بارے میں پوچھا گیا کہ کسی نے بھول کر یا لاعلمی میں بعض کاموں کو دوسرے بعض اعمال سے مقدم کر دیا یا اس قسم کی کوئی بات ہوئی مگر آپ نے یہی فرمایا (اب) یہ کام کر لو کوئی حرج نہیں۔ (صحیح مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ قربانی کے دن ہمارے درمیان کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا خیال نہیں تھا کہ فلاں فلاں کام فلاں فلاں کام سے پہلے ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے سرمنڈ والیا ہے میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی دے دی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے ذبح کرنے سے پہلے سرمنڈ والیا ہے اور میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے ذبح کر لیا۔

## قربانی کے دن اعمال کی ترتیب

یہ بات معروف ہے کہ ترتیب زیادہ بہتر ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ قربانی کے دن بالاتفاق چار عمل کئے جاتے ہیں: جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنا پھر قربانی کا جانور نحر یا ذبح کرنا پھر سرمنڈ وانا یا بال کٹوانا اور اس کے بعد طواف افاضہ اور اس کے ساتھ لیکن بعد میں سعی کرنا۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں پھر جانور ذبح کیا اور پھر حلق کرایا۔ اور علماء کرام کا اتفاق ہے کہ یہ ترتیب مطلوب ہے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ان میں سے بعض کو بعض پر مقدم کرنا جائز ہے البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ بعض جگہ دم واجب ہے۔

امام شافعی، جمہور سلف اور علماء و فقہاء حدیث کا مذہب یہ ہے کہ (تقدیم و تاخیر) جائز ہے اور دم واجب نہیں کیونکہ نبی



اکرم ﷺ نے سائل سے فرمایا: ”کوئی حرج نہیں“ اور یہ بات گناہ اور فدیہ دونوں کے اٹھ جانے میں ظاہر ہے کیونکہ تنگی کا اسم دونوں کو شامل ہے (لہذا عدم حرج بھی دونوں کو شامل ہوگا)۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض اعمال کو دوسرے اعمال پر مقدم کرنے میں گنجائش ہے مگر اس بات کا احتمال ہے کہ ”لا حرج“ (کوئی حرج نہیں) سے مراد یہ ہو کہ اس عمل میں کوئی گناہ نہیں اور جو شخص بھول کر ایسا کرے یا لاعلم ہو اس کے لئے بات یہی ہے لیکن جو جان بوجھ کر کرے اس پر فدیہ لازم ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ فدیہ کا وجوب دلیل کا محتاج ہے اور اگر وجوب ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس وقت بیان فرماتے اور اس میں تاخیر واجب نہ ہوتی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث کے الفاظ کہ (سائل نے کہا) ”مجھے پتہ نہ چلا“ اور ”صحیح مسلم میں“ یونس کی روایت ہے اور خود امام احمد نے صالح کی روایت نقل کی کہ میں نے اس نے نبی اکرم ﷺ سے نہیں سنا کہ کسی امر کے بارے میں آپ سے سوال کیا گیا جسے کسی نے بھول کر یا لاعلمی میں آگے پیچھے کر دیا۔ مگر آپ نے یہی فرمایا کہ تم کرو کوئی حرج نہیں، سے استدلال کیا کہ اس سے بھولنے والا یا لاعلم آدمی مراد ہے اس پر کوئی چیز لازم نہیں اور اگر وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے تو اس سے ملامت کی نفی نہیں۔

ابن دقیق نے کہا کہ جو کچھ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا وہ اس اعتبار سے قوی ہے کہ دلیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حج کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی اتباع واجب ہے کیوں کہ آپ نے فرمایا:

خذوا عني مناسككم. مجھ سے اپنے احکام حج (کی تعلیم) لے لو۔

اور یہ احادیث جن میں ان اعمال کو جن کے پیچھے ہونا چاہیے تھا مقدم کرنے کی اجازت دی گئی ہے تو یہ پوچھنے والے کے قول ”لم اشعر“ (مجھے معلوم نہ تھا) کے ساتھ ملی ہوئی ہیں پس یہ حکم اس حالت کے ساتھ خاص ہے اور جان بوجھ کر ایسا کرنے والی حالت اصل پر باقی رہے گی یعنی حج میں اتباع واجب ہوگی۔

### یوم نحر کا خطبہ

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک زمانہ اس حالت پر آچکا ہے جس پر اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا سال بارہ مہینوں کا ہے ان میں سے چار عزت والے مہینے ہیں تین مسلسل ہیں ذی قعدہ ذوالحجہ اور محرم اور (چوتھا) رجب مضر ہے جو جمادی (جمادی الاخریٰ) اور شعبان کے درمیان ہے۔

آپ نے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں آپ خاموش رہے امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں: جس نے اپنے اعمال حج میں سے کسی کو مقدم یا مؤخر کیا وہ اس کے لئے خون بہائے (جانور ذبح کرے) اور آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ”لا حرج“ والی حدیث روایت کی ہے یہ اس بات پر دلالت ہے کہ محض گناہ کی نفی ہے (دم لازم ہوگا)۔ (زرقاتی ج ۹ ص ۲۰۰)



رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس نام کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا نام بتائیں گے آپ نے پوچھا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں (یہ ذوالحجہ ہے) آپ نے پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کا دوسرا نام بتائیں گے جو اس (پہلے) نام کے علاوہ ہوگا آپ نے فرمایا کیا یہ بلد حرام (عزت والا شہر) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں یہی ہے آپ نے فرمایا: یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم نحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں یہی ہے آپ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی عزت تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینے میں ہے، عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے پس وہ تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ سنو! میرے بعد کافر اور گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض دوسرے بعض کی گردنیں ماریں، سنو! کیا میں نے (اپنے رب کا پیغام) پہنچا دیا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا یا اللہ! تو گواہ ہو جا پس چاہیے کہ موجود شخص 'غائب کو پہنچا دے پس کئی افراد جن تک بات پہنچائی جائے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۹)

”صحیح بخاری کی“ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو الوداع کہا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک ضعیف سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اس کا سبب یوں بیان فرمایا کہ ”اذا جاء نصر الله والفتح“ سورت ایام تشریق کے دوران نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اور یہ معلوم ہے کہ یہ حجۃ الوداع کا موقع تھا آپ نے حکم دیا کہ آپ کی اونٹنی قصواء پر کجاوہ رکھا جائے جب وہ رکھا گیا تو آپ اس پر سوار ہوئے اور عقبہ میں ٹھہرے لوگ آپ کے گرد جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا اے لوگو! (پھر پوری حدیث ذکر کی)۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ قربانی کے دن منیٰ میں خطبہ دینا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کی اتباع کرنے والوں کا یہی موقف ہے جب کہ مالکی اور حنفی حضرات نے اس سلسلے میں مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ حج کے خطبات صرف تین ہیں سات ذوالحجہ کو، نویں ذوالحجہ کے دن اور قربانی کے دوسرے دن منیٰ میں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے (تعداد میں) ان کی موافقت کی ہے لیکن قربانی کے دوسرے دن کی بجائے تیسرے دن کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ واپسی کا پہلا دن ہے اور چوتھے خطبہ کا اضافہ کیا جو قربانی کے دن ہے انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اس دن کے اعمال یعنی کنکریاں مارنے، ذبح کرنے، سر منڈوانے اور طواف کے مسائل جان سکیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ خطبہ حج کے متعلقات میں سے نہیں ہے کیونکہ اس میں حج کے امور میں سے کسی بات کا ذکر نہیں اس میں عام وصیتیں مذکور ہیں اور کسی سے منقول نہیں کہ آپ نے اس خطبہ میں کوئی ایسی بات بیان کی ہو جو یوم نحر سے متعلق ہو پس ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس خطبہ کا ارادہ حج کے حوالے سے نہیں تھا۔

ابن بطلان نے کہا کہ آپ نے یہ خطبہ ان باتوں کی تبلیغ کے لئے ارشاد فرمایا جن کا آپ نے ذکر کیا کیونکہ دنیا بھر سے



آنے والے لوگوں کی وجہ سے بہت بڑا اجتماع تھا تو جس نے دیکھا اس نے خیال کیا کہ آپ نے خطبہ دیا ہے۔  
ابن بطل فرماتے ہیں جو کچھ امام شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ لوگوں کو حاجت تھی کہ ان کو احرام سے نکلنے کے مذکورہ اسباب کی تعلیم دی جائے تو یہ بات متعین نہیں ہے کیونکہ امام کے لئے ممکن ہے وہ ان کو عرفہ (نوذوالحجہ) کے دن ان باتوں کی تعلیم دے دے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس مذکورہ خطبہ میں یوم نحر کی تعظیم ذوالحجہ کی تعظیم اور بلد حرام کی تعظیم سے آگاہ کیا اور مذکورہ بالا صحابہ کرام نے اس کا نام خطبہ رکھا لہذا دوسرے لوگوں کی تاویل کی طرف توجہ نہ کی جائے اور یہ جو ذکر کیا کہ عرفہ کے دن بھی ان کی تعلیم دی جاسکتی ہے تو قربانی کے دوسرے دن خطبہ کی مشروعیت اس کے خلاف جاتی ہے کیونکہ عرفہ کے دن ان امور کی تعلیم دی جاسکتی تھی (جو دوسرے دن کے خطبہ میں بیان کئے) بلکہ ممکن ہے کہ آٹھویں ذوالحجہ کو حج کے تمام اعمال سکھا دیئے جائیں۔ لیکن جب ہر دن کے اعمال دوسرے دن کے اعمال سے الگ ہیں تو اسباب کی تجدید کی وجہ سے نئے سرے سے تعلیم دینا جائز ہوا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ یہ بات منقول نہیں ہے کہ آپ نے ان کو احرام سے نکلنے کے اسباب کی تعلیم دی تو یہ اس بات کے وقوع یا نفس الامر میں کسی چیز کے پائے جانے کی نفی نہیں کرتا بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے کہ وہ یوم نحر کے خطبہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اس میں بعض اعمال حج کو بعض پر مقدم کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام طحاوی رحمہ اللہ کے لئے اس کی مطلق نفی کیسے جائز ہوگی؟

امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت عبدالرحمن بن معاذ تمیمی سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور ہم منیٰ میں تھے تو ہمارے کان کھول دیئے گئے حتیٰ کہ ہم آپ کی بات سنتے تھے اور ہم اپنی منازل میں تھے آپ لوگوں کو ان کے مناسک حج کی تعلیم دینے لگے حتیٰ کہ کنکریاں مارنے کے ذکر تک پہنچے تو آپ نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو رکھا پھر ٹھیکری کی کنکری کا حکم دیا (یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت پر رکھ کر ماری جائے) پھر مہاجرین کو حکم دیا تو وہ مسجد کے اگلے حصے میں اترے اور انصار کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے پیچھے اتریں۔ راوی فرماتے ہیں: پھر اس کے بعد لوگ اترے۔

ایک روایت میں حضرت عبدالرحمن بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں خطبہ ارشاد فرمایا اور ان کو اپنی اپنی منازل میں اترنے کا حکم دیا پس آپ نے فرمایا کہ مہاجرین یہاں اتریں اور قبلہ کی دائیں جانب اشارہ کیا اور انصار یہاں اتریں اور قبلہ کی بائیں جانب اشارہ کیا پھر فرمایا کہ (دوسرے) لوگ ان کے گرد اتریں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۵۱، مسند احمد ج ۳ ص ۶۱، ج ۵ ص ۷۷، سنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۳۸)

حضرت ابن ابی شیبہ اپنے والد سے اور وہ بنو بکر کے دو آدمیوں سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں فرماتے ہیں: کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایام تشریق کے درمیانے دن خطبہ دے رہے تھے اور ہم آپ کی سواری کے پاس تھے اور یہ نبی اکرم ﷺ کا وہی خطبہ ہے جو آپ نے منیٰ میں دیا تھا۔

حضرت رافع بن عمرو الحمزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ



منیٰ میں اس وقت لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے جب چاشت کے وقت سورج بلند ہو گیا اور آپ شہباء خچر پر سوار تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کی طرف سے آگے پہنچا رہے تھے کچھ لوگ کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت ربیعہ بن عبد الرحمن بن حصن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے میری دادی سراء بنت نبھان نے بیان کیا اور وہ دو درجاہلیت میں عمر رسیدہ تھیں وہ فرماتی ہیں آپ نے گیارہ شعبان کو خطبہ دیا۔ پس فرمایا یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا کیا یہ ایام تشریق میں سے درمیانہ دن نہیں ہے؟ اور ایک راہب نے کہا کہ آپ نے ایام تشریق میں سے درمیان والے دن خطبہ ارشاد فرمایا۔

### طوافِ افاضہ

پھر نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے سوار ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف لوٹے اور طوافِ افاضہ کیا اور اسے طوافِ زیارت طوافِ رکن اور طوافِ صدر بھی کہتے ہیں۔

”صحیح بخاری میں ہے“ ابو حسان سے ذکر کیا جاتا ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ منیٰ کے دنوں میں بیت اللہ شریف کی زیارت کرتے تھے۔

امام طبرانی نے حضرت قتادہ کی سند سے ان سے متصل حدیث کے طور پر نقل کیا۔ ابن مدینی نے ”العلل“ میں کہا کہ حضرت قتادہ نے ایک غریب حدیث روایت کی جو ہمیں حضرت قتادہ کے اصحاب (شاگردوں) سے محفوظ نہیں البتہ ہشام کی حدیث سے معلوم ہے پس میں نے اسے ان کے بیٹے معاذ بن ہشام کی کتاب سے لکھا لیکن ان سے سنا نہیں وہ اپنے والد (ہشام) کے واسطے سے حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں (وہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے دادا نے بیان کیا حضرت قتادہ کہتے ہیں) مجھ سے ابو حسان نے بیان کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ منیٰ میں قیام کے دوران ہر رات بیت اللہ شریف کی زیارت کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ زمزم کے پاس تشریف لائے اور بنو عبد المطلب وہاں پانی پلا رہے تھے آپ نے فرمایا پانی نکالو اگر مجھے ڈرنہ ہوتا کہ لوگ پانی پلانے کے تمہارے حق پر غالب آجائیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ نکالتا پس انہوں نے آپ کو ایک ڈول پیش کیا تو آپ نے اس سے نوش فرمایا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۷۷ مسند احمد ج ۱ ص ۷۶ سنن داری ج ۲ ص ۹۸۰ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۵۷ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۵۱۳ الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۷۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اسے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عکرمہ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ اس دن آپ اونٹ پر نہیں تھے لیکن انہوں نے حجۃ الوداع یا کسی دوسرے حج کا تعین نہیں کیا، تعین حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو امام مسلم نے نقل کی ہے۔

### یوم نحر میں ظہر کی نماز کی جگہ

اسی سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس دن ظہر کی نماز کہاں پڑھی تھی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ۱۔ گیارہ شعبان کو یوم الرووس کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ دس ذوالحجہ کو جانور ذبح کرتے اور اسی شام جانور کے سروں کو پکا کر گیارہ ذوالحجہ کو کھاتے تھے۔



روایت میں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا یہ ہے کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں نماز پڑھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ قربانی کے دن طوافِ افاضہ کے بعد واپس تشریف لے گئے اور نمازِ ظہر منیٰ میں ادا فرمائی۔

ابن حزم نے اپنی کتاب ”حجۃ الوداع“ میں حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دی ہے اور اس سلسلے میں ایک جماعت نے ان کی اتباع کی ہے کیونکہ وہ دو ہیں اور ایک کے مقابلے میں دو کو ترجیح ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ خصوصیت حاصل ہے کیونکہ آپ کو جو قرب و اختصاص ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں۔

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کو اول سے آخر تک کامل طور پر بیان کیا اور آپ کو یہ واقعہ زیادہ یاد اور محفوظ تھا حتیٰ کہ اس کی جزئیات بھی یاد تھیں حتیٰ کہ اس سلسلے میں ان باتوں کو بھی برقرار رکھا جو احکام حج سے متعلق نہیں ہیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کا راستے میں اتر کر پیشاب کرنا اور اس کے بعد ہلکا سا وضو کرنا ہے پس جس شخص کو اس قدر باتیں یاد ہوں اس کو آپ کی نماز ظہر کی جگہ کا یاد ہونا زیادہ مناسب ہے۔

نیز حجۃ الوداع ”آزاد“ (مہینے میں) واقع ہوا اور اس میں رات اور دن برابر ہوتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ تشریف لائے اور وہاں لوگوں کو خطبہ دیا اور اونٹ ذبح کر کے اس کو تقسیم کیا اور آپ کے لئے اس کے گوشت سے پکایا گیا جسے آپ نے تناول فرمایا، حجرہ کو کنکریاں بھی ماریں، سرانور کا حلق کروایا اور خوشبو لگائی پھر مکہ مکرمہ تشریف لائے، طواف کیا اور آب زمزم سے نوش فرمایا وہاں ان لوگوں (بنو عبدالمطلب) کے پاس کھڑے ہوئے جو پانی پلا رہے تھے اور ان عمال سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اتنی مقدار میں مکمل نہیں ہوئے کہ (ان کے بعد) منیٰ کی طرف رجوع کیا جائے؟ اور ”موسم آذاد“ میں وہاں ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

(نوٹ: آذاد رومیوں کا چھٹا مہینہ ہے (قاموس) اس میں دن اور رات برابر ہوتے ہیں)۔

دوسرے گروہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دی ہے کہ آپ ﷺ سے یہ بات محفوظ نہیں کہ آپ نے فرض نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی ہو بلکہ آپ جتنی دیر وہاں (منیٰ) میں رہے اپنی منزل میں صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھی نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر اتفاق ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کے راوی زیادہ یاد رکھنے والے اور زیادہ مشہور ہیں نیز نبی اکرم ﷺ کے طواف کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اضطراب ہے ان سے مروی ہے کہ آپ نے دن کے وقت طواف کیا اور ان ہی سے ایک روایت میں ہے کہ طواف کا آخری حصہ رات میں ہوا نیز ان ہی سے مروی ہے کہ آپ نے دن کے آخر میں طوافِ افاضہ کیا پس طوافِ افاضہ کا وقت محفوظ ہے نماز کی جگہ محفوظ نہیں۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کسی اختلاف کے بغیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث محمد بن اسحاق کی روایت سے ہے اور وہ عبد الرحمن بن قاسم سے روایت کرتے ہیں اور ابن اسحاق سے استدلال کے سلسلے میں اختلاف ہے انہوں نے سماع کی وضاحت نہیں کی بلکہ لفظ ”عن“ کے ساتھ بیان کیا لہذا یہ حدیث حضرت



ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مقدم نہیں ہوگی۔

### جمرات کو کنکریاں مارنا

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ منیٰ کی طرف تشریف لائے اور ایام تشریق کی راتیں وہاں گزاریں جب سورج ڈھل جاتا تو کنکریاں مارتے ہر جمرہ (ستون) کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ ”اللہ اکبر“ کہتے۔

پہلے اور دوسرے جمرہ کے پاس ٹھہرتے اور طویل قیام کر کے گڑ گڑاتے اور تیسرے جمرہ کو کنکریاں مارنے کے بعد نہ ٹھہرتے۔ اس روایت کو امام ابو داؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب جمرات کو کنکریاں مارتے تو جاتے اور لوٹتے وقت پیدل چلتے تھے۔

ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ آپ (مسجد خیف کے) قریب والے جمرہ کو اور درمیانے جمرہ کو کنکریاں مارتے وقت قبلہ رخ تھے اور جمرہ عقبہ کو وادی کے نیچے سے کنکریاں ماریں۔

### منیٰ میں رات گزارنا اور وہاں سے کوچ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ پانی پلانے کی وجہ سے منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں گزاریں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا اور اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں گزارنے کی اجازت اس لئے دی کہ انہوں نے پانی پلانا تھا۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ منیٰ میں رات گزارنا واجب ہے اور یہ مناسک حج میں سے ہے کیونکہ رخصت (اجازت) سے تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے مقابلے میں عزیمت ہے اور اس علت (پانی پلانے) کی وجہ سے اجازت عطا فرمائی اور جب علت یا جو اس کے معنی میں ہو نہ پائی جائے تو اجازت نہیں ہوگی۔

جمہور نے وجوب کا قول کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق سنت ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے اور احناف کا بھی یہی مذہب ہے اس کے چھوڑنے پر دم (قربانی) کا لازم ہونا بھی اسی اختلاف پر مبنی ہے (یعنی جن کے نزدیک واجب ہے ان کے نزدیک دم لازم ہوگا اور جن کے نزدیک سنت ہے ان کے نزدیک دم لازم نہیں ہوتا)۔

اور رات گزارنے کا مطلب رات کا زیادہ حصہ وہاں ٹھہرنا ہے اور کیا اجازت پانی پلانے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے؟ تو صحیح یہ ہے کہ اس میں عموم ہے اور اس میں علت پینے والوں کو پانی مہیا کرنا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کے ساتھ اس شخص کو بھی ملایا جس کے پاس مال ہو اور ضائع ہونے کا خوف ہو یا کسی کام کے فوت ہونے کا ڈر ہو یا مریض کی دیکھ بھال کرنا ہو (وہ لوگ بھی پانی پلانے والے کی طرح ہیں) جس طرح جمہور نے خاص طور پر چرواہوں کو اس کے ساتھ ملایا اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔



مالکی حضرات کہتے ہیں کہ جو شخص کسی عذر کے بغیر منیٰ میں رات گزارنا ترک کرے اس پر ہر رات کے بدلے دم واجب ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ ایام تشریق کی رمی مکمل کرنے کے بعد منگل کے دن واپس ہوئے اور آپ نے صرف دو دن کنکریاں مارتے ہوئے جلدی نہیں کی (بلکہ تین دن پورے کئے) آپ اکیلے وادی مہصب کی طرف آئے اور یہ وادی ان (بطحاء) ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان قبرستان تک ہے اور یہ بنو کنانہ کا مقام ہے۔

آپ نے وہاں حضرت ابورافع کو پایا جنہوں نے خیمہ لگا رکھا تھا اور وہ سامان کی حفاظت پر مامور تھے۔ حضرت ابورافع فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب منیٰ سے نکلے تو مجھے ان میں اترنے کا حکم نہیں دیا لیکن میں وہاں آیا اور خیمہ لگایا پس آپ تشریف لائے اور وہاں اترے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۳)

”صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کوچ کرنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز ان بطح میں ادا کی۔

ان دونوں کتب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوم نحر کے دوسرے دن جب آپ منیٰ میں تھے یا فرمایا کل ہم خیف بنی کنانہ میں اترنے والے ہیں جہاں ان لوگوں نے کفر پر ایک دوسرے کو قسمیں دیں اس لئے وادی مہصب مراد ہے کہ قریش اور کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف معاہدہ کیا کہ نہ تو ان سے نکاح کریں گے اور نہ ہی ان سے خرید و فروخت کریں گے حتیٰ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تھیب (وادی مہصب میں اترنا) کوئی عمل نہیں بلکہ یہ ایک جگہ ہے جہاں حضور ﷺ اترے تھے یعنی مہصب میں اترنا حج کا لازم عمل نہیں لیکن جب نبی اکرم ﷺ وہاں اترے تو وہاں اترنا مستحب ہے تاکہ آپ کی اتباع ہو کیونکہ آپ نے حضرت ابورافع کو وہاں ٹھہرایا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اسی طرح کیا جیسا کہ ”صحیح مسلم میں“ ہے۔

### طواف وداع

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی پھر وادی مہصب میں کچھ دیر آرام فرمایا۔ پھر سوار ہو کر بیت اللہ شریف تشریف لے گئے اور اس کا طواف کیا۔

یہ طواف وداع ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں یہ واجب ہے اور اس کو چھوڑنے سے دم لازم آتا ہے یہ صحیح قول ہے اور اکثر علماء کا یہی قول ہے (احناف کے نزدیک بھی طواف وداع واجب ہے۔ ۱۲ ہزاروی) امام مالک اور داؤد (ظاہری) کے نزدیک سنت ہے اس کے چھوڑنے پر کچھ بھی لازم نہیں آتا۔

اگر کسی خاتون کو طواف افاضہ کرنے کے بعد حیض آ جائے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس پر طواف وداع لازم ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اجازت دیتے ہیں کہ اگر اس نے طواف افاضہ کر لیا ہو تو جا سکتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۶۰)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما شروع شروع میں فرماتے تھے: کہ وہ واپس نہیں جاسکتی پھر آخر میں فرمایا کہ نبی اکرم



ﷺ نے ان عورتوں کو اجازت دے دی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صفیہ بنت حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا، نبی اکرم ﷺ کو بتایا گیا تو فرمایا کیا وہ ہمیں روکنے والی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں تو آپ نے فرمایا اب نہیں (روکے گی)۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۳۳، مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۲-۲۰۷، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۶۲، شرح السنن ج ۷ ص ۲۳۳)

”کیا ہمیں روکنے والی ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ کیا وہ ہمیں مکہ مکرمہ سے اس وقت جانے سے روکیں گی جس وقت جانے کا ہم نے ارادہ کیا ہے، نبی اکرم ﷺ کا خیال یہ تھا کہ انہوں نے طواف افاضہ نہیں کیا ہے آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ آپ ان کو چھوڑ کر (مدینہ طیبہ) نہیں جاسکتے تھے اور اپنے ساتھ جانے کا حکم بھی نہیں دے سکتے تھے جب تک ان کا احرام باقی ہو پس آپ کو ان کے پاک ہو کر طواف کرنے اور دوسری حلت کے ساتھ حلال ہونے تک ٹھہرنے کی ضرورت ہوتی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا، نبی اکرم ﷺ نے ان سے اس بات کا ارادہ فرمایا جو مرد اپنی بیوی سے چاہتا ہے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) تو میں نے عرض کیا کہ وہ حائضہ ہیں آپ نے فرمایا تو کیا وہ ہمیں روکنے والی ہیں؟

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کو علم تھا کہ وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں تو آپ نے کیسے فرمایا کہ کیا وہ ہمیں روکنے والی ہیں؟ اور اگر آپ کو علم نہ تھا تو دوسری حلت سے پہلے جماع کا ارادہ کیسے فرمایا؟

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عمل کا ارادہ اس کے بعد فرمایا جب آپ کی ازواج مطہرات نے طواف افاضہ کی اجازت مانگی اور آپ نے ان کو اجازت دے دی تو اس کی بنیاد یہ تھی کہ اب ان کا قرب جائز ہے جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ حیض سے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ یہ بات (حیض کا آنا) اس سے پہلے واقع ہوا ہو حتیٰ کہ اس نے ان کو طواف افاضہ سے روک دیا تو آپ نے اس کے بارے میں پوچھا اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے ان کے ساتھ طواف کیا ہے تو آپ کو جس بات کا خوف تھا وہ زائل ہو گئی۔

### حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمرہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگ حج اور عمرہ کے ساتھ جارہے ہیں اور میں صرف حج کے ساتھ جارہی ہوں تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ وہ ان کو لے کر جمعیم کی طرف جائیں پس انہوں نے حج کے بعد عمرہ کیا۔

”صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے تمام مقامات پر وقوف کیا حتیٰ کہ جب (حیض سے) پاک ہو گئیں تو کعبہ شریف اور صفا و مروہ کا چکر لگایا پھر ان سے فرمایا یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اپنے حج اور عمرہ دونوں کے احرام سے نکل گئی ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دل میں ایک خلش ہے کہ میں نے حج کے وقت خانہ کعبہ کا طواف

۱۔ جب دس ذوالحجہ کو احرام کھول دیا جائے تو جماع کے علاوہ باقی تمام منوعات جائز ہو جاتے ہیں یہ پہلی حلت ہے لیکن جماع اس وقت جائز ہوتا

ہے جب طواف افاضہ کر لیا جائے اور یہ دوسری حلت ہے۔ ۱۲ ہزاروی



نہیں کیا تو آپ نے فرمایا اے عبدالرحمن! ان کو لے کر جاؤ اور تعظیم سے (احرام بندھوا کر) عمرہ کراؤ اور اس رات آپ وادی مہصب میں ٹھہرے تھے۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ حسن اخلاق کے مالک نرم مزاج تھے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی چیز کو پسند کرتیں تو آپ ان کی موافقت کرتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کی نیت کی تھی کیونکہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا پس ان کو حیض آ گیا تو آپ نے ان کو حکم دیا چنانچہ انہوں نے اس پر حج کو داخل کر دیا اور قرآن والی ہو گئیں، نبی اکرم ﷺ نے ان کو بتایا کہ ان کا بیت اللہ شریف اور صفا و مردہ کا طواف (اور سعی) حج اور عمرہ دونوں کی طرف سے ہے۔

اس سے ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کے ساتھی (ازواج مطہرات) مستقل حج اور عمرہ کے ساتھ جا رہی ہیں کیونکہ انہوں نے تمتع کیا تھا اور ان کو نہ تو حیض آیا اور نہ انہوں نے قرآن کیا اور آپ ایسے عمرہ کے ساتھ جا رہی ہیں جو حج کے ضمن میں ہے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے بھائی کو حکم دیا کہ وہ ان کو تعظیم سے عمرہ کرائیں اور آپ نے ان کی دلجوئی کے لئے ایسا کیا۔

### مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

پھر نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کی طرف واپس ہوتے ہوئے کوچ کیا پس آپ کدئی سے نکلے (لفظ کدئی) میں کاف پر پیش اور الف مقصورہ ہے (کھڑی زبر ہے) اور یہ بات شبیکہ کے پاس ہے جو قعیقان کے کنارے شامیوں کی گھاٹی کے قریب ہے۔ ۱۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف راستے کیوں اختیار کئے؟ تو کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر راستے والے آپ سے برکت حاصل کریں ایک قول یہ ہے کہ اس سلسلے میں حکمت یہ تھی کہ بلندی کی جہت سے داخل ہونے میں مناسبت ہو کیونکہ اس میں مکان کی تعظیم ہے اور اس کے برعکس کرنے میں جدائی کی طرف اشارہ تھا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب داخل ہوئے تو یہاں سے ہی داخل ہوئے (اوپر کی جانب کدئی سے داخل ہوئے) اور اس کے علاوہ قول بھی ہے۔ ۲۔

”صحیح مسلم“ وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مقام روجاء میں کچھ سواروں کو پایا تو فرمایا کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم مسلمان ہیں۔

تو ایک عورت نے اپنا بچہ جو پاکی میں تھا آپ کی طرف اٹھایا اور پوچھا یا رسول اللہ! کیا اس کے لئے حج ہے؟ فرمایا ہاں اور تیرے لئے ثواب ہے، نبی اکرم ﷺ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو وہاں رات گزاری بعض حضرات فرماتے ہیں آپ وہاں قصد انہیں اترتے تھے بلکہ اتفاقاً ایسا ہوا قاضی اسماعیل نے اپنے احکام میں حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ سے یہ قعیقان معروف پہاڑ ہے ساتویں ہجری میں وہاں دروازہ دیکھا جاتا تھا یہ دروازہ بنایا گیا تھا جہاں سے اہل یمن داخل ہوتے تھے۔

(زرقانی ج ۸ ص ۲۱۲)

۲۔ مثلاً یہ کہ نبی اکرم ﷺ ہجرت کے وقت خفیہ طور پر تشریف لے گئے تھے اور اب ارادہ فرمایا کہ ظاہری طور پر داخل ہوں۔ (ایضاً ص ۲۱۳)



جب آپ نے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو تین بار ”اللہ اکبر“ کہا اور یہ کلمات پڑھے:

اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا کئی جماعتوں کو شکست دی۔

نبی اکرم ﷺ کے عمرے

نبی اکرم ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں ”صحیح بخاری و مسلم“ سنن ترمذی اور ابوداؤد میں ”حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے“ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے کتنے حج کئے؟ انہوں نے فرمایا ایک حج اور چار عمرے کئے، ایک عمرہ ذی قعدہ میں، دوسرا عمرہ حدیبیہ ہے، تیسرا عمرہ حج کے ساتھ اور چوتھا عمرہ ہجرانہ سے کیا جب غزوہ حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ یہ ترمذی کے الفاظ ہیں اور وہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صحیحین کی روایت میں ہے کہ آپ نے چار عمرے کئے اور یہ سب ذی قعدہ میں کئے سوائے اس کے جو حج کے ساتھ کیا۔ عمرہ حدیبیہ یا حدیبیہ کے زمانے کا عمرہ ذی قعدہ میں کیا اور دوسرے سال بھی ذی قعدہ میں کیا اور پھر انہ سے ذی قعدہ میں کیا جب حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا اور ایک عمرہ حج کے ساتھ کیا۔

حضرت محرش کعسی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک رات عمرہ کی نیت سے جعرانہ سے نکلے تو رات کے وقت ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، عمرہ کیا اور راتوں رات وہاں سے چلے اور صبح کے وقت جعرانہ میں وہاں رات گزارنے والے کی طرح موجود تھے جب دوسرے دن سورج ڈھل گیا تو وادی سرف کے بطن سے نکلے حتیٰ کہ وادی سرف کے راستے ”طریق جمع“ میں آئے اسی لئے ان کا عمرہ لوگوں سے پوشیدہ رہا۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ (سنن ترمذی ج ۶ ص ۳۹ رقم الترجمہ: ۷۷۳۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے حج سے پہلے عمرہ کیا۔



حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے ساتھ ٹیک لگا رکھی تھی اور ہم آپ کی مسواک کرنے کی آواز سن رہے تھے میں نے کہا اے ابو عبد الرحمن! (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے) کیا نبی اکرم ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا؟ میں نے کہا ہاں پس میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا اے ماں! کیا آپ حضرت ابو عبد الرحمن کی بات نہیں سنتیں؟ انہوں نے فرمایا وہ کیا کہتے ہیں میں نے کہا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت ابو عبد الرحمن کی مغفرت فرمائے مجھے اپنی عمر کی قسم! آپ نے رجب میں عمرہ نہیں کیا آپ نے جو بھی عمرہ کیا میں آپ کے ساتھ تھی۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ بات سن رہے تھے تو انہوں نے نہ تو نہ کہا اور نہ ہی ہاں بلکہ خاموش رہے یہ الفاظ ”صحیح مسلم“ کے ہیں۔

امام ابو داؤد کی روایت میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے دو عمرے ذی قعدہ میں اور ایک عمرہ شوال میں کیا۔

انہی کی ایک روایت حضرت مجاہد سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں فرمایا ”دو عمرے“۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک یہ بات پہنچی تو فرمایا انہیں معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عمرے کے علاوہ جسے حجۃ الوداع کے ساتھ ملایا، تین عمرے (مزید) کئے۔

نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کونسا احرام باندھا؟ اس سلسلے میں اختلاف اور روایات کی تطبیق اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مشہور یہ ہے کہ آپ نے حج افراد کیا اور ان کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے قرآن کیا اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس بات کا انکار کیا کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے حالانکہ ان کی یہ حدیث جو ابھی گزری ہے وہ آپ کے قارن ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ بات منقول نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے ساتھ عمرہ کیا اور آپ متمتع نہ تھے کیونکہ آپ نے ہدی لے جانے کی وجہ سے اس سے عذر پیش کیا۔

ان میں سے بعض حضرات کو حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کے اس قول کی تاویل کی حاجت پیش آئی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی طرف چوتھے عمرہ کی نسبت اس اعتبار سے ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو اس کا حکم دیا اور آپ کے ساتھ یہ عمل ہوا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے خود عمرہ فرمایا۔

لیکن جب تم نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کے سلسلے میں ائمہ کے اقوال میں غور کرو گے کہ ان کو کس طرح جمع کیا گیا؟ تو اس کمزور تاویل کی ضرورت محسوس نہیں کرو گے بعض محققین علماء نے فرمایا کہ عمرہ حدیبیہ جس سے آپ کو روکا گیا تھا اسے عمرہ شمار کرنے کے سلسلے میں کوئی دلیل نہیں کہ اسے مکمل عمرہ سمجھا جائے اور اس میں جمہور کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ جسے بیت اللہ شریف سے روکا جائے اس پر قضاء واجب نہیں لیکن احناف کا اس میں اختلاف ہے (ان کے نزدیک



واجب ہے) اگر عمرہ قضا، عمرہ حدیبیہ کا بدل ہوتا تو دونوں ایک ہوتے اور اسے عمرہ قضیہ یا عمرہ قضا اس لئے کہا گیا کہ اس میں نبی اکرم ﷺ نے قریش سے معاہدہ کیا یہ مطلب نہیں کہ یہ اس عمرہ کی قضا تھی جس سے آپ کو روکا گیا کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو یہ ایک ہی عمرہ ہوتا۔

ابوداؤد کی حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے شوال میں عمرہ کیا اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو شاید اس سے عمرہ ہجرانہ مراد ہے جب آپ شوال میں تشریف لے گئے اور ذی قعدہ میں احرام باندھا۔ ابن قیم نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان کے مہینے میں عمرہ فرمایا ہاں دارقطنی نے حضرت علاء بن زہیر کے طریق سے حضرت عبدالرحمن بن اسود بن یزید سے روایت کیا وہ اپنے والد کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں ام المؤمنین فرماتی ہیں: میں رمضان کے عمرہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ گئی تھی پس آپ نے روزہ نہ رکھا اور میں نے رکھا آپ نے قصر نماز پڑھی جب کہ میں نے پوری نماز پڑھی۔ دارقطنی فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔

لیکن اسے اس بات پر محمول کرنا ممکن ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ رمضان میں عمرہ کے لئے حضور ﷺ کے ساتھ گئی تو رمضان کا تعلق جانے سے ہو (عمرہ سے نہ ہو) اور اس سے فتح مکہ کا سفر مراد ہو کیونکہ وہ رمضان میں ہوا اور اسی سال نبی اکرم ﷺ نے ہجرانہ سے عمرہ کیا لیکن وہ ذیقعدہ میں تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابن قیم نے ”الہدی النبوی میں“ یہ بھی کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا کوئی عمرہ بھی مکہ مکرمہ کے باہر سے نہ تھا جس طرح آج کل بہت سے لوگ کرتے ہیں آپ کے تمام عمرے مکہ مکرمہ کے اندر سے تھے اور آپ وحی کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال رہے اور کسی سے بھی یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے اس مدت میں مکہ مکرمہ کے باہر سے عمرہ کیا ہو پس وہ عمرہ جو آپ نے کیا اور اسے جائز قرار دیا تو وہ اس آدمی کا عمرہ ہے جو اس شہر میں ہو اس کا نہیں جو وہاں موجود ہو پھر وہاں سے حرم کی حدود سے باہر جائے تاکہ عمرہ کرے نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے اس طرح نہیں کیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح کیا اور آپ کے حکم سے کیا تو یہ اس کے جواز پر دلالت ہے۔

فاکھی وغیرہ نے محمد بن سیرین کے طریق سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ والوں کے لئے تعیم کو مقرر فرمایا (کہ وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ کریں)۔ حضرت عطاء کے طریق سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ جو شخص عمرہ کا ارادہ کرے چاہے وہ مکہ کوئی دوسرا وہ تعیم یا ہجرانہ کی طرف جائے اور وہاں سے احرام باندھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ عمرہ کا میقات حل (حرم سے باہر کا علاقہ) ہے اور اس سلسلے میں تعیم وغیرہ برابر ہیں۔ واللہ اعلم



## نویں نوع

اس نوع میں نبی اکرم ﷺ کی عبادت میں سے کچھ دعاؤں  
اذکار اور قرأت کا ذکر ہے

## فضیلت دعا

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ کیا دعا مانگنا افضل ہے یا اسے چھوڑنا اور قضا و قدر کے سپرد کر دینا (افضل ہے)؟  
تو جمہور کہتے ہیں دعا افضل ہے اور وہ سب سے عظیم عبادت ہے اس کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع  
حدیث سے ہوتی ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے (حضور ﷺ نے فرمایا):  
الدعاء مخ العبادة. دعا عبادت کا مغز ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۱، اتحاف السادة المتقين ج ۲ ص ۲۸۴۔ ج ۵ ص ۲۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۳۱، کشف الخفاء  
ج ۱ ص ۲۸۵، المغنی ج ۱ ص ۳۰۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۱۴)

اور نبی اکرم ﷺ سے تو اتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں جن میں دعا کی ترغیب دی گئی اور اس پر ابھارا گیا ہے۔  
امام ترمذی نے حدیث نقل کی اور ابن حبان اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:  
من لم يسأل الله يغضب عليه. جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر  
غضب فرماتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳، اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۳۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۳۸)  
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے قبولیت کی فکر نہیں ہوتی بلکہ میں دعا کی فکر کرتا ہوں پس جب میں دعا  
کو پورا کرتا ہوں تو جان جاتا ہوں کہ قبولیت اس کے ساتھ ہے۔  
اسی سلسلے میں کسی شاعر نے کہا:

لو لم ترد نيل ما ارجو وامله من جود كفك ما عودتني الطلبا  
”جس چیز کی میں امید رکھتا ہوں اگر اس کو تیرے سخاوت والے ہاتھ سے پانے کا ارادہ نہ کیا تو دوبارہ  
طلب نہیں کروں گا۔“

اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے سامنے بندوں کی عاجزی اور بچھ جانے اور ان کے سوال اور طلب حاجات نیز اسی سے اس کے  
شکوہ اس کے عذاب سے اس کی پناہ مانگنے اور اس (کے عذاب) سے اسی طرح بھاگنے کو پسند کرتا ہے۔  
جیسا کہ کہا گیا:

ما ليس يخفى عليه  
ذل العبيد لربه

قالوا تشكو اليه  
فقلت ربي يرضي



الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّي فِي كُلِّ خَيْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّي فِي كُلِّ شَرٍّ. (صحیح مسلم)

کوٹھیک کر دے جس میں میرا رجوع ہے اور میری زندگی کو ہر بھلائی میں اضافے کا ذریعہ بنا اور میری موت کو ہر برائی سے آرام پانے کا سبب بنادے۔

اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔  
اور آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ نَفِّعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي وَزِدْنِي عِلْمًا الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ. (جامع ترمذی)

یا اللہ! مجھے اس علم سے نفع عطا فرما جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے وہ علم عطا فرما جو نفع بخش ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد ہے اور میں جہنمیوں والی حالت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

یہ حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔  
اور آپ یوں دعا مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ مَتِّعْنِي بِسَمْعِي وَبَصَرِي وَاجْعَلْهُمَا الْوَارِثَ مِنِّي وَانصُرْنِي عَلَى مَنْ ظَلَمَنِي وَخُذْ مِنْهُ بِنَارِي. (جامع ترمذی)

یا اللہ! مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے نفع عطا فرما اور ان دونوں کو میری طرف سے وارث بنا (ان کا نفع باقی رکھ) اور اس کے خلاف میری مدد فرما جو مجھ پر ظلم کرے اور اس سے میرا بدلہ لے۔

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عام طور پر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (صحیح بخاری و مسلم)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

رَبِّ اعِينِي وَلَا تُعِنِّ عَنِّي وَانصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِي وَانصُرْنِي عَلَى مَنْ بَغَى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ شَاكِرًا لَكَ ذَاكِرًا لَكَ رَاهِبًا مُخِيبًا إِلَيْكَ أَوْاهًا مُنِيبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي وَاغْسِلْ حَوْبَتِي وَأَجِبْ دُعَائِي وَابْتِ حُجَّتِي وَسَدِّدْ لِسَانِي وَاهْدِ قَلْبِي وَاسْكُلْ سَخِيمَةَ صَدْرِي.

اے میرے رب! میری مدد فرما اور میرے خلاف (کسی کی) مدد نہ کرنا اور مجھے نصرت عطا فرما اور میرے خلاف کسی کو مدد نہ دینا، میرے لئے خفیہ تدبیر فرما اور میرے خلاف کسی کے لئے خفیہ تدبیر نہ فرمانا، مجھے ہدایت دے اور جو میرے خلاف سرکشی کرے اس کے خلاف میری مدد فرما اے میرے رب! مجھے اپنا شکر گزار بنادے اپنا ذکر کرنے والا، تجھ ہی سے ڈرنے والا، تیرا اطاعت گزار عاجزی کرنے والا، تیری طرف رجوع کرنے والا، بہت آہیں بھرنے والا



رجوع کرنے والا بنادے اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما! میرے گناہوں کو مٹا دے! میری دعا قبول فرما! میری دلیل کو ثابت و قائم فرما! میری زبان کو درست رکھنا اور میرے دل کو ہدایت دینا اور میرے سینے سے کینہ نکال دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ أَمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ إِنِّي تُضِلَّنِي أَنْتَ الْحَيُّ الَّذِي لَا تَمُوتُ وَالْجَنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوتُونَ. (صحیح بخاری و مسلم)

یا اللہ! میں تیرے ہی لئے اسلام لایا، تجھ پر ہی ایمان لایا، تجھ پر ہی بھروسہ کیا، تیری ہی طرف رجوع کیا، تیرے نام پر میں نے جھگڑا کیا یا اللہ! میں تیری عزت کی پناہ چاہتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو مجھے گمراہ ہونے سے بچا، تو زندہ ہے جس کے لئے موت نہیں جبکہ جن اور انسان مر جائیں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى. (صحیح مسلم جامع ترمذی)

یا اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور مالداری کا سوال کرتا ہوں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي جَلْدِي وَهَزْلِي وَخَطِيئِي وَعَمْدِي وَكُلَّ ذَلِكْ عِنْدِي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (صحیح بخاری و مسلم)

یا اللہ! میرے لئے میری خطا اور جہالت کو اور میرے کاموں میں میری زیادتی کو نیز جس بات کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، بخش دے یا اللہ! سنجیدگی اور مذاق میں، غلطی سے اور جان بوجھ کر کئے گئے میرے سب گناہ بخش دے۔ یا اللہ! جو گناہ مجھ سے پہلے اور بعد میں ہوئے اور جو پوشیدہ اور ظاہر ہیں نیز جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، بخش دے تو آگے کرنے والا اور پیچھے رکھنے والا ہے اور تو ہر شے پر قادر ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عام طور پر یہ دعا مانگتے تھے:

يَا مُقَلِّبُ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ. (جامع ترمذی) پر قائم رکھ۔

اور آپ یہ دعا بھی فرماتے:



یا اللہ! مجھے میرے جسم میں عافیت عطا فرما، میرے کانوں اور آنکھوں میں عافیت عطا فرما اور ان دونوں کو مجھ سے وارث بنا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بردبار کریم ہے عرش عظیم کا رب، اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

یا اللہ! میری خطاؤں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح تو سفید کپڑے کو میل سے پاک کرتا ہے۔

یا اللہ! میں تجھ سے نیک کاموں کے کرنے، برائیوں کو چھوڑنے اور مساکین سے محبت کا سوال کرتا ہوں اور جب تو کسی قوم کے لئے فتنے (آزمائش) کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں مبتلا کیے بغیر اٹھا لینا۔

یا اللہ! صبح کو پھاڑنے والے رات کو باعث سکون اور سورج و چاند کو حساب کا ذریعہ بنانے والے میرا قرض ادا کر دے اور مجھے فقر سے بے نیاز کر دے، مجھے میری سماعت و بصارت اور طاقت سے نفع عطا فرما اور اپنے راستے میں موت عطا کر۔

یا اللہ! میں کمزوری اور سستی، بزدلی، بڑھاپے اور بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

یا اللہ! میں گزشتہ اور آنے والے غم سے اور سخت قرض سے نیز لوگوں کے غلبہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ جَسَدِيْ وَعَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَاجْعَلْهُمَا الْوَارِثَ مِنِّيْ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ الْكَرِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. (جامع ترمذی)

نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:  
اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلَاجِ وَالْبَرَدِ وَتَقِّ قَلْبِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ. (سنن نسائی)

اور آپ کی ایک دعا یہ بھی تھی:  
اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاِذَا اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ. (موطا امام مالک)

رسول اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:  
اَللّٰهُمَّ فَالِقَ الْاَصْبَاحِ وَجَاعِلَ اللَّيْلِ سَكَنًا وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا اِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاعْزِزْنِيْ مِنَ الْفَقْرِ وَآمِنْنِيْ بِسَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَقُوَّتِيْ وَتَوَقَّنِيْ فِيْ سَبِيْلِكَ. (موطا امام مالک)

رسول کریم ﷺ پناہ مانگتے ہوئے یوں کہتے تھے:  
اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ. (صحیح بخاری و مسلم)

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

ایک روایت میں یوں ہے:  
اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ. (سنن ابوداؤد)



آپ کا ایک اور تعویذ یوں ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجَذَامِ وَالْبَرَصِ  
يا الله! میں جذام، برص، پاگل پن اور بری بیماریوں  
وَالْجُنُونِ وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ  
سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد سنن نسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَلِمْتُ  
يا الله! میں اس چیز کے شر سے جسے میں جانتا ہوں اور  
وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْلَمْ. (صحیح مسلم)

اس کے شر سے جسے میں نہیں جانتا، تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ  
يا الله! میں ایسے دل سے جو ڈرتا نہیں، ایسی دعا سے جو  
وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ  
سنی نہ جائے، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسے علم سے جو نفع  
عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَذِهِ الْأَرْبَعِ  
نہ دے، تیری پناہ چاہتا ہوں میں ان چار باتوں سے تیری

(سنن ترمذی، سنن نسائی) پناہ کو طلب کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوں پناہ مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ  
يا الله! میں تیری نعمت کے زوال اور تیری عافیت کے  
وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيعِ  
پھر جانے، تیرے عذاب کے اچانک آنے اور تیری ہر قسم کی  
سَخِطِكَ. (صحیح مسلم، سنن ابوداؤد)

ناراضگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوں تعویذ کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْفَقْلَةِ  
يا الله! میں 'فقر' قلت اور ذلت سے تیری پناہ چاہتا  
وَالذَّلَّةِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَظْلَمَ أَوْ أُظْلِمَ  
ہوں اور میں ظلم کرنے اور یہ کہ مجھ پر ظلم کیا جائے، سے تیری

(سنن ابوداؤد) پناہ طلب کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی آپ کی یہ دعا بھی مروی ہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّقَاقِ وَالنِّفَاقِ  
يا الله! میں اختلاف، منافقت اور برے اخلاق سے  
وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ. (سنن ابوداؤد)

تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

۱۔ امام زرقاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگرچہ یہ تینوں بیماریاں بری بیماریوں کے ذکر میں شامل ہیں لیکن ان کو الگ ذکر فرمایا کیونکہ عرب ان سے نفرت کرتے تھے اور رسالت کی شرائط میں شمار کرتے تھے کہ وہ ان بیماریوں سے محفوظ ہو تو حضور ﷺ نے تعلیم امت کے لئے اور بندگی کے اظہار کے طور پر ان کو واضح کر کے دعا مانگی۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۲۲۵)



اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ فَإِنَّهُ يَنْسُ  
الضَّجِيعُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّهَا يَنْسُ  
الْبِطَانَةُ. (سنن ابوداؤد سنن نسائي)

یا اللہ! میں بھوک سے تیری پناہ چاہتا ہوں کیونکہ یہ برا  
ہم بستر ہے (ساتھی) ہے اور خیانت سے تیری پناہ چاہتا  
ہوں کہ یہ برار ازدار ہے۔

اور آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدِّينِ وَغَلَبَةِ  
الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ. (سنن نسائي)

یا اللہ! میں قرض کے غلبہ دشمن کے غلبہ اور دشمن کے  
مجھ پر ہمنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے یہ بات حضرت ابوالیسر (کعب بن عمرو بن انصاری) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَلِيمِ وَأَعُوذُ  
بِكَ مِنَ التَّرَدِي وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ  
وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ  
الْمَوْتِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ فِي سَبِيلِكَ  
مَذْبُورًا وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ لَدِيغًا.

یا اللہ! میں (مکان کے) گرنے سے تیری پناہ چاہتا  
ہوں (اپنے) گر جانے سے ڈوب جانے، جل جانے اور  
بڑھاپے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس بات سے تیری  
پناہ طلب کرتا ہوں کہ موت کے وقت شیطان مجھے بدحواس  
کردے اور میں اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تیرے  
راستے سے پیٹھ پھیرتے ہوئے مجھے موت آئے اور  
(زہریلے جانور کے) ڈسنے سے اور آنے والی موت سے

(سنن ابوداؤد سنن نسائي)

تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے جب سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نازل ہوئیں تو  
آپ نے ان کو اختیار کر لیا اور باقی دعائیں چھوڑ دیں۔

خاص مناسبت سے دعائیں

خوف کے وقت

جب کسی قوم کا خوف ہوتا تو نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگتے:

اللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ  
بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ. (سنن ابوداؤد)

یا اللہ! ہم تجھے (تیری مدد کو) ان کے سینوں کے  
مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ چاہتے

ہیں۔

بچوں کو تعویذ ڈالنا اور دم کرنا

نبی اکرم ﷺ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو تعویذ ڈالتے اور دم کرتے اور فرماتے کہ  
تمہارے جد امجد (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ان کلمات سے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو دم کرتے اور  
تعویذ ڈالتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں:



أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ. (صحیح بخاری جامع ترمذی)  
 میں اللہ تعالیٰ کے کامل و جامع کلمات کے ساتھ ہر شیطان اور زہریلے جانور سے پناہ چاہتا ہوں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا: ”لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ.“ (الفتح: ۲) تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے، اور آپ کا معصوم ہونا واجب ہے تو پھر دن دعاؤں کا مانگنا کس بنیاد پر ہے؟

جواب: نبی اکرم ﷺ نے (ان دعاؤں کے ذریعے) اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی ہے کہ اس کی تسبیح فرمائی اور مغفرت طلب کی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سورہ ”اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ“ میں ہے کہ فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ. (النصر: ۳)  
 پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں اور اس سے بخشش طلب کریں۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے تواضع، مسکینی، خضوع و خشوع اور اپنے رب کے شکر کے طور پر یہ دعائیں مانگی ہوں کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ آپ کے ہر قسم کے خلاف اولیٰ کام بھی معاف ہیں اور یہ احتمال ہے کہ امت کو تعلیم دینے اور جواز کے لئے سوال کیا ہو۔ واللہ اعلم

### پریشانی کے وقت

جب پریشانی ہوتی اور یہ وہ حالت ہے جب انسان ایسے امور کا شکار ہو جائے جو اسے پریشان اور غمگین کر دیتے ہیں تو اس وقت نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَيْنِ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ.  
 اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عظمت والا بردبار ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور عرش عظیم کا رب ہے۔ (صحیح بخاری)

ایک اور روایت میں ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَيْنِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ.  
 اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عظمت والا بردبار ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش عظیم کا رب ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آسمانوں، زمینوں اور عرش کریم کا رب ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

طبی کہتے ہیں کہ یہ ثناء لفظ ”رب“ کے ساتھ شروع کی گئی تاکہ تکلیف کو دور کرنے کے ساتھ مناسبت پیدا ہو کیونکہ یہ (تکلیف کا ازالہ) تربیت کا مقصد ہی ہے اور اسی سے لا الہ الا اللہ ہے جو توحید پر مشتمل ہے اور یہ ذلت جلال کی پاکیزگی کی اصل ہے اور عظمت کا ذکر ہے جو قدرت کے کامل ہونے پر دلالت کرتی ہے اور حلم (بردباری) کا ذکر ہے جو علم پر دلالت ہے کیونکہ بے علم سے بردباری اور کرم کا تصور نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں اکرام و احترام پر مبنی اوصاف کی اصل ہیں۔



## پریشانی کے ازالہ کے لئے دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو کوئی بات پریشان کرتی تو آپ اپنا سر انور آسمان کی طرف اٹھاتے اور فرماتے:

سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ.

اللہ تعالیٰ پاک ہے جو عظمت والا ہے۔

سوال: یہ تو ذکر ہے دعا نہیں ہے۔

جواب: جب کوئی طلب ہوتی ہے تو کبھی بندے کے اوصاف یعنی اس کا فقر اور احتیاج ذکر کئے جاتے ہیں اور کبھی مولا کے اوصاف کا ذکر ہوتا یعنی اس کی توحید اور اس کی ثناء۔

امیہ بن ابی الصلت نے عبداللہ بن جدعان کی تعریف میں کہا:

اذا ذكر حاجتي ام قد كفاني

حياءك ان شيمتك الحياء

اذا انسى عليك المرء يوما

كفاه من تعرضك الثناء

”کیا میں اپنی حاجت کا ذکر کروں یا مجھے تمہارا حیا کافی ہے جو تمہاری خصلت ہے۔ جب کسی دن کوئی شخص تمہاری تعریف کرے تو اسے تیری تعریف کرنا (سوال کی جگہ) کافی ہوتا ہے۔“

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مخلوق ہے جب کرم کی طرف اس کی نسبت کی جائے تو تعریف کافی ہوتی

ہے تو خالق کا معاملہ کیا ہوگا؟

## پریشانی کے ازالہ کی ایک اور دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ان کلمات کے ساتھ دعا مانگتے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ.

اے زندہ اور دوسروں کو قائم رکھنے والے! میں تیری

(سنن ابوداؤد) رحمت کے ساتھ مدد طلب کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے جب بھی کوئی پریشانی ہوتی ہے تو حضرت جبریل کا تصور آتا ہے وہ کہتے ہیں۔ اے محمد! (ﷺ) آپ یوں کہیں:

لَا تَوَكَّلْ عَلَى الْبَشَرِ الَّذِي لَا يَمُوتُ  
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَخْلُقْ كَلْدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ  
شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِيلِ  
وَكَبِيرُهُ تَكْبِيرًا. (طبرانی)

میں نے اس زندہ ذات پر بھروسہ کیا جس کے لئے موت نہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اولاد اختیار نہیں کی اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کے لئے ذلت کی وجہ سے کوئی مددگار ہے (یعنی نہ ذلت نہ مددگار کی ضرورت) اور اس کی خوب بڑائی بیان کرو۔

آٹھویں مقصد میں اس سے زیادہ گزر چکا ہے۔



## گمشدہ کی بازیابی کے لئے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ گمشدہ کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ رَاٰذَ الضَّالَّةِ وَهَادِيَ الضَّالَّةِ اَنْتَ تَهْدِي مِنَ الضَّالَّةِ اُرْدُدْ عَلَيَّ ضَالَّتِي بِعِزَّتِكَ  
يا اللہ! گمشدہ کو لوٹانے والے اور گمشدہ کو راہ دکھانے والے، تو ہی گمراہی سے ہدایت دیتا ہے، میری گمشدہ چیز (یا آدمی) کو اپنی عزت و بادشاہی کے وسیلہ سے میری طرف (طبرانی) لوٹا دے یہ تیری عطا اور فضل سے ہے۔

## ہاتھ اٹھانا اور چہرے پر ملنا

نبی اکرم ﷺ اس طرح ہاتھوں کے باطن اور ظاہر سے دعا کرتے تھے۔ ۱۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہاتھوں کو اٹھا کر کہا یا اللہ! جو کچھ حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) نے کیا ہے میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ ۲۔

لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے استسقاء کے علاوہ کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھایا اور یہ صحیح حدیث ہے۔

تو اس حدیث کو اور پہلی احادیث کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ استسقاء میں ہاتھ اس طرح اٹھائے جس طرح دوسری جگہ نہیں اٹھائے یا تو اس میں مبالغہ کے ساتھ (زیادہ بلند کرتے ہوئے) اٹھائے یہاں تک دونوں ہاتھ چہرے کے سامنے ہوئے اور دعا میں کاندھوں کے برابر تھے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ دونوں میں یہ بات ثابت ہے کہ یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دی بلکہ دونوں کو یوں جمع کیا جائے کہ استسقاء میں سفیدی زیادہ نظر آتی تھی البتہ استسقاء میں ہتھیلیاں زمین کی طرف اور دوسری دعا میں آسمان کی طرف تھیں۔

حافظ عبد العظیم منذری (ابو محمد زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ عالم بالحدیث متوفی ۶۵۶ھ) (الاعلام ج ۴ ص ۳۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۴۳۶، رقم الحدیث: ۱۱۴۳، فوات الوفيات ج ۲ ص ۳۶۶، ترجمہ: ۲۹۱، طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۰۸، شذرات الذہب ج ۵ ص ۲۷۷) نے کہا ہے کہ اگر جمع کرنا مشکل ہو تو اثبات کی جانب کو زیادہ ترجیح ہوگی۔

(فتح الباری رقم الحدیث: ۶۳۴۱)

۱۔ اگر کسی چیز کا حصول مطلوب ہو تو ہاتھوں کے اندرونی حصے اور مصیبت کو دور کرنے کے لئے دعا ہوتی تو اٹھے ہاتھوں سے دعا مانگتے تھے۔

(زرقاتی ج ۸ ص ۲۲۹)

۲۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دشمن قوم کے کسی شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کیا تھا کہ یہ منافق ہے تو اس پر حضور ﷺ نے یہ

فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی



امام احمد حاکم اور ابو داؤد نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب دعا مانگتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کاندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ان کو کشادہ رکھتے تھے۔

یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دونوں ہاتھ جدا جدا پھیلے ہوئے ہوں، چلو بھرنے کی طرح (ملے ہوئے) نہ ہوں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں دعا کے سلسلے میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں جو اکثر احادیث آتی ہیں تو ان سے مراد یہ ہے کہ دعا کے وقت ہاتھوں کو پھیلا یا اور کشادہ کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب دعا مانگتے تو دونوں ہتھیلیوں کو ملاتے اور ان کی ہتھیلیوں کو چہرے کی جانب کرتے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ”الکبیر میں“ ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور کیا ہاتھوں کو چہرے پر ملا جائے؟ تو صبح کی نماز میں قنوت ۱ پڑھنے کے بعد زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ نہ ملے کیونکہ اس سلسلے میں کوئی حدیث نہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس سلسلے میں اسلاف سے کوئی بات یاد نہیں اگرچہ بعض حضرات سے نماز سے باہر دعا میں یہ بات ثابت ہے اور نبی اکرم ﷺ سے ضعیف خبر مروی ہے جس پر بعض حضرات کے نزدیک نماز سے باہر عمل کیا جاتا ہے۔

لیکن نماز کے اندر کسی حدیث، قول صحابی اور قیاس سے ثابت نہیں اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ ایسا نہ کرے۔

### حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے نبی اکرم ﷺ کی دعا

نبی کریم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَا لَكَ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا  
اَعْطَيْتَهُ (صحیح بخاری)

امام بخاری رحمہ اللہ کی ”الادب المفرد“ میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ حضرت ام سلیم جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) یہ آپ کے چھوٹے سے خادم ہیں، ان کے لئے دعا نہیں فرمائیں گے؟ تو آپ نے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَاَطْلُ حَيَاتِهِ  
وَاَغْفِرْ لَهُ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۸-۱۹۲۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۲۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۴، ج ۶ ص ۳۳۰، السنن الکبریٰ

ج ۳ ص ۹۶، التحلیہ ج ۸ ص ۲۶۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۹۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۸۳۳)

صحیح حدیث میں ہے کہ ہجرت کے موقع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر نو سال تھی اور ان کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی ایک قول یہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تین سال کے تھے اور آپ کی عمر ایک سو تین سال ہوئی ہے یہ بات خلیفہ (ابن خیاط) نے کہی ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

۱۔ احناف کے نزدیک صرف ہر نماز میں قنوت پڑھی جاتی ہے۔ ۲۔ ہزاروی



آپ کی عمر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا کہ ایک سو سات سال تک پہنچی ہے اور کم از کم ننانوے سال بیان کی گئی ہے۔

اور آپ کی کثرت اولاد کے بارے میں امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم میرا مال بہت زیادہ ہے اور میری اولاد اور اولاد کی اولاد اس وقت ایک سو کے قریب ہیں۔

ایک حدیث میں جسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے یوں آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری بیٹی امینہ نے مجھے بتایا۔ امینہ میں ہمزہ پر پیش اور میم پر زبر ہے یا ساکن اور اس کے بعد نون ہے۔ کہ میری اولاد میں سے حجاج کے زمانے تک بصرہ میں ایک سو بیس دفن ہو چکے ہیں۔

ابن قتیبہ نے ”المعارف“ میں فرمایا کہ بصرہ میں تین شخص ایسے ہیں کہ ان کا انتقال اس وقت تک نہیں ہوا جب تک ان میں سے ہر ایک نے اپنی اولاد میں ایک سو کو نہیں دیکھا حضرت ابوبکرہ خلیفہ بن بدر اور حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ دوسرے حضرات نے چوتھے شخص یعنی مہلب ابن ابی صفرہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے میرے لئے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَاَطْلُ عُمُرَهُ  
یا اللہ! ان کے مال و اولاد میں اضافہ فرما، ان کی عمر کو  
لمبا کر دے اور ان کو بخش دے۔

پس تحقیق میری اولاد میں سے ایک سو دفن ہو چکے ہیں اور میرا پھل سال میں دو بار لگتا ہے اور میں زندہ ہوں حتیٰ کہ مجھے زندگی ناپسند ہو گئی اور مجھے چوتھی بات (مغفرت) کی بھی امید ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۳)

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ذکر میں حضرت ابوالعالیہ سے روایت کیا کہ ان کے دو باغ تھے جن میں ہر سال دو مرتبہ پھل لگتا تھا اور ان میں ریحان تھا جس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

### بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات کے لئے آپ کی دعا

نبی اکرم ﷺ نے مالک بن ربیعہ سلولی کے لئے دعا فرمائی کہ ان کی اولاد میں برکت ہو تو ان کے ہاں اسی لڑکے پیدا ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خیر کی طرف بھیجا اور ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک لگایا اور دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اذْهَبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ  
یا اللہ! ان سے گرمی سردی کو لے جا۔

تو وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے اس دن سے گرمی اور سردی کا اثر محسوس نہیں کیا اور نہ میری آنکھیں دکھی ہیں۔ (طبرانی)

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے فیصلہ کرنا نہیں آتا آپ نے فرمایا میرے قریب ہو جاؤ وہ آپ کے قریب ہوئے تو آپ نے اپنا دست مبارک ان کے



سینے پر مارتے ہوئے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَلْبَهُ وَثَبِّتْ لِسَانَهُ.

یا اللہ! ان کے دل کو ہدایت دے اور ان کی زبان کو

قائم رکھ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! مجھے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے (کبھی) شک

نہیں ہوا۔ (سنن ابوداؤد)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیماری کے دوران ان کی عیادت کی تو دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَشْفِ عَافِيَهُ.

یا اللہ! ان کو شفاء عطا فرما یا اللہ! ان کو عافیت عطا کر۔

پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد سے وہ درد مجھے کبھی نہیں ہوا۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا اور امام بیہقی اور ابو نعیم نے اس کی تصدیق کی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۸۴ المسند رک ج ۲ ص ۶۲۰ الحلیہ ج ۵ ص ۹۷ الشفاج ص ۶۲۲ اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۲۹۷)

حضرت ابوطالب بیمار ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی عیادت کی انہوں نے کہا بھتیجے! اپنے رب سے دعا کیجئے

جس کی آپ عبادت کرتے ہیں آپ نے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اَشْفِ عَمِيَّ.

یا اللہ! میرے چچا کو شفاء عطا فرما۔

تو ابوطالب اٹھ کھڑے ہوئے گویا وہ۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا اے بھتیجے! آپ کا رب جس کی آپ عبادت کرتے ہیں وہ آپ کی بات مانتا ہے آپ نے فرمایا چچا! اگر تم بھی اللہ تعالیٰ کا حکم مانو تو وہ تمہاری بات بھی مانے گا۔

(المسند رک ج ۱ ص ۵۴۲ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۰ دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۸۴)

اس حدیث کو ابن عدی، بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا اور بیہقی اس میں تنہا

ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ ابْنَ عَبَّاسٍ

یا اللہ! ان کو دین کی سمجھ عطا فرما یا اللہ! حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما کو حکمت عطا کر اور تاویل کا علم مرحمت

فرما۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۶-۳۲۸، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۲۰، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۰۳۹، اتحاف السادة

المتقين ج ۱ ص ۲۵۸-ج ۹ ص ۶۴۷)

صحیح بخاری میں ہے:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ.

یا اللہ! ان کو کتاب کا علم عطا کر۔

چنانچہ آپ کتاب (قرآن مجید) کے عالم امت کے بہت بڑے علمی پیشوا، علم کا سمندر اور ترجمان قرآن تھے اور آپ کا بلند درجہ اور انتہائی بعید (بلند) مقام پر ہونا مخفی نہیں ہے۔



جب نابغہ جعدی نے کہا:

ولا خیر فی حلم اذا لم یکن له  
ولا خیر فی علم اذا لم یکن له  
”اس علم میں کوئی بھلائی نہیں جس کے لئے کوئی سبقت کرنے والے نہ ہوں جو اس کی صفائی کو گدلا ہونے سے بچائیں اور علم میں کوئی بھلائی نہیں جب اس کے لئے کوئی دانا نہ ہو کہ جب کوئی معاملہ پیش ہو تو اسے ظاہر کرے۔“

تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی:

لَا يُفْضِضُ اللَّهُ فَاكًا.

اللہ تعالیٰ تمہارے منہ (یعنی دانتوں) کو نہ گرائے۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۶۵ دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۵۱ اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۳۸۰ المغنی ج ۲ ص ۲۷۲ کنز العمال

رقم الحدیث: ۳۰۶۷)

یعنی ”لا یسقط اللہ اسنانک“ اس میں مضاف محذوف ہے ”تقدیر عبارت یوں ہے“ لا یسقط اللہ اسنان فیک اللہ تعالیٰ تمہارے منہ میں موجود دانتوں کو نہ گرائے“ وہ فرماتے ہیں ان کی عمر ایک سو سال ہوگئی اور ان کے دانت سب لوگوں سے اچھے تھے۔

فرماتے ہیں میں نے ان کو دیکھا کہ ان کی عمر ایک سو دس سال سے زائد ہوگئی تھی اور ان کا کوئی دانت نہیں گرا تھا۔ ابن ابی اسامہ کی روایت میں ہے کہ وہ دانتوں کے اعتبار سے سب لوگوں سے اچھے تھے اگر ان کا کوئی ایک دانت گرتا تو دوسرا آگ آتا۔ ابن السکن کے نزدیک اس طرح ہے کہ میں نے ”النابغہ“ کے دانتوں کو دیکھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی دعا کی وجہ سے اولوں سے بھی زیادہ سفید تھے۔

عمر و بن اھلب نے نبی اکرم ﷺ کو شیشے کے پیالے میں پانی پلایا تو آپ نے اس میں ایک سفید بال دیکھا تو اس کو لے لیا اور فرمایا: یا اللہ! ان کو حسن عطا فرما پس ان کی عمر ترانوے سال کی ہوگئی اور ان کی داڑھی اور سر میں ایک بال بھی سفید نہ تھا یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے ابونہیک کے طریقے سے بیان کی ہے۔

ابونہیک کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ان کی عمر چورانوے (۹۴) سال ہوگئی تھی لیکن ان کی داڑھی میں ایک بال بھی سفید نہ تھا۔ اس روایت کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک یہودی نے نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک سے بال لیا تو آپ نے دعا مانگی یا اللہ! اسے حسن عطا کر تو اس کی داڑھی سیاہ ہوگئی حالانکہ وہ سفید ہو چکی تھی۔ حضرت عبد الرزاق کہتے ہیں ہمیں حضرت معمر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی وہ کہتے ہیں ایک یہودی نے نبی اکرم ﷺ کے لئے اونٹنی کا دودھ دوھا تو آپ نے فرمایا: یا اللہ! تو اسے حسن عطا کر تو اس کے بال سیاہ ہو گئے حتیٰ کہ فلاں فلاں کے بالوں سے بھی زیادہ سیاہ ہو گئے۔

حضرت معمر فرماتے ہیں میں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے غیر سے سنا وہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ یہودی نوے سال زندہ رہا لیکن اس کے بال سفید نہ ہوئے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے اور ابوداؤد نے ”مراسل میں“ نیز امام بیہقی نے روایت



کی ہے اور فرمایا: یہ حدیث مرسل ہے اور پہلی حدیث کی شاہد ہے۔

ابن الحنفی خزاعی نے نبی اکرم ﷺ کو پانی پلایا تو آپ نے ان کے بارے میں دعا فرمائی:  
 اَللّٰهُمَّ مَتِّعْهُ بِشَبَابِهِ.  
 یا اللہ! ان کو جوانی سے نفع عطا کر۔

تو وہ اسی (۸۰) سال کے ہو گئے لیکن کوئی سفید بال نظر نہ آیا۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بھوک کی وجہ سے ان کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا  
 آپ نے ان کو دیکھا اور اپنا دست مبارک ان کے سینے پر رکھ کر دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ مُشْبِعَ الْجَاعَةِ لَا تَجْعَلْ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ  
 یا اللہ! بھوکوں کو سیر کرنے والے فاطمہ بنت محمد کو بھوکا  
 مَحْمَدٍ نہ رکھنا۔

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں: کہ میں نے ان کو دیکھا کہ ان کے چہرے کی زردی پر خون غالب آ گیا تھا اور  
 میں نے بعد میں ان سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا اے عمران! میں بھوکی نہیں ہوتی۔ یہ بات یعقوب بن سلیمان  
 اسفرائینی نے ”دلائل الاعجاز“ میں ذکر کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عروہ بن جعد باریقی کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا:  
 اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ صَفْقَةِ يَمِيْنِهِ.  
 یا اللہ! ان کے دائیں ہاتھ کے سودے میں برکت

ڈال دے۔

وہ فرماتے ہیں میں نے کوئی چیز نہیں خریدی مگر اس میں مجھے نفع ہوا۔ (المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۳۰)  
 حضرت جریر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر بٹھہر نہیں سکتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا:  
 اَللّٰهُمَّ كَيْتُهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًا.  
 یا اللہ! ان کو قائم رکھ اور ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ

بنادے۔

وہ فرماتے ہیں اس کے بعد میں گھوڑے سے نہیں گرا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵-۱۳۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹ سنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۷۱ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۳۳۸ مسند الحمیدی  
 رقم الحدیث: ۸۰۱ دلائل النبوة ج ۵ ص ۳۳۸)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لئے یہ دعا مانگی:  
 اَللّٰهُمَّ اَجِبْ دَعْوَتَهُ.  
 یا اللہ! ان کی دعا قبول فرما۔

تو ان کی دعا قبول ہوتی تھی۔ (سنن بیہقی، طبرانی)

نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ یہ حدیث حضرت انس  
 رضی اللہ عنہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی۔ امام بیہقی نے ایک اور سند سے یہ اضافہ کیا کہ حضرت عبدالرحمن  
 رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں پتھر اٹھاؤں تو مجھے امید ہے کہ میں اس کے نیچے سونا یا چاندی پاؤں گا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کو کشادگی عطا فرمائی اور جب ان کا وصال ہوا تو ان کے



ترکہ میں سونا، کلہاڑیوں (کدالوں) سے کھودا گیا حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے (ہاتھوں کے چمڑے اور گوشت کے درمیان پانی بھر گیا) اور ہر بیوی کو اسی ہزار (دینار) ملے اور وہ چار تھیں، کہا گیا ایک لاکھ ملا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک سے اسی ہزار پر مصالحت کی گئی کیونکہ آپ نے ان کو مرض الموت میں طلاق دے دی تھی اور اپنی زندگی میں بہت زیادہ صدقہ دینے کے بعد پچاس ہزار کی وصیت فرمائی ان کی معروف نیکیاں یہ تھیں کہ ایک دن میں تیس غلام آزاد کئے ایک دفعہ آپ نے ایک پورا قافلہ (قافلے کے پاس جو کچھ تھا) صدقہ کر دیا اس میں سات سوانٹ تھے جو آپ کے پاس آئے اور آپ نے ہر قسم کا مال اٹھا رکھا تھا تو آپ نے وہ اونٹ اور جو کچھ ان پر سامان تھا اور ان کے پالان بھی صدقہ کر دیئے۔

محبت طبری نے ذکر کیا جسے انہوں نے (ابن جوزی کی) ”الصفوہ“ کی طرف منسوب کیا وہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مال کا کچھ حصہ یعنی چار ہزار صدقہ کئے پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کئے پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں پانچ سو گھوڑوں پر مجاہدین کو سوار کیا پھر پندرہ سو سواریاں مجاہدین کو دے دیں اور ان کا عام مال تجارت سے تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ مضر کے خلاف دعا کی تو وہ قحط میں مبتلا ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے علھز کھایا اور یہ جانور کے بالوں کے ساتھ خون کو کہتے ہیں حتیٰ کہ قریش نے ان کے لئے رحم کی درخواست کی۔

جب نبی اکرم ﷺ نے آیت کریمہ: ”وَالنَّجْمُ إِذَا هَوَىٰ. ستارے کی قسم! جب وہ اترے“ تلاوت فرمائی تو عتیبہ بن ابی لہب نے کہا آپ نے ستارے کے رب کا انکار کیا ہے آپ نے فرمایا: یا اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دے پس عتیبہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک قافلے میں شام کی طرف گیا حتیٰ کہ جب لوگ شام میں پہنچے تو ایک شیر دھاڑا چنانچہ یہ کانپنے لگا اس سے پوچھا گیا کہ تو کیوں کانپتا ہے؟ اللہ کی قسم اس سلسلے میں ہم اور تم برابر ہیں۔ اس نے کہا حضرت محمد (ﷺ) نے میرے خلاف دعا کی تھی اللہ کی قسم! اس آسمان نے حضرت محمد (ﷺ) سے زیادہ سچ بولنے والے پر سایہ نہیں کیا۔ پھر انہوں نے کھانا رکھا تو اس نے اس میں اپنا ہاتھ نہ ڈالا حتیٰ کہ سونے کا وقت ہو گیا انہوں نے اسے گھیر لیا اور خود اپنے ارد گرد سامان رکھا اس کو اس درمیان میں رکھا اور سو گئے۔ شیر آیا تو اس نے ان کے سروں کو ایک ایک کر کے سونگھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس تک پہنچ گیا تو اسے چبا ڈالا اور وہ کہہ رہا تھا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ حضرت محمد (ﷺ) سب لوگوں سے زیادہ سچے ہیں؟

یہ واقعہ یعقوب اسفرائی نے ذکر کیا اور نبی اکرم ﷺ کی اولاد کے ذکر میں پہلے بھی یہ واقعہ گزر چکا ہے۔

مازن طائی سے منقول ہے اور وہ عمان کی زمین میں تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں کھیل کود، شراب نوشی اور عورتوں سے تعلق میں مصروف رہتا ہوں اور ہم قحط سالی کا شکار ہیں جس سے ہمارے مال چلے گئے اور بچے اور مرد کمزور ہو گئے اور میری اولاد نہیں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری اس پریشانی کو دور کرے، مجھے حیا عطا کرے اور اولاد مرحمت فرمائے، نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ أَبْدِلْهُ بِالطَّرَبِ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ وَبِالْحَرَامِ الْحَلَالَ وَبِالْحَيَاءِ وَهَبْ لَهُ وَلَدًا.

یا اللہ! اس کے کھیل کود کو قرأتِ قرآن سے اور حرام کو حلال سے بدل دے، اس کو حیا عطا کر اور اولاد مرحمت فرما۔



مازن کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے میری ان تمام عادتوں (اور پریشانیوں) کو دور کر دیا جو میں پاتا تھا اور عمان میں خوشحالی آگئی میں نے چار آزاد عورتوں سے شادی کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حیان بن مازن بیٹا عطا کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۳۸ دلائل النبوة للبیہقی ج ۲ ص ۲۵۶ دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۳)

نبی اکرم ﷺ جب تبوک میں اترے تو کھجور کے ایک درخت کے سامنے نماز پڑھنے لگے ایک شخص آپ کے اور درخت کے درمیان سے گزرا تو آپ نے فرمایا اس نے ہماری نماز میں خلل ڈالا اللہ تعالیٰ اس کا نشان مٹا دے پس وہ بیٹھا اور اٹھ نہ سکا۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کیا لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ نے فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا مجھے اس کی طاقت نہیں آپ نے فرمایا تجھے طاقت نہ ہو تو اس کے بعد وہ (کبھی بھی) اپنے ہاتھ کو منہ تک نہ لے جاسکا۔ اور یہ آدمی بسر ابن راعی العیر تھا (باء پر پیش ہے اور سین ساکن العیر میں عین پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے)۔ ۲

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۷۶)

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلایا تو عرض کیا گیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں دوسری بار (یہی جواب ملا تو آپ نے) فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے پیٹ کو سیر نہ کرے پس وہ کبھی بھی سیر نہ ہوئے۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا۔ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے تو آپ نے فرمایا اے معاویہ! تیری طرف سے مجھ سے کیا ملا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا میرا پیٹ ہے آپ نے فرمایا:

اللَّهُمَّ اَمْلَأْهُ عِلْمًا وَحِلْمًا .

یا اللہ! اسے علم اور بردباری سے بھر دے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ابن ثروان کے خلاف یوں دعا کی:

اللَّهُمَّ اَظِلْ شِقَاءَهُ وَبَقَاءَهُ .

یا اللہ! اس کی بدبختی اور باقی رہنے کو طویل کر دے۔

تو وہ بہت بڑی عمر کا پایا گیا وہ بدبختی کا شکار تھا اور موت کی تمنا کرتا تھا۔ ۳ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۶۱)۔

نبی اکرم ﷺ کی کتنی ہی مستجاب دعائیں ہیں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاع“ میں مستقل باب باندھا ہے ان

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے خلاف دعا اس لئے کی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بے حرمتی کی ورنہ آپ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۳۶)

۲۔ علماء کرام فرماتے ہیں اگر چہ دائیں ہاتھ سے کھانا واجب نہیں لیکن اس شخص نے تکبر کا اظہار کیا تھا اس لئے اس کے خلاف دعا کی۔ (ایضاً)

۳۔ ابو ثروان نے اس کی وجہ خود بیان کی وہ کہتا ہے جب نبی اکرم ﷺ قریش سے چھپتے ہوئے میرے اونٹوں کے پاس آئے اور اونٹ بھاگنے لگے میں نے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا تمہیں نہ پوچھنے میں کوئی نقصان نہیں میں نے کہا آپ وہ نبی ہیں جو ظاہر ہوئے تو آپ نے مجھے کلمہ شہادت کی دعوت دی میں نے کہا میرے اونٹوں کے پاس سے چلے جائیں اللہ تعالیٰ ان اونٹوں کو برکت نہ دے جن میں آپ ہوں تو آپ نے یہ کلمات کہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۳۶)



میں سے کچھ دعائیں یہاں ذکر کی گئی ہیں۔

اسی طرح امام یوسف بن یعقوب اسفرائینی نے اپنی کتاب ”دلائل الاعجاز“ میں ذکر کیا تو کتنی ہی دعائیں ہیں کہ آپ نے جس بات کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا اور آپ کو دعا کے درخت سے سوال کا پھل عطا فرمایا۔

### ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہے

سوال: ”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لکل نبی دعوة مستجابة يدعوبها واريد  
ان اختبى دعوتى شفاعة لامتى فى الآخرة.  
ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہے جو وہ مانگتا ہے اور میں  
ارادہ کرتا ہوں کہ اسے آخرت میں اپنی امت کی شفاعت  
کے لئے ذخیرہ بناؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۶، اتحاف السادة المتقين ج ۹ ص ۱۸۳، ج ۱۰ ص ۲۸۹)

تو ان مذکورہ بالا دعاؤں کی وجہ سے نیز آپ ﷺ اور بے شمار انبیاء کرام کی مستجاب دعاؤں کی وجہ سے اعتراض ہوتا ہے کیونکہ حدیث سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نبی کی مقبول دعا صرف ایک ہے؟

جواب: اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ جس دعا کا ذکر کیا گیا ہے اس کی قبولیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ قطعی طور پر مقبول ہے اس کے علاوہ جو دعائیں ہیں وہ قبولیت کی امید پر ہیں یہ بھی کہا گیا کہ ہر نبی کی ایک دعا اس کی باقی دعاؤں سے افضل ہے اور ان کے لئے دیگر دعائیں بھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر نبی کی ایک ایک ایسی دعا ہے جو امت کے بارے میں مقبول ہے یا تو ان کی ہلاکت کے بارے میں یا ان کی نجات سے متعلق ہے یا خاص دعائیں ہیں پس ان میں سے بعض قبول ہوتی ہیں اور بعض قبول نہیں ہوتی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے ہر نبی کی ایک خاص دعا ہے جسے وہ اپنی دنیا کے لئے خاص کرتا ہے یا اپنی ذات کے لئے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ الْكَافِرِينَ  
دِيَارًا ۝ (نوح: ۲۶)  
اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بنے  
والا نہ چھوڑ۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا ہے:

فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرْزُقْنِي. (مریم: ۶)  
تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال جو میرا کام  
اٹھائے۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:

وَهَبْ لِي مَلِكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ  
بَعْدِي. (ص: ۳۵)  
اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق  
نہ ہو۔

کرمانی نے ”بخاری شریف کی“ شرح میں فرمایا کہ اگر تم کہو کہ کیا یہ بات جائز ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دعا قبول نہ

ہو؟ تو میرا کہنا یہ ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہے اور باقی دعاؤں کی قبولیت مشیت خداوندی پر موقوف ہے۔



تو اس پر علامہ بدرالدین محمود عینی فرماتے ہیں یہ سوال میرے لئے تعجب خیز نہیں کیونکہ اس میں کراہت ہے اور مجھے شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی تمام دعائیں مقبول ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ہر نبی کی ایک مستجاب دعا ہے وہ اس بات کی نفی نہیں کرتی کیونکہ اس میں حصر نہیں اور کسی سے یہ بات منقول نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دعائیں گئی ہو اور وہ قبول نہ ہوئی ہو۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۰)

اس حدیث میں ہمارے نبی اکرم ﷺ کے تمام انبیاء کرام سے افضل ہونے کا بیان ہے کہ آپ نے مقبول و مستجاب دعا کے ساتھ اپنی امت کو اپنی ذات اور اپنے اہل بیت پر ترجیح دی اور اپنی اس مخصوص دعا کو ان کی ہلاکت کے لئے استعمال نہیں کیا جس طرح دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام نے کیا۔

حدیث کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا اور شفاعت کو یوم قیامت تک مؤخر کیا اس دن آپ دعا فرمائیں گے اور شفاعت کریں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ قیامت تک جو چیز مؤخر کی گئی ہے وہ اس دعا کا نتیجہ اور اس کا نفع ہو لیکن اس کی طلب حضور ﷺ نے دنیا میں کی ہو۔ ”مزید الفتح“ کے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے۔

### نبی اکرم ﷺ کے اذکار

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ مراتب توحید میں ترقی حاصل کریں۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (محمد: ۱۹)

پس آپ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تو اس آیت میں اس علم کے حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ آپ یہ بات جانتے تھے اور نہ ثابت قدمی کا حکم ہے کیونکہ آپ معصوم ہیں پس یہ بات متعین ہو گئی کہ آپ کو اپنے مقامات و مراتب میں ترقی کا حکم دیا گیا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق علم اور اس کی طرف جانے کی کوئی انتہا نہیں پس تمام علوم حقیقیہ اور معارف یقینیہ اس عالم میں اپنی تحقیق کی لڑی میں پروئے گئے ہیں اور بلند مراتب کی ٹہنیوں سے پھل عنقریب حاصل ہوگا۔

اسی لئے اس آیت میں آپ ﷺ کے لئے اس کے علم پر اکتفاء کیا گیا تو آپ کا سب کام توحید کی تصحیح اسے شرک سے پاک رکھنے اور اس کی تکمیل سے متعلق ہے اور آپ سے ہی ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ. (المزل: ۸)

اور فرمایا:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً.

(الاعراف: ۲۰۵) اور ڈرتے ہوئے یاد کریں۔

کیونکہ سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے سب سے پہلے ایک عرصہ تک زبان سے ذکر کرنا پڑتا ہے پھر اسم زائل ہو جاتا ہے اور مسکئی باقی رہتا ہے پس ”واذکر اسم ربک“ میں پہلا درجہ مراد ہے۔

اور آیت کریمہ واذکر ربک (مذکورہ بالا آیت) سے دوسرا درجہ مراد ہے اس سلسلے میں پوری بحث بہت طویل ہے جو غرض سے باہر ہے اور نبی اکرم ﷺ کے اذکار متفرق طور پر وضو نماز اور حج کے بیان میں گزر چکے ہیں۔



## نبی اکرم ﷺ کا استغفار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ دن اور رات میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتے تھے۔

اس حدیث سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مغفرت طلب کرتے اور توبہ کا عزم کرتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے بعینہ یہ الفاظ کہنا مراد ہو (استغفر اللہ واتوب الیہ)۔ امام نسائی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت مجاہد کے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیث روایت کی ہے وہ اس دوسری بات کی تائید کرتی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یوں کہتے ہوئے سنا ہے:

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ.  
میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ (دوسروں کو) قائم رکھنے والا ہے اور میں اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

آپ مجلس میں یہ کلمات اٹھنے سے پہلے سو مرتبہ پڑھتے تھے۔  
امام نسائی نے ہی حضرت محمد بن سوہ کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: ہم ایک مجلس میں نبی اکرم ﷺ سے یہ کلمات ایک سو مرتبہ شمار کرتے:  
رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ.  
اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما تو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت بخشنے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو ستر مرتبہ سے زیادہ کا ذکر ہے تو اس میں مبالغہ کا بھی احتمال ہے اور ہو سکتا ہے خاص عدد مراد ہو اور لفظ ”اکثر“ مبہم ہے تو ممکن ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث اس کی تفسیر ہو اور وہ عدد سو تک پہنچتا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور طریق یعنی حضرت معمر کے طریق سے مروی ہے وہ حضرت زہری سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں ”انسی لاستغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرة“ بے شک میں ایک دن میں ایک سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں لیکن اصحاب زہری نے اس سلسلے میں حضرت معمر کی مخالفت کی ہے۔

ہاں امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی محمد بن عمرو کی روایت سے حضرت ابو سلمہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا:  
إِنِّي لَا أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةً مَرَّةً.  
بے شک میں ہر دن ایک سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

امام نسائی نے ہی حضرت عطاء کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ فَإِنِّي اتُوبُ إِلَيْهِ  
اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو میں دن میں ایک سو مرتبہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔  
فی الیوم مائۃ مرة.



نبی اکرم ﷺ امت کو تعلیم دینے کی خاطر استغفار فرماتے یا امت کے گناہوں کے لئے مغفرت طلب کرتے اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے اس سے پہلے بھی اس ضمن میں کچھ باتیں کہی گئی ہیں۔

### نبی اکرم ﷺ کس طرح استغفار کرتے تھے؟

حضرت شداد بن ابی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم کہو:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِسِعْمَتِكَ عَلٰی وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ.

یا اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں، میں تیرے عہد اور وعدہ پر ہوں، قائم ہوں جس قدر مجھے طاقت ہے، میں اپنے عمل کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میں تیری نعمت کے ساتھ جو مجھ پر ہے تیری طرف رجوع کرتا ہوں، اپنے گناہوں کے ساتھ رجوع کرتا ہوں پس تو مجھے بخش دے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۲ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۲ ج ۵ ص ۳۵۶)

گناہوں کو صرف تو ہی بخشا ہے۔

آپ نے فرمایا جو شخص ان کلمات پر یقین رکھتے ہوئے دن کے وقت پڑھے اور اسی دن شام ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ اہل جنت سے ہے اور جو رات کے وقت یقین سے پڑھے اور صبح ہونے سے پہلے مر جائے وہ بھی اہل جنت سے ہے۔

پس یہ بات متعین ہوگئی کہ یہ طریقہ ہی افضل ہے اور نبی اکرم ﷺ افضل طریقے کو نہیں چھوڑتے تھے۔

### نبی اکرم ﷺ کی قرأت

نبی اکرم ﷺ کی قرأت اور اس کی صفت یہ ہے کہ آپ مد کرتے تھے (یعنی الفاظ کو کھینچ کر پڑھتے تھے) بسم اللہ پر مد کرتے پھر الرحمن پر مد کرتے اور پھر الرحیم پر مد کرتے۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۳۶)

اس (قرأت) کا وصف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یوں بیان فرمایا کہ آپ کی قرأت ایک ایک حرف ہوتی تھی۔

وہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ توڑ توڑ کر پڑھتے تھے ”الحمد لله رب العالمین“ پڑھتے پھر وقفہ کر کے ”الرحمن الرحیم“ پڑھتے پھر وقفہ کرتے۔ (جامع ترمذی)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سورت کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے حتیٰ کہ وہ پہلے سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عشاء میں ”والتین والزیتون“ پڑھتے تو میں نے آپ سے (اچھی) آواز والا یا (فرمایا) اچھی قرأت والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

نبی اکرم ﷺ کی قرأت ٹھہر ٹھہر کر ہوتی اس میں تیزی اور جلدی نہ ہوتی بلکہ ایک ایک حرف واضح طور پر پڑھتے اور



اپنی قرأت ایک ایک آیت پر منقطع کرتے، حروف مدہ میں مد کرتے اور عمدہ آواز سے قرأت فرماتے اور کبھی کبھی اپنی آواز کو واپس لاتے جس طرح فتح مکہ کے دن ”انا فتحنا لک فتحا مبینا“ پڑھتے ہوئے رجوع کیا اور عبد اللہ بن مغفل نے حکایت کیا تینوں الفوں کو الگ الگ پڑھتے (مطلب یہ کہ آپ ایک ایک توڑ توڑ کر پڑھتے جس طرح کوئی تین الفوں کو الگ الگ پڑھتا ہے)۔

جب تم اس حدیث کو نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے ساتھ جمع کرو جس میں آپ نے فرمایا:

زینوا القرآن باصواتکم۔ قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۶۸، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۲، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۳-۳۰۴، سنن

دارمی ج ۲ ص ۲۷۴، المسند رک ج ۱ ص ۵۷۱)

اور اس ارشاد پاک کے ساتھ جس میں فرمایا:

لیس منا من لم يتغن بالقران۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن مجید خوش آوازی

سے نہیں پڑھتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۵۴، المسند رک ج ۱ ص ۵۶۹، کنز

العمال رقم الحدیث: ۲۷۶۹-۲۷۹۷)

اور فرمایا:

ما اذن الله لشي كاذنه بنی حسن۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بات کی اجازت اس طرح نہیں دی

جس طرح اپنے نبی ﷺ کو خوش آوازی سے قرآن

پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۲۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس قدر توجہ سے نہیں سنتا جس طرح نبی اکرم ﷺ سے خوش آوازی کے ساتھ قرأت سنتا ہے، آپ اسے بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔

اسی سے کہا جاتا ہے اَذِنَ يَأْذُنُ اَذِنًا (ذال کی حرکت کے ساتھ) (جب ان تمام احادیث کو ملایا جائے) تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ کا الفاظ کو لوٹانا اختیاری تھا، اونٹنی کے تیز چلنے کی وجہ سے مجبوراً نہ تھا (جس طرح بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے) کیونکہ اگر یہ اونٹنی کے تیز حرکت کرنے کی وجہ سے ہوتا تو اختیاری نہ ہوتا پس حضرت عبد اللہ بن مغفل اسے بیان نہ کرتے اور آپ یہ عمل اپنے اختیار سے (قصداً) کرتے تھے تاکہ آپ کی اقتدا کی جائے اور یہ عمل سواری کے تیز چلنے سے دکھائی دیتا تھا حتیٰ کہ آپ کی آواز ٹوٹ جاتی پھر وہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قرأت کو لوٹاتے تھے تو اسی لوٹانے کو آپ کے فعل کی طرف منسوب کیا اگر یہ بات سواری کے تیز چلنے کی وجہ سے ہوتی تو آپ سے فعل صادر نہ ہوتا جسے لوٹانا کہا جاتا۔

ایک رات نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قرأت سنی پس جب ان کو خبر دی تو انہوں نے

عرض کیا اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں مزید اچھے طریقے سے پڑھتا یعنی اپنی آواز کے ساتھ اسے زینت



دیتا۔

یہ حدیث ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی باب قلب سے ہے۔  
آپ نے فرمایا:

زینوا القرآن باصواتکم  
اپنی آواز کے ساتھ قرآن مجید کو زینت دو۔  
(وہ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ) اپنی آوازوں کو قرآن مجید کے ساتھ زینت دو تو اس قلب کی ضرورت نہیں۔  
ابن اثیر نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس بات کی تائید کرتی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں وہ  
فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لکل شی حلیۃ وحلیۃ القرآن حسن الصوت۔ ہر چیز کا زیور ہے اور قرآن پاک کا زیور اچھی آواز ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۱، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۱۷۳، اکمل ج ۳ ص ۱۳۵۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۶۸)

اسی مسئلہ میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے جس کا ذکر طویل ہے اس سلسلے میں اختلاف کا فیصلہ یہ ہے کہ کہا جائے:  
خوش آوازی سے پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔

### خوش آوازی سے پڑھنے کی دو صورتیں

ایک یہ ہے کہ طبیعت کا تقاضا ہے اور اس میں کسی قسم کا تکلف، عادت اور تعلیم کا دخل نہ ہو بلکہ جب اس کو طبیعت کے  
حوالے کر دے اور یوں اس کو کھلی چھٹی دے دے اور خوش آوازی آئے تو یہ جائز ہے اگرچہ اس کی طبیعت اس کی مدد کرے  
کہ وہ اسے زیادہ زینت دے اس میں حسن پیدا کرے جس طرح حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی  
خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں جانتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں آپ کے لئے زیادہ خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھتا اور  
غملگین شخص اور جسے خوشی، محبت اور شوق حرکت دے تو وہ اپنے نفس پر کنٹرول نہیں رکھتا اور وہ اس غم اور طرب کو قرأت کے  
ذریعے دور نہیں کر سکتا لیکن نفوس اس کو حاصل کرتے اور عمدہ پاتے ہیں کیونکہ یہ طبیعت کے موافق ہے اس میں تکلف اور  
بناوٹ نہیں پس یہ فطری ہے، مشابہت اختیار کرنا نہیں اور محبت سے پڑھنا ہے، تکلف نہیں ہے۔

ہمارے بزرگ اسی طریقے سے پڑھتے اور سنتے تھے یہ خوش آوازی قابل تعریف ہے اور اس سے پڑھنے والا اور  
سننے والا دونوں متاثر ہوتے ہیں۔

دوسری وجہ وہ ہے جو بناوٹ کرنے والوں کی بناوٹ سے ہو اور اس میں فطرت کا دخل نہ ہو بلکہ یہ عمل تکلف، تصنع اور  
عادت بنانے سے حاصل ہو جس طرح غنا کی آوازیں مختلف قسم کی بسیط اور مرکب خوش آوازی سے سیکھی جائیں جو مخصوص  
طریقوں اور من گھڑت وزنوں پر ہوں جو تعلیم و تکلف کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں تو یہ صورت بزرگوں نے ناپسند کی اس کو  
معیوب قرار دیا اور اس طریقے پر قرأت کا انکار کیا۔

اس تفصیل سے اشتباہ زائل ہو جاتا ہے اور درست طریقہ دوسرے طریقوں سے ممتاز ہو جاتا ہے اور جو شخص بزرگوں  
کے احوال کا علم رکھتا ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ وہ لوگ موسیقی والی خوش آوازی جو کچھ وزنوں کے  
مطابق واقع کرنے اور حرکت کا تکلف ہے اس سے وہ لوگ پاک تھے وہ اس انداز میں قرأت کرنے اور سننے کے اعتبار



سے اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے اور یہ بات بھی یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ غمگین کرنے اور خوش کرنے کے انداز میں پڑھتے تھے اور قرأت خوش آوازی کے ساتھ کرتے، کبھی وہ فطری طور پر پڑھتے اور کبھی خوش آوازی کا ارادہ کرتے اور یہ طبعی اور فطری بات ہے اور شریعت نے اس سے نہیں روکا کیونکہ طبیعتیں اس کاشت سے تقاضا کرتی ہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف رہنمائی کی اور اسے مستحب قرار دیا اور بتایا کہ جو شخص اس طرح پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ پوری توجہ سے اسے سنتا ہے اور آپ نے فرمایا ”جو شخص قرآن مجید خوش آوازی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں“ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں سے خوش آوازی اور غنا حاصل کرنا (اور سیکھنا) جیسا کہ بعض حضرات نے گمان کیا اگر یہ بات ہوتی تو اچھی آواز اور اس کو بلند کرنے کا ذکر بے معنی ہوتا۔

اور کلام عرب میں معروف ہے کہ تغنی (خوش آوازی) اچھی آواز کے ساتھ کلام کو لوٹانا اور پڑھنا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

تغن بالشعر اذا ما كنت قائله  
ان الغناء لهذا الشعر مضمار  
”شعر خوش آوازی سے پڑھو جب تم اسے کہو کیونکہ شعر کے لئے غنا (وہ) میدان ہے جس میں گھوڑے دوڑتے ہیں تو مقابلہ ہوتا ہے۔“

ابن ابی شیبہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):  
تعلموا القرآن وتغنوا به واكتبوه.  
قرآن پاک سیکھو! اسے خوش آوازی سے پڑھو اور  
(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۶-۱۵۰-۱۵۳ تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۱۵) اسے لکھو۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قرأت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا:

لقد اوتی مزمارا من مزامیر ال داود.  
ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کے مزامیر میں سے

ایک مزمار دیا گیا ہے (خوش آوازی مراد ہے)۔

یعنی خود داؤد علیہ السلام کی ذاتی خوش آوازی سے دیا گیا جیسا کہ آل معانی نے ذکر کیا اور ایک دوسری روایت میں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں نہایت اچھے طریقے سے پڑھتا۔

ابن مزیر نے کہا یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ان کو یہ طاقت حاصل تھی کہ مزامیر سے جو سماعت حاصل ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ اچھا پڑھ سکیں کیونکہ آپ نے مبالغہ کے ساتھ اچھی آواز میں پڑھنے کا ذکر فرمایا انہوں نے مزامیر کی مثل پڑھا (جیسا کہ حضور ﷺ نے بتایا) اور حد تک پہنچ گئے اور اگر وہ اپنی مقدور بھر طاقت کے مطابق پڑھتے تو کیا کیفیت ہوتی؟

### حضرت داؤد علیہ السلام کی خبر

حضرت داؤد علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو وعظ کرنا چاہتے تو سات دن تک بھوکے رہتے نہ کھاتے نہ پیتے اور نہ عورتوں کے قریب جاتے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم دیتے تو وہ گرد و نواح میں ٹیلوں، وادیوں اور پہاڑوں میں



اعلان کرتے کہ حضرت داؤد علیہ السلام فلاں دن (وعظ کے لئے) بیٹھیں گے پھر آپ کے لئے صحرا میں منبر رکھا جاتا تو آپ اس پر بیٹھتے، حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے پاس کھڑے ہوتے پس انسان، جن پرندے وحشی درندے، کیڑے مکوڑے، کنواری اور پردہ دار عورتیں آتیں اور وہ سب ذکر سنتے، آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے جیسے اس کے شایان شان ہے، سننے والوں میں سے ایک گروہ کی موت واقع ہو جاتی پھر گناہ گاروں پر نوحہ شروع کرتے تو (خوف سے) ایک جماعت مرجاتی جب ان لوگوں میں موت پھیل جاتی تو حضرت سلیمان علیہ السلام ان سے عرض کرتے اے اللہ کے نبی! لوگوں میں موت پھیل گئی ہے اور غور سے سننے والے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑتے آپ کو چار پائی پر گھر لایا جاتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا منادی اعلان کرتا اے لوگو! جس کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کوئی قریبی یا دوست ہو وہ آپ کو پانے کے لئے نکلے پس کوئی آ کر اپنے خاوند یا بیٹے یا بھائی کے پاس کھڑی ہوتی اور اسے لے کر شہر میں داخل ہوتی، جب حضرت داؤد علیہ السلام کو دوسرے دن افاقہ ہوتا تو فرماتے: اے سلیمان! بنی اسرائیل کے عبادت گزار لوگوں کا کیا بنا؟ حضرت سلیمان عرض فرماتے: فلاں اور فلاں مر گئے وہ ان سب کا ذکر کرتے پس حضرت داؤد علیہ السلام اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر روتے اور کہتے: اے میرے رب! کیا تو داؤد پر ناراض ہے کہ تیرے خوف یا تیرے شوق کی وجہ سے فلاں فلاں مرنے والوں کے ساتھ اس کا انتقال نہ ہوا؟ دوسری مجلس تک آپ کا مسلسل یہی طریقہ رہتا اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت داؤد علیہ السلام اس طریقے پر قائم رہے۔

### وعظ سننے کا اثر

میں نے بنی اسرائیل کی جو حالت ذکر کی ہے اس سے تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس امت سے اعلیٰ ہیں جہاں تک مزامیر (خوش آوازی سے پڑھنے) کا تعلق ہے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جو حالت ذکر کی گئی ہے تمہارے لئے وہ کافی ہے۔

اور وعظ سن کر شوق یا خوف کی وجہ سے موت واقع ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس امت کو جو قوت دی گئی ہے وہ ان احوال کے مقابلے میں ہے جو اس (امت) پر وارد ہوتے ہیں وہ زندگی سے مل جاتی ہے پس قوت جسمانیہ فوت نہیں ہوتی بلکہ قوت روحانیہ اور تائیدات الہیہ بھی باقی رہتی ہیں تو اس امت کی قوت کے زیادہ ہونے کے باعث اس امت کے نیک اسلاف لوگوں کی حالت وعظ سننے اور نہ سننے کی حالت میں برابر رہی کیونکہ احوال ذکر اور یقین کے طور طریقے مسلسل باقی رہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ اگر پردہ اٹھ جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا (کیونکہ پہلے سے یہ حالت قائم ہے) پس بزرگوں پر جب احوال وارد ہوئے تو ان میں اور پہلے لوگوں میں فرق کی وجہ سے ان کی قوت باقی رہی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں خوش آواز تھے ان کی موت واقع نہیں ہوئی جس طرح دوسروں کی موت واقع ہوئی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں میں خوف اور شوق کی کمی تھی بلکہ قوت ربانیہ نے ان کی مدد کی اور اس میں کوئی شک نہیں، کہ حضرت داؤد علیہ السلام اگرچہ ذکر کی وجہ سے فوت نہیں ہوئے لیکن آپ اپنی امت کے ان مرنے والوں سے افضل ہیں۔



جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ فوت نہ ہونے پر روئے تو یہ اس تواضع کی وجہ سے ہے جو آپ کے شرف کو بڑھاتی تھی یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنی امت کا انفرادی لوگوں سے کم درجہ میں تھے بلکہ اس کی وجہ سے کہ آپ ان لوگوں سے کئی درجات بلند تھے اور مقرب تھے (آپ کا انتقال نہ ہوا)۔

اسی قوت الہیہ کی طرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ وعظ سن کر رو رہا ہے تو فرمایا ہم بھی اسی طرح تھے حتیٰ کہ دل سخت ہو گئے تو آپ نے تواضع کے طور پر سختی کا ذکر کیا حالانکہ آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ محفوظ اور مقام بلند ہے۔

دوسرا طریقہ یا صورت یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس میں سامعین کی موت کا واقعہ ہوا اس کی بے شمار مثالیں اس امت میں پائی جاتی ہیں کہ قدیم و جدید مجالس سماع میں سننے والوں کی موت واقع ہوئی۔ ابو اسحاق ثعلبی (ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم متوفی ۳۲۷ھ) نے قرآن پاک سن کر فوت ہونے والوں کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جسے ہم نے روایت کیا اور میرے (مصنف کے) پاس اس میں سے کچھ ہے مجھے امید ہے کہ وہ مرتب و مدون ہو جائے گا۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۱۲ و نیات الایمان ج ۱ ص ۲۲ انباء الرواق ج ۱ ص ۱۱۹ معجم المطبوعات ص ۶۶۳)

بلکہ بہت سے مریدین کے بارے میں منقول ہے کہ وہ محض مشائخ کو دیکھنے سے انتقال کر جاتے جس طرح منقول ہے کہ ابو تراب نخشی کے مرید کے لئے روزانہ کئی مرتبہ حق کی تجلی ہوتی تو ابو تراب نے اس سے فرمایا اگر تم ابو یزید کو دیکھ لیتے تو ایک بہت بڑا معاملہ دیکھتے۔

جب مرید اپنے شیخ ابو تراب نخشی کے ہمراہ حضرت ابو یزید کی طرف گیا اور مرید کی نگاہ ان پر پڑی تو وہ فوت ہو گیا ابو تراب نے کہا اے ابو یزید! آپ کی ایک نظر نے اسے قتل کر دیا حالانکہ وہ حق کو دیکھنے کا دعویٰ کرتا تھا حضرت ابو یزید نے فرمایا تمہارا مرید سچا تھا اور اس کے مقام کے مطابق اس پر حق کی تجلی ہوتی تھی۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو اس پر اس اندازے کے مطابق تجلی ہوئی جو اس نے دیکھا تو اسے اس کی طاقت نہ تھی لہذا فوت ہو گیا۔

تجلی کے سلسلے میں اہل طریقت کی اصطلاح معروف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ معرفت کا ایک بہت بڑا مرتبہ ہے اور تجلی سے ان کی مراد آنکھ سے دیکھنا نہیں جس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر کہا گیا ”لن ترانی“ (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) اور عمومی طور پر بھی یوں کہا گیا ”لا تدركه الابصار“ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) اور جب تم نے سمجھ لیا کہ ان کی مراد جسے انہوں نے ثابت کیا اس معنی کا غیر ہے جس سے لوگ دنیا میں مایوس ہیں (سوائے ہمارے آقا ﷺ کے کہ آپ کو معراج شریف میں دیدار خداوندی ہوا)۔

اور مخصوص لوگوں سے آخرت میں اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

تو اس کے بعد تم پر کوئی حرج نہیں اور اس قوم (صوفیاء کرام) کے بارے میں تمہارے لئے بدظن ہونے کا کوئی راستہ نہیں اور اللہ تعالیٰ پوشیدہ امور (اور دلوں) کا مالک ہے۔



## سماع کا حکم

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ قوم کی طریقت میں سماع معروف ہے اور محبت کی طرف کھینچنے والی باتوں میں شمار ہوتا ہے اور یہ اس کا وصف ہے۔

ابوطالب (مکی) نے ”القول“ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جیسے حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت عبداللہ بن زبیر، مغیرہ بن شعبہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نیز حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی اور حضرت ذوالنون مصری رحمہم اللہ سے نقل کیا کہ یہ جائز ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۶۱)

”احیاء العلوم میں“ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے استدلال کیا جس کا ذکر طویل ہے، خاص طور پر خوشی کے اوقات میں جن میں خوشی منانا جائز ہے اس کی تاکید اور اسے بڑھانے کے لئے سماع جائز ہے جس طرح شادی، کسی غائب کی واپسی، ولیمہ، عقیقہ، حفظ قرآن، سبق، کتاب یا تالیف کے اختتام کے موقع پر (سماع کا اہتمام کیا جائے)۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ منیٰ کے دنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو دف بجارہی تھیں اور نبی اکرم ﷺ نے کپڑے سے اپنے آپ کو ڈھانپ رکھا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑک دیا تو آپ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: اے ابوبکر! ان دونوں کو چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷-۱۹، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۹۷، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۹۲، ج ۱۰ ص ۲۲۳، اتحاف السادة المستقین ج ۶

ص ۲۹۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۳۳)

ایک روایت میں ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو لونڈیاں گارہی تھیں اور یہ بعاث کے دن تھے (بعاث کی باء پر پیش ہے اور اس کے بعد عین ہے) یہ اوس قبیلے کا قلعہ تھا اسے غین سے پڑھنا غلط ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ لونڈیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو بعاث کے دن کہے گئے تھے اور یہ انصار کے درمیان لڑائی ہوئی تھی (اسے یوم بعاث کہتے ہیں) نبی اکرم ﷺ رخ انورد دوسری طرف کر کے بچھونے پر آرام فرما ہو گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو انہوں نے مجھے جھڑکا اور فرمایا رسول اکرم ﷺ کے پاس شیطانی گانا اور دف وغیرہ؟ نبی اکرم ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ان کو چھوڑ دو (کچھ نہ کہو)۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ ”صحیح بخاری میں“ ایک اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں ”ولیسنا بمغنین وہ گاتی نہیں تھیں“ تو ان سے معنوی اعتبار سے اس بات کی نفی کی جس کو لفظوں میں ان کے لئے ثابت کیا (یعنی غنا کا لفظ بولا گیا لیکن معنوی طور پر وہ غنا نہ تھا) کیونکہ غنا کا اطلاق آواز بلند کرنے اور ترنم اور حدی (جو اونٹوں کے ساتھ چلنے والے گاتے ہیں) پر ہوتا ہے اور ایسا کرنے والے کو مغنی نہیں کہتے بلکہ اسے مغنی کہا جاتا ہے جو بنا سجا کر کلام کرتا ہے اور جس میں ٹوٹ پھوٹ، ہيجان و حرکت اور شوق پیدا کرتا ہے کیونکہ اس سے فاحش باتوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا صریح الفاظ ہوتے ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ وہ مغنیہ نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں میں



سے نہیں ہیں جو گانے بجانے کے ساتھ مشہور ہیں جس طرح معروف گانے بجانے والی ہیں۔

وہ فرماتے ہیں ام المؤمنین نے یہ بات فرما کر اس غنا کی نفی کی ہے جو عام شہرت یافتہ لوگوں کی عادت ہے اور وہ ساکن کو حرکت دیتا ہے اور مخفی بات کو ابھارتا ہے۔

اس گانے کے سلسلے میں حکم یہ ہے کہ اگر اس میں ایسے اشعار ہوں جن میں عورتوں کے حسن کا ذکر یا شراب وغیرہ حرام چیزیں ہوں تو اس (سماع) کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

وہ فرماتے ہیں جو کچھ صوفیاء نے طریقہ اختیار کیا تو وہ اس قبیل سے ہے جس کے حرام ہونے میں اختلاف نہیں لیکن شہوت پرست نفوس ایسے بہت سے لوگوں پر غالب آ گئے جو بھلائی کی طرف منسوب ہیں حتیٰ کہ ان میں سے اکثر میں پاگلوں اور بچوں جیسے کام ظاہر ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ موافق حرکات اور ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے چالوں کے ساتھ رقص کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک جماعت میں حیا کی کمی انتہا کو پہنچ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کو قرب اور اعمال صالحہ کے باب سے شمار کرتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ بلند و بالا اعمال کی بنیاد ہے لیکن درحقیقت یہ بے دین لوگوں کا کام ہے (یہاں تک امام قرطبی کا کلام تھا)۔

اور حق یہ ہے کہ جب سماع اچھی آواز سے ایسے اشعار کے ساتھ ہو جو بلند صفات کو متضمن ہیں یا ان میں نبی اکرم کی نعتیں ہوں، حرام آلات سے محفوظ ہو اسی طرح خسیں اور غباوت پر مبنی اعمال اور کمینگی والے امور نہ ہوں اور بلند قدر والے محبت کی خفیہ باتوں کو حرکت دے، سننے والا حتیٰ الامکان اپنے آپ کو قابو میں رکھے کہ اس کی آواز رونے کے ساتھ بلند نہ ہو اور وجد ظاہر نہ ہو اور وہ اپنے نفس کے ضبط پر قادر ہو اور ان باتوں کو جانتا ہو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے واجب ہیں اور جو باتیں محال (منوع) ہیں کہ جو کچھ سننے سے اسے اس بات کی طرف نہ لے جائے جو لائق نہیں تو یہ حسن کی ایک انتہاء میں ہے اور تزکیہ نفس کے لئے ایک انتہاء ہے ہاں اس کو چھوڑ دینا اور اس بات میں مشغول ہونا جو اعلیٰ ہے شہ کے خوف کی بنیاد پر زیادہ سلامتی اسی میں ہے نیز اس طرح وہ (سماع کے بارے میں) اختلاف سے بھی نکل جائے گا ہاں کبھی کبھی سن لے (تو الگ بات ہے)۔

حضرت امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور علماء کی ایک جماعت رحمہم اللہ سے ایسے الفاظ منقول ہیں جو اس کے حرام ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور شاید ان کی مراد وہ سماع ہے جس میں شیطانی ابھار ہو۔

اور جب دلوں میں تاثیر کے حوالے سے سماع کے بارے میں غور کیا جائے تو اس پر مطلقاً اباحت یا حرام ہونے کا حکم لگانا جائز نہیں بلکہ مختلف افراد کے اعتبار سے اور نغموں کے طریقوں کے اختلاف کے مطابق حکم مختلف ہوگا۔ پس اس کا حکم وہی ہے جو قلبی امور کا حکم ہے اور جو شخص اپنے رب کی طرف ترقی کرتا ہے اس کے لئے یہ ان باتوں کو حرکت دیتا ہے جو ازل سے دلوں میں ہیں جب اللہ تعالیٰ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ (الاعراف: ۱۷۲)

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

تو دل میں جو رقت و جد اور حقیقت ہے وہ اسی خطاب کی چاشنی سے ہے اور تمام اعضا اس کے ذکر کے ساتھ بولتے ہیں اور اس کے نام سے خوشی حاصل کرتے ہیں پس سماع، نفوس کی سب سے بڑی شکار گاہ ہے اور جب یہ مناسب خوش آوازی سے مل جائے اور اشعار محبوب حق کے ذکر پر مشتمل ہوں تو پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور اسرار شائع ہو جاتے ہیں خصوصاً



ان لوگوں میں جو ابتدائی مراحل میں ہیں۔

سماع کی تاثیر کا مشاہدہ کیا گیا حتیٰ کہ وہ حیوانات جو بولتے نہیں مثلاً پرندے اور جانور (وغیرہ) اس بات کا مشاہدہ کیا گیا کہ پرندے عمدہ نغموں اور خالص قسم کی خوش آوازی پر ٹہنیوں سے اتر آتے ہیں اور اونٹ باوجود اپنی طبیعت کے غبی ہونے کے حدی سے متاثر ہوتے ہیں اور اس تاثیر کی وجہ سے ان کو بھاری بوجھ ہلکے معلوم ہوتے ہیں اور سماعت کی خوشی کی قوت سے طویل مسافت کم ہو جاتی ہے اور ایسی خوشی پیدا ہوتی ہے جو اس میں نشہ اور والہانہ انداز پیدا کر دیتی ہے۔

پس تم اس کو دیکھتے ہو کہ جب اس پر جنگل (وصحرا) لمبے ہو جاتے ہیں اور بوجھ کے نیچے تھک جاتا ہے تو حدی خوان کے حدی سننے پر اپنی گردن کو بڑھا کر حدی خوان کی طرف ڈال دیتا ہے اور تیز تیز چلتا ہے اور بعض اوقات تیز چلنے اور بوجھ کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے لیکن خوشی کی وجہ سے اسے اس کا پتہ نہیں چلتا۔

(امام غزالی رحمہ اللہ نے) ”احیاء العلوم میں“ جو کچھ ذکر کیا ہے اس کو حضرت ابو بکر دینوری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ ایک سیاہ قام غلام نے حدی کی وجہ سے جو نہایت اچھے نغمے کے ساتھ تھی، کئی اونٹوں کو ہلاک کر دیا، ان پر بھاری بوجھ تھا اور انہوں نے تین دن کی مسافت ایک رات میں طے کر لی۔

اور اس نے ان کے علاوہ ایک اونٹ کے سامنے کلام پڑھا اور یہ ان کی موجودگی میں تھا تو اونٹ دیوانہ ہو گیا اور اس نے اپنی رسی توڑ دی اور اس کو ایسی کیفیت حاصل ہوئی جس نے اس کے احساسات سے اس کو غافل کر دیا اور منہ کے بل گر پڑا۔

تو سماع کی تاثیر محسوس بات ہے اور جس میں کوئی حرکت پیدا نہ ہو اس کا مزاج فاسد ہے اور اس کا علاج ناممکن ہے اس کی طبیعت اونٹوں سے بھی زیادہ سخت اور کثیف ہے اور جب یہ جانور نغمات سے متاثر ہوتے ہیں تو انسانی نفوس بدرجہ اولیٰ متاثر ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

نعم لولاک ما ذکر العقیق  
نعم اسعی الیک علی جفونی  
ولا جابت لہ الفلوات نوق  
تدانی الحی او بعد الطریق  
فماذا یفعل الصب المشوق  
”ہاں اگر تم نہ ہوتے تو عقیق کا ذکر نہ ہوتا“ اور نہ جنگلوں میں اونٹنیاں چکر کاٹتیں۔ ہاں میں تمہاری طرف  
پلکوں پر دوڑ کر آؤں گا قبیلہ قریب ہو یا دور کا راستہ ہو۔ جب تمہارے لئے سواریاں روتی ہیں تو شوق رکھنے  
والے عاشق کا عمل کیا ہوگا؟“

پس سماع کا عمدہ حصہ دل کو نرم کرتا ہے اسی لئے عارف کبیر سیدی علی الوفوی (یا الوفائی) نے اپنے مشہور وظیفہ کو خوش آوازی اور لطیف اور اوزان کے انداز پر رکھا تا کہ مریدین کے دل خوش ہوں اور سالکین کے دلوں کو آرام پہنچے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے دل خوش آوازی سے حصہ حاصل کرتے ہیں جب یہ بلند مرتبہ اوراد جو نبوی اوراد کا فیضان ہیں، عمدہ نغمات اور اچھے اوزان کے ساتھ پڑھے جائیں تو وہ لوگوں میں سرایت کرتے ہیں اور ہر عضو ان وفوی محمدی اوراد سے حصہ حاصل کرتے ہیں پس ازلی خطاب کا درخت اس پانی کے ساتھ حاصل ہوتا ہے جو ان لطائف کے چشموں سے آتا ہے عوارف المعارف کا پھل دیتا ہے (معرفت تامہ حاصل ہوتی ہے)۔



**تنبیہ**  
بعض حضرات کا خیال ہے کہ سماع قرآن مجید کی تلاوت سے بھی زیادہ وجد پیدا کرنے والا ہے اور اس کی تاثیر زیادہ ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بشری قوت جو حادث ہے قرآن مجید کے جلال کو برداشت نہیں کر سکتی اور اس کی صفات مخلوقہ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتیں اور اگر اس کے معنی کا ایک ذرہ بھی دلوں کے لئے کھل جائے تو ان پر دہشت طاری ہو جائے وہ پھٹ جائیں اور حیران ہو جائیں اور خوش آوازی طبیعتوں کے مناسب ہے لیکن ان کے حصوں کے مطابق حقوق کی نسبت سے نہیں اور اشعار کی نسبت ان حصوں کی نسبت سے ہے پس جب ان شعروں میں پائے جانے والے اشارات و لطائف سے غموں اور آوازوں کا تعلق قائم ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کے مناسب ہو جاتے ہیں اور وہ ان نفسانی حصوں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور مخلوق کی مناسبت سے دلوں پر زیادہ ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔

یہ بات ابو نصر سراج نے کہی ہے (ابو نصر عبد اللہ بن علی متوفی ۳۷۸ھ)۔ (الاعلام ج ۴ ص ۱۰۴ شذرات الذہب ج ۳ ص ۹۱، معجم المطبوعات رقم الحدیث: ۱۰۱۷)



## دسواں مقصد

اس مقصد کے مشمولات یہ ہیں۔

(۱) نبی اکرم ﷺ پر آپ کے وصال کے ذریعے نعمتوں کی تکمیل اور بارگاہِ قدس میں اپنے رب کے ہاں آپ کا منتقل ہونا۔

(۲) آپ کی قبر شریف اور بلند مرتبہ مسجد کی زیارت۔

(۳) آپ کو آخرت میں ایسے فضائل کے ساتھ فضیلت دینا کہ آپ کو جامع اولیت عطا کی جائے جو آپ کی تکریم اور بلندی درجات میں اضافہ کا باعث ہے۔

(۴) انبیاء کرام کی حاضری کے مقام میں آپ کو قرب کی خصوصیات کے ساتھ مشرف کرنا۔

(۵) شفاعت اور مقام محمود کے ساتھ آپ کی تعریف کرنا اور اولین و آخرین کی مجالس میں صرف آپ کو سرداری عطا کرنا۔

(۶) ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں سعادت کے مدارج میں آپ کی ترقی اور اضافہ کے دن نیکی اور اس میں اضافہ کی اعلیٰ بلندیوں میں آپ کو بلندی عطا کرنا۔

### فصل نمبر ۱

اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ کے وصال کے ذریعے آپ پر اپنی نعمتوں کو مکمل کرنا اور آپ کو اپنے ہاں جنت میں منتقل کرنا

جان لو! اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں اپنی تائید کی رسی میں ملائے اور اپنی مہربانی سے ہمیں اپنی توفیق اور درنگی عطا کرے اس فصل کا مضمون پلکوں سے آنسو گراتا اور غموں کے باعث مصائب و آلام کو کھینچتا ہے اور غم کی آگ کو ایمان والوں کے جگروں پر کھلاتا ہے۔

### سورۃ النصر کا نزول

جان لو! جب موت طبعی طور پر ناپسند ہوتی ہے کیونکہ اس میں شدت اور بہت بڑی مشقت ہے تو کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اسے اختیار نہیں دیا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ کو آپ کی عمر کے پورا ہو جانے اور وفات کا وقت قریب آنے کی خبر سورۃ ”اذا جاء نصر اللہ والفتح“ (جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ جائے اور فتح) کے نزول کے ذریعے دی گئی۔ کیونکہ اس سورت سے مراد یہ ہے کہ



اے محمد! (ﷺ) جب اللہ تعالیٰ آپ پر شہروں کو فتح فرمائے گا اور لوگ آپ کے دین میں جس کی طرف آپ ان کو بلائیں گے فوج در فوج داخل ہوں گے تو آپ کا وصال قریب ہوگا۔

پس آپ ہماری تعریف کرنے اور استغفار کرنے کے ذریعے ہماری ملاقات کے لئے تیار ہو جائیں کیونکہ جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا تھا اس کا مقصود آپ سے حاصل ہو گیا کہ آپ نے اپنے رب کا پیغام ادا کر دیا اور پہنچا دیا اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے پس آپ ہماری طرف منتقل ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

کہا گیا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو قربانی کے دن نازل ہوئی جب نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے بعد آپ اکیاسی (۸۱) دن زندہ رہے (یعنی ظاہری زندگی کے ساتھ زندہ رہے ورنہ آپ آج بھی زندہ ہیں۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ابن ابی حاتم کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اس طرح ہے کہ اس کے بعد آپ نوراتیں زندہ رہے حضرت مقاتل سے سات راتیں اور بعض دوسرے حضرات سے تین راتیں منقول ہیں۔

حضرت ابو یعلیٰ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کرتے ہیں کہ یہ سورۃ حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے درمیان میں نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اب رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

داری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ جب ”اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ“ (سورت) نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا: مجھے اپنے وصال کی خبر دی گئی ہے پس وہ رونے لگیں آپ نے فرمایا نہ روؤ تم میرے اہل میں سے سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی ہو اس پر وہ ہنس پڑیں۔

طبرانی نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: جب ”اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ“ (سورت) نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ کو وصال کی خبر دی گئی پس آپ نے آخرت کے بارے میں پہلے سے زیادہ کوشش شروع کر دی۔

طبرانی نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا مجھے اپنے وصال کی خبر دی گئی ہے؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا:

وَلَا خَيْرَ لَكَ مِنَ الْاُولٰٓئِ (الضحیٰ: ۴) اور آپ کے لئے پچھلی گھڑی (آخرت) پہلی گھڑی (دنیا) سے بہتر ہے۔

ایک حدیث میں جسے ابن رجب نے ”الطائف“ (اس کتاب کا مکمل نام لطائف المعارف ہے) میں ذکر کیا ہے یوں ہے کہ آپ عبادت کرتے حتیٰ کہ پرانے مشکیزے کی طرح ہو گئے۔ ۱ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۵۵۴)

۱ امام زرقانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس حدیث کی حالت کو بہتر جانتا ہے جب کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ آپ نے اس حالت تک نماز نہیں پڑھی اگرچہ آپ عبادت میں انتہائی درجہ کوشش فرماتے تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۵۰)



نبی اکرم ﷺ ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تو اس سال دو مرتبہ دور کیا اور آپ ہر سال رمضان شریف کے آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھتے تھے تو اس سال بیس دن اعتکاف فرمایا اور ذکر و استغفار میں اضافہ فرمایا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا آخری طریقہ یہ تھا کہ آپ اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے یوں پڑھتے:

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ  
اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

(فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا آپ ایسی دعا مانگ رہے جو اس سے پہلے آپ نے نہیں مانگی آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے بتایا ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں اپنی وفات کی نشانی دیکھوں گا اور یہ کہ جب میں اسے دیکھوں تو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کروں اور اس سے بخشش طلب کروں پھر آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی۔  
اس حدیث کو ابن جریر اور ابن خزیمہ نے روایت کیا اور ابن مردویہ نے حضرت مسروق کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

### زندہ اور فوت شدہ سے رخصت ہونا

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوہ احد کے شہداء پر آٹھ سال بعد اس طرح نماز پڑھی جس طرح زندہ اور فوت شدہ کو رخصت کرنے والے ہوں پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: میں تم سے آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں میری اور تمہاری ملاقات کی جگہ حوض (حوض کوثر) ہے اور میں اسے اپنے اس مقام سے دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں اور مجھے اس کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا سے سخت محبت کرو گے (حتیٰ کہ ایک دوسرے سے لڑو گے)۔ (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۴ شرح السنن ج ۴ ص ۳۹)

بعض حضرات نے یہ اضافہ کیا کہ تم آپس میں لڑ کر ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ وہ اسے دنیا کی تازگی (زینت) سے جو چاہے عطا کرے اور وہ اسے اختیار کرے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اسے اختیار کرے تو اس (بندے) نے اس چیز کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے“ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے باپ اور ہماری مائیں آپ پر

۱۔ یہ حدیث اہل سنت و جماعت کے مسلک کو واضح کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے وصال کا پہلے علم ہو چکا تھا امت کے مستقبل کا علم بھی آپ کو عطا کیا گیا اور آپ نے واضح فرمایا کہ یہ امت مجموعی طور پر شرک میں مبتلا نہیں ہوگی لہذا امت کے سوا داء عظیم کے معمولات کو شرک قرار



فدا ہوں راوی فرماتے ہیں: ہمیں ان کی بات پر تعجب ہوا اور صحابہ کرام نے کہا اس شیخ کی طرف دیکھو نبی اکرم ﷺ ایک بندے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار دیا کہ وہ دنیا کی تروتازگی کو حاصل کرے یا اس کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور یہ فرما رہے ہیں ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

حضرت ابوسعید فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہی کو اختیار دیا گیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بات کو ہم سب سے زیادہ جانتے تھے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صحبت و مال کے اعتبار سے مجھ پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ حضرت ابوبکر کا احسان ہے اور اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ لیکن (ان کے ساتھ) اسلامی اخوت (بھائی چارہ) ہے مسجد میں کوئی کھڑکی باقی نہ رہے مگر بند کی جائے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے (وہ کھلی رہے)۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت جناب رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے وصال سے پانچ راتیں پہلے یہ بات فرمائی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس رمز کو سمجھ گئے جس کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اشارہ کیا اس کا قرینہ یہ تھا کہ آپ نے اپنی مرض الموت میں اس کا ذکر کیا تو اس سے ان کو معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ اپنی ذات مراد لے رہے ہیں اسی لئے آپ رو پڑے۔

نبی اکرم ﷺ اپنی عمر کے آخری حصے میں مسلسل اپنے وصال کے قرب کا ذکر فرماتے رہے جب آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا تو لوگوں سے فرمایا:

خذو عني مناسككم فلعلي لا الفاكم بعد  
میں تم سے نہ ملوں۔  
عامی هذا۔

اور آپ لوگوں کو رخصت کرنے لگے اسی لئے ان لوگوں نے اسے حجۃ الوداع قرار دیا۔

اور جب نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع سے مدینہ طیبہ کی طرف واپس تشریف لائے تو ایک پانی پر جسے خماء (غدير خم) کہا جاتا اور مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے درمیان راستے میں ہے لوگوں کو جمع کر کے انہیں خطبہ دیا اور فرمایا:

اے لوگو! میں (بظاہر) تمہاری طرح انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا پیغام رساں آ جائے تو میں اس کے حکم کو قبول کر لوں۔ پھر آپ نے قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑنے کی ترغیب دی اور اپنے اہل بیت کے بارے میں وصیت فرمائی۔ (معجم ماہستغیم ج ۲ ص ۵۱۰)

۱۔ خلیل اسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنی مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرے اور اس پر اعتماد کرے تو حضور ﷺ نے بتایا کہ میرا خلیل اللہ تعالیٰ ہے جس پر میرا اعتماد اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے اگر انسانوں میں سے کسی کو خلیل بنایا ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب پر ترجیح ہوتی اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مسجد کی نگرانی اور اس سے زیادہ رابطہ کے لئے آپ کے مکان کی کھڑکی کھلی رکھنے کی اجازت دی گئی۔ ۱۲ ہزار روپی



## حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حافظ ابن رجب نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے مرض کا آغاز صفر المظفر کے آخری دنوں میں ہوا اور مشہور قول کے مطابق آپ کی علالت تیرہ دن رہی۔

اور آپ نے جو خطبہ دیا جس کا حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے اس علالت کے آغاز میں تھا جس میں آپ کا وصال ہوا جس طرح امام دارمی نے روایت کیا کہ آپ نے سر پر کپڑے کا ایک ٹکڑا باندھا ہوا تھا حتیٰ کہ آپ منبر کی طرف تشریف لائے اور اس پر بیٹھ گئے پھر فرمایا:

والذی نفسی بیدہ انی لانظر الی الحوض  
اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری  
من مقامی هذا۔  
جان ہے میں حوض کو اپنے اس مقام سے دیکھ رہا ہوں۔

پھر فرمایا کہ ایک بندے پر دنیا پیش کی گئی (آخر تک) پھر آپ اتر آئے پس آپ کو اس کے بعد منبر پر نہ دیکھا گیا حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

جب آپ نے منبر پر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو دنیا میں رہنے پر پسند کیا اور وضاحت نہ فرمائی تو بہت سے سامعین پر یہ معنی مخفی رہا اور سوائے ان کے جن کو آپ کی صحبت سے زیادہ حصہ ملا اور وہ غار (ثور) میں دو میں سے دوسرے تھے اور مقاصد رسول ﷺ کو امت میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے کسی دوسرے کو آپ کے مقصود کی سمجھ نہ آئی جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس اشارے سے مقصد کو سمجھ گئے تو رونے لگے اور عرض کیا کہ ہمارے مال ہماری جانیں اور ہماری اولاد آپ پر قربان ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے ان کی بے صبری اور پریشانی پر ان کو تسکین دی اور منبر پر ہی ان کی تعریف فرمانے لگے تاکہ سب لوگوں کو ان کی فضیلت کا علم ہو جائے اور ان کی خلافت میں کوئی اختلاف نہ ہو پس آپ نے فرمایا:

ان امن الناس علی فی صحبته و مالہ  
ابو بکر (رضی اللہ عنہ)  
بے شک اپنی صحبت و مال کے ذریعے مجھ پر سب  
لوگوں سے زیادہ احسان کرنے والے حضرت ابو بکر ہیں۔  
پھر فرمایا:

لو كنت متخذاً من اهل الارض خليلاً  
لا اتخذت ابا بکر خليلاً ولكن اخوة الاسلام.  
اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو  
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا لیکن (ان  
سے) اخوت اسلامیہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے یہ بات درست نہ تھی کہ مخلوق کو خلیل بناتے کیونکہ خلیل وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ اس کے خلیل کی صحبت روح کی طرف جاری ہوتی ہے اور یہ کسی انسان کے لئے درست نہیں جس طرح کہا گیا ہے:

قد تخللت مسلک الروح منی۔  
وبذا سمی الخلیل خلیلاً

”میری روح کی طرح تیری محبت داخل ہے اسی لئے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔“

نبی اکرم ﷺ نے اسلامی اخوت کو ثابت کیا پھر فرمایا:



مسجد کی طرف کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کھڑکی باقی رہے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کے بعد وہی (مسلمانوں کے) امام ہوں گے کیونکہ امام ہی مسجد کے ساتھ رہائش اور اس میں راستے کا حاجت مند ہوتا ہے دوسرے لوگوں کے لئے یہ بات نہیں اور یہ مسلمان نمازیوں کے مصالح میں سے ہے۔ پھر آپ نے اس بات کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا کہ ارشاد فرمایا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو آپ نے ان کو نماز کی امامت سپرد فرمائی اسی لئے صحابہ کرام نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو کیا ہم اپنی دنیا کے لئے ان کو پسند نہ کریں۔

### نبی اکرم ﷺ کی علالت کا آغاز

آپ کی علالت کا آغاز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا جس طرح حضرت معمر کی روایت سے ثابت ہے اور وہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں۔

ابو معشر کی سیرت میں ہے کہ آپ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تھے اور سلیمان تیمی کی سیرت میں ہے کہ آپ حضرت ریحانہ کے گھر تھے پہلی بات پر اعتماد ہے (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہونا)۔ خطاب نے کہا کہ آپ کی علالت کا آغاز سوموار کے دن ہوا ایک قول کے مطابق ہفتہ کے دن ہوا۔ حاکم ابو احمد نے بدھ کے دن کا ذکر کیا اور مدت علالت میں اختلاف زیادہ سے زیادہ تیرہ دن ہے کہا گیا کہ چودہ دن ہیں اور بارہ کا قول بھی ہے یہ دونوں قول ”الروضہ میں“ مذکور ہیں اور دوسرے قول کا پہلے ذکر کیا یہ بھی کہا گیا کہ دس دن ہیں سلیمان تیمی نے ”اپنی مغازی میں“ اس پر اعتماد کیا اور امام بیہقی نے اسے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا۔

### حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

”صحیح بخاری میں ہے“ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ جب نبی اکرم ﷺ کی طبیعت بوجھل ہو گئی اور بیماری نے شدت اختیار کر لی تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے اجازت طلب فرمائی کہ آپ بیماری کے ایام میرے گھر میں گزاریں پس آپ تشریف لائے اس حال میں کہ آپ دو آدمیوں کے درمیان تھے پاؤں مبارک زمین پر گھسیٹتے ہوئے جارہے تھے ایک طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب تھے اور دوسری طرف کوئی دوسرے شخص تھے۔

حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ (بن عباس) رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان کرتی ہیں تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ دوسرا شخص کون تھا جس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے نام نہیں لیا؟ انہوں نے عرض کیا میں نہیں جانتا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت فضل بن عباس اور ایک دوسرے شخص کے درمیان تشریف لائے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان دو میں سے ایک حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ دارقطنی کے نزدیک حضرت اسامہ



اور حضرت فضل بن عباس (رضی اللہ عنہم) تھے۔

ابن حبان کے نزدیک ایک روایت میں بریرہ اور ثویہ کا ذکر ہے تو یہ میں نون پر پیش ہے اور اس کے بعد واؤ ہے کہا گیا ہے کہ یہ لوٹڈی کا نام ہے کہا گیا کہ غلام ہے۔

ابن سعد نے ایک اور سند سے ذکر کیا کہ حضرت فضل اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما کے درمیان تشریف لائے۔ اگر یہ تمام روایات ثابت ہوں تو ان کو یوں جمع کیا جائے گا کہ آپ کا تشریف لانا کئی بار ہوا لہذا جن لوگوں کے سہارے آپ تشریف لائے وہ بھی متعدد تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا: مجھے تمام گھروں میں جانے کی طاقت نہیں اگر تم چاہو تو مجھے اجازت دے دو۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فرما رہے تھے کل میں کہاں ہوں گا؟ کل میں کہاں ہوں گا؟ تو آپ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی۔ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زہری سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے یہ بات امہات المؤمنین سے فرمائی تھی انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ایک حجرے سے دوسرے حجرے تک جانا مشکل ہے۔

ابن ابی ملیکہ کی روایت میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کے گھر میں سوموار کے دن تشریف لائے اور آپ کے وصال اس کے بعد دوسرے سوموار کو ہوا۔

ابن ابی شیبہ نے مرسل ابی جعفر کے حوالے سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کل میں کہاں ہوں گا؟ آپ نے یہ بات دوبار فرمائی تو آپ کی ازواج مطہرات سمجھ گئیں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (کے گھر) کا ارادہ فرماتے ہیں پس انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے اپنی باری کے دن اپنی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہہ کر دیئے ہیں۔

اسماعیلی نے نقل کیا حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی حرص فرماتے ہوئے پوچھا کہ کل میں کہاں ہوں گا؟ وہ فرماتی ہیں جب میری باری کا دن آیا تو (دیگر) ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی کہ آپ علالت کے دن میرے گھر میں گزاریں (یا آپ کی تیمار داری میرے گھر میں ہو)۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن ایک جنازہ سے (فارغ ہو کر) جنت البقیع سے تشریف لائے اور میرے سر میں درد تھا اور میں کہہ رہی تھی ”ہائے میرا سر“ تو آپ نے فرمایا بلکہ ”میں اور یہ سر“ (یعنی اس سے تمہاری موت واقع نہ ہوگی)۔ پھر فرمایا تمہیں کوئی نقصان نہیں اگر تمہارا انتقال مجھ سے پہلے ہوا تو میں تمہیں غسل دوں گا، کفن پہناؤں گا اور تیرا نماز جنازہ پڑھ کر دفن کروں گا، انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ میرے گھر کی طرف واپس تشریف لے جائیں گے اور اس میں اپنی کسی زوجہ کا قرب حاصل کریں گے اس پر نبی اکرم ﷺ مسکرائے پھر آپ کے درد کا آغاز ہو گیا جس میں آپ کا وصال ہوا۔ (صحیح البخاری رقم



”صحیح بخاری میں ہے کہ“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”ہائے میرا سر“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر اس طرح ہوا (یعنی تمہارا وصال ہوا) اور میں زندہ ہوا تو عنقریب تمہارے لئے بخشش مانگوں اور دعا کروں گا“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہائے موت! میرا خیال ہے کہ آپ میری موت کو پسند کرتے ہیں اگر ایسا ہوا تو آپ میری موت کے دن اپنی کسی زوجہ کے قریب جائیں گے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بلکہ میں کہتا ہوں ہائے میرا سر! میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں کسی کو حضرت ابو بکر صدیق اور ان کے بیٹے (رضی اللہ عنہما) کی طرف بھیجوں اور خلافت کی وصیت کروں کہ کہنے والے نہ کہیں یا تمنا کرنے والے تمنا نہ کریں (یعنی کوئی یہ بات نہ کہے کہ خلافت میرے لئے ہے یا اس کی تمنا نہ کرے) پھر میں نے کہا اللہ تعالیٰ (کسی اور کی خلافت کو) نہیں مانے گا اور مومنین بھی انکار کریں گے (حدیث میں ”یابہی“ اور ”یدفع“ کے الفاظ ہیں اور راوی کو شک ہے کہ یابہی کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا گیا اور ”یدفع“ کی نسبت مومنوں کی طرف کی یا اس کے برعکس کیا)۔

اور آپ کا فرمانا: ”ہائے میرا سر“ تو یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتانا تھا کہ تمہارے سر میں جو درد ہے اس کو چھوڑ کر میری طرف مشغول ہو جاؤ۔

سوال: اس بات پر اتفاق ہے کہ بندے کی طرف سے پریشانی کا شکوہ مکروہ ہے، امام احمد نے ”الزہد“ میں حضرت طاؤس سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں مریض کا رونا شکوہ ہے اور ابو الطیب ابن الصباغ اور شافعی حضرات کی ایک جماعت نے مریض کے آہ بھرنے کو قطعی طور پر مکروہ قرار دیا۔ (مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۶۱۱۳، العلل المتباہیہ ج ۲ ص ۳۸۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۷۰۵)۔

جواب: امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کا رد کیا اور فرمایا یہ ضعیف یا باطل ہے کیونکہ مکروہ وہ بات ہوتی ہے جس میں مخصوص نہی ثابت ہو اور اس میں وہ ثابت نہیں ہے پھر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ثابت کیا پھر فرمایا شاید ان حضرات نے کراہت سے خلاف اولیٰ مراد لیا ہو اور اس میں شک نہیں کہ ذکر میں مشغول ہونا اولیٰ ہے۔

”فتح الباری میں“ فرمایا کہ شاید ان حضرات نے اس کا معنی مراد لیا ہو یعنی زیادہ شکوہ یقین کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے اور قضاء پر ناراض ہونے کی خبر دیتا ہے نیز دشمن کے خوش ہونے کا باعث ہے لیکن مریض کے اپنے دوست یا معالج کو اپنی حالت کی خبر دینے میں بالاتفاق کوئی حرج نہیں پس درد کا ذکر شکایت نہیں۔

کتنے ہی لوگ خاموش ہوتے ہیں لیکن وہ ناراض ہوتے ہیں اور کتنے ہی شکوہ کرنے والے راضی ہوتے ہیں لہذا اس سلسلے میں دار و مدار دل کے عمل پر ہے زبان کے بولنے پر نہیں یہ اتفاقی بات ہے۔

جیسا کہ ”اللطائف میں“ آگاہ کیا گیا یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی علالت کا آغاز دوسرے ہوا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بخار کے ساتھ تھا کہ آپ کی علالت کے دوران سخت بخار تھا۔ پس آپ (پانی کے) ٹب میں بیٹھتے اور آپ پر سات مشکیزوں سے پانی ڈالا جاتا جن کی ڈوریاں کھولی نہ جاتیں آپ اس سے ٹھنڈک حاصل کرتے۔

”صحیح بخاری میں ہے“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ جب میرے گھر میں داخل ہوئے اور آپ کا درد بڑھ گیا تو فرمایا مجھ پر سات مشکیزے انڈیل دو جن کی ڈوریاں کھولی نہ گئی ہوں (یعنی بھرے ہوئے ہوں) شاید میں لوگوں کو کچھ وصیت کروں پس ہم نے آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ایک ٹب میں بٹھایا پھر ہم آپ پر ان مشکیزوں سے پانی ڈالنے لگیں حتیٰ کہ آپ اپنے ہاتھ سے ہماری طرف اشارہ کرنے لگے کہ تم نے اپنا کام مکمل کر



دیا (اب بس کرو)۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱ اتحاد النادۃ المتقین ج ۱ ص ۱۰ ص ۲۷۸ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۳۳)  
کہا گیا ہے کہ اس گنتی میں حکمت یہ ہے کہ اس میں زہر اور جادو کے ضرر کو دور کرنے کی خاصیت ہے۔ ان شاء اللہ  
عنقریب آئے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

هذا وان انقطاع ابهری۔  
یہ میری رگ جان کٹنے کا وقت ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱ التعلیق رقم الحدیث: ۱۱۹۱ اطب النبوی رقم الحدیث: ۱۵۳)

یعنی اس زہر سے (جو خیر میں) آپ کو دیا گیا۔

جو لوگ کتے کے جھوٹے کونا پاک نہیں مانتے انہوں نے اس سے استدلال کیا اور یہ خیال کیا کہ اس برتن کو سات  
مرتبہ دھونے کی وجہ اس زہر کو دور کرنا ہے جو اس (کتے) کے تھوک میں ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ پر ایک مخملی چادر تھی اور جو شخص اس (چادر) کے اوپر سے ہاتھ لگاتا اسے گرمی محسوس ہوتی آپ سے  
اس سلسلے میں کہا گیا تو فرمایا ہمارا (انبیاء کرام) کا یہی معاملہ ہے ہم پر آزمائش سخت ہوتی ہے اور ہمارے لئے اجر دو گنا  
ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے فرمایا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ سب  
روایات حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ کسی پر درد کی زیادہ سختی نہیں دیکھی۔

حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر  
ہوا تو آپ کا جسم گرم تھا میں نے عرض کیا آپ کو تو سخت بخار ہے فرمایا ہاں مجھے تم میں سے دو آدمیوں کے (بخار) برابر بخار  
ہوتا ہے میں نے عرض کیا یہ اس لئے کہ آپ کے لئے دواجر ہیں؟ فرمایا ہاں یہ اس کے مقابلے میں ہے (فرمایا) جس  
مسلمان کو کانٹے کی تکلیف یا اس سے زیادہ پہنچے تو اللہ اس کے بدلے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے جس طرح درخت سے  
اس کے پتے گرتے ہیں۔

(اس حدیث میں الوعک کا لفظ آیا ہے) اور ”وعک“ میں واو پر زبر ہے اور عین ساکن ہے اور کبھی کبھی اس کو  
زبر بھی دیتے ہیں اس کا معنی بخار ہے یہ بھی کہا گیا کہ بخار کی تکلیف مراد ہے ایک قول یہ ہے کہ بخار والے کا کانپنا اور اس کو  
حرکت دینا مراد ہے اُصمعی سے منقول ہے کہ ”وعک“ گرمی کو کہتے ہیں پس اگر لغوی اعتبار سے یہ معنی محفوظ ہو تو شاید  
بخار کو اس کی گرمی کی وجہ سے ”الوعک“ کہا جاتا ہے۔

۱۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص صبح کے وقت سات عجمہ (عمدہ) کھجوریں کھائے اس دن اس کو زہر اور جادو نقصان نہیں دے گا ”سنن نسائی میں  
ہے کہ“ مصیبت زدہ پر سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے اور ”صحیح مسلم میں ہے کہ“ جس شخص کو درد ہو وہ سات مرتبہ پڑھے ”اعوذ بعزۃ  
اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحذر اللہ تعالیٰ کی عزت وقدرت کے ساتھ اس چیز کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جسے پاتا ہوں اور جس کا  
مجھے ڈر ہے“ اور ”سنن نسائی میں ہے کہ“ جس مریض کی موت کا وقت نہ آیا ہو اس کے پاس سات مرتبہ پڑھا جائے ”اسأل اللہ العظیم  
رب العرش العظیم ان یشفیک“ میں عظمت والے اللہ تعالیٰ اور عرش عظیم کے رب سے سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء عطا کرے (تو  
اسے شفا مل جاتی ہے)۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۵۸)



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے جو بھی تکلیف پہنچے وہ مجھے بخار سے زیادہ پسند نہیں ہے یہ انسان کے ہر جوڑ میں داخل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر جوڑ کو اجر میں سے اس کا حصہ عطا کرتا ہے۔

امام نسائی نے حضرت فاطمہ بنت یمان جو حضرت حذیفہ کی بہن ہیں سے روایت کیا اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا وہ فرماتی ہیں میں کچھ عورتوں کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہم آپ کی عیادت کے لئے آئی تھیں تو وہاں ایک مشکیزے سے آپ پر پانی ڈالا جا رہا تھا کیونکہ آپ کو سخت بخار تھا آپ نے فرمایا لوگوں میں سے سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کرام (علیہم السلام) کی ہوتی ہے پھر جو (درجہ کے اعتبار سے) ان سے ملے ہوئے ہیں۔ ۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے لکڑی کا بڑا پیالہ یا چمڑے کا برتن تھا جس میں پانی تھا آپ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرے پر ملتے تھے۔ آپ فرماتے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنِّي لِلْمَوْتِ مَسْكِرَاتٍ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور موت کی سختیاں (صحیح بخاری و مسلم) ہیں۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے خیبر میں جو کھانا کھایا تھا اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا ہوں تو یہ وہ وقت ہے جس میں اس زہر کی وجہ سے میری ”رگ جان کٹ رہی ہے“۔

ایک روایت میں ہے کہ ”ما زالت اكلة خيبر تعادني“ خیبر میں جو لقمہ کھایا ہے اس کا اثر بار بار لوٹ کر آتا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۸۹، الکامل ج ۳ ص ۱۲۳۹)

الاکلة۔ ہمزہ پر پیش ہے وہ لقمہ جو آپ نے (زہری ہوئی) بکری سے کھایا تھا بعض راویوں نے ہمزہ پر زبر پڑھی یہ لیکن غلط ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک لقمہ کھایا تھا (اور وہ فعلۃ کا وزن ہے) یہ بات ابن اشیر نے کہی ہے۔ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس بکری کے زہر نے جو ایک یہودیہ نے آپ کو ہدیہ کے طور پر پیش کی تھی رگ جان کاٹ دی یہ زہر کبھی کبھی جوش مارتا تھا۔

”الابھر“ وہ رگ ہے جو پیٹھ کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے اور دل سے جا ملتی ہے جب وہ کٹ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن مسعود اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال اس زہر کی وجہ سے بطور شہادت ہوا ہے۔

”صحیح بخاری میں بھی ہے“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو معوذات ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ“ پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے اور اپنے ہاتھ کو (جسم پر) ملتے جب وہ تکلیف ہوتی جس میں آپ کا وصال ہوا تو میں وہ معوذات پڑھتی جو آپ پھونکتے تھے اور آپ کے مبارک ہاتھ کو (آپ کے جسم پر) پھیرتی تھی۔

۱۔ امام قرطبی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے منتخب بندوں کو آزمائے تاکہ ان کے فضائل کو مکمل کرے اور ان کے درجات کو بلند کرے یہ آزمائش ان کے حق میں نقصان یا عذاب نہیں بلکہ جب وہ اس پر راضی ہوتے ہیں تو ان کو کمال درجہ کی بلندی عطا فرماتا ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۵۹-۲۶۰)



امام مالک کی روایت میں ہے کہ میں آپ کے ہاتھ کو ملتی تھی اور اس کی برکت کی امید رکھتی تھی۔  
 ”صحیح مسلم میں ہے کہ“ جب نبی اکرم ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو میں آپ پر پھونکتی اور آپ کے دست مبارک کو (آپ کے جسم پر) ملتی کیونکہ میرے ہاتھ کی نسبت اس کی برکت زیادہ تھی۔

تینوں سورتوں کو معوذات تغلیباً فرمایا (کیونکہ دو میں تعوذ ہے (لفظ اعوذ) لہذا تینوں کو معوذات کہہ دیا)۔  
 ”صحیح بخاری میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے آپ کو اپنے سینے کا سہارا دے رکھا تھا، حضرت عبدالرحمن کے پاس تازہ مسواک تھی جسے وہ استعمال کر رہے تھے نبی اکرم ﷺ مسلسل اسے دیکھ رہے تھے تو میں نے مسواک لے کر اسے توڑا اور اسے پانی کے ساتھ نرم کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس سے مسواک کی پس میں نے آپ سے زیادہ اچھی طرح مسواک کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(حدیث شریف میں ”فابده رسول اللہ بصرہ“ کے الفاظ ہیں) تو ابد میں دال مشدد ہے یعنی آپ نے اس کی طرف نظر کو بڑھایا۔

(فقضمتہ) میں ضاد کے نیچے زیر ہے یعنی اسے توڑا کیونکہ وہ لمبی تھی نیز اس جگہ کو دور کرنے کے لئے جہاں سے حضرت عبدالرحمن مسواک کر رہے تھے ”ثم طیبته میں نے اسے پانی کے ساتھ نرم کیا“۔

”صحیح بخاری ہی کی“ ایک روایت میں ہے ام المؤمنین فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو انعام کیا اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب اور آپ کے لعاب کو جمع کیا۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں مسواک تھی نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے ٹیک لگا رکھی تھی میں نے دیکھا کہ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کرنا پسند کرتے ہیں میں نے کہا آپ کے لئے لوں؟ تو آپ نے سرانور سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ گزرے اور آپ کے ہاتھ میں ایک تازہ شاخ تھی نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف دیکھا تو میں سمجھ گئی کہ آپ کو اس کی ضرورت ہے پس میں نے اسے لیا اور اس کے کنارے کو چبایا اور اس کو توڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اس سے نہایت اچھے طریقے سے مسواک فرمائی جس طرح آپ مسواک کیا کرتے تھے پھر آپ مجھے پکڑانے لگے تو وہ آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب اور آپ کے لعاب کو آپ کے دنیا میں آخری اور آخرت کے ایام میں سے پہلے دن جمع فرمایا۔

ایک حدیث جسے حضرت عقیلی نے نقل کیا اس میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیماری کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میرے پاس تر مسواک لاؤ پھر اسے چبا کر مجھے دو اور چبانے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارا اور میرا لعاب جمع ہو جائے تاکہ موت کے وقت مجھ پر آسانی ہو۔ ۱۔ (اتحاف السادة المستعین ج ۱۰ ص ۲۸۸)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب انبیاء کرام علیہم السلام کو موت ناپسند ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اسے ۱۔ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی محبت اور ام المؤمنین کی عظمت واضح ہے۔ ابن عساکر کے نزدیک یوں ہے کہ آپ نے فرمایا میں موت کی پرواہ نہیں کرتا جب سے مجھے معلوم ہوا کہ جنت میں تم میری بیوی ہوگی۔ (زر قانی ج ۸ ص ۲۶۲)



اپنی ملاقات اور ہر اس چیز کے ذریعے آسان کر دیا جسے وہ پسند کرتے تھے وہ کوئی تحفہ ہو یا اعزاز، حتیٰ کہ ان میں کسی ایک کی روح ان کے پہلو سے نکلتی ہے اور وہ اس مثال کی وجہ سے پسند کرتے ہیں جو ان کے سامنے پیش کی گئی۔

”مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر موت آسان ہوگی کیونکہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہتھیلی کی سفیدی جنت میں دیکھی۔

ابن سعد وغیرہ نے مرسل حدیث کے طور پر نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے ان (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کو جنت میں دیکھا حتیٰ کہ اس وجہ سے میرے لئے موت آسان ہوگئی گویا میں ان کی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی) ہتھیلیاں دیکھ رہا ہوں۔

نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے حتیٰ کہ ان سے صبر نہ کر سکتے پس آپ کے سامنے جنت میں ان کی مثالی صورت پیش کی گئی تاکہ آپ کا وصال آسان ہو کیونکہ محبوب لوگوں کے جمع ہونے سے زندگی اچھی ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ فرمایا: (حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا مردوں میں سے؟ فرمایا: ان کے باپ سے۔

اسی لئے آپ کی بیماری کے آغاز میں جب ام المؤمنین نے کہا ”واراسا ہائے میرا سر پھٹا جا رہا ہے“ تو آپ نے فرمایا: کہ تمہارا وصال میری زندگی میں ہو اور میں تمہاری نماز جنازہ پڑھوں اور تمہیں دفن کروں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ بات گراں گزری اور انہوں نے خیال کیا کہ آپ ان کی جدائی کو پسند کرتے ہیں جب کہ نبی اکرم ﷺ ان کا جلدی وصال چاہتے تھے تاکہ ان کا جمع ہونا قریب ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ مرض الموت کے وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس سات دینار تھے آپ نے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی حاضرین آپ کی تکلیف کی طرف مشغول ہو گئے تو آپ نے ان دیناروں کو ہاتھ میں رکھتے ہوئے فرمایا:

ما ظن محمد برہ لو لقی الله وعنده هذه. حضرت (محمد) ﷺ کا اپنے رب کے بارے میں

کیا گمان ہوگا اگر وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں کہ یہ دینار ان کے پاس ہوں؟!

پھر آپ نے ان کو صدقہ کر دیا۔

دیکھو جب تمام رسولوں کے سردار اور تمام جہانوں کے پروردگار کے محبوب جن کے سبب سے اگلوں پچھلوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں (اور آپ معصوم ہیں) ان کا یہ حال ہے تو وہ لوگ جن کے ذمہ مسلمانوں کے حرام خون اور حرام مال ہیں تو وہ اپنے رب سے کیسے ملاقات کریں گے اور ان کا اپنے رب کے بارے میں کیا گمان ہوگا؟

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے سرگوشی

”صحیح بخاری میں“ حضرت عروہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ

آپ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے یوں ملاقات ہو کہ دنیا کا مال آپ کے ذمہ نہ ہو۔ ۱۲ ہزار روپی



نے اس علالت کے دوران جس میں آپ کا وصال ہوا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کچھ سرگوشی کی پس وہ رونے لگیں پھر ان کو بلا کر سرگوشی فرمائی تو وہ ہنس پڑیں ہم نے ان سے اس سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کی کہ اس تکلیف میں جس میں آپ کا وصال ہوا، آپ کی روح قبض کی جائے گی پس میں رونے لگی پھر مجھ سے سرگوشی فرمائی اور بتایا کہ آپ کی اہل میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے جاؤں گی (یعنی وصال ہوگا) تو میں ہنس پڑی۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین فرماتی ہیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور وہ اس طرح چل رہی تھیں کہ گویا ان کی چال نبی اکرم ﷺ کے چلنے جیسی ہے آپ نے فرمایا: اے میری بیٹی! تیرا آنا مبارک پھر ان کو اپنی دائیں جانب یا بائیں جانب بٹھایا (راوی کو شک ہے) پھر ان سے سرگوشی فرمائی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹، سنن ابن ماجہ ۱۶۲۱، مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۲۹، اتحاف السادة المستقین ج ۷ ص ۱۸۵، ج ۱۰ ص ۲۹۶، دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۶۲، ج ۷ ص ۱۶۵، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۰، کشف الخفاء ج ۲ ص ۴۱۰)

ابوداؤد ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم (رحمہم اللہ) نے حضرت عائشہ بنت طلحہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، ام المؤمنین فرماتی ہیں: میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو بھی کھڑا ہونے اور بیٹھنے میں سکون و قار اور حسن سیرت کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا، جب وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے ان کو چومتے (پیشانی پر بوسہ لیتے) اور اپنی جگہ بٹھاتے اور جب آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ بھی اسی طرح کرتی تھیں، جب آپ بیمار ہوئے اور وہ حاضر ہوئیں تو وہ آپ پر جھک گئیں اور آپ کا بوسہ لیا۔

دونوں روایتوں میں اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے پہلی بار جو سرگوشی فرمائی وہ ان کو اس بات کی خبر دینا تھا کہ آپ اس بیماری کے دوران انتقال فرمائیں گے اور اس سرگوشی میں اختلاف ہے جس پر آپ ہنسنے لگی تھیں۔ تو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو یہ خبر دی تھی کہ آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے وہ (حضرت خاتون جنت) آپ سے ملیں گی اور حضرت مسروق کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس بات کی خبر دی تھی کہ وہ جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی اور ان کو نبی اکرم ﷺ کی اہل میں سے آپ سے ملنے والی سب سے پہلی شخصیت قرار دینا پہلی روایت کے ساتھ ملایا جائے اور یہی راجح قول ہے کیونکہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی حدیث کچھ اضافات پر مشتمل ہے جو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہیں ہیں اور وہ ثقہ یاد رکھنے والے راویوں میں سے ہیں۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت میں اضافہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ میں نے کہا آج کی طرح میں نے خوشی نہیں دیکھی جو غم کے زیادہ قریب ہو تو میں نے حضرت خاتون جنت سے پوچھا انہوں نے فرمایا میں نبی اکرم ﷺ کے وصال تک آپ کے راز کو فاش نہیں کروں گی پس میں نے ان سے پوچھا تو فرمایا نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے خفیہ طور پر فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا دور ایک بار کرتے تھے اور اس سال دوبار کیا



حضرت عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت خاتون جنت کا رونا اور ہنسا دیکھا تو فرمایا میرا خیال تھا کہ یہ خاتون سب عورتوں سے زیادہ عقل مند ہیں لیکن یہ تو عام عورتوں کی طرح ہیں (مطلب یہ کہ یہ رو بھی رہی ہیں اور ہنس بھی تو دونوں باتوں کو جمع کرنا بظاہر عجیب معلوم ہوا)۔

### واقعہ متعدد بھی ہو سکتا ہے

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں قطعی طور پر بتایا گیا کہ اسی درد میں نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا جب کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت اس کے برعکس ہے اس میں یہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے دور کا جو ذکر کیا ہے اس سے استنباط کے طریقے پر وصال کا گمان فرمایا۔

یہ بھی کہا گیا کہ دونوں حدیثیں ایک دوسرے کی نفی زائد الفاظ کی وجہ سے کرتی ہیں اور یہ بات ممنوع نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ان کو خبر دینا کہ آپ کے گھر والوں میں سے وہ سب سے پہلے آپ سے ملیں گی دونوں وجہ سے ان کے رونے اور ہنسنے کا سبب ہو پس دونوں راویوں میں سے ہر ایک نے وہ بات ذکر کی جو دوسرے نے نہیں کی۔

امام نسائی نے حضرت ابوسلمہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رونے کا سبب یوں ذکر کیا کہ آپ انتقال کرنے والے ہیں اور ہنسنے کا سبب دوسری دو باتیں ہیں۔ ۱۔

ابن سعد نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رونے کا سبب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہے اور ہنسنے کا باعث حضرت خاتون جنت کا آپ سے مل جانا ہے۔

طبرانی نے ایک اور طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ مومنوں کی عورتوں میں سے کوئی عورت تم سے بڑی مصیبت والی نہیں ہے پس تم صبر کرنے میں ان سے کم درجہ میں نہ ہونا۔

اس حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ جو عنقریب واقع ہونے والی تھا (اور یہ غیب کی خبر ہے) پس اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے حضرت خاتون جنت کا انتقال ہوا حتیٰ کہ آپ کی ازواج مطہرات سے بھی پہلے۔ (فتح الباری رقم الحدیث: ۴۳۳۳ ج ۸ ص ۱۷۲)

### نبی اکرم ﷺ نے دوائی دینے سے روک دیا

سخت درد کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ بار بار بے ہوش ہوتے اور پھر افاقہ ہو جاتا ایک بار بے ہوشی طاری ہوئی تو سب نے خیال کیا کہ یہ ذات الجنب (پہلو کا درد نمونیہ) ہے پس انہوں نے آپ کو دوائی پلائی تو آپ ان کو اشارہ کرنے لگے کہ آپ کو دوائی نہ پلائیں انہوں نے سوچا کہ شاید دوائی کو ناپسند کرتے ہیں جب افاقہ ہوا تو فرمایا کیا میں نے تمہیں دوائی پلانے سے منع نہیں کیا تھا عرض کیا اس لئے کہ بیمار آدمی دوائی لینا پسند نہیں کرتا؟ فرمایا گھر میں موجود ہر شخص کو میرے سامنے دوائی پلائی جائے سوائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کہ وہ تمہارے پاس موجود نہ تھے۔

۱۔ ایک یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے حضور ﷺ سے جا ملیں گی اور دوسری بات یہ کہ آپ جتنی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ ۱۲ ہزاروی



(نوٹ: یہ دوائی پلانا ان حضرات کی تادیب تھی تاکہ دوبارہ اس طرح نہ کریں)۔

حدیث میں ”السدود“ کا لفظ استعمال ہوا جس کا معنی یہ ہے کہ منہ کی ایک جانب سے دوائی پلائی جائے اور وہ جو حلق میں ڈالی جاتی ہے اس کو ”الوجود“ کہتے ہیں۔

”طبرانی میں“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے گٹھ کوزیتون میں ملا کر آپ کو پلایا۔

اور آپ کا یہ فرمانا کہ گھر میں کوئی باقی نہ رہے مگر اسے دوائی پلائی جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو جو ناپسندیدہ بات پہنچے اس کا بدلہ لینا جائز ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ان سب نے یہ عمل نہیں کیا تھا (لہذا قصاص نہیں تھا بلکہ) آپ نے ان کے ساتھ یہ عمل اس لئے اختیار کیا کہ انہوں نے آپ کے روکنے کی تعمیل نہ کی لہذا یہ سزا تھی۔ ابن عربی نے کہا آپ کا مقصد یہ تھا کہ قیامت کے دن وہ اس صورت میں نہ آئیں کہ ان کے ذمہ آپ کا حق ہو اور یوں وہ بہت بڑے گناہ میں پڑ جائیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ آپ ان کو معاف بھی تو کر سکتے تھے نیز آپ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے اور جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ان کو ادب سکھایا تاکہ آئندہ وہ ایسا نہ کریں لہذا یہ تادیب تھی قصاص یا انتقام نہیں تھا۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے دوائی لینا ناپسند کیا حالانکہ آپ دوائی استعمال کیا کرتے تھے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ اس بیماری میں آپ کا وصال ہوگا اور جس کے لئے یہ بات ثابت ہو جائے اس کے لئے دوائی لینا مکروہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات محل نظر ہے اور جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو (زندہ رہنے اور وفات کے درمیان) اختیار حاصل ہونے اور اس (موت) کے ثابت ہونے سے پہلے یہ واقعہ ہوا۔

آپ نے دوائی لینے سے اس لئے انکار کیا کہ وہ آپ کی بیماری کے موافق نہ تھی کیونکہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ ذات الجذب ہے حالانکہ یہ بیماری نہیں تھی جس طرح حدیث کے سیاق سے ظاہر ہے۔ ابن سعد کے نزدیک یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں درد تھا وہ سخت ہوا تو آپ بے ہوش ہو گئے پس انہوں نے دوائی پلا دی جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا: تمہارا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ذات الجذب (بیماری) مسلط کر دی ہے اللہ تعالیٰ اسے مجھ پر غلبہ نہیں دیتا اللہ کی قسم! گھر میں کوئی بھی باقی نہ رہے مگر اس کو دوائی پلائی جائے پس گھر میں کوئی بھی ایسا نہ رہا جس کو دوائی نہ پلائی گئی ہو اور ہم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی دوائی پلائی حالانکہ وہ روزہ دار تھیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۸۱)

(ظاہر ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نقلی روزہ تھا اور حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ان کو دوائی پلائی گئی اور انہوں نے یہ روزہ بعد میں قضا کر لیا ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ابو یعلیٰ نے ایک ضعیف سند کے ساتھ جس میں ابن لہیعہ ہے دوسرے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ذات الجذب سے ہوا ہے۔

دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا گیا کہ ذات الجذب کا اطلاق دو بیماریوں کے مقابل ہوتا ہے ایک بیماری ورم ہے جو چمڑے کے اندر چھپا ہوتا ہے اور دوسری بیماری ہوا ہے جو پسلیوں کے درمیان رکی ہوئی ہوتی ہے۔ یہاں پہلی قسم کی نفی ہے۔

اور حاکم نے ”مستدرک میں“ روایت نقل کی ہے کہ ذات الجذب شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور دوسری قسم یہاں



ثابت ہے اور یہ پہلی کی طرح ممنوع نہیں ہے۔

### وہ مکتوب جو لکھا نہ جاسکا

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ کے وصال کا وقت ہوا اور گھر میں کچھ مرد تھے تو آپ نے فرمایا: لاؤ میں تمہارے لئے کچھ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے ان میں سے بعض نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے تو اہل بیت (صحابہ کرام جو وہاں موجود تھے) میں اختلاف ہوا اور وہ جھگڑنے لگے ان میں سے بعض نے کہا آپ کے قریب کرو تاکہ آپ تمہارے لئے کچھ لکھ دیں اس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے اور بعض نے اس کے علاوہ کچھ کہا جب ان کی گفتگو اور اختلاف بڑھ گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اٹھ جاؤ حضرت عبید اللہ (ابن عبد اللہ) فرماتے ہیں پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کتنی بڑی مصیبت ہے جو ان کے اختلاف کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے لکھنے میں رکاوٹ بنی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۲)

### اختلاف کا جواز

مازری کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے لئے اس تحریر (لکھنے) میں اختلاف جائز تھا اس کے باوجود کہ آپ نے ان کو واضح طور پر حکم دیا تھا کیونکہ اوامر (احکام) کے ساتھ بعض اوقات ایسی باتیں مل جاتی ہیں جو ان کو وجوب سے پھیر دیتی ہیں گویا آپ سے ایسا قرینہ ظاہر ہوا جو اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ یہ حتمی حکم نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا پس صحابہ کرام کا اجتہاد مختلف ہو گیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب قرائن موجود تھے تو آپ نے رکنے کا پکا ارادہ فرمایا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے مضبوط ارادے کے ساتھ یہ حکم نہیں دیا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ”حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ“ (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) آپ کی فقہی قوت اور باریک بینی کی علامت ہے کیونکہ آپ کو اس بات کا ڈر تھا کہ کچھ ایسی باتیں لکھی جائیں جن سے لوگ عاجز ہوں تو وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اس لئے کہ وہ باتیں منصوص (صریح حکم) ہوں گی اور آپ نے ارادہ فرمایا کہ علماء پر اجتہاد کا دروازہ بند نہ ہو اور جب نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہ کیا تو یہ آپ کی بات کے درست ہونے کی طرف اشارہ تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ”حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ“ کہنا اس آیت کی طرف اشارہ تھا:

مَا فَرَّظْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸) ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔

اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے نہیں ٹکراتا جس میں آپ نے فرمایا کتنی بڑی مصیبت ہے جو نبی اکرم ﷺ کے لکھنے میں رکاوٹ بن گئی؟ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے قطعی طور پر بڑے فقیہ تھے اور یہ بھی نہ کہا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید پر اکتفا کیوں نہ کیا حالانکہ آپ قرآن مجید کے بہت بڑے عالم اور اس کی تفسیر و تاویل کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے کیونکہ آپ نے یہ بات اس بات پر افسوس کرتے



ہوئے فرمائی کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے واضح بیان فوت ہو گیا کیونکہ وہ اجتہاد سے زیادہ بہتر ہے۔ ۱۔

### حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام کو نماز پڑھانا

جب نبی اکرم ﷺ کی بیماری بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا ”مروا ابا بکر فلیصل بالناس حضرت ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں جب آپ کے مقام پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں سکیں گے آپ نے فرمایا ”ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں“ ام المؤمنین نے اپنی بات کو دہرایا تو آپ نے فرمایا ”انکن صواحبات یوسف تم حضرت یوسف علیہ السلام کی عورتوں جیسی ہو“ حضرت ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (صحیح بخاری و مسلم) ابو حاتم نے بھی روایت کیا اور الفاظ ان کے ہیں۔

(جمع کی ضمیر ذکر فرمائی لیکن مراد صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جس طرح صواحبات جمع ہے لیکن مراد صرف حضرت زلیخا ہیں۔ ۱۲ ہزاروی زرقانی ج ۸ ص ۲۶۶)۔

ایک روایت میں کہ ”ان ابا بکر رجل اسيف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غمگین شخص ہیں۔“ ”صحیح بخاری میں“ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمائیں کہ وہ نماز پڑھائیں فرماتی ہیں: میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کریں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں سکیں گے پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمائیں کہ وہ نماز پڑھائیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا رک جاؤ تم یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح ہو حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اس پر حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے کہا مجھے آپ سے بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ ۲ (المصدر السابق رقم الحدیث: ۶۷۹)

”الاسيف“ فاعیل کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے اور الاسف سے بنا ہے یعنی سخت غمگین اور یہاں اس سے رقیق القلب مراد ہے۔

ابن حبان نے حضرت عاصم کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت شقیق کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث میں روایت کرتے ہیں عاصم نے کہا ”اسيف“ نرم دل مہربان کو کہتے ہیں اور صواحب صاحبہ کی جمع ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ دل کی بات ظاہر کرنے میں حضرت یوسف علیہ السلام والی خواتین کی طرح ہیں۔

۱۔ اس حدیث کو حدیث قرطاس کہتے ہیں اور بعض دشمنان صحابہ اس کی آڑ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف ذرا لگتے ہیں لیکن مصنف علیہ الرحمہ نے حضرت امام نووی رحمہ اللہ کی وضاحت کے ذریعے جواب ذکر فرمایا اس سلسلے میں شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی رحمہ اللہ کی ”حدیث قرطاس“ کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ انسانی فطرت کے مطابق حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھی ہوں گی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جان بوجھ کر میرے خلاف ایسا منصوبہ بنایا اسی لئے انہوں نے یہ بات فرمائی ہوگی۔ ۱۲ ہزاروی



پھر یہ خطاب اگرچہ جمع کے لفظ سے ہے لیکن ایک خاتون مراد ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور دونوں کے درمیان مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زینخانے عورتوں کو دعوت دی اور مہمان نوازی کے ذریعے ان کے اعزاز و اکرام کو ظاہر کیا جب کہ ان کی مراد اس سے زائد بات تھی وہ یہ کہ وہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھیں اور ان کی محبت میں حضرت زینخانے کو معذور سمجھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ظاہر کیا کہ وہ امامت کو اپنے والد سے پھیرنا چاہتی ہیں کیونکہ ان کے رونے کی وجہ سے مقتدی ان کی قرأت سن نہیں سکیں گے لیکن ان کی مراد اس سے زائد بات تھی وہ یہ کہ لوگ ان سے بدشگونی نہ لیں اور ام المؤمنین نے اس کو واضح الفاظ میں بھی ذکر کیا جس طرح ”صحیح بخاری میں“ نبی اکرم ﷺ کے بیان میں ہے ”ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات بار بار اس لئے کہی کہ میرے دل میں یہ بات نہ آئی کہ لوگ آپ کے بعد ایسے شخص کو پسند کریں گے جو آپ کی جگہ ہمیشہ کھڑا ہو اور میرا خیال نہیں تھا کہ آپ کی جگہ جو بھی کھڑا ہوگا لوگ اس سے بدشگونی لیں گے (لہذا ام المؤمنین نے سوچا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بدشگونی اور لوگوں کی عدم چاہت سے محفوظ رہیں)۔

دمیاطی نے نقل کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو سترہ (۱۷) نمازیں پڑھائی ہیں۔

### پند و نصائح

فاکہی نے ”الفجر المنیر“ میں ذکر کیا اور اسے سیف الدین ابن عمر کی طرف منسوب کیا (الاعلام ج ۳ ص ۱۵۰ تہذیب المعجم ج ۳ ص ۲۹۵ ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۴۱۳) کہ وہ ”الفتوح“ میں لکھتے ہیں کہ جب انصار نے نبی اکرم ﷺ کی بیماری کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو مسجد کے گرد چکر لگانے لگے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کو ان کے وہاں موجود ہونے اور خوف کے بارے میں بتایا (حضور ﷺ کے وصال کا ذکر مراد ہے) پھر حضرت فضل رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور یہی بات بتائی پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسی طرح داخل ہوئے تو نبی اکرم ﷺ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت فضل (بن عباس) رضی اللہ عنہم کے سہارے باہر تشریف لائے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے آگے تھے نبی اکرم ﷺ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی اور پاؤں مبارک گھسٹ رہے تھے حتیٰ کہ آپ منبر کی سب سے نچلی سیڑھی پر تشریف فرما ہوئے اور لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے نبی کی وفات کا خوف رکھتے ہو کیا مجھ سے پہلے بھیجے گئے نبی ہمیشہ باقی رہے کہ میں بھی تم میں ہمیشہ رہوں گا؟ سنو! میں اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم بھی اس سے ملنے والے ہو پس میں تمہیں پہلے ہجرت کرنے والوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور مہاجرین کو آپس میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (سورۃ العصر)

زمانے کی قسم! بے شک انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور صبر کی نصیحت کی۔

اور تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوتے ہیں تمہیں کسی کام کی تاخیر اس کی جلدی پر نہ ابھارے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی



جلدی سے جلدی نہیں کرتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کے حکم) پر غالب ہونا چاہے تو اللہ تعالیٰ ہی اس پر غالب آتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہے تو وہ اس کے خلاف خفیہ تدبیر فرماتا ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى  
الْاَرْضِ وَتَقْطَعُوْا اَرْحَامَكُمْ. (محمد: ۲۲)

تو کیا قریب ہے کہ جب تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور رشتہ داری کے تعلق کو کاٹ دو۔

میں تمہیں انصار کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں کیونکہ انہوں نے تم سے پہلے مدینہ طیبہ کو اختیار کیا اور ایمان لائے تم ان سے نیکی کرنا کیا انہوں نے تمہیں اپنے پھلوں میں شریک نہیں کیا (کہ نصف تمہیں دے دیئے) کیا انہوں نے تمہارے لئے اپنے گھروں میں گنجائش نہیں نکالی؟ کیا انہوں نے تمہیں اپنے آپ پر ترجیح نہیں دی حالانکہ وہ خود حاجت مند تھے؟ سنو! جس کو دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے تو وہ ان میں سے نیکو کار سے قبول کرے اور ان کے گناہ گاروں سے تجاوز کرے۔

سنو! ان پر کسی کو ترجیح نہ دو! سنو! میں تم سے آگے جا کر تمہارے لئے انتظام کرنے والا ہوں اور تم مجھ سے ملنے والے ہو! سنو! تمہارے وعدہ کا مقام حوض ہے! سنو! جو شخص پسند کرتا ہے کہ کل (قیامت کے دن) حوض پر مجھ سے ملے تو وہ اپنے ہاتھ اور زبان کو روک رکھے البتہ جو کام مناسب ہو (وہ کرے) اے لوگو! گناہ! نعمتوں کو بدل دیتے ہیں اور قسمتوں کو بھی تبدیل کر دیتے ہیں جب لوگ نیکی کریں تو ان کے حکمران بھی ان سے اچھا سلوک کریں اور جب لوگ نافرمانی کریں تو ان کی بات نہ مانیں۔

### انصار کی خیر خواہی

”صحیح بخاری میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما انصار کی ایک مجلس سے گزرے اور وہ رو رہے تھے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اپنے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی مجلس کو یاد کر کے رو رہے ہیں۔ پس ان دونوں میں سے ایک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بات بتائی نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ نے سرانور پر چادر کے ایک کنارہ سے پٹی باندھی ہوئی تھی آپ منبر پر تشریف لائے اور اس دن کے بعد آپ منبر پر تشریف نہیں لے گئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا میں تمہیں انصار کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کرتا ہوں وہ میری جماعت اور میرا ٹھکانہ ہیں انہوں نے اپنا فرض پورا کر دیا اور ان کا حق باقی ہے پس ان کے نیکو کار سے (نیکی) قبول کرو اور ان کے خطا کار سے تجاوز کرو (بشرطیکہ حدود کا معاملہ نہ ہو)۔

(السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۳۷۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۲۱۵، اتحاف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۲۹۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۶۹۸)

اس حدیث میں فرمایا ”فانہم کرشی وعبیتی“ وہ میرے رازدان ہیں یعنی میرے رازوں اور امانتوں کے امین ہیں اور وہ لوگ ہیں جن پر آپ کا اعتماد تھا اس معنی کے لئے بطور مجاز ”کرش اور عبیہ“ کے الفاظ استعمال فرمائے کیونکہ (کرش معدے کو کہتے ہیں اور) جگالی کرنے والا جانور چارہ اپنی اوجھ (معدے) میں جمع کرتا ہے اور آدی اپنے کپڑوں کو صندوق میں جمع کرتا ہے (عبیہ صندوق کو کہتے ہیں)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”کرش“ سے مراد جماعت ہے یعنی میری جماعت اور میرے ساتھی ہیں کہا جاتا ہے ”علیہ



کرض من الناس“ یعنی اس بات پر لوگوں کی ایک جماعت ہے۔ یہ بات ”النبایہ“ میں کہی ہے۔  
**وصال سے پہلے صحابہ کرام سے گفتگو**

واحدی نے اپنی سند سے جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہے ذکر کیا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مہینہ پہلے اپنے وصال کی خبر دے دی تھی جب جدائی کا وقت قریب آیا تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہوئے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطا فرمائے اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے اللہ تعالیٰ تمہیں سر بلندی عطا کرے اللہ تعالیٰ تمہیں ٹھکانہ عطا فرمائے میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اسے تمہارا نگہبان قرار دیتا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ڈراتا ہوں بے شک میں تمہارے لئے اس کی طرف سے واضح ڈرانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے شہروں اور اس کے بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر تکبر نہ کرو اس نے مجھے اور تمہیں فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا يُرْبِدُوْنَ عَلٰۤى فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّآۤءِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (القصص: ۸۳)  
 یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین میں تکبر اور فساد نہیں چاہتے اور بہترین انجام پر ہیزگار لوگوں کے لئے ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوٰى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝  
 کیا جہنم تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں؟

(الزمر: ۶۰)

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا وصال کب ہوگا؟ فرمایا جدائی کا وقت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور جنت ٹھکانہ ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو غسل کون دے گا؟ فرمایا میرے اہل بیت میں سے کچھ مرد جو زیادہ قرب رکھتے ہیں پھر جو قریبی ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کو کن کپڑوں میں کفن دیں؟ فرمایا میرے ان ہی کپڑوں میں اور اگر مصری (سفید) کپڑے چاہو یا یمنی جوڑا ہو (تو بھی ٹھیک ہے) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟ فرمایا جب تم مجھے غسل دے کر کفن پہنا دو تو مجھے میری اس چارپائی پر میری قبر کے کنارے پر رکھ دینا پھر کچھ دیر کے لئے باہر چلے جانا سب سے پہلے مجھ پر حضرت جبریل علیہ السلام نماز (درود شریف) پڑھیں گے پھر میکائیل علیہ السلام پھر اسرافیل علیہ السلام اور پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام پڑھیں گے اور ان کے ساتھ فرشتوں کے لشکر ہوں گے۔

پھر تم فوج در فوج داخل ہونا اور مجھ پر درود اور خوب سلام بھیجنا سب سے پہلے میرے اہل بیت کے مرد مجھ پر درود شریف بھیجیں پھر اہل بیت میں سے عورتیں پھر تم (صحابہ کرام) اور میرے جو صحابہ کرام غائب ہیں اور جن لوگوں نے آج سے قیامت تک میرے دین میں میری اتباع کی ان پر سلام پڑھنا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو قبر میں کون اتارے گا؟ فرمایا میرے قرابت دار فرشتوں سے مل کر اتاریں گے۔ (اتحاف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۲۸۶-۲۹۰)

امام طبرانی نے اسی طرح ”الدعا“ میں روایت کیا اور یہ نہایت کمزور حدیث ہے۔



## اے اللہ! رفیق اعلیٰ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حالت صحت میں فرماتے تھے کہ کسی نبی کا وصال اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا نہ جائے پھر اس کا معاملہ اس کو سوئپ دیا جاتا ہے یا اسے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۷)

جب نبی اکرم ﷺ علیل ہوئے اور وصال کا وقت آیا اور آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا تو آپ بے ہوش ہو گئے جب افاقہ ہوا تو نگاہ کو گھر کی چھت کی طرف اٹھایا پھر فرمایا:

اللَّهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى.

یا اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے۔

(یہاں فی مع (ساتھ) کے معنی میں ہے)۔

میں نے عرض کیا اب ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے تو میں جان گئی کہ یہ وہی بات ہے جو حالت صحت میں آپ ہم سے کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے ام المؤمنین فرماتی ہیں: میں نے آپ کے وصال سے پہلے کان لگا کر سنا اور اس وقت آپ نے اپنی پیٹھ کے ساتھ مجھ سے ٹیک لگا رکھی تھی:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَالْحَقِّنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى.

یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت زہری کے طریق سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے قول ”اللهم (فی) الرفیق الاعلیٰ“ سے یہ بات معلوم کی کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے جس طرح آپ کے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے یہ بات سمجھے تھے کہ آپ نے فرمایا: ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اس چیز کے درمیان اختیار دیا جو اس (اللہ تعالیٰ) کے پاس ہے۔ کہ اس سے خود نبی اکرم ﷺ مراد ہیں حتیٰ کہ وہ رونے لگے جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے۔ یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے مطلب (بن عبدالمطلب) بن عبد اللہ کے طریق سے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے:

ما من نبی یقبض الا یری الثواب ثم ینخیر. کسی نبی کی روح قبض نہیں کی جاتی مگر وہ ثواب کو دیکھ لیتا ہے پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ہی (نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام) ابو موسیٰ (کہا گیا ہے کہ یہ ابو موسیٰ ہو یا ابو موسیٰ ہیں) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: (الاصابہ ج ۷ ص ۱۸۴ رقم الترجمہ: ۱۰۹۴) مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دنیا میں دائمی زندگی اور جنت عطا کی گئی پھر مجھے اس کے اور میرے رب کی ملاقات کے درمیان اختیار دیا گیا تو میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو اختیار کیا۔



عبدالرزاق نے حضرت طاؤس کی مرسل روایت نقل کی ہے وہ اسے مرفوعاً روایت کرتے ہیں یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیرت بین ان ابقی حتی اری ما یفتح علی امتی و بین التعجیل فاخترت التعجیل۔  
مجھے اختیار دیا گیا کہ میں باقی رہوں حتیٰ کہ اپنی امت کی فتوحات دیکھوں یا جلدی جاؤں تو میں نے جلدی جانے کو اختیار کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے حضرت جبریل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے ساتھ رفیق اعلیٰ اسعد کا سوال کرتا ہوں (بلند اور سعادت کا مقام طلب کرتا ہوں)۔

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا اس کا ظاہر یہ ہے کہ رفیق اعلیٰ سے وہ مکان مراد ہے جس میں ان مذکورہ بالا فرشتوں کے ساتھ رفاقت حاصل ہو ابن اثیر نے ”النبہایہ میں“ فرمایا کہ رفیق سے انبیاء کرام کی جماعت مراد ہے جو اعلیٰ علیین (بلند مقام) پر ٹھہرے ہوئے ہیں (رفیق اسم جنس ہے جو واحد اور جمع دونوں کو شامل ہے)۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہے کہا جاتا ہے:

اللہ رفیق بعبادہ۔  
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

اور یہ رفیق اور رافۃ سے بنا ہے (یعنی مہربانی کرنا)۔ ایک قول کے مطابق اس سے حظیرۃ القدس (جنت) مراد ہے۔ کتاب ”روضۃ التعریف بالحب الشریف“ (امام ابو عبد اللہ محمد بن الخطیب کی تصوف کے متعلق کتاب ہے) میں ہے کہ جب (شب معراج) آپ ﷺ کے لئے حق کی تجلی ہوئی تو آپ کے اور محسوسات کے درمیان نیز بشری ترقیوں کے انتہائی معانی کے ضروری حصوں کے درمیان تعلقات کمزور پڑ گئے تو آپ کے احوال زیادہ ترقی پذیر ہو گئے اسی لئے روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کل یوم لا ازداد فیہ قربا من اللہ فلا  
جس دن میرے لئے قرب خداوندی میں اضافہ نہ ہو  
بورک لی فی طلوع شمسہ۔  
تو اس دن طلوع آفتاب میں میرے لئے برکت نہ ہو۔

(کشف الظنون ج ۱ ص ۹۲۵)

اور جب آپ ایک مقام سے جدا ہو کر اس سے اعلیٰ سے مل جاتے تو پہلا مقام (اعلیٰ کے مقابلے میں) ناقص نظر آتا اور آپ محبت کی پشت پر سوار ہو جاتے اور یہ کتنی اچھی نعمت ہے کہ اس کے ذریعے مراحل اور مقامات و احوال کا سفر طے ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ کی بارگاہ کی طرف سفر ہوتا ہے نیز اس محبوب تک پہنچنا ہے جس کے سوا سب کے لئے فنا ہے۔

سہلی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے کلام کو اس کلمہ (اللہم بالرفیق الاعلیٰ) کے ساتھ مکمل کیا کیونکہ یہ توحید اور قلبی ذکر کو شامل ہے حتیٰ کہ اس سے اس بات کا فائدہ حاصل ہوا کہ آپ کے غیر کے لئے زبان سے ذکر کرنا شرط نہیں کیونکہ بعض لوگوں کو بولنے میں رکاوٹ ہوتی ہے لہذا اگر ان کا دل ذکر سے معمور ہو تو کوئی حرج نہیں۔



حافظ ابن رجب نے کہا اس بات پر دلالت کرنے والی روایت مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک قبض کی گئی پھر آپ نے جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھا پھر آپ کی روح لوٹائی گئی اور اس کے بعد اختیار دیا گیا۔  
 ”مسند امام احمد میں ہے“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے:

ما من نبی الا یقبض نفسه ثم یری الثواب  
 ہر نبی کی روح قبض کی جاتی ہے پھر اسے ثواب دکھایا  
 ثم ترد الیہ فیخیر بین ان ترد الیہ الی ان یلحق.  
 جاتا ہے پھر روح کو لوٹا کر اختیار دیا جاتا ہے کہ روح ان تک  
 لوٹائی جائے حتیٰ کہ وہ اپنے (رب سے) مل جائیں۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات یاد کی اور آپ نے میرے سینے کا سہارا لے رکھا تھا میں نے دیکھا جب آپ نے سر اٹھایا اور دیکھا تو میں نے دیکھا اب تو قسم بخدا آپ ہمیں اختیار نہیں کریں گے پس آپ نے فرمایا:  
 مع الرفیق الاعلیٰ فی الجنة مع الذین انعم  
 جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ان لوگوں کے ہمراہ  
 اللہ علیہم من النبین والصدیقین والشهداء  
 جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء کرام صدیقین  
 والصالحین وحسن اولئک رفیقاً.  
 شہداء اور صالحین اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں؟

”صحیح بخاری میں“ حضرت عروہ کی حدیث ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حالت صحت میں فرمایا: کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے پھر زندہ کیا جاتا ہے یا اختیار دیا جاتا ہے۔

پس جب نبی اکرم ﷺ علیل ہوئے اور روح قبض ہونے کا وقت آ گیا اور آپ کا سر انور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر تھا تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی جب افاقہ ہوا تو آپ نے گھر کی چھت کی طرف دیکھ کر فرمایا ”اللہم فی الرفیق الاعلیٰ“۔

سہیلی نے اس بات سے آگاہ کیا کہ اس کلمہ کو مقرر لانے (رفیق کو مقرر لانے اور جمع نہ لانے) میں نکتہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام جنتی جنت میں ایک شخص کے دل کی صورت میں داخل ہوں گے۔

صحیح ابن حبان میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوئی تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا میں اس پر ہاتھ پھیرتی اور شفاء کی دعا کرتی تھی جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا: ”اسأل اللہ الرفیق الاعلیٰ مع جبریل ومیکائیل واسرافیل میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت جبریل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے ساتھ مجھے رفیق اعلیٰ عطا فرمائے۔“

### موت کی سختیاں

جب نبی اکرم ﷺ کے وصال کا وقت ہوا تو آپ کا یہ معاملہ سخت ہو گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ کسی کو سخت تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھا۔

وہ فرماتی ہیں آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا آپ اپنا ہاتھ اس پیالے میں داخل کرتے پھر وہ پانی اپنے چہرے پر ملتے اور فرمایا:



اللَّهُمَّ اعْنِي عَلَى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ. یا اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

ایک روایت میں ہے آپ نے یہ کلمات کہنا شروع کر دیے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ لَسَكَرَاتٍ. اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۱۰) لئے سختیاں ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ آپ کے مقام و مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے تکلیف اور درد کی سختی تھی۔

شیخ ابو محمد مرجانی (یہ عبد اللہ بن محمد بن عبد الملک مرجانی ہیں) نے فرمایا: کہ یہ سکرَاتِ خوشی کی تڑپ تھی کیا تم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قول کو نہیں دیکھتے کہ جب وہ حالتِ نزع میں تھے اور ان کے گھر والوں نے کہا ہائے سختی! تو انہوں نے آنکھیں کھول کر فرمایا: ”واظربا ہائے خوشی“ کل میں اپنے محبوبوں یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے ملاقات کروں گا۔ (الاعلام ج ۳ ص ۱۲۵ شذرات الذہب ج ۵ ص ۲۵۱ کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۲۳۷)

تو جب ان کو یہ خوشی اس حالت میں اپنے محبوب یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپ کی جماعت سے ملاقات کی خوشی تھی تو تمہارا کیا خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے رب سے ملاقات کی خوشی کس قدر ہوگی؟ ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ. پس کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی

ٹھنڈک سے کیا کچھ مخفی رکھا گیا ہے؟

تو اس مقام پر کچھ بھی وصف بیان کرنے سے عبارت قاصر ہے۔ ایک مرسل حدیث جسے حافظ ابن رجب نے نقل کیا ہے۔ اس میں اس طرح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللهم انك تاخذ الروح من بين العصب والقصب والانامل فاعني عليه وهونه علي. یا اللہ! تو روح کو پٹھوں ہاتھوں اور پاؤں کی ہڈیوں اور پوروں سے نکالتا ہے پس اس پر میری مدد فرما اور اسے مجھ پر آسان کر دے۔

حضرت امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت قاسم کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا آپ اس پیالے میں ہاتھ ڈال کر پانی چہرے پر ملتے پھر کہتے:

اللَّهُمَّ اعْنِي عَلَى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ. یا اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

اور جب آپ کو تکلیف نے ڈھانپ لیا تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے پکارا ”واکرب ابتاہ“ (ہائے میرے ابا جان کی تکلیف) آپ نے ان سے فرمایا آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

خطابی کہتے ہیں بے شمار اہل علم کا خیال ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی ”آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی“ سے مراد آپ کی امت پر شفقت ہے کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے بعد لوگ آپس میں اختلاف کریں گے اور

۱۔ ”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کی ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اگر تم چاہو تو یہ

آیت پڑھو ”فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ“ آخر تک (زر قانی ج ۸ ص ۲۷۳)



فتنے برپا ہوں گے۔ لیکن اس بات کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کے وصال سے امت پر آپ کی شفقت ختم ہو جائے حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ یہ قیامت تک باقی ہے کیونکہ آپ کی بعثت ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو آپ کے بعد آئیں گے اور ان کے اعمال آپ پر پیش کئے جائیں گے۔ اور کلام ظاہر پر ہے اور اس سے مراد وہ تکلیف ہے جو شدت موت کی وجہ سے آپ کو ہو رہی تھی اور نبی اکرم ﷺ جسم اقدس کو پہنچنے والی تکلیف کے اعتبار سے (عام) انسانوں کی طرح تھے یعنی باقی لوگوں کی طرح آپ کو (بھی تکلیف پہنچتی تھی) تاکہ آپ کو دو گنا اجر ملے۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

انہ حضر من ابیک ما اللہ تعالیٰ بتارک  
تہمارے والد کے پاس وہ بات (موت) آتی ہے  
منہ احدا لموافاة یوم القیامة۔  
کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک کسی کے پاس اس کا لانا ترک نہیں  
کرے گا۔

### صحابہ کرام کی نماز کے دوران آپ کی الوداعی نظر

”صحیح بخاری میں“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سوموار کے دن جب مسلمان نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو نماز پڑھا رہے تھے تو ان کو صرف نبی اکرم ﷺ نے اچانک دیکھا آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ کا پردہ اٹھایا تو ان کو دیکھا کہ وہ نماز کی صفوں میں ہیں پھر آپ نے تبسم فرمایا اور ہنسنے لگے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھ پاؤں صف میں آنے لگے اور خیال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی نماز توڑ دیں کیونکہ وہ رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے خوش تھے تو آپ نے ان کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی نماز کو پورا کرو پھر آپ حجرے میں داخل ہو گئے اور پردہ ڈال دیا۔ ۲

”صحیح بخاری کے نماز کے باب میں“ حضرت ابوالیمان کی روایت ہے جسے وہ حضرت شعیب سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں اسی دن نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور حضرت معمر کی روایت جسے امام بخاری نے نقل کیا میں بھی اسی طرح ہے اور یہ سب روایات حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تین دن ہماری طرف تشریف نہ لائے پس نماز کھڑی ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تو نبی اکرم ﷺ نے پردہ پکڑ کر اٹھایا جب نبی اکرم ﷺ کا چہرہ انور ہمارے سامنے آیا تو ہم نے آپ کے چہرہ انور سے زیادہ عمدہ منظر ۱۔ (کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں) اور قبر میں امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں اگر اعمال اچھے ہوں تو آپ خوش ہوتے ہیں اور برے ہوں تو ان کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ (زر قانی ج ۲ ص ۲۷۳)

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ سے کس قدر محبت تھی نیز وہ آپ کی وجہ سے نماز توڑنا چاہتے تھے یہ سب ارادے ہوئے نہ صرف حضور ﷺ کا خیال آیا بلکہ آپ کو دیکھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنے اور صحابہ کرام نے نماز توڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان کی نماز برقرار رہی اب جو لوگ کہتے ہیں نماز میں حضور ﷺ کا خیال گائے نیل کے خیال سے بدتر ہے انہیں اپنے اس برے عقیدے سے توبہ کرنی چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی



نہیں دیکھا۔

جب وہ ہمارے سامنے واضح ہوا فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ آگے ہی رہیں اور آپ نے پردہ ڈال دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اس بیماری کے دوران جس میں آپ کا وصال ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے رہے حتیٰ کہ سوموار کا دن آیا اور وہ نماز میں صف بستہ تھے تو نبی اکرم ﷺ نے حجرہ مبارکہ کا پردہ اٹھایا پس ہم نے آپ کو دیکھا آپ کھڑے تھے گویا آپ کا چہرہ انور مصحف کا ورق ہو (یعنی حسن و جمال کا مرقع تھا) پھر آپ نے ہتے ہوئے تبسم فرمایا (اپنے صحابہ کرام کو متفق و متحد ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوئے)۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے اس بات کو قطعی قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال اس وقت ہوا جب سورج ڈھل گیا تھا اسی طرح ابوالاسود نے حضرت عروہ سے روایت کیا۔

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہما) کہ جب نبی اکرم ﷺ کی (ظاہری) حیات طیبہ سے تین دن باقی رہ گئے تو آپ پر حضرت جبریل علیہ السلام اترے اور عرض کیا اے محمد! (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے اعزاز میں آپ کی فضیلت و تخصیص کی خاطر بھیجا ہے وہ آپ سے ایسی بات پوچھتا ہے جسے وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے وہ فرماتا ہے آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے جبریل! میں اپنے آپ کو مغموم پاتا ہوں نیز تکلیف میں پاتا ہوں پھر وہ دوسرے دن آئے تو ان سے اسی طرح فرمایا پھر تیسرے دن آئے تو اسی طرح فرمایا پھر اس دن موت کے فرشتے نے اجازت طلب کی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد! یہ موت کا فرشتہ ہے آپ سے اجازت مانگتا ہے اور آپ سے پہلے اس نے کسی نبی سے اجازت نہیں مانگی اور نہ آپ کے بعد کسی شخص سے اجازت مانگے گا، آپ نے فرمایا: اسے اجازت دو پس ملک الموت داخل ہوئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا کہ آپ جو حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں اگر آپ حکم دیں کہ میں آپ کی روح قبض کروں تو میں آپ کی روح قبض کروں گا اور اگر مجھے اس کو چھوڑنے کا حکم دیں تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے آپ نے فرمایا اے موت کے فرشتے! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کیجئے، حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا زمین پر میری یہ آخری آمد ہے زمین پر آپ ہی میری حاجت تھے۔ ۲ پس آپ کی روح مبارک قبض کی گئی۔ جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور تعزیت

۱ امام زرقانی فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں خلافت پر برقرار رہے حتیٰ کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ایسا نہیں جس طرح شیعہ گمان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو معزول کر دیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۴)

۲ امام زرقانی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وحی لانے کے حوالے سے یہ آخری آمد ہے لہذا الیوم القدر میں حضرت جبریل علیہ السلام کا اترنا اور مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ کے وقت اترنا اسی طرح جو مسلمان حالت طہارت میں انتقال کرے اور دجال کے ظہور کے بعد مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں ان کا اترنا کہ اسے ان مقدس شہروں میں داخل ہونے سے روکیں اور اس طرح دیگر مواقع پر اترنا اس بات کے خلاف نہیں جو انہوں نے فرمایا کہ یہ آخری آمد ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۰)



کرنے والے آئے تو انہوں نے گھر کے کونے سے آواز سنی۔

اے گھر والو! تم پر سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات ہوں، ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے اور قیامت کے دن تم لوگوں کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مصیبت کی تسلی، ہر فوت ہونے والے کے لئے خلافت اور جو کچھ چلا گیا اس کا مداوا ہے پس اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو اور اسی سے امید رکھو، مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم ہوا، اور تم پر سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات ہوں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کون تھا؟ (خود فرمایا) یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

(دلائل النبوة ج ۷ ص ۲۱۱-۲۶۷، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۳۹، اتحاف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۲۹۵-۲۹۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۸۲۵) حافظ عراقی نے ”احیاء العلوم کی“ احادیث کی تخریج میں ذکر کیا کہ مذکورہ تعزیت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مذکور ہے اور یہ ان باتوں میں سے ہے جو ”احیاء العلوم میں“ مذکور ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے کتب حدیث میں اس حدیث کے وجود کا انکار کیا اور فرمایا کہ اسے (امام شافعی رحمہ اللہ کے) اصحاب نے ذکر کیا پھر عراقی نے فرمایا کہ امام حاکم نے اسے ”مستدرک میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا اور صحیح قرار نہیں دیا اور نہ یہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

ابن ابی الدنیا نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک قبض کی گئی تو آپ کے صحابہ کرام آپ کے گرد جمع ہو کر (آواز کے بغیر) : لگے : ایک شخص جس کے کاندھوں پر طویل بال تھے دو چادروں میں داخل ہوا وہ صحابہ کرام کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آیا اور دروازے کی دونوں طرفوں کو پکڑا اور حضور ﷺ پر رونا شروع کر دیا پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بے شک ہر مصیبت کی تسلی ہے اور ہر فانی کا عوض ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ پھر وہ شخص چلا گیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کو میری طرف بلاؤ انہوں نے دائیں بائیں دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں جو ہمیں تسلی دینے آئے ہیں۔ ابن ابی الدنیا نے بھی اسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اور اس میں محمد بن جعفر صادق ہیں جن میں کلام کیا گیا اور اس میں حضرت علی بن حسین اور ان کے دادا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے اور معروف یہ ہے کہ حضرت علی بن حسین سے مرسل روایت ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے ”الام“ میں روایت کیا اور اس میں حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر نہیں۔

امام بیہقی نے فرمایا: کہ ان کا قول ”بے شک اللہ تعالیٰ کو آپ کی ملاقات کا شوق ہے“ کا معنی یہ ہے کہ اس سے مراد آپ کو دنیا سے آخرت کی طرف واپس لانا چاہتا ہے تاکہ آپ کو زیادہ قرب اور اعزاز حاصل ہو۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی وہ فرماتے ہیں: موت کا فرشتہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ علیل تھے اور آپ کا سر انور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا، ملک الموت نے کہا ”السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ واپس چلے جائیں ہم آپ سے دوسری طرف مشغول ہیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ ملک الموت ہیں فرمایا آپ داخل ہو جائیں اس حال میں



کہ آپ رشد و ہدایت والے ہیں جب وہ داخل ہوئے تو عرض کیا بے شک آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے۔  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ملک الموت نے اس سے پہلے کسی گھر والوں کو سلام نہیں کیا اور نہ اس کے بعد کہیں گے۔

### نبی اکرم ﷺ کا وصال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

توفی رسول اللہ ﷺ فی بیئتی فی یومی  
وبین سحری و نحری و فی رواۃ بین حافنتی  
و ذافنتی۔  
رسول اکرم ﷺ کا وصال میرے گھر میں میری  
باری کے دن میری گردن اور چھاتی کے درمیان ہوا۔ اور  
ایک روایت میں ہے کہ میری ٹھوڑی اور گلے کے درمیان  
ہوا۔

الحافنة۔ جاء قاف اور نون کے ساتھ ٹھوڑی سے نیچے کی جگہ  
الذافنة۔ گلے کے کنارے

السحر۔ سین پرزبر اور جاء ساکن سینے کو کہتے ہیں  
النحر۔ نون پرزبر اور اس کے بعد جاء ہے۔

مراد یہ ہے کہ آپ کا وصال ہوا تو آپ کا سر انور حضرت ام المؤمنین کی گردن اور سینے کے درمیان تھا۔  
وہ حدیث اس کے خلاف نہیں جو امام حاکم اور ابن سعد نے کئی طرق (سندوں) سے بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ  
کا وصال ہوا تو آپ کا سر انور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا کیونکہ حافظ ابن حجر کے بقول اس حدیث کی ہر  
سند کسی نہ کسی خرابی سے خالی نہیں لہذا اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔  
سہیلی فرماتے ہیں میں نے واقدی کی کسی کتاب میں پایا کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کلمہ جو اس وقت کہا  
جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں دودھ پیتے تھے ”اللہ اکبر“ تھا اور آخری کلمہ جو آپ نے کہا وہ ”السرفیق  
الاعلیٰ“ ہے۔

امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے آخر میں یہ کلمہ کہا:  
جلال ربی الرفیع۔  
میرے رب کا جلال بلند ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے آپ سخی یعنی عالیہ (کے قریب)  
مقام پر (جو مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) اپنی زوجہ بنت خاریجہ (بن زید خروجیہ) کے پاس تھے اور آپ کو نبی  
اکرم ﷺ نے خود وہاں جانے کی اجازت دی تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تلواریں نکالی اور ان لوگوں کو ڈرانے  
لگے جو کہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا۔

۱۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا وہ فرماتے تھے کہ آپ کا وصال اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک آپ اپنی امت پر ان کے اعمال کی  
گواہی نہ دیں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے ”وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا“ پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ (زر قانی ج ۸ ص ۲۷۸)



وہ فرماتے تھے: کہ آپ کے پاس پیغام آیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا تو وہ اپنی قوم سے چالیس دن باہر رہے اور اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ آپ کچھ لوگوں (منافقین) کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے پس جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں داخل ہوئے نبی اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک سے کپڑا ہٹایا اور جھک کر بوسہ لیا اور رونے لگے آپ فرما رہے تھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا یا رسول اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں آپ زندگی اور وفات دونوں حالتوں میں کس قدر اچھے لگتے ہیں؟ یہ روایت طبری نے ”الریاض میں“ نقل کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مقام سخ میں اپنی رہائش گاہ سے واپس تشریف لائے حتیٰ کہ اترے اور مسجد میں داخل ہو گئے اور لوگوں سے کوئی گفتگو نہ فرمائی حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو آپ کو ایک یمنی چادر سے ڈھانپا گیا تھا آپ نے چہرہ انور سے پردہ اٹھایا پھر آپ پر جھک گئے اور آپ کا بوسہ لیا پھر رو پڑے اور فرمایا میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں (دو مرتبہ موت) کو جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے جو موت آپ کے لئے مقرر کی ہے وہ آچکی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا تو اس قول میں اختلاف ہے۔

کہا گیا کہ یہ اپنی حقیقت پر ہے اور آپ نے اس سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا جو کہتے تھے کہ آپ عنقریب زندہ ہو کر لوگوں کے ہاتھ کاٹیں گے کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کا دوبارہ وصال ہو پس آپ نے خبر دی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات سے زیادہ اعزاز رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع کرے جس طرح اس نے آپ کے علاوہ کچھ لوگوں پر جمع کیں مثلاً وہ لوگ جو ہزاروں کی تعداد میں گھروں سے نکلے۔ اور وہ جو ایک بستی سے گزرا۔

یہ جواب سب سے واضح اور (اعتراض سے) زیادہ محفوظ ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قبر میں آپ کا وصال دوبارہ نہیں ہوگا جس طرح دوسرے لوگوں کو سوال و جواب کے لئے زندہ کیا جاتا ہے پھر وہ مرجاتے ہیں۔ یہ جواب داؤدی نے دیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ آپ کی ذات کی وفات اور آپ کی شریعت کی موت کو جمع نہیں کرے گا، کہا گیا دوسری بات تکلیف سے کہنا یہ ہے یعنی موت کی تکلیف کے بعد کسی دوسری تکلیف میں نہیں ڈالے گا یہ بات ”فتح الباری“ میں فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا اللہ کی قسم! رسول اکرم ﷺ کا وصال نہیں ہوا پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور سے پردہ اٹھایا۔ بنی اسرائیل کی طرف اشارہ ہے جو اپنے علاقے میں طاعون پھیل جانے کی وجہ سے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مر جاؤ پھر زندہ کیا اور دوسرا واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے کہ ایک بستی (بیت المقدس) سے گزرے تو فرمایا کہ اے اللہ تعالیٰ کس طرح زندہ کرے گا تو آپ کو موت دی گئی اور سو سال کے بعد زندہ کیا گیا اور پھر اپنے وقت پر وصال ہوا۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۲۷۸ تا ۲۷۹)



ہٹایا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی زندگی اور وصال دونوں اچھے ہیں اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں کبھی نہیں چکھائے گا پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا اے قسم اٹھانے والے! ٹھہر جاؤ۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گفتگو فرمائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا سنو! جو شخص حضرت محمد (ﷺ) کی پوجا کرتا تھا تو حضرت محمد (ﷺ) کا انتقال ہو گیا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (الزمر: ۳۰) آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی فوت ہوں گے۔

اور فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۴) اور حضرت محمد (ﷺ) تو صرف رسول ہیں (خدا نہیں) تحقیق آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

فرماتے ہیں: پس لوگوں کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی (فنشج الناس یسکون کے الفاظ ہیں)۔ کہا جاتا ہے ”نشج الپاکھی“ جب زیادہ رونے کی وجہ سے ہچکی بندھ جائے۔

حضرت سالم بن عبید الجعفی سے مروی ہے فرماتے ہیں جب نبی اکرم (ﷺ) کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں سے زیادہ پریشانی کا اظہار کیا آپ نے اپنی تلوار نکال لی اور فرمایا: میں کسی کو یہ کہتے ہوئے نہ سنوں کہ اللہ کے رسول (ﷺ) کا انتقال ہو گیا ورنہ میں اپنی اس تلوار سے اسے مار دوں گا راوی فرماتے ہیں: لوگوں نے کہا اے سالم! رسول اکرم (ﷺ) کے ساتھی (حضرت ابو بکر صدیق) کو تلاش کرو فرماتے ہیں میں مسجد کی طرف نکلا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں تھے جب میں نے ان کو دیکھا تو روتے ہوئے میری ہچکی بندھ گئی انہوں نے پوچھا اے سالم کیا نبی اکرم (ﷺ) کا وصال ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ حضرت عمر بن خطاب ہیں جو فرماتے ہیں: کہ میں کسی کو یہ بات کہتے ہوئے نہ سنوں کہ حضور (ﷺ) کا وصال ہو گیا ورنہ میں اسے اپنی اس تلوار سے ماروں گا۔

راوی فرماتے ہیں: پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے حتیٰ کہ نبی اکرم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو چادر سے ڈھانپا گیا تھا انہوں نے آپ کے چہرہ انور سے چادر ہٹائی اور اپنا منہ آپ کے دہن مبارک پر رکھا اور (موت کی) ہواسو گھسی پھر آپ کو چادر سے ڈھانپ دیا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۴) اور حضرت محمد (ﷺ) تو صرف رسول ہیں (خدا نہیں) تحقیق آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

اور یہ آیت بھی پڑھی:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (الزمر: ۳۰) آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی فوت



ہوں گے۔

اے لوگو! جو شخص حضرت محمد (ﷺ) کی پوجا کرتا تھا تو بے شک حضرت محمد (ﷺ) کا انتقال ہو گیا ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔  
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ) گویا میں نے یہ آیات کبھی نہیں پڑھی تھیں۔

اس حدیث کو احمد حمزہ بن حارث نے نقل کیا جس طرح طبری نے اسے اپنی کتاب ”الریاض“ میں ذکر کیا اور فرمایا امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا مفہوم مکمل طور پر نقل کیا حدیث میں استثنیٰ الريح کے الفاظ ہیں جن کا معنی (موت کی) ہوا سونگھنا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں:

میں نے نبی اکرم (ﷺ) کو کپڑے سے ڈھانپ دیا حضرت عمر فاروق اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور اجازت مانگی تو میں نے ان کو اجازت دی اور پردہ کھینچ لیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو کہا ہائے بے ہوشی! پھر دونوں کھڑے ہو گئے (جب دروازے کے قریب پہنچے تو) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عمر! رسول اکرم (ﷺ) کا انتقال ہو چکا ہے انہوں نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو بے شک اللہ کے رسول (ﷺ) کو موت نہیں آئے گی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا کر دے۔

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں نے پردہ اٹھایا انہوں نے آپ کو دیکھا تو انہوں نے **لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ** پڑھ کر فرمایا رسول اللہ (ﷺ) کا وصال ہو چکا ہے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے انہوں نے فرمایا اے عمر! بیٹھ جاؤ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو (ان کی حالت پر) چھوڑ دیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اما بعد (حمد و صلوٰۃ کے بعد!) جو شخص حضرت محمد (ﷺ) کی پوجا کرتا تھا تو حضرت محمد (ﷺ) کا انتقال ہو چکا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی۔ ارشاد خداوندی ہے:

**وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** (آل عمران: ۱۴۴)  
اور حضرت محمد (ﷺ) تو محض رسول ہیں (خدا نہیں) تحقیق آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں اللہ کی قسم (یوں معلوم ہوتا تھا کہ) گویا لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے تلاوت کیا پس سب لوگوں نے اسے ان سے سیکھا تو میں جس انسان سے سنتا وہ یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے جس میں یوں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ فرما رہے تھے کہ نبی اکرم (ﷺ) کا وصال نہیں ہوا اور نہ ہی



اس وقت تک آپ کا وصال ہوگا جب تک اللہ تعالیٰ منافقین کو ہلاک نہ کر دے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اور صحابہ کرام خوشی کا اظہار کر رہے تھے اور اپنے سروں کو اٹھاتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے شخص! نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو چکا ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (الزمر: ۳۰) بے شک آپ نے بھی انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ. اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ کی زندگی (الانبیاء: ۲۳) نہیں رکھی۔

پھر آپ منبر پر تشریف لائے اس کے بعد پوری حدیث ہے (جو پہلے گزر چکی ہے)۔

ابو عبد اللہ قرطبی فرماتے ہیں: اس حدیث میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت پر بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ شجاعت کی تعریف یہ ہے کہ مصائب کے وقت دل قائم و ثابت رہے اور نبی اکرم ﷺ کے وصال سے بڑی کوئی مصیبت نہیں پس اس وقت آپ کی شجاعت اور علم ظاہر ہوا۔

صحابہ کرام نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال نہیں ہوا اور اس معاملے میں اضطراب پیدا ہو گیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے ذریعے اسے دور کیا پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات سے رجوع کر لیا۔

جس طرح واثلی ابونصر عبد اللہ نے اپنی کتاب ”الانابہ“ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ منبر پر تشریف فرما تھے۔

انہوں نے تشہد (خطبہ) کے بعد فرمایا میں نے کل تم سے ایک بات کہی تھی اور وہ اس طرح نہیں جس طرح میں نے کہا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی میں نے اسے اللہ کی کتاب سے نہیں پایا اور نہ نبی اکرم ﷺ نے کوئی ایسی بات فرمائی لیکن مجھے امید تھی کہ نبی اکرم ﷺ زندہ رہیں گے حتیٰ کہ ہم سب سے بعد آپ کا وصال ہو گیا جیسا کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے اس چیز کو جو اس کے پاس ہے اس پر ترجیح دی جو تمہارے پاس ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رہنمائی فرمائی پس اسے اختیار کرو اس بات کی طرف رہنمائی حاصل کرو گے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رہنمائی فرمائی ہے۔

حضرت ابونصر (مذکور) نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو بات فرمائی اور پھر اس سے رجوع کیا یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال نہیں ہوا اور ہرگز آپ کا وصال نہیں ہوگا یہاں تک کہ آپ (منافقین کے) ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں اور آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ آپ پر ایک بہت بڑا صدمہ وارد ہوا اور آپ کو فتنے اور منافقین کے ظہور کا ڈر ہوا پھر جب آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یقین کی قوت کا مشاہدہ کیا اور ان سے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ. (آل عمران: ۱۸۵) ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔



اور ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (الزمر: ۳۰)

بے شک آپ نے بھی انتقال فرماتا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔

اور لوگ یوں نکلے کہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں ان آیات کو پڑھتے تھے گویا یہ آیات آج سے پہلے بالکل نازل نہیں ہوئیں (تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا)۔

ابن مزیر نے کہا جب رسول اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو عقلیں زائل ہونے کے قریب ہو گئیں ان میں سے بعض جنون کے قریب پہنچ گئے اور بعض بالکل بیٹھ گئے (شل ہو گئے) پس وہ کھڑا ہونے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور بعض کی زبانیں گنگ ہوئیں پس وہ بول نہیں سکتے تھے اور بعض بیمار ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو جنون کے قریب پہنچ چکے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو بول نہیں سکتے تھے ان کو لایا اور لے جایا جاتا اور وہ کلام پر قادر نہیں تھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھ جانے والوں میں سے تھے وہ حرکت نہیں کر سکتے تھے حضرت عبداللہ بن انیس بیمار ہو گئے اور اسی غم میں انتقال کر گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سب سے زیادہ ثابت قدم رہے وہ یوں تشریف لائے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے سانس اکھڑا ہوا تھا اور وہ گلو گیر تھے۔

پس آپ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ پر جھک گئے آپ کے چہرہ انور سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا آپ کی زندگی اور موت دونوں اچھی ہیں اور آپ کے وصال سے وہ چیز ختم ہو گئی جو کسی نبی کی وفات سے ختم نہیں ہوئی (نبوت مراد ہے کیونکہ آپ آخری نبی ہیں)۔

آپ ہر صفت سے عظیم اور رونے سے بلند ہیں اگر آپ کا وصال اختیاری ہوتا تو ہم آپ کے وصال پر نفسوں کو قربان کر دیتے۔ اے محمد! (ﷺ) اپنے رب کے ہاں ہمارا ذکر کرنا اور ہم آپ کی توجہ و خیال میں رہیں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا بوسہ لیا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ”صحیح بخاری“ اور دیگر کتب میں یہ روایت مروی ہے۔

یزید بن ابیہن نے حضرت ام المؤمنین سے روایت کیا جسے امام احمد نے نقل کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے سر انور کی جانب سے آپ کے پاس آئے اور اپنے منہ کو جھکا کر آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا پھر فرمایا اے نبی! پھر سر اٹھایا دوبارہ منہ کو جھکا کر آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا اے منتخب اور چنے ہوئے! پھر سر اٹھایا اور پھر منہ کو جھکا کر پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا اے خلیل!

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ رسول اکرم ﷺ کی پیشانی پر رکھا اور چومنے لگے اور روتے ہوئے فرماتے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی موت و حیات دونوں اچھی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوئے تو اپنا منہ آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا اور اپنے آپ کی کنپٹیوں پر رکھ کر فرمایا:



اے نبی! اے خلیل! اے منتخب شخصیت! یہ روایت ابن عرفہ عبدی نے نقل کی جیسا کہ طبری نے ذکر کیا۔ اور اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کے اور جو بات پہلے گزر چکی ہے کہ آپ ثابت قدم رہے کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ آپ نے یہ الفاظ کسی بے قراری کے بغیر پست آواز میں کہے پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان (صحابہ کرام) سے فرمایا جو کچھ فرمایا۔

امام بیہقی اور ابو نعیم نے واقدی کے طریقے سے اپنے شیوخ سے روایت کیا کہ ان کو نبی اکرم ﷺ کے وصال میں شک ہوا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے اور کچھ نے کہا کہ آپ کا وصال نہیں ہوا پس حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا اور فرمایا کہ آپ کا وصال ہو گیا آپ کے کاندھوں کے درمیان سے مہر نبوت کو اٹھالیا گیا ہے تو اس سے آپ کے وصال کی پہچان ہوئی۔ اس حدیث کو ابن سعد نے بھی واقدی سے نقل کیا ہے۔

### اظہار تأسف

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

یا ابتاہ اجاب ربا دعاه یا ابتاہ من جنة  
اے ابا جان! جنہوں نے اپنے رب کی دعوت کو قبول  
کیا اے ابا جان! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے اے ابا  
جان! جن کے وصال کی خبر ہم جبریل امین کو دیتے ہیں۔  
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہا گیا ہے کہ صحیح یہ ہے ”السی جبریل نعاہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے آپ کے وصال کی خبر دی۔“

ابن جوزی کے نواسے نے ”مرآة الزمان“ کتاب میں اسے قطعی طور پر بیان کیا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں پہلے قول کی ایک وجہ ہے پس محض اپنے گمان سے راوی کو غلط قرار دینے کا کوئی مطلب نہیں۔ اے طبرانی نے یہ اضافہ کیا ہے:

یا ابتاہ من ربه ما ادناہ۔  
اے ابا جان! آپ اپنے رب کے کس قدر قریب

ہیں؟

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اور اس دوران آپ مسکرائی نہیں اور آپ کو اس بات کا حق بھی تھا  
(شاعر نے کہا):

على مثل لیلی یقتل المرء نفسه وان كان من لیلی علی الهجر طاویا

۱۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے قول کے درست ہونے کی ایک وجہ ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ موت کی خبر تو اسے دی جاتی ہے جس کے علم نہ ہو (جب کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو علم تھا) کیونکہ بعض اوقات افسوس کے اظہار کے طور پر جاننے والے کو بھی خبر دی جاتی ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۳)



”لیلیٰ ایسے محبوب کے (وصال) پر اگر (عاشق اور محبت) اپنی جان دے دیتا ہے اور اسے حق پہنچتا ہے (کیونکہ اس کی جان میں اس کی جان تھی) اگرچہ عاشق زندگی بھر لیلیٰ کی طرف سے شربت وصال کی بجائے شربت دیدار پر قناعت گزیر رہا مگر وصال کے بعد تو دیدار سے بھی۔“

ابو نعیم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں:

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو موت کا فرشتہ روتا ہوا آسمان کی طرف گیا (اور کہا) اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا تحقیق میں نے آسمان سے ایک آواز سنی کہ منادی کہہ رہا تھا ”وامحمداه“ اے محمد! ﷺ (آخر حدیث تک):

کل المصائب تھون عند هذه المصيبة. اس مصیبت کے مقابلے میں تمام مصیبتیں آسان

ہیں۔

”سنن ابن ماجہ میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیماری کے دوران فرمایا:

اے لوگو! لوگوں میں سے جس کو یا فرمایا: مؤمنوں میں سے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس مصیبت کو سامنے رکھتے ہوئے جو میری وجہ (میرے وصال کی وجہ) سے پہنچی ہے میرے غیر کی وجہ سے پہنچنے والی مصیبت پر صبر کرے کیونکہ میرے کسی امتی کو میرے بعد میری مصیبت سے بڑھ کر کوئی مصیبت ہرگز نہیں پہنچے گی۔

ابن جوزاء نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں اگر کسی کو کوئی مصیبت پہنچتی تو اس کا بھائی آ کر اس سے مصافحہ کرتا اور کہتا اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اور کسی قائل (شاعر) کا قول مجھے اچھا لگا:

اصبر لكل مصيبة وتجلد  
واصبر كما صبر الكرام فانها  
واعلم بان المرء غير مخلد  
نوب تنوب اليوم تكشف في غد  
فاذكر مصابك بالنبي محمد  
واذا اتك مصيبة تشجى بها  
”ہر مصیبت کے وقت صبر کا اظہار کرو اور مضبوطی دکھاؤ اور جان لو کہ کسی شخص نے سدا زندہ نہیں

رہتا۔

اور صبر (اس لیے بھی) اختیار کرنا چاہیے کہ یہ انبیاء علیہ السلام اور سلف صالحین کی سنت اور ان کا طریقہ یہ رہا ہے کہ کیونکہ آج اگر مصائب و آلام کے بادل چھائے ہیں تو کل چھٹ جائیں گے۔  
اور تجھے جب کوئی مصیبت آ کر ستائے تو اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پہنچنے والے مصائب کو یاد کر لیا کر۔“

ہر مصیبت پر صبر کر اور اسے برداشت کر اور جان لے کہ آدمی ہمیشہ رہنے والا نہیں اور اس طرح صبر کر جس طرح معزز لوگوں نے صبر کیا کیونکہ یہ ایک مصیبت ہے جو آج آئی ہے کل دور ہو جائے گی۔

اور جب تجھے کوئی مصیبت پہنچے جس پر تو عملگین ہو تو اس مصیبت کو یاد کر جو اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کے فراق پر پہنچی۔



اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے:

تذکرت لما فرق الدهر بیننا      فعزیت نفسی بالنبی محمد  
وقلت لها ان المنایا سیلنا      فمن لم یمت فی یومہ مات فی غد  
”جب زمانے نے ہمارے درمیان جدائی ڈالی تو مجھے بات یاد آ گئی، پس میں نے اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ (کے فراق) سے اپنے آپ کو تسلی دی۔ اور میں نے نفس سے کہا کہ موتیں ہمارے راستے ہیں، پس جو آج فوت نہیں ہوگا تو کل فوت ہو جائے گا۔“

قریب تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی جدائی کے دکھ میں جمادات (پتھر) وغیرہ پھٹ جائیں تو مؤمنوں کے دلوں کا کیا حال ہوگا؟ جب کھجور کے خشک تنے نے جس کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے اور ابھی منبر نہیں بنا تھا آپ کو نہ پایا تو وہ رویا اور چلایا، حضرت حسن (بھری) رحمہ اللہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو رو پڑتے اور فرماتے یہ لکڑی ہے جو نبی اکرم ﷺ کے لئے رورہی ہے تو تم زیادہ حق رکھتے ہو کہ آپ کا اشتیاق رکھو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب آپ کے وصال کے بعد اور دفن سے پہلے اذان دیتے ہوئے اشہد ان محمدا رسول اللہ کہتے تو مسجد رونے اور رونے میں آواز کو بلند کرنے سے گونج اٹھتی تھی اور جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینا چھوڑ دی، احباب کی جدائی سے زندگی کس قدر تلخ ہو جاتی ہے خصوصاً وہ لوگ جن کے دیکھنے سے عقل مند مند لوگوں کی زندگی وابستہ ہو۔

لو ذاق طعم الفراق رضوی      لکان من وجدہ یمید  
قد حملونی عذاب شوق      یعجز عن حملہ الحدید  
”اگر رضوی (مدینہ طیبہ میں ایک پہاڑ ہے) فراق کا ذائقہ چکھے تو اس کے اثر سے حرکت میں آ جائے انہوں نے مجھ پر شوق کا عذاب اس قدر رکھا کہ لوہا بھی اس کو برداشت کرنے سے عاجز ہو جائے۔“

نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن ہوا اس میں کوئی اختلاف نہیں اور ہجرت کے موقع پر آپ مدینہ طیبہ میں اس وقت داخل ہوئے تھے جب چاشت کا وقت سخت ہو جاتا ہے (سورج ڈھلنے کا وقت قریب ہوتا ہے) اور منگل کے دن اور ایک قول کے مطابق بدھ کی رات آپ کو دفن کیا گیا۔

”طبقات ابن سعد میں“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن ہوا اور منگل کے دن آپ کو دفن کیا گیا اور طبقات میں ہی حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کا وصال سوموار کے دن ہوا پس اس دن کا باقی حصہ آئندہ رات کو اور اگلے دن بھی آپ کے وجود مسعود کو رکھا گیا حتیٰ کہ رات کے وقت (بدھ کی رات) آپ کو دفن کیا گیا۔

طبقات میں ہے حضرت عثمان بن محمد ارضی سے مروی ہے کہ آپ کا وصال سوموار کے دن اس وقت ہوا جب سورج ڈھل گیا اور بدھ کے دن آپ کو دفن کیا گیا۔

ابن سعد نے ہی حضرت ابی بن عباس بن ہل کے واسطے سے ان کے والد سے روایت کیا اور وہ ان کے دادا (ابی کے دادا اور اپنے والد حضرت ہل بن ساعد انصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا وصال



سوموار کے دن ہوا اس دن کا باقی حصہ اور منگل کا دن گزارنے کے بعد بدھ کے دن آپ کو دفن کیا گیا۔  
ابن سعد ہی حضرت صالح بن کیسان سے اور وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن اس وقت ہوا جب سورج ڈھل گیا (دوپہر کے وقت)۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۰۸)  
نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے فراق میں بہت سے قصیدے کہے ہیں ان میں سے آپ کا یہ کلام بھی ہے:

الایا رسول اللہ کنت رجاءنا  
وکنت رحیما ہادیا ومعلما  
لعمرك ما ابکی النبی لفقدہ  
کان علی قلبی لذكر محمد  
افاطم صلی اللہ رب محمد  
فدی لرسول اللہ امی وخالتی  
فلو ان رب الناس ابقى نبینا  
علیک من اللہ السلام تحیة  
اری حسنا ایتمته وترکتہ

وکنت بنا برا ولم تک جافیا  
لیک علیک الیوم من کان باکیا  
ولکن لما اخشی من الہجر آتیا  
وما خفت من بعد النبی المکاویا  
علی جدث امستی بیثرب ثاویا  
وعمى وخالی ثم نفسی ومالیا  
سعدنا ولكن امره کان ماضیا  
وادخلت جنات من العدن راضیا  
یکى ویدعو جدہ الیوم نائیا

”یا رسول اللہ! آپ ہماری امید گاہ تھے آپ ہم سے اچھا سلوک کرنے والے تھے اور ہم سے منہ پھیرنے والے نہیں تھے۔

آپ رحمت کرنے والے ہدایت دینے والے اور معلم تھے جس نے رونا ہوا سے چاہیے کہ آج آپ پر روئے۔

آپ کی عمر کی قسم! میں صرف نبی ﷺ کو نہ پانے پر نہیں روتی بلکہ مجھے آنے والی جدائی کا ڈر ہے۔  
گویا میرے دل پر ذکر محمد ﷺ سے اور اس بات سے جس (اختلاف و انتشار اور ذلت) کا مجھے نبی اکرم ﷺ کے بعد ڈر ہے داغ ہی داغ ہیں۔

اے فاطمہ! حضرت محمد ﷺ کا رب اس قبر انور پر رحمت نازل فرمائے جو یثرب میں پناہ گاہ ہو گئی۔  
رسول اللہ ﷺ پر میری ماں، میری خالہ، میرے چچا اور باموں پھر میرا نفس اور مال فدا ہو جائے اگر لوگوں کا رب ہمارے نبی ﷺ کو باقی رکھتا تو ہماری خوش قسمتی ہوتی لیکن اس کا فیصلہ اٹل ہے۔  
آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہوا اور آپ کو جنات عدن میں داخل کیا جائے اس حال میں کہ آپ راضی ہوں۔

میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتی ہوں کہ آپ نے ان کو یتیم کر دیا اور روتا ہوا چھوڑا اور وہ اپنے نانا جان کو پکارتے ہیں جب کہ وہ دور ہو چکے ہیں۔“

ابوسفیان بن حارث نے ان کلمات سے جدائی پر افسوس کا اظہار کیا:



ارقت فبت لیلی لا یزول  
واسعدنی البکاء وذاک فیما  
لقد عظمت مصیبتنا ووجلّت  
واضححت ارضنا مما عراها  
فقدنا الوحی والتنزیل فینا  
وذاک احق ما سالت علیہ  
نبی کان یجلو الشک عنا  
ویہدینا فلا نخشی ضلّالا  
افاطم ان جزعت فذاک عذر  
فقبر ابیک سید کل قبر

ولیل اخی المصیبة فیہ طول  
اضیّب المسلمون بہ قلیل  
عشیة قیل قد قبض الرسول  
تکاد بنا جوانبہا تمیل  
یروح بہ ویغدو جبرئیل  
نفوس الناس او کادت تسیل  
بما یوحی الیہ وما یقول  
علینا والرسول لنا دلیل  
وان لم تجزعی ذاک السبیل  
وفیہ سید الناس الرسول

”میں نے رات بے خوابی میں گزاری جو ختم نہیں ہوتی اور مصیبت والی رات لمبی ہوتی ہے۔

اور رونے نے مجھے خوش بخت کیا اور مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبت کے مقابلے میں یہ بہت کم ہے۔

اس شام ہماری مصیبت بہت بڑی ہو گئی جب کہا گیا کہ رسول اکرم ﷺ کی روح مبارک پرواز کر گئی اور ہماری زمین اس ذات کی وجہ سے جس نے اسے چھوڑ دیا قریب تھا کہ وہ اس کے کنارے ہماری طرف مائل ہوں (یعنی تنگ ہو جائے)۔

ہماری طرف آنے والی وحی اور نزول قرآن جسے جبریل امین صبح و شام لاتے تھے ہم اس سے محروم ہو گئے اس پر لوگوں کی جانیں نکل جائیں یا نکلنے کے قریب ہوں تو یہ اس کے زیادہ لائق ہے۔

وہ نبی ﷺ جو وحی کے ذریعے اور اپنے ارشادات مبارکہ سے ہمارے شکوک کو دور کرتے تھے اور ہمیں ہدایت دیتے پس ہمیں گمراہی کا خوف نہ ہوتا کیونکہ رسول ﷺ ہمارے رہنما تھے۔

اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) اگر تم پریشانی کا اظہار کرو تو یہ عذر ہے اور اگر ایسا نہ کرو تو بھی ایک راستہ ہے آپ کے والد گرامی کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے کیونکہ اس میں وہ رسول تشریف فرما ہیں جو تمام لوگوں کے سردار ہیں۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ غم کا اظہار کیا:

لما رایت نبینا متجنّدا  
فارتاع قلبی عند ذاک لہلکہ  
اعتیق ویحک ان حبک قد ثوی  
یالیة نسی من قبل مہلک صاحبی  
ثلث حدثن بدائع من بعدہ

ضاقت علی بعرضہن الدور  
والعظم منی ما حییت کسیر  
فالصبر عنک لما لقیت یسیر  
غیبت فی جدث علی صخور  
یسعی بہن جوارح و صدور

”جب میں نے اپنے نبی کو موت کے سامنے بچھا ہوا دیکھا تو مکانات کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو



گئے۔ اس وقت آپ کے وصال پر میرا دل خوف زدہ ہو گیا اور جب تک میں زندہ ہوں میری ہڈیاں ٹوٹی ہوئی رہیں گی۔ کیا تو آزاد ہے تجھ پر افسوس تیرا محبوب مدفون ہو گیا اور تجھے جو مصیبت پہنچی ہے اس پر صبر کرنا بہت معمولی بات ہے۔ کاش میں اپنے دوست کے وصال سے پہلے چٹانوں پر قبر میں غائب ہو جاتا ان کے بعد ایسی ایسی مصیبتیں ظاہر ہوں گی جن کی وجہ سے اعضاء اور سینے (دل) عاجز آ جائیں گے۔“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ بھی اظہار غم فرمایا:

ودعنا الوحى اذ وليت عنا  
فودعنا من الله الكلام  
سوى ما قد تركت لنا رهينا  
تضمنه القراطيس الكرام

”جب آپ نے ہم سے پیٹھ پھیری تو وحی نے بھی ہمیں الوداع کہا پس ہم سے کلام الہی بھی رخصت ہو گیا۔ ماسوائے اس کے جو آپ نے ہمارے پاس رہن چھوڑا اور وہ معزز و محترم کاغذوں میں ہے۔“

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کتنے اچھے الفاظ میں اظہار غم فرمایا:

كنت السواد لناظري  
فعمى عليك الناظر  
من شاء بعدك فليمت  
فعليك كنت احاذر

”یا رسول اللہ! آپ تو میری آنکھوں کی پتلی تھے آپ کے پردہ فرمانے سے میری آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے اور میری دنیا اندھیر ہو گئی ہے۔ مجھے آپ کی جدائی کا ڈر رہتا تھا اور اب جو آپ ہمارے پاس نہیں رہے تو میری بلا کو چاہے کوئی جئے چاہے مرے مجھے کوئی پرواہ اور ڈر نہیں رہا۔“

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ بھی اظہار غم کیا:

بطيبة رسم للرسول ومعهده  
ولا تمنحى الايات من دار حرمه  
واوضح ايات وباقى معالم  
بها حجرات كان ينزل وسطها  
معارف لم تطمس على العهد ايها  
عرفت بها رسم الرسول وعهده  
اطالت وقولاً تذرف العين دمعها  
فبوركت يا قبر الرسول وبوركت  
وبورك لحد منك ضمن طيبا  
تهيل عليه التراب ايد واعين  
لقد غيوا حلما وعلمنا ورحمة  
وراحوا بحزن ليس فيهم نبهم  
يكون من تبكى السموات موته

مبين وقد تعفو الرسوم وتهمد  
بها منبر الهادى الذى كان يصعد  
وربع له فيه مصلى ومسجد  
من الله نور يستضاء ويوقد  
اتاه البلى فالأى منها تجدد  
وقبرا بها واراها فى التراب ملحد  
على طلل القبر الذى فيه احمد  
بلاد ثوى فيها الرشيد المسدد  
عليه بناء من صفيح منضد  
تباكت وقد غارت بذلك اسعد  
عشية عالىوه الثرى لا يوسد  
وقد وهنت منهم ظهور واعضد  
ومن قد بكته الارض والناس اكمد



وہل عدلت یوما رزۃ ہالک رزۃ یوم مات فیہ محمد  
”طیبہ میں رسول اکرم ﷺ کی مشہور و معروف یادگاریں اور آثار و علامات تھے اب یہ آثار آہستہ  
آہستہ مٹتے اور مدہم ہوتے جا رہے ہیں۔

البتہ آپ کے مقدس حرم خانہ کی نشانیاں اور نقوش ان مٹ ہیں اسی میں ایک ہادی برحق ﷺ کا وہ منبر  
شریف جس پر چڑھ کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

سب سے روشن نشانی اور باقی رہنے والی یادگار وہ مقدس احاطہ اور جگہ ہے جس میں آپ کی مسجد اور  
جائے نماز ہے۔

اس میں وہ حجرے مبارک ہیں جس کے آنگن میں اللہ کے نور حضور ﷺ نزول فرماتے تو اس کی ضیاء  
پاشیوں سے وہ روشن ہوتے اور جگمگا اٹھتے۔

اور علم و عرفان کی وہ جگہیں جن کے نشان زمانے کے گزرنے کے ساتھ مٹے نہیں ہیں، بوسیدگی اور کہنگی  
ان مقامات پر آتی رہی مگر یہ نشانات اور آثار اس سے اور بھی زیادہ نئی شان کے ساتھ نمودار ہوئے۔

اسی میں آپ کے مبارک عہد اور اس عہد کے رسوم کی معرفت کے چٹھے پھوٹے ہیں اسی میں وہ قبر انور  
ہے جس میں دفن کرنے والوں نے آپ کو مٹی میں چھپایا تھا۔

اے قبر رسول! ﷺ تو برکت اور سعادت والی جگہ ہو گئی ہے اور وہ شہر بھی برکت والے ہو گئے جن میں  
ہدایت دینے والے حق کی راہ چلانے والے رسول ذی شان ﷺ نے قیام فرمایا ہے اور آپ مدفون ہیں۔

(نوٹ:) اس شعر کے مصرعہ ثانیہ (بلاد ثوی فیہا الرشید المسدد) کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا  
ہے کہ الرشید کے معنی ہدایت راہی راہ حق پر برقراری ہوتا ہے اور الرشیدۃ کا معنی ہوتا ہے جائز نکاح اور  
وَلَدٌ لِّرَشِدَةٍ کا معنی ہوتا ہے وہ حلال زادہ ہے اب اس تحقیق کے لحاظ سے مصرعہ ثانیہ کا ترجمہ ہوگا بلاد ثوی  
فیہا الرشید المسدد اور برکت و سعادت والے ہو گئے وہ شہر جن میں وہ رسول پاک ﷺ قیام پذیر  
رہے اور مدفون ہوئے جو ہمیشہ ہی راہ حق پر برقرار رہنے والے ہیں اور جو جائز نکاح سے پیدا ہونے والے  
ہیں یعنی آپ کا نور مبارک ہمیشہ جائز شادی اور نکاح کے ذریعے پاک اور طیب رحموں اور پاک صلبوں میں  
سے منتقل چلتا آیا ہے اور ہدایت دیتا اور سیدھی راہ چلاتا آیا ہے جن رحموں اور صلبوں سے ہو کر آیا وہ اباء اور  
جدات بھی آپ کے نور کی برکت سے بھٹکنے نہیں پائے۔

یا رسول اللہ! آپ کی قبر انور جس کے اوپر پتلے چوڑے تہہ در تہہ پتھروں کی عمارت بنی ہوئی ہے اپنے  
دامن میں طیب و طاہر جسم کو چھپا کر برکت اور سعادت والی ہو گئی ہے۔

یا رسول اللہ! جب لوگ آپ کی لحد پر اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈال رہے تھے تو ان کی آنکھیں زار و قطار رو  
رہی تھیں۔

جس شام کو لوگوں نے آپ کے سر مبارک کے نیچے تکیہ اور سر ہانہ رکھے بغیر آپ کے اوپر مٹی ڈال کر  
آپ کی لحد اور آرام گاہ کو اونچا کیا تو بے شک انہوں نے اس لحد میں حلم، علم اور رحمت کو چھپایا تھا۔



اور جب ان (حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے صبح کی تو وہ غمگین تھے کہ آج ان کے نبی مکرم ﷺ ان کے درمیان موجود نہیں تو یقیناً اس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی اور بازو کمزور ہو گئے۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رو رہے تھے وہ کیوں نہ روتے کہ ان پر تو سارے آسمان روئے زمین روئی اور سارے انسان روئے۔

کیا اس عظیم صدمے والے دن کے برابر کوئی دن ہوگا، کوئی صدمہ ہوگا، جس دن میں حضرت محمد ﷺ نے وصال فرمایا تھا؟“

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کا وصال ثابت ہو گیا اور انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کیا تو روتے ہوئے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کے لئے ایک تنا تھا جس پر آپ لوگوں کو خطبہ دیتے تھے جب وہ زیادہ ہو گئے تو منبر اختیار کیا گیا تا کہ آپ ان کو سنا سکیں تو آپ کے فراق میں اس تنے نے رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا تو وہ ٹھہر گیا تو آپ کی امت کو آپ پر رونے کا زیادہ حق ہے جب آپ ان سے جدا ہو گئے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کے رب کے ہاں آپ کی فضیلت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس نے آپ کی فرمانبرداری کو اپنی فرمانبرداری قرار دیا اور فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ.  
جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی (النساء: ۸۰) اطاعت کی۔

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی فضیلت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس نے آپ کو آخری نبی بنا کر بھیجا اور ان کے شروع میں آپ کا ذکر کیا پس ارشاد خداوندی ہے:

وَلَاذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ  
نُوحٍ. (الاحزاب: ۷)  
اور تم سے اور نوح سے (علیہم السلام)۔

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی فضیلت کی انتہا یہ ہے کہ جہنمی چاہیں گے کہ وہ آپ کی اطاعت کرتے اور وہ اپنے اپنے طبقہ میں عذاب میں مبتلا ہوں گے وہ کہیں گے اے کاش! ہم اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانتے۔

اس روایت کو ابو العباس قصار نے امام بوصیری رحمہ اللہ کے قصیدہ بردہ شریف کی شرح کرتے ہوئے نقل کیا اور ان سے الرشاطی (ابو محمد عبد اللہ بن علی النخعی متوفی ۳۶۶ھ) (کشف الظنون ج ۱ ص ۱۳۴) نے ”اقتباس الانوار والتماس الاذہار میں“ نقل کیا اور ابن حاج نے ”المدخل میں“ پوری روایت نقل کی اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے ”الشفاء میں“ ذکر کیا لیکن اس کا بعض حصہ ذکر کیا۔

”شفاء شریف کے“ بہت سے نسخوں میں مذکور ہے کہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں جس کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کو رلایا۔ یہاں بکسی شد کے ساتھ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ تخفیف کے ساتھ ہے تشدید کے ساتھ نہیں کیونکہ یہ کلام حضرت عمر



فاروق رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد سنا گیا (یعنی وہ روئے) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔  
”شفاء شریف کے“ حاشیہ میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں وہ خود فرماتے ہیں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی عمر کم ہونے کے باوجود اتنے لوگوں نے آپ کی اتباع کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر زیادہ ہونے کے باوجود ان کی پیروی اتنے لوگوں نے نہیں کی آپ پر بے شمار لوگ ایمان لائے اور ان پر چند افراد ایمان لائے۔ ۱۔  
ابن عساکر نے ابو ذؤیب ہذلی ۲ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ علیل تھے تو قبیلہ والوں کو خوف محسوس ہوا اور میں نے طویل رات گزاری حتیٰ کہ جب سحری کا وقت ہوا تو میں سو گیا تو ہاتھ نے (خواب میں) مجھے آواز دی اور کہا:

خطب اجل انما بالاسلام  
قبض النبی محمد فعیوننا  
بین النخیل ومقعد الاطام  
تبدی الدموع علیہ بالتسجیم

”اسلام کو ایک بڑا حادثہ کھجور کے درختوں اور قلعوں کی نشستوں کے درمیان پیش آیا“  
اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ وصال فرما گئے اور ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔  
میں فوراً اپنی نیند سے کود پڑا پس آسمان کی طرف دیکھا تو ”سعد الذابح“ ستارے کے سوا کچھ نہ دیکھا (تو اس سے یوں فال لی کہ اب عرب میں ذبح کا وقوع ہوگا) تو مجھے معلوم ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا ہے یا آپ کا وصال قریب ہے پس میں مدینہ طیبہ آیا تو وہاں رونے کے ساتھ ایسی پکار تھی جیسے حاجی صاحبان احرام باندھتے وقت تلبیہ کہتے ہیں تو آواز بلند ہوتی ہے میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا ہے۔

### نبی اکرم ﷺ کو غسل دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو کچھ مروی ہے اس میں عجیب اتفاق یہ ہے کہ جب صحابہ کرام نے آپ کو غسل دینے کا ارادہ فرمایا تو ایک دوسرے سے کہا کیا ہم آپ کے جسم اقدس سے کپڑوں کو اتار دیں جس طرح اپنے فوت شدہ لوگوں کے کپڑے اتارتے ہیں یا آپ کو کپڑوں سمیت غسل دیں جب ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند ڈال دی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی لیکن چند افراد ایمان لائے کہا گیا ہے کہ چھ مرد اور ان کی عورتیں ایک قول کے مطابق اسی افراد ایمان لائے۔ آپ کی مسلمان زوجہ اور صاحبزادے سام حام اور یافث نیز ان کی بیویاں اور بہتر افراد دوسرے تھے آدھے مرد اور آدھی عورتیں حضرت نوح اور کشتی میں سوائے سب اسی افراد تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۸)

۲ ابو ذؤیب ہذلی معروف شاعر ہیں ان کا نام خولید بن خالد ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ خالد بن خولید ہے دور جاہلیت میں ایک زمانہ گزارا پھر اسلام کا دور پایا اور اسلام قبول کیا ان کے اکثر اشعار اسلام دور کے ہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں حاضر ہوئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا اور حضور ﷺ کے وصال پر ایک قصیدہ لکھا پھر اپنے دیہات کی طرف چلے گئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مکہ مکرمہ کے راستے میں وصال ہوا یہ بھی کہا گیا ہے کہ افریقہ کے راستے میں جہاد کی حالت میں وصال ہوا ابن زبیر فتح کی خوشخبری لے کر جا رہے تھے کہ انہوں نے ان کو دفن کیا اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۸)



دی حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینے پر لگتی تھی۔ پھر گھر کے ایک کنارے سے کسی کلام کرنے والے نے ان سے کلام کیا جس کے بارے وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون ہے؟ (اس نے کہا) رسول اکرم ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دو پس وہ کھڑے ہوئے اور آپ کو غسل دیا جب کہ آپ کی قمیص آپ کے جسم پر تھی وہ قمیص کے اوپر سے پانی ڈالتے اور قمیص کے ساتھ ہی ملتے تھے۔

(دلائل النبوة ج ۷ ص ۲۳۲ المسند رک ج ۳ ص ۵۹ المصنف الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۵ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۱۲)

امام ابن ماجہ نے جید سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے کنویں یعنی بئر غرس سے سات مشکیزوں سے غسل دینا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۸ المغنی ج ۱ ص ۲۶۱ اتحاف السادة المتقین ج ۱ ص ۲۸۸ الکامل ج ۲ ص ۶۲ کنز العمال رقم

الحدیث: ۴۲۲۹)

”نہایہ میں“ فرمایا کہ ”غرس“ میں غنیں پر زبر ہے جبکہ راء اور سین دونوں ساکن ہیں۔

ابن نجار نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے آج رات (خواب میں) دیکھا کہ صبح میں جنت کے ایک کنویں پر ہوں گا پس صبح آپ ”بئر غرس“ پر تھے اور آپ نے اس سے وضو بھی کیا اور اس میں اپنا لعاب مبارک بھی ڈالا۔

نبی اکرم ﷺ کو تین بار غسل دیا گیا پہلی بار خالص پانی کے ساتھ دوبارہ پانی اور پیری کے پتوں کے ساتھ اور تیسری مرتبہ پانی اور کافور کے ساتھ غسل دیا گیا حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے ذاتی طور پر (اپنے ہاتھوں سے) غسل دیا جب کہ حضرت فثم (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے) حضرت اسامہ اور نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت شقران رضی اللہ عنہم پانی ڈالتے تھے اور ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی وہ مقام ستر کے علاوہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) مجھے صرف آپ غسل دیں کیونکہ جو بھی میرے جسم شریف کو دیکھے گا اس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو جائے گی۔

امام بیہقی نے حضرت شععی سے روایت کیا فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو غسل دیا اور وہ غسل دینے کے دوران کہہ رہے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی زندگی اور وصال دونوں طیب ہیں۔

امام ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام حاکم نے اس کی تصحیح کی فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی

امام زرقانی فرماتے ہیں یہ کنواں قباء میں تھا اور نبی اکرم ﷺ اس سے پانی نوش فرمایا کرتے تھے اور آپ نے اس میں اپنا لعاب مبارک بھی ڈالا تھا اس لئے اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا ”میرا کنواں“۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۹)

لعاب مبارک ڈالنے کا مقصد اس کو بابرکت بنانا تھا سبحان اللہ! یہ ہمارے آقا ﷺ کی شان ہے اور بے مثل بشر ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی تمام افراد کی آنکھوں پر پٹی تھی تاکہ غسل کے دوران ان کی نگاہ آپ کے جسم شریف پر نہ پڑھے اور انہیں یہ خوف تھا کہ جسم کا کوئی ایسا حصہ ظاہر ہو جائے جسے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۸۹)



اکرم ﷺ کو غسل دیا تو میں وہ چیز دیکھنے لگا جو میت سے ظاہر ہوتی ہے (مثلاً خون یا پاخانہ وغیرہ) پس مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا اور آپ کی زندگی اور وصال دونوں اچھے تھے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ ایسی خوشبو اٹھی جس کی مثل انہوں نے کبھی نہ پائی تھی۔

کہا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا باندھا اور آپ کی قمیص کے نیچے ہاتھ ڈالا پھر قمیص کو نچوڑا اور آپ کے اعضائے سجدہ اور جوڑوں پر کافور لگائی اور آپ کے بازوؤں، چہرہ، انور، ہتھیلیوں اور پاؤں مبارک کو وضو کروایا اور اگر بتی اور عنبر کی دھونی دی۔

ابن جوزی نے ذکر کیا کہ حضرت جعفر بن محمد سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی پلکوں میں پانی جمع ہو رہا تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسے نوش فرماتے تھے۔

اور وہ روایت جس میں آتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب آپ کو غسل دیا تو آپ کی آنکھوں کے اندر کا پانی چوسا اور پی لیا اور وہ اس وجہ سے پہلوں اور پچھلوں کے علم کے وارث ہو گئے تو امام نووی فرماتے ہیں یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

### نبی اکرم ﷺ کا کفن مبارک

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جسے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، ام المؤمنین فرماتی ہیں:

كفن رسول الله ﷺ في ثلاث اثواب  
سحولية ابيض. نبی اکرم ﷺ کو تین سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔

(”سحولیہ“ کی وضاحت آگے آرہی ہے)۔

اس حدیث کو امام نسائی نے عبدالرزاق کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت معمر سے وہ حضرت زہری سے اور وہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث کے چھ امام! اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث حضرت ہشام کے طریق سے مروی ہے وہ حضرت عروہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ اضافہ روایت کرتے ہیں۔

من كرسف ليس فيها قميص ولا عمامة. یہ کفن سوتی تھا اور اس میں قمیص اور دستار نہیں تھی۔

البتہ امام ترمذی اور ابن ماجہ کے نزدیک ”من كرسف“ کے الفاظ نہیں ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ اضافہ کیا کہ حلہ (دویمنی چادروں پر مشتمل جوڑا) کے بارے میں لوگ شبہ کا شکار ہیں وہ آپ کے کفن کے لئے خریدا گیا لیکن پھر اسے چھوڑ دیا گیا اور تین سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا پس حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے وہ حلہ لے لیا اور فرمایا میں اسے سنبھال کر رکھوں گا تا کہ مجھے اس میں کفن دیا جائے پھر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ اسے اپنے نبی ﷺ کے لئے پسند کرتا تو آپ کو اس میں کفن دیا جاتا پس انہوں نے اسے بیچ دیا اور اس کی قیمت صدقہ کر

۱۔ صحاح ستہ کے مصنفین امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ مراد ہیں۔



دی۔

امام مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایک یمنی جوڑے کا کفن پہنایا گیا جو حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کا تھا پھر اسے آپ سے اتار لیا گیا، تفصیل کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے۔

چاروں سنن (سنن نسائی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ اور سنن ترمذی) کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے لوگوں کا یہ قول ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو دو کپڑوں اور ایک دھاری دار یمنی چادر میں کفن دیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ چادر لائی گئی تھی لیکن وہاں موجود حضرات نے اسے رد کر دیا اور اس میں آپ کو کفن نہیں پہنایا گیا۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ تین سفید، حولی نئے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔

السحولیۃ۔ سین پر پیش ہے، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زبر مشہور ہے۔

اور اکثر حضرات کی یہی روایت ہے ”النباہیہ میں“ ہروی کی اتباع میں کہا گیا کہ زبر کے ساتھ حول کی طرف منسوب ہے اور یہ دھوبی کے لئے بولا جاتا ہے جو اسے دھوتا ہے۔ یا یمن کی ایک بستی حول کی طرف منسوب ہے۔

اور پیش کے ساتھ یہ محل کی جمع ہے اور یہ سفید پاک صاف کپڑے کو کہتے ہیں اور یہ سوتی ہوتا ہے اور یہ شاذ ہے (خلاف ضابطہ ہے) کیونکہ یہ جمع کی طرف منسوب ہے، کہا گیا کہ پیش کے ساتھ بھی بستی کا نام ہے۔

الکرمسف۔ کاف پر پیش، راء ساکن اور سین پر ضمہ ہے اور آخر میں فاء ہے کپاس (روئی) کو کہتے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے کفن کے بارے میں مختلف روایات ہیں اور اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ کرام اور ان کے علاوہ اس پر عمل ہے۔

امام بیہقی نے ”الخلائیات“ میں فرمایا کہ حضرت ابوعبداللہ یعنی امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ابن عمر، حضرت جابر اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں قمیص اور عمامہ شامل نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن محمد عقیل، حضرت ابن حنیفہ سے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو سات کپڑوں میں کفن دیا گیا، اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا۔

اور ابن حزم نے ذکر کیا کہ اس میں ابن عقیل یا ان کے بعد والوں کی وجہ سے وہم آیا ”اس کفن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا“۔ اس قول کے معنی میں اختلاف ہے پس صحیح قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ کفن میں قمیص اور عمامہ بالکل نہیں تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جو قمیص اور عمامہ سے خارج (یعنی ان کے علاوہ تھے)۔

شیخ تقی الدین بن دقاق العید فرماتے ہیں پہلا قول مراد میں زیادہ ظاہر ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم میں“ فرمایا کہ پہلا قول امام شافعی اور جمہور علماء کی تفسیر ہے اور یہی درست ہے جس کا تقاضا حدیث کا ظاہر کرتا ہے اور فرمایا کہ دوسرا قول ضعیف ہے پس یہ بات ثابت نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو قمیص اور عمامہ میں کفن دیا گیا ہو۔



اس بنیاد پر ان (فقہاء کرام) کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ کفن میں قمیص اور عمامہ ہو یا نہ؟ تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں مستحب ہے کہ تینوں کپڑے لفافہ ہوں (ایسے ہوں جن کو لپیٹا جاتا ہے) ان میں قمیص اور عمامہ نہ ہو۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان تین کپڑوں سے زائد قمیص اور عمامہ ہوتا کہ پانچ کپڑے ہو جائیں تو حنبلی فقہ والوں کے نزدیک یہ طریقہ مکروہ ہے، شافعی حضرات فرماتے ہیں جائز ہے لیکن مستحب نہیں اور مالکی حضرات کے نزدیک مردوں اور عورتوں سب کے لئے مستحب ہے البتہ عورتوں کے حق میں زیادہ تاکید ہے وہ فرماتے ہیں سات تک کا اضافہ مکروہ نہیں۔ البتہ اس سے زائد فضول خرچی ہے اور احناف فرماتے ہیں تین کپڑے ہوں ازار (چادر) قمیص اور لفافہ (بڑی چادر)۔

مسلمانوں کا کفن کے وجوب پر اجماع ہے اور یہ فرض کفایہ ہے پس اس (میت) کے مال سے واجب ہے ازار اگر اس کا مال نہ ہو تو جس پر اس کا نفقہ لازم تھا اس پر واجب ہے۔

اگر شادی شدہ عورت کے پاس مال ہو تو اس کے بارے میں ہمارے اصحاب (یعنی شافعی حضرات) کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا اس کے اپنے مال میں واجب ہے یا خاوند کے مال میں؟ امام رافعی نے ”الشرح الصغیر“ اور ”المحدر“ میں اور امام نووی رحمہ اللہ نے ”المنہاج میں“ پہلا موقف اختیار کیا جب کہ امام رافعی ”الشرح الکبیر“ میں اور امام نووی نے ”شرح المہذب میں“ دوسرا موقف اختیار کیا اور فرمایا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے خاوند پر عورت کا کفن اس شرط کے ساتھ واجب کیا کہ عورت تنگ دست ہو لیکن فقہاء کرام نے ان پر اعتراض کیا ہے۔

اور جب عورت تنگ دست ہو تو اس کا کفن قطعی طور پر خاوند پر واجب ہے اور وہ بھی صرف ایک کپڑا اور وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اگر میت اسے ساقط کرنے کی وصیت کرے تو یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ بخلاف دوسرے اور تیسرے کپڑے کے کہ وہ میت کا حق ہے اور اس کو ساقط کرنے سے متعلق اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ جس قمیص میں نبی اکرم ﷺ کو غسل دیا گیا تھا آپ کو کفن پہناتے وقت اسے اتار دیا گیا تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم میں“ فرمایا کہ یہی بات درست ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی کیونکہ اگر یہ اپنی رطوبت کے باوجود باقی رہتی تو کفن کے کپڑوں کو خراب کر دیتی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جو ”سنن ابی داؤد میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا حلہ یعنی دو کپڑے اور وہ قمیص جس میں آپ کا وصال ہوا۔

تو یہ حدیث ضعیف ہے اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث کے ایک راوی یزید بن زیاد کے ضعف پر اجماع ہے خصوصاً جب کہ اس کی روایت میں ثقہ راویوں کی مخالفت ہو۔

**نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ اور تدفین**

”ابن ماجہ میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث یوں مروی ہے کہ جب منگل کے دن نبی اکرم ﷺ کی



تجہیز سے فارغ ہوئے (کفن پہنا دیا) تو آپ کو آپ کے حجرہ مبارکہ میں چار پائی پر رکھ دیا گیا پھر لوگ جماعت در جماعت داخل ہو کر آپ پر درود شریف پڑھتے رہے حتیٰ کہ جب (مرد) فارغ ہوئے تو عورتیں داخل ہوئیں یہاں تک کہ جب وہ فارغ ہوئیں تو بچے داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ پر کسی نے امامت نہیں کرائی۔ (طبرانی)

ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے فرشتوں نے آپ پر درود شریف بھیجا اور وہ گروہوں کی شکل میں تھے پھر آپ کے اہل بیت نے پھر دوسرے لوگ گروہوں کی صورت میں آئے پھر آخر میں آپ کی ازواج مطہرات آئیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ کے اہل بیت نے آپ پر درود شریف پڑھا تو لوگوں کو معلوم نہ ہوا کہ وہ کیا کہیں؟ تو انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا انہوں نے ان کو حکم دیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کرو تو انہوں نے فرمایا یوں کہو:

ان الله وملائكته يصلون على النبي يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما' ليك اللهم ربنا وسعديك صلوات الله البر الرحيم' والملائكة المقربين' والنبيين' والصديقين والشهداء والصالحين' وما سبغ لك من شيء يا رب العالمين' على محمد بن عبد الله خاتم النبيين' وسيد المرسلين' وامام المتقين ورسول رب العالمين' الشاهد البشير الداعي اليك باذنك السراج المنير' وعليه السلام.

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ اے اللہ! ہم بار بار حاضر ہیں اللہ تعالیٰ جو نیکی قبول کرنے والا رحیم ہے، ملائکہ، مقربین، انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی طرف سے اور اے تمام جہانوں کے پالنے والے! جو چیز بھی تیری تسبیح کرتی ہے اس کی جانب سے حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود ہو جو سب سے آخری نبی، تمام رسولوں کے سردار، متقی لوگوں کے امام، تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول، حاضر و ناظر، خوشخبری دینے والے، تیرے حکم سے تیری طرف بلانے والے روشن چراغ ہیں اور آپ پر سلام ہو۔

یہ بات شیخ زین الدین بن حسین مراغی نے اپنی کتاب ”تحقیق النصرہ“ میں ذکر کی ہے۔ ۱۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۳۷۸) پھر باہم مشورہ ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کریں؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ما هلك نبي قط الا يدفن حيث تقبض روحه. جو نبی انتقال کرے اسے وہاں دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے بھی آپ سے یہ بات سنی ہے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ آپ کی قبر شریف کھودی جہاں وصال کے وقت آپ کا بچھونا تھا۔

۱۔ کتاب ”تحقیق النصرہ فی تاریخ دار الجمرہ“ مراد ہے اور ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ عام طریقے پر نہ تھی بلکہ صحابہ کرام حاضر ہوتے اور درود شریف پڑھتے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۲)



اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آپ کی قبر میں کون اتر اٹھا؟ اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح بات جو مروی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی قبر میں آپ کے چچا حضرت عباس، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت قثم بن عباس اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم اترے تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ سے سب سے آخر میں جن کا رابطہ ہوا وہ حضرت قثم بن عباس تھے (وہ سب سے آخر میں قبر سے باہر آئے)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی قبر شریف میں نوائیٹیں لگائی گئیں اور آپ کے نیچے نجران کا ایک کپڑا بچھایا گیا جس سے آپ کے جسم اقدس کو ڈھانپا گیا تھا، حضرت شقران نے اسے قبر میں بچھایا اور فرمایا اللہ کی قسم! آپ کے بعد اسے کوئی نہیں پہنے گا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام شافعی اور آپ کے اصحاب اور دوسرے علماء نے قبر میں میت کے نیچے کپڑے کا کوئی ٹکڑا، پھونٹا اور تکیہ وغیرہ بچھانے کو مکروہ قرار دیا اور ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے امام بغوی نے اپنی کتاب ”التهذیب میں“ الگ موقف اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس حدیث کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن درست بات یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ جمہور نے کہا ہے۔ ان حضرات نے اس حدیث کا جواب اس طرح دیا ہے کہ حضرت شقران رضی اللہ عنہ اس عمل میں منفرد ہیں اور کسی دوسرے صحابی نے ان کی موافقت نہیں کی اور نہ ان کو اس بات کا علم ہے۔ حضرت شقران رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ کے بعد کوئی شخص اسے پہنے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

”تحقیق النصرة“ میں ہے ابن عبد البر نے فرمایا کہ پھر جب نوائیٹیں رکھ کر فارغ ہوئے تو وہ کپڑا نکال لیا گیا۔ یہ بات ابن زبالہ نے نقل کی ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ کو دفن کیا گیا تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ (کی قبر شریف) پر مٹی ڈالنا کیسے گوارہ کر رہے ہو؟ (صحیح بخاری)

پھر انہوں نے قبر شریف سے خاک شریف لے کر اپنی آنکھوں پر رکھی اور یہ اشعار پڑھے:

ماذا علی من شتم تربة احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انھا صبت علی الایام عدن لبالیاً

”جو شخص حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی قبر شریف کی مٹی سونگھے اسے کیا ہے اگر وہ عمر بھر ”غوالی“ خوشبو نہ

سونگھے۔

میرے اوپر ایسی مصیبتیں ڈالی گئیں کہ اگر وہ زمانے پر ڈالی جاتیں تو اس کے دن راتوں میں بدل

جاتے۔“

حضرت رزین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر پر پانی چھڑکا گیا، حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ نے اپنے مشکیزے سے پانی چھڑکا اور اس کا آغاز سر کی جانب سے کیا۔ یہ بات ابن عساکر نے نقل کی ہے اور میدان سے سرخ و سفید کنکریاں لے کر اس پر ڈالی گئیں اور قبر شریف کو زمین سے ایک بالشت بلند کیا گیا۔



## قبر انور کی صفت

”صحیح بخاری میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اس علالت کے دوران جس سے آپ اٹھ نہ سکے فرمایا:

(لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياءهم مساجد) لو لا ذلك لا برز قبره غير انه خشي او خشي ان يتخذ مسجدا.  
اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے انہوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر ظاہر ہوتی لیکن آپ کو ڈر ہوا یا ڈر محسوس کیا گیا کہ اسے سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔ ۱۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۸-۵۱۸، ج ۵ ص ۲۰۴، دلائل النبوة ج ۷ ص ۲۶۳، التہذیب ج ۱ ص ۱۹۶، ج ۵ ص ۳۶، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۷۶۳-۱۹۱۸۹-۲۲۵۲۳)

ابوعوانہ کی روایت جسے حضرت ہلال (بن حمید جہنی) سے نقل کیا خُشِی اور خُشِی (یعنی معروف کا صیغہ ہے یا مجہول کا)۔ پس مجہول کی روایت مبہم ہے ممکن ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہی اس کو واضح (اونچا) کرنے سے منع کیا ہو اور ”غیر انہ“ میں ضمیر ”ہا“ ضمیر شان ہے اور گویا انہوں نے اپنی ذات مراد لی اور وہ لوگ مراد لئے جو اس سلسلے میں ان کے موافق ہیں اور اس بات کا تقاضا یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنے اجتہاد سے یہ کام کیا لیکن خاء پرزبر کے ساتھ معروف کا صیغہ تقاضا کرتا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس بات کا حکم دیا (کہ قبر شریف کو زیادہ اونچا نہ کیا جائے)۔

”لابرز قبره“ یعنی قبر کو واضح کیا جائے اور اس کے اوپر کوئی پردہ حائل نہ ہو یعنی گھر سے باہر بنائی جائے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسجد کی توسیع سے پہلے فرمائی اسی لئے جب مسجد کی توسیع کی گئی تو حجرہ مبارکہ کی تکنونی شکل میں حد بندی کی گئی تاکہ کوئی شخص قبر کی جہت میں نماز نہ پڑھ سکے حالانکہ وہ قبلہ کی جہت میں ہے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو بکر بن عیاش کی روایت بھی ہے جسے انہوں نے حضرت سفیان التمار سے روایت کیا انہوں نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کو کوہان نما یعنی اٹھی ہوئی بلند دیکھا۔ ابوالنعیم نے ”استخرج“ میں یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں بھی اسی طرح ہیں۔ اس سے استدلال کیا گیا کہ قبروں کو کوہان نما بنانا مستحب ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد، مزنی اور بہت سے شافعی حضرات کا یہی قول ہے۔ قاضی حسین نے تمام اصحاب شافعی کے اس بات پر اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ قدیم شافعیوں کی ایک جماعت کے نزدیک قبر کو برابر رکھنا مستحب ہے جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان کیا اور ماوردی وغیرہ نے اس پر اعتماد کیا۔ ۲۔

۱۔ قبر انور کے ظاہر ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ عمارت کے اندر نہ ہوتی یا آپ کو حجرہ مبارکہ کے باہر دفن کیا جاتا۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۲۹۳)

۲۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر کو اسی طرح برابر رکھا اور آپ کا عمل حجت ہے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے افضل طریقے کو پسند فرمایا ہے اور آپ کا عمل بیان جواز کے لئے تھا۔ (زرقاتی)



اور سفیان تمار کا قول حجت نہیں جس طرح امام بیہقی نے فرمایا کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور شروع میں کوہان نما ہو۔

ابوداؤد اور حاکم نے قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے طریق سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا اماں جان! میرے لئے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کو کھولے تو انہوں نے میرے سامنے تین قبروں کو کھولا جو نہ تو زیادہ بلند تھیں اور نہ ہی زمین سے ملی ہوئی تھیں اور وہاں وادی بطحاء کی سرخ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں۔

حاکم نے یہ اضافہ کیا کہ میں نے دیکھا رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف سب سے آگے تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سر انور آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان اور حضرت عمر فاروق کا سر انور نبی کریم ﷺ کے پاؤں کے پاس تھا (قبروں کی یہ ترتیب اور انداز تھا) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ صورت حال تھی گویا شروع میں قبر انور برابر سطح کی تھی پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں جب وہ ولید بن عبدالملک سے پہلے مدینہ طیبہ کے امیر تھے قبروں کی دیوار بنائی گئی تو ان قبروں کو بلند کر دیا گیا۔

ابوبکر آجری (محمد بن حسین بن عبداللہ متوفی ۳۶۰ھ) نے اپنی کتاب ”صفة قبر النبی ﷺ“ میں اسحاق بن عیسیٰ بن بنت داؤد بن ابی ہند کے طریق سے حضرت شمیم بن نسطاس مدنی سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کو دیکھا کہ وہ چار انگلیوں کے برابر بلند تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کو اس سے ذرا پیچھے دیکھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر کو دیکھا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کے پیچھے کچھ نچلی جانب تھی۔

(الاعلام ج ۶ ص ۹۷، وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۸۸، صفة الصفوة ج ۲ ص ۲۶۵، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۳۳)

پھر اختلاف اس بات میں ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کیا ہے؟ (کوہان نمایا برابر سطح والی قبر) اصل جواز میں کوئی اختلاف نہیں (دونوں طرح جائز ہے)۔

مزنی نے معنوی طور پر کوہان بنانے کو ترجیح دی ہے یعنی برابر سطح ہو لیکن وہ بیٹھی ہوئی کے مشابہ ہو کوہان نما نہ ہو۔ صحیح مسلم نے حضرت فضالہ بن عبیدہ کی حدیث سے جو کچھ روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا پھر اسے برابر کیا گیا پھر فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا۔ اس روایت کی بنیاد پر برابر کرنے کو ترجیح دی گئی ہے۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان پر دیوار گر گئی یعنی ولید بن عبدالملک کے زمانے میں حجرہ مبارکہ کی دیوار گری تو انہوں نے اسے بنانا شروع کیا ان کے لئے ایک پاؤں ظاہر ہوا تو وہ گھبرا گئے اور گمان کیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک ہے پس کسی ایک شخص کو بھی نہ بتایا جو یہ بات جانتا ہو حتیٰ کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! یہ نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی قسم یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قدم مبارک ہے۔

اس سلسلے میں سبب وہ روایت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت شعیب بن اسحاق کے طریق سے روایت کیا



وہ حضرت ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: مجھے میرے والد نے خبر دیتے ہوئے فرمایا: کہ لوگ قبر شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسے بلند کیا گیا تاکہ اس کی طرف کوئی شخص نماز نہ پڑھے جب دیوار گری تو ایک پاؤں پنڈلی اور گھٹنے سمیت ظاہر ہوا اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ گھبرا گئے پس حضرت عروہ ان کے پاس آئے اور فرمایا یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پنڈلی اور گھٹنا ہے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا خوف زائل ہو گیا۔

آجری نے روایت کیا کہ رجاء بن حیوہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر شریف نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف (نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس کے) درمیانے حصے سے متصل ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پیچھے ہے اور ان کا سر مبارک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان والے حصے کے نزدیک ہے۔ یہ روایت بظاہر حضرت قاسم کی روایت کے خلاف ہے اگر ان کو جمع کرنا ممکن ہو تو ٹھیک ہے ورنہ حضرت قاسم کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

حضرت ابو یعلیٰ نے دوسرے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو کچھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی دائیں جانب اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب ہیں تو اس کی سند ضعیف ہے۔

اربات سیرت اور دوسرے حضرات نے ان مقدس قبور کے سلسلے میں سات روایات کی بنیاد پر اختلاف کیا ہے ان روایات کو ابن عساکر نے ”تحفة الزائر“ میں ذکر کیا ۱ اور اہل سیر نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا فرماتے ہیں حجرہ مبارکہ میں مشرقی جانب ایک طاق کی طرف کچھ جگہ باقی ہے جس میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کو دفن کیا جائے گا اور ان کی قبر چوتھی قبر ہوگی۔

ابن جوزی کی ”المنتظم میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں اتریں گے شادی کریں گے ان کی اولاد پیدا ہوگی اور وہ چالیس سال ٹھہریں گے پھر ان کا وصال ہوگا تو میری قبر میں میرے ساتھ دفن ہوں گے (یعنی اس حجرہ مبارکہ میں دفن ہوں گے)۔ پس میں اور حضرت عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان سے اٹھیں گے۔ (المنتظم ج ۲ ص ۳۹)

۱۔ رجاء بن حیوہ کہتے ہیں کہ ولید بن عبد الملک نے امہات المؤمنین کے حجروں کو خرید اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ ان کو گرا کر مسجد کی توسیع کریں تو ہم ایک کنارے پر بیٹھ گئے پھر انہوں نے ان کو گرانے کا حکم دیا تو اس دن سے زیادہ رونا ہم نے نہیں دیکھا پھر عمارت تعمیر کی جس طرح اراد کیا تھا جب قبر انور پر عمارت بنائی اور پہلی عمارت کو گرایا تو تین قبریں ظاہر ہوئیں اور ان پر جو ریت تھی وہ گرنے لگی حضرت عمر بن عبدالعزیز گھبرائے اور خود اٹھ کر ٹھیک کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا کہ اگر آپ انھیں گے تو سب لوگ انھیں گے اللہ آپ کو بھلائی عطا کرے اگر کسی کو حکم دیں تو بہتر ہے اور مجھے امید تھی کہ مجھے حکم دیں گے چنانچہ انہوں نے اپنے غلام سے فرمایا اے مزاحم! ان کو درست کرو۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۲۹۵)

۲۔ ان میں سے پانچ ضعیف ہیں اور دو روایتیں صحیح ہیں ایک وہ جو حضرت قاسم کے حوالے سے گزر گئی ہے اور دوسری وہ جس میں حضرت رزین وغیرہ نے اعتماد کیا اسی کو مشہور قرار دیا گیا حضرت امام نووی اور کھودی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۲۹۵)



”تحقیق النصرہ میں بھی“ اسی طرح ذکر کیا ہے۔

### نبی اکرم ﷺ کی تدفین میں تاخیر

اگر تم کہو کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن ہوا اور بدھ کے دن آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کی تدفین میں تاخیر کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ ایک گھرانے نے اپنی میت کی تدفین میں تاخیر کی تو آپ نے فرمایا:

عجلوا دفن میتکم ولا تؤخروہ۔

(تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۲۲- ج ۵ ص ۲۹۸) تاخیر نہ کرو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے وصال کے بارے میں عدم اتفاق ذکر کیا گیا یا تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ کہاں دفن کریں؟ ایک گروہ نے کہا کہ جنت البقیع میں دفن کریں کچھ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ مسجد میں دفن کیا جائے ایک اور جماعت نے کہا کہ آپ کو اٹھا کر آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے قریب لے جایا جائے اور وہاں دفن کیا جائے حتیٰ کہ اس امت کے سب سے بڑے عالم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ما دفن نبی الا حیث یموت۔

نبی کو اس مقام پر دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کا انتقال ہوتا ہے۔

یہ حدیث ابن ماجہ نے ذکر کی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور ”جامع ترمذی کی“ روایت میں ہے:

ما قبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ ادفنہ فی موضع فراشه۔  
اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح کو اس جگہ قبض فرماتا ہے جس جگہ کو وہ اپنے دفن ہونے کے لئے پسند کرتا ہے پس آپ کو آپ کے بچھونے کی جگہ دفن کرو۔

علاوہ ازیں وہ اس اختلاف میں مشغول تھے جو بیعت کے بارے میں مہاجرین اور انصار کے درمیان واقع ہوا پس وہ اس سلسلے میں غور کرتے رہے حتیٰ کہ خلافت اور اس کے نظام کا معاملہ طے ہو گیا پس انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر اگلے روز انہوں نے جماعتی طور پر آپ کی بیعت کی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے مرتدین کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو دور فرمایا۔

اس (بیعت) کے بعد ان حضرات نے نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کیا اور آپ کی تدفین میں غور کیا پس آپ کو غسل دیا، کفن پہنایا اور دفن کیا۔

### مدینہ طیبہ دو دنوں کے درمیان

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی مبارک روح کی آمد کے لئے جنتوں کو سجا یا گیا لیکن اس طرح نہیں جس طرح کسی بادشاہ کے آنے پر شہر کو سجا یا جاتا ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والے بعض افراد کی روح کے آنے پر رحمن کا عرش خوشی کے طور پر جھومنے



لگا۔ تو تمام روحوں کی روح سرکارِ دو عالم ﷺ (کی روح مبارک) کی آمد پر کیا کیفیت ہوگی؟  
جب نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حبشی آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے نیزوں کے ساتھ کھیلنے لگے جیسا کہ ابو داؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔ ۲  
اور دارمی کی روایت میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن سے بڑھ کر کسی دن کو زیادہ خوبصورت اور زیادہ روشن نہیں دیکھا جس دن اللہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس مدینہ طیبہ تشریف لائے اور میں نے اس دن سے برا اور تاریک دن نہیں دیکھا جس دن نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔ ”جامع ترمذی کی“ روایت میں ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس کی ہر چیز روشن ہو گئی اور جس دن آپ کا وصال ہوا اس کی ہر چیز تاریک ہو گئی اور ہم نے ابھی مٹی سے ہاتھ جھاڑے نہیں تھے اور ہم آپ کی تدفین میں مصروف تھے کہ ہمارے دلوں نے انکار کر دیا۔ ۳

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جو علامات ظاہر ہوئیں ان میں سے ایک نشانی یہ تھی کہ آپ کا دراز گوش غمگین ہوا حتیٰ کہ کنوئیں میں گر گیا اسی طرح آپ کی اونٹنی نے کھانا پینا چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی۔  
اسی طرح وہ باتیں ظاہر ہوئیں جن کے بارے میں آپ نے بتایا تھا کہ میرے وصال کے بعد یہ کچھ ہوگا اور یہ بے شمار باتیں ہیں جن میں سے بعض میں نے آنٹھویں مقصد میں ذکر کی ہیں۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی امت سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے پہلے ان کے نبی کی روح قبض کر لیتا ہے پس اس نبی کو ان کے آگے جا کر انتظام کرنے والا بنا دیتا ہے اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اسے ہلاک کرتا ہے اور اس امت کا نبی زندہ ہوتا ہے وہ اسے ہلاک کرتا ہے تو نبی دیکھ رہا ہوتا ہے پس وہ ان لوگوں کی ہلاکت کے ذریعے نبی کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کرتا ہے جب وہ اسے جھٹلاتے اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا وصال امت سے پہلے ہوا تو اس میں امت کی بھلائی ہے کیونکہ اگر لوگوں کا وصال پہلے ہوتا تو ان کے اعمال منقطع ہو جاتے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلائی کا ارادہ فرمایا تو ان کی بھلائی کو یوں دائمی بنایا کہ ان کو باقی رکھا اور جن عبادات اور حسن معاملات کا ان کو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے محافظ ہیں۔

۱۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری پر خوشی منانا جائز ہے اس لئے اگر ہجرت کے موقع پر خوشی مناتے ہوئے حبشیوں کا نیزہ بازی کرنا صحیح ہے تو میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جائز طریقے پر خوشی کا اظہار بھی مستحب ہے۔ ۱۲ ہزاروی

۳۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے دلوں کی دنیا بدل گئی اور ہمارے دلوں کی صفائی الفت اور نرمی اس ذات کے پردہ فرمانے کی وجہ سے جو تعلیم و تربیت کے حصول کا ذریعہ تھا سب کچھ بدل گیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۷)



## فصل نمبر ۲

## نبی اکرم ﷺ کی قبر انور اور بلند مرتبہ مسجد کی زیارت

## زیارت نبوی کی ترغیب

یہ بات جان لو کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت سب سے بڑی عبادت اور ایسی اطاعت ہے جس کی قبولیت کی زیادہ امید ہے نیز یہ بلند درجات کی طرف (لے جانے کا) ایک راستہ ہے پس جس نے ان کے علاوہ عقیدہ اختیار کیا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا اور اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور بلند مرتبہ علماء کرام کی جماعت کی مخالفت کی۔ (براءۃ الاشرعین من عقائد المخالفین ج ۱ ص ۱۷۵)

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے ابو عمران الفاسی نے اسے واجب قرار دیا جس طرح عبدالحقؒ کی تہذیب الطالبؒ نے ”المدخل میں“ ذکر کیا ہے انہوں نے فرمایا شاید اس سے سنت مؤکدہ مراد ہے۔  
حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مسلمانوں کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور ایک ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

امام دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:  
من زار قبری وجبت له شفاعتی۔  
جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری

شفاعت واجب ہوگئی۔ ۱۔

(سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۷۸، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲، اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۱۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۵۸۳)  
عبدالحقؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب ”الاحکام الوسطیٰ اور الصغریٰ“ میں نقل کیا اور اس پر جرح سے خاموشی اختیار کی اور ان دونوں کتابوں میں حدیث کے بارے میں ان کی خاموشی اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔  
”طبرانی کی معجم کبیر میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من جاءني زائرا لا لعمله حاجة الا زيارتي  
جو شخص میرے پاس زیارت کے لئے آئے اور میری  
کان حقا علی ان اکون شفيعا له يوم القيامة۔  
زیارت کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو تو مجھ پر لازم  
ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۱۶، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲، المعجم ج ۲ ص ۲۹۱، الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۹۲۸)  
اس حدیث کو ابن السکن نے صحیح قرار دیا۔

۱۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے میری خصوصی شفاعت حاصل ہوگی جو کسی دوسرے کو حاصل نہ ہوگی اور یہ اس کے عظیم عمل کی مناسبت سے ہے اور اس کی صورت نعمتوں کا اضافہ یا اس دن کے خوف میں کمی یا حساب کے بغیر جنت میں داخل ہونا یا درجات کی بلندی وغیرہ ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۸)



نبی اکرم ﷺ سے یوں بھی مروی ہے:

من وجد سعة ولم يفد الى فقد جفاني. جو شخص طاقت حاصل ہونے کے باوجود میری طرف نہ آئے اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۷، کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۳۸-۳۸۲ الدر المنثور رقم الحدیث: ۱۵۹)

اس حدیث کو ابن فرحون رحمہ اللہ نے اپنے مناسک میں اور امام غزالی رحمہ اللہ نے ”احیاء علوم الدین میں“ نقل کیا، عراقی نے اسے ذکر نہیں کیا بلکہ اس حدیث کی طرف اشارہ کیا جسے ابن النجار نے ”تاریخ المدینہ میں“ ذکر کیا اور وہ اس کے ہم معنی ہے۔

وہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

ما من احد من امتي له سعة ثم لم يزرنى الا ميري امت في كوفي شخص ايسا نهين جس كو گنجائش حاصل ہو پھر وہ میری زیارت نہ کرے تو اس کے لئے کوئی عذر نہیں (جو پیش کرے بلکہ وہ قابل ملامت ہے)۔

ابن عدی نے ”الکامل میں“ ابن حبان نے ”الضعفاء میں“ دارقطنی نے ”المعلل اور“ غرائب مالک میں“ اور کچھ دوسرے لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا (یعنی حضور ﷺ نے فرمایا):

من حج ولم يزرنى فقد جفاني. جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

یہ حدیث صحیح نہیں۔ ۱۔

اگر یہ حدیث ثابت ہو تو آپ کے اس قول ”فقد جفانی“ پر غور کرو کیونکہ یہ ترک زیارت کے حرام ہونے میں ظاہر ہے اس لئے کہ جفاء اذیت ہے اور اذیت پہنچانا بالاتفاق حرام ہے پس زیارت واجب ہوگی کیونکہ جفا کا ازالہ واجب ہے ۲۔ اور وہ زیارت کے ذریعے ہوگا لہذا اس وقت زیارت واجب ہوئی۔ (خلاصہ یہ ہوا کہ) جو شخص آپ کی زیارت پر قادر ہو اور زیارت نہ کرے اس نے آپ پر جفا (ظلم) کیا اور یہ بات آپ کے ہمارے ذمہ حقوق میں سے نہیں ہے (بلکہ آپ کے حقوق میں سے تو یہ ہے کہ آپ سے زیادہ تعلق قائم ہو اور آپ سے محبت کی جائے)۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من زارني بعد موتی فکانما زارني فی حیاتی جس شخص نے میرے وصال کے بعد میری زیارت

ومن مات باحد الحرمين بعث من الامنين. کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جو

۱۔ مطلب یہ کہ اس کی سند صحیح نہیں لیکن اس مضمون کی دیگر کئی احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ امام زرقانی فرماتے ہیں ہمارے شیخ نے فرمایا اس بات کا جواب یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ ہر اذیت حرام نہیں کیونکہ معمولی اذیت حرام کے دفع کا احتمال رکھتی ہے البتہ مکروہ ہے اور زیادہ مناسب یہ بات ہے کہ یہاں جفا سے مراد جفا حقیقی نہیں بلکہ جفا کرنے والوں جیسا عمل ہے کیونکہ

حضور ﷺ کو اذیت پہنچانا مباح بھی نہیں چہ جائیکہ مکروہ ہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۸، ۲۹۹)



شخص حرمین (حرم مکہ اور حرم مدینہ) میں سے کسی ایک میں فوت ہوا سے امن والے لوگوں میں اٹھایا جائے گا (بشرطیکہ مسلمان ہو)۔

(سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۷۸، اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۱۶، كشف الخفاء ج ۲ ص ۳۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۳۷۲) اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے آل حاطب کے ایک شخص سے روایت کیا جسے حضرت حاطب سے سماعت حاصل نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: من زار قبری او قال من زارنی كنت له شفيعا و شهيدا. (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۲) جس نے میری قبر کی زیارت کی یا آپ نے فرمایا جس نے میری زیارت کی میں اس کے لئے شفاعت کرنے والا اور گواہ ہوں گا۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے آل عمر (رضی اللہ عنہ) میں سے ایک شخص سے روایت کیا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: من زارنی محتسبا الى المدينة كان في جوارى يوم القيامة. جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میری پناہ اور امان میں ہوگا۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۵۵، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۲) علامہ زین الدین بن حسین مراغی فرماتے ہیں: ”ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت عبادت ہے کیونکہ اس سلسلے میں احادیث آئی ہیں اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (النساء: ۶۴) اور اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے بخشش مانگیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والا مہربان پائیں گے۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم آپ کے وصال سے ختم نہیں ہوئی اور یہ نہ کہا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کا ان (لوگوں) کے لئے طلب مغفرت کرنا آپ کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص ہے اور زیارت کی یہ صورت نہیں (یعنی وہ اب بھی باقی ہے) کیونکہ اس بات کا جواب بعض محققین نے یوں دیا ہے کہ آیت کریمہ میں اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ثواب اور رحیم پانا تین باتوں سے مشروط ہے۔

(۱) ان کا حاضر ہونا

(۲) ان لوگوں کا خود بخشش طلب کرنا۔



(۳) رسول ﷺ کا ان کے لئے بخشش طلب کرنا۔

اور نبی اکرم ﷺ کا تمام مومنین (اور مومنات) کے لئے مغفرت طلب کرنا حاصل ہو چکا ہے کیونکہ آپ نے سب کے لئے مغفرت طلب کر لی۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. اپنے خاصوں اور عام مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بخشش مانگیں۔ (محمد: ۱۹)

پس جب ان لوگوں کا آنا اور بخشش طلب کرنا پایا جائے گا تو تین امور مکمل ہو جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیتِ توبہ اور اس کی رحمت کو واجب کرتے ہیں۔ ۱۔

مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ زیارتِ قبور مستحب ہے جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا جب کہ ظاہری فرقہ نے اس کو واجب قرار دیا پس نبی اکرم ﷺ کی زیارت عمومی حکم اور خصوصی حکم دونوں کے اعتبار سے مطلوب ہے۔

(عمومی حکم یہ ہے کہ عام قبور کی زیارت مستحب ہے اور خصوصی حکم ان احادیث کی وجہ سے جو آپ کی زیارت کے بارے میں خاص طور پر وارد ہیں اور پہلے گزر چکی ہیں)۔

نیز قبور کی زیارت تعظیم ہے اور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم واجب ہے۔ ۲۔

اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے سلسلے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اگرچہ اجماع کا محل مردوں کے لئے زیارتِ قبور کا مستحب ہونا ہے اور عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے (اجماع نہیں) اور مشہور یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق مکروہ ہے۔ ۳۔

مالکی حضرات میں سے ابن حبیب نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت اور آپ کی مسجد میں نماز پڑھنا ترک نہ کیا جائے کیونکہ اس میں ایسی رغبت ہے کہ جس سے نہ تم بے نیاز ہو سکتے ہو اور نہ کوئی دوسرا (بے نیاز ہو سکتا ہے)۔

### تین مساجد کی زیارت

جو شخص (قبر انور کی) زیارت کی نیت کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ آپ کی مسجد شریف کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت بھی کرے کیونکہ یہ (مسجد) ان تین مساجد میں سے ہے کہ صرف ان مساجد کی طرف (زیادہ ثواب کی نیت سے) کجاوے باندھے جاتے ہیں (سفر کیا جاتا ہے) اور جب امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سب مساجد سے افضل ہے اور تین مساجد کے علاوہ (مساجد) کی طرف سفر کرنے کی فضیلت نہیں کیونکہ شریعت میں یہ حکم (دوسرے مقامات کی

۱۔ مطلب یہ ہوا کہ تین امور میں سے ایک بات حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں پائی گئی ہے باقی دو باتیں نہیں پائی گئیں سب مسلمانوں کا وہاں حاضر ہونا اور طلبِ بخشش کرنا تو آپ کی حیات طیبہ میں نہیں پایا گیا لہذا یہ بات آپ کی حیات طیبہ سے خاص نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ صحابہ کرام کے زمانے میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت معروف تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس والوں سے صلح کی تو حضرت کعب احبار آئے اور اسلام قبول کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر خوش ہوئے اور فرمایا کیا آپ میرے ساتھ مدینہ طیبہ جائیں گے کہ

حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کریں اور اس سے نفع اٹھائیں تو انہوں نے کہا جی ہاں۔ (زر قانی ج ۸ ص ۲۹۹)

۳۔ اگر عورتیں تمام قواعد کی پابندی کریں رونا پیٹنا اور شور و شغب نہ کریں تو ان کے لئے بھی زیارتِ قبور جائز ہے ورنہ نہیں۔ ۱۲ ہزاروی



طرف سفر کی فضیلت کا حکم) نہیں آیا۔ اور اس معاملے میں قیاس کو دخل نہیں کیونکہ کسی جگہ کا شرف صریح حکم سے معلوم ہوتا ہے اور صریح حکم شرعی ان مقامات کے بارے میں آیا ہے دوسرے مقامات کے بارے میں نہیں۔

### نذر زیارت کا حکم

یہ بات صحیح ثابت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (شام سے) اپنا قاصد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام کے لئے بھیجتے تھے۔ (بیہقی شریف) ۱۔

پس آپ کی زیارت کے لئے سفر کرنا عمومی دلائل کی بنیاد پر عبادت ہے اور جو شخص آپ کی زیارت کی نذر مانے اس پر زیارت واجب ہو جاتی ہے۔ ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے ابن کج نے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا فرماتے ہیں: ”جب کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کی نذر مانے تو اس پر اس کا پورا کرنا لازم ہے اس سلسلے میں یہی ایک قول ہے۔“

اور اگر کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں نماز کے لئے جانے کی نذر مانے تو ہمارے (شافعی حضرات) کے نزدیک زیادہ صحیح قول کے مطابق اس پر یہ نذر لازم ہو جاتی ہے مالکی اور حنبلی حضرات بھی یہی بات کہتے ہیں لیکن مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے اس کی نذر پوری ہو جاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ اگر وہ مسجد مدینہ میں نماز پڑھ لے تو بھی اس کی نذر پوری ہو جائے گی وہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے ”البویطی (مختصر البویطی) میں“ ذکر کیا ہے۔ حنفی اور حنبلی حضرات بھی یہی کہتے ہیں۔

### ابن تیمیہ کا رد

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے یہاں نہایت قبیح اور عجیب کلام کیا جو نبی اکرم ﷺ کی زیارت شریف کے لئے سفر کو منع کرنے پر مشتمل ہے۔ اور ان کے نزدیک یہ عبادت اور ثواب کا کام نہیں بلکہ اس کی ضد ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے ”شفاء السقام“ میں اس کا رد کر کے مومنوں کے سینوں کو ٹھنڈا کیا ہے۔ ۲۔

۱۔ ”شفاء شریف میں ہے“ حضرت یزید بن ابوسعید کہتے ہیں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا جب انہوں نے مجھے رخصت کیا تو فرمایا مجھے تم سے ایک کام ہے جب تم مدینہ طیبہ جاؤ اور نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرو تو آپ کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۳۰۰)

۲۔ شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے قبر انور شریف کی زیارت پر تفصیلی کلام کیا ہے جو ”شفاء السقام فی زیارة خیر الانام“ میں شرح بطل کے ساتھ مذکور ہے (وہاں مطالعہ کیا جائے) اس ضمن میں وہ شیخ ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ہم قطعی طور پر ابن تیمیہ کے کلام کو باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ بات دین اور سلف صالحین کی سیرتوں سے معلوم ہے کہ بعض فوت شدہ صالحین سے برکت حاصل کی جاتی ہے تو انبیاء کرام و مرسلین عظام سے برکت حاصل کرنا کیسے منع ہوگا؟

اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ انبیاء کرام اور عام لوگوں کی قبریں ایک جیسی ہیں تو اس نے بہت بڑی بات کی ہے ہمارے نزدیک یہ قطعاً باطل اور خطا ہے بلکہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے درجہ کو کم کر کے عام مسلمانوں کے درجہ پر لانا ہے اور یہ یقینی طور پر کفر ہے کیونکہ جو درجہ نبی اکرم ﷺ کے لئے واجب ہے اسے کم کرنا کفر ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۳۰)



شیخ ولی الدین عراقی نے نقل کیا کہ ان کے والد ایک سفر میں جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے شہر کی طرف تھا، شیخ زین الدین عبدالرحمن بن رجب دمشق کے ہمراہ تھے جب شہر کے قریب پہنچے تو کہنے لگے میں نے مسجد خلیل میں نماز کی نیت کی ہے تاکہ شیخ الحنابلہ ابن تیمیہ کے طریقے کے مطابق حضرت خلیل کی زیارت کی طرف سفر سے بچ جاؤں۔

حضرت ولی الدین عراقی نے کہا میں نے تو حضرت خلیل علیہ السلام کی قبر شریف کی زیارت کی نیت کی ہے پھر میں نے کہا (اے ابن رجب!) تم نے نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا:

لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد۔ تین مسجدوں کے علاوہ (کسی مسجد کی طرف زیادہ

ثواب کی نیت سے) سفر نہ کیا جائے۔

اور تم نے چوتھی مسجد کی طرف سفر کا قصد کیا لیکن میں نے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا:

زوروا القبور۔ قبروں کی زیارت کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶، سنن نسائی رقم الباب: ۱۰۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۷۲، اتحاف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۳۵۲، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۱، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۷۰، کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۳۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۵۵۲)

تو کیا آپ نے یہ بات فرمائی تھی کہ ”سوائے انبیاء کرام کی قبروں کے“ (یعنی انبیاء کرام کی قبروں کی استثناء کی تھی) فرماتے ہیں وہ (ابن رجب) حیران رہ گئے۔

## زیارت کا شوق

جو شخص زیارت نبوی کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ راستے میں نبی اکرم ﷺ پر بکثرت درود شریف پڑھے اور جب اس کی نگاہ مدینہ طیبہ کی نشانیوں اور ان چیزوں پر پڑے جن سے مدینہ طیبہ کی پہچان ہوتی ہے تو بار بار صلوٰۃ و سلام پڑھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ اسے دونوں جہانوں میں آپ کی زیارت سے نفع اور سعادت عطا فرمائے۔ اسے چاہیے کہ غسل کرے اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر پیدل روتے ہوئے چلے۔ جب عبدالقیس کے وفد نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اپنے آپ کو سوار یوں سے گرا دیا اور ان کو نہ بٹھایا بلکہ آپ کی طرف دوڑ پڑے لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء“ میں جو کچھ ذکر کیا ہے ہم نے اسے روایت کیا کہ ابو الفضل جوہری ۲ جب زیارت کی نیت سے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور وہاں کے مکانات کے قریب ہوئے تو ننگے پاؤں روتے ہوئے ۱۔ البتہ حضرت اشج نے سواری بٹھائی اور لباس تبدیل کر کے حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نے ان کے عمل کو پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا: کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں بردباری اور تحمل۔

۲۔ تاریخ اندلس کے مطابق ابو الفضل جوہری کا نام عبداللہ بن حکم ترمذی اندلسی ہے ان کے پاس دو دوزارتیں تھیں اور علم و فضل کے اعتبار سے عظیم شخصیت تھے ادب، قرأت اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے شعر اور نثر دونوں میں بلند مقام رکھتے تھے انہوں نے شہادت کا مقام



چلے اور یہ اشعار پڑھے:

ولما رأينا رسم من لم يدع لنا  
نزلنا عن الإكوار نمشي كرامة  
فإذا لعرفان الرسوم ولاليا  
لمن بان عنه ان نلم به ركبا  
”اور جب ہم نے ان کے آثار کو دیکھا جنہوں نے ہمارے دل اور عقل کو باقی نہ چھوڑا کہ آثار کو  
پہچانیں۔

تو ہم کجاووں سے اتر گئے اور اس ذات کا احترام کرتے ہوئے پیدل چلنے لگے جس سے یہ بات بعید  
ہے کہ ہم سواری کی حالت میں اس کی زیارت کریں (یعنی اس کے ادب کے خلاف ہے)۔“

اور مجھے بتایا گیا ابو عبد اللہ بن رشید نے کہا جب ہم ۶۸۴ھ میں مدینہ طیبہ آئے تو میرے ساتھ میرا دوست وزیر  
عبد اللہ بن ابی القاسم الحکیم بھی تھا۔ (الاعلام ج ۶ ص ۱۹۲ الدرر الكامنة ج ۳ ص ۴۹۵ از ہار الریاض ج ۲ ص ۳۴۰)

اور اس کی آنکھ میں تکلیف تھی جب ہم ذوالحلیفہ مقام پر پہنچے تو سوار یوں سے اتر گئے اور مزار شریف کے قرب کا  
شوق مضبوط ہو گیا تو ابو عبد اللہ بن ابی القاسم نے اتر کر ان آثار مبارکہ کی طرف ثواب کی نیت سے جلدی جلدی پیدل چلنا  
شروع کر دیا اور اس ذات مقدسہ کی عظمت کو پیش نظر رکھا جو وہاں تشریف لائے تھے تو انہوں نے آنکھ کی تکلیف سے شفاء  
محسوس کی تو اس حال کا وصف (وہاں تشریف لانے والی شخصیت کے حوالے سے) یوں بیان کیا:

ولما رأينا من ربوع حبيينا  
وبالترب منها اذ كحلنا جفونا  
وحين تبدى للعيون جمالها  
نزلنا عن الاكوار لمشي كرامة  
نسح سجال الدمع في عرصاته  
وان بقائى دونه لخساره  
فيا عجباً ممن يحب بزعمه  
وزلات مثلى لا تعدد كثرة  
بیشرب اعلاما اثرن لنا الحبا  
شفينا فلا بأسا نخاف ولا كربا  
ومن بعدها عنا اذيلت لنا قربا  
لمن حل فيها ان نلم به ركبا  
ونلثم من حب لواطئه التربا  
ولو ان كفى تملك الشرق والغربا  
يقيم مع الدعوى ويستعمل الكذبا  
وبعدى عن المختار اعظمها ذنبا

”اور جب ہم نے یثرب میں اپنے محبوب کے گھر کی علامات کو دیکھا تو ان علامات نے ہمیں محبت سے  
سرشار کر دیا۔

جب ہم نے اس سرزمین کی خاک پاک کو اپنی پلکوں کا سرمہ بنایا تو ہمیں شفاء حاصل ہوئی اب ہمیں کسی  
خستگی اور تکلیف کا خوف نہیں۔

اور جب ان علامات کا جمال ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو ہم سے دور ہونے کے باوجود ہمارے  
لئے قرب کو پہنچ لاتا ہے۔

ہم سوار یوں سے اتر کر اس ذات کی عزت و احترام میں پیدل چلنے لگے جو وہاں مدفون ہیں کہ سواری کی  
حالت میں ہم گناہ گار نہ ہو جائیں۔



ہم اس کے صحن میں خون کے ڈول بہاتے ہیں اور اس کے قدم مسیمت لزوم کی وجہ سے مٹی کو بو سے دیتے ہیں۔

اس کے بغیر میرا باقی رہنا خسارہ و نقصان ہے اگرچہ میری ہتھیلی میں مشرق و مغرب ہی کیوں نہ ہو۔ اس پر تعجب ہے جو اپنے خیال میں محبت کرتا ہے اور دعویٰ کے باوجود زندہ ہے اور تھوٹ بولتا ہے۔ اور میرے جیسے لوگوں کی لغزشیں کثرت کی وجہ سے شمار میں نہیں آتیں اور مختار ذات سے میری دوری بہت بڑا گناہ ہے۔

اور جب میں نے ربیع الثانی ۸۹۲ھ میں زیارت کے قصد سے سفر کیا اور صبح کے وقت ہمارے سامنے وہ پہاڑ آیا جو روحوں کو خوش کرنے والا اور مزار شریف کے قرب کی خوشخبری دینے والا ہے (جبل احد مراد ہے) وہ سب سے زیادہ شرف والے شہر میں ہے زیارت کرنے والے اس کی طرف دوڑ پڑے اور اس کے اوپر چڑھ گئے کیونکہ وہ ان آثار مبارکہ کی زیارت کے لئے جلدی کر رہے تھے (اور ان انوار کو دیکھ کر فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے) تو انوار نبوی کی روشنی چمکی اور معارف محمدیہ کی بادیسیم چل پڑی پس ہم نے اپنے آپ کو اچھا پایا اور ہمیں رشک آیا کہ ہم مخلوق میں سے سب سے بہتر شخصیت کے دیار پاک کے نشانات کو دیکھ رہے ہیں تو میں نے یہ اشعار کہے:

ام النور من ارض الحجاز يلوح  
ام الروض في وجه الصباح يفوح  
حياة لمن يغدو لها ويروح  
فللنور بين الوادين وضوح  
وذاك سناها يغتدى ويروح  
فكل من الشوق الشديد يصيح  
حمام على قضب الاراك تنوح  
الى النور من تلك الديار لموح  
ومدمعها في الوجنتين سفوح  
خفاء فما للضب ليس يروح

الامع برق يغتدى ويروح  
وربح الصبا هبت بطيب عرفهم  
اذا ربح ذاك الحى هب فانها  
ترفق بنا يا حادى العيس والتفت  
فما هذه الا ديار محمد  
والا فما للركب حاج اشتياقهم  
وانت مطايا الركب حتى كانها  
وقد مدت الاعناق شوقا و طرفها  
رات دار من تهوى فزاد اشتياقها  
اذا العيس باحت بالغرام ولم تطق

”کیا یہ بجلی کی چمک ہے جو صبح و شام چمکتی ہے یا سرزمین حجاز مقدس سے ایک نور چمکتا ہے؟

باد صبا نے ان کی خوشبو بکھیری ہے یا صبح کے چہرے پر بہار باغ کی خوشبو بکھر رہی ہے۔

جب اس قبیلے کی ہوا چلی تو وہ ان لوگوں کے لئے حیات ہے جو اسے صبح و شام حاصل کرتے ہیں؟

اے بھورے رنگ کے اونٹ کے حدی خوان! ہمارے ساتھ نرمی کا سلوک کر اور متوجہ ہو کہ دو وادیوں کے درمیان نہایت واضح روشنی ہے۔

یہ تو حضرت محمد ﷺ کا دیار پاک ہے اور یہ اس کی صبح و شام چمکنے والی روشنی ہے ورنہ سوار یوں کا شوق حرکت میں نہ آتا۔ ہر ایک سخت شوق سے چلا رہا ہے۔



سواروں کی سواریاں رو رہی ہے گویا وہ پیلو کی شاخ کبوتری ہے جو نوہ کر رہی ہے۔  
انہوں نے شوق میں اپنی گردن کو بڑھایا اور ان کا کنارہ اس نور کی طرف تھا جو اس دیار پاک کی جانب  
سے چمک رہا تھا۔ انہوں نے اپنے محبوب کے دیار پاک کو دیکھا تو ان کا شوق بڑھ گیا اور ان کے رخساروں پر  
آنسو بہنے لگے۔

جب اونٹ نے عشق کو ظاہر کر دیا اور وہ اسے چھپانہ سکا گوہ کو کیا ہوا وہ کیوں ظاہر نہیں کرتی؟“  
اور جب ہم مدینہ طیبہ کے مکانات اور علامات کے قریب ہوئے اور مدینہ طیبہ کے بلند مقامات اور ٹیلوں کے قریب  
پہنچے تو ان کی کلیوں کی لطیف خوشبو کو سونگھا اور اس کے انوار کی چمک ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوئی نیز عطیات ایک  
دوسرے کے پیچھے آنے لگے اور قوم سوار یوں سے اتر گئی تو میں نے بطور تمثیل یہ اشعار پڑھے:

اتیتک زائرا وودت انسی جعلت سواد عینی امتطیہ  
ومالی لا اسیر علی المافی السی قبر رسول اللہ فیہ  
”میں زیارت کے قصد سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھ کی سیاہی کو  
اپنی سواری بناؤں۔

اور مجھے کیا ہے کہ میں آنکھ کے کناروں پر چل کر اس قبر کی طرف نہ جاؤں جس میں اللہ کے رسول ﷺ  
تشریف فرما ہیں۔“

اور جب میری نگاہ قبر شریف اور بلند مرتبہ مسجد پر پڑی تو خوشی سے آنسو کی جھڑی لگ گئی حتیٰ کہ بعض (آنسو) خاک  
پاک اور دیواروں تک پہنچ گئے اور میں نے کہا:

ایہا المغرم المشوق ہینا ما انا لوک من لذیذ التلاق  
قل لعینک تہملان سرورا طالما اسعداک یوم الفراق  
واجمع الوجد والسرور ابتہاجا وجميع الاشجان والاشواق  
ومر العین ان تفیض انہمالا وتوالی بد معہا المہراق  
ہذہ دارہم وانت محب منابقاء الدموع فی الاماق

”اے درد مند ان عشق اور مشتاقان زیارت! تمہیں محبوب کی طرف سے عنایت ہونے والی ملاقات کی  
لذتیں مبارک اور خوشگوار ہوں۔

اپنی دونوں آنکھوں سے کہو (وصال پر) خوشی کے آنسو بہاؤ جس طرح (محبوب سے) جدائی کے دنوں  
میں انہوں نے پیہم آنسو بہا کر تمہاری بہت دفعہ مدد کی ہے۔

سارے دردوں اور شوقوں نے اکٹھے ہو کر آج غم اور خوشی کی ایک عجیب و غریب کیفیت پیدا کر دی ہے  
(کیونکہ وہ صورت حال کچھ اسی طرح ہے۔

چند کلیاں نشاط کی جن کر میں محو یاس رہتا ہے تجھ سے ملنا خوشی کی بات سہی تجھ سے مل کر اداس رہتا  
ہوں)۔



اپنی چشم بے چین کو امر کر دو آنسوؤں کے چشمے جاری کر دیں اور لگاتار بہنے والے اشکوں کے ساتھ اشک بار ہیں۔

تمہارے سامنے ہوں دیار محبوب کے درود یوار اور تم ہو عاشق دل فگار پھر آنسوؤں کا چشم خانہ میں باقی رہنا کس کا؟“  
اور میں نے یہ بھی کہا:

وکان ما کان مما لست اذکره  
فظن خیرا ولا تسال عن الخیر  
”اور ہوا جو کچھ ہوا میں اس کا ذکر نہیں کروں گا پس بہتر گمان کرو اور بھلائی کے بارے میں نہ پوچھو۔“

### کچھ آداب زیارت

اور زیارت سے پہلے دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) مستحب ہے اور یہ اس وقت ہے جب وہ مواجہہ شریف کی طرف سے نہ گزرے (کیونکہ اس صورت میں) تحیۃ المسجد سے پہلے زیارت مستحب ہے ”تحقیق النصرہ“ (تاریخ دارالہجرت میں) فرمایا یہ اچھا استدراک ہے (استثناء ہے) یہ بات ہمارے بعض شیوخ نے بیان فرمائی ہے۔

ابن فرحون کے ”منک“ میں ہے کہ اگر تم کہو کہ مسجد کا شرف و اعزاز نبی اکرم ﷺ کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے پس مناسب یہ ہے کہ آپ کے پاس ٹھہرنے سے ابتدا کی جائے۔

تو (اس کے جواب میں) میں کہتا ہوں ابن حبیب نے ”کتاب الصلوٰۃ“ کے شروع میں کہا کہ مجھ سے مطرف نے بیان کیا وہ حضرت یحییٰ بن سعید سے اور وہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں سفر سے آیا تو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ کو سلام عرض کروں اور آپ مسجد کے صحن میں تھے آپ نے پوچھا تم نے مسجد میں داخل ہونے کے بعد نماز پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا ”نہیں“ فرمایا جاؤ اور مسجد میں داخل ہو کر اس میں نماز پڑھو پھر آ کر مجھے سلام کرو۔

ابن فرحون نے کہا کہ بعض حضرات نے نماز پر زیارت کو مقدم کرنے کی اجازت دی ہے اور دونوں طرح گنجائش ہے اور شاید ان لوگوں کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ واللہ اعلم

اور زائر کو چاہیے کہ جس قدر ممکن ہو خشوع سے کام لے اور سلام پیش کرتے ہوئے بلند آواز اور بالکل آہستہ آواز کے درمیان والی صورت اختیار کرے۔

”صحیح بخاری میں ہے کہ“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل طائف میں سے دو آدمیوں سے فرمایا اگر تم اس شہر کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور وصال کے بعد دونوں صورتوں میں آپ کے سامنے آواز بلند کرنا مناسب نہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ مسجد نبوی کے گرد بعض مکانات میں کیل گاڑنے کی آواز سنتیں تو ان کو پیغام بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دو۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے دروازوں کا کام مصانع (ہدینہ طیبہ میں ایک جگہ کا نام) میں کرتے



تا کہ حضور ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے۔

یہ بات ابن زبالہ نے نقل کی ہے۔ تو نبی اکرم ﷺ کا ادب اسی طرح واجب ہے جس طرح آپ کی (ظاہری) حیات طیبہ میں ہوتا (کیونکہ آپ زندہ ہیں) اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۳۰۴)۔

اور زائر کو چاہیے کہ قبر شریف کی طرف قبلہ کی جانب سے جائے اور اگر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے قدموں کی طرف سے آئے تو اس میں ادب زیادہ ہے بنسبت آپ کے سرانور کی طرف سے آنے کے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے آپ کے مواجہہ شریف کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو یعنی دیوار میں لگے ہوئے سنگ مرمر میں نصب چاندی کے کیل کے مقابل ہو۔

اور آج کل بڑی قندیل کا اعتبار نہیں کیونکہ اب وہاں بہت سی قندیلیں ہیں (تابعین کے زمانے میں اس کا اعتبار تھا)۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابو جعفر منصور عباسی نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا اے ابو عبد اللہ! کیا میں رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کر کے دعا مانگوں یا قبلہ رخ ہو کر دعا مانگوں؟ تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا اپنا چہرہ حضور ﷺ سے نہ پھیرو کیونکہ آپ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہوں گے (بلکہ تم آپ ﷺ کی طرف رخ کر کے آپ کی شفاعت طلب کرو اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے گا)۔ ۱۔

لیکن میں نے دیکھا کہ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کی اپنی (تصنیف) ”منک میں“ اس کی طرف منسوب ہے کہ یہ حکایت امام مالک پر افتراء ہے اور قبر شریف کے پاس کھڑا ہونا بدعت ہے۔ ۲۔  
ابن تیمیہ نے کہا کہ کسی نے وہاں کھڑے ہو کر دعا نہیں مانگی بلکہ وہ قبلہ رخ ہوتے اور آپ کی مسجد شریف میں دعا مانگتے تھے ابن تیمیہ نے کہا کہ امام مالک اس عمل کو مکروہ جاننے والے بڑے ائمہ میں سے تھے۔ ۳۔

۱۔ آج کل سعودیہ میں نجدی حکومت ہے ان کے کارندے جو روضہ رسول ﷺ پر متعین ہیں مسلمانوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ سرکارِ دو عالم کی طرف پیٹھ کر کے قبلہ رخ ہو کر دعا مانگیں یہ بے ادبی کی انتہا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم ۱۲ ہزاروی

۲۔ ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں دیوبندیوں اور وہابیوں نے ہر اچھے کام کو بدعت قرار دے کرامت مسلمہ میں انتشار پھیلایا اور بات بات پر مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک قرار دیا جس کی وجہ سے آج امت مسلمہ اختلاف و انتشار کا شکار ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین ۱۲ ہزاروی

۳۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن تیمیہ نے اسی طرح کہا لیکن یہ خطائے قبیح ہے کیونکہ مالکی کتب اس بات سے بھری پڑی ہیں کہ قبرانور کی طرف رخ کر کے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے مواجہہ شریف کے سامنے دعا مانگنا مستحب ہے ابو الحسن القاسمی ابو بکر بن عبد الرحمن اور علامہ خلیل رحمہم اللہ نے اپنی کتب ”مناسک“ میں واضح الفاظ میں بیان کیا اور ”الشفاء میں“ بواسطہ ابن وہب حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:  
جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرے اور دعا مانگے تو یوں کھڑا ہو کہ اس کا چہرہ قبرانور کی طرف ہو قبلہ شریف کی طرف نہ ہو قریب ہو کر سلام عرض کرے لیکن قبر شریف کو ہاتھ نہ لگائے امام شافعی اور جمہور بھی اسی طرف گئے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے جو منقول ہے کہ قبلہ رخ ہو تو ابن ہمام فرماتے ہیں یہ مردود ہے کیونکہ حدیث شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ قبر شریف کی طرف نہ کرے اور پیٹھ قبلہ کی طرف کرے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے اور یہی صحیح بات ہے۔ (ملخصاً زرقانی ج ۸ ص ۳۰۵)



اور زائر کو چاہیے کہ چار قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو اور ادب، خشوع اور تواضع کو لازم پکڑے، مقام ہیبت میں آنکھوں کو جھکائے جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں کیا جاتا تھا اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم ہے کہ وہ آپ کے سامنے کھڑا ہے اور آپ اس کا سلام سن رہے ہیں جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں ہوتا تھا کیونکہ امت کو دیکھنے اور ان کے احوال، عزائم اور قلبی خیالات کی معرفت کے سلسلے میں آپ کے وصال اور حیات میں کوئی فرق نہیں اور یہ سب کچھ (اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے سے) آپ پر روشن ہے اس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

سوال: یہ صفات تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں؟

جواب: جو کامل مومن عالم برزخ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے وہ عام طور پر زندہ لوگوں کے احوال کو جانتا ہے اور اس سلسلے میں بہت سے واقعات کتب میں مذکور ہیں۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

لیس من یوم الا ویعرض علی النبی ﷺ ہر دن نبی اکرم ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال صبح اعمال امتہ غدوة و عشية فیعرفہم بسیماہم اور شام پیش کئے جاتے ہیں پس آپ ان کو ان کی علامات و اعمالہم فلذلک یشہد علیہم اور اعمال سے پہچانیں گے تو اسی لئے ان پر گواہی دیں گے۔

زائر کو چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور کو ذہن میں رکھے اور دل میں آپ کے رتبہ کا جلال، بلند مرتبہ اور عظیم حرمت کو حاضر کرے، اکابر صحابہ کرام آپ کی تعظیم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظمت عطا فرمائی اس طرح خطاب کرتے تھے جس طرح کسی رازدار سے بات کی جاتی ہے۔

ابن نجار نے روایت کیا کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ وہ اسے نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف دکھائیں، ام المؤمنین نے جب قبر انور سے پردہ ہٹایا تو وہ عورت رونے لگی حتیٰ کہ انتقال کر گئی۔

ابو الفہائل حموی جو حجرہ مقدسہ کے خدام میں سے ہیں، نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے زیارت کرنے والے شیوخ میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حجرہ شریف کے دروازے پر آیا اور اپنا سر چوکھٹ کی طرف جھکا دیا، لوگوں نے اسے حرکت دی تو وہ فوت ہو چکا تھا اور وہ (ابو الفہائل حموی) ان لوگوں میں شامل ہیں جو اس کے جنازہ میں حاضر تھے۔

**نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے کے لئے الفاظ**

پھر زیارت کرنے والے کا دل حاضر ہو آنکھیں جھکی ہوئی اور آواز پست ہو نیز اعضاء وغیرہ پرسکون ہوں اور اسی حالت میں کہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے یہ علم حاصل ہوتا ہے جس طرح حدیث شریف میں ہے کہ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر جمعرات اور سوموار کے دن پیش کئے جاتے ہیں اور انبیاء کرام اور آباء واجداد مرد و عورتوں پر جمعہ کے دن پیش ہوتے ہیں تو وہ اپنی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے کی سفیدی اور چمک بڑھ جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے فوت شدہ لوگوں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۳۰۵)



السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا نبي الله، السلام عليك يا حبيب الله، السلام عليك يا خيرة الله، السلام عليك يا صفوة الله، السلام عليك يا سيد المرسلين، وخاتم النبيين، السلام عليك يا قائد الغر المحجلين، السلام عليك وعلى اهل بيتك الطيبين الطاهرين، السلام عليك وعلى ازواجك الطاهرات امهات المؤمنين، السلام عليك وعلى اصحابك اجمعين، السلام عليك وعلى سائر الانبياء وسائر عباد الله الصالحين، جزاك الله (عنا) يا رسول الله ﷺ افضل ما جازى نبيا ورسولا عن امته، وصلى الله عليك كلما ذكرك الذاكرون، وغفل عن ذكرك الغافلون، اشهد ان لا اله الا الله واشهد انك عبده ورسوله وامينه وخيرته من خلقه، واشهد انك قد بلغت الرسالة واديت الامانة ونصحت الامة وجاهدت في الله حق جهاده.

اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام، اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام، اے اللہ کے حبیب! آپ پر سلام، اے اللہ کی مخلوق میں سے بہترین! آپ پر سلام، اے اللہ کے منتخب بندے! آپ پر سلام، اے رسولوں کے سردار! آپ پر سلام، اے سب سے آخری نبی! آپ پر سلام، اے چمکتے اعضاء والوں کے قائد! آپ پر سلام، آپ پر سلام ہو اور آپ کے پاکیزہ اہل بیت پر سلام ہو، آپ کی ازواج مطہرات مومنوں کی ماؤں پر سلام ہو، آپ پر اور آپ کے تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) پر سلام ہو، آپ پر اور تمام انبیاء کرام اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو (ہماری طرف سے) اس سے افضل جزا عطا کرے جو کسی نبی اور رسول کو اس کی امت کی طرف سے جزا عطا کی ہے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جب بھی یاد کرنے والے آپ کو یاد کریں اور جب غافل آپ کے ذکر سے غافل ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اس کے بندے، اس کے رسول اور اس کے امین ہیں اور اس کی مخلوق میں سے سب سے بہتر ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا، امانت ادا کر دی امت کی خیر خواہی کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس طرح جہاد کیا جس طرح اس (جہاد) کا حق ہے۔

اگر کسی شخص کے پاس ان کلمات کے ساتھ سلام پیش کرنے کے لئے وقت نہ ہو یا اسے یہ کلمات یاد نہ ہوں تو جو کچھ آسان ہو یا جس سے غرض حاصل ہو وہی کلمات کہہ دے۔

”الحقہ (ابن عسا کر کی کتاب تحفۃ الزائر) میں ہے کہ“ حضرت ابن عمر اور دیگر اسلاف رضی اللہ عنہم اس عبارت میں نہایت اختصار سے کام لیتے تھے۔

امام دارالبحرہ حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ سے مروی ہے اور تمہارے لئے اس خبر کی شان میں اتنا ہی کافی ہے۔ حضرت (عبد اللہ) ابن وہب رحمہ اللہ ان سے روایت کرتے ہیں کہ (مسلمان یا زائر) یوں کہے ”السلام عليك ايها“



النبي ورحمة الله وبركاته اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ہو۔ ۱۔  
حضرت نافع، حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب بھی سفر سے واپس آتے تو مسجد شریف میں داخل ہوتے پھر قبر انور پر حاضر ہوتے اور یوں کہتے:

السلام عليك يا رسول الله السلام  
عليك يا ابا بكر السلام عليك يا ابتاه.  
اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! آپ پر سلام ہو اے ابا جان! (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) آپ پر سلام ہو۔

اور اسے چاہیے کہ دعائے مانگے لیکن اس میں قافیہ ملانے کا تکلف نہ کرے کیونکہ اس سے خشوع و خضوع میں خلل واقع ہوتا ہے۔

ایک جماعت جن میں امام ابوالنصر بن صباغ (یا ابو منصور صباغ) بھی شامل ہیں ”الشامل“ (کتاب) میں حضرت عقی سے مشہور حکایت نقل کرتے ہیں۔ (الاعلام ج ۲ ص ۱۰، وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۰۳، طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۲۳۰، نکت الہمیان رقم الحدیث: ۱۹۳، مفتاح السعادة ج ۲ ص ۱۸۵، النجوم الزاهرة ج ۵ ص ۱۱۹، مراۃ الجنان ج ۳ ص ۱۲۲، مختصر دول الاسلام ج ۲ ص ۵، شذرات الذهب ج ۳ ص ۳۵۵، الجواہر المہیۃ ج ۱ ص ۳۱۶، کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۰۴-۳۸۹-۱۰۲۵)

حضرت عقی کا اسم گرامی محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابوسفیان صحابہ بن حرب ہے اور ۲۲۸ھ میں ان کا انتقال ہوا ابن نجار ابن عساکر اور ابن جوزی نے ”مثیر الغرام الساکن“ میں حضرت محمد بن حرب الہلالی سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے پاس آیا زیارت کی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا تو ایک دیہاتی آیا جس نے زیارت کرنے کے بعد کہا: (کشف الظنون ج ۱ ص ۱۵۸۹)

یا خیر الرسل، ان اللہ انزل علیک کتابا  
صادقا، قال فیہ ﴿ولو انہم اذ ظلموا انفسہم  
جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول  
لوجدوا اللہ توابا رحیما﴾ وقد جنتک  
مستغفرا من ذنبی مستشفعا بک الی ربی۔

اے سب رسولوں میں سے بہتر! آپ پر اللہ تعالیٰ نے  
کچی کتاب نازل فرمائی اور اس میں فرمایا: ”اور اگر وہ اپنے  
نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس حاضر ہوں پس اللہ  
تعالیٰ سے بخشش مانگیں اور رسول ﷺ بھی ان کی سفارش  
فرمائیں تو اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان  
پائیں گے“ اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں  
اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہوں اور اپنے رب کے  
ہاں آپ کو اپنا شفیع بناتا ہوں۔

پھر اس نے یہ شعر پڑھے:

فطاب من طیہن القاع والاکم  
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ  
نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ

۱۔ امام مالک نے ”المہوط میں“ مزید اضافہ فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر سلام کے بعد حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر بھی سلام پیش کرے۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۳۰۶)



”اے وہ بہترین ذات جس کا جسم اقدس نرم زمین میں مدفون ہے اور اس کی خوشبو سے پست زمین اور نیلے منور ہیں۔

میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ تشریف فرما ہیں اس میں پاک دامنی اور جو دو کرم ہے۔“ ۱۔  
ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف پر کھڑا ہوا تو اس نے یوں کہا:

اللهم انک امرت بعثت العبد وهذا  
حبیبک وانا عبدک فاعتقنی من النار علی قبر  
حبیبک۔  
یا اللہ! تو نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا اور یہ تیرے  
محبوب ہیں جب کہ میں تیرا بندہ ہوں پس اپنے محبوب کی قبر  
انور پر مجھے آزاد کر دے۔

تو ایک غیبی آواز والے نے آواز دی:

یا هذا تسئل العتق لک وحدک هلا  
سألت لجميع الخلق اذهب فقد اعتقناک من  
النار۔  
اے فلاں! تو نے صرف اپنے لئے آزادی طلب کی  
تو نے تمام مخلوق کے لئے سوال کیوں نہ کیا جاہم نے تجھے  
جہنم سے آزاد کر دیا۔

ان الملوک اذا شابت عییدهم  
وانت یا سیدی اولی بذا کرما  
”جب بادشاہوں کے غلام غلامی میں جوان ہوئے تو وہ ان کو نیکو کار لوگوں (یا آزاد لوگوں) کی طرح  
آزاد کرتے ہیں۔  
فی رقهم اعتقوهم عتق ابرار (احرار)  
قد شبت فی الرق فاعتقنی من النار

اور اے میرے سردار آپ اپنے کرم کی وجہ سے اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں میں غلامی میں جوان ہوا ہوں  
پس مجھے جہنم سے آزاد کر دے۔“

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف پر  
کھڑے ہوئے تو یوں عرض کیا:

یا رب انا زنا قبر نبیک فلا تردنا  
خائبین۔  
اے میرے رب! ہم تیرے نبی کی قبر پر کھڑے  
ہوئے ہیں پس ہمیں نامراد نہ لوٹانا۔  
تو آواز آئی:

اے فلاں! ہم نے اپنے محبوب (ﷺ) کی قبر انور کی زیارت کی اجازت تمہیں اسی لئے دی کہ تجھے قبول کیا ہے  
پس تم اور تمہارے زائرین ساکھی یوں واپس جاؤ کہ تمہیں بخش دیا گیا۔

حضرت ابن ابی ندیک فرماتے ہیں: میں نے بعض (صلحاء و علماء) سے ملاقات کی تو ان سے سنا وہ فرماتے تھے ہمیں  
یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے پاس کھڑا ہو کر یہ آیت کریمہ پڑھے:

۱۔ راوی کہتے ہیں پھر بخشش طلب کر کے واپس ہوا اور جب مجھے نیند آئی تو میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ فرما رہے تھے اس  
اعرابی کے پاس جاؤ اور اسے خوشخبری دو کہ میری شفاعت کے سبب اس کی بخشش ہو گئی ہے میں بیدار ہوا تو اس کی تلاش میں نکلا لیکن اسے نہ  
پایا۔ (زر قانی ج ۸ ص ۳۰۷)



إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا  
تَسْلِيمًا (الاحزاب: ۵۶)  
اور پھر ستر مرتبہ کہے:

صلی اللہ علیک یا محمد۔  
اے محمد! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔  
تو ایک فرشتہ اسے آواز دیتا ہے صلی اللہ علیک یا فلان (اے فلاں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) اس کی کوئی  
حاجت رو نہیں ہوگی۔  
شیخ زین الدین المراغی اور ان کے علاوہ حضرات رحمہم اللہ نے فرمایا۔ بہتر بات یہ ہے کہ ”یا رسول اللہ“ کہے اگرچہ  
روایت ”یا محمد“ (کے الفاظ) کے ساتھ ہے۔  
میں (مصنف) نے ”لوامع الانوار فی الادعیۃ والاذکار“ (نامی کتاب) میں اس کے ساتھ مزید بیان کے ذریعے  
اس بات کی تنبیہ کی ہے۔

اگر کوئی شخص اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کی وصیت کرے تو یوں کہے:  
السلام علیک یا رسول اللہ من فلان۔  
یا رسول اللہ! فلاں کی طرف سے آپ پر سلام ہو۔  
پھر ایک گز شرعی کا فاصلہ اپنی دائیں طرف پھر جائے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرے  
کیونکہ ان کا سر انور رسول اکرم ﷺ کے کاندھے مبارک کے پاس ہے جس طرح رزین وغیرہ نے یقین کے ساتھ بیان  
کیا اور اکثر حضرات کا خیال یہی ہے۔ اب یوں کہے:

السلام علیک یا خلیفۃ سید المرسلین  
السلام علیک یا من اید اللہ بہ یوم الردۃ الدین  
جزاک اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا  
اللہم ارض عنہ وارض عنا بہ۔  
اے تمام رسولوں کے سردار کے خلیفہ! آپ پر سلام ہو  
اے وہ ذات جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس دن دین کی  
مدد کی جب کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام  
اور مسلمانوں کی طرف سے اچھی جزا عطا کرے یا اللہ! ان  
سے راضی ہو اور ہماری طرف سے ان کو راضی رکھ۔

پھر ایک گز کے برابر اپنی دائیں جانب پھر کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یوں سلام عرض کرے:  
السلام علیک یا امیر المومنین السلام  
علیک یا من اید اللہ بہ الدین جزاک اللہ عن  
السلام والمسلمین خیرا اللہم ارض عنہ  
وارض عنا بہ۔  
آپ پر سلام ہو اے مومنوں کے امیر! آپ پر سلام  
ہو اے وہ ذات جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین کی مدد  
فرمائی اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے  
جزا عطا فرمائے اے اللہ! ان سے راضی ہو اور ہماری طرف  
سے ان کو راضی کر دے۔



پھر شیخین کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد اپنی پہلی جگہ پر رسول ﷺ کے چہرہ انور کے سامنے آجائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور بزرگی بیان کرے، نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں ہدیہ درود بھیجے، بکثرت دعا کرے اور گڑ گڑائے اور آپ کی بارگاہ میں تجدید توبہ کرے اور آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ اس توبہ کو ایسی توبہ بنائے جو نصیحت بن جائے نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں کثرت ہے درود اور سلام بھیجے کیونکہ آپ اسے سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

### سلام کا جواب دینا

امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من مسلم یسلم علی الرد اللہ علی  
روحی حتی ارد علیہ السلام.  
جو مسلمان مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ  
میری روح کو متوجہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا  
جواب دیتا ہوں۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صلی علی عند قبری سمعته ومن  
صلی علی نائیا بلغته.  
جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف بھیجے میں  
اسے سنتا ہوں اور جو آدمی دور سے مجھ پر درود شریف بھیجے وہ  
مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء“ میں حضرت سلیمان بن حکیم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی تو عرض کیا یا رسول اللہ! یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ فرمایا ہاں اور میں ان کو جواب بھی دیتا ہوں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات طیبہ ثابت و معلوم ہے اور جاری ہے اور ہمارے نبی ﷺ ان سب سے افضل ہیں۔ جب یہ صورت ہے تو آپ کی حیات طیبہ ان سب کی زندگی سے زیادہ کامل ہے۔  
سوال: اگر کوئی بیمار طبیعت اور گھٹیا سمجھ کا آدمی کہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ جاری ثابت ہے تو روح کے لوٹانے کا کیا مطلب ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے“۔

جواب: اس بات کا جواب کئی طریقوں پر دیا جاتا ہے۔

(۱) یہ اس بات کی خبر دینا ہے کہ وصف حیات دائمی ہے کیونکہ سلام کا جواب دائمی ہے پس وصف حیات بھی لازم ہوگا تاکہ سلام کا جواب دیا جائے جو لازم ہے اور لازم کا وجود ملزوم یا ملزوم کے پائے جانے پر واجب ہوتا ہے پس وصف حیات دائمی طور پر ثابت ہوا کیونکہ اس کے ملزوم کا ملزوم دائمی طور پر ثابت ہے اور یہ بات مقصود کو بلاغت کی کامل ترین انواع کے ساتھ ثابت کرنے میں بلیغ عبارات کے بیان کے جادو سے ہے اور فنون براءت میں سے نہایت عمدہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کے بلاغت عظمیٰ کے سمندروں میں سے ایک قطرہ ہے۔

(۲) اس سے خاص روحانی توجہ مراد ہے جو بارگاہ نبوی سے عالم دنیا اور خاک کی اجسام کے ڈھانچوں کی طرف حاصل ہوتی



ہے۔

اور دائرہ بشریت کی طرف اترتی ہے حتیٰ کہ اس وقت اسلام کا جواب پایا جاتا ہے اور یہ توجہ عام اور سب کو شامل ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر ایک لمحہ میں لاکھوں کروڑوں انسان بھی ہوں تو نبوی توجہ اور روحانی التفات (توجہ) ان سب کو شامل ہوتی ہے اور میں (مصنف) نے اس سے وہ کچھ دیکھا ہے جس کو بیان نہیں کر سکتا۔ اور اس شخص کا جواب کتنا اچھا ہے جس سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ زمین کے مشرقوں اور مغربوں سے سلام کرنے والوں کو ایک آن میں کیسے جواب دیتے ہیں تو اس نے ابوالطیب کے اس قول کے ساتھ جواب دیا:

كالشمس في وسط السماء ونورها  
يغشى البلاد مشارقا ومغربا  
”جیسے سورج آسمان کے درمیان ہوتا ہے اور اس کی روشنی مشرق و مغرب کے تمام شہروں کو ڈھانپ لیتی ہے۔“

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عالم برزخ میں نبی اکرم ﷺ کا حال فرشتوں کے حال سے افضل و اکمل ہے اور یہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں جو ایک وقت میں ایک لاکھ ارواح قبض کرتے ہیں اور ایک روح کا قبض کرنا دوسری روح کو قبض کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتا اور اس کے ساتھ وہ عبادت خداوندی میں بھی مشغول ہوتے ہیں اور تسبیح و تہلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پس ہمارے نبی ﷺ زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں اور اپنے رب کی عبادت کرتے اور اس کا مشاہدہ کرتے ہیں انہیں ہمیشہ قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کے خطاب کی سماعت سے لذت حاصل کرتے ہیں اور ارشاد خداوندی: اِنَّكَ مَيْتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (الزمر: ۳۰) بے شک آپ کو انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔ کا جواب چوتھے مقصد میں گزر چکا ہے۔

امام دارمی نے حضرت سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: جب حرہ کے دن تھے (یزید نے جب مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تھا)۔ تو مسجد نبوی میں اذان نہیں ہوتی تھی اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر نہیں جاتے تھے اور ان کو نماز کے وقت کی پہچان اس سے حاصل ہوتی جسے وہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور سے سنتے تھے۔ ابن النجار اور ابن زبالہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ حضرت سعید یعنی ابن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نماز ظہر کا وقت ہوا تو میں نے قبر شریف میں اذان سنی اور دو رکعتیں پڑھیں پھر اقامت سنی تو ظہر کی نماز ادا کی پھر ہر نماز کے وقت قبر انور سے اذان و اقامت جاری رہی حتیٰ کہ تیس راتیں جو ایام حرہ کی راتیں تھیں گزر گئیں۔ امام بیہقی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: الانبياء احياء في قبورهم يصلون۔ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

۱۔ امام سبکی نے اس کا جواب یوں دیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال دائمی نہیں اور وفات کے بعد آپ کو حیات حقیقی حاصل ہو گئی ہے اور اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ دنیوی زندگی کی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں۔ (زر قانی ج ۸ ص ۳۱۰)



ان الانبياء لا يتركون في قبورهم بعد اربعين ليلة ولكنهم يصلون بين يدي الله حتى ينفخ في الصور.

انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبروں میں چالیس راتوں کے بعد نہیں چھوڑا جاتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور نماز پڑھتے ہیں یہاں تک کہ صور پھونکا جائے گا۔

”صحیح مسلم میں“ اس حدیث کے کئی شواہد ہیں ان میں سے ایک نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

مردت بموسی وهو قائم يصلی فی قبره.

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام (کی قبر) کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو واقعہ معراج کے سلسلے میں ہے اس میں یوں ہے کہ آپ نے آسمانوں میں انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات کی انہوں نے آپ سے کلام کیا اور آپ نے ان سے کلام کیا۔

اور میں (مصنف) نے نبی اکرم ﷺ کی عبادت کے ضمن میں حجۃ الوداع کے ذکر میں مزید بھی بیان کیا ہے۔

آپ کے خصائص کریمہ جو معجزات کے بیان اور اسراء و معراج کے بیان میں مذکور ہیں ان میں یہ بات ذکر کی گئی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ نمازیں اور حج اس طریقے پر ادا نہیں ہوتیں کہ وہ ان کے مکلف ہیں بلکہ لذت حاصل کرنے کے طریقے پر ہوتی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ عالم برزخ میں ان پر دنیا کا حکم لگایا جائے تاکہ ان کے اعمال زیادہ ہوں اور اجر بھی زیادہ ملے اور یہ سب کچھ مکلف کو خطاب کے طریقے پر نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں (آل عمران: ۱۶۹) رزق دیئے جاتے ہیں۔

جب اس ارشاد خداوندی سے شہید کی حیات ثابت ہے تو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی اور جمہور کا عقیدہ یہ ہے کہ شہداء کو حقیقی زندگی حاصل ہوتی ہے اور کیا یہ فقط روح کے لئے ہے یا اس کے ساتھ جسم کے لئے بھی ہے؟ مطلب یہ کہ جسم پرانا اور بوسیدہ نہیں ہوتا تو اس سلسلے میں دو قول ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ ان کے والد حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت عمرو بن جموع رضی اللہ عنہما جو غزوہ احد میں شہید ہوئے دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا حتیٰ کہ سیلاب نے ان کی قبر کو ننگا کر دیا تو ان کو یوں پایا گیا کہ ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور ان میں سے ایک زخمی ہوئے تھے تو انہوں نے اپنے زخم پر ہاتھ رکھا تھا دفن کے وقت وہ اسی حالت میں تھے ان کے ہاتھ کو زخم سے ہٹایا گیا تو خون جاری ہو گیا پھر وہ ہاتھ پہلے کی طرح اپنی جگہ پر چلا گیا اور اس واقعہ اور غزوہ احد کے درمیان چھیالیس (۴۶) سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

(طبقات ابن سعد مؤطا امام مالک)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے وہ شہدائے احد کے بارے میں فرماتے ہیں:



والذی نفسی بیدہ لا یسلم علیہم احد  
الی یوم القیامۃ الا ردوا علیہ۔  
اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری  
جان ہے ان (شہدائے احد) پر قیامت تک جو بھی سلام  
بھیجے گا وہ اس کو جواب دیں گے۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔  
ابن شہاب (محمد بن مسلم زہری) رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
اکثروا من الصلوۃ علی فی اللیلۃ الزہراء  
والیوم الازھر فانہما یودیان عنکم وان الارض  
لا تاكل اجساد الانبیاء۔ (سنن ابوداؤد سنن ابن ماجہ)  
روشن رات اور چمکتے دن (جمعہ کے دن اور رات) مجھ  
پر کثرت سے درود بھیجو یہ تمہارا درود مجھ تک پہنچاتے ہیں اور  
بے شک زمین انبیاء کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔  
ابن زبالہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”جس سے روح القدس  
(حضرت جبریل علیہ السلام) کلام کریں تو زمین کو اس کا جسم کھانے کی اجازت نہیں دی جاتی (وحی مراد ہے اور یہ نبوت کا  
اعزاز ہے)۔“

اور یہ بات ثابت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا وصال بطور شہید ہوا کیونکہ خیبر کے دن آپ نے اس بکری کے گوشت  
سے تناول فرمایا جس میں ایسا زہر ملایا گیا تھا جو وقت پر ہلاک کرنے والا تھا حتیٰ کہ اس کی وجہ سے حضرت بشر بن براء رضی  
اللہ عنہ شہید ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ کا زندہ رہنا بطور معجزہ تھا اور اس زہر کی تکلیف آپ کے وصال تک بار بار لوٹتی تھی  
اسی لئے آپ نے مرض الموت کے دوران فرمایا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ما زالت اكلة خیبر تعادنی حتی کان الان  
قطعتم ابھری۔  
خبر کا لقمہ (یعنی اس کا اثر) مسلسل میری طرف لوٹتا  
ہے حتیٰ کہ اب اس نے میری رگوں کو کاٹ دیا۔  
”الابھران“ وہ دور گیس جو دل سے نکلتی ہیں اور ان سے شریانیں پھوٹتی ہیں جیسا کہ ”صحاح“ (لغت کی کتاب)  
میں ذکر کیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس طرح نبی اکرم ﷺ کے لئے نبوت اور شہادت دونوں کو جمع کیا۔

### زیارت کے بعد دعا کے لئے کہاں کھڑا ہو؟

دعا کے لئے ٹھہرنے کی جگہ میں اختلاف ہے۔ شافعی حضرات فرماتے ہیں مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو جیسا  
کہ میں نے ذکر کیا۔

مالکی حضرات میں سے ابن فرحون نے کہا کہ ہمارے اصحاب (مالکی فقہ والوں) کے درمیان دعا کے لئے ٹھہرنے کی  
جگہ میں اختلاف ہے ”شفاء شریف میں ہے“ ابن وہب حضرت امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:  
جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرے تو دعا کے لئے کھڑا ہو اور اس کا رخ قبر شریف کی طرف ہو قبلہ کی  
طرف نہ ہو (کیونکہ آپ کی قبر شریف کی طرف پیٹھ کرنا خلاف ادب ہے۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۳)۔

خلیفہ منصور نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بات پوچھتے ہوئے کہا اے ابو عبد اللہ! کیا میں قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو



جاؤں اور دعا مانگوں یا رسول اکرم ﷺ کی طرف رخ کروں؟ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ سے رخ نہ پھیرو آپ قیامت تک تمہارا وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں (آدم سے تمام لوگ مراد ہیں)۔

امام مالک رحمہ اللہ نے ”المبسوط میں (جو اسماعیل قاضی کی کتاب ہے)“ فرمایا: میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ قبر انور کے پاس کھڑا ہو کر دعا مانگے بلکہ سلام کر کے آگے چلا جائے۔ ابن فرحون نے کہا شاید یہ اختلاف قول نہیں ہے منصور کو اس بات کا حکم اس لئے دیا کہ اسے علم تھا کہ کیا دعا مانگے اسے نبی اکرم ﷺ کے سامنے دعا مانگنے کے آداب کا بھی علم تھا لہذا حضرت امام مالک رحمہ اللہ اس کی جانب سے بے ادبی کا خوف محسوس نہیں کرتے تھے اس لئے یہ فتویٰ دیا۔

اور عام لوگوں کو فتویٰ اس طرح دیا کہ وہ سلام پیش کر کے پھر جائیں تاکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے مواجہہ شریف کے سامنے دعا مانگنے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کرنے کے سلسلے میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کریں جو مناسب نہیں۔

یا وہ مکروہ ہو یا حرام ہو۔ کیونکہ لوگوں کے مقاصد اور ان کی پوشیدہ باتیں مختلف ہوتی ہیں اور اکثر لوگ آداب دعا قائم نہیں رکھ سکتے اور نہ ان کی پہچان رکھتے ہیں اسی لئے ان کو سلام پھیرنے کے بعد پھر جانے کا حکم دیا۔

میں (مصنف) نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کے مناسک میں اس سے منسوب یہ قول دیکھا کہ وہاں حجرہ مبارکہ کی طرف منہ کر کے دعا نہ کرے نہ اس کی طرف نماز پڑھے اور نہ اسے بوسہ دے کیونکہ یہ باتیں تمام ائمہ کے نزدیک منع ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ تمام ائمہ کے مقابلے میں زیادہ کراہیت کے قائل ہیں اور ان سے جو حکایت منقول ہے کہ انہوں نے منصور کو حکم دیا کہ دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف رخ کریں تو یہ امام مالک پر جھوٹ ہے۔ ابن تیمیہ نے اس طرح کہا اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ (شرح زرقانی ص ۵۸۰ رقم الحاشیہ ۱)

### خاک طیبہ کی خوشبو

امام بصری رحمہ اللہ نے ”بردة المدتح (قصیدہ بردہ شریف) میں“ فرمایا:

لا طیب يعدل تر باضم اعظمه  
طوبی لمن تشق منه وملثم

”کوئی خوشبو اس خاک پاک کی برابری نہیں کر سکتی جو حضور ﷺ کے جسم اطہر کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے مبارک ہو اس زائر کے لئے جس نے روضہ اقدس کی خاک کو سونگھا اور بوسہ دیا۔“

”قصیدہ بردہ شریف کے“ شارح علامہ ابن مرزوق وغیرہ نے فرمایا:

”گویا انہوں نے خوشبو میں استعمال ہونے والی دو قسموں کی طرف اشارہ کیا کیونکہ اس کا استعمال سونگھنے کے لئے

۱۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات ابو الحسن علی بن فہر نے اپنی کتاب فضائل مالک میں نقل کی ہے اور اس کی سند میں حافظ ابوالفضل عیاض رحمہ اللہ ہیں جو ”الشفاء میں“ ایسی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں جس میں کوئی حرج نہیں بلکہ کہا گیا ہے کہ یہ صحیح ہے تو جھوٹ کہاں سے ہوا اس کے راویوں میں کوئی کذاب یا حدیث گھڑنے والا نہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۳)



ہوتا ہے اور اس کی طرف اشارہ ”المشتق“ سے کیا (کیونکہ اشتقاق سوگھنے کو کہتے ہیں) یا خوشبو لگانے کے ذریعے اسے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی طرف اشارہ ”ملتئم“ کے لفظ سے کیا۔

شارح فرماتے ہیں کم از کم پیشانی اور ناک پر خاک طیبہ لگ سکتی ہے جب آپ کی مسجد شریف میں سجدے کی حالت میں ہو۔ اس سے قبر شریف کو بوسہ دینا مراد نہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

زرکشی نے سیرانی سے نقل کیا کہ ”طوبی“ خوشبو ہے ابن مرزوق نے کہا طوبی، فعلی کے وزن پر ایک قسم کی خوشبو ہے۔

یہ اس بات پر مبنی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی قبر انور حقیقت حسیہ کے اعتبار سے خوشبو کی اقسام میں سے افضل قسم ہے اور یہ اس لئے کہ حقیقت میں اسی طرح ہے کسی کو اس کا ادراک ہو یا نہ لیکن مؤمن کے عقیدے کے اعتبار سے بات یہ ہے کہ وہ کسی خوشبو کو نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے برابر نہیں جانتا۔

سوال: اگر یہ حقیقی جسی خوشبو ہوتی تو ہر ایک کو اس کا ادراک ہوتا؟

جواب: کسی محل کے ساتھ کوئی معنی قائم ہو تو ہر ایک کے لئے اس کا ادراک ضروری نہیں بلکہ اسی وقت ادراک ہوگا جب شرائط پائی جائیں اور رکاوٹیں دور ہو جائیں اور عدم ادراک بدرک (جس کا ادراک ہوتا ہے) کے عدم پر دلالت نہیں کرتا اور دلیل کا نہ پایا جانا مدلول کے منتهی ہونے پر دلیل نہیں ہے زکام والے شخص کو کستوری کی خوشبو کا ادراک نہیں ہوتا حالانکہ کستوری میں خوشبو موجود ہے اور اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی۔

اور جب قبر کا تعلق امور اخرویہ سے ہے تو لازماً اس کا ادراک زندہ لوگوں میں سے انہی لوگوں کو ہوتا ہے جن کے لئے پردہ اٹھ گیا اور وہ مقربین اولیاء کرام ہیں۔

کیونکہ آخرت کا سامان باقی ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ فانی ہے اور فانی کو باقی سے نفع حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دونوں میں تضاد ہے اور جس شخص کو شریعت اسلامیہ سے ادنیٰ تعلق بھی ہو اسے کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے بلکہ ان میں سے افضل ہے اور جب قبر کی یہ صورت ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور اس قبر انور میں آپ کا جسم اقدس ہے جو سب سے بہترین خوشبو ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے برابر کوئی خوشبو نہیں۔

اللہ تعالیٰ احمد بن محمد العریف پر رحم فرمائے وہ اپنے قصیدہ میں جس کا آغاز یوں ہے فرماتے ہیں:

اذا ما حدا الحادی باجمال یثرب لـ فلیست المطایا فوق خدی تعبق

”جب حدی خواں یثرب کے کجاووں کے ساتھ حدی خوانی کرتا ہے پس کاش سواریاں دونوں

رخساروں پر خوشبو بکھیریں۔“

پھر کچھ اشعار کے بعد فرمایا:

۱۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں ”باجمال طیبہ“ زیادہ مناسب تھا کیونکہ مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے منع کیا گیا ہے جہاں تک قرآن

مجید میں یثرب (یا اہل یثرب) کہنے کا تعلق ہے تو وہ منافقین کی بات نقل کی گئی (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۵) اس لئے ہمارے نعت گو اور نعت خواں

حضرات کو چاہیے کہ وہ یثرب کا لفظ استعمال نہ کیا کریں۔ ۱۲ ہزاروی



فما عبق الريحان الا وتربها  
اجل من الريحان طيبا وعبق  
”گل ریحان کی خوشبو اس قدر نہیں پھیلتی جس قدر قبر انور سے خوشبو زیادہ آتی اور پھیلتی ہے۔“  
انہوں نے یہ بھی فرمایا:

راحت رکائبهم تبدی روائحها  
طيبا فياطيب ذاك الوفد اشباحا  
نسیم قبر النبی المصطفیٰ لهم  
روض اذا نشروا من ذكره فاحا  
”ان کے اونٹوں نے راحت پائی ان کی خوشبو پھیلتی ہے اس وفد کی خوشبو کس قدر پھیلی ہوئی ہے۔  
برگزیدہ نبی ﷺ کی قبر انور کی بادی نسیم ان کے لئے ایک پر بہار باغ ہے جب وہ ہوا پھیلے اور ان کے ذکر  
کی خوشبو پھیلتی ہے۔“

اور شاعر کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے فرماتے ہیں:

فاح الصعيد بجسمه فكانه  
روض بنم بعرفة المتارج  
ما جسمه مما يغيره الثرى  
والروح منه كالصباح الابلج  
”آپ کے جسم اقدس سے مٹی خوشبودار ہو گئی گویا وہ ایک خوشبو بکھرنے والا باغ ہے۔  
آپ کا جسم اقدس ایسا نہیں جسے مٹی بدل دے اور آپ کی روح انور روشن صبح کی طرح ہے۔“

نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی: ”المدينة ينصع طيبها. مدينة طيبة کی خوشبو خالص ہے“ کے بارے میں ابن  
بطل نے کہا کہ یہ مدینہ طیبہ میں رہنے والے مخلص مومن کی مثال بیان کی گئی وہ جو اپنے گھر والوں سے جدا ہوتا ہے اور دشمن  
کا خوف اسے لازم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ مدینہ طیبہ کی نختیوں کو برداشت کرتا ہے پس جب وہ اپنے نفس کا سودا کر  
لیتا ہے اور اس بات کا التزام کر لیتا ہے تو اس کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے ایمان خالص اور مضبوط ہوتا ہے کیونکہ وہ نبی اکرم  
ﷺ کے قرب اور مدینہ طیبہ میں رہنے والوں کے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے وہاں خوشبو پھیلتی ہے اور  
اس کی مہک تمام شہروں پر زائد ہوتی ہے یہ ایسی خصوصیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے شہر انور کو  
خاص فرمایا اور اس کی خاک مبارک جو نبی اکرم ﷺ کے جسم پاک سے ملی ہوئی ہے اسے پسندیدہ بنایا۔  
حدیث شریف میں ہے:

ان المومن يقبر في التربة التي خلق منها.  
مومن کی قبر اسی مٹی میں ہوتی ہے جس سے اس کو پیدا  
کیا گیا۔

لہذا مدینہ طیبہ کی خاک مبارک سب سے افضل خاک ہے جس طرح آپ ﷺ تمام انسانوں سے افضل ہیں۔  
اسی لئے اس شہر انور میں خوشبو تمام شہروں کے مقابلے میں زیادہ خوشبودار ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

۱۔ ایک اعرابی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے بیعت کا شرف حاصل کیا دوسرے دن وہ آیا تو اسے بخار چڑھا ہوا تھا اس نے کہا بیعت واپس  
کیجئے تو آپ نے انکار فرمایا تین مرتبہ ایسا ہوا اس وقت آپ نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو میل کچیل کو پھینک دیتی ہے۔



## توسل کی بحث

زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ دعا، زاری، طلب، مدد، طلب شفاعت اور نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ کثرت سے اختیار کرے پس جو شخص نبی اکرم ﷺ کی شفاعت طلب کرتا ہے وہ اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے۔

جان لو! استغاثہ، مدد طلب کرنے کو کہتے ہیں پس مستغیث (مدد طلب کرنے والا) مستغاث بہ (جس سے مدد طلب کی جائے) سے مطالبہ کرتا ہے کہ اے اس سے مدد حاصل ہو پس اس میں کوئی فرق نہیں کہ لفظ استغاثہ استعمال کرے یا توسل یا تشفع یا تجوہ یا توجہ کیونکہ یہ دونوں (التجوہ اور التوجہ) جاہ اور وجاہت سے بنے ہیں اور ان کا معنی قدر و منزلت کی بلندی ہے۔

اور بعض اوقات کسی بلند مرتبہ شخص کو اس سے اعلیٰ کی طرف وسیلہ بنایا جاتا ہے پھر یہ سب کچھ یعنی نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ، توسل، تشفع اور توجہ (آپ سے مدد طلب کرنا، آپ کو وسیلہ بنانا، آپ کی شفاعت اور توجہ طلب کرنا) ہر حال میں واقع ہے آپ کی تخلیق سے پہلے اور اس کے بعد آپ کی حیات طیبہ میں دنیا میں اور آپ کے وصال کے بعد عالم برزخ کے زمانے میں دوبارہ زندہ ہونے کے بعد میدان قیامت میں (ہر جگہ ثابت ہے) جس طرح ”تحقیق النصرة“ اور ”مصباح الظلام“ میں لکھا ہے۔

## تخلیق سے پہلے توسل

جہاں تک پہلی حالت (تخلیق سے پہلے) کا تعلق ہے تو تجھے وہ بات کافی ہے جو مقصد اول میں ذکر کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے اتارا گیا تو آپ نے نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

یا ادم لو تشفعت الینا بمحمد فی اهل السماوات والارض لشفعناک. (رواہ ابن عساکر)  
اے آدم! (علیہ السلام) اگر آپ ہماری بارگاہ میں حضرت محمد ﷺ کا وسیلہ تمام آسمانوں اور زمین والوں کے لئے پیش کرتے تو ہم آپ کی سفارش قبول کرتے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے امام حاکم، امام بیہقی اور دیگر حضرات نے نقل کیا جو یوں ہے:  
وان سالتنی بحقه فقد غفرت لک. (بیہقی)  
اگر آپ مجھ سے ان (نبی اکرم ﷺ) کے وسیلہ سے سوال کرتے تو میں آپ کو بخش دیتا۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابن جابر پر رحم فرمائے انہوں نے فرمایا:

به قد اجاب الله ادم اذ دعا وما ضرت النار الخلیل لنوره  
ونجی فی بطن السفینة نوح  
ومن اجله نال الفداء ذبیح  
”اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا کو قبول کیا جب انہوں نے دعا کی اور کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کو نجات دی گئی۔“



اور حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نقصان نہ پہنچایا تو یہ بھی نور محمدی کی وجہ سے ہوا اور اسی نور کی وجہ سے ذبح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ فدیہ آیا (ذبحہ ذبح ہوا)۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو انہوں نے عرض کیا۔ اے میرے رب! میں تجھ سے حضرت محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں مجھے بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تم نے حضرت محمد (ﷺ) کو کیسے پہچان لیا حالانکہ میں نے ان کو پیدا نہیں کیا عرض کیا اے میرے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سراٹھا کر دیکھا کہ عرش کے پایوں میں ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا ہے تو میں نے جان لیا کہ تو اپنے نام کے ساتھ صرف اس ذات کو ملاتا ہے جو تجھے مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ مجھے میری مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تو نے ان کے وسیلہ سے مجھ سے سوال کیا ہے تو میں نے تمہیں بخش دیا اور اگر حضرت محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔ یہ روایت طبری نے نقل کی ہے (مقصد اول میں یوں ہے کہ اے امام طبرانی نے نقل کیا)۔

ابن میں یہ بھی اضافہ ہے کہ وہ تمہاری اولاد میں سے سب سے آخری نبی ہیں۔

### تخلیق کے بعد توسل

نبی اکرم ﷺ کی تخلیق کے بعد آپ کی حیات طیبہ میں توسل کی مثال یہ ہے کہ قحط کے وقت اور بارشیں نہ ہونے کی صورت میں آپ کا وسیلہ پیش کیا گیا اسی طرح بھوک وغیرہ کی حالت میں آپ سے استغاثہ کیا گیا۔ معجزات کے بیان میں اور عبادات کے بیان میں طلب بارش کے ذکر میں یہ مثالیں ذکر کی گئی ہیں اور اسی سلسلے میں مصیبت زدہ لوگوں کا آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا ہے۔

اور تجھے وہ روایت کافی ہے جسے امام نسائی اور امام ترمذی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک نابینا شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت عطا فرمائے راوی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا مانگے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ  
يَا اللَّهُ! میں تجھ سے تیرے نبی محمد (ﷺ) جو نبی رحمت ہیں کہ وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد! (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف اپنی حاجت میں متوجہ ہوں کہ اسے پورا کیا جائے۔ یا اللہ! میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے صحیح قرار دیا اور یہ اضافہ کیا کہ جب وہ نابینا کھڑا ہوا تو اس کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔

اس حدیث میں جہاں توسل کا ذکر ہے وہاں نبی اکرم ﷺ کو لفظ ”یا“ کے ساتھ پکارنا بھی ثابت ہے اور یہ بات حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی ثابت ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے اسی طرح دعا مانگی اور آج بھی مانگی جاسکتی ہے۔ ۱۲ ہزار رو



## وصال کے بعد توسل

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد برزخ میں آپ سے توسل تو اس قدر ہے کہ شمار سے باہر ہے یا تلاش کے بعد اس کا ادراک ہو سکتا ہے۔

شیخ ابو عبد اللہ بن نعمان رحمہ اللہ (محمد بن موسیٰ بن نعمان متوفی ۶۸۳ھ) نے ان میں سے کچھ واقعات اپنی کتاب ”مصابح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام میں“ ذکر کئے ہیں۔

میں (مصنف) ایسا بیمار ہوا کہ طبیب اس کے علاج سے عاجز آ گئے اور مجھے یہ بیماری کئی سال رہی پس میں نے ۲۸ جمادی الاول ۸۹۳ھ میں مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ اس مقدس شہر کی عزت کو مزید بڑھائے اور مجھے دوبارہ عافیت کے ساتھ کسی مشقت کے بغیر اس شہر میں لا کر مجھ پر احسان فرمائے، نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے مدد طلب کی ۲ میں سویا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا جس کے پاس کاغذ تھا جس میں لکھا ہوا تھا۔ ”یہ دوا احمد بن قسطلانی کی بیماری کے لئے اذن نبوی کے بعد دربار عالیہ سے آئی ہے“ پھر میں بیدار ہوا اللہ کی قسم! میں اس بیماری میں کچھ نہیں پاتا تھا اور مجھے نبی اکرم ﷺ کی برکت سے شفاء حاصل ہو گئی۔

اسی طرح ۸۸۵ھ میں مکہ مکرمہ کے راستے میں تھا اور زیارت شریفہ سے واپس مصر کی طرف جا رہا تھا کہ ہماری خادمہ ”غزال الحبشیہ“ کے سر میں درد ہو گیا اور کئی دن رہا میں نے نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے اس کی صحت یابی کے لئے دعا مانگی تو ایک آنے والا میرے پاس خواب میں آیا اور اس کے ساتھ ایک جن تھا جو اس عورت کو بچھاڑنے والا (قابو کرنے والا) تھا۔ اس نے کہا اسے نبی اکرم ﷺ نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو میں نے اسے مخاطب کر کے اس سے قسم لی کہ وہ آئندہ اس کے پاس نہ آئے پھر میں بیدار ہوا تو اس خاتون کو کوئی بیماری نہ تھی گویا اسے رسی سے کھول دیا گیا ہو وہ اس سے عافیت میں رہی حتیٰ کہ میں مکہ مکرمہ میں ۸۹۴ھ میں اس سے جدا ہوا والحمد للہ رب العالمین۔

## میدان قیامت میں شفاعت

قیامت کے میدان میں نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنا ان باتوں میں سے ہے جن پر اجماع ہے اور حدیث شفاعت تو اتر سے ثابت ہے۔

تو اے طالب (طالب خیر) تجھ پر وہ سعادت حاصل کرنا لازم ہے جو غیب اور شہادت دونوں صورتوں میں حسن حال تک پہنچاتی ہے اور یہ سعادت نبی اکرم ﷺ کی مہربانی اور کرم کا دامن تھا منے اور آپ کی نعمتوں کے دست خوانوں پر طفلی بن کر پہنچنے سے آپ کے شریف مرتبہ سے توسل اور بلند قدر کو شفیع بنانے سے حاصل ہوتی ہے بلند مراتب کو پانے اور مقصود

۱ (الاعلام ج ۷ ص ۱۱۸ ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۱۳۴ کشف الظنون ج ۲ ص ۷۰۶ ایضاح المکنون ج ۲ ص ۲۸۸ معجم المؤلفین ج ۱۲ ص ۶۸)

۲ ”مواہب اللدنیہ کے“ محقق صالح احمد الشامی نے حضور ﷺ سے استغاثہ کو مردود قرار دیا اور معاذ اللہ مصنف کو جھوٹا قرار دیا یہ نجدی ذہن ہے جو علم سے بے بہرہ ہے حالانکہ حضور ﷺ کے وسیلہ سے استغاثہ اور بات ہے اور آپ سے یوں استغاثہ کرنا جس طرح اللہ تعالیٰ سے کہ جاتا ہے الگ بات ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ ۱۲ ہزاروی



کے حصول کے لئے پہنچ وسیلہ ہیں، پریشانی اور اضطراب کے دن تمام رسل عظام کے لئے آپ ہی فریادگاہ ہیں تم پر کوئی مصیبت نازل ہو تو آپ ﷺ کو سامنے رکھو اور قرب و منازل کے حصول میں بھی آپ کو ہی اپنا امام بناؤ اس طرح تم مقصود کی انتہاء تک کامیابی حاصل کرو گے اور اس ذات کی رضا حاصل کرو گے جس کے علم میں ہر چیز شامل ہے جب تک مدینہ طیبہ میں رہو حسب طاقت مختلف قسم کی قربتیں حاصل کرنے کی کوشش کرو اور طلب کے ناخنوں سے سعادتوں کے دروازے مسلسل کھٹکھٹاتے رہو عبادات کی سیڑھیاں طے کرتے رہو اور مرادوں کے خیموں میں داخل ہو جاؤ۔

تمتع ان ظفرت بنیل قرب  
فہا انا قد ابحت لکم عطائی  
فخذ ما شئت من کرم وجود  
فقد وسعت ابواب التدانی  
فمتع ناظر یک فہا جمالی

وحصل ما استطعت من ادخار  
وہا قد صرت عندی فی جوارى  
ونل ما شئت من نعم غزار  
وقد قربت للزوار داری  
تجلی للقلوب بلا استار

”اگر تم قرب کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ تو نفع اٹھاؤ اور جس قدر ممکن ہو ذخیرہ بناؤ۔

آؤ میں نے تمہارے لئے اپنی عطا کو مباح کر دیا اور آؤ تم میرے پاس میرے پڑوس میں ہو۔

کرم وجود سے جو چاہو لے لو اور وسیع و عریض نعمتوں میں سے جو چاہو لو۔

قرب کے دروازے وسیع ہیں اور ملاقات کرنے والوں کے لئے میرا گھر قریب ہے۔

دونوں آنکھوں کے ذریعے نفع اٹھاؤ یہ میرا جمال ہے اور دلوں کے لئے تجلی کسی پردے کے بغیر ہے۔“

### ریاض الجنۃ کی بحث

نبی اکرم ﷺ کی مسجد مکرم میں فرض اور نفل نمازوں کی پابندی کرو خاص طور پر روضہ شریفہ جس کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے)۔ (صحیح مسلم) ۱۔

ابن ابی حمرہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ (زمین کا) یہ ٹکڑا بعینہ جنت میں منتقل ہو جائے گا پس یہ ”روضۃ من ریاض الجنۃ“ ہے یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اس جگہ عمل کرنے والے کے لئے جنت کا باغ واجب ہو جاتا ہے وہ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ دونوں صورتوں کو جمع کیا جائے مطلب یہ ہے کہ یہ احتمال بھی ہو کہ یہ جنت میں منتقل ہوگا اور یہ بھی کہ اس میں عمل کرنے والے کے لئے جنت میں ایک باغ واجب ہو جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں دونوں وجہوں کے لئے نظری اور قیاسی دلیل موجود ہے جو اس احتمال کو پکا کرتی ہے۔

اس پر دلیل کہ اس جگہ عمل کرنے والے کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی مسجد شریف میں نماز کا ثواب دیگر مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار کے برابر ملتا ہے تو اس ٹکڑے کو دیگر حصوں پر فضیلت حاصل ہے جس طرح مسجد شریف کو دوسرے مقام پر زیادہ فضیلت حاصل ہے۔

اور اس کے بعینہ جنت میں جانے اور منبر کے حوض پر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ و منبری علی حوضی“ میرے حجرہ مبارکہ اور میرے

منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔



ستون (جس کے ساتھ کھڑے ہو کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے) جنت میں جائے گا اور یہ ستون مسجد کے اس حصے میں (مدفن) ہے تو ستون کے لئے جنت واجب کرنے کی علت ہی اس حصے کے جنت میں جانے کی علت ہے اور دونوں کے لیے برابر ہے جیسا کہ اس کے بعد میں ذکر کروں گا۔

اور جس ذات والا صفات نے اس (ستون) کے بارے میں خبر دی ہے اس نے اس (روضہ) کے بارے میں خبر دی ہے پس سب سے کامل طریقے پر محمول کرنا مناسب ہے اور وہ دونوں احتمالات کو جمع کرنا ہے کیونکہ شرعی قواعد سے ثابت ہے کہ اس مبارک جگہ کا ہمارے لئے فائدہ اور اس کے بارے میں ہمیں خبر دیئے جانے کا فائدہ یہی ہے کہ اس کو عبادت کے ساتھ آباد کیا جائے کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے اسی طرح مبارک دنوں کا مسئلہ بھی ہے اس بنیاد پر یہ جگہ آج بھی جنت کا ایک باغ ہے اور اسی طرح باغ کی صورت میں اپنی جگہ واپس چلا جائے گا اور اس جگہ عبادت کرنے والے کے لئے جنت میں باغ ہوگا اور یہ بات دو وجہ سے زیادہ ظاہر ہے ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا مقام بلند ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت کا پتہ دے کر خصوصیت عطا فرمائی تو اپنے حبیب ﷺ کو جنت کا باغ عطا فرمانے کے ساتھ خاص کیا (یہ دوسری وجہ ہے)۔

یہاں ایک اور بحث ہے وہ یہ کہ (مسجد شریف کے) تمام حصوں کے درمیان میں اسے ”روضۃ من ریاض الجنة“ قرار دینے کے لئے کیوں منتخب کیا؟ اگر ہم کہیں کہ یہ امر ربی ہے (ہمیں اس کی حکمت معلوم نہیں) تو کوئی بحث نہیں اور اگر کہیں کہ اس کی کوئی حکمت ہے تو اس میں بحث کی ضرورت ہوگی۔

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے موجود ہے کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی اور تمام مخلوقات میں سے جس چیز کا آپ سے تعلق ہوا اسے اپنی جنس پر فضیلت حاصل ہوگی جس طرح تمام امور میں یہ بات تلاش کی جاسکتی ہے آپ کے ظہور سے وفات تک جاہلیت اور اسلام میں ہر جگہ یہی بات ہے اس میں وہ بات بھی شامل ہے جو آپ کی والدہ ماجدہ کو شان ملی اور نہایت جاہلیت کے دور میں آپ کے وجود مسعود کی وجہ سے ان کو برکات حاصل ہوئیں جیسا کہ (کتب میں) مذکور و معلوم ہے۔

اسی طرح حضرت حلیمہ سعدیہ کا معاملہ ہے حتیٰ کہ ان کی دراز گوش اور وہ مقام جہاں دراز گوش قدم رکھتی وہ جگہ اسی وقت سرسبز ہو جاتی (کیونکہ آپ اس پر سوار تھے) اور یہ سب باتیں معروف ہیں۔

نبی اکرم ﷺ جہاں چلتے وہاں ہر قسم کی برکات ظاہر ہوتیں اور جہاں اپنے دست مبارک رکھتے وہاں ہر قسم کی خیرات و برکات کا ظہور ہوتا اور یہ ظہور حسی طور پر بھی ہوتا ہے اور معنوی اعتبار سے بھی جیسا کہ منقول و معروف ہے۔

اور جب قادر ذات (اللہ تعالیٰ) نے چاہا کہ حضور ﷺ کے لئے ایک گھر ضروری ہے اور اس کے لیے منبر ضروری ہے اور نبی اکرم ﷺ کا حجرہ انور اور منبر شریف کے درمیان بار بار آنا جانا ضروری تھا تو ان دونوں کے علاوہ کو جو عزت عطا ہوئی کہ جب اس کا تعلق براہ راست آپ سے قائم ہوتا کسی حیوان کے واسطے سے ہوتا یا اس کے علاوہ کوئی صورت ہوتی تو خیر و برکت حاصل ہوتی تو اس مقام کا کیا حال ہوگا؟ جہاں آپ کا آنا جانا بکثرت تھا آپ زندگی بھر ایک دن میں کئی مرتبہ وہاں تشریف لے جاتے ہجرت سے وصال تک یہ سلسلہ جاری رہا پس اس روضہ مبارک کی جنس سے اس کے لئے



رفعت کا کوئی ایسا وصف باقی نہ رہا جو ہمارے بیان کردہ وصف سے اعلیٰ ہو وہ یہ کہ یہ جنت سے ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا اور ابھی تک اس کا تعلق جنت سے ہی ہے اور اس میں عمل کرنے والے کے لئے اس کی مثل (جنت) ہے اور اگر کوئی ایسا مرتبہ ہوتا جو اس دنیا میں اس سے بلند ہوتا تو اس کے لئے اس سے بھی اعلیٰ مرتبہ ہوتا جس کا ذکر ہم نے اس کی جنس سے کیا ہے۔

اگر کوئی نا سمجھ شخص یوں استدلال کرے کہ اس طرح تو یہ کمال پورے مدینہ طیبہ کو حاصل ہونا چاہیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ بارہا اپنے مبارک قدموں سے اس پر چلے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ اس شہر کے غیر کو حاصل نہیں ہے کہ اس کی خاک پاک شفاء ہے جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی ہے (پہلے گزر چکا ہے) اور یہ مبارک ٹکڑا بھی اس فضیلت میں شامل ہے۔

مدینہ طیبہ میں دجال کا داخلہ ممنوع ہے اور یہ شہر اس کے بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ والوں کے لئے پہلے شفاعت فرمائیں گے اور اس میں جو بیماری اور بخار وغیرہ تھا وہ اٹھالیا گیا ہے۔ اس شہر مقدس کے کھانے، مشروب اور تمام چیزوں میں برکت رکھی گئی ہے اور ریاض الجنۃ کی فضیلت اس وجہ سے بھی ہے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ مسجد نبوی میں شہر کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں زیادہ آتے جاتے تھے اور منبر شریف اور حجرہ مبارکہ کے درمیان باقی مسجد کے مقابلے میں زیادہ آنا جانا تھا۔

پس اعتراض کی وجہ سے بحث مزید مؤکد (ضروری) ہو گئی کیونکہ برکت کا حصول آپ کے مبارک قدموں کے بار بار اٹھنے کی مناسبت سے ہے اور اس بلند و بالا روح مبارک کی وجہ سے ہے جو صرف ایسے شخص پر مخفی ہو سکتا ہے جو راہِ راست سے بھٹک چکا ہو۔ اور بصیرت کے اعتبار سے اندھا ہو پس مدینہ طیبہ تمام شہروں سے زیادہ مرتبہ والا شہر ہے اور مسجد نبوی تمام مساجد سے رفیع المرتبت ہے اور ریاض الجنۃ (مسجد کے) تمام حصوں سے زیادہ رفعت کا حامل ہے یہ بات معلوم ہے اور ایسی دلیل ہے جو ظاہر موجود ہے۔ ابن ابی جمرہ کا کلام مکمل ہوا۔

خطابی فرماتے ہیں اس حدیث کا مقصد مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر ہونے کی ترغیب ہے اور جو شخص مدینہ طیبہ کی مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو لازم پکڑے تو یہ اس بات کا سبب ہے کہ وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ کی طرف لوٹے گا اور قیامت کے دن اسے حوض کوثر سے سیراب کیا جائے گا۔ خطابی کا قول ختم ہوا۔

معجزات کے بیان میں خصائص کے ذکر کے ضمن میں اس سے زیادہ گفتگو ہو چکی ہے۔

**مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ؟**

”صحیح مسلم میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلاة فی مسجدی هذا افضل من الف صلاة فیما سواہ الا المسجد الحرام۔  
میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے۔

(صحیح بخاری و مسلم)



اس استثناء سے کیا مراد ہے تو اس سلسلے میں علماء کرام کا اسی طرح اختلاف ہے جس طرح اس بات میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ؟

حضرت سفیان بن عیینہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک نیز امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتوں میں سے صحیح روایت کے مطابق نیز ابن وہب، مطرف اور ابن حبیب تینوں مالکی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں کے نزدیک اور ساجی نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا علاوہ ازیں مکی اور مدنی حضرات کے نزدیک نیز ابن عبد البر نے حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو برداء، حضرت جابر، حضرت ابن زبیر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کے نزدیک مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے اور مکہ مکرمہ کی مسجد مدینہ طیبہ کی مسجد سے افضل ہے کیونکہ بعض مکانات دوسرے مکانات سے عبادت کی وجہ سے زیادہ شرف رکھتے ہیں کہ ان مقامات میں عبادت کو ترجیح ہوتی ہے۔

ابن عبد البر نے نقل کیا کہ حضرت امام مالک رحمہما اللہ سے ایسی بات مروی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکہ مکرمہ تمام زمین سے افضل ہے (وہ فرماتے ہیں) لیکن امام مالک کے شاگردوں سے ان کا مذہب یوں مشہور ہے کہ مدینہ طیبہ کو فضیلت حاصل ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں مدینہ طیبہ اور اس کی مسجد افضل ہے (اکثر اہل مدینہ حضرت عمر بن خطاب اور ایک جماعت کا قول بھی یہی ہے۔ ۱۲ ہزار رووی (زرقاتی ج ۸ ص ۳۲۲)

ہمارے اصحاب (شافعی حضرات) نے مکہ مکرمہ کی فضیلت پر جو استدلال کیا ہے اس میں حضرت عبد اللہ بن الحمراء (فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا) رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ اپنی سواری پر ٹھہرے ہوئے فرما رہے تھے: (الکاشف ج ۲ ص ۹۷ الاصابہ ج ۳ ص ۱۰۵)

واللہ انک لعیبر ارض اللہ واحبہا الی اللہ کی قسم! تو اللہ تعالیٰ کی بہترین اور محبوب ترین زمین ہے اور اگر مجھے تیرے اندر سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں نہ نکلتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۰۸، المستدرک ج ۳ ص ۷، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۵، سنن داری ج ۲ ص ۲۳۹، التہذیب ج ۲ ص ۲۸۸، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۲۳، اتحاف السادة المتقین ج ۳ ص ۲۸۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۷۰۶)

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابن عبد البر نے کہا کہ یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے مروی سب سے زیادہ صحیح روایت ہے اور فرمایا کہ یہ محل اختلاف میں قطعی فیصلہ ہے۔

امام شافعی اور جمہور کے نزدیک اس کا یعنی حدیث کا معنی یہ ہے کہ مسجد حرام کے علاوہ کیونکہ اس میں نماز پڑھنا میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز سے افضل ہے۔

۱۔ امام زرقاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات اس وقت قطعی ہوتی جب مدینہ طیبہ کو فضیلت حاصل ہونے کے بعد آپ یہ بات فرماتے لیکن جب یہ بات پہلے فرمائی تو اس وقت تقابل ہی نہیں تھا (لہذا مدینہ طیبہ کے مقابلے میں فضیلت کے لئے قطعی نہ ہوئی)۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۳۲۲)



امام مالک اور ان کے موافق حضرات کے نزدیک معنی یہ ہے کہ مسجد حرام کے علاوہ کیونکہ میری مسجد میں باقی مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلاة في مسجدی هذا افضل من الف  
صلاة فيما سواه من المساجد الا المسجد  
الحرام وصلاة في المسجد الحرام افضل من  
مائة صلاة في هذا .

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک  
ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد  
حرام میں ایک نماز اس میں ایک سو نماز سے افضل ہے۔

اس حدیث کو امام احمد نے اور ابن خزیمہ نیز ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا اور انہوں نے یہ اضافہ کیا یعنی ”فی  
مسجد المدينة“ (ہذا سے مراد مسجد نبوی ہے)۔

اور امام بزار نے بھی نقل کیا اور ان کے الفاظ یہ ہیں۔

صلاة في مسجدی هذا افضل من الف  
صلاة فيما سواه الا المسجد الحرام فانه يزيد  
عليه مائة .

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک  
ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے کہ وہ ایک  
سو درجہ زیادہ ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا اس کی سند بھی صحیح ہے۔

مالکی حضرات نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان میں وہ روایت بھی ہے جسے ابن حبیب نے ”الواضحہ“ میں  
ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلاة في مسجدی كالف صلاة فيما سواه  
وجمعة في مسجدی كالف جمعة فيما سواه  
ورمضان في مسجدی كالف رمضان فيما سواه .

میری مسجد میں ایک نماز اس کے علاوہ (مساجد) میں  
ایک ہزار نمازوں کی طرح ہے اور اس میں ایک جمعہ دوسری  
مساجد میں ایک ہزار جمعہ کی طرح ہے اور اس میں ایک  
رمضان (گزارتا) اس کے علاوہ میں ایک ہزار رمضان  
(تہتی) جیسا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکثر مدنی حضرات کا مذہب جیسا کہ قاضی عیاض نے ذکر  
کیا یہ ہے کہ مدینہ طیبہ افضل ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔

اور اس بات پر اجماع ہے کہ وہ جگہ جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اعضاء مبارکہ ملے ہوئے ہیں وہ زمین کے  
تمام حصوں سے افضل ہے حتیٰ کہ کعبہ شریف والی جگہ سے بھی افضل ہے جس طرح ابن عساکر الباجی اور قاضی عیاض رحمہم  
اللہ نے فرمایا۔ بلکہ تاج شکی نے بھی یہ اجماع نقل کیا جیسا کہ سید سمھودی (ابو الحسن علی بن عبداللہ بن احمد الحسینی الشافعی متوفی  
۹۷ھ) نے ”فضائل المدینہ میں“ ذکر کیا وہ ابن عقیل حنبلی سے روایت کرتے ہیں کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے اور



فاکھانی نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اسے (ساتوں) آسمانوں پر بھی فضیلت حاصل ہے ان کے الفاظ اس طرح ہیں:

”میں کہتا ہوں کہ یہ آسمانوں کے تمام حصوں سے بھی افضل ہے“ اور میں نے کسی کو اس پر اعتراض کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر اس بات کو علمائے امت کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس میں اختلاف نہیں کریں گے اور روایات میں آیا ہے کہ آسمانوں کو آپ کے مبارک قدموں کے لگنے سے فضیلت حاصل ہوتی ہے بلکہ اگر کوئی شخص کہے کہ زمین کے تمام ٹکڑے آسمان کے تمام حصوں سے افضل ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ یہاں تشریف فرما ہیں تو یہ بات عقل سے دور نہیں بلکہ میرے نزدیک یہ بات ظاہر و متعین ہے۔ فاکھانی کا کلام مکمل ہوا۔

بعض حضرات نے زمین کی آسمان پر فضیلت اکثر حضرات سے نقل کی ہے کیونکہ انبیاء کرام اسی سے پیدا ہوئے اور اسی میں مدفون ہوئے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جمہور کے نزدیک آسمان کو زمین پر فضیلت حاصل ہے یعنی اس جگہ کے علاوہ جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اعضاء شریف متصل ہیں۔

جس جگہ سے نبی اکرم ﷺ کا جسم اقدس متصل ہے اس کی دیگر زمین پر فضیلت پر جو اجماع ذکر کیا گیا ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے اور اس اعتراض کو شیخ عزالدین ابن عبدالسلام کے قول سے تائید حاصل ہے انہوں نے بعض جگہوں کی دوسری بعض جگہوں پر فضیلت کے حوالے سے کہا ہے کہ تمام جگہیں اور تمام وقت باہم مساوی ہیں اور فضیلت اس چیز کی وجہ سے ہوتی ہے جو ان (وقت اور جگہ) میں واقع ہو۔ ان صفات کی وجہ سے نہیں جو ان کے ساتھ قائم ہیں۔

وہ فرماتے ہیں ان دونوں (جگہ اور وقت) کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کی طرف لوٹتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان میں بندوں کو عطا کرتا ہے اور ان میں جو فضیلت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں عمل کرنے والوں کے اجر کی فضیلت کے ذریعے اپنے بندوں پر جو دو کرم فرماتا ہے۔

(گویا معترض کے نزدیک فضیلت عمل کی وجہ سے ہے کسی شخصیت کی وجہ سے نہیں۔ ۱۲ ہزار روئے)۔

لیکن شیخ تقی الدین سبکی نے اس کا تعاقب کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ عزالدین کے قول سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ (عمل کے علاوہ) کسی اور وجہ سے فضیلت حاصل ہو اگرچہ وہاں عمل نہ ہو۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پر رحمت رضائے الہی اور فرشتے اترتے ہیں اور اس (قبر انور) اور اس میں محو استراحت شخصیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر محبت ہے کہ عقلیں اس کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں اور یہ مقام کسی دوسری جگہ کو حاصل نہیں ہے تو وہ مقام کس طرح افضل نہیں ہوگا اور یہ مقام کسی دوسری جگہ کو حاصل نہیں ہے اور یہ مقام ہمارے لئے عمل کی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ مسجد نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مسجد کا حکم ہے بلکہ اس کا استحقاق تو صرف نبی اکرم ﷺ کے لئے ہے۔

نیز اس (قبر انور) میں اعمال کا بڑھنا اس اعتبار سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ یہ بات ثابت ہے اور آپ کے اعمال اس میں اس قدر بڑھتے ہیں جو ہر ایک سے زیادہ ہیں پس اعمال کا بڑھنا ہمارے اعمال سے مختص نہیں ہے۔

شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کو یہ بات سمجھ آگئی اس کا سینہ اس بات کے لئے کھل جائے گا جو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اعضاء مبارک جس مقام سے ملے ہوئے ہیں اسے دو وجہ سے فضیلت حاصل ہے ایک بات وہ جو کبھی گئی کہ ہر شخص اس جگہ دفن ہوتا ہے جس سے پیدا ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے



کہ اس پر فرشتے اور برکات نازل ہوتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی (خاص) توجہ کا مرکز ہے اور ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ کسی جگہ کو اس کی ذات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس فضیلت کا سبب وہ ذات ہوتی ہے جو وہاں اترتی ہے۔

شیخ تقی الدین سبکی کا قول ختم ہوا۔

حضرت ابو یعلیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:

لا يقبض النبی الا فی احب الامکنۃ الیہ۔ ہر نبی کی روح اس جگہ قبض کی جاتی ہے جو جگہ اسے سب سے زیادہ پسند ہو۔

اور اس میں شک نہیں کہ جو جگہ نبی اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہے وہ آپ کے رب کو بھی سب سے زیادہ پسند ہے کیونکہ آپ کی محبت آپ کے رب عز وجل کی محبت کے تابع ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہو وہ کیسے افضل نہیں ہوگی؟ اور نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اللّٰهُمَّ اِنَّ اَبْرَٰهِيْمَ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاِنِّيْ  
اَدْعُوكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ اَبْرَٰهِيْمُ  
لِمَكَّةَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ (صحیح مسلم موطا امام مالک)  
یا اللہ! بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تجھ  
سے مکہ مکرمہ کے لیے دعا مانگی اور میں تجھ سے مدینہ طیبہ کے  
لئے اس کی مثل جو ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لئے  
دعا کی اور اسی کے ساتھ اس کی مثل کی دعا کرتا ہوں۔

اور اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے افضل ہے کیونکہ دعا کی فضیلت دعا کرنے والے کی فضیلت کی قدر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ  
اَشَدَّ۔ یا اللہ! ہمارے لئے مدینہ طیبہ کو محبوب بنا دے جس  
طرح ہم مکہ مکرمہ سے محبت کرتے ہیں یا اس سے بھی  
زیادہ۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۵۶ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۹۱ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳۲ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۷۳۲)  
الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۶ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۶۰ اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۲۷۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۸۸۱-۳۸۱۵۹

ایک روایت میں (لفظ ”او“ کی بجائے) ”بَلْ اَشَدَّ“ (بلکہ زیادہ) کے الفاظ ہیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کی دعا قبول ہوئی حتیٰ کہ آپ مدینہ طیبہ کی محبت میں جب اس شہر کو دیکھتے تو اپنی سواری کو حرکت دیتے۔  
امام حاکم نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا کی:



اللَّهُمَّ إِنَّكَ أَخْرَجْتَنِي مِنْ أَحَبِّ الْبُقَاعِ إِلَيَّ يَا اللَّهُ! تو نے مجھے اس جگہ سے ہجرت کا حکم دیا جو مجھے تمام جگہوں سے زیادہ محبوب ہے پس مجھے ایسی جگہ ٹھہرا جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

(المسند بک ج ۳ ص ۳، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۶۹، دلائل النبوة ج ۲ ص ۲۳۳)

یعنی ایسی جگہ سکونت عطا فرما جسے تو اسی طرح (فضیلت والی) بنادے پس اس میں دو محبتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ابن عبدالبر نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا اور اگر اس کی صحت کو تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکہ مکرمہ کے بعد یہ (مدینہ طیبہ) تیرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

ان مكة خير بلاد الله.  
مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے سب سے بہتر شہر ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:

احب ارض الله الى الله.  
اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی زمین میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

نیز مسجد مکہ (مسجد حرام) میں ثواب کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بھی اس کو فضیلت حاصل ہے۔ علامہ سید سمھودی نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اسے ظاہر سے پھیرنے کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اس سے مقصود دار ہجرت نبوی کے لئے دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اسی طرح کر دے اور حدیث ”ان مكة خير بلاد الله“ مدینہ طیبہ کی فضیلت ثابت ہونے سے پہلے ابتدائی مرحلے پر محمول ہے جب دین کو غلبہ حاصل نہ ہوا اور نہ ہی شہر فتح ہوئے بلکہ ابھی مکہ مکرمہ بھی فتح نہیں ہوا تھا۔

اس وقت مکہ مکرمہ کو جو فضیلت ملی وہ کسی دوسرے شہر کو حاصل نہ ہوئی پس آپ کی دعا کی قبولیت ظاہر ہوئی اور اسے سب سے زیادہ محبوبیت مطلقاً حاصل ہوئی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر مدینہ طیبہ میں ٹھہرنا لازم قرار دیا اور حضور ﷺ نے اس شہر میں سکونت پذیر ہونے اور وہاں فوت ہونے کی ترغیب دی پس یہ کیسے افضل نہ ہوگا؟ علامہ سید سمھودی فرماتے ہیں جہاں تک زیادہ ثواب کا تعلق ہے تو فضیلت کے اسباب اسی بات میں منحصر نہیں عرفات کی طرف جانے کے لئے منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنا مسجد حرام میں پڑھنے سے افضل ہے اگرچہ ان کے ثواب میں اضافہ نہیں ہے۔

کیونکہ (نبی اکرم ﷺ کی) اتباع میں فضیلت ہے جو ثواب سے زائد ہے اور ہمارا مذہب (شافعی مذہب) یہ ہے کہ جگہ کی فضیلت کے ساتھ نفل نماز کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسجد مکہ مکرمہ میں نماز کا ثواب زیادہ ہے حالانکہ وہ مدینہ طیبہ کی فضیلت کے قائل ہیں اور جو شخص آپ کے اس قول سے کہ مسجد حرام میں نماز کا ثواب زیادہ ہے مکہ مکرمہ کی فضیلت ثابت کرتا ہے اس کا قول درست نہیں ہے۔

کیونکہ آپ کی غرض یہ تھی کہ مفضول (مسجد حرام) کو ایسی فضیلت حاصل ہے جو زیادہ فضیلت والے شہر (کی مسجد)



کو حاصل نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مدینہ طیبہ میں مکہ مکرمہ سے زیادہ برکت کی دعا کرنا امور دینیہ کو بھی شامل ہے اور بعض اوقات قلیل عدد میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ اس کا نفع کثیر سے زیادہ ہو جاتا ہے اس لئے اس ضابطے کو مدینہ طیبہ کی فضیلت کے لئے دلیل بنایا جاتا ہے۔

اور اگر ثواب کے بڑھنے سے فقط کعبہ مراد ہو تو جواب یہ ہوگا کہ یہ گفتگو کعبہ شریف کے علاوہ مقامات کے بارے میں ہے پس اس کی فضیلت کے بارے میں وارد احادیث میں سے کسی کا رد نہ ہوگا اور نہ مکہ مکرمہ کے ان مقامات کی فضیلت کا رد ہوگا جن سے احکام حج کا تعلق ہے کیونکہ ان سے حج کا تعلق ہے اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عیاش مخزومی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم مکہ مکرمہ کو مدینہ طیبہ سے بہتر قرار دیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حرم اور امن کی جگہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں کوئی بات نہیں کہتا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا پہلا قول دہرایا تو حضرت عبد اللہ بن عیاش نے اپنا جواب دہرایا تو آپ نے پھر فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں کوئی بات نہیں کہتا حضرت عبداللہ بن عیاش کو اشارہ کیا گیا تو وہ واپس چلے گئے۔

مدینہ طیبہ کو عمرہ کا عوض عطا کیا گیا جیسا کہ صحیح حدیث میں مسجد قباء کی حاضری کے بارے میں ہے (کہ اس کی زیارت کرنے اور وہاں نفل پڑھنے سے عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ مرفوع حدیث میں ہے کہ مسجد قباء میں نماز عمرہ کی طرح ہے)۔

اور حج کی جگہ روضہ رسول اور مسجد نبوی کی زیارت کو رکھا گیا ہے۔ نبوت کے بعد مدینہ طیبہ میں رسول اکرم ﷺ کی اقامت اگرچہ مکہ مکرمہ کے مقابلے میں کم ہے لیکن یہ دین کے اعزاز اور اظہار کا سبب ہے اکثر فرائض کا نزول اور دین کی تکمیل بھی یہیں ہوئی حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد و رفت یہاں زیادہ ہوئی پھر قیامت کے قائم ہونے تک رسول اکرم ﷺ یہاں تشریف فرما ہیں اسی لئے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا آپ کے نزدیک ان میں سے یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں سے کس جگہ ٹھہرنا زیادہ پسندیدہ ہے تو انہوں نے فرمایا یہاں (مدینہ طیبہ) میں (ٹھہرنا زیادہ پسند ہے) اور میں مدینہ طیبہ کو کیسے اختیار نہ کروں حالانکہ یہاں کوئی ایسا راستہ نہیں جس پر حضور ﷺ نہ چلے ہوں اور رب العالمین کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام ایک ساعت سے بھی کم وقت میں یہاں اترتے ہیں۔

امام طبرانی نے یہ حدیث روایت کی ہے:

المدينة خير من مكة.

مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔

اور جندی کی روایت میں "افضل من مكة" کے الفاظ ہیں۔ اس روایت میں محمد بن عبدالرحمن الرداد (راوی) ہے جسے ابن حبان نے ثقہ (قابل اعتماد) راویوں میں شمار کیا ہے اور فرمایا کہ اس سے خطا بھی ہو جاتی تھی ابو زرہ (رازی حافظ عبید اللہ بن عبد الکریم) نے فرمایا کہ اس میں ڈھیلا پن تھا۔ ابن عدی نے کہا اس کی روایت غیر محفوظ ہے اور ابو حاتم نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔

"صحیح بخاری و مسلم میں" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

امرت بقرية تاكل القرى يقولون مجھے ایسی بستی کا حکم دیا جو تمام بستیوں کو کھا جاتی ہے



یشرب۔ وہی المدینۃ تنفی الناس کما ینفی (بعض منافق لوگ) اسے یشرب کہتے ہیں اور یہ مدینہ ہے الکیر خبث الحدید۔

یہ (خبیث) لوگوں کو اس طرح باہر پھینکتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو پھینکتی ہے۔ ۲

مطلب یہ ہے کہ مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کا حکم دیا اگر یہ بات آپ نے مکہ مکرمہ میں فرمائی ہو اور اگر مدینہ طیبہ میں یہ بات فرمائی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس شہر میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

قاضی عبدالوہاب نے فرمایا کہ آپ کے ارشاد گرامی ”ناکل القرى“ کا معنی یہی ہے کہ اس کی فضیلت کو دوسرے شہروں پر ترجیح ہے اور ان کے مقابلے میں اس کی فضیلت زیادہ ہے۔

ابن منیر نے کہا یہ بھی احتمال ہے کہ اس شہر کی فضیلت کا دوسرے شہروں کی فضیلت پر غلبہ مراد ہو مطلب یہ ہے کہ فضائل اس کے عظیم فضل کے پہلو میں کمزور پڑ گئے حتیٰ کہ معدوم ہو گئے اور یہ بات مکہ مکرمہ کو ”ام القرى“ (تمام بستیوں کی ماں) کہنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ماں کی موجودگی میں وہ لوگ مٹ نہیں جاتے جن کی وہ ماں ہے پس اسے ماں ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ۳

یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے رہنے والوں کا دوسری بستیوں پر غلبہ مراد ہو اور زیادہ قریب یہ ہے کہ دونوں پر محمول کیا جائے کیونکہ جس غرض کے لئے کلام چلایا گیا اس میں یہ زیادہ پہنچنے والا ہے۔ سید سمھودی کا کلام مکمل ہوا۔

### مصنف کی رائے

میں (مصنف) نے مدینہ طیبہ کی مکہ مکرمہ پر فضیلت کو زیادہ طوالت سے بیان کیا اگرچہ ہمارے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکہ مکرمہ کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ ہر نفس کی خواہش اور جھکاؤ اس جگہ کی طرف ہوتا ہے جہاں اس کا محبوب موجود ہو۔

علی لربع العامریة وقفة لیملی علی الشوق والدمع کاتب

ومن مذہبی حب الدیار لاهلها وللناس فیما یعشقون مذاہب

”عامریہ کے گھر (یا محلے) میں ٹھہرنا مجھ پر لازم ہے تاکہ لکھنے والا میرے شوق اور آنسوؤں کو تحریر میں

لائے میرا مذہب یہ ہے کہ گھر والوں کی وجہ سے گھروں سے محبت کی جائے اور لوگوں کے لیے ان کے عشق

میں مختلف مذاہب (راستے) ہیں۔“

علاوہ ازیں قلم کے لئے مدینہ طیبہ کی فضیلت کی مختلف جہات میں وسیع میدان اور جامع گفتگو ہے لیکن اختصار کی طرف

۱۔ مدینہ طیبہ کا پرانا نام یشرب ہے نبی اکرم ﷺ نے اسے مدینہ طیبہ قرار دیا لہذا اب اسے یشرب کہنا جائز نہیں۔

۲۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت معاذ، حضرت ابو عبیدہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ایک

جماعت کے ساتھ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئے پھر حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم تشریف لے

گئے حالانکہ وہ نہایت پاکیزہ مخلوق تھے لہذا اس حدیث میں خاص لوگ اور خاص وقت مراد ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۲۸)

۳۔ مطلب یہ کہ مکہ مکرمہ کے لئے ام القرى کا لفظ ہے یعنی یہ شہر تمام بستیوں کی ماں ہے اور ماں کی موجودگی میں اولاد معدوم نہیں ہوتی جب مدینہ

طیبہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ بستیوں کو کھا جاتی ہے گویا وہ معدوم ہو گئیں اور اس کے مقابلے میں ان کی فضیلت باقی نہ رہی اس لئے مدینہ طیبہ

کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ زیادہ بلیغ ہے۔ ۱۲ ہزار رو



رغبت اس کے بچھونے کے کناروں کو لپیٹ رہی ہے اور یہ زیادہ کلام کا خوف اس کی طوالت اور اضافہ سے پھیرتا ہے۔  
عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے جو ”صحیح بخاری میں“ مروی ہے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی فضیلت میں مساوات کا اجتہاد کیا ہے۔ حدیث یوں ہے:

ليس من بلد الا سيطوه الدجال الا مكة والمدينة.  
مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۷۴۲، تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۸۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۸۵۸)  
اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت میں دونوں شہر مساوی ہیں کیونکہ دجال ان دونوں کے علاوہ تمام زمین کو روندے گا پس یہ بات فضیلت میں ان کی برابری پر دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں قیاس کے اعتبار سے بھی کئی وجوہ اس بات کی تائید کرتی ہیں۔

کیونکہ مدینہ طیبہ کو اگر نبی اکرم ﷺ کے مدفن ہونے اور وہاں آپ کے ٹھہرنے اور آپ کی مسجد شریف کی خصوصیت حاصل ہے تو مکہ مکرمہ کو آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت کی خصوصیت حاصل ہے یہ شہر آپ کا قبلہ ہے پس آپ کی ذات کریمہ مبارکہ کے سورج کا مطلع مکہ مکرمہ اور مغرب مدینہ طیبہ ہے اور مشہور قول کے مطابق اعلان نبوت کے بعد آپ کا مکہ مکرمہ میں قیام مدینہ طیبہ میں قیام کی مثل ہے کہ ان دونوں میں آپ نے دس دس سال قیام فرمایا انہوں نے اسی طرح فرمایا۔

### مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب

امام مسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے:

ياتي على الناس زمان يدعو الرجل ابن عمه و قريبه هلم الي الرخاء و المدينة خير لهم لو كانوا يعلمون و الذي نفسي بيده لا يخرج احد رغبة عنه الا اخلف الله فيها خيرا منه.  
لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ایک شخص اپنے چچا زاد بھائی اور قریبی رشتہ دار کو بلائے گا کہ خوشحالی کی طرف آؤ اور مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ جانتے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس شہر سے بے رغبت ہو کر نہیں نکلے گا مگر اللہ تعالیٰ اس سے بہتر آدمی کو اس میں لے آئے گا۔

جب تم اس حدیث میں غور کرو گے تو تمہارے لئے ظاہر ہوگا کہ اس میں مدینہ طیبہ سے نکلنے کی مذمت کی خبر دی گئی ہے بلکہ شیخ محبت طبری نے ایک قوم سے نقل کیا کہ یہ بات عام ہے ہمیشہ کے لئے ہے اور مطلقاً ہے اور فرمایا کہ یہ مفہوم ظاہر لفظ سے لیا گیا ہے۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يصبر على لواء المدينة و شدتها احد  
میری امت کا جو شخص مدینہ طیبہ کی بھوک اور سختی پر صبر

۱۔ نبی اکرم ﷺ اعلان نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال اور مدینہ طیبہ میں دس سال تشریف فرما رہے لہذا اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں دعوت اسلام کی مدت دس سال تھی کیونکہ پہلے تین سال آپ دعوت الی اللہ کے مامور نہیں تھے۔



من امتی الا کنت له شفيعا يوم القيامة او کرے گا میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا (فرمایا) گواہ شہیدا۔ ہوں گا۔

”صحیح مسلم میں ہی“ حضرت سعید (صحیح یہ ہے کہ ابوسعید ہے) جو مہری (نام معلوم نہیں قضاہ کے ایک قبیلہ مہرہ کی طرف منسوب ہیں) کے آزاد کردہ غلام ہیں سے مروی ہے کہ وہ حرہ کی راتوں میں (جب یزید نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے مدینہ طیبہ سے چلے جانے کے بارے میں مشورہ کیا وہاں کی مہنگائی اور اپنے اہل و عیال کی کثرت کی شکایت کی انہیں بتایا کہ وہ مدینہ طیبہ کی مشقت اور اس کی بھوک پر صبر نہیں کر سکتے تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے میں تجھے اس بات کی اجازت نہیں دوں گا میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:

لا يصبر احد لأوائها الا کنت له شفيعا او جو شخص مدینہ طیبہ کی بھوک اور سختی پر صبر کرے گا میں شہیدا يوم القيامة۔ قیامت کے دن اس کا شفیع یا (فرمایا) گواہ ہوں گا۔

”اللاوائ“ مد کے ساتھ ہے شدت اور بھوک کو کہتے ہیں۔

اور (الا کنت له شفيعا او شہیدا) میں لفظ ”او“ کے بارے میں ظاہر بات یہی ہے کہ یہ شک کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو حضرت جابر بن عبد اللہ حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت ابن عمر حضرت ابوسعید حضرت ابو ہریرہ حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت صفیہ بنت ابوعبید رضی اللہ عنہم نے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا اور ان سب کا یا ان کے راویوں کا شک پر اتفاق یا ایک لفظ پر متفق ہونا عقل سے بعید ہے بلکہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لفظ ”او“ تقسیم کے لئے ہوگا آپ بعض اہل مدینہ کے لئے شہید (گواہ) اور باقی لوگوں کے لئے شفیع ہوں گے یا تو گناہ گاروں کے لئے شفیع اور اطاعت گزار لوگوں کے لئے شہید ہوں گے یا جو آپ کی حیات طیبہ میں انتقال کر گیا اس کے لئے گواہ اور جو آپ کے بعد فوت ہوا اس کے لئے شفیع ہوں گے یا اس کے علاوہ کوئی مفہوم ہوگا۔

اور یہ خصوصیت اس شفاعت سے زائد ہے جو قیامت کے دن گناہ گاروں یا سب لوگوں کے لئے ہوگی اور اس شہادت سے بھی زائد ہے جو شہادت تمام امتوں پر ہوگی پس اس خصوصیت کی وجہ سے ان (اہل مدینہ) کو بلند مرتبہ اور زائد مقام اور رفعت حاصل ہوگی۔

اور جب ہم لفظ ”او“ کو شک کے لئے کہیں گے تو اگر صحیح لفظ ”شہیدا“ ہے تو اعتراض دور ہو جائے گا کیونکہ یہ اس شفاعت سے زائد ہے جو ان کے غیر کے لئے رکھی گئی ہے اور صحیح لفظ شفيعا ہے تو اہل مدینہ کے ساتھ اس شفاعت کا خاص ہونا جب کہ اس میں تمام امت کے لئے عموم بھی ہے اور سب کے لئے شفاعت رکھی گئی ہے اس اعتبار سے ہے کہ یہ شفاعت عمومی شفاعت کے علاوہ ہے اور اہل مدینہ کے لئے یہ شفاعت درجات کے اضافہ یا حساب کی تخفیف کے اعتبار سے ہے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے یا یہ کہ قیامت کے دن ان کو طرح طرح کے اعزازات حاصل ہوں گے کیونکہ وہ منبروں پر یا عرش کے سائے میں ہوں گے یا ان کو جنت میں جلدی لے جایا جائے گا یا اس کے علاوہ خاص اعزازات حاصل ہوں گے۔

اور وہ شخص جو زمین اور آسمانوں والوں کے سردار سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے نیز جس بڑے ثواب اور بھاری عطیات



کا وعدہ کیا گیا اسے حاصل کرنے اور آپ کی شفاعت و شہادت کے وعدہ کو پورا کرنے اور زندگی و موت میں مقصود کو حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے وہ کیسے مشقتیں برداشت نہیں کرے گا اور مدینہ طیبہ کی شدت اور بھوک کم کس قدر ہوگی اور اس کی مشقت اور آزمائش کب تک رہے گی؟ اے مخاطب! اگر تو غور کرے تو تجھے ایسے شہر ملیں گے جن میں شدت اور زندگی کی تنگی اس کی مثل یا اس سے بھی زیادہ سخت پائے گا حالانکہ وہاں کے رہنے والے وہاں مقیم ہیں جب کہ ان میں بعض لوگ وہاں سے منتقل ہونے پر قادر ہوتے ہیں لیکن منتقل نہیں ہوتے، کوچ کر سکتے ہیں لیکن کوچ نہیں کرتے بلکہ وہ وہاں سے کوچ کرنے اور منتقل ہونے پر قادر ہونے کے باوجود اپنے وطن کو ترجیح دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں مدینہ طیبہ میں اگرچہ بعض اوقات گزران زندگی تنگ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض اہل مدینہ کو کسادگی عطا فرمائی ہے حتیٰ کہ ہمارے بعض دوست جو دوسرے علاقوں کے رہنے والے ہیں انہوں نے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کی اور وہاں ان کی حالت بہتر ہو گئی اور ان کا دل وہاں مطمئن ہے جب کہ دوسرے شہروں میں یہ کیفیت نہیں پاتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو وہاں یہ خوشحالی عطا کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ مومن کے لئے صبر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

پس جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا ہے اسے وہاں ٹھہرنے پر صبر عطا کرتا ہے اگرچہ انگارے سے بھی زیادہ گرم پر ہو پس وہ اس کے گلے کو پکڑنے والی کڑواہٹ کا گھونٹ پیتا ہے اور اس کی مشقت کو برداشت کر کے دنیا اور اس کی آزمائش سے محفوظ رہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الایمان لیارز الی المدینۃ کما تارز الحیۃ الی جحرھا۔

بے شک ایمان مدینہ طیبہ کی طرف اس طرح سکر جائے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سکر جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ وہ سکر کر اور باہم مل کر اس میں پناہ لیتا ہے حالانکہ مدینہ طیبہ ایمان کے پھیلنے میں اصل ہے پس ہر زمانے میں ہر مومن کے دل میں اس کی طرف جانے کی رغبت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہاں ٹھہرنے والی ذات والا صفات (نبی اکرم ﷺ) کی محبت اس کا باعث ہے پس وہاں مقیم ذات کی وجہ سے اعزاز حاصل ہے اگرچہ ان میں سے بعض کے بارے میں کہا گیا جو کہا گیا پس انہوں نے اس حبیب جلیل کے پڑوسی ہونے کا شرف حاصل کیا تو ان کے لئے حضور ﷺ کے پڑوسی ہونے کا حق ثابت ہے اگرچہ ان کی خطائیں بہت بڑی ہوں لہذا ان سے پڑوسی ہونے کا نام سلب نہیں ہوگا اور نبی اکرم ﷺ نے اس حق کو عموم کے طریقے پر بیان فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

ما زال جبریل یوصینی بالجار۔

حضرت جبریل علیہ السلام مجھے مسلسل پڑوسی کے

بارے میں خیر خواہی کا کہتے رہے۔

تو آپ نے کسی پڑوسی کی تخصیص نہیں فرمائی اگر کوئی استدلال کرنے والا وہاں رہنے والے بعض اہل سنت پر بدعت اختیار کرنے اور اتباع رسول ﷺ کو چھوڑنے کا الزام لگائے تو اگر کسی شخص میں یہ بات ثابت بھی ہو جائے تو اس کا اکرام

۱۔ حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگ آپ سے سیکھنے کے لئے جاتے تھے صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں ان کی سیرتوں کی اقتداء کی خاطر اور ان کے بعد نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت مسجد نبوی میں نماز پڑھنے اور آپ کے آثار مبارکہ نیز صحابہ کرام کے آثار سے برکت حاصل کرنے جاتے ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۳۱)



ترک نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے احترام میں کوئی کمی آئے گی کیونکہ وہ پڑوسی ہونے کے حکم سے خارج نہیں ہوتا اگرچہ ظلم کرے اور نہ ہی اس سے اس شہر میں رہنے کا شرف زائل ہوتا ہے جس طریقے پر بھی پھر جائے بلکہ امید ہے کہ اس کا خاتمہ بھلائی کے ساتھ ہو اور اسے اس ظاہری قرب کے ساتھ ساتھ معنوی (باطنی) قرب بھی حاصل ہو جائے۔

فيا ساكنى اكناف طيبة كلکم  
الى القلب من اجل الحبيب حبيب  
”اے مدینہ طیبہ کے اطراف و اکناف میں رہنے والو! تم سب حبیب کریم ﷺ کی وجہ سے دل میں محبوب ہو۔“

اور اللہ تعالیٰ ابن جابر کو جزا عطا کرے کیا خوب کہا:

فبالقرب من خير الوری حزم السبقا  
سواها وان جار الزمان وان شقا  
وصلتم فلم يقدر ولو ملك الخلقا  
فها انتم فی بحر نعمته غرقى  
ومن يره فهو السعيد به حقا  
وباب ذوی الاحسان لا يقبل الغلطا  
ولا يمنع الاحسان حرا ولا رقا  
يلا حظکم فالدهر يجرى لكم وفقا  
فشكروا ونعم الله بالشكر تستبقى  
ملائكة يحمون من دونها الطرقا  
فوجه الليالى لا يزال لكم طلقا  
وان جاءت الدنيا وموت فلا فرقا  
وحشرا فستر الجاه فوقكم ملقى  
اتطلب ما يفنى وتترك ما يبقى  
الى غيره تسفيه مثلك قد حقا  
فاكرم من خير البرية ما تلقى  
ولو سرت حتى كدت تخرق الأفقا  
ومر تحل قد ضاق بين الوری رزقا  
اذا كنت فى الدارين تطلب ان ترقا  
بطيبة فاعرف ان منزلک الارقى  
ومن جار فى ترحاله فهو الاشقى  
”اے مدینہ طیبہ کے رہنے والو! تمہیں مبارک ہو یقیناً تم حضور خیر الوری علیہ التحیۃ والثناء کے قرب اور

هناؤکم یا اهل طيبة قد حقا  
فلا يتحرك ساكن منكم الى  
فکم ملک رام الوصول لمثل ما  
فبشراکم نلتهم عناية ربکم  
تروون رسول الله فى كل ساعة  
متى جنتهم لا يغلق الباب دونکم  
فيسمع شکواکم ويكشف ضرکم  
بطيبة مثواکم واکرم مرسل  
وکم من نعمة لله فيها علیکم  
امتم من الدجال فيها فحولها  
کذاک من الطاعون انتم بما من  
فلا تنظروا الا لوجه حبيبکم  
حياة وموت تحت رحماه انتم  
فيا راحلا عنها لدنيا تریدها  
اتخرج عن حوز البنى وحرزه  
لئن سرت تبغى من کریم اعانة  
هو الرزق مقسوم فليس بزائد  
فکم قاعد قد وسع الله رزقه  
فعش فى حمى خير الانام وموت به  
اذا قمت فيما بين قبر ومنبر  
لقد اسعد الرحمن جار محمد

”اے مدینہ طیبہ کے رہنے والو! تمہیں مبارک ہو یقیناً تم حضور خیر الوری علیہ التحیۃ والثناء کے قرب اور



ہمسائیگی کی وجہ سے سبقت پانے والے ہو۔

تم میں سے کوئی شخص مدینہ طیبہ کی سکونت کو چھوڑ کر اس کے سوا کسی اور طرف نہ جائے اگرچہ زمانہ تم پر سختی کرے اور ظلم ڈھائے۔

بہت سے بادشاہوں نے اس سعادت کو پانے کی ٹھانی جو تمہیں میسر ہے بآسانی مگر بنی نہ کہانی اگرچہ ساری مخلوق پر ان کی تھی حکمرانی۔

تمہیں بشارت ہو کہ تم پر تمہارے رب کی ہے عنایت و مہربانی اور سنو! اور سنو تمہارے آنگن میں اس کی نعمتوں کے سمندر کی ہے روانی بایں فراوانی۔

تم اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی ہر گھڑی زیارت کرتے رہو اور حقیقت میں سعادت مند اور خوش بخت تو وہ شخص ہے جس نے آپ ﷺ کو دیکھا۔

تم جب بھی آؤ ان کا دروازہ تم پر بند نہیں ہوتا اور خیوں کا دروازہ بند ہو یہ ان کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔ تمہاری شکایت سنی جاتی ہے تم سے ضرر کو دور کیا جاتا ہے آپ کے احسانات کو کسی بھی آزاد اور غلام پر روکا نہیں جاتا۔

تمہاری منزل طیبہ میں ہے رسول مکرم ﷺ تمہارے نگہبان ہیں زمانہ تمہارے موافق ہو کر چلتا ہے۔ مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا تم پر کس قدر انعام اور احسان ہے سو اس کا شکر ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے اس کا انعام برقرار رہتا ہے اور نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں رہنے کی وجہ سے تم دجال سے محفوظ ہو کیونکہ مدینہ طیبہ کے ارد گرد اور اس کے راستوں پر فرشتوں کا پہرہ لگا ہوا ہے۔

اسی طرح تم طاعون کی وباء سے بھی امن میں ہو تمہارے لیے زمانے کا رخ ہمیشہ خوش گوار ہوتا ہے۔ تم اپنے محبوب کے چہرے کے سوا کسی کی طرف نہ دیکھو اگر (تمہارے سامنے) ساری دنیا بھی آئے اور گزر جائے مگر تمہاری محبت میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیے۔

زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی تم ان کے سایہ میں رہے اور حشر میں بھی وہ اپنے جاہ و مرتبہ اور شان کے مطابق تم پر پردہ ڈالیں گے۔

اے مدینہ طیبہ سے دنیا کا ارادہ کر کے کہیں اور کوچ کر جانے والے شخص! کیا باقی رہنے والی چیز کو چھوڑ کر فانی کو طلب کرتا ہے؟

اے نبی ﷺ کی پناہ اور حفاظت سے نکل کر غیر کی طرف جانے والے شخص! حقیقت یہ ہے کہ نادان تمہارے اپنے ہی ہوتے ہیں (خدا لگتی کہوں) عقل سے پیدل تیرے اپنی ہی ہوتے ہیں۔

اگر تم کسی نئی سے مدد مانگنے چلے ہو تو یاد رکھو بہترین مخلوق (ﷺ) سے بڑا نئی تمہیں کوئی نہیں ملے گا۔ (اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ) تمہارا رزق تو وہی ہے جو تمہاری قسمت میں لکھ دیا وہ تو بڑھنے سے رہا اگرچہ گھومتے گھومتے تم آسمان تک کو پھاڑ کر دیکھ آؤ۔



بہت سارے لوگ ایک جگہ (صبر و قناعت کے ساتھ مستقل مزاج ہو کر) بیٹھے (کام کرتے) رہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ کریم ان کو وسیع رزق عطا کرتا ہے اور بہت سے لوگ دنیا بھر کی خاک چھانتے پھرتے ہیں پھر بھی تنگدست کے تنگدست ہی رہتے ہیں۔

اگر تم دنیا اور آخرت میں بلند مقام کے خواستگار ہو تو اپنا جینا اور مرنا حضور ﷺ کی سیرت کے مطابق کر لو (ورنہ ٹھوکر یں کھاتے پھرو گے)۔

مدینہ طیبہ میں جب تم حضور ﷺ کی قبر انور اور منبر شریف کے درمیان کھڑے ہو تو جان لو کہ تمہاری منزل سب سے اونچی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمد مصطفیٰ ﷺ کے قرب و جوار میں رہنے والا شخص سعید ہے اور جو وہاں سے اپنے کوچ کرنے میں ظلم اور بے وفائی کرنے والا ہے وہ شقی اور بد نصیب ہے (یا جو شخص حج میں آپ کے روضہ مبارکہ کی زیارت کے لیے شدہ حال نہ کر کے آپ کے ساتھ جو رو جفا کرتا ہے وہ بڑا بد بخت اور شقی ہے)۔  
امام ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من استطاع منکم ان یموت بالمدينة تم میں سے جس شخص کو مدینہ طیبہ میں فوت ہونے کی طاقت ہو تو وہاں فوت ہو کیونکہ میں ان لوگوں کی شفاعت کروں گا جو وہاں فوت ہوں گے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے ”الکبیر میں“ سبیحہ اسلامیہ کی حدیث سے روایت کیا۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل المدينة الدجال ولا الطاعون۔ مدینہ طیبہ میں دجال اور طاعون داخل نہیں ہو سکتا۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل المدينة رعب المسيح الدجال مدینہ طیبہ میں مسیح دجال کا خوف داخل نہیں ہوگا اس لہا یومئذ سبعة ابواب علی کل باب ملکان۔ دن مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۱۸۷۹) دو فرشتے ہوں گے۔

”فتح الباری میں فرمایا کہ“ مدینہ طیبہ میں طاعون کے داخل نہ ہونے والی بات مشکل ہے کیونکہ یہ تو شہادت ہے اور اسے کیسے دجال کے ساتھ ملا کر دونوں کے عدم دخول کے ساتھ مدینہ طیبہ کی تعریف کی گئی ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ذاتی طور پر طاعون شہادت سے موصوف نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ شہادت کا درجہ اس پر مرتب ہوتا ہے اور اس سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ اس کا سبب ہے جب وہ بات ذہن میں حاضر ہو جو آٹھویں مقصد میں گزری ہے کہ یہ شیطان کی طرف سے پہنچنے والی ٹھیس ہے تو مدینہ طیبہ میں اس کے داخل نہ ہونے سے اس مقدس شہر کی مدح اچھی قرار پائے گی کیونکہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کافر جن اور شیطان مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے روک دیئے گئے ہیں اور جس کے اس میں داخل ہونے پر اتفاق ہے وہ ان میں کسی کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا۔



امام قرطبی نے ”المفہم“ میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ طاعون جس طرح دوسرے شہروں میں داخل ہوتا ہے اس طرح اس میں داخل نہیں ہوگا جیسے عموماً اس میں طاعون اور جارف میں داخل ہوا۔  
 امام قرطبی کے اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں طاعون وہاں داخل ہوگا حالانکہ یہ بات نہیں ہے ابن قتیبہ نے ”المعارف“ میں یقینی طور پر کہا اور ایک جماعت نے جن میں شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ بھی ہیں انہوں نے ”الاذکار“ میں ان کی اتباع کی کہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں کبھی بھی طاعون داخل نہیں ہوگا لیکن ایک جماعت نے نقل کیا کہ ۷۴۹ھ میں مکہ مکرمہ میں طاعون کی بیماری آئی بخلاف مدینہ طیبہ کے کہ کسی نے بھی یہ بات ذکر نہیں کی کہ وہاں کبھی طاعون آیا ہو۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یوں دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو طاعون کی جگہ بخار دے دیا (یعنی شہادت کا ثواب بخار کے باعث ملے گا) کیونکہ طاعون کبھی کبھی آتا ہے اور بخار کا تکرار ہر وقت ہوتا ہے پس اجر میں برابر ہو گئے۔ اور (مدینہ طیبہ میں) طاعون کے داخل نہ ہونے کا مقصد (شہادت) حاصل ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے لئے امام احمد کی روایت کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک جواب ظاہر ہوا وہ روایت جو ابو عسیب سے مروی ہے (عسیب بروزن عظیم ہے) وہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا): جبریل علیہ السلام میرے پاس طاعون اور بخار کو لے کر آئے تو میں نے بخار کو مدینہ طیبہ میں روک دیا اور طاعون کو شام کی طرف بھیج دیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے صحابہ کرام کی تعداد بھی کم تھی اور مدد بھی زیادہ نہ تھی اور مدینہ طیبہ (پہلے) دباء والا شہر تھا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے پھر نبی اکرم ﷺ کو دو باتوں میں اختیار دیا کہ ان میں سے ہر ایک پر بہت بڑا ثواب حاصل ہوگا پس آپ نے اس وقت بخار کو اختیار کیا کیونکہ عام طور پر اس سے موت کم واقع ہوتی ہے بخلاف طاعون کے (کہ اس سے موت زیادہ واقع ہوتی ہے) پھر جب جہاد کی ضرورت پڑی اور آپ کو جہاد کی اجازت دی گئی اور بخار کے برقرار رہنے سے ان لوگوں کے جسم کمزور ہونے کا خدشہ تھا جن سے جہاد کے لئے قوت حاصل ہو سکتی تھی تو آپ نے بخار کو مدینہ طیبہ سے چھہ کی طرف منتقل کرنے کی دعا کی تو مدینہ طیبہ اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں میں سے صحیح ترین شہر ہو گیا جب کہ پہلے اس کے برعکس تھا پھر اس وقت جب طاعون سے شہادت کا سلسلہ ختم ہوا تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہونے کے ذریعے شہادت کا مرتبہ حاصل ہوتا اور جس کے لئے یہ صورت نہ ہوتی تو اسے بخار ہو جاتا جو مومن کا آگ سے حصہ ہے۔

پھر یہ سلسلہ مدینہ طیبہ میں جاری رہا تا کہ یہ شہر دوسرے شہروں سے ممتاز ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی دعا کی قبولیت متحقق ہوئی اور اس طویل مدت میں آپ کی خبر کی تصدیق کی بنیاد پر یہ معجزہ ظاہر ہوا پس مدینہ طیبہ میں طاعون کا داخل نہ ہونا اس شہر کی خصوصیات اور دعائے رسول ﷺ کی صحت کے لوازمات میں سے ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ معجزات محمد یہ میں سے ہے کیونکہ طبیب حضرات تمام کے تمام طاعون کو کسی شہر بلکہ کسی

۱۔ عموماً اس ایک بستی ہے جو رملہ اور بیت المقدس کے درمیان واقع ہے وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۱۸ھ میں طاعون ظاہر ہوا اور جارف موت کا واقع ہونا چونکہ اس سے زیادہ اموات واقع ہوئیں اس لئے اسے جارف کہا گیا اور یہ ۶۹ھ کا واقع ہے۔



بستی سے دور کرنے سے عاجز آ گئے اور ان طویل زمانوں میں طاعون مدینہ طیبہ سے دور رہا۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی عبارت تلخیص کے ساتھ مکمل ہوئی۔

مدینہ طیبہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی غبار مبارک کوڑھ اور سفید داغ کی بیماریوں بلکہ ہر بیماری سے شفاء ہے جس طرح رزین عبدی نے اپنی جامع میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ اس کی عجوہ کھجور زہر سے شفاء ہے امام بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ ”لنبؤنہم فی الدنیا حسنة“ (النحل: ۴۱) (ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے) سے مدینہ طیبہ مراد ہے۔

ابن نجار نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تعلیقاً روایت کیا: وہ فرماتی ہیں:

کل البلاد افتحت بالسيف والفتح  
المدينة بالقرآن.  
ہر شہر تلوار کے زور پر فتح ہوا اور مدینہ طیبہ قرآن کے ذریعے فتح ہوا۔

طبرانی نے ”الاوسط میں“ ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں (یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

المدينة قبة الاسلام و دار الايمان و ارض  
الهجرة و مثنوى الحلال و الحرام.  
مدینہ طیبہ اسلام کا خیمہ ایمان کا گھر سر زمین ہجرت اور حلال و حرام کا مرکز ہے۔

خلاصہ یہ کہ تمام مدینہ اس کی خاک راستے، گلیاں، مکانات اور مضامات کو نبی اکرم ﷺ کی برکت حاصل ہے اور وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے ان کے گھروں میں داخل ہونے سے برکت حاصل کرتے تھے اور آپ کو اپنے گھروں میں تشریف لا کر ان میں نماز پڑھنے کی دعوت دیتے تھے اسی لئے حضرت مالک رحمہ اللہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے انہوں نے فرمایا:

لا اطا بحافر دابة في عراض كان ﷺ  
يمشي فيها بقدميه ﷺ.  
میں جانور کے کھروں سے اس ارض پاک کو نہیں  
روندوں گا جس میں نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک لگے  
ہیں۔

### مسجد قباء اور دیگر زیارت گاہوں کی زیارت

اور اسے (زیارت کرنے والے کو) چاہیے کہ مسجد قباء میں نماز اور زیارت کے لئے حاضر ہو نبی اکرم ﷺ سواری پر اور پیدل (بھی) اس کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔  
”صحیح مسلم کی“ ایک روایت میں ”یزود“ کی بجائے یائی (تشریف لاتے) کا لفظ ہے پس آپ وہاں دور کعتیں پڑھتے تھے۔

”صحیح مسلم میں ہی“ منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر ہفتے کے دن حاضر ہوتے اور فرماتے تھے۔ کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ہر ہفتہ کے دن یہاں تشریف لاتے تھے۔

امام ترمذی امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے حضرت اسید بن ظہیر انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (یعنی نبی



اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلاة في مسجد قباء كعمرة.

مسجد قباء میں نماز پڑھنا عمرہ کی طرح ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اور منذری فرماتے ہیں: ہم حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے لئے اس حدیث کے علاوہ کوئی صحیح حدیث نہیں جانتے۔

امام احمد اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت اہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا:

من تطهر في بيته ثم اتى مسجد قباء

جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے پھر مسجد قباء میں آ کر

فصلی فیہ صلاة کان لہ کاجر عمرہ.

نماز پڑھے اس کے لئے عمرہ جیسا ثواب ہے۔

امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے بعد مدینہ طیبہ میں موجود دیگر زیارتوں اور آثار مبارکہ نیز ان مساجد کا قصد کرے جن میں نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی یہ عمل نبی اکرم ﷺ کی برکت حاصل کرنے کے لئے کرے اور جنت البقیع کی طرف نکلے تاکہ وہاں مدفون حضرات کی زیارت کرے کیونکہ اکثر صحابہ کرام جو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور اس کے بعد مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے وہ جنت البقیع میں مدفون ہیں اسی طرح اہل بیت اور تابعین میں سے بڑی بڑی شخصیات بھی وہاں مدفون ہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام میں سے مدینہ طیبہ میں انتقال کرنے والے دس ہزار ہیں اور اسی طرح حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر تمام امہات المؤمنین جنت البقیع میں مدفون ہیں ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مقام سرف میں مدفون ہیں۔

نبی اکرم ﷺ رات کے آخر میں بقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور فرماتے:

السلام علیکم دار قوم مؤمنین. ۱

اے مؤمن قوم کے گھر (والو) تم پر سلامتی ہو۔

علامہ ابن الحاج نے ”المدخل میں“ فرمایا کہ ہمارے علماء کرام نے نفلی طواف اور نفلی نماز کے حوالے سے آفاقی (مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والے) اور مقیم میں فرق کیا ہے وہ فرماتے ہیں آفاقی کے حق میں طواف افضل ہے اور مقیم کے حق

۱۔ مقام سرف جسے آج کل نوار یہ کہا جاتا ہے مکہ مکرمہ سے کچھ فاصلہ پر شارع مدینہ پر واقع ہے ۱۹۹۳ھ میں راقم کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے مزار شریف پر حاضری کا شرف حاصل ہوا اور مغرب کی نماز حضرت علامہ صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی مدظلہ کی امامت میں قبر انور کے قریب ادا کی و اللہ الحمد۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس دن نبی اکرم ﷺ کی ان کے ہاں باری ہوتی تو آپ رات کے وقت بقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور یہ کلمات فرماتے:

السلام علیکم دار قوم مؤمنین و اناکم ما توعدون

اے مؤمنین کے قبرستان والو! تم پر سلام ہو کل تمہارے پاس وہ

غدا مؤجلون و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون اللهم اغفر

آئے گا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تمہیں وقت دیا گیا اور ان شاء اللہ ہم

لاہل بقیع الغرقہ۔ (زر قانی ج ۸ ص ۳۳۸)

بھی تم سے ملنے والے ہیں یا اللہ! بقیع غرقہ والوں کو بخش دے۔



میں نفل پڑھنا افضل ہے اور ہم بھی افضل راہ کے درپے ہیں پس جو شخص مقیم ہو وہ اہل بقیع کی زیارت کے لئے جائے اور جو مسافر ہو وہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے فائدہ حاصل کرے۔

عارف ابن ابی جمرہ نے منقول ہے کہ جب وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو سوائے نماز (میں بیٹھنے) کے نہ بیٹھے اور مسلسل بارگاہ میں کھڑے رہے ان کے دل میں بقیع کی طرف جانے کا خیال پیدا ہوا تو اپنے آپ سے کہنے لگے میں کدھر جا رہا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ مانگنے والوں، طلب کرنے والوں اور ٹوٹے دلوں والے لوگوں کے لئے کھلا ہے۔

حضرت ابن نجار (محمد بن محمود البغدادی رحمہ اللہ) سے مرفوعاً مروی ہے فرماتے ہیں: دو قبرستان آسمان والوں کے لئے روشنی کا باعث ہیں جس طرح دنیا والوں کو سورج اور چاند روشن کرتے ہیں ایک بقیع الغرقہ اور دوسرا قبرستان عسقلان (فلسطین کے ایک شہر) میں ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نے اس (مدینہ طیبہ کے قبرستان) کا ذکر تورات میں

یوں پایا:

کعبة محفوفة بالخیل موکل بها یہ ایک بلند جگہ ہے جس کے ارد گرد کھجوروں کے ملائکہ کلمات امتلائت اخذوها مکفؤوها فی الجنة۔ درخت ہیں اور یہاں فرشتے مقرر ہیں جب یہ بھر جاتا ہے تو فرشتے اسے لے کر جنت میں ڈال دیتے ہیں۔

ابو حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے میری قبر مبارک سے زمین شق ہوگی پھر حضرت ابوبکر صدیق اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما (کی قبروں) سے پھر میں جنت البقیع میں آؤں گا تو وہ میرے ساتھ جمع ہوں گے پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا حتیٰ کہ وہ حریم کے درمیان جمع ہوں گے۔ (امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے)۔

فصل نمبر ۳

## امور آخرت میں فضیلت

اس فصل کے مضمون کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو آخرت میں (مختلف باتوں میں) اولیت کی فضیلت کا حصول، مزید عزت و تکریم کے جامع امور، بلند درجات پر فائز ہونا، شفاعت اور مقام محمود کے ساتھ آپ کی تعریف، اولین و آخرین سے آپ کی حالت کا قابل رشک ہونا، تمام انبیاء و مرسلین میں آپ کا تہا قائد ہونا اور جنات عدن میں سعادت کے مدارج پر ترقی اور یوم مزید (جمعہ کے دن) جنت میں اعلیٰ مقام پر فائز اور اللہ تعالیٰ کی زیارت سے متمتع ہونا۔

جان لو! جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو ابتداء میں فضیلت عطا فرمائی ہے یعنی تخلیق میں تمام انبیاء کرام سے پہلے رکھا اور جب سب انسانوں کو چیونٹیوں کی طرح آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ (الاعراف: ۱۷۲) تو سب سے پہلے آپ نے جواب دیا (بلی ہاں کیوں نہیں!) تو لوٹنے کی صورت میں بھی



کمال فضائل کا اختتام آپ پر کیا چنانچہ سب سے پہلے آپ کی قبر انور شق ہوگی اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور جن کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی وہ آپ ہی کی ذات کریمہ ہے اور سب سے پہلے سجدے کی اجازت بھی آپ کو ہی عطا ہوگی سب سے پہلے رب العالمین کی زیارت کرنے والے بھی آپ ہی ہوں گے۔

اور اس وقت تمام مخلوق اس کو دیکھنے سے پردے میں ہوگی آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی امت کے درمیان سب سے پہلے فیصلہ ہوگا اور سب سے پہلے آپ کی امت کو پل صراط پر جانے کی اجازت ہوگی آپ ہی جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے اور آپ کی امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی اور آپ کو مزید عمدہ تحفے اور نفیس عمدہ مال مزید عطا فرمائے گا جن کی کوئی حد نہیں اور وہ شمار سے باہر ہیں۔

اسی فضیلت میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو سواری کی حالت میں اٹھایا جائے گا، مقام محمود آپ کے لئے خاص ہے نیز لواء الحمد (تعریف کا جھنڈا) جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء کرام ہوں گے آپ کے ہاتھ میں ہوگا آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ عرش کے سامنے بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہوں گے اور آپ کے سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے حمد و ثنا کے وہ دروازے کھولے جائیں گے جو آپ سے پہلے اور بعد کسی کے لئے نہیں کھولے گئے یہ آپ کا اعزاز و احترام ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ آپ سے یوں کلام فرمائے گا:

یا محمد ارفع راسک و قل تسمع و سل اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی، مانگیں آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے کے علاوہ اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں۔

آپ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ آپ بار بار شفاعت فرمائیں گے دوسرا اور تیسرا سجدہ نیز بار بار اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء جو اللہ تعالیٰ آپ پر کھول دے گا، بھی آپ کی خصوصیت ہے۔

اسی طرح ہر سجدے میں اللہ تعالیٰ کا آپ سے یوں کلام کرنا کہ اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور کہیں سنا جائے گا اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی آپ کا یہ فعل ایسی ذات کا فعل ہے جسے اپنے رب کے سامنے لایا گیا وہ اس کے ہاں مکرم اور بلند مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے اور یہ سب کچھ آپ کے اعزاز و اکرام اور تعظیم کی وجہ سے ہے۔

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ عرش کی دائیں جانب کھڑے ہوں گے اور آپ کے علاوہ کوئی بھی اس مقام پر کھڑا نہیں ہوگا وہاں پہلے اور پچھلے آپ پر رشک کریں گے انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے درمیان آپ کی گواہی ہوگی وہ آپ کے پاس آکر آپ سے شفاعت کا سوال کریں گے تاکہ ان کو ان کے غم، پسینے اور زیادہ دیر کھڑے ہونے (انتظارِ حساب) سے راحت ملے اور آپ ان لوگوں کی شفاعت بھی فرمائیں گے جن کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہو چکا ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت حوض کوثر ہے کہ میدان قیامت میں اس سے زیادہ برتن کہیں



نہیں ہوں گے نیز تمام مؤمن صرف آپ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کچھ لوگوں کے درجات کی بلندی کے لئے سفارش کریں گے جن تک وہ اپنے اعمال کے ذریعے نہیں پہنچ سکتے رسول اکرم ﷺ صاحب وسیلہ ہیں اور وسیلہ جنت میں اعلیٰ درجہ ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین اور فرشتوں کے سامنے آپ کی عزت و احترام اور تعظیم و تکریم کو ظاہر فرمائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

### سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کھلے گی

نبی اکرم ﷺ کی یہ فضیلت کہ سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھلے گی تو اس سلسلے میں امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم يوم القيامة وانا اول من ينشق عنه القبر واول شافع واول مشفع.  
میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا اور میں وہ ہوں کہ سب سے پہلے جس کی قبر کھولی جائے گی اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی (میں ہوں)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا سید ولد آدم يوم القيامة ولا فخر و  
بیدی لواء الحمد ولا فخر وما من بنی ادم فمن سواه الا تحت لوائی وانا اول من تنشق عنه الارض ولا فخر. (جامع ترمذی)

میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر فخر نہیں اور آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں ہی وہ ہوں جس سے زمین (قبر) سب سے پہلے کھولی جائے گی اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

(مطلب یہ کہ میں بطور شکریہ بات کرتا ہوں تکبر یا فخر کے طور پر نہیں کہتا)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سب سے پہلے مجھ سے زمین کھلے گی پھر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے (زمین کھلے گی) پھر میں بقیع والوں کے پاس آؤں گا تو وہ میرے ساتھ اکٹھے ہوں گے پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا حتیٰ کہ ہم حرمین کے درمیان جمع ہوں گے۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اس کو ابو حاتم نے روایت کیا اور (احشر بین الحرمین کی بجائے) انحشر (جمع کا صیغہ) ذکر کیا اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگ بے ہوش ہوں گے جب وہ بے ہوش ہوں گے تو سب سے پہلے میں کھڑا ہوں گا تو (دیکھوں گا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوں گے تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ بھی بے ہوش ہونے والوں میں سے ہیں (یا نہیں)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۱۸)



ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا کنارہ پکڑے ہوں گے پس مجھے معلوم نہیں کہ آیا وہ بے ہوش ہونے والوں میں سے ہوں گے اور مجھ سے پہلے ان کو افاقہ ہوا یا وہ ان میں سے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ کیا؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۱۷)

اس بے ہوشی (الصعق) سے وہ غشی مراد ہے جو اس شخص کو لاحق ہوتی ہے جو کوئی آواز سنتا ہے یا کسی چیز کو دیکھتا ہے تو گھبرا جاتا ہے۔

اس روایت کے دونوں طریقوں میں افاقہ کا مقام بیان کیا کہ کس بے ہوشی سے واقع ہوگا اور حضرت شعبی کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت جو سورہ زمر کی تفسیر میں ہے اس میں یوں ہے:

انی اول من یرفع لرأسه بعد النفخة میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو دوسری مرتبہ صور الاخیرہ (آیت: ۶۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۳) پھونکے جانے پر سر اٹھائے گا۔

اور آپ کے اس ارشاد گرامی سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا یہ آیت مراد ہے:

فَلْيَرْزُقْ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ  
إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ. (النمل: ۸۷)

زمین میں ہیں مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔

تمام مخلوق کے بے ہوش ہونے پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ مردوں کو احساس نہیں ہوتا۔

تو (جواب میں) کہا گیا مراد یہ ہے کہ وہ لوگ بے ہوش ہوں گے جو زندہ ہوں گے اور مرنے والوں کی استثناء ہے جو ”إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ“ میں بیان کی گئی۔ یعنی جو لوگ اس سے پہلے فوت ہو گئے وہ بے ہوش نہیں ہوں گے۔

امام قرطبی اسی طرف مائل ہوئے ہیں اور حدیث شریف میں جو آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا تو وہ اس کے خلاف نہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے مراد قبروں سے اٹھنے کے بعد اس گھبراہٹ کی بے ہوشی ہو جب آسمان اور زمین پھٹ جائیں گے۔

امام قرطبی نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا کہ آپ قبرانور سے نکلنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کریں گے تو وہ عرش کو پکڑے ہوں گے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب قبروں سے نکلنے کے لئے صور پھونکا جائے گا۔

ابن مردویہ نے حضرت ابوسلمہ کی جو روایت نقل کی ہے اس میں اس طرح ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے زمین (قبر مبارک) شق ہوگی پس میں کھڑا ہو کر اپنے سر سے مٹی جھاڑوں گا اور عرش کے پائے کے پاس آؤں گا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھڑا پاؤں گا پس مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنے سر سے مٹی پہلے جھاڑی یا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا۔



## مستثنیٰ کون لوگ ہیں؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ مستثنیٰ کون لوگ ہوں گے؟ تو اس ضمن میں دس اقوال ہیں۔  
 کہا گیا ہے کہ اس سے فرشتے مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں۔  
 امام بیہقی رحمہ اللہ نے حدیث کی تاویل کرتے ہوئے یہ بات کہی جب اس بات کو جائز قرار دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا وہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ شہداء کی طرح زندہ ہیں پس جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو وہ بے ہوش ہو جائیں گے پھر یہ تمام معانی کے اعتبار سے موت نہیں ہوگی بلکہ محض شعور کا چلا جانا ہوگا۔

ایک قول کے مطابق اس سے شہداء مراد ہیں، حلیمی نے اسی بات کو اختیار کیا اور فرمایا یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ○  
 بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں ان کو رزق دیا  
 (آل عمران: ۱۶۹) جاتا ہے۔

انہوں نے دوسرے اقوال کو ضعیف قرار دیا۔  
 ”المفہم“ کے مصنف حضرت ابوالعباس قرطبی فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ ان لوگوں کی تعیین میں کوئی صحیح خبر نہیں ہے اور تمام اقوال کا احتمال ہے۔

لیکن ان کے شاگرد (ابو عبد اللہ بن محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرج متوفی ۶۹۱ھ) نے ”التذکرہ میں“ اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ اس سے شہداء مراد ہیں اور یہی صحیح ہے۔  
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ بے ہوش کرنا نہیں چاہے گا۔ تو انہوں نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے والے لوگ ہیں۔ اس روایت کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس سے عرش کو اٹھانے والے فرشتے (اور) حضرت جبریل، حضرت میکائیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں پھر وہ فوت ہو جائیں گے اور ان میں سے سب سے آخر میں فوت ہونے والے حضرت ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان سے حور عین اور جنت میں جانے والے بچے مراد ہیں۔

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ عرش کو اٹھانے والے آسمانوں اور زمین میں رہنے والے نہیں ہیں کیونکہ عرش تمام آسمانوں سے اوپر ہے نیز حضرت جبریل، میکائیل اور ملک الموت صف بستہ (نماز، اطاعت اور منازل خدمت میں مشغول) تسبیح کرنے والوں میں سے ہیں اور حور عین اور بچے جنت میں ہوں گے اور یہ آسمانوں سے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور یہ تنہا ایسا عالم ہے جو باقی رہنے کے لئے پیدا کیا گیا تو اس میں شک نہیں کہ یہ ان سے الگ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے فنا کے لئے پیدا کیا۔



پھر احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کو اٹھانے والے فرشتوں، ملک الموت اور میکائیل علیہم السلام کو موت دے گا پھر ان کو زندہ کرے گا اور جنت والوں کے بارے میں کوئی خبر نہیں آئی اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے پس جو شخص اس میں داخل ہوگا اسے کبھی موت نہیں آئے گی حالانکہ وہ موت کے قابل ہے تو جسے اس (جنت) میں پیدا کیا گیا وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے کبھی موت نہ آئے۔

سوال: ارشاد خداوندی: کل شی ہالک۔ (القصص: ۸۸) ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خود جنت بھی فنا ہو جائے گی پھر قیامت کے دن اسے لوٹایا جائے گا اور حور عین بھی مرجائیں گی پھر ان کو زندہ کیا جائے گا؟ جواب: اس بات کا احتمال ہے کہ ”کل شی ہالک“ کا معنی یہ کہ وہ (ہر شے) ہلاکت کے قابل ہے پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے ہلاک کرے گا مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ قدیم ہے اور قدیم کے لئے فنا ہونا ممکن نہیں۔ ”تذکرۃ القرطبی سے“ خلاصہ مکمل ہوا۔

حور عین کے فوت نہ ہونے کی تائید ان کے اس قول سے ہوتی ہے کہ:

نحن الخالدات فلا نموت۔ ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں پس ہم نہیں مریں گی۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

یہ نہ کہا جائے کہ ان کے اس قول سے قیامت کے بعد ہمیشہ رہنا مراد ہے کیونکہ اس میں کوئی خصوصیت نہیں اور مشترکہ اوصاف میں ایک دوسرے پر فخر نہیں کیا جاسکتا۔

ابو شیخ بن حبان کی کتاب ”العظمۃ“ میں حضرت وہب بن منبہ کے طریق سے ان کا اپنا قول مروی ہے وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے صور کو سفید موتیوں سے شیشے کی طرح صاف پیدا فرمایا پھر عرش سے فرمایا صور کو لے لو ”تو وہ اس کے ساتھ لٹک گیا پھر فرمایا ”ہو جا“ تو حضرت اسرافیل علیہ السلام پیدا ہو گئے انہیں حکم دیا کہ وہ صور کو لے لیں اور اس میں ہر پیدا شدہ روح اور سانس لینے والے نفس کی تعداد کے مطابق سوراخ تھے پھر آگے حدیث ذکر کی جس میں یوں ہے کہ پھر تمام روحوں کو صور میں جمع کیا اس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا تو انہوں نے اس میں پھونک ماری تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو گئی تو اس صورت میں پہلے پھونک واقع ہوئی تاکہ یہ پھونک روحوں کو جسموں سے ملا دے تو پھونکنے کی صورت کی طرف نسبت جو سینک ہے حقیقی اضافت ہے اور صورتوں کی طرف جو جسم ہیں مجازی نسبت ہے (یعنی جسموں میں روح پھونکنا مجازی ہے)۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

ثم ینفخ فی الصور فلا یسمعه احد الا  
اصغی لیتا و رفع لیتا ثم یرسل اللہ مطرا کانه  
الطل منہ اجساد الناس ثم ینسفخ فیہ اخری  
فاذا هم قیام ینظرون۔  
پھر صور پھونکا جائے گا تو اسے جو بھی سنے گا گردن کی  
ایک جانب جھکا دے گا ایک اٹھالے گا پھر اللہ تعالیٰ بارش  
بھیجے گا گویا وہ اوس ہے اس سے لوگوں کے جسم پیدا ہوں گے  
پھر ان میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے ہو کر دیکھیں گے۔



”اللیت“ لام کے نیچے زیر ہے اس کے بعد یاء اور اس کے بعد تاء ہے گردن کی ایک جانب کو کہتے ہیں اور یہ دو جانبیں ہیں۔  
”اصغی“ مائل کر دیا (جھکا دیا)۔

امام بیہقی نے قوی سند کے ساتھ حضرت ابن مسود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً (یعنی ان کا قول) روایت کیا فرماتے ہیں:  
پھر صور پھونکنے والا فرشتہ آسمان وزمین کے درمیان کھڑا ہوگا اور اس میں پھونکنے کا اور صور ”سینگ“ ہے تو آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق مرجائے گی مگر جسے تمہارا رب چاہے پھر دونوں مرتبہ پھونکنے کے درمیان اتنا وقت ہوگا جتنا اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

ابن مبارک نے ”کتاب الرقاق میں“ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ دونوں بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا پہلی بار پھونکنے سے ہر زندہ مرجائے گا اور دوسری بار پھونکنے سے اللہ تعالیٰ ہر مردہ کو زندہ فرمائے گا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل حدیث روایت کی اور یہ ضعیف ہے۔  
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا قائدہم  
اذا وفدوا وانا خطیبہم اذا انصتوا وانا  
مستشفعہم اذا حبسوا وانا مبشرہم اذا ابسوا  
الكرامة والمفاتيح يومئذ بیدی ولواء الحمد  
يومئذ بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی یطوف  
علی الف خادم کانہم بیض مکنون او لؤلؤ  
منثور۔

میں لوگوں میں سے سب سے پہلے باہر آنے والا  
ہوں گا جب ان کو اٹھایا جائے گا میں ان کا قائد ہوں گا جب  
وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے میں ان کا خطیب  
ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے میں ان کی سفارش کرنے  
والا ہوں گا جب ان کو روکا جائے گا اور میں ان کو خوشخبری  
دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہوں گے اس دن کرامت  
اور چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور حمد کا جھنڈا اس دن  
میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے ہاں تمام اولاد  
آدم سے زیادہ معزز ہوں گا مجھ پر ایک ہزار خادم چکر  
لگائیں گے گویا وہ سفید چھپے ہوئے یا بکھرے ہوئے موتی  
ہیں۔

امام ترمذی نے اسے حدیث غریب قرار دیا۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں ان کا امام ہوں گا کیونکہ آخرت کا گھر (عمل کی) تکلیف کا گھر نہیں ہے۔  
ایک حدیث جسے ”حادی الارواح“ کے مصنف (ابن قیم) نے نقل کیا اس میں اس طرح آیا ہے کہ قیامت کے دن  
رسول اکرم ﷺ کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے اذان دیں گے۔

(حافظ محبت الدین الہکی) طبری کی کتاب ”ذخائر العقبی“ میں جسے انہوں نے حافظ سلفی (علامہ الناقد الذین احمد بن  
محمد بن ابراہیم اصفہانی) کی تخریج کی طرف منسوب کیا ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ  
نے ارشاد فرمایا: انبیاء کرام جانوروں پر سوار اٹھائے جائیں گے اور حضرت صالح علیہ السلام اپنی اونٹنی پر اٹھائے جائیں



گے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے صاحبزادے (حسین کریمین) میری اونٹنیوں العضاء اور القصواء پر اٹھائے جائیں گے اور مجھے براق پر اٹھایا جائے گا اس کا قدم نگاہ کے آخر کنارے کے پاس ہوگا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جنتی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر اٹھایا جائے گا۔

امام طبرانی اور حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ انبیاء کرام کو جانوروں پر اٹھایا جائے گا اور مجھے براق پر اٹھایا جائے گا حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو جنتی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر اٹھایا جائے گا تو وہ خالص اذان دیں گے (کوئی مخالفت کرنے والا نہ ہوگا) اور پکی شہادت دیں گے حتیٰ کہ جب وہ ”اشھد ان محمدا رسول اللہ“ کہیں گے تو پہلے اور پچھلے تمام مؤمن شہادت دیں گے۔

ابن زنجویہ نے ”فضائل الاعمال میں“ حضرت کثیر بن مرہ حضری سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اٹھایا جائے گا تو وہ اپنی قبر کے پاس اس پر سوار ہوں گے حتیٰ کہ وہ آپ کو میدان محشر میں لائے گی اور میں براق پر سوار ہوں گا اور اس دن یہ میری خصوصیت ہوگی کسی دوسرے نبی کے لئے ایسا نہیں ہوگا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار ہوں گے اور اس کی پیٹھ پر پکی اذان دیں گے جب انبیاء کرام اور ان کی امتیں ”اشھد ان محمدا رسول اللہ“ کے الفاظ سنیں گی تو کہیں گے ہم بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔

شیخ زین الدین مراغی نے ابن نجار کی طرف نسبت کرتے ہوئے ذکر کیا انہوں نے ”تاریخ مدینہ (الدرر الثمینہ) میں“ حضرت کعب احبار سے نقل کیا اور قرطبی نے ”التذکرہ میں“ ذکر کیا نیز ابن ابی الدنیا نے بھی حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ ہوا حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر صبح جو طلوع ہوتی ہے ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں جو قبر انور کو گھیر لیتے ہیں (اس کا طواف کرتے ہیں) اور اپنے پروں کو بچھاتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ درود پیش کرتے ہیں حتیٰ کہ جب شام ہوتی ہے تو وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں جو قبر انور کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں ستر ہزار فرشتے رات کے وقت اور ستر ہزار فرشتے دن کے وقت (حاضر ہو کر درود شریف پڑھتے ہیں)۔

حتیٰ کہ جب زمین پھٹ جائے گی (قبر انور کھلے گی) تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے درمیان باہر تشریف لائیں گے وہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کریں گے۔

حکیم ترمذی نے ”نوادراصول میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ کی دائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے آپ نے فرمایا: قیامت کے دن ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۹، المسند رک ج ۳ ص ۶۸، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۱۳۰-۳۸۹۱۲)

۱۔ امام زرقانی فرماتے ہیں یہ روایت کسی اور نے نقل نہیں کی شاید حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے پہلی کتابوں سے خبر دی ہے۔



## قیامت کے دن سب سے پہلے کسے لباس پہنایا جائے گا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مجھے جنتی جوڑوں میں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا مخلوق میں سے میرے علاوہ کوئی بھی اس جگہ کھڑا نہیں ہوگا۔

”جامع الاصول کی“ ایک روایت میں حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ سے ہی مروی ہے (کہ حضور ﷺ نے فرمایا): انا اول من تنشق عنه الارض فاکسی۔ میں سب سے پہلا شخص ہوں جس سے زمین پھٹے گی پس مجھے لباس پہنایا جائے گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہنر جوڑا پہنایا جائے گا۔  
 ”صحیح بخاری میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں: تم قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے جسم، ختنہ شدہ اول خلیق (نعیدہ) وان اول الخلاق یکسی يوم القيامة ابراهيم۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۷)  
 اٹھائے جاؤ گے (قرآن مجید میں ہے) جس طرح ہم نے تخلیق کے آغاز میں ابتدا کی (اس طرح) ہم لوٹائیں گے (اور مخلوق میں سے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ نقل کیا۔  
 سب سے پہلے جنتی لباس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا جائے گا ان کو جنت کا جوڑا پہنایا جائے گا اور ایک کرسی لائی جائے گی جسے عرش کی دائیں جانب رکھا جائے گا پھر مجھے لا کر جنتی جوڑا پہنایا جائے گا جو کسی دوسرے انسان کے لئے نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عرش کی دائیں جانب کرسی پر تشریف فرما ہوں گے۔  
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے لباس پہنانے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ ہمارے نبی ﷺ سے افضل ہوں کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ آپ قبرانور سے اسی لباس میں باہر تشریف لائیں گے جس میں آپ کا انتقال ہوا اور اس دن آپ کو جو جوڑا پہنایا جائے گا وہ احترام و اکرام کا جوڑا ہوگا اس کا قرینہ یہ ہے کہ آپ کو عرش کے پائے کے پاس بٹھایا جائے گا پس لباس کے سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیت باقی مخلوق کی نسبت سے ہوگی۔

حلیبی نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جوڑا پہنایا جائے گا پھر ہمارے نبی کریم ﷺ کو پہنایا جائے گا کیونکہ حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کا جوڑا اعلیٰ اور زیادہ کامل ہو گا پس اولیت کی کمی کو اس کی نفاست کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا کہ جب آپ کے وصال کا وقت ہوا تو انہوں نے نئے کپڑے پہنے اور فرمایا میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے آپ



فرماتے تھے: کہ میت کو انہی کپڑوں سے اٹھایا جائے گا جن میں وہ فوت ہوا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۳، المستدرک ج ۱ ص ۳۴۰، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۹۵۷، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۸۴، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۲۰۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۲۵۱)

حارث بن ابی اسامہ اور احمد بن منیع کے نزدیک یہ الفاظ ہیں کہ ان کو ان کے کفنوں میں اٹھایا جائے گا اور وہ ان کفنوں میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے (اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا اور اس کی سند عمدہ ہے، زرقانی ج ۸ ص ۳۵۱)

اس حدیث ”اور صحیح بخاری کی حدیث“ (کہ تمہیں ننگے پاؤں، ننگے جسم اٹھایا جائے گا) کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ بعض کو ننگے جسم اور بعض کو لباس پہنا ہوا اٹھایا جائے گا یا سب کو ننگے جسم اٹھایا جائے گا پھر انبیاء کرام علیہم السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا یا وہ قبروں سے اس لباس میں نکلیں گے جس میں ان کا انتقال ہوا پھر ابتدائے حشر میں ان سے وہ لباس گر جائے گا تو وہ ننگے جسم جمع ہوں گے پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

بعض حضرات نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو شہداء پر محمول کیا ہے پس حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اسے شہداء کے بارے میں سنا اور عام لوگوں پر محمول کر دیا۔

طبری نے ”الریاض النضرہ میں“ ایک حدیث نقل کی ہے اور اس کی نسبت امام احمد کی طرف کی انہوں نے مناقب میں محدوج بن زید ہذلی سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے علی! کیا تم نہیں جانتے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا پس میں عرش کی دائیں جانب اس (عرش) کے سائے میں کھڑا ہوں گا پھر انبیاء کرام علیہم السلام کو بلایا جائے گا وہ ایک دوسرے کے پیچھے آئیں گے پس وہ عرش کی دائیں جانب کھڑے ہوں گے اور ان کو جنت کے جوڑوں میں سے سبز جوڑے پہنائے جائیں گے۔

سنو! میری امت سب امتوں میں سے پہلی امت ہے جن کا قیامت کے دن حساب ہوگا پھر (اے علی! رضی اللہ عنہ) تمہیں خوشخبری ہو سب سے پہلے تمہیں بلایا جائے گا اور تمہیں میرا جھنڈا دیا جائے گا اور وہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) ہے تو تمہیں اسے لے کر (عرش کے) کناروں پر کھڑے حضرات کے درمیان چلو گے، حضرت آدم علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میرے جھنڈے کے سائے میں ہوگی اور اس کی لمبائی ایک ہزار چھ سو سال کی مسافت (کے برابر) ہوگی اس سے کنارے پر لگے ہوئے دندانے سرخ یا قوت کے ہوں گے۔ اس کی مٹھی سفید چاندی کی ہوگی اس کا پچھلا حصہ سبزی موتی ہوگا اس کی تین نورانی مینڈھیاں ہوں گی ایک مینڈھ بھی مشرق میں دوسری مغرب میں اور تیسری دنیا کے درمیان میں ہوگی اس پر تین سطروں میں تحریر ہوگی۔

ایک پر ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ دوسری پر ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ اور تیسری پر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ“ لکھا ہوگا۔

ہر سطر کی لمبائی ایک ہزار سال (کی مسافت) ہوگی اور اس کی چوڑائی بھی ایک ہزار سال (کی مسافت) ہوگی۔ (اے علی رضی اللہ عنہ!) تم وہ جھنڈا لے کر چلو گے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ تمہاری دائیں جانب اور حضرت حسین



رضی اللہ عنہ تمہاری بائیں جانب ہوں گے حتیٰ کہ تم عرش کے سائے میں میرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کھڑے ہو گے پھر تمہیں جنتی جوڑا پہنایا جائے گا۔

ابن سبع نے ”الخصائص میں“ ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے لواء الحمد کی صفت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کی لمبائی (آگے وہی بات ہے جو پہلے گزر چکی ہے)۔

حافظ قطب الدین حلیمی فرماتے ہیں جیسا کہ ان سے محبت بن ہمام نے نقل کیا کہ یہ موضوع حدیث ہے اس کا من گھڑت ہونا واضح ہے وہ فرماتے ہیں لواء الحمد کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

### لواء الحمد

”ترمذی شریف میں“ حسن سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انسا سید ولد ادم يوم القيامة ولا فخر  
وبسدى لواء الحمد ولا فخر وما من نبى آدم  
فمن سواه الا تحت لوائى.  
(اس پر مجھے) فخر نہیں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا  
اور (اس پر مجھے) فخر نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام اور  
ان کے علاوہ تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں  
گے۔

”لواء“ جھنڈے کو کہتے ہیں (جسے عربی میں رایۃ کہا جاتا ہے) اور ان لوگوں (عربوں) کے عرف میں یہ جھنڈا لشکر کے قائد اور رئیس کے پاس ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی اجازت سے کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو اور وہ اس کے تابع ہو اس کے حرکت کرنے سے حرکت کرے وہ جدھر جھکے ادھر ہی یہ بھی جھکے یہ مطلب نہیں کہ وہ خود اسے اپنے ہاتھ میں اٹھائے کیونکہ یہ حالت زیادہ شرف والی ہے (کہ اس کے حکم سے دوسرے کے ہاتھ میں ہو)۔

اہل عرب کے ہاں لڑائیوں میں اس کا استعمال اس طرح ہوتا تھا کہ وہ لشکر رئیس اسے خود اٹھاتا اور اس کی وجہ سے لڑنے میں رکاوٹ نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ اسے اٹھائے ہوئے شدت سے لڑتا تھا اسی لئے ہر ایک اسے اٹھانے کے لائق نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے لوگ ہوتے تھے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا عطين الراية غدا رجلا يحب الله  
ورسوله ويحبه الله ورسوله.  
کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس  
کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول  
اس سے محبت کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۹۹، السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۳۶۲، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۳۷، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۲۳، اتحاف السادة المتقين

۱۔ امام زرقانی فرماتے ہیں: اس حدیث کی تخریج کرنے والے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقام میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ محدثین جب سند کے ساتھ حدیث ذکر کرتے ہیں تو ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۵۲)



ج ۱ ص ۱۰۶ دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۰۹ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۵۶

لواء کی نسبت ”الحمد“ کی طرف کی گئی اور حمد اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف ہے جو اس کے شایان شان ہے (تو یہ اضافت اس لئے ہے) کہ میدان قیامت میں یہ نبی اکرم ﷺ کا ہی منصب ہے دوسرے انبیاء کرام کا نہیں (اور وہ منصب مقام محمود ہے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے)۔

### صفت حشر

لوگوں کے اٹھنے (حشر) کی ہیئت و صورت میں اختلاف ہے ”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا لوگوں کا حشر تین طریقوں پر ہوگا:

یحشر الناس علی ثلاث طرائق راغبین  
 وراہبین، واثنان علی بعیر، وثلاثة علی بعیر  
 واربعة علی بعیر، وعشرة علی بعیر، وبحشر  
 بقیتهم النار، تقیل معهم حیث قالوا، وتبیت  
 معهم حیث باتوا، وتصبح معهم حیث اصبحوا،  
 وتمسی معهم حیث امسوا۔

(۱) رغبت کرنے والے ڈرنے والے (۲) ایک  
 اونٹ پر دو ایک اونٹ پر تین ایک اونٹ پر چار ایک اونٹ  
 پر دس (۳) باقی لوگوں کو آگ جمع کرے گی وہ جہاں دوپہر  
 کو قیلولہ کریں گے وہ ان کے ساتھ ہوگی جہاں رات  
 گزاریں گے وہ رات کو ان کے ساتھ ہوگی وہ ان کے  
 ساتھ صبح کرے گی جہاں وہ صبح کریں گے اور ان کے ساتھ  
 شام کرے گی جہاں وہ شام کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۲) شام کرے گی جہاں وہ شام کریں گے۔  
 حلیمی اس بات کی طرف مائل ہوئے ہیں کہ یہ حشر قبروں سے نکلتے وقت کا ہے امام غزالی نے بھی اسی بات کو قطعی  
 قرار دیا اور کہا گیا ہے کہ وہ قبروں سے اس مذکورہ وصف کے ساتھ نکلیں گے جو امام بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی  
 اللہ عنہما کی حدیث سے ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انکم محشورون حفاة عراة غرلا۔

بے شک تم ننگے پاؤں ننگے جسم اور ختنہ شدہ اٹھائے  
 جاؤ گے۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَعْبُدُهُ وَعَدًّا عَلَيْنَا إِنَّا  
 كُنَّا فَاعِلِينَ (الانبیاء: ۱۰۴)

جیسا کہ ہم نے آغاز تخلیق میں تمہیں پیدا کیا اسی  
 طرح لوٹائیں گے یہ ہمارا وعدہ ہے بے شک ہم کرنے  
 والے ہیں۔

پھر وہاں سے ان کی حالت میدان قیامت کی طرف مختلف ہوگی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں

ہے:

۱۔ امام زرقاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے دنیا کی آگ مراد ہے آخرت کی آگ مراد نہیں اور ”صحیح مسلم میں“ ایک حدیث جس میں آخرت  
 کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں مثلاً سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ اس میں فرمایا کہ آخر میں ایک آگ عدن کے کنویں سے نکلے گی جو  
 لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانکے گی۔ (زرقاتی ج ۸ ص ۳۵۲)



(صحیح بخاری و مسلم)

ان الناس يحشرون على ثلاثة افواج فوجا راکبین طاعمین کاسین وفوجا تسحبهم الملائكة على وجوههم وفوجا یمشون ویسعون. (المصدر 'مسند احمد' بیہقی).

لوگ تین جماعتوں کی صورتوں میں اٹھائے جائیں گے ایک جماعت سوار کھانے اور پہننے والے ہوں گے اور دوسری جماعت کوفرشتے چہروں کے بل گھیٹتے ہوں گے اور ایک گروہ پیدل ہوگا دوڑتے ہوں گے۔

حضرت اہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے:

لوگوں کو خالص سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جیسے  
(سفید) خالص روٹی ہوتی ہے اس میں (مکانات وغیرہ کا)  
کوئی نشان نہیں ہوگا۔

امام حاکم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

قیامت کے دن سورج لوگوں کے قریب آ جائے گا تو لوگ پسینے میں مبتلا ہوں گے پس ان میں سے بعض کی نصف پنڈلی تک پہنچے گا اور ان میں سے بعض کے گھٹنوں تک پہنچے گا، بعض کی رانوں تک اور بعض کی ازار بند کی جگہ تک پہنچے گا، ان میں سے بعض کے کاندھوں تک پہنچے گا اور بعض کے منہ تک پہنچے جائے گا آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے منہ میں لگام ڈال دے گا اور ان میں سے کچھ لوگ اپنے پسینے میں غوطہ زن ہوں گے اور وہ اپنے ہاتھ سر پر رکھ لیں گے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۷، المستدرک ج ۴ ص ۵۷۱، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۵، اتحاف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۴۵۸، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۸۹، المغنی ج ۴ ص ۳۸۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۹۶۶)

”صحیح مسلم میں“ اس کی شاہد حدیث حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ مکمل نہیں ہے اس میں ہے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق کے قریب ہوگا حتیٰ کہ ان سے ایک میل کی مقدار میں ہوگا پس لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق سینے میں شرا بور ہوں گا۔

یہ حدیث اس بات میں ظاہر ہے کہ پسینے کے ان تک پہنچنے میں وہ برابر ہوں گے لیکن ان کو کتنا کتنا پسینہ آئے گا اس سلسلے میں فرق ہوگا۔

سوال: سورج کی جگہ آسمان ہے اور ارشاد خداوندی ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے سجل فرشتہ



نامہ اعمال کو لپیٹتا ہے۔

لَلْكَتُبِ. (الانبیاء: ۱۰۴)

اور ”السماء“ پر الف لام جنس کے لئے ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ. (الزمر: ۶۷)

اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔

تو دونوں روایتوں کو کیسے جمع کیا جائے گا؟

(مطلب یہ کہ تمام آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے تو سورج کہاں ہوگا؟)۔

جواب: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میدان محشر میں سورج خود بخود قائم ہو اور لوگوں کے قریب ہوتا کہ اس کی دہشت اور سختی قوی ہو اللہ تعالیٰ ہمیں ہر ناپسندیدہ بات سے بچائے۔

ابن ابی جرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ یہ سب لوگوں کو شامل ہے لیکن دوسری احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ بعض کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ تعداد میں زیادہ ہیں انبیاء کرام شہداء عظام اور جن کو اللہ تعالیٰ چاہے وہ اس (پینے) سے مستثنیٰ ہیں بس سب سے زیادہ سخت پینہ کفار کے لئے ہے پھر کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کے لئے اور پھر ان کے بعد والے لوگ ہیں۔

ابو یعلیٰ نے حدیث نقل کی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ. (المطففين: ۶) کھڑے ہوں گے۔ جس دن لوگ تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے

آپ نے فرمایا اس کی مقدار نصف دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا پس وہ مؤمنوں پر آسان ہوگا گویا سورج طلوع ہونے سے غروب ہونے تک ہے۔

امام احمد اور ابن حبان نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے۔

(قیامت کے دن) اٹھنے کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو چالیس سال کھڑے رہیں گے ان کی آنکھیں آسمان کی طرف (اوپر کی طرف) اٹھی ہوں گی پس سخت تکلیف کی وجہ سے پینہ ان کو لگام ڈال دے گا۔ (البعث والنشور ص ۳۳۹)

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ پینے میں مبتلا ہوں گے حتیٰ کہ ان کا پینہ زمین میں ستر گز تک چلا جائے گا اور ان کو پینے نے لگام ڈالی ہوگی حتیٰ کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو وہ چالیس سال بول کھڑے ہوں گے کہ ان کی نگاہیں آسمان کی طرف (اوپر کی طرف) اٹھی ہوں گی (ان کا رب) ان سے کلام نہیں رمائے گا اور سورج ان کے سروں پر ہوگا حتیٰ کہ پینے نے ان سب کو ان میں سے نیلوں اور بروں (سب کو) لگام ڈالی ہوگی۔



امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ مؤمن سے (وہاں) ٹھہرنے میں تخفیف ہو گی حتیٰ کہ فرض نماز کی طرح (ٹھہرنا) ہوگا۔ اس کی سند حسن ہے۔

طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ دن مؤمن کے لئے دن کی ایک گھڑی سے بھی چھوٹا ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کافر کو پسینہ لگام ڈالے گا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے قیامت کے اٹھنے کے بیان میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں اس دن لوگوں کی تکالیف سخت ہوں گی حتیٰ کہ پسینہ کافر کو لگام ڈال دے گا ان سے پوچھا گیا مؤمن کہاں ہوں گے؟ فرمایا سونے کی کرسی پر ہوں گے اور ان پر بادل سایہ کریں گے۔

ایک قوی سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں قیامت کے دن سورج لوگوں کے سروں پر ہوگا اور ان کے اعمال ان پر سایہ کریں گے۔ (بیہقی)

ابن المبارک نے ”الزهد“ میں اور ابن ابی شیبہ نے ”المصنف“ میں ایک عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا۔ لفاظ ابن ابی شیبہ کے ہیں وہ حضرت سلمان سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سورج کو دس سال کی گرمی دی جائے گی پھر وہ سر کی کھوپڑی کے قریب ہوگا حتیٰ کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ جائے گا تو ان کو پسینہ آئے گا حتیٰ کہ پسینہ زمین میں قد کے برابر ٹپکے گا پھر اوپر کو چڑھے گا حتیٰ کہ انسان غرغره کرے گا۔ ابن مبارک نے اپنی روایت میں اضافہ کیا کہ اس دن اس کی گرمی کسی مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو تکلیف نہیں دے گی۔

قرطبی فرماتے ہیں اس سے کامل ایمان والے لوگ مراد ہیں کیونکہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے اعمال کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہوگا۔ ابو یعلیٰ کی ایک روایت ہے جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو پسینہ لگام ڈالے گا حتیٰ کہ وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے (اس سے) راحت عطا فرما اگرچہ جہنم کی طرف لے جانے کی صورت میں ہو۔ یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ سب کچھ میدان قیامت میں ہوگا۔

### میدان محشر میں کھڑا ہونا نہایت سخت ہوگا

جو شخص اس مذکورہ حالت پر غور کرے گا وہ اس میں (پائی جانے والی) بڑی پریشانی (اور خوف) کو پہچان لے گا وہ اس طرح کہ آگ میدان قیامت کی زمین کو گھیر لے گی اور سورج ایک میل کی مقدار سروں کے قریب ہوگا تو زمین کی تپش کی کیا کیفیت ہوگی اور وہ کس قدر پسینہ دیکھیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ ہر شخص اپنے دو قدموں کی مقدار جگہ پائے گا پس ان لوگوں کی حالت کیا ہوگی جب ان کو پسینہ آیا ہوا ہوگا اور پاؤں بھی پھیلائے ہوں گے یہ ان باتوں میں سے ہے جو عقلوں کو حیران کر دیتی ہیں اور عظیم قدرت پر دلالت کرتی اور آخرت پر ایمان کا تقاضا کرتی ہیں نیز یہ کہ اس میں عقل کا کوئی دخل نہیں اور عقل قیاس اور عرف و عادت کے حوالے سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا یہ بات تو بس قبول ہی کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اس بھیڑ میل جول اور انسانوں اور جنوں کے اجتماع کو دیکھو پھر ان کے ساتھ تمام اقسام



کے حیوانات کا جمع ہونا ان کی بھیڑ ایک دوسرے کو دہر کرنا اور مل جانا اور سورج کا ان کے قریب ہونا تو ان کی گرمی کا زیادہ ہونا حالانکہ وہاں صرف تیرے رب کے عرش کا سایہ ہوگا تو غور کرو تم آگے کیا بھیج رہے ہو پھر اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی بھیڑ اور دلوں کے جلنے کی وجہ سے سختی کی گرمی ہوگی کیونکہ ان کو مصائب نے ڈھانپ رکھا ہوگا۔

### حوض شریف

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دن یہ صورت حال سخت پیاس اور لپٹ (تپش) کا سبب ہوگی اور اس جگہ پانی موجودات میں سے سب سے نایاب اور گرم شدہ چیزوں میں سے سب سے بڑی چیز ہوگا۔

اور صاحب مقام محمود (نبی اکرم ﷺ) کے حوض شریف کے علاوہ کوئی گھاٹ نہیں ہوگا اور وہاں آپ کی فضیلت اور شرف میں اضافہ ہوگا آپ کی امت کے لیے اس کے سوا کوئی گھاٹ نہیں ہوگا اور ان کے جگر اسی سے ٹھنڈے ہوں گے پس اس کا ایک گھونٹ پیاسے کو سیراب کر دے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اسی کے ذریعے پیاس سے شفا یابی ہوگی اس سے تمام بیماریاں دور ہوں گی پس اسے پینے والا پیاسا نہیں ہوگا اور اس کے بعد کبھی بیمار نہیں ہوگا۔

امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص اس سے یعنی حوض سے ایک گھونٹ پیئے گا وہ کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا اور جو اس سے نہیں پیئے گا وہ کبھی سیراب نہیں ہوگا۔ امام احمد اور ابن حبان نے حضرت ابو امامہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ اس کا چہرہ کبھی سیاہ نہیں ہوگا۔

”جامع ترمذی میں“ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے حاکم نے صحیح قرار دیا کہ اس پر آنے والے اکثر لوگ فقراء، مہاجرین ہوں گے۔

”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں“ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حوضی مسیرۃ شہر ماؤہ ابیض من اللبن  
ورائحتہ اطیب من المسک و کیزانہ کنجوم  
السما من شرب منه شربة لا یظنأ ابدا۔  
میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت (کے برابر) ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اس کے لوٹے آسمان کے ستاروں کی طرح (زیادہ) ہیں جو اس سے پیئے گا وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

قرطبی نے ”التذکرہ“ میں فرمایا کہ ”القوت“ کے مصنف وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ حوض پل صراط کے بعد ہوگا اور دوسرے حضرات کا خیال اس کے برعکس ہے اور صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے دو حوض ہوں گے ایک صراط سے پہلے موقف میں (جہاں سب ٹھہریں گے) اور دوسرا جنت کے اندر ہوگا اور دونوں کو کوثر کہا جاتا ہے۔

شیخ الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے اور اس کا پانی حوض میں گرتا ہے اسے حوض کوثر کہا جاتا ہے کیونکہ پانی وہاں سے آتا ہے تو قرطبی کے کلام میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا ہے کہ حوض صراط سے پہلے ہوگا کیونکہ لوگ موقف سے پیاسے لوٹیں گے تو مومن حوض پر آئیں گے اور کافر یہ کہتے ہوئے کہ اے رب! ہم پیاسے ہیں آگ میں گر جائیں گے پس ان کے سامنے جہنم کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ وہ سراب ہے



حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے یوں آیا ہے:

ان الحوض يشخب فيه ميزابان من حوض میں جنت سے دو پرنا لے گرتے ہیں۔

## الجنة.

یہ حدیث امام قرطبی کے خلاف دلیل ہے ان کے حق میں نہیں کیونکہ صراط، جہنم کا پل ہے اور اور وہ موقف اور جنت کے درمیان ہے اور مومن جنت میں جانے کے لئے اس کے اوپر سے گزریں گے اور اگر حوض، پل صراط سے پہلے ہوتا تو جہنم اس کے اور اس پانی کے درمیان حائل ہو جاتا جو کوثر (نہر) سے حوض میں گرتا ہے اور حدیث کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ حوض، جنت کے ایک پہلو میں ہے تا کہ اس میں اس نہر کا پانی گرے جو جنت کے اندر ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ:

من شرب منه لم يظماً بعدها ابداً

نہ ہوگا۔

تو اس حدیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے پتا، حساب اور جہنم سے نجات کے بعد ہوگا کیونکہ جو شخص (اس کے بعد) پیاسا نہیں ہوگا اس کا ظاہر حال یہ ہے کہ اسے جہنم میں عذاب نہ ہو لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ ان میں سے جن لوگوں کے لئے عذاب مقدر ہو چکا ہے پیاس کے ذریعے ان کو عذاب نہیں ہوگا بلکہ اس کے علاوہ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں تو آپ نے فرمایا ان شاء اللہ میں ایسا کروں گا، میں نے عرض کیا میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: پہلے مجھے پل صراط پر ڈھونڈنا میں نے عرض کیا اگر پل صراط پر میں آپ کو نہ پاؤں؟ فرمایا پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا میں نے عرض کیا اگر میزان کے پاس بھی آپ سے ملاقات نہ ہو تو؟ فرمایا حوض کے پاس تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین جگہوں سے تجاوز نہیں کروں گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے جس میں یوں آیا ہے: پھر مجھے میرا لباس دیا جائے گا جسے میں پہنوں گا پس میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا جہاں کوئی دوسرا کھڑا نہیں ہوگا تو پہلے اور پچھلے سب مجھ پر رشک کریں گے اور فرمایا ان کے لئے کوثر سے حوض تک کھولا جائے گا۔

”صحیح بخاری میں مروی“ حضرت ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حوض ایک مہینے کی مسافت (کے برابر) ہے۔

”صحیح مسلم میں“ اسی سند کے ساتھ یہ اضافہ ہے کہ اس کے زاویے برابر ہیں (اس کی لمبائی، چوڑائی کی طرح ہے)۔ جیسا کہ ”فتح الباری میں“ فرمایا یہ اضافہ ان لوگوں کی تاویل کو رد کرتا ہے جنہوں نے حوض کی مسافت کی مقدار سے متعلق مختلف احادیث کو جمع کرتے ہوئے عرض اور طول کے درمیان اختلاف ذکر کیا ہے۔



”سنن ابن ماجہ میں“ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے جس میں فرمایا کہ میرا ایک حوض ہے جو کعبہ اور بیت المقدس کے درمیان ہے۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۵۰۲، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۳۶)  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث جو طبرانی نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے اس میں یوں آیا ہے:

ما بین ناحیتی حوضی کما بین ایلہ حوض کے دونوں کناروں کے درمیان ایلہ اور صنعاء  
وصنعاء مسیرۃ شہر عرضہ کطولہ کے درمیان جتنا فاصلہ ہے وہ ایک مہینے کی مسافت ہے اس  
کی چوڑائی اس کی لمبائی جیسی ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں ”کما بین صنعاء  
والمدينة“ کے الفاظ ہیں (صنعاء اور مدینہ کے درمیان)۔

حضرت عتبہ بن عبد اللہ سلمیٰ کی روایت جسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا اس میں ”کما بین صنعاء الی  
بصری“ کے الفاظ ہیں (صنعاء اور بصری کے درمیان جتنا فاصلہ ہے)۔

طبرانی میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے جس میں عدن اور عمان کے درمیان فاصلہ کا ذکر ہے  
عمان کی عین پر پیش ہے اور میم غیر مشدد ہے۔

ابن اثیر نے ”النبہایہ میں“ حوض والی حدیث ذکر کرتے ہوئے ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس کی چوڑائی  
میرے اس مقام سے عمان تک ہے عمان میں عین پرزبر اور میم مشدد ہے یہ بلقاء کی زمین میں شام کا ایک پرانا شہر ہے اور  
جو عمان پیش اور میم غیر مشدد کے ساتھ ہے وہ بحرین کے ایک کنارے پر ہے۔

یہ تمام مسافتیں ایک دوسرے کے قریب ہیں اور بعض نے خیال کیا کہ اس میں اضطراب واقع ہوا حالانکہ ایسی بات  
نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ قلیل مسافت میں ایسی کوئی بات نہیں جو کثیر مسافت کو رد کرتی ہو  
پس زیادہ مسافت صحیح حدیث سے ثابت ہے لہذا کوئی تعارض نہیں۔

اس کا خلاصہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ نے پہلے کم مسافت کی خبر دی پھر طویل مسافت کا علم ہوا تو  
آپ نے اس بات کی خبر دی جس کا اللہ تعالیٰ نے تدریجاً آپ کو علم عطا فرما کر فضل فرمایا پس جس میں زیادہ مسافت ہے  
اس پر اعتماد ہوگا۔

سوال: کیا وہاں ہر نبی کے لئے حوض ہوگا جس پر وہ کھڑے ہوں گے جس طرح ہمارے نبی ﷺ کے لئے ہے؟

جواب: مشہور بات یہ ہے کہ یہ بات ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے قرطبی نے ”المفہم“ میں فرمایا جو کچھ مکلف پر  
واجب ہے کہ اسے جانے اور اس کی تصدیق کرے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو اس حوض کی خصوصیت  
عطا فرمائی جس کے نام وصف اور مشروب کو ان صحیح مشہور احادیث میں واضح الفاظ میں بیان کیا گیا جن کے مجموعہ سے قطعی  
علم حاصل ہوتا ہے جو میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ سے مروی ہیں ان میں سے جو صحیح بخاری و مسلم میں ہیں وہ میں



سے زائد ہیں (صحیح بخاری میں انیس اور صحیح مسلم میں سترہ ہیں اور اکثر پر دونوں کا اتفاق ہے) ان دونوں کتب کے علاوہ میں باقی احادیث ہیں (جوان میں سے زائد ہیں) جس طرح اس کی نقل صحیح ہے اور اس کے راوی مشہور ہیں پھر ان مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی مثل تابعین نے اسے روایت کیا اور ان کے بعد ان کے دو گنا سے بھی دو گنا لوگوں نے روایت کیا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے اور اس کے ثبوت پر اہل سنت کے سلف و خلف سب کا اتفاق ہے۔

لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت سرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں ارشاد فرمایا:

ان لكل نبی حوضا۔ بے شک ہر نبی کے لئے ایک حوض ہے۔

اور انہوں نے اشارہ کیا کہ اس حدیث کے وصل اور ارسال میں اختلاف ہے اور مرسل روایت زیادہ صحیح ہے۔ مرسل حدیث کو ابن ابی الدنیا نے صحیح سند کے ساتھ حسن (بھری) رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان لكل نبی حوضا وهو قائم علی حوضه  
بیدہ عصا یدعو من عرف من امتہ الا وانہم  
یتباہون ایہم اکثر تبعاً وانی لارجو ان اکون  
اکثرہم تبعاً۔

بے شک ہر نبی کا ایک حوض ہے اور وہ اپنے حوض پر  
کھڑے ہوں گے ان کے ہاتھ میں لٹھی ہوگی اور وہ اپنی  
امت میں سے جسے پہچانیں گے ان کو بلائیں گے سنو! بے  
شک وہ ایک دوسرے پر فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کی  
اتباع کرنے والے زیادہ ہیں اور مجھے امید ہے کہ میری  
اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گا۔

امام طبرانی نے ایک دوسری سند سے حضرت سرہ رضی اللہ عنہ سے موصولاً مرفوعاً اس کی مثل نقل کیا لیکن اس کی سند میں کمزوری ہے۔

ابن ابی الدنیا نے ہی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ ہر نبی اپنی امت کو پکارے گا اور ہر نبی کا حوض ہوگا ان میں سے کسی کے پاس ایک جماعت آئے گی (فہم فرمایا) کسی کے پاس اس کے رشتہ دار آئیں گے اور ان میں سے کسی کے پاس ایک آئے گا اور ان میں سے کسی کے پاس دو آئیں گے اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی بھی نہیں آئے گا اور قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے زیادہ ہوں گے۔ اس حدیث کی سند میں کمزوری ہے۔

پس اگر یہ ثابت ہو تو کوثر جس سے حوض میں پانی آئے گا ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ کسی دوسرے کے لئے اس کی مثل منقول نہیں ہے اور سورۃ الکوثر میں اس کے ذریعے آپ پر احسان واقع ہوا۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔

ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۷۰ رقم الحدیث: ۶۵۷۵)

اور فہم لوگوں کی ایک جماعت کو بتائیں اور اس کا واحد کوئی لفظ نہیں اور عام لوگ یاء کے ساتھ ”قیام“ (ہمزہ کے بغیر) پڑھتے ہیں۔ یہ صحاح میں لکھا ہے۔



امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ترد علی امتی الحوض وانا اذود الناس  
عنه كما يذود الرجل عن ابله قالوا يا رسول  
الله تعرفنا؟ قال نعم لکم سیما لیست لاحد  
غیرکم تردون علی عزا محجلین من آثار  
الوضوء.

میری امت حوض پر میرے پاس آئے گی اور میں  
لوگوں کو اس سے دور کروں گا جس طرح کوئی شخص اپنے  
اونٹوں سے دور کرتا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ!  
کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ فرمایا ہاں تمہاری ایک نشانی  
ہوگی جو کسی دوسرے کی نہیں ہوگا تم میرے پاس آؤ گے تو  
وضو کے نشانات سے تمہارے اعضاء چمکتے ہوں گے۔

محدثین کرام نے فرمایا اس کو دور کرنے میں حکمت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ارادہ فرمائیں گے کہ ہر ایک کو اس کے نبی کے  
حوض کے پاس جانے کی رہنمائی فرمائیں جیسا کہ پہلے گزرا کہ ہر نبی کا حوض ہوگا تو یہ نبی اکرم ﷺ کے انصاف میں سے  
اور اپنے نبی بھائیوں کی رعایت سے ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ پانی کے ذریعے ان سے بخل کرتے ہوئے ان کو دور کریں گے۔  
اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کو دور فرمائیں گے جو حوض سے پینے کا مستحق نہیں ہے۔ واللہ اعلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے حوض کے چار کنارے ہوں گے پہلا  
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دوسرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تیسرا حضرت عثمان غنی  
ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور چوتھا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا۔

پس جو شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے  
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسے نہیں پلائیں گے اور جو آدمی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے  
لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھتا ہے اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نہیں پلائیں گے۔

اس روایت کو ابوسعید نے ”شرف النبوة“ میں اور غیلانی (ابوطالب بن غیلان) نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۳۵)

### شفاعت اور مقام محمود

نبی اکرم ﷺ کو شفاعت اور مقام محمود کے ذریعے جو فضیلت دی گئی ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد  
فرمایا:

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا.  
قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز  
(الاسراء: ۷۹) فرمائے۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ کلمہ ”عسی“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوتا ہے (لازم ہوتا ہے) اہل معافی فرماتے ہیں اس کی  
وجہ یہ ہے کہ لفظ عسی طمع دینے کا فائدہ دیتا ہے اور جو شخص کسی انسان کو طمع دے کر محروم کرے تو یہ بات باعث عار (شرمندگی)  
ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ کسی کو کسی چیز کا طمع دے کر پھر اسے وہ چیز نہ دے۔



## مقام محمود کیا ہے؟

مقام محمود کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔

(۱) اس سے شفاعت مراد ہے۔ واحدی نے کہا اس بات پر تمام مفسرین کا اجتماع ہے کہ یہ مقام شفاعت ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا (جو گذر چکی ہے) کہ یہ وہ مقام ہے جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

امام ابن خطیب نے کہا کہ لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کیونکہ انسان اس وقت محمود ہوتا ہے جب کوئی تعریف کرنے والا اس کی تعریف کرے اور تعریف کسی انعام پر ہوتی ہے تو یہ مقام محمود اس لئے مقام محمود ہے جب اس میں نبی اکرم ﷺ ایک جماعت پر انعام فرمائیں اور وہ اس انعام پر آپ کی تعریف کریں۔

اور وہ انعام تبلیغ دین اور احکام شرع کی ان کو تعلیم دینا نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس وقت بھی حاصل ہے اور ارشاد خداوندی: عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا

عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے (الاسراء: ۷۹) گا۔

اس بات پر دلالت ہے کہ اس مقام پر نبی اکرم ﷺ کی تعریف نہایت عظیم اور کامل ہوگی اور یہ بات معلوم ہے کہ کسی انسان کی تعریف اس کی کوشش پر جو عقاب سے نجات کے سلسلے میں ہو اس کوشش سے بڑی ہوتی ہے جو ایسے ثواب کے اضافہ کے لئے ہو جس کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ انسان کو بڑی بڑی تکالیف اپنے نفس سے ازالہ کی ضرورت ان منافع کے حصول سے زیادہ ہوتی ہے جن کو حاصل کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو واجب ہے کہ اس (مذکورہ بالا) آیت سے عذاب کو ساقط کرنے کے لئے شفاعت مراد ہو جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت میں اس بات کی طرف قوی اشارہ پایا جاتا ہے (کیونکہ مستقبل میں ایک چیز کے حصول کا وعدہ ہے)۔ پھر اس معنی کو ثابت کرنے کے سلسلے میں صحیح احادیث بھی آئی ہیں جیسا کہ ”صحیح بخاری میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے مقام محمود کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شفاعت ہے۔ ”صحیح بخاری میں“ ان ہی سے مروی ایک اور روایت ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن لوگ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے اور ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی وہ کہیں گے اے فلاں! ہماری شفاعت کیجئے حتیٰ کہ شفاعت مجھ تک پہنچے گی تو یہ مقام محمود ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو لفظ (مقام محمود) کو اس پر محمول کرنا واجب ہے اس قول کی تاکید و تائید اس مشہور دعا سے بھی ہوتی ہے (جو اذان سننے کے بعد مانگی جاتی ہے) جس میں ”وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا“ کے الفاظ ہیں وہ مقام محمود جس پر پہلے اور پچھلے رشک کریں گے۔

۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعائے قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت جائز ہو جائے گی اَللّٰهُمَّ رَبِّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ النَّائِمَةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اَيُّ مُحَمَّدًا بِالْوَسِيْلَةِ وَالْفَضِيْلَةِ وَاَبْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ (زرقاتی ج ۸ ص ۳۶۶)



لفظ ”مقاماً“ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی قیامت کے دن آپ کو اٹھانا اور مقام محمود پر فائز کرنا یا یہ مفعول بہ ہے اور ”وابعثہ“ ”اقمہ“ کے معنی کو شامل ہے (زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ مفعول مطلق ہے)۔  
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حال کے بعد حال ہو یعنی آپ کو اٹھانا اس حال میں کہ آپ ایک (عظیم) مقام والے ہوں۔  
طیبی نے کہا (لفظ مقاماً کو) نکرہ لایا گیا کیونکہ یہ تعظیم کے لئے ہے یعنی ایسا مقام جہاں ہر انسان کی طرف سے تعریف کی جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو روایت نکرہ کے ساتھ آئی ہے اور وہ قرآنی لفظ کی حکایت ہے (قرآن مجید میں لفظ ”مقاماً“ نکرہ ہے) تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ بعینہ یہ روایت امام نسائی کے نزدیک معرفہ کے طور پر آئی ہے۔  
ابن جوزی نے کہا اکثر حضرات کا یہی خیال ہے کہ مقام محمود سے شفاعت مراد ہے اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا۔

## دوسرا قول

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو زمین کے ایک حصے میں جمع فرمائے گا تو کوئی نفس کلام نہیں کرے گا سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو بلایا جائے گا تو آپ فرمائیں گے:

لیک وسعدیک والخیر بیدیک  
والشر لیس الیک والمہتدی من ہدیت  
وعبدک بین یدیک وبک والیک ولا ملجأ  
منک الا الیک تبارکت وتعالیت سبحانک  
رب البیت۔

میں حاضر ہوں اور تمام بھلائی تیرے قبضے میں ہے  
اور برائی تیری طرف منسوب نہیں ہو سکتی ہدایت یافتہ وہی  
ہے جس کو تو نے ہدایت دی اور تیرا بندہ تیرے سامنے  
تیرے ساتھ اور تیری طرف (متوجہ) ہے تیرے عذاب  
سے پناہ بھی تیرے ہاں ملتی ہے تو برکت والا ہے اور بلند  
ہے اے خانہ کعبہ کے رب! تو پاک ہے۔

وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول ”عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُودًا“ سے یہی مراد ہے اسے طبرانی نے نقل کیا ہے۔ (سنن نسائی، المستدرک)

ابن مندہ نے کہا کہ یہ وہ حدیث ہے کہ اس کی سند کی صحت اور راویوں کے لائق ہونے پر اتفاق ہے۔  
امام رازی فرماتے ہیں پہلا قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ شفاعت کے سلسلے میں آپ کی کوشش لوگوں کے لئے آپ کی تعریف کا باعث ہوگی پس آپ محمود ہوں گے اور وہ جو دعا کا ذکر کیا گیا تو اس کا فائدہ صرف ثواب کی صورت میں ہوگا حمد کے طور پر نہیں۔

سوال: اگر کہا جائے کہ یہ بات جائز کیوں نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس قول پر آپ کی تعریف کرے گا؟  
جواب: یہ اس لئے جائز نہیں کہ لغت میں مذکورہ ثناء (حمد) فقط انعام کے مقابلے میں ہوتی ہے اگرچہ لفظ حمد اس معنی کے علاوہ بھی استعمال ہوا ہے لیکن وہ بطور مجاز ہے۔



## تیسرا قول

ایسا مقام مراد ہے کہ جس میں آپ کا انجام قابل تعریف ہوا اور یہ بھی اس وجہ سے ضعیف ہے جو ہم نے ذکر کی (یعنی انعام کے مقابلے میں حمد کا پایا جانا)۔

## چوتھا قول

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آپ کا عرش پر بیٹھنا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ کرسی پر بیٹھنا مراد ہے۔  
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو عرش پر (کرسی پر) بٹھائے گا۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے فرماتے ہیں اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔  
واحدی نے کہا یہ قول نہایت گھٹیا نامانوس اور برا ہے اور قرآن مجید کی نص اس وضاحت کے فساد کا اعلان کرتی ہے اور اس (فساد) پر کئی وجوہ سے دلالت پائی جاتی ہے۔

(۱) بعث (اٹھانا) اجلاس (بٹھانے) کی ضد ہے کہا جاتا ہے:

”بعثت البارک والقاعد فانبعث میں نے بیٹھے ہوئے اونٹ کو اٹھایا تو وہ اٹھ گیا“ اور کہا جاتا ہے ”بعث اللہ المیت اللہ تعالیٰ نے میت کو قبر سے اٹھایا“۔ لہذا ”بعث“ کی تفسیر ”اجلاس“ (بٹھانے) سے کرنا ضد کی ضد کے ساتھ تفسیر ہے جو فاسد ہے۔

(۲) اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر یوں بیٹھا ہو کہ نبی اکرم ﷺ اس کے پاس بیٹھے ہوں تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کسی حد اور انتہا میں ہونا ثابت ہو اور جو اس طرح ہو وہ حادث ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے) اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند بڑا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے ”مقاما محمودا“ فرمایا ”مقعدا“ نہیں فرمایا اور مقام کھڑے ہونے کی جگہ ہوتی ہے بیٹھنے کی جگہ نہیں۔

(۴) جب کہا جاتا ہے ”السلطان بعث فلانا“ (بادشاہ نے فلاں کو بھیجا) تو اس سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اس نے اسے قوم کی طرف ان کے مشکل کاموں کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے اور اس سے یہ بات سمجھی نہیں جاتی کہ اس نے اسے اپنے ساتھ بٹھایا پس ثابت ہوا کہ یہ قول ساقط ہے اس کی طرف وہی مائل ہو سکتا ہے جس کی عقل کم ہو اور دین سے خالی ہو۔

دوسرے قول کا رد یوں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر کسی کیفیت کے بغیر جلوہ فرما ہوتا ہے جیسا کہ اس نے خود اپنے بارے میں خبر دی ہے اور نبی اکرم ﷺ کو عرش پر بٹھانا آپ کے لئے صفت ربوبیت ثابت کرنا یا آپ کو صفت عبودیت سے نکالنا نہیں ہے بلکہ آپ کے مقام کی بلندی اور مخلوق پر آپ کا اعزاز و اکرام ہے۔

اور یہ جو ”معه“ کا لفظ ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے ”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ رَبِّكَ“ (الاعراف: ۲۰۶) میں ہے (بے شک وہ لوگ جو تیرے رب کے پاس ہیں) اور ”رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ“ (التحریم: ۱۱) (اے میرے رب! میرے لئے اپنے ہاں جنت میں گھر بنا دے)۔



تو یہ اور اس قسم کی مثالیں، ”تبہ مقام حصہ اور بلند درجہ کی طرف لوٹتے ہیں (مطلب یہ کہ لفظ عند سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جسمانی قرب مراد نہیں بلکہ محمود کی بلندی و مرتبہ مراد ہوتی ہے)۔

شیخ الاسلام ابو الفضل عسقلانی ر.ہ اللہ نے فرمایا حضرت مجاہد کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا اس کو نہ تو نقل کی جہت سے رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر و فکر کی جہت سے۔

اور ابن عطیہ نے کہا یہ اسی طرح ہے جب اس بات پر محمول کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہے اور واحدی نے اس قول کو رد کرنے میں مبالغہ سے کام لیا نقاش نے امام ابو داؤد (سنن ابو داؤد کے مؤلف) سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا جو اس کا انکار کرے اس پر تہمت ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قیامت کے دن رب کی کرسی پر رب کے سامنے تشریف فرما ہوں گے تو یہ بھی احتمال ہے کہ اضافت تشریفی ہو (اللہ تعالیٰ کی طرف کرسی کی نسبت اس کے شرف کی وجہ سے ہو) پس جو کچھ حضرت مجاہد وغیرہ سے منقول ہے اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ مقام محمود سے شفاعت مراد ہو جیسا کہ مشہور ہے اور بٹھانے سے مقام و مرتبہ مراد ہو جسے وسیلہ سے تعبیر کیا گیا اسی طرح بعض حضرات نے فرمایا اور یہ بھی احتمال ہے کہ بٹھانے سے مراد شفاعت کی اجازت دینا ہو۔

ارشاد خداوندی میں جو ”محمود“ ہے تو اس حمد کے فاعل میں اختلاف ہے اکثر حضرات کا خیال ہے کہ میدان محشر والے مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ مراد ہیں کہ آپ رات کے وقت تہجد پڑھنے کے انجام پر حمد کریں گے۔ لیکن پہلی بات کو زیادہ ترجیح ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ ثابت ہے ”مقاما محمودا بحمدہ اهل الجمع کلہم مقام محمود جہاں تمام اہل محشر آپ کی تعریف کریں گے۔“

یہ بھی جائز ہے کہ اس سے زیادہ عام مراد ہو یعنی وہ مقام کہ جہاں وہ تمام لوگ آپ کی تعریف کریں گے جو وہاں کھڑے ہوں گے اور جو آپ کو پہچانیں گے اور یہ مختلف قسم کے اعزازات کے لئے مطلق ہے حمد کے ذریعے حاصل ہوں گے۔ ابو حیان نے اسے اچھا قرار دیا اور اس کی تائید اس طرح کی کہ نکرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مخصوص مقام مراد ہیں۔

ال: جب ہم مشہور قول کی بات کرتے ہیں کہ مقام محمود سے شفاعت مراد ہے تو یہ کونسی شفاعت ہے؟  
واب: مقام محمود میں شفاعت کے بارے میں جو احادیث آتی ہیں تو یہ شفاعت دو قسم کی ہے پہلی قسم عام شفاعت ہے جو نیلے کے بارے میں ہے اور دوسری شفاعت گناہ گاروں کو جہنم سے نکالنے کے بارے میں ہوگی لیکن نتیجہ کے اعتبار سے یہ تمام قول شفاعت عظمیٰ عامہ کی طرف لوٹتے ہیں کیونکہ آپ کو لواء الحمد کا دیا جانا اور آپ کا اپنے رب کی تعریف کرنا اور اس کے سامنے کلام کرنا اور اس کا کرسی پر بیٹھنا یہ سب اس مقام محمود کی صفات ہیں جس میں آپ اس لئے شفاعت کریں گے کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔

جہاں تک گناہ گاروں کو جہنم سے نکالنے کا تعلق ہے تو وہ اس شفاعت کے توابع میں سے ہے اور بعض معتزلہ اور خارجیوں نے گناہ گاروں کو جہنم سے نکالنے کے سلسلے میں شفاعت کا انکار کیا اور اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

كَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ. (المذثر: ۴۸)

پس ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہیں



دے گی۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ  
(الغافر: ۱۸) گا جس کی بات مانی جائے۔

اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ یہ آیات کفار کے بارے میں ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ شفاعت عقلی طور پر بھی جائز ہے اور اس کا ثبوت (اور اس کو ماننا) نقلی دلائل سے ثابت ہے کیونکہ واضح ارشاد خداوندی ہے:

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ  
الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (طہ: ۱۰۹)  
اس دن شفاعت صرف ان لوگوں کو فائدہ دے گی جن کے لئے رحمن کی اجازت ہوگی اور وہ ان کی بات کو پسند کرے گا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ  
(الانبیاء: ۲۸) اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر ان کے لئے جن کے لئے وہ پسند فرمائے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا  
(الاسراء: ۷۹) گا۔

اور اکثر نے اس کی تشریح شفاعت کے ساتھ کی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور آخرت میں گناہ گار مومنوں کی شفاعت کے صحیح ہونے کے بارے میں اس قدر روایات آئی ہیں کہ ان کا مجموعہ تواتر کو پہنچتا ہے۔  
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اريت ما تلقى امتي من بعدى وسفك  
بعضهم دماء بعض وسبق لهم من الله ما سبق للامم  
قبلهم فسالت الله ان يوتيني فيهم شفاععة يوم  
القيامة ففعل. (مسند رك البیهقی)

مجھے دکھایا گیا جو میرے بعد میری امت نے کرنا تھا اور ان میں سے بعض کا دوسرے بعض کا خون بہانا اور ان کے بارے میں فیصلہ ہو گیا جو ان سے پہلی امتوں کے بارے میں ہوا تھا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ مجھے ان کے لئے قیامت کے دن شفاعت کا اختیار دے تو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

لكل نبی دعوة مستجابة يدعو بها واريد  
ان اختبى دعوتى شفاععة لامتى فى الاخرة.  
ہر نبی کی ایک ایسی دعا ہے جسے (خصوصی طور پر) شرف قبولیت حاصل ہے اور انہوں نے وہ دعا مانگ لی اور



میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی دعا کو آخرت میں اپنی امت کی سفارش کے لئے محفوظ (چھپا کر) رکھوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لئے خاص کر دیا۔ (صحیح مسلم)

تو یہ آپ کی ہم پر مزید شفقت ہے اور اچھا تصرف ہے کہ وہ دعا جو (خاص طور پر) قبول ہونے والی ہے اسے ہماری ضرورتوں کے اہم اوقات کے لئے کر دیا پس اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اچھی جزا عطا فرمائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! شفاعت کے بارے میں آپ پر کیا حکم آیا ہے؟ فرمایا: میری شفاعت اس شخص کے بارے میں ہوگی جس نے خلوص کے ساتھ کہ اس کا دل اس کی زبان کی تصدیق کرے یہ شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۷، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۵۹۳، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۳۷)

حضرت ابو ذرؓ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا تم جانتے ہو یہ کس وجہ سے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں کو ایک جگہ جمع کرے گا کہ دیکھنے والا ان کو دیکھے گا اور پکارنے والے کی پکار کو وہ سنیں گے اور سورج قریب ہوگا تو لوگ غم اور تکلیف میں اس قدر مبتلا ہوں گے کہ اس کی طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ اسے برداشت کر سکیں گے پس لوگ (آپس میں) کہیں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم کس مصیبت میں مبتلا ہو اور تم کہاں تک پہنچ گئے؟ کیا تم کسی ایک شخص کو نہیں دیکھتے جو تمہارے رب کے ہاں تمہاری شفاعت کرے؟ تو کچھ لوگ دوسرے بعض سے کہیں گے تمہارے باپ آدم (علیہ السلام) ہیں پس وہ ان کے پاس جا کر کہیں گے اے آدم! اے انسانوں کے باپ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی فرشتوں کو حکم دیا کہ آپ کو سجدہ کریں اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا کیا آپ ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں سفارش نہیں کریں گے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں اور ہمیں کس قدر مصیبت پہنچی ہے؟

وہ فرمائیں گے آج میرا رب اس قدر غضب میں ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضب نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد اس طرح غضب فرمائے گا اس نے مجھے درخت (کے قریب جانے) سے منع کیا تو مجھ سے حکم عدولی ہوگئی (بظاہر حکم عدولی ہے ورنہ آپ درخت کے قریب نہیں گئے تھے شیطان نے پھل لا کر دیا تھا) مجھے اپنے نفس کی فکر ہے (تین مرتبہ فرمائیں گے) میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ پس وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کریں گے اے نوح علیہ السلام! آپ زمین والوں کی طرف پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ”شکر گزار بندہ“ رکھا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہمیں کس قدر تکلیف پہنچی ہے کیا آپ ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں شفاعت نہیں کرتے؟

وہ فرمائیں گے میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد اس طرح غضب فرمائے گا مجھے ایک (خاص مقبول) دعا دی گئی تھی میں نے وہ اپنی قوم کے خلاف مانگ لی مجھے اپنے نفس کی فکر ہے



تین بار فرمائیں گے۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ اللہ کے نبی اور زمین والوں میں سے اس کے خلیل ہیں اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس پریشانی میں مبتلا ہیں؟

وہ ان سے فرمائیں گے میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا کہ اس کی مثل نہ اس سے پہلے فرمایا اور نہ اس کے بعد ایسا غضب فرمائے گا۔ میں نے تین بار بظاہر خلاف واقعہ بات کہی ہے آپ ان تین باتوں کا ذکر کریں گے۔ ۱۔ مجھے اپنے نفس کی فکر ہے (تین بار فرمائیں گے) میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ علیہ السلام! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس نے اپنی رسالت اور کلام کے ساتھ آپ کو لوگوں پر فضیلت عطا کی کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس پریشانی میں مبتلا ہیں آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں۔

وہ فرمائیں گے بے شک میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا کہ اس سے پہلے ایسا غضب نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد اس طرح غضب فرمائے گا اور میں نے ایک شخص کو قتل کیا حالانکہ مجھے اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ ۲۔ مجھے اپنے نفس کی فکر ہے (تین بار فرمائیں گے) تم میرے علاوہ کسی کی طرف جاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جاؤ پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی طرف سے روح ہیں آپ نے پنگھوڑے میں گفتگو کی کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس پریشانی میں مبتلا ہیں آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت کیجئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے بے شک آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا کہ نہ اس سے پہلے ایسا غضب فرمایا نہ اس کے بعد اس طرح کا غضب فرمائے گا۔

اور وہ کسی گناہ کو ذکر نہیں کریں گے (فرمائیں گے) مجھے اپنی فکر ہے (تین بار فرمائیں گے) میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت محمد ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کہیں گے اے محمد! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے توسل سے آپ کے پہلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس مصیبت میں ہیں اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش فرمائیں۔

(نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:) پس میں جاؤں گا اور عرش کے نیچے جا کر اپنے رب کے ہاں سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین باتیں ایسی فرمائی تھیں جو بظاہر جھوٹ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں جھوٹ نہیں جب بتوں کو توڑا تو بڑے بت کے بارے میں فرمایا ”بل فعلہ کبیر ہم بلکہ ان میں سے بڑے نے کیا“ (حالانکہ آپ نے خود کیا) جب وہ لوگ میلے پر جا رہے تھے تو آپ نے فرمایا ”انسی مسقیم میں بیمار ہوں“ اور ظالم بادشاہ کے سامنے تشریف لے گئے تو حضرت سارہ سے فرمایا تم کہنا یہ میرے بھائی ہیں تو ان سب سے اصل مفہوم مراد نہیں۔ کبیر ہم پر عطف ہو تب اعتراض ہے اور فعلہ پر عطف ہو تو اعتراض نہیں ہوتا آپ کا مقصد یہ تھا کہ جو بڑا ہے اور وہ آپ خود تھے۔ بیماری سے مراد یہ کہ میں تمہارے عقیدے سے متفق نہیں اور بہن سے دین کے اعتبار سے بہن مراد ہے کیونکہ بادشاہ ظالم تھا۔ لہذا یہ حقیقتاً جھوٹ نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبلی کو تھپڑ مارا جو اسرائیلی کو مار رہا تھا تو وہ قبلی مر گیا۔ ۱۲ ہزاروی



پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تعریفوں اور اچھی ثناء سے وہ باتیں ظاہر کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی پر ظاہر نہیں کیں پھر کہا جائے گا اے محمد! ﷺ اپنا سر مبارک اٹھائیں سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا اور سفارش کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی پس میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا اے میرے رب! میری امت کو بخش دے اے میرے رب! میری امت کو بخش دے پس کہا جائے گا اے محمد! اپنی امت میں سے جس کو چاہیں کسی حساب کے بغیر جنت کے دروازوں میں سے دائیں دروازوں سے داخل کر دیں اور دوسرے دروازوں میں وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۰-۳۷۱۲)

سوال: ”فتح الباری میں فرمایا کہ“ حضرت نوح علیہ السلام سے یہ کہنا کہ ”آپ زمین والوں میں سے سب سے پہلے رسول ہیں“ تو حضرت آدم علیہ السلام نبی مرسل ہیں اسی طرح حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہ السلام بھی (نبی) مرسل ہیں) اور وہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہیں؟

جواب: (اس اعتراض کے) جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیت زمین والوں کے ساتھ مقید ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے ساتھ جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ زمین والوں کی طرف نہیں بھیجے گئے یا یہ کہ وہ تینوں نبی تھے رسول نہیں تھے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ابن بطال کا رجحان اسی بات کی طرف ہے۔

لیکن قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس پر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اعتراض کیا جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا اور وہ صریح کی طرح کہ وہ (آدم علیہ السلام) مرسل تھے اور اس حدیث میں حضرت شیث علیہ السلام پر صحیفے اتارنے کا واضح ذکر ہے اور وہ ارسال کی علامات میں سے ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ آپ بنی اسرائیل میں سے تھے۔

ایک جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی رسالت ان کے بیٹوں کی طرف تھی اور وہ توحید پر تھے مقصد یہ تھا کہ ان کو اپنی شریعت کی تعلیم دیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کافروں کی طرف تھی کہ ان کو توحید کی دعوت دیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے ”کشف علوم الاخرہ میں“ ذکر کیا ہے کہ میدان محشر والوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہوگا اسی طرح ہر دو نبیوں کے درمیان حتیٰ کہ ہمارے نبی ﷺ تک پہنچنے میں بھی یہ وقفہ ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس سلسلے میں کسی اصل پر آگاہی نہیں ہوئی اور اس کتاب میں اکثر احادیث بے اصل ہیں لہذا ان میں سے کسی بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

لست بصاحب ذاک انما کنت خلیلا من میں اس منصب کے لائق نہیں ہوں یہ مقام بہت

پچھے ہے۔

وراء وراء.

۱۔ امام بدر الدین عینی نے اس بات پر تنقید کی ہے کہ امام عسقلانی نے جو کچھ فرمایا ہے یہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی شان کے مناسب نہیں اور

کسی بات پر عدم آگاہی سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کو بھی اس سے آگاہی نہ ہو۔ (ذرقانی ج ۸ ص ۳۷۴)



دونوں (وراء وراء) میں ہمزہ پر زبر ہے اور تنوین نہیں ہے۔  
اور اضافت نہ ہونے کی وجہ سے دونوں جہی برضم بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے ”من قبل“ اور ”من بعد“ اضافت سے منقطع ہونے کی وجہ سے ان پر ضمہ ہے۔ اس بات کو ابوالبقاء نے اختیار کیا۔

انفش نے کہا کہ کہا جاتا ہے ”لقبته من وراء“ ضمہ کے ساتھ ہے اور شاعر نے کہا:

اذا انال من عليك ولم يكن لفاؤك الا من وراء

”جب میں تجھ سے بے خوف نہ ہوں اور تمہاری ملاقات نہ ہو مگر فلاں فلاں کے بعد“۔

ان دونوں (وراء وراء) پر نصب اور تنوین بھی جائز ہے اور عمدہ ہے۔

ابو عبد اللہ ابی (محمد بن خلفہ بن عمر الماکلی، محدث، حافظ، فقیہ، ناظم، مفسر، متوفی ۸۲۷ھ) نے کہا: (الاعلام ج ۶ ص ۱۱۵)  
البدیع الطالع ج ۲ ص ۱۶۹، نیل الاجتہاد رقم الحدیث: ۲۸۷، شجرة النور ج ۱ ص ۲۳۲، معجم المطبوعات رقم الحدیث: ۳۶۳، کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۷-۱۲۵۶

اس کا معنی یہ ہے کہ میں قریب کرنے اور رہنمائی کرنے میں حبیب کی طرح نہ تھا۔ کہا گیا ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ مجھے جو فضیلت دی گئی وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے تھی تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام کیا۔

لفظ وراء کا تکرار ہمارے نبی ﷺ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ کو دیدار خداوندی اور کلام الہی کی سماعت بلا واسطہ حاصل ہوئی گویا انہوں نے فرمایا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوں اور وہ حضرت محمد ﷺ کے بعد ہیں اس سلسلے میں مزید گفتگو خصائص کے بیان میں ہو چکی ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بظاہر خلاف واقعہ تین باتوں کا ذکر کیا تو امام بیضاوی نے فرمایا کہ یہ کلام کے اشارات سے ہے لیکن جب ظاہر میں جھوٹ کی صورت تھی تو آپ نے یہ خوف محسوس کیا کہ آپ شفاعت نہیں کر سکیں گے کیونکہ جو دشمن اللہ تعالیٰ کی پہچان زیادہ رکھتا ہے اور اس کو اس کے ہاں زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ ڈرتا ہے۔

اور یہ فرمانا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جسے امام احمد اور امام نسائی نے ذکر کیا ہے یوں آیا ہے کہ (وہ فرمائیں گے) مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود قرار دیا گیا۔

حضرت نصر بن انس رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں مجھ سے اللہ کے نبی ﷺ نے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ میں پل صراط کے پاس کھڑا اپنی امت کا انتظار کروں گا کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اور کہیں گے اے محمد! (ﷺ) یہ انبیاء کرام آپ کے پاس آئے ہیں اور آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعائیں وہ تمام امتوں کے اجتماع کو جس طرف چاہے بکھیر دے کیونکہ وہ سخت مشکل میں ہیں۔

تو ان روایات سے نبی اکرم ﷺ کے اس وقت کھڑے ہونے کا مقام متعین ہوا اور یہ سب کچھ جو وہاں کھڑے ہونے والوں کا کلام بیان ہوا کفار کے جہنم میں گرنے کے بعد پل صراط کے پاس ہو گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہمارے نبی ﷺ کو خطاب کریں گے اور یہ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ سے اس سلسلے میں سوال کریں گے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی جو حدیث نقل کی ہے اس میں یوں ہے کہ وہ سب حضرت محمد



(ﷺ) کے پاس آ کر کہیں گے اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے (ہر بھلائی کا دروازہ) آپ کے ذریعے کھولا اور آپ پر (سلسلہ نبوت) ختم کیا، آپ کے سبب سے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دیئے اور آپ اس مقام پر تشریف لائے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس پریشانی میں ہیں؟ پس ہمارے لئے ہمارے رب کے ہاں سفارش کیجئے تو آپ فرمائیں گے میں تمہارا صاحب ہوں (اسی کام کے لیے متعین ہوں) تو آپ لوگوں کے درمیان سے نکل کر جنت کے دروازے تک پہنچ جائیں گے۔

سوال: نبی اکرم ﷺ کا وہاں سے جنت کی طرف منتقل ہونے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: میدان محشر جب پیشی اور حساب کا مقام ہے تو وہ خوف اور ڈر کی جگہ ہے اور شفاعت کرنے والوں کے لئے مناسب ہے کہ عزت و اکرام کے مقام پر کھڑے ہوں۔

ابو یعلیٰ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) پس میں اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کروں گا کہ وہ اس کی وجہ سے مجھ سے راضی ہوگا اور میں اس کی مدح کروں گا کہ وہ اس کے باعث مجھ سے راضی ہوگا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی طرف آئیں گے تو آپ سجدہ ریز ہو جائیں گے اور یہ (دنیا کے) ایک ہفتہ کے برابر ہوگا پس کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر انور اٹھائیے۔

(عند ابی عوانہ)

حضرت نصر بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائے گا کہ حضرت محمد ﷺ کے پاس جا کر ان سے کہیں کہ اپنے سر انور اٹھا لیجئے۔

اس بنیاد پر معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان سے مجھ سے فرمائے گا اور ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سجدے سے پہلے اس کے بعد اور اس کے اندر اپنی حمد کرنے کا الہام فرمائے گا اور ہر مقام پر اس کے مناسب ہوگا، کیونکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں گا تو وہ ایسی تعریفیں میرے دل میں ڈالے گا جن پر میں قادر نہیں ہوں گا پھر میں سجدے میں چلا جاؤں گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

اور ”صحیح بخاری کی“ ایک روایت میں ہے کہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی تعریف کروں گا جو مجھے سکھائے گا۔

”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں عرش کے نیچے آ کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تعریف اور اچھی ثناء سے ایسی باتیں ظاہر کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولیں پھر کہا جائے گا اے محمد! (ﷺ) اپنا سر انور اٹھا لیجئے۔

”صحیح بخاری کی“ ایک روایت میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد واضح ہوگی پھر ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔



طبی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میرے لئے شفاعت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ بیان کیا جائے گا میں اس پر ٹھہر جاؤں گا اور اس سے تجاوز نہیں کروں گا مثلاً وہ فرمائے گا میں نے ان لوگوں کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول کی جنہوں نے جماعت میں کوتاہی کی پھر جنہوں نے نماز میں کوتاہی کی پھر ان کے بارے میں جو شراب پیتے تھے پھر زنا کار لوگوں کے بارے میں اسی طریقے پر ہوتا رہے گا۔

جس بات پر احادیث کا سیاق دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس (جہنم) سے نکالے جانے والوں کے اعمال صالحہ میں مراتب کی وضاحت ہوتی ہے۔ جس طرح امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت یحییٰ قطان کے واسطے سے حضرت سعید بن عروبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

امام احمد نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں نقل کیا کہ (حضور ﷺ نے فرمایا:) میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت میری امت تو وہ فرمائے گا آپ ہر اس شخص کو نکال لیں جس کے دل میں جو کے برابر (بھی ایمان) ہے۔ حضرت سلمان کی روایت میں ہے کہ آپ ہر اس شخص کی شفاعت فرمائیں گے جس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر (ایمان) ہوگا پھر جو کے برابر اور پھر رائی کے برابر تو یہ مقام محمود ہے۔  
”صحیح مسلم میں“ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

ارجعوا فمن وجدتم في قلبه مثقال دينار واپس جاؤ پس جس کے دل میں دینار کے برابر نیکی من خیر۔ پاؤ (اے میری رحمت سے جنت میں داخل کرو)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ خیر کا معنی ایمان کے ساتھ یقین ہے۔  
اور ”صحیح بخاری میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جو قول ہے کہ ”ان کو جہنم سے نکال لیں“ تو داؤدی نے کہا اس حدیث کے راوی نے ایسی چیز پر سواری کی جس کی کوئی اصل نہیں۔ اس لئے کہ حدیث کے شروع میں میدان محشر کی سختی سے آرام پانے کے لئے شفاعت کا ذکر ہے اور اس کے آخر میں جہنم سے نکالنے کی شفاعت کا ذکر ہے یعنی یہ میدان محشر سے پھرنے پل صراط پر سے گزرنے اور اس حالت میں جہنم میں گرنے والوں کے گرنے کے بعد ہوگا پھر اس کے بعد (جہنم سے) نکالنے کے لئے شفاعت ہوگی اور یہ مضبوط اعتراض ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اور اس سے پہلے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے پس وہ حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے اور آپ کھڑے ہوں گے اور آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور آپ کے ساتھ امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا تو وہ دونوں پل صراط کے دونوں پہلوؤں میں دائیں بائیں کھڑے ہوں گے یعنی پل صراط کی دونوں جانب (کھڑے ہوں گے)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا یہ کلام کی تفصیل ہے۔

کیونکہ میدان محشر میں جس شفاعت کے لئے لوگ مجبور ہوں گے وہ وہاں ٹھہرنے کی پریشانی سے لوگوں کے آرام پانے کے لئے ہوگی پھر (جہنم سے) نکالنے کے لئے شفاعت ہوگی۔

امانت اور رحم کے (پل صراط کے دونوں طرف) کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کی عظمت شان اور بڑائی



(بعض نسخوں میں خوف کا لفظ ہے) کی وجہ سے بندوں پر ان کی رعایت حق کے سلسلے میں جو کچھ لازم ہے ان کو امین اور خائن صلہ رحمی کرنے والے اور قطع تعلق کرنے والے کے لئے کھڑا کیا جائے گا پس یہ اہل حق کی طرف سے لڑیں گے اور جھوٹوں کے خلاف گواہی دیں گے۔

### میدان محشر میں جو کچھ ہوگا اس کی ترتیب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں میدان محشر میں جمع ہونے کے ذکر کے بعد کے بارے میں آیا ہے کہ ہر امت کو اس کے پیچھے چلنے کا حکم ہوگا جس کی وہ پوجا کرتی تھی پھر منافقوں کو مؤمنوں سے جدا کیا جائے گا پھر پل صراط کو رکھنے اور اس پر گزرنے کے بعد شفاعت ہوگی تو گویا ہر امت کو اپنے معبود کے پیچھے چلنے کا حکم سب سے پہلا فیصلہ ہوگا اور پھر محشر کی تکلیف سے راحت دی جائے گی۔

اس طریقے پر احادیث کے مضامین کو جمع اور ان کے معانی کو ترتیب دی جاسکتی ہے۔  
پس ظاہر ہوا کہ پہلی شفاعت مخلوق کے درمیان فیصلہ کے لئے ہوگی اور ان لوگوں کے لئے شفاعت جو جہنم میں گرنے کے بعد نکالے جائیں گے بعد میں ہوگی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا میزان اور صحیفوں کا اڑنا اسی جگہ ہوگا پھر آواز دی جائے گی کہ ہر امت اسے تلاش کرے جس کی وہ پوجا کرتے تھے پس کافر آگ میں گریں گے پھر مؤمنوں اور منافقوں کے درمیان سجدے کے ذریعے امتحان ہوگا جب کشف ساق ہوگا (اس کا مطلب اللہ تعالیٰ جانتا ہے) پھر پل صراط رکھنے اور اس پر گزرنے کا حکم ہوگا تو منافقین کا نور بجھ جائے گا تو وہ بھی آگ میں گر جائیں گے اور مومن اس پر سے گزر کر جنت میں جائیں گے گناہ گاروں میں سے بعض گر جائیں گے اور جو نجات پائیں گے ان کو پل کے پاس کھڑا کیا جائے گا تا کہ ان کے درمیان حساب و کتاب ہو پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

### نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کی اقسام

امام نووی رحمہ اللہ نے اور ان سے پہلے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شفاعت کی پانچ اقسام ہیں:

- (۱) میدان محشر کی پریشانی سے آرام پہنچانے کے لئے۔
- (۲) ایک جماعت کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرنے کے لئے۔
- (۳) ایک جماعت جن کا محاسبہ ہوا اور وہ عذاب کے مستحق ہوئے ان کو عذاب سے بچانے کے لئے۔
- (۴) جو نافرمان لوگ جہنم میں داخل کئے گئے ان کو نکالنے کے لئے۔
- (۵) درجات کی بلندی کے لئے۔

### پہلی شفاعت

یہ شفاعت لوگوں کو میدان محشر کی پریشانی سے راحت پہنچانے کے لئے ہوگی اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے دلالت کرتی ہے اور ”صحیح بخاری میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:



اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا تو وہ کہیں گے اگر ہم اپنے رب کے ہاں شفاعت پیش کریں حتیٰ کہ وہ ہمیں اس مقام سے راحت عطا فرمائے (تو اچھا ہے) پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو سجدہ کریں تو آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں وہ فرمائیں گے میرا یہ منصب نہیں اور وہ اپنی لغزش کا ذکر کریں گے (اور فرمائیں گے) حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک ایک نبی کے پاس جانے کا ذکر کیا یہاں تک کہ فرمایا وہ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا جب میں اسے دیکھوں گا تو سجدہ میں چلا جاؤں گا اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے اس حالت پر رکھے گا پھر مجھے کہا جائے گا اپنا سراٹھائیں سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پس میں اپنا سراٹھاؤں گا اور اپنے رب کی تعریف کروں گا جس کی (وہ) مجھے تعلیم دے گا۔

### دوسری شفاعت

ایک جماعت کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرنا اس بات پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا آخری حصہ دلالت کرتا ہے ”جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے“ اور پہلے ذکر کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اپنا سراٹھاؤں گا اور کہوں گا اے میرے رب! میری امت (کو بخش دے) اے میرے رب! میری امت (کو بخش دے) تو کہا جائے گا اے محمد! (ﷺ) اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں جنت کے دروازوں میں سے درمیانے دروازے سے داخل کریں۔

ابو حامد (غزالی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: ستر ہزار وہ ہوں گے جو حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے ان کے لئے میزان اٹھایا نہیں جائے گا اور نہ وہ اعمال نامے (صحیفے) لیں گے اور یہ صحیفے اس طرح ہوں گے کہ وہ برأت نامے ہوں گے اور ان پر لکھا ہوگا:

لا الہ الا اللہ، ہذہ برأۃ فلان ابن فلان قد غفرلہ وسعد سعاده لا شقاء بعدہا ابدا۔  
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ فلاں بن فلاں کی برأت ہے اے بخش دیا گیا اور ایسی سعادت مندی عطا کی گئی کہ اس کے بعد کبھی بد بخت نہیں ہوگا تو وہ اس مقام سے زیادہ سرور والی کسی چیز سے نہیں گزرے گا۔

### تیسری شفاعت

وہ جماعت جن کا حساب ہو گیا ان کو عذاب سے بچانے کے لئے شفاعت ہوگی اور یہ بات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے جو امام مسلم نے نقل کی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ بل صراط پر: ”رب سلم سلم۔ اے رب! لے بچالے“ فرما رہے ہوں گے۔



### چوتھی شفاعت

جو گناہ گار جہنم میں داخل ہوں گے ان کو نکالنے کے لئے شفاعت ہوگی اس کے دلائل بے شمار ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ ایک جماعت حضرت محمد ﷺ کی شفاعت سے جہنم سے نکلے گی پس وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو جہنمی کہا جائے گا۔

### پانچویں شفاعت

یہ شفاعت درجات کی بلندی کے لئے ہوگی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ”الروضہ“ میں فرمایا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور انہوں نے اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی۔ واللہ اعلم

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاعت کی چھٹی قسم بھی ذکر کی ہے اور یہ شفاعت وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے لئے ان کے عذاب میں تخفیف کے لئے فرمائی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ابوطالب آپ کی حفاظت کرتے آپ کی مدد کرتے اور آپ کے لئے (دوسروں پر) غضبناک ہوتے تھے کیا اس کا ان کو فائدہ ہوا؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے ان کو جہنم (کی آگ) میں غوطہ زن پایا تو ان کو یہاں تک لے آیا کہ عذاب ان کے ٹخنوں تک ہے۔

صحیح حدیث میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا شاید قیامت کے دن ان کو میری شفاعت فائدہ دے تو وہ جہنم میں کم عذاب میں ہوں گے جو ان کے ٹخنوں تک ہوگا جس سے ان کا دماغ کھول جائے گا۔

بعض حضرات نے ساتویں شفاعت کا اضافہ کیا ہے اور یہ شفاعت اہل مدینہ کے لئے ہوگی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ کی سختیاں برداشت کرے گا میں اس کے لئے قیامت کے دن گواہ یا (فرمایا) شفاعت کرنے والا ہوں گا۔

اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اعتراض کیا کہ شفاعت کا تعلق پہلی پانچ قسموں میں سے کسی ایک سے ہی ہے اس سے باہر نہیں۔

نیز اگر اس طرح شمار کرنے لگیں تو عبدالملک بن عباد کی حدیث بھی شمار کی جائے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: سب سے پہلے میں اہل مدینہ کی شفاعت کروں گا پھر اہل مکہ کے لئے اور پھر طائف والوں کے لئے اس حدیث کو امام بزار نے نقل کیا۔

دوسری شفاعت اس کے لئے ہے جو آپ کی قبر شریف کی زیارت کرے اور ایک شفاعت اس کے لئے جو مؤذن کی

۱۔ ”صحیح بخاری میں ہے“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جہنم سے ایک جماعت نکالی جائے گی اور وہ جل چکے ہوں گے پھر ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور جنتی لوگ ان کو جہنمی کے نام سے پکاریں گے ”طبرانی میں یہ اضافہ ہے کہ“ ان کے چہروں کی سیاہی کی وجہ سے اس نام سے پکاریں گے وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم سے اس نام کو زائل کر دے تو اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا پس وہ جنت کی نہریں



سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ نے فرمایا ”یا رب امتی امتی“ پس ان کے لئے دعا فرمائیں گے تو قبول ہوگی اور دوسرے اس سلسلے میں ان کے تابع ہوں گے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ دوسری شفاعت مراد ہو یعنی جس کے ذریعے ایک جماعت حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوگی اور یہ اس امت کے ساتھ خاص ہے اس سلسلے میں محدث میں آیا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

یدخل من امتی الجنة سبعون الفا بغیر حساب. (صحیح بخاری و مسلم)

میری امت میں سے ستر ہزار افراد حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

اور یہ بات باقی امتوں کے بارے میں منقول نہیں ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مطلق شفاعت مراد ہو جو پانچوں شفاعتوں میں مشترک ہے اور دوسری امتوں کا ان سب میں یا بعض میں اس امت کے ساتھ شریک ہونا اس بات کے منافی نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی آخری دعا آپ کی امت کی شفاعت کے لئے ہو ممکن ہے آپ دوسری امتوں کے لوگوں کے لئے شفاعت نہ فرمائیں بلکہ ان کے لئے خود ان کے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام شفاعت کریں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے لئے شفاعت ضمنی طور پر ہو جس طرح شفاعت عظمیٰ کے سلسلے میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

انی لارجو ان اشفع یوم القيامة عدد ما فی الارض من شجرة ومدرۃ. (مسند احمد)

مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے دن زمین میں پائے جانے والے درختوں اور ڈھیلوں کی گنتی کے برابر (لوگوں) کی شفاعت کروں گا۔

### حساب اور جزاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نحن آخر الامم واول من یحاسب یقال این الامۃ الامیۃ ونبیہا فنحن الاخرون الاولون. (سنن ابن ماجہ)

ہم تمام امتوں کے آخری ہیں اور سب سے پہلے ہمارا حساب (اس امت کا) ہوگا کہا جائے گا (کسی سے نہ پڑھے ہوئے نبی کی امت) امی امت اور اس کے نبی کہاں ہیں؟ ہم سب سے آخر (اور) سب سے پہلے ہیں۔

ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلے کا ارادہ فرمائے گا تو ایک ندا کرنے والا اعلان کرے گا ”حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کہاں ہے؟“ پس میں کھڑا ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے پیچھے آئے گی اور وضو کے اثر سے ان کے اعضاء چمکتے ہوئے روشن ہوں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم سب سے پچھلے سب سے پہلے ہیں اور سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا اور باقی امتیں ہمارے راستے سے ہٹ جائیں گی اور وہ کہیں گے قریب تھا کہ یہ امت سب کے سب نبی ہوتے۔



اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (قتل) کا حساب ہوگا۔  
”سنن نسائی میں“ مرفوعاً مروی ہے:

اول ما يحاسب عليه العبد الصلاة واول ما يقضي بين الناس في الدماء.  
سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خونوں کا فیصلہ ہوگا۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

سب سے پہلے میں رحمن کے سامنے مقدمہ پیش کروں گا ان کی مراد وہ واقعہ ہے جب (بدر کے میدان میں) آپ کو اور آپ کے دو ساتھیوں (مطلب یہ کہ) تینوں کو لڑنے کی دعوت دی گئی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ.  
یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب (کے دین) کے بارے میں جھگڑے۔ (الحج: ۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن بندے کے قدم اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے حتیٰ کہ اس سے چار کاموں کے بارے میں سوال کیا جائے۔ (۱) اس کی عمر کے بارے میں کہ کہاں خرچ کی (۲) اس کے علم کے بارے میں کہ اس میں کیا عمل کیا (۳) اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا (۴) اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کس کام میں فدا کیا؟ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حسن صحیح ہے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من نوقش الحساب عذب.  
جس سے حساب میں چھان بین ہوئی اسے عذاب دیا گیا۔

(مطلب یہ ہے کہ حساب مکمل چھان بین کے ساتھ ہوا کسی قسم کی رعایت اور چشم پوشی نہ ہوئی تو یہ بھی عذاب ہے۔ ۱۲ ہزارویں)۔

امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: قیامت کے دن انسان کے لئے تین قسم کے نامہ اعمال نکالے جائیں گے ایک وہ نامہ اعمال ہوگا جس میں نیک اعمال ہوں گے دوسرا وہ جس میں گناہ ہوں گے اور تیسرا وہ جس میں اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہوگا تو اللہ تعالیٰ سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا۔ راوی فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا نعمتوں کے رجسٹر میں سے (سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا) اس کے نیک اعمال سے اپنی قیمت وصول کر لو پس وہ (نعمت) اس کے نیک اعمال کو گھیر لے گی اور کہے گی مجھے تیری عزت کی قسم! میری قیمت پوری نہیں ہوئی جبکہ گناہ اور دیگر نعمتیں ابھی باقی ہوں گی اور

۱۔ میدان بدر میں کفار کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ اس کا بھائی عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید بن عتبہ نکلے اور ان کے مقابلے میں حضرت علی

الرضی حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث مطلبی رضی اللہ عنہم میدان میں آئے۔ ۱۲ ہزارویں



نیک اعمال چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر رحم کا ارادہ فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا: اے میرے بندے! میں نے تیرے لئے تیری نیکیوں کو دو گنا کر دیا اور تیرے گناہوں کو معاف کر دیا، راوی فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ فرمایا میں نے اپنی نعمتیں تجھے بہہ کر دیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن ہر چیز کا بدلہ دیا جائے گا حتیٰ کہ دو بکریاں جنہوں نے ایک دوسرے کو سینگ مارے۔<sup>۱</sup>

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں) اس دوران کہ رسول اکرم ﷺ تشریف فرما تھے جب ہم نے دیکھا کہ آپ مسکرا پڑے حتیٰ کہ آپ کے سامنے کے دانت مبارک ظاہر ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی بات پر مسکرائے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے دو آدمیوں کا مقدمہ رب العزت کے سامنے پیش ہوا تو ان میں سے ایک نے کہا اے میرے رب! میرے (اس) بھائی سے میرا حق لے لے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اپنے بھائی سے کیا سلوک کرے گا جب کہ اس کی نیکیوں میں سے کچھ نہیں بچا اس نے عرض کیا اے میرے رب! میرے (گناہوں کے) بوجھ اس پر ڈال دے، نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ رو رہے تھے پھر فرمایا بے شک یہ بہت بڑا دن ہوگا، لوگ محتاج ہوں گے کہ ان سے ان کے بوجھ اٹھائے جائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مطالبہ کرنے والے سے فرمایا آنکھ اٹھا کر دیکھو۔ اس نے عرض کیا اے میرے رب! میں سونے اور چاندی کے شہر دیکھ رہا ہوں جن پر موتی جڑے ہوئے ہیں یہ کس نبی کے لئے ہیں؟ یا کس صدیق کے لئے ہیں؟ یا کس شہید کے لئے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اس کی قیمت ادا کرے اس نے عرض کیا اے میرے رب! اس کی قیمت کس کے پاس ہوگی؟ فرمایا تیرے پاس، پوچھا کس طرح؟ فرمایا اپنے بھائی کو معاف کرنے کے ذریعے (تم اس کی قیمت ادا کر سکتے ہو) اس نے کہا اے میرے رب! میں نے اس کو معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کا اس کو جنت میں لے جاؤ اس وقت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باہم صلح رکھو بے شک اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) مسلمانوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

اس حدیث کو امام حاکم اور بیہقی نے قیامت کے دن اٹھنے کی بحث میں ذکر کیا۔

یہ دونوں عباد بن ابی شیبہ جہلی سے اور وہ حضرت سعید بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں امام حاکم نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے انہوں نے اسی طرح فرمایا۔

۱۔ یہ عدل کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ہوگا پھر ان جانوروں کو مٹی کر دیا جائے گا، حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ تمام مخلوق انسان اور جانور وغیرہ میدان محشر میں جمع کئے جائیں گے اور انصاف کا عمل ہوگا حتیٰ کہ بے سینگ بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا پھر ان کو مٹی کر دیا جائے گا اور یہی وقت ہے جب کافر کہے گا ”بلیتسی کنت ترابا کاش میں مٹی ہو جاتا“۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۵)



منقول ہے کہ اگر کسی شخص کو ستر انبیاء کرام کے (ثواب کے) برابر ثواب ہو اور اس پر کسی شخص کا نصف دانق (درہم کا چھٹا حصہ دانق ہے) کا دعویٰ ہو تو وہ جنت میں نہیں جائے گا حتیٰ کہ اس کا مد مقابل راضی ہو جائے اور کہا گیا ہے کہ ایک دانق کے بدلے سات سو مقبول نمازیں لے کر اس کے مدعی کو دی جائیں گی یہ بات امام قشیری نے ”التحییر“ میں ذکر کی ہے۔

حساب کا کام مکمل ہونے کے بعد اعمال کا وزن ہوگا کیونکہ وزن جزا کے لئے ہوگا پس مناسب ہے کہ محاسبہ کے بعد ہو کیونکہ وہ اعمال کا اندازہ کرنے کے لئے ہوگا اور وزن ان کی مقدار ظاہر کرنے کے لئے تاکہ جزاء اس کے حساب سے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں میزان کا ذکر جمع کے صیغے سے کیا ہے جب کہ حدیث میں مفرد اور جمع دونوں طرح آیا ہے تو کہا گیا کہ واحد لفظ والی صورت اس بات پر محمول ہے کہ جنس مراد ہے اس طرح دونوں کلام جمع ہوں گے بعض حضرات نے کہا یہ بھی احتمال ہے کہ (میزان کا) متعدد ہونا اعمال کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہو تو وہاں ایک عمل کرنے والے کے لئے کئی میزان ہوں گے ہر میزان میں اس کے اعمال میں سے ایک قسم کے اعمال تو لے جائیں گے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ صرف ایک میزان ہوگا جس میں سب کے اعمال تو لے جائیں گے آیت کریمہ میں جمع کا صیغہ اس کی عظمت کے لئے آیا ہے، حقیقت عدد مراد نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مثل ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الشعراء: ۱۰۵) حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم نے رسولوں کو

جھٹلایا۔

(حضرت نوح علیہ السلام کے لئے جمع کا صیغہ (مرسلین) عظمت کے پیش نظر ہے) مراد ایک رسول ہیں اسی توجیہ پر اعتماد ہے اور اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔

میزان رکھنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اکثر روایات میں یوں آیا ہے کہ جنت، عرش کے دائیں جانب اور جہنم عرش کے بائیں طرف رکھی جائے گی پھر میزان کو لا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے نصب کیا جائے گا۔

پس نیکیوں کا پلڑا جنت کے مقابل اور گناہوں کا پلڑا جہنم کے مقابل رکھا جائے گا۔ اس روایت کو حکیم ترمذی نے ”نوادراصول“ میں ذکر کیا ہے۔

جس چیز کا وزن کیا جائے گا اس میں بھی اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اعمال کو ذاتی طور پر تو لا جائے گا اور یہ اگرچہ عرض ہیں (جو ہر یعنی جسم نہیں ہیں) مگر قیامت کے دن ان کو مجسم کر کے وزن کیا جائے گا۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ اعمال کے صحیفے (رجسٹر) تو لے جائیں گے اور اس پر حدیث بطاہ جو مشہور ہے دلالت کرتی ہے اور اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو مخلوق کے سامنے لائے گا اور اس پر ننانوے رجسٹر کھولے گا ہر رجسٹر حدنگاہ تک ہوگا پھر فرمائے گا کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے محافظ لکھنے والے فرشتوں نے تجھ



پر کوئی ظلم کیا؟ وہ عرض کرے گا نہیں یا رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں؟ اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا پس ایک پرچی نکالی جائے گی جس میں لکھا ہوگا ”اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبده ورسوله“ پھر فرمائے گا اس کے وزن کے پاس حاضر ہو تو وہ کہے گا اے میرے رب! ان (بڑے بڑے) رجسٹروں کے سامنے اس پرچی کی کیا حیثیت ہے؟

اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا حضور ﷺ نے فرمایا ایک پلڑے میں وہ رجسٹر رکھے جائیں گے اور دوسرے پلڑے میں وہ پرچی رکھی جائے گی آپ فرماتے ہیں ان رجسٹروں کا وزن کم اور پرچی کا وزن زیادہ ہوگا پس اللہ تعالیٰ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔ (سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، ابن حبان، المسند رک، المہتمی)

سوال: میزان کی شان یہ ہے کہ اس کے ایک پلڑے میں ایک چیز رکھی جائے گی اور دوسرے میں دوسری چیز پس ایک پلڑے میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور دوسرے میں گناہ اور توحید کے مقابلے میں کفر ہوتا ہے اور یہ بات محال ہے کہ ایک بندہ کفر اور ایمان دونوں کو اکٹھا لائے حتیٰ کہ ایک میں ایمان اور دوسرے میں کفر رکھا جائے؟

جواب: حکیم ترمذی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ میزان کے ایک پلڑے میں شہادت تو حید رکھنا مراد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کلمہ پر جو نیکی مرتب ہوتی ہے وہ باقی تمام نیکیوں کے ساتھ رکھی جائے گی ان کے اس قول پر حدیث شریف کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں:

بلی ان لک عندنا حسنة۔ ہاں تیرے لئے ہمارے ہاں ایک نیکی ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے لئے ہمارے ہاں ایمان ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے ”لا الہ الا اللہ“ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ نیکیوں میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ نیکیوں میں سے سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس حدیث کو امام بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

اور جس طرح قرطبی نے ”التذکرہ“ میں کہا ہے یہ بھی جائز ہے کہ دنیا میں اس کا یہ آخری کلام ہو جس طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان اخرا كلامه لا اله الا الله دخل الجنة۔ (مسند احمد، سنن ابوداؤد، المسند رک) جس آدمی کا آخری کلام ”لا الہ الا اللہ“ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت قشیری کی ”التحییر“ میں ہے کہ بعض حضرات سے خواب میں پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جواب دیا میری نیکیوں کا وزن کیا تو برائیاں نیکیوں پر غالب آ گئیں پس ایک تھیلی نیکیوں کے پلڑے میں گری جس سے وہ بھاری ہو گئیں، تھیلی کھولی گئی تو اس میں مٹی کی ایک مٹھی تھی جو میں نے ایک مسلمان کی قبر پر ڈالی تھی۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب مؤمن کی نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہوگا تو نبی اکرم ﷺ ایک پرچی نکالیں گے جو (انگلی کے) پورے جیسی ہوگی اسے میزان کے اس پلڑے میں ڈالیں گے جس میں نیکیاں ہوں گی تو نیکیاں زیادہ ہو جائیں گی۔ وہ مؤمن بندہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کرے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کا چہرہ انور کس قدر حسین اور آپ کا اخلاق کتنا اچھا ہے؟ آپ کون ہیں؟ آپ فرمائیں گے: میں تیرا نبی محمد ﷺ ہوں اور یہ تیرا درود شریف ہے جو تو نے مجھ پر بھیجا تھا اور جس وقت تجھے زیادہ حاجت ہے میں نے اس کا بدلہ دیا۔ (ابن ابی الدنبا)



امام غزالی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا تو وہ کوئی ایسی نیکی نہیں پائے گا جس کے ذریعے اس کا (نیکیوں کا) پلڑا بھاری ہو اور دونوں پلڑے برابر ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت کے تحت اس سے فرمائے گا لوگوں میں جا کر کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو تمہیں نیکی دے اور اس کے ذریعے میں تجھے جنت میں داخل کروں تو وہ کسی ایسے شخص کو نہیں پائے گا جس سے اس سلسلے میں بات کرے مگر وہ یہی جواب دے گا کہ میں تجھ سے بھی زیادہ حاجت مند ہوں پس وہ مایوس ہو جائے گا تو ایک شخص اس سے کہے گا میں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی اور میرے نامہ اعمال میں صرف ایک نیکی ہے اور میں خیال نہیں کرتا کہ وہ مجھے کچھ فائدہ دے گی یہ میری طرف سے بطور تحفہ قبول کر دو وہ اسے لے کر خوشی خوشی جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا تیرا کیا بنا حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ کہے گا اے میرے رب! میرا معاملہ اس طرح اس طرح حل ہوا، راوی کہتے ہیں پس اللہ تعالیٰ اس کے اس ساتھی کو جس نے اسے نیکی دی ہوگی آواز دے گا اور فرمائے گا: میرا کرم تیرے کرم سے زیادہ وسیع ہے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور دونوں جنت میں چلے جاؤ۔

اسی طرح ایک دوسرے آدمی کے میزان کے دونوں پلڑے برابر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تو نہ جنتی ہے اور نہ جہنمی، تو ایک فرشتہ کا غزلے کر آئے گا اور اس کو میزان میں رکھ دے گا اس میں لفظ ”اف“ لکھا ہوگا تو گناہوں کا پلڑا نیکیوں کے پلڑے پر غالب آ جائے گا کیونکہ یہ نافرمانی کا کلمہ ہے اسے جہنم کی طرف لے جانے کا حکم ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا مطالبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کو واپس کرو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا اے نافرمان بندے! تو واپسی کا مطالبہ کیوں کرتا ہے؟ وہ کہے گا اے میرے معبود! میں جہنم کی طرف جا رہا ہوں اور میں اپنے باپ کا نافرمان ہوں اور وہ بھی میری طرح جہنم کی طرف جا رہا ہے تو اس کا عذاب بھی مجھے دے اور اس کو اس سے بچالے۔

راوی کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو جائے گا اور فرمائے گا تو نے دنیا میں اس کی نافرمانی کی اور آخرت میں اس سے نیکی کر رہا ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت کی طرف لے جا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن میزان کی ذمہ داری حضرت جبریل علیہ السلام کے پاس ہوگی اور قیامت کے دن وہی اعمال کا وزن کریں گے۔

پلڑے کے وزنی اور ہلکا ہونے کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا آخرت میں بھاری پلڑا اوپر کو اٹھے گا اور یہ دنیوی معاملے کے برعکس ہوگا اور اس پر یہ آیت گواہ ہے:

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ. (الفاطر: ۱۰)

اچھے کلمات اسی کی طرف اٹھتے ہیں۔

زرکشی فرماتے ہیں: یہ بات غریب (غیر مشہور) ہے اور یہ اس آیت سے ٹکراتی ہے: ۱۔

فَأَمَّا مَنْ نَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ. (القارعة: ۷)

اور جس کے اوزان بھاری ہوں گے تو وہ اچھی زندگی

میں ہوگا۔

اور کیا تمام اعمال تو لے جائیں گے یا صرف ان کے خاتمہ کا وزن ہوگا تو حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں اعمال میں سے ان کے خاتمہ کا وزن ہوگا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا ہے:



انما الاعمال بخواتیمھا۔

اعمال کا دار و مدار ان کے خاتمہ پر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۷)

حافظ ابو نعیم نے حضرت نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من قضی لآخیه حاجۃ کنت واقفا عند  
میزانہ فان رجح والا شفعت له۔  
جس نے اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت کو پورا کیا  
میں اس کے میزان کے پاس کھڑا ہوں گا اگر وہ (نیکیوں کا  
پلڑا) بھاری ہو تو ٹھیک ورنہ میں اس کی شفاعت کروں گا۔

### پل صراط سے گزرنا

بعض اہل علم نے کہا ہے جو امام قرطبی نے ”التذکرہ میں“ نقل کیا کہ کوئی شخص پل صراط کو عبور نہیں کر سکے گا حتیٰ کہ سات پلوں پر سوال ہوگا پہلے پل پر اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بارے میں سوال ہوگا اور وہ توحید خداوندی کی شہادت ہے اگر خلوص کے ساتھ اس نے یہ شہادت دی ہوگی تو گزر جائے گا پھر دوسرے پل پر نماز کے بارے میں سوال ہوگا اگر اس نے نماز مکمل طور پر ادا کی ہوگی تو گزر جائے گا پھر تیسرے پل پر ماہ رمضان کے روزوں کے بارے میں سوال ہوگا اگر اس نے اچھی طرح رکھے ہوں گے تو پار ہو جائے گا پھر چوتھے پل پر زکوٰۃ کے بارے میں سوال ہوگا اگر مکمل طور پر ادا کی ہوگی تو پل کو عبور کر لے گا پھر پانچویں پل پر حج اور عمرہ کا سوال ہوگا اگر اس نے ان دونوں کو اچھی طرح ادا کیا ہوگا تو گزر جائے گا پھر چھٹے پل پر غسل اور وضو کے بارے میں سوال ہوگا اگر ان کو ٹھیک طریقے پر کیا ہوگا تو گزر جائے گا پھر ساتویں پل پر سوال ہوگا اور اس سے زیادہ مشکل پل نہیں ہوگا اس پر لوگوں پر کی گئی زیادتیوں (اور ان کے حقوق) کا سوال ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ پل صراط جہنم کی پیٹھ پر قائم کیا جائے گا میں اور میری امت اس پر سب سے پہلے گزرنے والے ہوں گے اور اس دن صرف رسل عظام کلام کریں گے اور رسولوں کی پکاریا ہوگی ”اللھم سلم سلم یا اللہ! سلامتی سے گزاردے اور جہنم میں کنڈے ہوں گے جو سعدان (درخت) کے کانٹوں کی طرح ہوں گے البتہ وہ کتنے بڑے ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق پکڑیں گے ان میں سے بعض اپنے عمل کے مطابق ہلاک ہوں گے اور بعض کے اعضاء رائی کے دانے کی طرح ہو جائیں گے پھر نجات پائیں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۷۳)

”صحیح مسلم میں“ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پل صراط پر کھڑے ”رب سلم سلم“ پکارتے ہوں گے حتیٰ کہ بندوں کے اعمال (نجات دینے سے) عاجز ہو جائیں گے اور یہاں تک کہ ایک مرد آئے گا اور وہ آہستہ آہستہ چل سکے گا اور فرمایا کہ پل صراط کے دونوں کناروں پر کنڈے ہوں گے جو لٹکے ہوئے ہوں گے اور ان کو حکم ہوگا تو گزرنے والے کو پکڑیں گے پس جس کو خراشیں آئیں گی وہ نجات پائے گا اور جس کو بیڑیاں ڈالی جائیں گی وہ جہنم میں جائے گا۔

اور یہ کنڈے وہ خواہشات ہیں جن کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جہنم کو ”خواہشات کے ساتھ گھیرا گیا



ہے، پس خواہشات جہنم کے کناروں پر رکھی گئی ہیں تو جو شہوت کی طرف بڑھے گا وہ جہنم میں گرے گا۔ یہ بات ابن عربی نے کہی ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ جس کو خراش آئے گی (آخر تک) تو پل صراط پر گزرنے والے تین قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ جو کسی خراش کے بغیر نجات پائیں گے دوسرے وہ جو پہلے مرحلے میں ہلاک ہوں گے اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو درمیان میں ہیں یعنی پہلے تکلیف پہنچے گی پھر نجات پائیں گے۔

”جامع ترمذی میں“ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث منقول ہے کہ پل صراط پر مومنوں کی نشانی ”رب سلم سلم“ کے الفاظ ہوں گے اور مومنوں کا شعار ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ خود یہ کلمات کہیں گے بلکہ رسل عظام یہ کلمات کہیں گے وہ اہل ایمان کے لئے سلامتی کی دعائیں گے تو اسے ان کا شعار کہا جائے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا کیا جائے گا پس ان میں سے بعض کو ان کا نور بہت بڑے پہاڑ کی طرح دیا جائے گا جو ان کے سامنے دوڑے گا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نور کے حساب سے گزریں گے ان میں سے بعض پلک جھپکنے کی مقدار میں گزریں گے، بعض بجلی کی طرح گزریں گے، بعض بادلوں کی طرح گزریں گے، کچھ ستاروں کے ٹوٹنے کی طرح گزریں گے کچھ ہوا کی طرح گزریں گے اور کچھ تیز رفتار سواروں کی طرح اور کچھ تیز رفتار آدمی کی طرح گزریں گے حتیٰ کہ وہ شخص جس کو پاؤں کے اوپر نور دیا جائے گا وہ اپنے چہرے ہاتھوں اور پاؤں پر چلیں گے، کوئی ہاتھ کھینچ لیا جائے گا، کوئی لٹک جائے گا کوئی پاؤں کھینچ لیا جائے گا اور کوئی لٹک جائے گا اور اس کے کناروں کو آگ پہنچے گی اسی طرح ہوتا رہے گا حتیٰ کہ وہ نجات پائے گا پس جب نجات پائے گا تو وہاں کھڑا ہو کر کہے گا:

اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے وہ کچھ عطا کیا جو کسی کو نہیں دیا کہ مجھے یہ کچھ دیکھنے کے بعد نجات دی۔  
امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔

اسی سند سے ابن مندہ سے مروی ہے حضرت سعید بن (ابی) ہلال نے فرمایا، اور امام بیہقی نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی اکرم ﷺ تک سند کو پہنچایا ہے اور اسے قطعی قرار دیا لیکن اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے۔  
ابن مبارک نے عبید بن عمیر کی مرسل روایت سے نقل کیا کہ پل صراط تلوار کی طرح ہوگا اور اس کے دونوں جانب کندھے ہوں گے۔

(اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے) وہ ایک کندھے سے ربیعہ اور مضر قبیلے سے زیادہ افراد کو پکڑے گا۔ ابن ابی الدنیا نے اسے اسی سند سے ذکر کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے دونوں کناروں پر فرشتے ہوں گے جو ”رب سلم سلم“ کہیں گے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط کی مسافت پندرہ ہزار سال کی ہے پانچ ہزار سال اوپر چڑھنے پانچ ہزار سال نیچے اترنے اور پانچ ہزار سال ٹھہرنے کے پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور جہنم کی پشت پر ہوگا اس



سے وہ شخص گزر جائے گا جو خوف خداوندی کی وجہ سے کمزور ہوا۔ ابن عسا کرنے سے اپنے ترجمہ میں ذکر کیا اور ”فتح الباری میں“ فرمایا یہ حدیث معطل ہے ثابت نہیں۔ (سند سے دوراوی متواتر چھوڑے گئے ہوں وہ حدیث معطل کہلاتی ہے)

حضرت سعید بن ابی ہلال فرماتے ہیں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط بعض لوگوں کے لئے بال سے زیادہ باریک ہوگا اور بعض لوگوں کے لئے کشادہ وادی کی طرح ہوگا یہ حدیث ابن مبارک نے روایت کی اور یہ مرسل یا معطل ہے۔

بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ ارشاد خداوندی: ”وان منکم الا واردہا (المريم: ۱۷) اس (پل صراط) سے ہر ایک کو گزرنا ہے“ سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے کیونکہ وہ جہنم کے اوپر بچھایا گیا ہے۔ ابن عسا نے حضرت ابن عباس ابن مسعود اور کعب احبار رضی اللہ عنہم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: ورود سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ورود سے داخل ہونا مراد ہے۔

حضرت ابوسمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ورود کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہوا ہم میں سے بعض نے کہا کہ اس (جہنم) میں کوئی مومن داخل نہیں ہوگا اور کچھ نے کہا کہ سب لوگ داخل ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے گا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا پس میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو ان سے عرض کیا کہ ورود کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہو گیا ہے انہوں نے فرمایا سب لوگ داخل ہوں گے میں نے عرض کیا ہمارا اس بارے میں اختلاف ہے ہم میں سے بعض کہتے ہیں اس میں کوئی مومن داخل نہیں ہوگا اور بعض حضرات کہتے ہیں اس میں سب لوگ داخل ہوں گے انہوں نے اپنی انگلیوں کو کانوں کی طرف جھکایا اور فرمایا یہ بہرے ہو جائیں اگر میں نے نبی اکرم ﷺ سے نہ سنا ہوتا کہ آپ نے فرمایا: ”ورود“ سے ”دخول“ مراد ہے ہر نیک اور بد اس میں داخل ہوگا پس یہ مومنوں پر ٹھنڈک اور سلامتی ہوگی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی حتیٰ کہ آپ کے لئے یا فرمایا جہنم کے لئے ان کی ٹھنڈک سے سخت چیخ و پکار ہوگی پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نجات دے گا جو متقی ہیں (مومن ہیں) اور ظالموں کو اس میں گھسنوں کے بل چھوڑ دے گا۔

امام احمد اور امام بیہقی نے اسے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا۔

ابن جوزی نے مرفوع روایت نقل کی جیسا کہ قرطبی نے ”التذکرہ“ میں ذکر کیا کہ پل صراط سے پھسلنے والے بہت لوگ ہوں گے اور اس سے زیادہ پھسلنے والی عورتیں ہوں گی فرمایا جب لوگ پل صراط کے دونوں کناروں پر ہوں گے تو عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ آواز دے گا اے اللہ کی مخلوق! پل صراط سے گزرجاؤ اور تم میں سے ہرنا فرمان ظالم کو ٹھہرنا چاہیے۔ تو اے قیامت! تیرا خوف کتنا بڑا اور گرمی کتنی سخت ہے؟

جو شخص دنیا میں کمزور ہوگا اور وہ اس کی طرف بڑھے گا اور جو عظمت و قدر والا ہوگا وہ پیچھے ہٹے گا پھر اس کے بعد سب کو پل صراط پر اپنے اپنے اعمال کے مطابق گزرنے کی اجازت دی جائے گی جب نبی اکرم ﷺ کی امت پر پل صراط کا معاملہ سخت ہوگا تو وہ آواز دیں گے اے محمد! ﷺ اے محمد! ﷺ۔ تو نبی اکرم ﷺ ان پر سخت خوف کھاتے ہوئے جلدی کریں گے اور حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پیچھے سے پکڑ رکھا ہوگا آپ بلند آواز سے پکاریں گے اے میرے



رب! میری امت کو بچالے، میری امت کو بچالے آج میں اپنے اور اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سوال نہیں کرتا۔

فرشتے پل صراط کی دائیں اور بائیں جانب کھڑے ”یا رب سلم“ (اے اللہ! سلامتی سے گزار دے) کی صدا بلند کر رہے ہوں گے اس وقت سخت خوف ناک منظر ہوگا اور بہت زیادہ خوف ہوگا، گناہ گار دائیں اور بائیں طرف سے گر رہے ہوں گے اور زبانیہ فرشتے (جو جہنم میں دھکیلنے والے ہوں گے) بیڑیوں اور طوقوں سے ان کا استقبال کریں گے اور ان کو آواز دیں گے کیا تمہیں گناہوں کے ارتکاب سے روکا نہیں گیا تھا، کیا تمہیں پوری طرح ڈرایا نہیں گیا تھا، کیا تمہارے پاس مختار نبی ﷺ نہیں آئے تھے؟ یہ بات ابن جوزی نے اپنی کتاب ”روضۃ المشتاق“ میں ذکر کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

من احسن الصدقة فی الدنیا مر علی الصراط، حلۃ الاولیاء  
جو شخص دنیا میں اچھا صدقہ دے گا (حلال کمائی سے مستحق کو دے گا) وہ پل صراط سے گزر جائے گا۔

ایک حدیث شریف میں ہے:

من یکن المسجد بیتہ ضمن اللہ لہ بالروح والرحمة و الجواز علی الصراط الی الجنة. (مندبزار)  
جو شخص مسجد سے اپنا تعلق قائم کرتا ہے (گویا وہ اس کا گھر ہے) اللہ تعالیٰ اس کو راحت و رحمت اور پل صراط سے گزرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

امام قرطبی نے حضرت ابن مبارک سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک ایک نبی اور ایک ایک امت کو جمع کرے گا اور جہنم کے اوپر پل نصب کیا جائے گا اور آواز دی جائے گی حضرت احمد ﷺ اور آپ کی امت کہاں ہے؟

پس نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوں گے اور آپ کے پیچھے آپ کی امت ہوگی ان میں سے نیک اور بدکار سب ہوں گے حتیٰ کہ جب وہ پل صراط پر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دشمنوں کی بینائی کو لے لے گا (ختم کر دے گا) اور وہ دائیں بائیں گریں گے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ نیک لوگ گزر جائیں گے ان سے فرشتوں کی ملاقات ہوگی اور وہ ان کو راستہ دکھائیں گے کہ آپ کے دائیں طرف ہے اور بائیں جانب ہے حتیٰ کہ آپ اپنے رب کے پاس پہنچیں گے تو آپ کے لئے عرش کی دائیں جانب ایک کرسی رکھی جائے گی پھر آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے ان کا راستہ بھی آپ کے راستے کی مثل ہوگا اور ان کی امت کے نیک و بد سب ان کے پیچھے ہوں گے جب وہ پل صراط پر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کی بینائی لے لے گا اور وہ دائیں بائیں گریں گے۔

### دو پل صراط

جان لو کہ آخرت میں دو پل صراط ہیں، ان میں سے تمام اہل محشر کی گزرگاہ نہ ہوگی سوائے ان لوگوں کے جو حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے یا جہنم کی کوئی جانب اسے اچک لے جب کچھ لوگ بڑے پل سے نجات پائیں گے تو وہ دوسرے پل پر روکے جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی جہنم کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ چاہے کیونکہ انہوں



نے پہلے پل کو جو جہنم کی پشت پر نصب ہوگا، عبور کر لیا ہوگا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مؤمن جہنم سے نجات پائیں گے تو ان کو جنت و جہنم کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور انہوں نے دنیا میں جو ایک دوسرے کا حق مارا ہوگا اس کا حساب لیا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں جانے کی اجازت ہوگی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ ان میں سے ایک (مطلب یہ کہ ہر ایک) کو جنت میں اپنے گھر کے راستے کا دنیا کے مقابلے میں زیادہ علم ہوگا۔ (صحیح بخاری)

**جنت میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ داخل ہوں گے**

نبی اکرم ﷺ کی یہ فضیلت کہ سب سے پہلے جنت کا دروازہ آپ کھٹکھٹائیں گے اور آپ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے تو اس سلسلے میں ”صحیح مسلم میں“ حضرت مختار بن فلفل کی روایت ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا اکثر الناس تبعا يوم القيامة وانا اول من  
يقرع باب الجنة.  
قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے زیادہ ہوں گے اور سب سے پہلے میں ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

”صحیح مسلم میں ہی“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھولنے کا کہوں گا تو خازن (فرشتہ) کہے گا آپ کون ہیں؟ تو میں کہوں گا میں محمد ﷺ ہوں وہ پوچھے گا آپ کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا، میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولوں گا۔

امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں یہ اضافہ نقل کیا کہ خازن (رضوان فرشتہ) کھڑا ہو کر کہے گا میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولوں گا اور نہ آپ کے بعد کسی کے لئے کھڑا ہوں گا۔

پس خازن (فرشتہ) کا آپ کے لئے کھڑا ہونے میں آپ کی فضیلت اور مرتبے کا اظہار ہے اور یہ کہ وہ آپ کے بعد کسی کی خدمت میں کھڑا نہیں ہوگا بلکہ جنت کے باقی خازن (فرشتے) اس خازن (رضوان) کی خدمت میں کھڑے ہوں گے اور وہ ان پر بادشاہ کی طرح ہوگا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں کھڑا کیا۔

حضرت سہیل بن ابی صالح، حضرت زیادہ مہری سے اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے جنت کا حلقہ (کنڈا) پکڑنے والا میں ہی ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

یہ حدیث ”مسند فردوس“ میں بھی ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سيد ولد ادم يوم القيامة ولا فخر  
میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور اس



وبیدی لواء الحمد یوم القيامة ولا فخر وما من  
نسی ادم فمن سواه الا تحت لوائی وانا اول من  
تنشق عنه الارض ولا فخر۔

السلام اور ان کے علاوہ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے  
اور سب سے پہلے میرے لئے زمین کھلی گی (قبر شریف  
مراد ہے) اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ لوگوں کو تین بار گھبراہٹ ہوگی تو وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ آگے حدیث ذکر کرنے  
کے بعد فرمایا: پس وہ میرے پاس آئیں گے اور میں ان کے ساتھ چلوں گا۔

ابن جدعان کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا گویا میں نبی اکرم ﷺ کی طرف دیکھ رہا ہوں آپ نے  
فرمایا میں جنت کا کنڈا پکڑ کر کھٹکھاؤں گا تو پوچھا جائے گا یہ کون ہے؟ کہا جائے گا محمد ﷺ ہیں پس وہ میرے لئے دروازہ  
کھولیں گے اور مجھے خوش آمدید کہیں گے پس میں سجدے میں گر جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے ثناء اور حمد (کے کلمات) الہام  
فرمائے گا اور کہا جائے گا اپنا سر مبارک اٹھائیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

حضرت سلمان کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ دروازے کی کنڈی پکڑیں گے اور وہ سونے کی ہوگی پس آپ  
دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو کہا جائے گا یہ کون ہے؟ تو آپ فرمائیں گے محمد ﷺ پس آپ کے لئے دروازہ کھولا جائے گا۔

صور پھونکنے سے متعلق حدیث میں ہے کہ جب مؤمن جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے تو باہم مشورہ کریں  
گے کہ ان کے لئے داخلہ کی اجازت کون لے گا پس حضرت آدم علیہ السلام کا ارادہ کریں گے پھر نوح علیہ السلام پھر ابراہیم  
علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام پھر عیسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت محمد ﷺ کا قصد کریں گے جس طرح وہ میدان محشر میں  
فیصلے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش پیش کرنے کے سلسلے میں کریں گے تاکہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا باقی تمام  
انسانوں پر شرف اور بزرگی ہر جگہ ظاہر ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھاؤں گا البتہ ایک عورت میرے ساتھ آگے بڑھنے میں جلدی کرے گی تو  
میں اس سے کہوں گا تجھے کیا ہوا اور تو کون ہے؟ وہ کہے گی میں ایک عورت ہوں جو یتیموں کی پرورش کے لئے وقف ہو گئی  
(بیوہ ہو گئی اور اپنے یتیم بچوں کی پرورش کرتی رہی دوسری شادی نہ کی)۔

اس حدیث کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا اور اس کے راویوں میں کوئی خرابی نہیں۔

منذری نے کہا اس کی سند حسن ہے ان شاء اللہ۔

حدیث میں ”نفسا درنی“ کا لفظ آیا ہے یعنی (وہ عورت) میرے ساتھ داخل ہوگی یا میرے پیچھے پیچھے داخل ہوگی  
اس مفہوم پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے (آپ نے فرمایا):

انا و کافل الیتیم فی الجنة هكذا۔

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح  
ہوں گے۔



اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

ابن بطلال نے کہا کہ جو شخص اس حدیث کو سنے اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرے تاکہ جنت میں نبی اکرم ﷺ کی رفاقت حاصل کر سکے اور جنت میں اس سے بہتر کوئی درجہ نہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۰۵)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے جنت میں داخل ہونے کی صورت میں قرب مراد ہو جس طرح پہلی حدیث میں ہے۔ تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ نبی کی شان سے یہ ہے کہ ان کو ایسی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے جو اپنے دین کے معاملے کو نہیں سمجھتے پس وہ ان کے کفیل اور مرشد ہوتے ہیں اسی طرح یتیم کی کفالت کرنے والا اس (بچے) کی کفالت کرتا ہے جسے اپنے دین کی سمجھ نہیں ہوتی بلکہ دنیوی معاملات کی سمجھ بھی نہیں رکھتا اور وہ اسے تعلیم دیتا اور اچھی تربیت کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے کچھ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے تو نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے حتیٰ کہ جب ان کے قریب ہوئے تو ان کو باہم گفتگو کرتے ہوئے سنا ان میں سے بعض نے کہا تعجب کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے خلیل بنایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا دوسرے صحابی نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام سے زیادہ تعجب خیز بات کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا ایک اور صحابی نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح ہیں ایک دوسرے صحابی نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہارے کلام اور تعجب کرنے کو سنا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور وہ اسی طرح ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور وہ (واقعی) اسی طرح ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا اور وہ اسی طرح ہیں حضرت آدم علیہ السلام کو چن لیا اور ان کی یہی شان ہے (لیکن) سنو! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور اس پر میں تکبر نہیں کرتا اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی اور اس پر مجھے فخر نہیں سب سے پہلے جنت کی کنڈی میں کھٹکھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے لئے دروازہ کھولے گا (اس کے حکم سے کھولا جائے گا) اور مجھے داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقیر مومن ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میں پہلے اور پچھلے سب سے زیادہ معزز ہوں اور مجھے فخر نہیں۔ (جامع ترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے (قبر سے) نکلنے والا ہوں گا اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے اور میں ان کا قائد ہوں گا جب وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اور میں ان کی سفارش کرنے والا ہوں گا جب وہ روکے جائیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہوں گے حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور جنت کی چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی اور میں اپنے رب کے ہاں تمام اولادِ آدم سے زیادہ معزز و محترم ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میرے گرد ایک ہزار خادم چکر لگائیں گے گویا وہ محفوظ کئے ہوئے موتی ہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام بیہقی نے روایت کیا اور الفاظ ان کے ہیں۔



## جنت میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی امت داخل ہوگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

نحن الاخرون الاولون يوم القيامة ونحن  
اول من يدخل الجنة. صحیح مسلم  
ہم (دنیا میں) سب سے آخر (اور) قیامت کے دن  
سب سے پہلے ہوں گے اور سب سے پہلے جنت میں ہم ہی  
داخل ہوں گے۔

انہی سے مروی ہے فرماتے ہیں: وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

نحن الاخرون الاولون يوم القيامة ونحن  
اول الناس دخولا الجنة. (صحیح مسلم)  
ہم سب سے آخر ہیں (لیکن) قیامت کے دن سب  
سے پہلے ہوں گے اور جنت میں سب لوگوں سے پہلے ہم  
ہی داخل ہوں گے۔

تو یہ امت زمین (قبروں) سے نکلنے میں تمام امتوں سے پہلے میدان محشر میں سب سے بلند مقام میں سب سے سبقت  
کرنے والی عرش کے سائے کی طرف سب سے آگے فیصلے میں سبقت کرنے والی پل صراط سے گزرنے میں سب سے  
پہلے جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے سب سے آگے ہوگی اور جنت میں سب سے زیادہ یہی امت ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن امام احمد رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے نقل کیا کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:-  
ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝  
انگوں میں سے ایک گروہ اور پچھلوں میں سے ایک

(الواقعة: ۳۹-۴۰) گروہ۔

تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو تم اہل جنت کا نصف ہو تم اہل جنت کا دو تہائی ہو۔  
امام طبرانی فرماتے ہیں: اس حدیث کو مرفوع نقل کرنے میں حضرت ابن مبارک تنہا ہیں وہ حضرت ثوری سے نقل  
کرتے ہیں۔

حضرت بہز بن حکیم کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اهل الجنة عشرون ومائة صف انتم منها  
ثمانون.  
اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے  
تمہاری اسی (۸۰) صفیں ہوں گی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۱، الکامل ج ۷ ص ۲۶۶، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۴۰۳)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ شروع میں آپ سمجھے ہوں کہ جنتیوں کا تہائی حصہ آپ کی امت ہے اور پہلوں کی  
کثرت کو دیکھتے ہوئے آپ یہ بات سمجھے پھر دیکھا کہ اصل تو مسادات ہے تو نصف کا قول فرمایا پھر وحی یا الہام کے ذریعے بتایا کہ دو تہائی  
ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۴۰۰)



ان الجنة حرمت علی الانبیاء کلہم حتی  
جنت تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر حرام ہوگی حتی کہ  
ادخلہا وحرمت علی الامم حتی تدخلہا امتی۔  
میں اس میں داخل ہو جاؤں اور تمام امتوں پر حرام رہے گی  
حتی کہ میری امت اس میں داخل ہو جائے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت زہری سے مروی غریب ہے۔  
سوال: تم اس حدیث کے بارے میں کیا کہو گے جسے امام ترمذی نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت  
کرتے ہوئے صحیح قرار دیا کہ ایک صبح رسول اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا اے بلال! تم کس وجہ  
سے جنت میں مجھ سے سبقت کر گئے میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے تمہاری آواز سنی۔  
جواب: ابن قیم نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آگے ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ اذان  
کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف پہلے بلا تے تھے اور ان کی اذان نبی اکرم ﷺ کے سامنے ہوتی تھی پس ان کا دخول آپ  
سے پہلے اسی طرح ہوگا جس طرح خادم اور محافظ پہلے داخل ہوتا ہے۔

اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کو اٹھایا جائے گا تو حضرت بلال آپ کے سامنے  
اذان دیں گے تو نبی اکرم ﷺ کے اعزاز و احترام اور آپ کے شرف و فضیلت کے لئے آگے ہوں گے یہ مطلب نہیں کہ  
حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ سے سبقت حاصل ہے۔  
ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا  
حضرت جبریل (علیہ السلام) میرے پاس آئے تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت  
داخل ہوگی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا  
حتی کہ اسے دیکھتا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! میری امت میں سے سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو  
گے۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ اس امت کے لئے ایک خاص دروازہ ہوگا جس سے یہ داخل  
ہوں گے دوسری امتیں اس میں سے داخل نہیں ہوں گی۔

سوال: نبی اکرم ﷺ جنت کے کس دروازے سے داخل ہوں گے؟  
جواب: حکیم ترمذی نے جنت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے جس طرح ان سے امام قرطبی نے ”التذکرہ“ میں ذکر کیا تو اس  
میں حضرت محمد ﷺ کے دروازے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وہ باب الرحمتہ ہے اور یہی ”باب التوبہ“ ہے۔

### جنت اور اس کے دروازوں کے نام

سوال: جنت کے دروازے کتنے ہیں؟

۱۔ امام زرقانی فرماتے ہیں ابن قیم کے اس جواب کو رد کیا گیا کیونکہ اگر خادم والی بات ہوتی تو حضور ﷺ یہ نہ فرماتے کہ تم مجھ سے کیسے سبقت  
لے گئے تو نبی اکرم ﷺ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مثالی صورت دکھا کر کہ وہ آگے جا رہے ہیں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اسلام  
میں سبقت لے کر آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں داخلہ کے مستحق ہوئے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۴۰۱)



جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث جسے امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے اس میں یوں آیا ہے: جو شخص ایک قسم کی دو چیزیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے گا اسے جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا اے اللہ کے بندے! یہ اچھا ہے پس جو نمازیوں میں سے ہوگا اس کو نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا جو اہل جہاد سے ہوگا اس کو جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا جو صدقہ دینے والوں میں سے ہوگا اس کو صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو روزہ داروں سے ہوگا اس کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔

امام ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما منکم من احد يتوضأ فيسبغ الوضوء ثم قال اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله الا فتحت له من ابواب الجنة الثمانية. تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے کلمہ شہادت پڑھے تو اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے آٹھ دروازے کھولے جائیں گے۔

لفظ ”من“ کا اضافہ ہے (جس میں بعض دروازوں کی طرف اشارہ ہے)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جنت کے دروازے آٹھ سے زیادہ ہیں وہ فرماتے ہیں ان کی تعداد تیرہ ہے اسی طرح کہا ہے۔ (مطلب یہ کہ ہمیں معلوم نہیں لیکن اسی طرح کہا گیا ہے)۔

سوال: نبی اکرم ﷺ کس جنت میں رہیں گے؟

جواب: جان لو! اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں جنت الفردوس میں اپنی ذات والا صفات کی زیارت سے متمتع فرمائے اللہ تعالیٰ نے جنتوں میں سے اپنے لئے ایک جنت کا انتخاب فرمایا (کہ اس کے نیک بندے اس میں رہیں) اور اس کو عرش کے قرب کے ساتھ خاص کیا اس (کے درختوں) کو اپنے دست قدرت سے گاڑھا اور یہ تمام جنتوں کی سردار ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نوع میں سے اس کے اعلیٰ وافضل کو مختار فرماتا ہے جس طرح فرشتوں میں سے جبریل علیہ السلام کو اور انسانوں میں سے حضرت محمد ﷺ کو مختار بنایا اور تمہارا رب جسے چاہے پیدا فرمائے اور مختار قرار دے۔

”طبرانی شریف میں“ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب رات کی آخری تین گھڑیاں باقی رہتی ہیں تو اللہ تعالیٰ (اپنی شایان شان) نزول فرماتا ہے ان میں سے پہلی ساعت میں اس کتاب میں نظر فرماتا ہے جسے اس کے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا پس اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے باقی رکھتا ہے پھر دوسری ساعت میں جنت عدن کی طرف نظر فرماتا ہے جس میں وہ رہتا ہے (مطلب یہ کہ اس جنت کو اس کے ساتھ خاص نسبت ہے سکونت مراد نہیں) اس کے ساتھ اس میں انبیاء کرام شہداء صالحین اور صدیقین کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا پھر رات کی آخری ساعت میں نزول فرما کر ارشاد فرماتا ہے:

ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا جو مجھ سے بخشش مانگے تو میں اس کو بخش دوں ہے کوئی مانگنے والا جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو عطا کروں ہے کوئی پکارنے والا جو مجھے پکارے تو میں اس کی پکار کو قبول کروں طلوع فجر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔



ابوالشیخ نے شہر بن عطیہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور وہ اسے ہر دن پانچ مرتبہ کھولتا ہے اور فرماتا ہے میرے دوستوں کے لئے تیری خوشبو زیادہ ہو جائے اور میرے دوستوں کے لئے تیرا حسن بڑھ جائے۔

تو اس (ربانی) عنایت میں غور کرو کس طرح جنت کو اپنے دست قدرت سے ان لوگوں کے لئے بنایا جن کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا وہ لوگ جن کا اہتمام و شرف مخلوق میں سے سب سے افضل ہے تاکہ اس مخلوق کی فضیلت اور شرف ظاہر ہو جس کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائیں۔

امام دارمی نے حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اپنے دست قدرت سے فرمائی، تورات کو اپنے دست قدرت سے لکھا اور جنت الفردوس کو اپنے دست قدرت سے قائم کیا۔ پھر فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اس جنت میں کوئی عادی شرابی اور دیوث (بے غیرت) داخل نہیں ہوگا۔ اس روایت میں ابو معشر کجج بن عبدالکریم راوی ہے جس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

امام دارمی نے ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، عرش، قلم، جنت عدن اور آدم علیہ السلام۔ پھر تمام مخلوق سے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گئی۔

امام دارمی ہی حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے تین چیزوں کے علاوہ کسی کو اپنا دست مبارک نہیں لگایا، حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، تورات کو اپنے دست قدرت سے لکھا اور جنت عدن کو اپنے دست قدرت سے گاڑھا (بنایا)۔

پس جنت عدن تمام جنتوں سے اعلیٰ اور ان میں سے افضل ہے اور یہ درمیان والی جنت ہے اس میں وہ ٹیلہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور اس پر آٹھ دیواریں ہیں ہر دو دیواروں کے درمیان باغ ہے اور جنت عدن سے ملی ہوئی جنت جنت فردوس ہے جس کا لغوی معنی باغ ہے۔

یہ جنت درمیان والی جنت ہے جو جنت عدن کے علاوہ اور اس سے افضل ہے پھر جنت الخلد ہے پھر جنت النعیم اور پھر جنت الماویٰ ہے اور یہ وہ جنت ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام اور دیگر فرشتوں کا ٹھکانہ ہے۔

حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہداء کی ارواح اس میں ٹھکانہ بناتی ہیں پھر دارالسلام میں جاتی ہیں کیونکہ وہ ہر مکروہ (ناپسندیدہ) بات سے سلامتی کا گھر ہے پھر دارالمقامہ ہے۔

جان لو! صفات کے اعتبار سے جنت کے کئی نام ہیں لیکن ذاتی حوالے سے ایک ہی نام ہے اور اس اعتبار سے وہ نام ایک دوسرے کے مترادف ہیں لیکن صفات کے اعتبار سے الگ الگ ہیں۔

پس جنت عام نام ہے جو ان تمام ذوات کو اور ان میں جو طرح طرح کی نعمتیں سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے سب کو شامل ہے اور یہ نام ستر (پوشیدگی) سے مشتق ہے اور اسی وجہ سے باغ کو جنت کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں داخل ہونے والا درختوں میں ڈھانپا جاتا ہے۔ اور جنتیں بہت زیادہ ہیں جیسا کہ حضرت حارثہ کے بدر میں شہید ہونے کے موقع پر ان



کی والدہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھے حضرت حارثہ کے بارے میں نہیں بتاتے اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں اور اگر وہ اس کے علاوہ ہیں تو ان پر رونے کی کوشش کروں۔

آپ نے فرمایا: اے ام حارثہ! جنت میں بے شمار جنتیں ہیں اور تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ کو پا چکا ہے اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ۝ (الرحمن: ۴۶) اور جسے اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے کا ڈر ہو اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

آپ نے ان دونوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وَمِنْ ذُوْنِهِمَا جَنَّاتٌ ۝ (الرحمن: ۶۳) اور ان کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں۔

یعنی یہ چار جنتیں ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے اور دو جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ سونے کا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

### جنت میں داخل ہونے کے لئے عمل کا اثر

بعض حضرات نے جنت میں داخل ہونے والوں کے اعتبار سے جنتوں کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) اختصاص الہی (یعنی وہ جنت جو اللہ کے ساتھ ہے) اس جنت میں وہ بچے داخل ہوں گے جو بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے اور زمانہ فترت (جس دور میں کوئی نبی نہیں آئے) کے لوگ اور وہ جن تک کسی رسول کی دعوت نہیں پہنچی اسی جنت میں جائیں گے۔

(۲) دوسری جنت، جنت میراث ہے اس کو ہر وہ مؤمن جو جنت میں جائے گا، حاصل کرے گا اور یہ مقامات وہ ہیں جو جہنمیوں کے لئے مقرر تھا اگر وہ جنت میں جاتے تو ان مقامات میں داخل ہوتے۔

(۳) تیسری جنت، اعمال کی جنت ہے جس میں لوگ اپنے اپنے اعمال کی وجہ سے اتریں گے اور جو شخص فضیلت کی مختلف وجوہ کی وجہ سے دوسروں سے افضل ہوگا اس کے لئے جنت میں زیادہ مقام ہوگا اور برابر ہے کہ وہ فاضل، بفضول سے کم درجہ ہو یا نہ ہو۔ البتہ اس مقام پر اس کی فضیلت اس حالت کی وجہ سے ہوگی ہر عمل کے لئے جنت ہے اور ان کے درمیان فضیلت ان کے احوال کے تقاضے کے مطابق ہوگی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے بلال! تم کس وجہ سے جنت کی طرف جانے میں مجھ سے آگے نکل گئے (یہ حدیث گزر چکی ہے)۔

پس معلوم ہوا کہ یہ مخصوص جنت ہے تو ہر فرض، نفل، اچھا کام کرنے اور برے کام کو چھوڑنے کے لئے مخصوص جنت اور خاص نعمت ہے جسے اس میں داخل ہونے والا پائے گا اور بعض اوقات ایک زمانے میں ایک آدمی عبادات میں سے کئی اعمال کو جمع کر لیتا ہے تو ایک ہی زمانے میں مختلف وجوہ سے اسے اجر دیا جاتا ہے پس وہ اپنے غیر سے جس میں وہ اعمال نہیں ہوتے، افضل ہو جاتا ہے۔



پس یہ بات واضح ہو گئی کہ جنتوں میں منازل اور درجات کا حصول اعمال کی بنیاد پر ہوگا جہاں تک داخل ہونے کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا جس طرح ”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لن يدخل احد الجنة بعمله قالوا ولا انت يا رسول الله؟ قال ولا انا الا ان تغمدني الله برحمته.  
کوئی شخص بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

یعنی اپنی رحمت کے لباس اور پردے میں کر لے یہ لفظ غمد السیف سے بنا ہے اور غمد اس کے غلاف کو کہتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر نہیں جائے گا صحابہ کرام نے عرض کیا اور یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور آپ نے دست مبارک سے سر کے اوپر کی طرف اشارہ فرمایا یعنی جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا اور بندے کا عمل اس میں داخل ہونے کا مستقل سبب نہیں اگرچہ وہ سبب قرار پاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی بنیاد پر جنت میں داخلہ کا ثبوت ان الفاظ میں ذکر فرمایا: **وَلِئَلَّكَ الْجَنَّةُ اَوْ رِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ** (الزخرف: ۷۲) بنایا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخلے کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **لن يدخل احد منكم الجنة بعمله.** تم میں سے کوئی شخص ہرگز اپنے عمل کے ذریعے جنت میں نہیں جائے گا۔

لیکن دونوں میں کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ سفیان وغیرہ نے ذکر کیا انہوں نے فرمایا: اسلاف کہا کرتے تھے کہ جہنم سے نجات اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے سے حاصل ہوگی اور جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا جبکہ منازل و درجات کی تقسیم اعمال کی بنیاد پر ہوگی اس پر حضرت ابو ہریرہ کی حدیث دلالت کرتی ہے فرماتے ہیں:

ان اهل الجنة اذا دخلوها نزلوا فيها بفضل اعمالهم. (جامع ترمذی)  
اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہ وہاں اپنے اعمال کی فضیلت کے اعتبار سے اتریں گے۔

ابن بطال نے کہا آیت کا محل یہ ہے کہ جنت میں منازل کا حصول اعمال کی بنیاد پر ہوگا کیونکہ جنت کے درجات اعمال کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہیں اور حدیث کا محل جنت میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا ہے پھر انہوں نے اس پر اس آیت کریمہ کے ذریعے اعتراض کیا:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ

تم پر سلامتی ہو اپنے اعمال کے باعث جنت میں



داخل ہو جاؤ۔

تَعْمَلُونَ (النحل: ۳۲)

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بتایا کہ جنت میں داخلہ بھی اعمال کی بنیاد پر ہوگا تو اس کا جواب یوں دیا کہ لفظ مجمل ہے اور اس کو حدیث شریف نے بیان کیا۔

تقدیر عبارت یوں ہے ”ادخلوا منازل الجنة وقصورها بما كنتم تعملون جنت کی منازل اور اس کے محلات میں اپنے اعمال کی وجہ سے داخل ہو جاؤ“ اس سے اصل داخلہ مراد نہیں۔ (ابن بطال نے) پھر فرمایا یہ بھی جائز ہے کہ حدیث شریف آیت کی تفسیر کرتی ہو۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی ”ادخلوها بما كنتم تعملون مع رحمة الله لكم وتفضله جنت میں اپنے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل کے ساتھ داخل ہو جاؤ“۔ کیونکہ جنت کی منازل کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ ہوگی اسی طرح جنت میں اصل داخلہ بھی اس کی رحمت سے ہوگا کہ وہ عمل کرنے والوں کو اس بات کا الہام کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اسے پاتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اجر بھی عطا کرتا ہے وہ اس کی رحمت و فضل سے خالی نہیں اللہ تعالیٰ نے شروع میں ان کو پیدا کرنے، پھر ان کو رزق عطا کرنے اور پھر ان کو تعلیم دینے کے ذریعے بھی فضل فرمایا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عمل کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے اسی طرح اپنی اطاعت کے لئے ہدایت بھی وہی عطا کرتا ہے عمل کرنے والا ان میں سے کسی چیز کا استحقاق اپنے عمل سے حاصل نہیں کرتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہوتا ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ جو کچھ حدیث اور آیت کریمہ میں ہے وہ ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے کیونکہ جس باء کے ذریعے داخلہ ثابت کیا گیا وہ ”باء“ کے لئے ہے جس پر وہ داخل ہوتی ہے وہ دوسری بات کے لئے سبب ہوتی ہے اگرچہ وہ اس کے حصول کے لئے مستقل (سبب) نہ ہو۔

اور وہ ”باء“ جو داخلے کی نفی کرتی ہے وہ معاوضہ کی ”باء“ ہے جس میں ایک بات دوسری کے لئے عوض (اور بدلہ) بنتی ہے جیسے (کہا جاتا ہے) ”اشتریت منه بكذا میں نے اس سے فلاں چیز کو فلاں چیز کے عوض خریدا“۔

تو بتایا کہ جنت میں داخل ہونا کسی شخص کے عمل کے مقابلے میں نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر رحمت نہ ہو تو وہ اسے جنت میں داخل نہ کرے کیونکہ محض عمل چاہے وہ انتہا کو پہنچ جائے جنت کو واجب نہیں کرتا اور نہ اس کا عوض ہو سکتا ہے کیونکہ اگر عمل اس طریقے پر بھی ہو جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے تب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بدلہ نہیں ہو سکتا بلکہ تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت کے برابر بھی نہیں ہو سکتے پس اگر وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے تو اس پر اس نعمت کا شکر باقی ہے جسے ادا نہ کر سکے اسی لئے اگر وہ تمام آسمانوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو اس میں وہ ظلم کرنے والا نہ ہوگا اور اگر وہ ان سب پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی جس طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جسے امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ نے نقل کیا۔

یہ جبریہ فرقے کے لئے واضح بیان ہے جو حکمت و تعلیل کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبادت کرنے پر انسان مجبور

۱۔ حدیث شریف اس طرح ہے ”اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان پر ظلم کرنے والا نہ ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم کرے تو وہ ان کے اعمال سے بہتر ہے۔“



ہے وہ محض امر کا پابند ہے اور یہ دنیا اور آخرت میں کسی سعادت کا باعث نہیں اور نہ ہی اعتقاد رکھنے والوں کے لئے نجات کا ذریعہ ہے نیز آگ جلانے کا سبب اور پانی سیراب کرنے اور ٹھنڈا کرنے کا سبب نہیں ہے۔

اور قدر یہ فرقے کا بھی رد ہے جو حکمت و تعلیل میں سے ایک نوع کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبادات اسی لئے رکھی گئی ہیں کہ بندہ جو ثواب اور نعمت حاصل کرتا ہے اس کی قیمت بنیں یہ اسی طرح ہے جس طرح مزدور اجرت حاصل کرتا ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل کا بدلہ بنایا ہے جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

اپنے عمل کے بدلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(النحل: ۳۲)

اور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے ذکر فرمایا:

یا عبادی انما ہی اعمالکم احصیہا لکم  
ثم اوفیکم ایاہا۔

اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں

تمہارے لئے شمار کرتا ہوں پھر تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔

یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے سخت مقابلہ کرتے ہیں اور ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جب جبر یہ فرقہ نے اعمال کو جزاء سے بالکل نہیں ملایا اور قدر یہ نے محض اعمال کو جزاء کا سبب اور اسے اس کی قیمت قرار دیا۔ یہ دونوں گروہ ظالم ہیں اور صراط مستقیم جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے اس کے رسولوں نے اسے پیش کیا اور اس مقصد کے لئے کتب نازل ہوئیں یہ دونوں فرقے اس (صراط مستقیم) سے منحرف ہیں۔

صراط مستقیم یہ ہے کہ اعمال ایسے اسباب ہیں جو ثواب و عذاب کی طرف پہنچاتے ہیں اور ان (ثواب و عذاب) کا تقاضا اسی طرح کرتے ہیں جس طرح تمام اسباب اپنے مسببات کو چاہتے ہیں نیز یہ کہ اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کے احسان اور بندے پر اس کی طرف سے کرم کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے اور اسے اعمال صالحہ کی توفیق دے نیز اس میں اعمال کا ارادہ اور ان پر قدرت کو پیدا فرمائے اس کے دل میں ان کی محبت ڈالے اور مزین کرے نیز برے اعمال کو اس کے لئے ناپسندیدہ قرار دے اس کے باوجود یہ جزاء و سزا کی قیمت نہیں بلکہ ان کی انتہا یہ ہے کہ اگر یہ اعمال بارگاہ خداوندی میں قبول ہو جائیں تو یہ اس کا شکر ادا کرنا ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے جنت میں داخلے کو عمل سے جوڑنے کی نفی فرمائی اور قدر یہ کا رد فرمایا جو کہتے ہیں کہ جزاء محض اعمال کا بدلہ اور اس کی قیمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخلے کے لئے عمل کو سبب قرار دے کر جبر یہ فرقے کا رد کیا جو اعمال اور جزاء کے درمیان کسی تعلق کے قائل نہیں ہیں پس واضح ہوا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کیونکہ نفی اور اثبات ایک ہی بات پر وارد نہیں ہوئے نفی اس بات کی ہے کہ محض عمل سے جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا اور اعمال جزاء کی قیمت اور عوض نہیں اس طرح قدر یہ فرقے کا رد کیا اور جو بات ثابت ہے وہ عمل کے سبب جنت میں داخل ہونا ہے اور یہ جبر یہ کا رد ہے اور اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

حافظ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ عمل محض عمل ہونے کے اعتبار

۱۔ جبر یہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ انسان جمادات کی طرح ہیں ان کو کوئی اختیار نہیں اور قدر یہ فرقہ بندوں کو خود اپنے افعال کا خالق مانتا ہے اور یہ

دونوں غلطی پر ہیں اہل سنت کے نزدیک بندہ محض مجبور بھی ہیں بلکہ مختار نہیں اور اپنے افعال کا سبب ہے خالق نہیں۔ ۱۲ ہزاروی



سے عامل کو جنت میں داخل ہونے کا فائدہ نہیں دیتا جب تک وہ مقبول نہ ہو اور جب بات یہ ہے تو قبولیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جس کا عمل قبول ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتا ہے اسی بنیاد پر فرمایا:

أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○

اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(النحل: ۳۲)

یعنی تم جو مقبول عمل کرتے ہو (اس کے باعث جنت میں داخل ہو جاؤ) اور اس صورت میں ”باء“ کا مصاحبت یا الصاق یا مقابلہ کے لئے ہونے میں کوئی نقصان نہیں اور اس اعتبار سے اس کا سببیت کے لئے ہونا لازم نہیں آتا۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اعمال کی بنیاد پر جنت میں داخل ہونے کو قطعی قرار دیا اور آیت کریمہ اور حدیث کو یوں جمع کیا کہ اعمال کی توفیق اور ہدایت ان میں اخلاص سے حاصل ہوتی ہے اور اعمال کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے ہوتی ہے پس یہ بات صحیح ہے کہ محض عمل کی وجہ سے جنت میں داخلہ نہیں ہو گا اور حدیث کی مراد بھی یہی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ عمل کے سبب سے داخل ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

امام دارقطنی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نعم الرجل انا لشرار امتی فقالوا كيف  
انت لخيرها فقال اما خيارها فيدخلون الجنة  
باعدالهم واما شرار امتی فيدخلون الجنة  
بشفاعتی۔

میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے اچھا مرد  
ہوں صحابہ کرام نے عرض کیا آپ امت کے اچھے لوگوں  
کے لئے کیسے ہیں؟ فرمایا: امت کے اچھے لوگ اپنے اعمال  
کے سبب جنت میں جائیں گے لیکن میری امت کے برے  
لوگ میری شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔

اس کو عبدالحق نے ”العاقبة“ میں ذکر کیا۔

### کوثر کے ساتھ آپ ﷺ کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کو جنت میں کوثر کی فضیلت بھی حاصل ہوگی۔ لفظ کوثر ”فَوْعَلٌ“ کے وزن پر ہے اور اس کا معنی کثرت ہے۔ ایک بہت بڑی نہر کو کوثر کہا گیا کیونکہ اس کا پانی اور برتن زیادہ ہوں گے اور اس کی قدر و منزلت اور بھلائی بہت بڑی ہوگی۔

”الکوثر“ کی تفسیر میں مفسرین نے دس سے زیادہ اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے اکثر کا ذکر ہم نے اس کتاب کے چھٹے مقصد میں کیا ہے پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے عمومی طور پر خیر کثیر مراد ہے لیکن چونکہ نبی اکرم ﷺ کے الفاظ مبارکہ سے اس کی نہر سے تخصیص ثابت ہے لہذا اس سے رجوع نہیں ہو سکتا۔

امام مسلم ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے محمد بن فضیل اور علی بن مسھر کے طریق سے نقل کیا وہ دونوں حضرت مختار بن قفل سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں الفاظ امام مسلم کے ہیں فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ نے کچھ دیر اونگھنے کے بعد تبسم فرماتے ہوئے سر انور اٹھایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے



پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
اِنَّا اَعْطٰیْكَ الْکَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّکَ  
وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (الکوثر: ۱-۳)

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے  
بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا، پس اپنے  
رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں، بے شک آپ کا  
دشمن ہی ناامراد ہوگا۔

پھر فرمایا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے  
جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔  
لیکن اس میں کوثر کا اطلاق حوض پر ہے اور ”صحیح بخاری میں“ واضح الفاظ میں آیا ہے کہ کوثر وہ نہر ہے جو حوض میں گرتی  
ہے۔

اور امام احمد کے نزدیک یوں ہے کہ نہر کوثر حوض کی طرف کھلتی ہے۔  
امام مسلم کے نزدیک یوں ہے:

یغت فیہ یعنی الحوض میزابان یمدانه من  
الجنة احدهما من ذهب والاخر من ورق.  
اس حوض میں دو پرنا لے گرتے ہیں جو جنت سے  
کھینچے گئے ہیں ان میں سے ایک سونے کا ہے اور دوسرا  
چاندی کا۔

یغت غین کے ساتھ ہے یعنی گرتے ہیں۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں  
وہ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ کو آسمان کی طرف معراج کرایا گیا تو آپ فرماتے ہیں میں ایک نہر پر تھا جس کو  
موتیوں کے گنبدوں نے گھیر رکھا تھا میں نے کہا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ کوثر ہے۔

ابن جریر نے حضرت شریک بن ابی نمر سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ  
عنہ سے سنا وہ ہم سے بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کو معراج شریف کرایا گیا اور حضرت جبریل علیہ  
السلام آپ کو لے کر چلے تو وہاں ایک نہر تھی جس پر موتیوں اور زبرجد کا محل تھا آپ اس کی مٹی کی خوشبو سونگھنے لگے تو وہ  
کستوری تھی آپ نے پوچھا اے جبریل! یہ نہر کیسی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کے  
لئے پوشیدہ (اور محفوظ) رکھا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوثر کیا ہے؟  
آپ نے فرمایا: جنت میں ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کی ہے وہ (اس کا پانی) دودھ سے زیادہ سفید اور شہد  
سے زیادہ میٹھا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے قول ”اِنَّا اَعْطٰیْکَ  
الْکَوْثَرَ“ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:



نہر اعطیہ نبیکم شاطناہ علیہ در مجوف وہ ایک نہر ہے جو تمہارے نبی ﷺ کو دی گئی ہے  
انیتہ کعدد النجوم۔ اس کے کناروں پر ایسے موتی ہیں جو اندر سے خالی ہیں اور  
اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔

”شاطناہ“ یعنی اس کے کنارے ”در مجوف“ وہ تہ جو اس کے کنارے پر ہیں۔  
امام نسائی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ ام المؤمنین نے فرمایا:

نہر فی بطنان الجنة قلت وما بطنان الجنة وہ نہر جنت کے بطنان میں ہے میں نے پوچھا  
قالت وسطها حافتاه قصور اللؤلؤ والياقوت بطنان کیا ہے؟ فرمایا: اس کا درمیان اس کے کناروں پر  
ترابہ المسک وحصاؤہ اللؤلؤ والياقوت۔ موتیوں اور یاقوت کے محلات ہیں اس کی مٹی کستوری اور  
اس کی ریت موتی اور یاقوت ہیں۔

بطنان۔ باء پر پیش ہے اس کے بعد طاسا کن اور آخر میں نون ہے۔  
وسطا۔ میں ”سین“ پر زبر ہے اس سے مراد اس کا اعلیٰ اور قدر کے اعتبار سے بلند حصہ ہے اور وہ درمیان والا حصہ ہے۔  
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے  
جس کے کنارے سونے کے ہیں اور پانی موتیوں پر جاری ہے اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا  
ہے۔

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ ”انا اعطیناک الکوثر“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ  
جنت میں ایک نہر ہے جس کی گہرائی ستر ہزار فرسخ ہے (فرسخ تقریباً آٹھ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے) اس کا پانی دودھ سے  
زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اس کے کناروں پر موتی زبرجد اور یاقوت ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے دیگر انبیاء سے پہلے  
نبی اکرم ﷺ کے لئے خاص کیا۔ اس حدیث کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:  
ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے (یعنی جنت میں) وہ (اس کا پانی) دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے  
زیادہ میٹھا ہے اس میں پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹ کی گردن جیسی ہیں (اعناق البخت فرمایا اعناق الجوز)  
(بخت ایک خاص قسم کا اونٹ اور جزر جیم پر پیش اور اس کے بعد زاء ہے جزور کی جمع ہے اونٹ کو کہتے ہیں)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ بہت اچھے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا ان کو کھانے والے ان سے بھی  
عمدہ ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوثر سے متعلق احادیث تو اتر کے ساتھ مروی ہیں یعنی ان کے طرق روایت اکثر  
ائمہ حدیث کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ اسی طرح حوض سے متعلق احادیث ہیں وہ فرماتے ہیں اسی طرح  
حضرت انس اور العالیہ مجاہد اور متعدد اسلاف سے مروی ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے۔



## وسیلہ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کو جنت میں وسیلہ بلند درجہ اور فضیلت کا جو اعزاز حاصل ہوگا تو حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب تم مؤذن سے (اذان) سنو تو اس کی مثل کہو جو وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود شریف پڑھو جو آدمی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں پس جس نے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا اس کے لئے میری شفاعت جائز ہوگئی۔

عماد الدین ابن کثیر نے کہا کہ وسیلہ جنت میں اعلیٰ مقام کے اوپر ایک جھنڈا ہے اور وہ جنت میں نبی اکرم ﷺ کی منزل اور مقام ہے اور جنت کے مکانات میں سے یہ عرش کے زیادہ قریب ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: وسیلہ ”فعیلة“ کے وزن پر ہے ”وسل الیہ“ سے بنا ہے جب تقرب ہوتا ہے تو یہ لفظ کہا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے ”توسلت“ یعنی ”تقربت“ میں قریب ہوا اور بلند مرتبہ پر بھی بولا جاتا ہے جس طرح اس حدیث میں فرمایا تو یہ جنت میں ایک مرتبہ ہے اور اس کو پہلے معنی کی طرف بھی لوٹایا جاسکتا ہے کیونکہ اس مقام تک پہنچنے والا اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے پس یہ اس قربت (عبادت) کی طرح ہے جس کے ذریعے قرب حاصل ہوتا ہے۔

اور جب نبی اکرم ﷺ مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے عبادت گزار ہیں اس کی معرفت سب سے زیادہ رکھتے ہیں سب سے زیادہ خشیت اور سب سے بڑی محبت کے حامل ہیں تو آپ کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے اور یہ جنت کا اعلیٰ درجہ ہے اور آپ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ اس کا سوال کریں تاکہ وہ اس دعا کے ذریعے قرب اور ایمان میں اضافہ حاصل کریں۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ کے لئے کچھ اسباب رکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی امت اس مقصد کے لئے دعا کرے کیونکہ انہوں نے آپ کے ہاتھوں سے ہدایت و ایمان کی دولت حاصل کی ہے۔

فضیلت ایک ایسا مرتبہ ہے جو تمام مخلوق سے زائد ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی دوسرا مقام و مرتبہ ہو یا وسیلہ کی تفسیر ہو۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الوسیلہ درجۃ عند اللہ عزوجل لیس فوقہا درجۃ فلوا اللہ لی الوسیلۃ. (مسند احمد)

وسیلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک درجہ ہے جس سے اوپر کوئی درجہ نہیں پس اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو۔

ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: وسیلہ ایک درجہ ہے جنت میں اس سے اعلیٰ کوئی درجہ نہیں پس اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ وہ مخلوق کی موجودگی میں مجھے عطا فرمائے۔

۱۔ اذان کے بعد اس دعا کی تخصیص کیوں ہے تو اس سلسلے میں امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جب حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق مؤذن نماز کی طرف بلاتا ہے اور نماز قرب خداوندی کا ذریعہ اور مومنوں کی معراج ہے جو بندوں پر احسان خداوندی ہے تو وسیلہ جو قرب خداوندی کا دوسرا نام ہے اس کے لئے دعا کا حکم دیا تاکہ جیسا عمل ہے اسی قسم کی جزا بھی ہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۴۱۲)



ابن مردویہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ کون ٹھہرے گا؟ فرمایا حضرت علی المرتضیٰ فاطمہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم۔

لیکن حافظ عماد الدین بن کثیر نے کہا کہ یہ حدیث اس سند سے نہایت غریب اور منکر ہے۔

ابن ابی حاتم نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ انہوں نے کوفہ میں منبر پر فرمایا: اے لوگو! جنت میں دو موتی ہیں ایک سفید اور دوسرا زرد سفید موتی عرش کی جانب بلند ہے اور مقام محمود سفید موتی سے ہے یہ ستر ہزار کمرے ہیں ان میں سے ہر ایک کمرہ تین میل ہے اور اس کے کمروں دروازوں خاندانوں اور وہاں کے رہنے والوں کی اصل ایک ہے اور اس کا نام وسیلہ ہے۔

یہ (وسیلہ) حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے۔ زرد رنگ کا موتی بھی اسی طرح ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے۔ یہ روایت بھی غریب ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے آگاہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ ارشاد خداوندی: ”وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ“ (النحل: ۵) اور عنقریب آپ کا رب آپ کو عطا کرے گا تو آپ راضی ہو جائیں گے“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں ایک ہزار محلات عطا فرمائے گا ہر محل میں آپ کے شایان شان ازواج اور خادم ہوں گے۔ اس حدیث کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا اور اس قسم کی بات اسی وقت کہی جاتی ہے جب سنی ہو پس یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے (حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے)۔

## خاتمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں آپ مجھے سب گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں مجھے آپ سے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت ہے میں گھر میں آپ کا ذکر کرتا ہوں لیکن جب تک حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کروں مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔

اور جب میں اپنی موت اور آپ کے وصال کو یاد کرتا ہوں تو یہ جان کر کہ آپ جنت میں جانے کے بعد انبیاء کرام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے تو مجھے یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ میں جنت میں جا کر آپ کی زیارت نہیں کر سکوں گا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لے کر اترے:

اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت ہی ایمان کی علامت ہے اور اسی محبت کو ایک اور حدیث میں ایمان کی چاشنی قرار دیا گیا لہذا مسلمان پر لازم ہے کہ آپ ﷺ سے محبت کرے اور اس کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کا ذکر کرے محافل میلاد کا انعقاد کرے اور آپ کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا اور اطاعت رسول ﷺ کا عملی مظاہرہ بھی کرے۔ ۱۲ ہزار دی



وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ  
الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّالِحِينَ  
وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا  
اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا  
ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور  
شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔  
(النساء: ۶۹)

اس حدیث کو ابو نعیم نے روایت کیا۔

حافظ ابو عبد اللہ مقدسی نے کہا میں اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ”حادی الارواح (الی دیار  
الافراح) میں“ اسی طرح نقل کیا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے ”معالم التنزیل“ میں ان الفاظ میں ذکر کیا۔

کہ یہ آیت کریمہ نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی اکرم ﷺ  
سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ (کو دیکھنے) سے صبر بہت کم کرتے تھے ایک دن حاضر خدمت ہوئے تو رنگ بدلا  
ہوا تھا یعنی چہرے پر غم کے آثار تھے نبی اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا آپ کا رنگ کیوں بدل گیا ہے؟ عرض کیا یا رسول  
اللہ! مجھے کوئی درد یا بیماری نہیں ہے لیکن جب میں آپ کی زیارت نہیں کر سکتا تو مجھے سخت وحشت ہوتی ہے حتیٰ کہ آپ سے  
ملاقات کر لوں پھر انہوں نے آخرت کا ذکر کرتے ہوئے کہا مجھے ڈر ہے کہ میں (آخرت میں) آپ کو دیکھ نہ سکوں کیونکہ  
آپ تو انبیاء کرام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے اور میں اگر جنت میں چلا بھی گیا تو آپ سے نچلے درجہ میں ہوں گا اور  
جنت میں نہ جاسکا تو آپ کو کبھی بھی دیکھ نہیں سکوں گا۔ اس پر یہ (مندرجہ بالا) آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(تفسیر البغوی ج ۱ ص ۳۵۸، تفسیر سورۃ النساء آیت: ۶۹)

ابن ظفر نے ”نبوغ الحیاة“ میں اسی طرح ذکر کیا لیکن فرمایا کہ وہ شخص حضرت عبد اللہ بن زید انصاری ہیں جنہوں  
نے خواب میں اذان کا واقعہ دیکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے کا انبیاء کرام اور صدیقین کے ساتھ ہونا اس اعتبار سے نہیں کہ وہ  
سب ایک درجہ میں ہوں گے کیونکہ اس سے فاضل و مفضل کا ایک درجہ میں ہونا لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں۔ بلکہ اس  
سے جنت میں اس طرح ہونا مراد ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو دیکھ لے اگرچہ مکان دور ہو۔ کیونکہ جب پردہ  
ہٹ جائے گا تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ لیں گے جب وہ زیارت اور ملاقات کا ارادہ کریں گے تو اس پر قادر ہوں گے پس  
اس معیت (ساتھ ہونے) سے یہی مراد ہے۔

”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ!  
قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا کچھ بھی نہیں البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے  
رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر کہ تم جس سے محبت کرو گے اسی کے  
ساتھ ہو گے جس قدر خوش ہوئے اس قدر کسی بات پر خوش نہیں ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم  
ﷺ، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میں ان سے محبت کی وجہ سے ان



کے ساتھ ہوں گا۔

حدیث قدسی جسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور طبرانی نے غریب سند کے ساتھ نقل کیا، میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے جو قرب حاصل کرتا ہے اس کے علاوہ نہیں کرتا اور وہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں (طویل حدیث ہے اور معروف ہے)۔

اس میں ”صحیح بخاری کی“ حدیث سے یہ بات زائد بھی ہے کہ وہ میرے دوستوں اور خاص بندوں میں ہو جاتا ہے اور وہ جنت میں انبیاء کرام صدیقین اور شہداء کے ساتھ میرے پڑوس (خصوصی قرب) میں ہوگا۔

تو محبت کرنے والوں کا شرف اور ان پر نعمت کس قدر ہے؟ محبت جنت میں اعلیٰ درجات کی طرف ترقی کرے گا حتیٰ کہ اسے یوں دیکھا جائے گا جس طرح آسمانوں کے افق میں باقی رہنے والے ستارے کو دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہو گی کہ اس کا درجہ بلند ہوگا اس کا مقام اس کے محبوب کے قریب اور اس کے ساتھ ہوگا کیونکہ ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر عمل کی جزاء ہے اور محبت کی جزا محبت اور محبوب کا وصل و قرب ہے۔

ایک عورت جو (گناہوں کے ذریعے) اپنے نفس پر زیادتی کرنے والی تھی مرنے کے بعد اسے کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا مجھے بخش دیا پوچھا گیا کیوں؟ اس نے کہا اس لئے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے محبت تھی اور میں آپ کی زیارت کی خواہش رکھتی تھی تو آواز دی گئی جو شخص ہمارے محبوب ﷺ کو دیکھنا چاہتا ہے ہمیں حیا آتا ہے کہ ہم اسے عذاب دے کر ذلیل کریں بلکہ ہم حضور ﷺ اور آپ سے محبت کرنے والوں کو اکٹھا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر غور کرو:

طُوبَىٰ لِّهٖمۡ وَحَسَنُ مَاۤیۡٓ (الرعد: ۲۹)

ان کے لئے طوبیٰ اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

طوبیٰ ایک درخت کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لگایا جس سے زیورات اور قیمتی جوڑے اُگتے ہیں اور اس کی شاخیں جنت کی دیواروں کے باہر سے دکھائی دیتی ہیں اس کی اصل نبی اکرم ﷺ کے مکان میں ہے اور ہر مؤمن کے گھر میں اس کی ایک ٹہنی ہے پس ہر جنت میں طوبیٰ درخت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے تاکہ حضور ﷺ ہر نعمت کا مرکز ہوں اور ہر ولی کو آپ ﷺ سے حصہ حاصل ہو اور نبی اکرم ﷺ نے جنت کو بھر دیا پس ہر ولی کو جنت میں جو نعمت حاصل ہوگی نبی اکرم ﷺ کو وہ نعمت ضرور حاصل ہوگی کیونکہ ولی جس نعمت تک پہنچتا ہے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی وجہ سے اسے حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے اس کے حصول نعمت میں سرنیوت قائم ہوتا ہے اسی طرح ابلیس نے جہنم کو بھر دیا لہذا کسی بھی جہنمی کو جو عذاب ہوتا ہے تو اس کو پہنچنے والے عذاب میں ابلیس، لعین کا حصہ ہوتا اور وہ اس میں شریک ہوتا ہے۔

ابو حیان کی تفسیر ”البحر“ میں ارشاد خداوندی:

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا

ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے نہایت خاص

بندے پئیں گے اپنے مخلوق میں اسے جہاں چاہیں بہا کر

تَفَجِّرُهَا. (الدھر: ۶)

لے جائیں گے۔



کی تفسیر کے سلسلے میں کہا گیا کہ یہ رسول اکرم ﷺ کے مکان کا چشمہ ہے جس سے انبیاء کرام اور مؤمنین کے مکانات کی طرف چشمے پھوٹتے ہیں جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ جنت کی سب سے بڑی اور سب سے کامل نعمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی زیارت کے ذریعے نفع حاصل کرنا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے قرب سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا شرف حاصل کرنا ہے جو جنتوں اور ان کی نعمتوں سے بڑی نعمت ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ (التوبہ: ۷۲)

اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی (نعمت ہے)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاملہ اس سے بھی بڑا ہے جو کسی دل میں کھٹکتا ہے یا خیال میں گردش کرتا ہے خصوصاً جب محبت کرنے والوں کو انس کے باغ اور دربارِ عالی میں اپنے محبوب کی معیت حاصل ہوگی جو ان کے مطلوب کی غایت ہے پس کون سی نعمت کون سی لذت کون سی آنکھوں کی ٹھنڈک اور کون سی کامیابی اس معیت اس کی لذت اور اس کے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک کے برابر ہو سکتی ہے اور کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی معیت کے ذریعے آنکھوں کو حاصل ہونے والی ٹھنڈک کی نعمت سے بڑھ کر کوئی نعمت ہو سکتی ہے اللہ کی قسم! کوئی چیز اس حاضری سے زیادہ کامل زیادہ خوبصورت زیادہ روشن زیادہ میٹھی زیادہ بلند و بالا اور زیادہ قیمتی نہیں ہے جس میں محبت اپنے احباب کے ساتھ عزت و اکرام کے مقامات میں جمع ہوگا اور جب ان کے لئے ان کا محبوب اور ان کا معبود جو سچا معبود ہے ایک حجاب کے پیچھے اپنے جمیل لطیف اسم میں روشن ہوگا۔ پس ان پر اس نور کا فیضان ہوگا جو ان کی ذاتوں میں چلے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کو دیکھ کر حیران ہوں گے اور اسی جمال اقدس کے نور سے ان کی ذوات روشن ہوں گی اور یہ اس رسول ﷺ کے سامنے ہوگا جو سب سے بڑے سردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرمائے گا اے میرے بندو! تم پر سلام ہو اے میرے اہل محبت تمہیں خوش آمدید تم امن والے مؤمن ہو آج تم پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے تم میرے دوست مقرب اور احباب ہو میں ہی اللہ جو ادغنی ہوں اور یہ میرے گھر ہیں کہ میں نے اس میں تمہیں ٹھہرایا ہے اور یہ میری جنت ہے جو میں نے تمہیں عطا کی ہے اور یہ میرا ہاتھ ہے جو تم پر کھلا ہے اور میں تمہارا رب ہوں تمہاری طرف دیکھتا ہوں اور اپنی نظر (رحمت) کو تم سے پھیرتا نہیں میں تمہارا ہمنشین ہوں اور تمہیں مجھ سے انس حاصل ہوتا ہے اپنی حاجات میرے سامنے پیش کرو تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہماری حاجات یہ ہیں کہ ہم تیری ذات کریمہ کی زیارت کریں اور تو ہم پر راضی ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ میرا چہرہ پاک (ذات پاک) ہے پس اسے دیکھ کر خوش ہو جاؤ بے شک میں تم سے راضی ہوں پھر وہ حجاب اٹھا کر ان کے سامنے بجلی فرمائے گا تو وہ سجدے میں گر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اپنے سروں کو اٹھاؤ اے میرے بندو! یہ سجدے کی جگہ نہیں میں نے تمہیں صرف اس لئے بلایا ہے کہ تم میری زیارت سے نفع حاصل کرو اے میرے بندو! میں تم سے راضی ہوں پس تم پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔

یہ کلمہ کس قدر شیریں اور یہ خوشخبری کتنی لذیذ ہوگی اس وقت وہ کہیں گے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ وَأَحَلَّنَا  
دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمُسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا  
غَمٌّ كَدٌّ وَلَا حَزَنٌ  
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سے  
غم کو دور کیا اور اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا



يَمْتَسِنَا فِيهَا لُغُوبٌ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ

اس میں نہ کوئی تھکاوٹ ہے، بے شک ہمارا رب بخشنے والا (عبادات کو) قبول کرنے والا ہے۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جنت میں تمام عبادات زائل ہو جائیں گی البتہ شکر، حمد، تسبیح اور تہلیل (لا الہ الا اللہ بڑھنا) زائل نہیں ہوگی اور صحیح حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو الہام ہوگا جس طرح سانس لیا جاتا ہے (تسبیح و تہلیل بلا تکلف ہوگی)۔

جس طرح ”صحیح مسلم میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اہل جنت اس میں کھائیں گے اور پیئیں گے نہ ان کو ریٹھ آئے گی اور نہ پیشاب کریں گے اور ان کا یہ کھانا ڈکار اور کستوری کی طرح پسینہ ہوگا۔

ان کو تسبیح اور حمد کا الہام ہوگا جس طرح سانس کا ہوتا ہے مطلب یہ کہ ان کی تسبیح و تہلیل سانسوں کے ساتھ چلے گی اس میں تکلف وغیرہ نہیں ہوگا یہ آسانی اور الہام کے طریقے سے ہوگا تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا سانس لینا ضروری ہے اور اس میں کسی قسم کا تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہوگا۔ اس میں راز یہ ہے کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے روشن ہوں گے اور ان کی آنکھوں کو اس کی زیارت سے نفع حاصل ہوگا۔

اس کی وسیع نعمتوں نے ان کو ڈھانپ رکھا ہوگا اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی دوستی سے بھرے ہوئے ہوں گے تو ان کی زبانیں اس کے ذکر سے ملی ہوں گی اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں ان کا معاملہ قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَهُ  
وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ  
أَجْرُ الْعَامِلِينَ ○ (الزمر: ۷۳)

اور وہ کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنایا کہ ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں تو کیا ہی اچھا ثواب (اچھے) کام کرنے والوں کا۔

اور ارشاد فرمایا:

دَعُواهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ  
فِيهَا سَلَامٌ وَأُخِرْ دَعْوَاهُمْ إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ  
الْعَالَمِينَ ○ (یونس: ۱۰)

ان کی دعا اس میں یہ ہوگی کہ اللہ تجھے پاکی ہے اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل و اصحاب پر ہو اور بہت زیادہ خوب خوب سلام ہو۔ اس (المواہب اللدنیہ) کے مؤلف اور جامع احمد بن خطیب القسطلانی اللہ تعالیٰ اپنے کرم کے مطابق ان سے معاملہ کرے فرماتے ہیں: اس (المواہب اللدنیہ) کا یہ آخری حصہ ہے جس کے ساتھ قلم مدد جاری ہوئی۔ اور اسے محمدی



عطیات سے فیض کے ہاتھ نے تحریر کیا یہ اگرچہ زیادہ ہے لیکن اس کے بلند و بالا شرف کے پہلو میں قلیل ہے اور اس چیز میں سے آسان ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے ثابت فضل کے ساتھ اعزاز بخشا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے عطیات سے جو عطیہ عطا فرمایا۔ اور باعث فخر امور میں سے جو شرف عطا فرمایا اس کی تلاش کریں تو اس کا تھوڑا سا حصہ بھی رجسٹروں میں نہ آ سکے اس کے مقصود کے سامنے قلم بے کار ہو گئے، دوائیں خشک ہو گئیں اور اس کو جمع کرنے سے کتابیں تنگ ہو گئیں نیز اس کو اٹھانے سے عمدہ اونٹ عاجز آ گئے:-

یغنی الزمان وفيه مالم يوصف

وعلى تفنن واصفيه لحسنه

(الدیوان ص ۹۱)

”باوجود اس کے کہ اس کا حسن بیان کرنے والے مختلف اقسام پر مشتمل ہوں، زمانہ ختم ہو جائے گا اور اس

میں ایسی بات ہے جس کا وصف بیان نہ ہو سکے۔“

میں بارگاہ خداوندی میں فریاد کناں ہوں کہ اس کتاب کو خالص اپنی رضا کے لئے کر دے اس کو ریا کاری کے ہر سبب اور بڑائی کی دعوت دینے والے ہر امر سے محفوظ رکھے اور اس کے ذریعے مسلمان مردوں اور عورتوں کو زندگی میں اور موت کے بعد نفع دے، میں ہر اس فاضل سے سوال کرتا ہوں جو اس پر آگاہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بصیرت کو روشن کیا اور اس کے دل کو فطرتاً انصاف پر رکھا کہ وہ اپنی بردباری سے میری لغزشوں کی اصلاح کرے اور اپنے فضل کو میری خطاؤں کے لئے سد راہ بنائے، کریم لوگ خطاؤں کو معاف کرتے اور عذر قبول کرتے ہیں، خصوصاً میرے جیسے شخص کا عذر کہ اس عمل میں اس کی ہمت کم ہے اور اس کے پاس جو معمولی پونجی ہے بازار میں اس کی مانگ نہیں، کمینی دنیا کے مشاغل اور بدنی عوارض میں مبتلا ہے اور اس نے وہ بوجھ اٹھائے ہیں کہ اگر رضوی (مدینہ طیبہ کا پہاڑ) اسے اٹھاتا تو وہ جھک جاتا۔

یاد وہ بوجھ کوہ ثبیر (منی کا ایک پہاڑ) پر اتارا جاتا تو وہ ڈر کر پھٹ جاتا لیکن میں نے اس غفلت کے موقع پر جو لوگوں کو سخت اندھیرے میں ہوتی ہے اور وہ رات جب چوروں کے ڈر سے کوئی شخص گھر سے نہیں نکلتا میں نے اس کو شروع کیا اور مشاغل کے ہاتھوں سے چوری کیا اور رات کا وقت چور کا مددگار ہوتا ہے میں نے معافی کے تالوں کو (علامہ ابن حجر عسقلانی کی شرح بخاری) ”فتح الباری کی“ چابیوں سے کھولا اور میں نے علوم کے خزانوں کے مطالب سے عمدہ موتی نکالے، میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھ پر انعام فرمایا، الہام کیا اور جو کچھ میں نہیں جانتا تھا اس کا علم عطا فرمایا، میں درود و سلام بھیجتا ہوں اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ پر جو تمام انبیاء کرام میں سے زیادہ شرف والے اور تبلیغ نبوت میں افضل ہیں اور آپ کے آل و اصحاب اور آپ کے خلفاء کرام پر ایسی رحمت جو دائمی ہو اور اس کی کوئی انتہاء نہ ہو۔

اور میں اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب سے نسل در نسل کو نفع عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں کافی اور

بہترین کار ساز ہے۔

میں اپنے آپ کو اپنے دین کو اور اپنے اعمال کے خاتمہ کو میرے رب نے مجھ پر جو انعام کیا اور اس کتاب کو سپرد خدا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور مجھے اور میرے احباب کو نہایت اچھے اور مکمل طریقے پر حرمین طہیین کی طرف واپس لے جائے، مجھے وہاں عافیت کے ساتھ کسی مشقت کے بغیر ٹھہرائے، اپنی فرمانبرداری میں میری زندگی کو لمبا کرے اور اپنی عافیت کا لباس پہنائے، میرے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دنیا اور



آخرت دونوں کی بھلائی کو جمع کرے اور مجھ سے دنیا اور آخرت کے نقصان کو دور کر دے، مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر مقدس میں وفات کا شرف عطا کرے اور اپنی رضا کے ساتھ ساتھ مدد محمدی عطا کرے جس طرح یہ عطیہ اپنے نیک بندوں کو عطا کیا ہے۔

(یہ سوال بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ) ہمیں اپنے دیدار کی لذت سے نفع بخش فرمائے اور کسی قسم کا عذاب نہ دے کیونکہ جب کوئی چیز اس کے سپرد ہو جاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔  
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو وحدہ لا شریک ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہمارے سردار حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کے آل و اصحاب پر ہو۔

اس کتاب کے مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نسخہ مبارکہ جو ان شاء اللہ نفع بخش ہوگا، کی کتابت ۱۵ شعبان المکرم ۸۹۹ھ میں مکمل ہوئی اور مسودہ مذکورہ کی ابتدا محرم الحرام ۸۹۹ھ میں اس وقت ہوئی جب حاجیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے میری واپسی کے دو دن ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ کے لئے سب تعریفیں ہیں جو وحدہ لا شریک ہے اور ہمارے سردار حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کے آل و اصحاب (رضی اللہ عنہم) پر رحمت و سلام ہو۔ آمین

الحمد للہ! آج مورخہ ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ / ۲۳ فروری ۲۰۰۲ء بروز اتوار سہ پیر چار بج کر چونتیس منٹ پر یہ ترجمہ مکمل ہوا۔  
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عظیم کتاب کے مؤلف علامہ قسطلانی، اس کے شارح علامہ زرقانی اور تمام اکابر ملت اسلامیہ کی قبور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، اس ترجمہ کو عوام الناس کے لیے نفع بخش اور مترجم (محمد صدیق ہزاروی) کے لیے باعث اجر و ثواب اور ذریعہ نجات بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد صدیق ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور